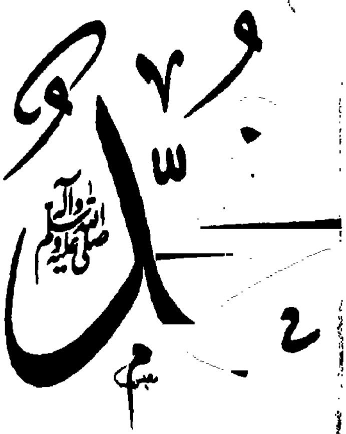


رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ ٹیلی فون نمبر ۵۲۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمایندہ

نقوش

رسولؐ نمبر

جلد دوازدہم

شمارہ نمبر ۱۳۰
جنوری ۱۹۸۵ء

مُدیر:
محمد طفیل

اِدارۂ فروغِ اُردو ۔ لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۲۵ روپے

فہرست

اس شمارے میں

عہدِ نبویؐ میں تنظیمِ ریاست و حکومت

(بقایا جلد پنجم)

ضمائم

تعلیقات و حواشی

عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت

عہدِ نبویؐ کی ابتدائی مہمیں

جلد پنجم میں پہلا باب صفحہ ۳۴۱، دوسرا باب صفحہ ۳۹۸، تیسرا باب صفحہ ۵۲۳، چوتھا باب صفحہ ۵۷۸، پا
ثامات صفحہ ۷۰۲ پر موجود ہے۔

سرورِ انسانیت (بطرز پند و نصائح)

اشاریہ

○

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارہ فروغِ اردو سے شائع کیا

طلوع

میں اپنی موج سے کام کر رہا تھا۔ انسانی کوششوں کو لوگ سراہ رہے تھے، ہرطرف تحسین کے کلمات سنائی دیتے تھے۔ مَیں مطمئن تھا۔ اس کی خبر ایک فرشتے کو ہو گئی۔ وہ ہونکتا ہُوا میرے پاس آیا، عجیب سی گفتگو کرنے لگا:

"سُنو، سُنو!"

"کیا؟"

"تُو نے جیسا کام کیا ہے ویسا نہ کسی قطب نے کیا نہ کسی ابدال نے۔"

میں نے کہا: "کفر نہ بکو، کفر نہ بکو!"

وُہ بولا: "کفر کی بات نہیں، سچ کہہ رہا ہُوں۔"

انسان ناسمجھ ہے، بہلاوؤں میں آنے والا، اس لیے گُدگُدی سی لگ گئی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے پوچھا: "تُو کون ہے؟"

"مَیں دنیا میں راست گوئی کی علامت ہُوں۔"

"تُو کیسا راست گو ہے، جو مجھ سے جھُوٹ بول رہا ہے؟"

"میں نے ہمیشہ حوا زادوں کی رہنمائی کا فرض ادا کیا ہے!"

"اگر تُو رہنما ہے تو پھر منزل کون کھوٹی کرتا ہے؟"

میں بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ مَیں نے دُنیا کا علم گھول کے پی رکھا ہے۔ اِسی بنیاد پہ کہہ رہا تھا: "نہ کسی قطب نے ایسا کام کیا نہ کسی ابدال نے!"

ایک دم میری مدد کو یزداں پہنچا، اُس نے کہا: "اپنے کان بند کر لو اور اسے دیکھو۔"

فرشتہ غائب، آمنے سامنے مَیں اور آدم! وہ بھی خجل، میں بھی خجل!!

سیرت پر یہ میری آخری جلد ہے، آئیے قرآن کی بھی آخری سُورت پڑھیں:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

(آپ کہئے کہ میں انسانوں کے پروردگار کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہُوں پیچھے ہٹ جانے والے وسوسے ڈالنے والے (شیطان) کے شر سے۔ (وہی) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ جنّات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

——— محمد طفیل

اس شمارے میں

میں نے اپنے تئیں یہ اعلان کر دیا تھا کہ سیرت کے موضوع پر، مَیں جتنا کچھ کر سکتا تھا وُہ کچھ کر دیا۔ میرا مشن پُورا ہُوا۔ مگر جب نئی اور اہم دستاویزات ملتی چلی جائیں تو میں کیونکر چُپ سادھ لُوں؟ میں کیوں اپنی خوشی میں دُوسروں کو شریک نہ کروں؟

یہ جلد تو مجھے چھاپنی تھی کیونکہ یہ پانچویں جلد کے ایک اہم مضمون کے باقیات میں سے تھی۔ یہ سب کچھ اتنا اہم تھا کہ اس کے بغیر پانچویں جلد مکمل نہ تھی۔ پھر یہ پانچویں جلد کی تکمیل کا مسئلہ نہ تھا بلکہ سیرت کے موضوع پر اضافے کا مسئلہ تھا۔ ضمائم کے عنوان سے اب سیرت کو ایک نئے زاویے سے، بلکہ یہ کہ ایک نظر میں دیکھا جا سکے گا۔

ہم نے جس مضمون (عہدِ نبوی میں تنظیمِ ریاست وحکومت) کے یہ حواشی پیش کیے ہیں۔ وہ مضمون ۴۵۳ صفحات میں آیا تھا، اس کے حواشی ۹، ۲ صفحات میں آئے ہیں۔ میرے نزدیک حواشی ایک تصنیف (مضمون) کے بعد دوسری تصنیف (حواشی) کا درجہ رکھتے ہیں۔ حواشی کو ہمارے نمبروں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خاکساری میں اتنا کچھ ہی کہہ سکتا ہُوں!

اس جلد میں ایک مضمون "سرِ کائناتؐ" کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس مضمون کا لب ولہجہ مختلف ہے۔ اسے بطرزِ پند ونصائح پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ انداز ایسا دلنواز ہے کہ بات ذہن میں اُترتی چلی جاتی ہے۔

جب دسٌں جلدیں بازار میں آئیں تو سب نے کہا: اس کا اشاریہ بھی چھپنا چاہیے تاکہ ایک نظر میں سب کچھ دیکھا جا سکے۔ علمی نوعیت کے کاموں میں اشاریہ کا ہونا ازبس ضروری ہوتا ہے۔ سو وہ کمی بھی پُوری کر دی گئی ہے۔ ہر چند کہ اشاریہ کا شامل کرنا ہمارے پروگرام میں شامل تھا۔ مگر ہم یہاں یہ لکھے دیتے ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گئی! چُونکہ یہ جلدیں تین قسطوں میں سامنے آئیں اس لیے اشاریہ بھی آپ کو تین حصّوں میں ملے گا۔

مجھے دوست یہ کہہ رہے ہیں کہ اس موضوع کو جاری رہنے دو، ختم نہ کرو۔ دل میرا کیا کُچھ چاہتا ہے وہ کچھ نہ آپ کو بتا سکتا ہوں نہ سمجھا سکتا ہُوں۔ دیوانے کے خواب دیوانہ ہی جانے! مگر یہاں ایک بات عرض کرنی چاہتا ہُوں کہ میرا ارادہ تھا کہ دو ابتدائی جلدیں عالمِ اسلام کی سیرت کے موضوع پر ہوں، جس میں تمام سربراہانِ مملکت کے مضامین کے ساتھ اُس ملک کا سیرتی ادب بھی پیش کیا جائے۔ تاکہ اس نمبر کا تعلق عالمِ اسلام سے مربوط ہو۔ یہ چھوٹا کام نہیں ہے، بڑا کام ہے، ہو جائے تو کیا کہنے!

ہاں مجھے قرآن کے بارے میں بھی تو کچھ کرنا ہے۔ یہ منصوبہ میرا اوّل دن سے ہے، جسے میں نے رسولؐ نمبر کے ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ سیرت ایک امتحان تھا، قرآن دُوسرا ہوگا۔ میں تو یہ جانتا ہُوں کہ چیونٹی کے بدن پر پہاڑ کا وزن پہلے بھی تھا آج بھی ہے۔

محمد نقوش

التماس

۱۹۲۰ء کی بات ہے کہ مولانا محمود حسن نے شاہ عبدالقادر کی تفسیر پر نظرثانی کرتے وقت لکھا:

"حضرت شاہ صاحب (شاہ عبدالقادرؒ) کے اصل ترجمہ کا احسن التراجم اور انفع التراجم ہونا تو ان شاء اللہ ایسا نہیں کہ اہلِ علم و دیانت میں کوئی اس کا منکر ہو۔ ہاں احقر نے جو اس کی خدمت اور ترمیم کی ہے، اس کی نسبت ضرور ہم کو خلجان ہے۔ اس لیے اہلِ علم و انصاف کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر یہ ترجمہ شائع ہو کر کسی وقت آپ حضرات تک پہنچے تو اس کی حاجت ہے کہ ایک نظر اس کو ملاحظہ فرما کر جو امور قابلِ اصلاح ہوں ان سے ہم کو مطلع فرمانے میں تامل نہ فرمائیں اور اگر کوئی صاحب بالاستقلال ترمیم فرمانا زیادہ پسند کریں تو وہ بالاستقلال اس خدمت کو انجام دینے میں سعی فرمائیں۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ یہ عمدہ اور مفید ترجمہ جو اہلِ علم اور عوام دونوں کو مفید ہے ایک تھوڑے سے بہانہ سے نظروں سے نہ گر جائے اور ہم اس کے فیض سے محروم نہ رہ جائیں اور ایک صدقۂ جاریہ میں خلل اور نقصان نہ آ جائے۔ جس طرح ہو اور جو کوئی اس کی تلافی اور تدارک بہتر سے بہتر کر سکے وہ اس میں کوتاہی نہ کرے۔"

۱۹۲۹ء کی بات ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ کے بارے میں لکھا:

"سیرۃِ نبوی جلد اوّل طبع اوّل کو شائع ہوئے آج چار برس ہوئے اس اثنا میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے اس کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہم خاکسارانِ دار المصنفین کے لیے فخر و نازش کا سرمایہ ہے، نہ صرف یہ کہ عام قدردانوں نے اس کو جان و دل سے خریدا، اور امراء اور والیانِ ملک نے اس کی خدمت کو سعادتِ دارین سمجھا، بلکہ خواص اور علماء کے طبقہ نے بھی اس کی قدرشناسی کی۔

ہندوستان میں اہلِ علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس نے اپنے اپنے فن کی میزانِ نقد میں سیرۃ کے مضامین و تحقیقات کو نہ تولا، حفاظ نے اس کی آیاتِ قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اُس کی حدیثیں جانچیں، ادیبوں نے اُس کے عربی اشعار اور ترجموں پر نقد کیا۔ علمائے انساب نے اسماء کی تنقیح کی، منجموں اور حساب دانوں نے اس کے زائچوں اور تاریخوں پر نظرثانی کی، اہلِ تاریخ و سیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی، اور ہم ممنون ہیں کہ نہایت خلوص و محبت سے انھوں نے اپنے نتائجِ افکار سے ہم کو مطلع کیا اور ہم نے اُن سے فائدہ اٹھایا۔"

۱۹۸۱ء کی بات ہے کہ فدوی محمد طفیل نے بھی پوری دردمندی کے ساتھ اپیل کی تھی:

جو خواہش مولانا محمود حسن کی تفسیر کے بارے میں تھی ویسی ہی خواہش میری اس نمبر کے بارے میں ہے۔ وہ عالم سہی مَیں طالب علم سہی، وہ برگزیدہ سہی مَیں گنہگار سہی۔ اس کے باوجود خواہش میری بھی وہی ہے کہ اس کام کو بھی بہتر سے بہتر بنایا جائے۔ لہٰذا اس نیکی میں آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جا سکے۔

محمد طفیل

ضمیمہ اوّل - ۱ امرائے سرایا (مہموں کے قائدین)

نمبر شمار	قائدِ مہم کا نام	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبولِ اسلام	مہم	تاریخِ مہم	تعداد مجاہدین	مخالفین / منازل
۱	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	الف	سیف البحر	رمضان ۱ھ / مارچ ۶۲۳ء	۳۰ (رکاب)	قریش
۲	" عبیدہ بن حارث	" / مطلب	"	رابغ	شوال ۱ھ / اپریل ۶۲۳ء	۶۰--۸۰ (رکاب)	"
۳	" سعد بن ابی وقاص	" / زہرہ	"	خرار	ذیقعدہ ۱ھ / مئی ۶۲۳ء	۸-۲۱ (رجال)	"
۴	" عبداللہ بن جحش	اسد خزیمہ / بنی غنم بن دودان	"	نخلہ	رجب ۲ھ / جنوری ۶۲۴ء	۶-۱۲ (بعیر)	"
۵	" عمیر بن عدی	اوس / خطمہ	د	اسماء بنت مروان	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء	۱ (راجل)	بنو امیہ بن زید / خطمہ
۶	" سالم بن عمیر	خزرج / نجار	د	ابوعفک یہودی	شوال ۲ھ / اپریل ۶۲۴ء	۱ ۰	یہود
۷	" محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	کعب بن اشرف	ربیع الاول ۳ھ / اگست ستمبر ۶۲۴ء	۵ (رجال)	"
۸	" زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	القردہ	جمادی الآخرہ ۳ھ / نومبر ۶۲۴ء	۱۰۰ (راکب)	قریش
۹	" سعد بن زید	اوس / عبدالاشہل	س / بدری	القردہ (تتمہ)	" "	۰	"
۱۰	" ابوسلمہ بن عبدالاسد	قریش / مخزوم	الف	قطن	محرم ۴ھ / جون ۶۲۵ء	- ۱۵۰	اسد / خزیمہ
۱۱	" عبداللہ بن انیس	خزرج	س	سفیان لحیانی	" "	۱ (راجل)	لحیان / ہذیل
۱۲	" منذر بن عمرو	خزرج / ساعدہ	د	بئر معونہ	صفر ۴ھ / جولائی ۶۲۵ء	۴۰ - ۷۰	سلیم / بنو عامر
۱۳	" مرثد بن ابی مرثد	قیس عیلانی / بنو غنی	ب	رجیع	" "	۷ - ۱۰	لحیان
۱۴	" عبداللہ بن عتیک	خزرج / سلمہ	س	ابورافع یہودی	ذی الحجہ ۴ھ / مئی ۶۲۶ء	۵	ابورافع
۱۵	" عمرو بن امیہ ؎	کنانہ / ضمرہ	س	(مکہ)	"	۲	قریش
۱۶	" محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	القرطاء	محرم ۶ھ / جون ۶۲۷ء	۳۰	بکر بن کلاب
۱۷	" عکاشہ بن محصن	اسد خزیمہ / بنو غنم	د	الغمر	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ستمبر ۶۲۷ء	۴۰	اسد

؎ بلاذری، انساب ۱/ ۳۷۹ کے مطابق یہ مہم ۶ھ میں گئی تھی۔

حوالہ جات

افسر مخالف	تعداد مخالفین	نوعیت مہم	نتیجۂ مہم	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری انساب	طبری	اسد الغابہ	
ابوجہل مخزومی	۳۰۰ کاروان والے	کاروان	بلا تصادم	۵۹۵	۹ - ۱۰	۶/۲	۳۷۱/۱	۴۰۲/۲	۴۶-۵۰/۲	۱
ابوسفیان/عکرمہ/مکرز	۲۰۰ ″	″	″	۵۹۱	۱۰ - ۱۱	۷ ″	″ ″	۴۰۲-۴ ″	۲۵۶-۷/۳	۲
•	۶۰ ″	″	بلا تصادم و بلا اتصال	۶۰۰	۱۱	۷ ″	″ ″	۴۰۳	۹۰-۹۳/۲	۳
•	•	″	حملہ و غنیمت	۶۰۱	۱۳ - ۱۹	۱۰ - ۱۱	۳۷۱-۳ ″	۴۱۰-۱۵	۱۳۱-۲/۳	۴
•	•	فوجی	کامیاب	۶۳۶	۱۷۲-۴	۲۷-۲۸	۳۷۳ ″	•	•	۵
•	•	″	″	۶۳۵	۱۷۴-۵	۲۸	۳۷۳-۴ ″	•	۲۴۷-۸/۲	۶
•	•	″	″	۶۰۹	۱۸۴-۹۳	۵۷	۳۷ ′ ″	۴۸۹-۹۱	۳۳۰/۴	۷
صفوان بن امیہ جمحی	•	کاروان/فوجی	″	۶۰۹	۱۹۷-۸	۳۶	″	۴۹۲-۳	۲۳۴-۷/۲	۸
″	•	″	″	•	•	•	•	۱۵۴/۳	۲۷۹-۸/۲	۹
•	•	فوجی	″	۵۹۸	۳۴۰-۴۶	۵۰	۳۷۴-۵ ″	۱۵۵/۲	۲۱۸/۵	۱۰
سفیان لحیانی	•	″	″	۶۱۹	۵۳۱-۳۳	۵۰-۵۱	۳۷۶ ″	۱۵۶/۳	۱۲۰-۱/۳	۱۱
•	•	مذہبی/تبلیغی	سب شہید	۶۰۹	۳۴۶-۵۳	۵۱-۵۴	۳۷۵ ″	۵۴۵-۸	۴۱۸-۱۹	۱۲
•	•	″ ″	″	۱۶۹ ۶۰۹/۲	۳۵۴-۶۳	۵۵-۶	۳۷۵-۶	۵۳۸	۳۴۵/۴	۱۳
ابو رافع	•	فوجی	کامیاب	۶۱۹	۳۹۱-۵	۹۱-۲	۳۷۶ ″	۴۹۳-۹	۳۵۸/۴	۱۴
ابوسفیان	•	″	ناکام	۶۳۳	•	۹۳-۴	۳۷۹-۸۰ ″	۵۴۲-۵	۸۶/۴	۱۵
•	•	″	کامیاب	۶۱۱-۲	۵۳۴-۵	۷۸	۳۷۶ ″	۱۵۵/۳	۳۳۰/۴	۱۶
•	•	″	″	″	۵۵۰-۱	۸۴-۵	″ ″	۶۴۰	۲-۳/۴	۱۷

۱۸	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	ذوالقصہ	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ستمبر ۶۲۷ء	۱۰	ثعلبہ
۱۹	〃 ابوعبیدہ بن جراح [1]	قریش / فہر بن حارث	الف	〃	〃 〃	۴۰	〃
۲۰	〃 زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	〃	الجموم	〃 〃	۰	سلیم
۲۱	〃 〃 〃	〃 〃	〃	العیص	جمادی الاولیٰ ۶ھ / ستمبر اکتوبر ۶۲۷ء	۱۷۰	قریش
۲۲	〃 〃 〃	〃 〃	〃	الطرف	جمادی الآخرہ 〃 / اکتوبر نومبر 〃	۱۵	ثعلبہ
۲۳	〃 〃 〃	〃 〃	〃	حسمیٰ	〃 〃	۵۰۰	جذام
۲۴	〃 〃 〃	〃 〃	〃	وادی القریٰ	رجب ۶ھ / نومبر دسمبر ۶۲۷ء	۰	فزارہ / غطفان
۲۵	〃 عبدالرحمٰن بن عوف	قریش / زہرہ	〃	دومۃ الجندل	شعبان ۶ھ / دسمبر ۶۲۷ء جنوری ۶۲۸ء	۷۰۰	کلب
۲۶	〃 علی بن ابی طالب	〃 / ہاشم	〃	فدک	〃 〃	۱۰۰	سعد
۲۷	〃 زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	〃	ام قرفہ	رمضان ۶ھ / جنوری ۔ فروری ۶۲۸ء	۰	بدر بن فزارہ
۲۸	〃 عبداللہ بن رواحہ	خزرج / حارث	د	اسیر بن رازم	شوال ۶ھ / فروری مارچ ۶۲۸ء	۳۰	یہود خیبر
۲۹	〃 کرز بن جابر	قریش الظواہر / فہر	ط	الحرہ	〃 〃	۲۰	عرینہ
۳۰	〃 عبداللہ بن المعتم	قیس عیلان / عبس	ط	شاہراہ شام	قبل حدیبیہ	۹	قریش
۳۱	〃 زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	مدین	۰	۰	مدین
۳۲	〃 ابان بن سعید	قریش / بنو امیہ	ع	نجد	محرم ۷ھ / مئی ۔ جون ۶۲۸ء	۰	۰
۳۳	〃 عمر بن خطاب	〃 / عدی	ب	تربہ	شعبان ۷ھ / دسمبر ۶۲۸ء	۳۰	ہوازن
۳۴	〃 ابوبکر بن ابی قحافہ [2]	〃 / تیم	الف	نجد	〃 〃	۰	ہوازن / کلاب
۳۵	〃 بشیر بن سعد	خزرج / حارث	د	فدک	〃 〃	۳۰	غطفان / مُرّہ
۳۶	〃 غالب بن عبداللہ	کنانہ / لیث	۰	〃	〃 〃	۲۰۰	〃
۳۷	〃 〃 〃	〃 〃	۰	ثعلبہ	رمضان ۷ھ / جنوری ۶۲۹ء	۱۳۰	ثعلبہ
۳۸	〃 بشیر بن سعد	خزرج / حارث	د	جناب و یمن	شوال ۷ھ / فروری ۶۲۹ء	۳۰۰	غطفان
۳۹	〃 ابن ابی العوجاء	سلیم	۰	۰	ذی الحجہ ۷ھ / اپریل ۶۲۹ء	۵۰	سلیم
۴۰	〃 غالب بن عبداللہ	کنانہ / لیث	۰	الکدید	صفر ۸ھ / جون ۶۲۹ء	۱۰ یا زیادہ	سلیم / بنو الملوح
۴۱	〃 کعب بن عمیر	کنانہ / غفار	۰	ذات اطلاع	ربیع الاول ۸ھ / جولائی ۶۲۹ء	۱۵	قضاعہ

[1] بلاذری، انساب ۱/ ۳۷۷ نے حضرت ابوعبیدہ فہری کی ذوالقصہ کو دو مہمیں بتائی ہیں۔

[2] بلاذری، انساب ۱/ ۳۰۶ اور ۱/ ۳۰۹ نے بالترتیب دو مہمیں ۶ھ اور ۷ھ میں بیان کی ہیں ۶ھ کی مہم اتباع بنی لحیان کے خلاف تھی

۰	۱۰۰	فوجی	کامیاب	۰	۵۵۱-۲	۸۵	۳۰۰/۱	۶۴۰	۲-۳/۴	۱۸
۰	۱۰۰	〃	〃	۶۰۹	۵۵۲	۸۵-۶	۳۷۷ 〃	۶۴۱	۲۴۹/۵	۱۹
۰	۰	〃	〃	۶۱۱-۲	۵۵۳	۸۶	〃 〃	〃	۲۳۴/۲	۲۰
ابو العاص بن ربیع	۰	کاروان/فوجی	〃	۰	۵۵۳-۵	۸۷	〃 〃	〃	〃	۲۱
۰	۰	فوجی	〃	۶۱۶	۵۵۵	〃	〃 〃	〃	〃	۲۲
۰	۰	〃	〃	۶۱۱-۲	۵۵۵-۶۰	۸۸	〃 〃	〃	〃	۲۳
بدر بن فزاره	۰	〃	〃	۰	۰	۸۹	۳۷۷-۸ 〃	۶۴۲	〃	۲۴
الاصبغ بن عمرو	۰	〃	〃	۶۳۲	۵۶۰-۶۲	〃	۳۷۸ 〃	〃	۳۱۳-۱۷/۳	۲۵
وبر بن عُلیم	۲۰۰	〃	〃	۶۱۱-۲	۵۶۲-۳	۸۹-۹۰	〃 〃	〃	۱۶-۴۰/۴	۲۶
۰	۰	〃	〃	۰	۵۶۴-۵	۹۰-۹۱	〃 〃	۶۴۲-۳	۲۳۴-۷/۲	۲۷
اسیر بن رازم	۰	〃	〃	۶۱۸	۵۶۶-۸	۹۲-۳	〃 〃	۱۵۵/۳	۱۵۶-۹/۳	۲۸
۰	۰	〃	〃	۶۴۰	۵۶۸-۷۱	۹۳	۳۷۸-۹ 〃	۶۴۴	۲۳۴/۴	۲۹
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۲۹۵-۶/۱	۰	۹/۳	اصابہ ۱۲۵/۳	۳۰
۰	۰	〃	〃	۶۳۵	۰	۰	۰	۰	۲۳۴-۷/۲	۳۱
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۰	۰	۰	۳۵-۷/۱	۳۲
۰	۰	〃	〃	۶۰۹	۷۲۲	۱۱۷	۳۷۹/۱	۲۲/۳	۵۲-۷۲/۴	۳۳
۰	۰	〃	〃	〃	〃	۱۱۷-۸	〃	۶۴۳/۴ ۲۲/۳	۱۵-۲۳/۳	۳۴
۰	۰	〃	ناکام	۶۱۱-۱۲	۷۲۳	۱۲۰	〃	۲۲/۳	۱۹۵/۱	۳۵
۰	۰	〃	کامیاب	۶۲۲	۷۲۳-۶	۱۲۶	〃	〃	۱۶۸/۴	۳۶
۰	۰	〃	〃	۰	۷۲۶-۷	۱۱۹	〃	۲۲-۲۳/۳	〃 〃	۳۷
۰	۰	〃	〃	۶۱۱-۱۲	۷۲۷-۳۱	۱۲۰	〃	۲۳/۳	۱۹۵/۱	۳۸
۰	۰	〃	〃	〃	۷۴۱	۱۲۳	〃	۲۶/۳	۲۶۶/۵	۳۹
۰	۰	〃	〃	۶۰۹	۷۵۰-۲	۱۲۴	〃	۲۷-۸/۳	۱۶۸/۴	۴۰
۰	۰	〃	ناکام	۶۲۱	۷۵۲-۳	۱۲۷-۸	〃	۲۹/۳	۲۲۶/۴	۴۱

۴۲	حضرت شجاع بن وہب	اسد خزیمہ/حلیف بنو امیہ	ب	سی	ربیع الاول ۸ھ/جولائی ۶۲۹ء	۲۴	ہوازن/عامر
۴۳	〃 زید بن حارثہ	کلب مولائے رسول	الف	موتہ	جمادی الاولیٰ ۸ھ/ستمبر ۶۲۹ء	۳،۰۰۰	غسان
۴۴	〃 جعفر بن ابی طالب	قریش/ ہاشم	۔	〃	〃 〃	〃	〃
۴۵	〃 عبداللہ بن رواحہ	خزرج/ حارث	د	〃	〃 〃	〃	〃
۴۶	〃 عمرو بن عاص	قریش/ سہم	ع	ذات السلاسل	جمادی الآخرہ ۸ھ/ اکتوبر ۶۲۹ء	۵۰۰	بلی،قضاعہ،شمال
۴۷	〃 ابوعبیدہ بن جراح	〃 فہر	الف	خبط	رجب ۸ھ/ نومبر ۶۲۹ء	۳۰۰	علاقہ جہینہ
۴۸	〃 ابوقتادہ	خزرج/ ربیعہ	ط	خضرہ یا غابہ	شعبان ۸ھ/ دسمبر ۶۲۹ء	۱۵ یا ۱۶	غطفان
۴۹	〃 〃	〃	〃	بطن اضم	رمضان ۸ھ/ 〃	۸	شمالی حدود عرب
۵۰	〃 خالد بن ولید	قریش/ مخزوم	ش	نخلہ	〃 /جنوری ۶۳۰ء	۳۰	نخلہ/عزّیٰ
۵۱	〃 عمرو بن عاص	〃 سہم	〃	سواع	〃 〃	۔	ہذیل/سُواع
۵۲	〃 سعد بن زید	اوس/ عبدالاشہل	د	منات	〃 〃	۲۰	مشلل/مناۃ
۵۳	〃 ہشام بن عاص	قریش/ امیہ	ب	یلملم	〃 〃	۲۰۰	۔
۵۴	〃 خالد بن سعید	〃	الف	عُرنہ	〃 〃	۳۰۰	۔
۵۵	〃 خالد بن ولید	〃 / مخزوم	ع	جذیمہ	〃 〃	۳۵۰	بنو جذیمہ
۵۶	〃 طفیل بن عمرو	ازد شنوءہ/دوس	ب	دوس	شوال ۸ھ/ 〃	۔	ازد دوس
۵۷	〃 غالب بن عبداللہ	کنانہ/ لیث	۔	فدک	〃 〃	۔	مرہ
۵۸	〃 ابوسفیان بن حرب	قریش/ امیہ	ف	اللات	شوال ذیقعدہ ۸ھ/جنوری فروری ۶۳۰ء	۔	ثقیف
۵۹	〃 مغیرہ بن شعبہ	ثقیف	ط				
۶۰	〃 عیینہ بن حصن	غطفان/ فزارہ	ع	العرج	محرم ۹ھ	۵۰	تمیم
۶۱	〃 قطبہ بن عامر	خزرج/ سلمہ	د	مسحب	صفر ۹ھ/مئی جون ۶۳۰ء	۲۰	خثعم
۶۲	〃 ضحاک بن سفیان	ہوازن/کلاب	ف	القرطاء	ربیع الاول ۹ھ/جون جولائی 〃	۔	۔
۶۳	〃 علقمہ بن مجزز	کنانہ/ مدلج	۔	شعیبہ	ربیع الثانی ۹ھ/جولائی اگست 〃	۳۰۰	غارتگران حبشہ
۶۴	〃 جزء بن سدرجان	ازد	ق	طے	〃 〃	۔	طے
۶۵	〃 علی بن ابی طالب	قریش/ ہاشم	الف	الفلس	〃 〃	۱۵۰	طے/فلس
۶۶	〃 عکاشہ بن محصن	اسد خزیمہ/ بنو غنم	ب	الجناب	۔	۔	۔
۶۷	〃 خالد بن ولید	قریش/ مخزوم	ع	دومۃ الجندل	رجب ۹ھ/ اکتوبر ۶۳۰ء	۴۲۰	بنوکندہ/مملکت

۴۲	۳۸۶/۲	۲۹/۳	۳۷۹/۱	۱۲۷	۷۵۳-۵	۰	کامیاب	فوجی	۰	۰
۴۳	۲۳۴/۲	۰	〃 〃				کامیاب/ناکام	〃	۱۰۰،۰۰۰	۰
۴۴	۲۸۶-۹/۱	۳۶-۴۲/۳	〃 〃	۱۲۸-۳۰	۷۵۵-۶۹	۶۲۱ ۳۵۹/۲ ۳۷۳	〃 〃	〃	〃	۰
۴۵	۱۵۶-۹/۳		〃 〃				〃 〃	〃	〃	۰
۴۶	۱۱۵-۱۸/۴	۳۱-۲/۳	۳۸۰-۸۱ 〃	۱۳۱	۷۶۹-۷۴	۶۲۳	کامیاب	〃	۰	۰
۴۷	۲۴۹/۵	۳۲-۳/۳	۳۸۱ 〃	۱۳۲	۷۷۴-۷	۶۳۲	〃	〃	۰	۰
۴۸	۲۷۴/۵	۳۴-۵/۳	〃 〃	〃	۷۷۷-۸۰	۰	〃	〃	۰	۰
۴۹	〃	۳۵-۶/۳	〃 〃	۱۳۳	۰	۰	〃	〃	۰	۰
۵۰	۹۳-۶/۲	۶۵/۳	〃 〃	۱۴۵-۶	۸۷۰	۴۳۶/۲	〃	مذہبی/فوجی	۰	۰
۵۱	۱۱۵-۱۸/۴	۶۶/۳	〃 〃	۱۴۶	〃	۰	〃	〃 〃	۰	۰
۵۲	۲۷۹-۸۰/۲	〃	〃 〃	۱۴۶-۷	〃	۰	〃	〃 〃	۰	۰
۵۳	۹۳-۹۴/۵	۰	۰	۰	۸۷۳	۰	〃	〃 〃	۰	۰
۵۴	۸۲-۴/۲	۰	۰	۰	〃	۰	〃	〃 〃	۰	۰
۵۵	۹۳-۶/۲	۶۶-۷/۳	۳۸۱/۱	۱۴۷-۹	۸۷۵-۸۱	۰	〃	〃 〃	۰	۰
۵۶	۵۴-۵/۳	۰	۳۸۲/۱	۱۵۷-۸	۸۷۰و۹۲۳	۰	〃	〃 〃	۰	عامر بن جحمہ
۵۷	۳۴۷/۴	۰	۰	۰	۰	۰	〃	فوجی	۰	۰
۵۸	۲۱۶/۵	۹۹-۱۰۰/۳	۰	۰	۹۷۱	۵۴۱	〃	فوجی/مذہبی	۰	۰
۵۹	۴۰۶-۷/۴	〃								
۶۰	۱۹۶-۷/۴	۰	۳۸۲/۱	۱۶۰-۶۱	۹۷۴-۵	۶۲۱	〃	فوجی	۰	۰
۶۱	۲۰۵-۶/۴	۰	۳۸۰/۱	۱۶۲	۹۸۱	۰	〃	〃	۰	۰
۶۲	۳۶/۳	۰	۳۸۲/۱	۱۶۲-۳	۹۸۲-۳	۰	〃	〃	۰	۰
۶۳	۱۴/۴	۰	۰	۱۶۳	۹۸۳-۴	۶۴۰	〃	〃	۰	۰
۶۴	۲۸۱-۸۲/۱	۰	۳۸۲/۱	۰	۰	۰	〃	〃	۰	۰
۶۵	۱۶-۴۰/۴	۱۱۱-۱۲/۳	〃 〃	۱۶۴	۹۸۴-۹	۶۱۱-۱۲	〃	فوجی/مذہبی	۰	۰
۶۶	۲-۳/۴	۱۵۵/۳	۰	〃	۰	۰	〃	〃 〃	۰	۰
۶۷	۹۳-۶/۲	۱۰۸-۹/۳	۳۸۲-۳۸۳/۱	۱۶۶	۱۰۲۵-۳۰	۵۲۶/۲	〃	فوجی	۰	اکیدر بن عبدالملک

۶۸	حضرت خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	نجران / یمن	ربیع الاول ۱۰ھ / جون جولائی ۶۳۱ء	۴۰۰	الحارث بن کعب
۶۹	" علی بن ابی طالب	" / ہاشم	الف	"	رمضان ۱۰ھ / دسمبر ۶۳۱ء	۳۰۰	مذحج
۷۰	" جریر بن عبداللہ	بجیلہ	ق	ذوالخلصہ	" "	۱	بجیلہ
۷۱	" مسیب بن عمرو	•	و	•	•	•	•
۷۲	" عبداللہ بن حذافہ	قریش / سہم	ب	•	•	•	•
۷۳	" ثابت بن اقرم	بلی / عجلان	د	نجی	•	•	•
۷۴	" اسامہ بن زید	کلب / مولائے رسول	الف / پیدائشی	موتہ	صفر۔ ربیع الاول ۱۱ھ / جون ۶۳۲ء	۳،۰۰۰	غسان

۰	۰	مذہبی	کامیاب	۵۹۲/۲	۰	۱۶۹	۳۸۴/۱	۱۲۶-۷/۳	۹۳-۶/۲	۶۸
۰	۰	″	″	۶۹۱	۱۰۷۹-۸۳	۱۴۹-۷۰	″ ″	۱۳۱-۲/۳	۱۶-۴۰/۴	۶۹
۰	۰	″	″	۰	۰	۲۶۶و۳۴۷	″ ″	۱۵۸/۳	۱۴۹-۸۰/۲	۷۰
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳۶۷/۴	۷۱
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۴۲-۴/۳	۷۲
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲۲۰/۱	۷۳
۰	۰	فوجی	کامیاب	۶۰۶	۱۱۱۷-۲۷	۱۹۰	۳۸۴/۱	۱۸۴-۵/۳	۶۴-۱/۱	۷۴

ضمیمہ اوّل-۲ اُمرائے خمیس (سالارانِ رسالہ)

نمبر شمار	سالار	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت قیس بن ابی صعصعہ	خزرج / نجار	د / عقبہ	بدرِ عظیم	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	" محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د / عقبہ	اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۳	" ذکوان بن عبدقیس	-	-	"	" "
۴	المنذر بن عمرو	خزرج / ساعدہ	د / عقبہ	"	" "
۵	" عبداللہ بن جبیر	اوس / عمرو بن عوف	"	"	" "
۶	" حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	الف	"	" "
۷	" زبیر بن عوام	" / اسد	"	"	" "
۸	" سعد بن زید	اوس / عبدالاشہل	س	"	" "
۹	" سعد بن معاذ	"	د	"	" "
۱۰	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	بنونضیر	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء
۱۱	" صفوان بن معطل	سُلیم / ذکوان	س	مریسیع	شعبان ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۱۲	" عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۱۳	" سعد بن ابی وقاص	قریش / زہرہ	الف	"	" "
۱۴	" اُسید بن حُضیر	اوس / عبدالاشہل	د / عقبہ	"	" "
۱۵	عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	"	" "
۱۶	" زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	"	" "
۱۷	" سلمہ بن اسلم	اوس / عبدالاشہل	س	"	" "
۱۸	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	بنوقریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی-جون ۶۲۷ء
۱۹	" اُسید بن حُضیر	اوس / عبدالاشہل	د / عقبہ	"	" "

منصب سالار	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
ساقہ/مشاۃ اور عرض کے افسر	۰	۲۶	۵۱۷/۳	۰	۴۲۳/۲	۲۱۸/۴	۱
الحرس کے افسر	۰	۲۱۷	۳۹/۲	۰	۰	۳۳۱/۴	۲
〃 〃 〃 واپسی کے سفر میں	۰	۱۱۳ و ۲۱۷	۰	۰	۰	۰	۳
میسرہ کے افسر	۰	۰	۰	۰	۰	۴۱۹/۴	۴
تیراندازوں کے افسر	۰	۲۱۹	۴۰/۲	۳۱۷/۱	۵۰۷/۲	۱۳۰-۱/۳	۵
مقدمہ کے افسر	۰	۰	۰	۰	۵۰۸/۲	۴۶-۵۰/۲	۶
الخیل (شہسواروں) کے افسر	۰	۰	۰	۰	〃	۱۹۶-۹/۲	۷
〃 〃 〃	۰	۰	۰	۰	〃	۰	۸
مدینہ کی محافظ فوج (الحرس) کے افسر	۰	۰	۰	۰	〃	۲۹۶-۹/۲	۹
سالار معسکر	۰	۳۷۱	۰	۰	〃	۰	۱۰
مستقل سالار ساقہ	۰	۱۰۹۳و۴۲۸	۰	۳۴۲/۱	۰	۲۶-۷/۳	۱۱
شب بیدار الحرس کے افسر	۰	۴۶۴	۶۷/۲	۰	۰	۱۰۰-۱/۳	۱۲
〃 〃 〃	۰	۴۶۳	۰	۰	۰	۰	۱۳
۲۰۰ شہسوار دستہ کے افسر	۰	۴۷۳و۴۶۷-۵	۶۸/۲	۰	۰	۹۲-۳/۱	۱۴
شب بیدار الحرس کے افسر	۰	۴۶۶	۰	۰	۰	۰	۱۵
۲۰۰ شہسوار محافظ دستہ (الحرس) کے افسر	۰	۴۶۰	۶۷/۲	۰	۰	۰	۱۶
۲۰۰ 〃 〃 〃 〃	۰	〃	〃	۰	۰	۰	۱۷
مقدمہ کے افسر	۰	۴۹۹	۰	۰	۵۸۲/۲	۱۶-۴۰/۴	۱۸
ایک دستہ کے افسر	۰	〃	۰	۰	۰	۹۲-۳/۱	۱۹

۲۰	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د / عقبہ	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی جون ۶۲۷ء
۲۱	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	〃	غطفان	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ۶۲۷ء
۲۲	〃 سعد بن زید	اوس / عبدالاشہل	س	〃	〃 〃
۲۳	〃 زید بن ثابت	خزرج / نجار	〃	خیبر	صفر ۷ھ / مئی جون ۶۲۸ء
۲۴	〃 عثمان بن عفان	قریش / امیہ	الف	〃	〃 〃
۲۵	〃 عمر بن خطاب	〃 / عدی	ب	〃	〃 〃
۲۶	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	عمرۃ القضیٰ	ذی قعدہ ۷ھ / مارچ ۶۲۹ء
۲۷	〃 اوس بن خولی	خزرج / سالم	س	〃	〃 〃
۲۸	〃 عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	〃	〃	〃 〃
۲۹	〃 اوس بن خولی	خزرج / سالم	〃	〃	〃 〃
۳۰	〃 قطبہ بن قتادہ	سعد ہذیم / عذرہ	•	غزوہ مؤتہ	جمادی الاولیٰ ۸ھ / ستمبر ۶۲۹ء
۳۱	〃 عبایہ بن مالک	انصاری	•	〃	〃 〃
۳۲	〃 عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۳۳	〃 زبیر بن عوام	〃 / اسد	الف	〃	〃 〃
۳۴	〃 ضحاک بن سفیان	عامر / کلاب	ف	〃	〃 〃
۳۵	〃 ابوعبیدہ بن جراح	قریش / فہر	الف	〃	〃 〃
۳۶	〃 خالد بن ولید	〃 / مخزوم	ع	〃	〃 〃
۳۷	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	〃	〃 〃
۳۸	〃 زبیر بن عوام	قریش / اسد	الف	〃	〃 〃
۳۹	〃 ورد بن خالد	سلیم	ف	〃	〃 〃
۴۰	〃 خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	غزوہ حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۴۱	〃 ابوعامر	اشعر	ط	〃 اوطاس	〃 ذیقعدہ 〃 / 〃 〃
۴۲	〃 خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	〃 طائف	〃 〃
۴۳	〃 عبداللہ بن عتیک	خزرج / سلمہ	س	سریہ علی (الفلس)	ربیع الثانی ۹ھ / اگست ستمبر ۶۳۰ء
۴۴	〃 عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	غزوہ تبوک	رجب رمضان ۹ھ / اکتوبر نومبر ۶۳۱ء
۴۵	〃 عبداللہ بن ابی ربیعہ	قریش / مخزوم	ف	یمن	۱۰-۹ھ / ۳۱-۶۳۰ء

شب بیدار الحرس کے افسر	•	۵۰۴	•	•	۵۸۶/۲	۳۳۱/۴	۲۰
مدینہ کی محافظ فوج (الحرس) کے افسر	•	۵۴۷	۸۰/۲	•	•	۲۸۳-۵/۲	۲۱
شہسوار فوج (الخیل) کے افسر	•	۵۴۷،۵۴۵	•	•	۶۰۱/۲	۲۷۹-۸۰/۲	۲۲
افسر عرض	•	۶۸۹	۱۰۷/۲	•	•	۲۲۱-۳/۲	۲۳
لشکرگاہ رجیع کے افسر	•	۶۴۵	•	•	•	۲۷۶-۸۴/۳	۲۴
〃 〃	•	۶۴۷	•	•	•	۵۲-۷۲/۴	۲۵
شب بیدار الحرس کے افسر	•	۹۰۲،۷۳۳، ۳۵	۱۲۱/۲	•	۱۲۶/۳	۳۳۱/۴	۲۶
〃 〃 〃	•	〃	•	•	•	۱۴۴-۵/۱	۲۷
〃 〃 〃	•	〃	•	•	•	۱۰۰-۱/۳	۲۸
الخیل/مقدمہ کے افسر	•	•	۱۲۳/۲	•	•	۱۴۴-۵/۱	۲۹
سالار میمنہ	•	•	۳۹/۳	•	•	۳۰۶/۴	۳۰
سالار میسرہ	•	•	〃	•	•	•	۳۱
الحرس کے افسر	•	۸۱۵	۱۳۵/۲	•	•	۵۲-۷۲/۴	۳۲
سالار مقدمہ	•	۸۰۱	•	۳۵۵/۱	•	۱۹۶-۹/۲	۳۳
سالار فوج سلیم	•	•	•	•	•	۳۶/۳	۳۴
سالار دستہ/مقدمہ	•	•	۱۳۵/۲	۳۵۵/۱ قب ۵۲	۵۷/۳	۲۴۹/۵	۳۵
سالار مقدمہ/میمنہ	•	۸۱۹،۸۲۵	۱۳۵-۶/۲	۵۲ 〃	۵۶/۳	۹۳-۶/۲	۳۶
سالار دستہ فوج نبوی	•	۸۲۵	〃	.	〃	۲۸۳-۵/۲	۳۷
〃 〃	•	〃	〃	〃 〃	۵۵-۶/۳	۱۹۶-۹/۲	۳۸
سالار میمنہ	•	•	•	•	•	۸۶/۵	۳۹
سالار مقدمہ	•	۸۹۷	۱۵۰/۲	•	•	۹۳-۶/۲	۴۰
〃	•	۹۱۵	۱۵۲/۲	۳۶۵-۶/۱، ۶۷ 〃	۷۹/۳	۲۳۸/۵	۴۱
〃	•	۹۲۳	۱۵۸/۲	•	•	۹۳-۶/۲	۴۲
مشاۃ (پیادہ سپاہ) اور سامان کے افسر	•	•	•	•	•	۲۰۳-۵/۳	۴۳
مستقل الحرس کے افسر	•	۱۰۳۴	۱۶۶/۲	•	•	۱۰۰-۱/۳	۴۴
فوج یمن کے مستقل افسر	•	•	•	•	•	۱۵۵/۳	۴۵

ضمیمہ اوّل - ۳ اُمراءِ عَلم / علمبردار (اصحاب الالویۃ والرایات)

نمبر شمار	علمبردار	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبولِ اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت ابو مرثد	قیس عیلان / بنو غنی	الف	سریہ حمزہ (سیف البحر)	رمضان سنہ ۱ھ / مارچ سنہ ۶۲۳ء
۲	" مسطح بن اثاثہ	قریش / مطلب	"	" عبیدہ بن حارث (رابغ)	شوال سنہ ۱ھ / اپریل سنہ ۶۲۳ء
۳	" مقداد بن عمرو	قضاعہ / بہراء	"	" سعد بن ابی وقاص (خرار)	ذیقعدہ سنہ ۱ھ / مئی سنہ ۶۲۳ء
۴	" حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	"	غزوہ ودان	صفر سنہ ۲ھ / اگست سنہ ۶۲۳ء
۵	" سعد بن ابی وقاص	" / زہرہ	"	" بواط	ربیع الاول سنہ ۲ھ / ستمبر سنہ ۶۲۳ء
۶	" علی بن ابی طالب	" / ہاشم	"	" بدر اولیٰ	" "
۷	" حمزہ بن عبدالمطلب	" "	"	" ذات العشیرہ	جمادی الآخرہ سنہ ۲ھ / دسمبر سنہ ۶۲۳ء
۸	" مصعب بن عمیر [۱]	" / عبدالدار	"	" بدر عظیم	رمضان سنہ ۲ھ / مارچ سنہ ۶۲۴ء
۹	" حباب بن منذر [۲]	خزرج / سلمہ	س	" "	" "
۱۰	" سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	"	" "	" "
۱۱	" حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	الف	" بنی قینقاع	شوال سنہ ۲ھ / اپریل سنہ ۶۲۴ء
۱۲	" علی بن ابی طالب	" "	"	" الکدر	محرم سنہ ۳ھ / جولائی سنہ ۶۲۴ء
۱۳	" مصعب بن عمیر [۳]	" / عبدالدار	"	" اُحد	شوال سنہ ۳ھ / مارچ سنہ ۶۲۵ء
۱۴	" ابوالروم بن عمیر	" "	"	" "	" "
۱۵	" اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	د	" "	" "

---

[۱] طبری، ۲/ ۴۲۱ میں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو مہاجرین کا علمبردار بتایا گیا ہے۔

[۲] " " " سعد بن عبادہ خزرجی کو خزرج " " " "۔

[۳] " ۲/ ۵۱۶ " علی بن ابی طالب ہاشمی کو مہاجرین " " " "۔

علم قبیلہ / خاندان	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
علم سریہ	۰	۰	۲/۶	۰	۲/۴۰۲	۵/۲۹۶	۱
〃	۰	۰	۲/۷	۰	〃	۴/۳۵۴-۵	۲
〃	۰	۰	〃	۰	۲/۴۰۳	۴/۴۰۹	۳
علم غزوۂ نبوی	۰	۰	۲/۸	۰	۲/۴۰۷	۲/۴۶-۵۰	۴
〃	۰	۰	〃	۰	〃	۲/۹۰-۳	۵
〃	۰	۰	۰	۰	〃	۴/۱۶-۴۰	۶
〃	۰	۰	۲/۹	۰	۲/۴۰۸	۲/۴۶-۵۰	۷
〃	۶۱۲-۱۳	۵۸ و ۵۶	۲/۱۴	۰	۰	۴/۳۷۰	۸
〃 / خزرج	۰	۵۸	〃	۰	۰	۱/۳۶۴-۵	۹
〃 / اوس	۰	۵۸	〃	۰	۰	۲/۲۹۶-۹	۱۰
〃	۰	۰	۲/۲۹	۰	۲/۴۸۱	۲/۴۶-۵۰	۱۱
〃	۰	۰	۲/۳۱	۰	۲/۴۸۲	۴/۱۶-۴۰	۱۲
〃 / مہاجرین	۰	۲۱۵	۲/۵۸	۱/۳۱۷	۲/۵۰۸	۴/۳۶۸-۹	۱۳
〃 / شہادتِ مصعب کے بعد	۰	۲۳۹	۰	۰	۰	۰	۱۴
〃 / اوس	۰	۲۱۵	۲/۵۸	۱/۳۱۷	۲/۵۰۸	۱/۹۲-۳	۱۵

۱۶	حضرت حباب بن منذر [1]	خزرج / سلمہ	س	غزوہ احد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۱۷	" علی بن ابی طالب [2]	قریش / ہاشم	الف	" حمراء الاسد	" "
۱۸	" " " "	" "	"	" بنی نضیر	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء
۱۹	" " " "	" "	"	" بدر الموعد	ذی قعدہ ۴ھ / اپریل ۶۲۶ء
۲۰	" ابوبکر صدیق	" / تیم	"	" مریسیع	رجب ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۲۱	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	" "	" "
۲۲	" زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	" خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۲۳	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	" "	" "
۲۴	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	" بنی قریظہ	" ذی الحجہ ۵ھ / اپریل مئی ۶۲۷ء
۲۵	" مقداد بن عمرو	قضاعہ / بہرا	"	" غطفان	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ۶۲۷ء
۲۶	" ابوبکر صدیق	قریش / تیم	"	" خیبر	
۲۷	" عمر بن خطاب	" / عدی	ب	" "	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء
۲۸	" علی بن ابی طالب	" / ہاشم	الف	" "	
۲۹	" حباب بن منذر	خزرج / سلمہ	س	" "	" "
۳۰	" سعد بن عبادہ	" / ساعدہ	"	" "	" "
۳۱	" مسطح بن اثاثہ	قریش / مطلب	الف	" "	" "
۳۲	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	وادی القریٰ	" "
۳۳	" حباب بن منذر	" / سلمہ	"	"	" "
۳۴	" سہل بن حنیف [3]	اوس / مالک	"	"	" "
۳۵	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	"	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۳۶	" قیس بن سعد بن عبادہ [4]	" "	"	"	" "

---

[1] بلاذری نے حضرت سعد بن عبادہ کا نام لیا ہے۔

[2] واقدی نے ایک روایت میں حضرت ابوبکر صدیق کا نام لیا ہے۔

[3] ایک روایت میں حضرت عباد بن بشر کا نام ہے۔

[4] حکم نبوی پر باپ کی جگہ بیٹے نے دوران غزوہ لی تھی۔

علم غزوهٔ نبوی / خزرج	۰	۲۱۵	۵۸ / ۲	۰	۵۰۸ / ۲	۳۶۴-۵/۱	۱۶
"	۰	۳۳۶	۴۹ / ۲	۰	۰	۱۶-۴۰/۴	۱۷
"	۰	۰	۵۸ / ۲	۰	۰	"	۱۸
"	۰	۳۸۸	۵۹ / ۲	۰	۰	"	۱۹
" / مهاجرین	۰	۴۰۷	۶۴ / ۲	۰	۰	۲۰۵-۲۳/۳	۲۰
" / انصار	۰	"	"	۰	۰	۲۸۳-۵/۲	۲۱
" / مهاجرین	۰	۰	۶۷ / ۲	۰	۰	۲۳۴-۷/۲	۲۲
" / انصار	۰	۰	"	۰	۰	۲۸۳-۵/۲	۲۳
"	۰	۴۹۷	۷۴ / ۲	۰	۰	۱۶-۴۰/۴	۲۴
"	۰	۰	۸۰ / ۲	۰	۰	۴۰۹ /۴	۲۵
}	۰	{			{	۰	۲۶
" بالترتیب	۰				۱۱-۱۲ / ۳	۰	۲۷
}	۳۲۸ / ۲	۶۴۹,۵۴	۱۰۶ / ۲	۰	۰	۰	۲۸
" / خزرج	۰	۰	"	۰	۰	۰	۲۹
" "	۰	۰	"	۰	۰	۰	۳۰
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳۵۴-۵/۴	۳۱
انصار }						۲۸۳-۵/۲	۳۲
" }		۷۱۰				۳۶۴-۵/۱	۳۳
" }						۳۶۴-۵/۲	۳۴
علم نبوی / " }						۲۰۳-۴/۲	۳۵
" " }		۸۰۰-۸۰۱				۲۱۵-۶/۴	۳۶

۳۷	حضرت قطبہ بن عامر	خزرج / سلمہ	د	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۳۸	" عمارہ بن حزم	" / نجار	"	"	" "
۳۹	" عبداللہ بن زید	" / حارث	"	"	" "
۴۰	" سلیط بن قیس	" / نجار	س	"	" "
۴۱	" زبیر بن عوام	قریش / اسد	الف	"	" "
۴۲	" علی بن ابی طالب	" / ہاشم	"	"	" "
۴۳	" سعد بن ابی وقاص	" / زہرہ	"	"	" "
۴۴	" بلال بن امیہ	اوس / واقف	س	"	" "
۴۵	" ابو نائلہ	" / عبدالاشہل	"	"	" "
۴۶	" جابر بن عتیک	" / بنو معاویہ	"	"	" "
۴۷	" ابولبابہ بن عبدالمنذر	" / خطمہ	"	"	" "
۴۸	" خزیمہ بن ثابت	" / "	"	"	" "
۴۹	" ابو اسید	خزرج / ساعدہ	"	"	" "
۵۰	" قتادہ بن نعمان	" / ظفر	"	"	" "
۵۱	" ابوبردہ ہانی بن نیار	" / حارثہ	"	"	" "
۵۲	" حیان بن حکم	سلیم	ط	"	" "
۵۳	یزید بن اخنس	"	س	"	" "
۵۴	" خفاف بن ندبہ	"	ط	"	" "
۵۵	" عوف بن مالک	غطفان / اشجع	"	"	" "
۵۶	" خزاعی بن عبد نہم	مزینہ	"	"	" "
۵۷	" نعمان بن مقرن	"	"	"	" "
۵۸	" عبداللہ بن عمرو	"	"	"	" "
۵۹	" بلال بن حارث	"	"	"	" "
۶۰	" بریدہ بن حصیب	اسلم	د	"	" "
۶۱	" ناجیہ بن اعجم	"	"	"	" "
۶۲	" معبد بن خالد	جہینہ	س	"	" "

علم نبوی / بنوسلمہ						۲۰۵-۶/۴	۳۷
″ / بنونجار						۴۸/۴	۳۸
″ / ۰						۱۲۵-۷/۳	۳۹
″ / ۰		۸۰۰ - ۸۰۱				۳۴۵-۶/۲	۴۰
″ / مہاجرین					۵۵/۳	۱۹۶-۹/۲	۴۱
″ ″						۱۶-۴۰/۴	۴۲
″ ″						۹۰-۳/۲	۴۳
″ / بنوواقف						۶۶/۵	۴۴
″ / ۰						۳۱۱/۵	۴۵
″ / بنومعاویہ		۸۰۰				۲۵۸-۹/۱	۴۶
″ / ۰						۲۸۴-۵/۴	۴۷
″ / خطمہ						۱۱۴/۲	۴۸
″ / ۰		۸۰۰				۱۲۷/۵	۴۹
″ / ظفر		″				۱۹۵-۷/۴	۵۰
″ / حارثہ		۰				۱۴۶/۵	۵۱
″ / سلیم						۳۶۶/۱	۵۲
″ / ″						۱۰۲-۳/۵	۵۳
″ / ″						۱۱۸-۹/۲	۵۴
″ / اشجع						۱۵۶/۴	۵۵
″ / مُزینہ						۱۱۳/۲	۵۶
″ / ″		۸۰۰				۰	۵۷
″ / ″		۰				۳۰-۱/۵	۵۸
″ / ″		۸۰۰				۲۰۵/۱	۵۹
″ / اسلم		″				۱۷۵-۶/۱	۶۰
اسلم		″				۴/۵	۶۱
جہینہ		۰				۳۹۰/۴	۶۲

۶۳	حضرت سوید بن صخر	جہینہ	د	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۶۴	" زید بن خالد	"	س	"	" "
۶۵	" عبداللہ بن بدر	"	ط	"	" "
۶۶	" بشر بن ابی سفیان	خزاعہ / کعب	"	"	" "
۶۷	" ابو شریح	" "	"	"	" "
۶۸	" عمرو بن سالم	" "	"	"	" "
۶۹	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	غزوہ حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۷۰	" سعد بن ابی وقاص	" / زہرہ	"	"	" "
۷۱	" عمر بن خطاب	" / عدی	ب	"	" "
۷۲	" حباب بن منذر	خزرج / سلمہ	س	"	" "
۷۳	" سعد بن عبادہ	" / ساعدہ	"	"	" "
۷۴	" اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	د	"	" "
۷۵	" ابوبکر صدیق	قریش / تیم	الف	غزوہ تبوک	شوال - ذی قعدہ ۹ھ / اکتوبر نومبر ۶۳۱ء
۷۶	" زبیر بن عوام	" / اسد	"	"	" "
۷۷	" اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	د	"	" "
۷۸	" عمارہ بن حزم	خزرج / نجار	د	"	" "
۷۹	" ابو دجانہ	"	س	"	" "
۸۰	" حباب بن منذر	" / سلمہ	"	"	" "
۸۱	" زید بن ثابت	" / نجار	"	"	" "
۸۲	" ابو زید	" / عمرو بن عوف	"	"	" "
۸۳	" معاذ بن جبل	" / سلمہ	"	"	" "
۸۴	" عبداللہ بن مالک	" / بنو قطیعہ بن عبس	•	•	•
۸۵	" عامر بن سالم	اسلم	د	•	•
۸۶	" بریدہ بن حصیب	"	"	سریہ اسامہ بن زید	محرم - ربیع ۱۱ھ / مارچ - جون ۶۳۲ء

٦٣	٣٧٨/٢						جهینه
٦٤	٢٢٨/٢	٠	٠	٠	٨٠٠	٠	〃
٦٥	١٢٣-٤/٣						〃
٦٦	-						خزاعه / کعب
٦٧	٢٢٥/٥	٠	٠	٠	٨٠١	٠	〃 〃
٦٨	١٠٤-٥/٤						〃 〃
٦٩	〃						مهاجرین
٧٠	〃	٠	٠	١٥٠/٢	٨٩٥	٠	〃
٧١	〃						〃
٧٢	〃	٠	٠	〃	〃	٠	خزرج
٧٣	〃						〃
٧٤	〃	٠	٠	〃	٨٩٥-٦	٠	اوس
٧٥	〃						مهاجرین
٧٦	〃						〃
٧٧	〃						اوس
٧٨	〃						خزرج
٧٩	١٨٤/٥	٠	٠	٠	٩٩٦-١٠٠٣	٠	〃
٨٠	〃						〃
٨١	〃						〃
٨٢	〃						〃
٨٣	〃						〃
٨٤	٢٥١/٣	٠	٠	٠	٠	٠	٠
٨٥	٨١/٣	٠	٠	٠	٠	٠	٠
٨٦	١٧٥-٦/١	٠	٠	١٩٠/٢	١١١٨	٠	علم نبوی

ضمیمہ اوّل - ۴ افسرانِ طلیعہ (گشتی دستے)

نمبر شمار	طلیعہ افسر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبولِ اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت طلحہ بن عبیداللہ	قریش / تیم	الف	کاروان قریش قبل بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	〃 سعید بن زید	〃 / عدی	〃	〃	〃 〃
۳	〃 زبیر بن عوام	〃 / اسد	〃	غزوۂ بدر	〃 〃
۴	〃 علی بن ابی طالب	〃 / ہاشم	〃	〃	〃 〃
۵	〃 بسبس بن عمرو	جہینہ	س	〃	〃 〃
۶	〃 زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	〃	〃 〃
۷	〃 عبداللہ بن رواحہ	خزرج / حارث	د	〃	〃 〃
۸	〃 مالک بن خلف	اسلم	س	غزوہ اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۹	〃 نعمان بن خلف	〃	〃	〃	〃 〃
۱۰	〃 سلیط بن خالد	〃	〃	〃	〃 〃
۱۱	〃 سفیان بن خالد	〃	〃	〃	〃 〃
۱۲	(نامعلوم)	〃 / بنو عویر	〃	〃	〃 〃
۱۳	〃 ابولیلیٰ	خزرج / مازن	〃	غزوہ بنی قینقاع	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء
۱۴	〃 عبداللہ بن سلام	بنو قینقاع	〃	〃	〃 〃
۱۵	〃 جعال بن سراقہ	کنانہ / ضمرہ	ب	ذات الرقاع	محرم ۵ھ / جون ۶۲۶ء
۱۶	〃 سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	س	خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۱۷	〃 اسید بن حضیر	〃 〃	د	〃	〃 〃
۱۸	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	〃	〃 〃
۱۹	〃 ابوبکر صدیق	قریش / تیم	الف	بنو لحیان	ربیع الاول ۶ھ / جولائی ۶۲۷ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
کاروان قریش کی آمد کا وقت و راستہ معلوم کرنا	۰	۲۰ - ۱۹	۲/۱۲ - ۱۱	۱/۲۸۸	۲/۴۷۸	۳/۵۹	۱
〃 〃 〃	۰	〃	〃	〃	〃	۲/۳۰۶	۲
بدر کے کنوؤں کے قریب جاکر دشمن کی خبر لانا	۰	۵۱	۲/۱۳	۰	۲/۴۲۲-۴۳۴	۲/۹-۱۹۶	۳
〃 〃 〃	۰	〃	۰	۰	۰	۴/۴۰-۱۶	۴
〃 〃 〃	۰	〃	۰	۰	۰	۱/۹-۱۷۸	۵
فتح بدر کی خوشخبری اہل العالیہ کو دینا	۰	۱۱۴	۰	۱/۲۹۴	۲/۴۵۸	۲/۷-۲۳۴	۶
〃 〃 〃 زیریں مدینہ کے لوگوں کو دینا	۰	〃	۲/۱۳	۰	〃	۳/۹-۱۵۶	۷
						۴/۲۷۸	۸
دشمن کے بارے میں خبریں حاصل کرنا	۰	۰	۰	۰	۰		
						۵/۲۵	۹
							۱۰
دشمن کی پسپائی کے بعد ان کے ارادوں کا پتا لگانا	۰	۳۳۷	۰	۰	۰	۴/۲۹۷	۱۱
							۱۲
						۵/۲۸۶	۱۳
کھجوروں کے بعض درخت کاٹنا	۰	۳۷۲	۰	۰	۰		
						۳/۷-۱۷۶	۱۴
مدینہ والوں کو مسلم فوج کی خیریت سے آگاہ کرنا	۰	۰	۲/۶۱	۰	۰	۱/۴-۲۸۳	۱۵
						۲/۷-۲۹۶	۱۶
بنو قریظہ کے بارے میں پتا لگانا	۰	۴۵۸	۰	۰	۰	۱/۳-۹۲	۱۷
						۲/۵-۲۸۳	۱۸
غنیم تک خبریں معلوم کرنے گئے تھے	۰	۵۳۶	۲/۷۹	۰	۰	۳/۲۳-۲۰۵	۱۹

۲۰	حضرت عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء
۲۱	〃 〃	〃 〃	〃	خیبر	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء
۲۲	〃 عمرو بن طفیل	ازد / دوس	〃	〃	〃 〃
۲۳	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	〃	〃	〃 〃
۲۴	〃 علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۲۵	〃 زبیر بن عوام	〃 / اسد	〃	〃	〃 〃
۲۶	〃 نہیک بن اوس	خزرج	س	حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۲۷	〃 اسید بن حضیر	اوس	〃	تبوک	۹ھ / ۶۳۱ء
۲۸	〃 زیاد بن حنظلہ	تمیم	۰	مسیلمہ کذاب کے خلاف	۱۱ھ / ۶۳۲ء

دشمن کی خبر معلوم کرنا۔ ۲۰۰ سپاہ کے افسر	۰	۵۷۴	۹۵ / ۲	۰	۰	۰	۳/۱۰۰-۱۰۱	۲۰
〃	۰	۶۴۰	۰	۰	۰	۰	〃	۲۱
اپنے قبیلہ سے کمک لانا	۰	۹۲۳	۰	۰	۰	۰	۱۱۵ / ۴	۲۲
لشکرگاہ کے لیے مناسب جگہ حاصل کرنا	۰	۶۴۴	۰	۰	۰	۰	۳۳۱ / ۴	۲۳
ایک جاسوس عورت سے خط وصول کرنا	۰	۷۹۷ - ۸	۰	۰	۰	۴۸ - ۹/۳	〃	۲۴
							〃	۲۵
مدینہ والوں کو مسلم سپاہ کی خیریت پہنچانا	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴۴۴ / ۵	۲۶
پانی وغیرہ حاصل کرنا/جگہ کا پتا لگانا	۰	۱۰۴۱	۰	۰	۰	۰	۹۲-۹۳/۱	۲۷
اس کے ارادوں کا پتا لگانا	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲۱۳ / ۲	۲۸

ضمیمہ اوّل ۔ ۵ جاسوس (عیون)

نمبر شمار	جاسوس	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت بسبس بن عمرو	جہینہ	س	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	〃 عدی بن ابی الزغباء	〃	〃	〃	〃 〃
۳	〃 عمار بن یاسر	مذحج / عنس	الف	〃	〃 〃
۴	عبداللہ بن مسعود	ہذیل	〃	〃	〃 〃
۵	〃 انس بن فضالہ	خزرج / ظفر	س	غزوۂ احد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۶	مونس بن فضالہ	〃 〃	〃	〃	〃 〃
۷	حباب بن منذر	〃 / سلمہ	د	〃	〃 〃
۸	〃 علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	〃	〃 〃
۹	〃 امیہ بن خویلد	کنانہ / ضمرہ	س	رجیع	صفر ۴ھ / اپریل ۶۲۶ء
۱۰	〃 عمرو بن امیہ	〃 〃	〃	〃	〃 〃
۱۱	〃 بریدہ بن حصیب	اسلم	د	مریسیع	شعبان ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۱۲	〃 خوات بن جبیر	خزرج	س	خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل مئی ۶۲۷ء
۱۳	〃 حذیفہ بن یمان	غطفان / حلیف عبدالاشہل	〃	〃	〃 〃
۱۴	〃 زبیر بن عوام	قریش / اسد	الف	〃	〃 〃
۱۵	〃 بسر بن سفیان	خزاعہ / کعب	س	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء
۱۶	〃 انس بن ابی مرثد	قیس عیلان / غنی	الف	حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۱۷	〃 عبداللہ بن ابی حدرد	اسلم	س	〃	〃 〃

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
جنگ سے قبل بدر جاکر دشمن کی خبر معلوم کرنا	•	۲۲	۲/۱۲	۱/۲۸۹	۳۷ و ۴۳۳	۱/۱۷۸-۹	۱
〃 〃							۲
دشمن کے خیمہ زن ہونے کے بعد ان کی خبریں معلوم کرنا	•	۵۴	•	•	•	۴/۴۳-۴۴	۳
〃 〃						•	۴
اُحد سے قبل دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنا	•	۲۰۶-۷	۲/۳۷	•	•	۱/۱۲۵-۶	۵
〃 〃						۴/۴۲۵-۶	۶
احد میں خیمہ زن ہونے کے بعد دشمن کے بارے میں خبریں معلوم کرنا	•	۲۰۷	〃	•	•	۱/۳۶۴-۵	۷
جنگ کے بعد 〃 〃 〃 〃	•	•	•	•	۲/۵۲۷-۸	۳/۱۶-۴۰	۸
قریش کے ارادوں کا پتا لگانا	•	•	•	•	•	۱/۱۱۷	۹
〃 〃 〃	•	•	•	•	۲/۵۴۱-۲	۴/۸۶	۱۰
بنو مصطلق کے ارادوں کے بارے میں تصدیق کرنا	•	۴۰۴	۲/۶۳	•	•	۱/۱۷۵-۶	۱۱
بنو قریظہ 〃 〃 〃	•	۴۶۰-۶۱	•	•	•	•	۱۲
احزاب 〃 〃 معلوم کرنا	•	۴۸۹-۹۰	۲/۶۹	•	۲/۵۷۹-۸۱	۱/۳۹۰-۲	۱۳
بنو قریظہ کی غداری کی خبروں کی تصدیق کرنا	•	۴۵۷	•	•	•	۱/۱۹۶-۹	۱۴
قریش کے ارادوں کا پتا لگانا	•	۵۷۳	۲/۹۵	•	•	۱/۱۸۱	۱۵
ہوازن 〃 〃 〃	•	۸۹۴		•	•	۱/۱۲۹-۳۰	۱۶
دشمن کی کمین گاہ کا پتا لگانا	•	۸۹۳	۲/۱۵۰	•	۳/۷۳	۳/۱۴۱-۲	۱۷

ضمیمہ اوّل ۔ ۶ راہ بر (دلیل)

نمبر شمار	راہ بر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت عبداللہ بن اریقط	” / دئل	س	سفر ہجرت نبوی	صفر، ربیع الاول ۱ھ / اگست ستمبر ۶۲۲ء
۲	” سعد العرجی	کنانہ / اسلم	”	”	” ”
۳	” ابو خیثمہ	اوس / حارث	”	اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۴	” ثابت بن ضحاک	خزرج / عمرو بن عوف	”	حمراء الاسد	” ”
۵	” مذکور	عذرہ	•	دومۃ الجندل	ربیع الاول و الثانی ۵ھ / اگست ستمبر ۶۲۶ء
۶	” مسعود بن ھنیدہ	اسلم	د	مریسیع	رجب ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۷	” ابو حدرد	”	”	غطفان	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ۶۲۷ء
۸	” عمرو بن عبد نہم	”	ط	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء
۹	” حسیل بن خارجہ / نویرہ	غطفان / اشجع	”	خیبر	صفر ۷ھ / مئی۔جون ۶۲۸ء
۱۰	” عبداللہ بن نعیم	”	”	”	” ”
۱۱	” یاسر	یہود خیبر	ع	”	” ”
۱۲	” ابو حبیش		”	”	” ”
۱۳	” سماک		”	”	” ”
۱۴	” حسیل بن خارجہ / نویرہ	غطفان / اشجع	ط	سریہ بشیر بن سعد	شوال ۷ھ / فروری ۶۲۹ء
۱۵	” غالب بن عبداللہ	کنانہ / لیث	س	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۱۶	” علقمہ بن فغواء	خزاعہ / عامر بن ربیعہ	د	غزوہ تبوک	رجب۔رمضان ۹ھ / اکتوبر۔نومبر ۶۳۱ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
مکہ سے العرج تک راہ بری	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
العرج سے مدینہ تک راہ بری	۰	۰	۰	۰	۰	۲۸۶-۷/۲	۲
مدینہ سے احد تک 〃	۰	۲۱۸	۳۶/۲	۰	۵۰۶/۲	۱۶۹/۵	۳
مدینہ سے حمراء الاسد تک 〃	۰	۰	۰	۰	۰	۲۲۵-۶/۱	۴
مدینہ سے دومہ تک 〃	۰	۴۰۳	۰	۰	۰	۳۴۲/۴	۵
مدینہ سے مریسیع تک 〃	۰	۰	۰	۰	۰	۳۶۰/۴	۶
〃 〃 علاقہ غطفان تک راہ بری	۰	۰	۰	۰	۰	۱۶۹-۷۰/۵	۷
〃 〃 حدیبیہ تک 〃	۰	۵۸۴	۰	۰	۰	۱۱۹-۲۰/۴	۸
〃 〃 خیبر 〃 〃	۰	۶۳۹	۲۳/۳	۰	۰	۱۶/۲	۹
خیبر کی مہم کے دوران	۰	〃	۰	۰	۰	۲۶۸/۳	۰
〃 〃	۰	۶۴۱	۰	۰	۰	۰	۱
〃 〃	۰	۰	۰	۰	۰	۲۵۳/۵	۲
〃 〃	۰	۶۴۷-۸	۰	۰	۰	۳۵۷/۲	۳
دوران سریہ اور مدینہ سے علاقہ مہم تک	۰	۷۲۷	۰	۰	۰	۱۶/۲	۴
مکہ کا مختصر ترین راستہ بتایا اور راہبری کی	۰	۰	۰	۰	۰	۱۶۸/۴	۵
مکہ سے تبوک تک	۰	۹۹۹	۰	۰	۰	۱۳-۱۴/۴	۶

ضمیمہ اول ۔ اموالِ غنیمت اور قیدیوں کے نگراں افسر (اصحاب المغانم)

نمبر شمار	صاحب المغانم	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبولِ اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت عبداللہ بن کعب	خزرج / نجار	س	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	〃 〃 〃	〃 〃	〃	متعدد ۔ غیر متعینہ	
۳	〃 صالح شقران	حبشی / مولائے رسول	الف	غزوۂ بدر	〃
۴	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / حارث	د	غزوہ بنی قینقاع	شوال ۲ھ / اپریل ۶۲۴ء
۵	〃 عبادہ بن صامت	خزرج	د	〃	〃 〃
۶	〃 منذر بن قدامہ	اوس / سالم [۱]	س	〃	〃 〃
۷	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / حارث	د	〃 بنو نضیر	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء
۸	〃 ابو رافع	مولائے رسول	الف	〃 〃	〃 〃
۹	〃 بریدہ بن حصیب	اسلم	د	مریسیع	شعبان ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۱۰	〃 صالح شقران	حبشی / مولائے رسول	الف	〃	〃 〃
۱۱	〃 محمیہ بن جزء	زبید / حلیف بنی جمح	ب	〃	〃 〃
۱۲	〃 مسعود بن ہنیدہ	اسلم	د	〃	〃 〃
۱۳	〃 سعد بن زید	اوس / عبدالاشہل	س	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی ۶۲۷ء
۱۴	〃 مسلم بن بجرہ	انصاری	ط	〃	〃 〃
۱۵	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	〃	〃 〃
۱۶	〃 محمیہ بن جزء	زبید	ب	〃	〃 〃
۱۷	〃 عبداللہ بن سلام	بنو قینقاع	س	〃	〃 〃

[۱] بلاذری کے مطابق سُلَمی تھے۔

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
اموال غنیمت کے افسر	•	۱۰۰	۱۸/۲	•	۴۵۸/۲	۲۴۸-۹/۳	۱
خمس کے افسر	•	•	•	•	•	״	۲
قیدیوں کے افسر	•	۱۰۵	•	•	•	۳-۴/۳	۳
قیدیوں کے افسر اخراج اور مغانم کے افسر	•	۱۷۸	۸۵،۳۰/۲	•	•	۳۳۱/۴	۴
یہود کے اخراج کے انتظامات کے نگراں	•	•	۲۹/۲	•	۴۸۱/۲	۱۰۶-۷/۳	۵
قیدیوں کو ہتھکڑیاں پہنانے کے ذمہ دار	•	۱۷۷	״	۳۰۹/۱	•	۴۱۹/۴	۶
یہود کے اخراج کے نگراں افسر	•	۳۷۴	۷۵/۲	•	•	۳۳۱/۴	۷
اموال غنیمت کے افسر	•	۳۷۹	•	•	•	۱۹۱/۵	۸
قیدیوں کے نگراں افسر	•	۴۱۰	۶۴/۲	•	•	۱۷۵-۶/۱	۹
اموال غنیمت کے افسر	•	״	״	•	•	۳-۴/۳	۱۰
خمس اور سہمان مسلمین کے افسر	•	״	״	•	•	۳۳۴/۴	۱۱
خمس کے افسر	•	•	•	•	•	۳۶۰/۴	۱۲
قیدیوں کو بطور غلام فروخت کرنے کے افسر	•	۵۹۱-۲	•	•	•	۲۷۹-۸۰/۲	۱۳
قتل ہونے والے قیدیوں کے نگراں افسر	•	•	•	•	•	۳۶۰/۴	۱۴
״ ״ ״ ״ ہتھکڑی لگانا	•	۵۰۹	•	•	•	۳۳۰-۱/۴	۱۵
خمس کے افسر	•	•	۷۵/۲	•	•	۳۳۴/۴	۱۶
قیدیوں کے افسر اعلیٰ	•	۵۰۹	״	•	•	۱۷۶-۷/۳	۱۷

۱۸	حضرت علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی ۶۲۷ء
۱۹	〃 زبیر بن عوام	〃 / اسد	〃	〃	〃 〃
۲۰	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	〃	〃 〃
۲۱	〃 مرداس بن مروان	〃 / سلمہ	ط	غزوہ خیبر	صفر ۷ھ / مئی - جون ۶۲۸ء
۲۲	〃 فروہ بن عمرو	〃 / بیاضہ	د	غزوہ خیبر	〃 〃
۲۳	〃 ابوجہیمہ	انصاری	٠	〃	〃 〃
۲۴	〃 خزاعی بن عبدنہم	مُزینہ	س	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۲۵	〃 مسعود بن عمرو	غفار	ب	حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۲۶	〃 عمرو بن قاری	قارہ	،	〃	〃 〃
۲۷	〃 بدیل بن ورقاء	خزاعہ	ف	〃	〃 〃
۲۸	〃 بسر بن سفیان	〃	ط	〃 طائف	〃 〃
۲۹	〃 زید بن ثابت	خزرج / نجار	س	〃 〃	〃 〃
۳۰	〃 〃 〃	〃 〃	〃	جعرانہ	〃 〃
۳۱	〃 عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	〃	〃 〃
۳۲	〃 ابورہم کلثوم بن حصین	غفار	〃	〃	〃 〃
۳۳	〃 ابوقتادہ	خزرج / سلمہ	س	سریہ علی طرف الفلس	ربیع الثانی ۹ھ / جولائی - اگست ۶۳۰ء

قتل کے مجرم قیدیوں کے قتل کے افسر	.	۵۱۳	.	.	.	۱۶-۴۰/۴	۱۸
〃 〃 〃	.	〃	.	.	.	۱۹۶-۷/۲	۱۹
بعض قیدیوں کے فروخت کے نگراں افسر	.	۵۲۳	.	.	.	۲۸۳-۵/۲	۲۰
اموال غنیمت کے افسر	.	.	.	.	.	۳۴۷-۸/۴	۲۱
〃 〃 〃	.	۶۸۰	۱۰۷/۲	.	.	۱۷۸-۹/۴	۲۲
〃 〃 〃 مدینہ پہنچانے کے افسر	.	.	.	.	.	۱۶۵/۵	۲۳
〃 〃 پر قبضہ کرنے کے افسر	.	.	.	.	.	۱۱۳/۲	۲۴
〃 〃 اور قیدیوں کو جعرانہ میں اکٹھا کرنے کے افسر	۴۵۹/۲	.	.	.	۸۱/۳	۳۵۹/۴	۲۵
〃 〃 〃 〃 〃 〃	.	.	.	.	.	۱۲۶/۴	۲۶
جعرانہ میں جمع شدہ اموالِ غنیمت کے افسر	.	۹۸۳	.	.	.	۱۷۰/۱	۲۷
حنین کے قیدیوں کے لیے کپڑے خریدنے کے افسر	.	۹۴۳	.	.	.	۱۸۱-۲/۱	۲۸
اموالِ غنیمت اور قیدیوں کو شمار کرنے کے افسر	.	۹۴۶	.	.	.	۲۲۱-۲/۲	۲۹
انصار سے قیدیوں کو رہا کرانے کے ذمہ دار	.	۹۵۲	.	.	.	〃	۳۰
مہاجرین سے اسیرانِ حنین کو رہا کرانا	.	〃	.	.	.	۵۲-۲/۴	۳۱
بدوی قبائل سے 〃 〃 〃 〃	.	〃	.	.	.	۱۹۷/۵	۳۲
اموالِ غنیمت اور قیدیوں کے افسر	.	.	۱۶۴/۲	.	.	۲۷۴-۵/۵	۳۳

ضمیمہ اوّل - ۸ اسلحہ اور گھوڑوں کے افسر (اصحاب السلاح والفرس)

نمبر شمار	افسر	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت سعد بن ابی وقاص	قریش / زہرہ	الف	بدر سے قبل	۱-۲ھ / ۶۲۲-۳ء
۲	″ بشیر بن سعد	خزرج / ساعدہ	س	عمرۃ القضیہ	ذی قعدہ ۷ھ / مارچ ۶۲۹ء
۳	″ اوس بن خولی	″		″	″
۴	″ عبدالرحمٰن بن ازہر	قریش / زہرہ	ف	حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
ریاستی گھوڑوں کے افسر	۰	۰	۰	۰	۰	۲۶۸/۲	۱
اسلحہ کے افسر	۰	۷۳۳	۱۲۱/۲	۰	۲۶/۳	۱۹۵/۱	۲
〃 〃	۰	۷۳۵	〃	۰	۰	۰	۳
گھوڑوں کے افسر	۰	۰	۰	۰	۰	۲۷۹/۳	۴

ضمیمہ اوّل - ۹ (محافظ دستوں کے افسر)

نمبر شمار	محافظ	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبولِ اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	س	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	〃 〃 〃	〃 〃	〃	〃 اُحد	شوال ۳ھ / اپریل ۶۲۵ء
۳	〃 اسید بن حضیر	〃 〃	〃	〃 〃	〃 〃
۴	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	〃 〃	〃 〃
۵	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / حارث	〃	〃 〃	〃 〃
۶	〃 ذکوان بن عبدقیس	〃 / زریق	〃	〃 〃	〃 〃
۷	〃 سعد بن عبادہ	〃 / ساعدہ	〃	حمراء الاسد	〃 〃
۸	〃 حباب بن منذر	〃 〃	〃	〃	〃 〃
۹	〃 سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	〃	〃	〃 〃
۱۰	〃 اوس بن خولی	خزرج / سالم	س	〃	〃 〃
۱۱	〃 قتادہ بن نعمان	اوس / ظفر	د	〃	〃 〃
۱۲	〃 عبید بن اوس	〃 〃	س	〃	〃 〃
۱۳	〃 عباد بن بشر	〃 / عبدالاشہل	د	〃	〃 〃
۱۴	〃 〃 〃	〃 〃	〃	ذات الرقاع	محرم ۵ھ / جون ۶۲۶ء
۱۵	〃 عمار بن یاسر	مذحج / عنس	الف	〃	〃 〃
۱۶	〃 عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / اگست ستمبر ۶۲۷ء
۱۷	〃 سلمہ بن اسلم	〃 / حارث	〃	〃	〃 〃
۱۸	〃 بلال بن رباح	حبشی / مولائے رسول	الف	وادی القریٰ	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
میدانِ جنگ میں العریش کے باہر نگران و محافظ	۰	۵۵	۰	۰	۴۴۹/۲	۲۹۶-۹/۲	۱
رسول کریم کے مکان پر محافظ دستے کے افسر	۰	۲۰۸	۳۷/۲	۳۱۴/۱	۰	〃	۲
〃 〃 〃	۰	〃	〃	〃	۰	۹۲-۳/۱	۳
〃 〃 〃	۰	〃	〃	〃	۰	۲۸۳-۵/۲	۴
پچاس سپاہیوں کے دستے کے افسر	۰	۰	۰	۳۱۵/۱	۰	۰	۵
رسول کریم کے شیخین نامی مقام پر محافظ	۰	۲۱۷	۰	۰	۰	۱۳۷/۲	۶
محافظِ رسول	۰	۳۳۴	۰	۰	۰	۲۸۳-۵/۲	۷
〃	۰	〃	۰	۰	۰	۳۶۴-۵/۱	۸
〃	۰	〃	۰	۰	۰	۲۹۶-۷/۲	۹
〃	۰	〃	۰	۰	۰	۱۴۴/۱	۱۰
〃	۰	〃	۰	۰	۰	۱۹۵-۶/۴	۱۱
〃	۰	〃	۰	۰	۰	۳۴۶/۳	۱۲
〃	۰	۳۳۶	۰	۰	۰	۱۰۰-۱/۳	۱۳
محافظ افواجِ اسلامی	۰	۳۹۷	۰	۰	۰	〃	۱۴
〃	۰	〃	۰	۰	۰	۴۳-۷/۴	۱۵
محافظ رسول	۰	۶۰۶	۰	۰	۰	۱۰۰-۱/۳	۱۶
〃	۰	〃	۰	۰	۰	۲۳۲-۳۳/۲	۱۷
〃 و فوج اسلامی	۰	۰	۰	۰	۱۷/۳	۲۰۶/۱	۱۸

ضمیمہ دوم - ۱ خلفائے رسول (نواب، خلفاء)

نمبر شمار	خلیفہ / نائب	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم / موقعہ	تاریخ مہم / تقرری
۱	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	ودان	صفر ۲ھ / اگست ۶۲۳ء
۲	〃 سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	..	بواط	ربیع الاول ۲ھ / ستمبر ۶۲۳ء
۳	〃 زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	بدر اولیٰ / سفوان	〃 〃
۴	〃 ابوسلمہ بن عبدالاسد	قریش / مخزوم	〃	ذات العشیرہ	جمادی الآخرہ ۲ھ / دسمبر ۶۲۳ء
۵	〃 عمرو بن ام مکتوم	〃 / عامر بن لوی	〃	بدر الکبریٰ	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۶	〃 ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر	اوس / عمرو بن عوف	س	〃	〃 〃
۷	〃 حارث بن حاطب	〃 〃	.	〃	〃 〃
۸	〃 عاصم بن عدی	〃 / عجلان	〃	〃	〃 〃
۹	〃 ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر	اوس / عمرو بن عوف	〃	بنو قینقاع	شوال ۲ھ / اپریل ۶۲۴ء
۱۰	〃 〃 〃 〃	〃 〃	〃	سویق	ذی قعدہ ۲ھ / مئی۔جون ۶۲۴ء
۱۱	〃 عمرو بن ام مکتوم [1]	قریش / عامر بن لوی	الف	الکدر	محرم ۳ھ / جولائی ۶۲۴ء
۱۲	〃 عثمان بن عفان	〃 / امیہ	〃	ذوامر / غطفان	ربیع الاول ۳ھ / ستمبر ۶۲۴ء
۱۳	〃 عمرو بن ام مکتوم	〃 / عامر بن لوی	〃	بحران	جمادی الاولیٰ ۳ھ / اکتوبر، نومبر ۶۲۴ء
۱۴	〃 〃 〃	〃 〃	〃	احد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۱۵	〃 〃 〃	〃 〃	〃	حمراء الاسد	〃 〃
۱۶	〃 ابوسلمہ بن عبدالاسد	〃 / مخزوم	〃	ذات العشیرہ	محرم ۴ھ / جون ۶۲۵ء
۱۷	〃 عمرو بن ام مکتوم	〃 / عامر بن لوی	〃	بنو نضیر	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء

[1] اس مہم میں دوسری روایت کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ غفاری نائب رسول تھے۔

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
•	۵۹-۶۱/۱	•	۸/۲	انساب ۱/۲۸۷	۴۰۷/۲	۲۸۳-۵/۲	۱
ابن ہشام ۱/۵۹۸ کے مطابق حضرت سائب بن عثمان جمحی	•	•	″	″/″	″	۲۹۶-۹/۲	۲
•	•	•	۹/۲	″/″	″	۲۳۴-۷/۲	۳
•	۵۹۸/۱	•	″	۲۹۴/″	۴۰۸/۲	۲۱۸/۵	۴
ابن ہشام کے بقول حضرت عمرو کی جگہ ابولبابہ نے لی تھی	۶۱۲/۱	•	•	•	•	۱۲۷/۴	۵
حضرت ابولبابہ کو روحاء سے بھیجا گیا تھا	•	۱۸۰	۱۲/۲	″/″	۴۷۸/۲	۲۹۸/۵	۶
بالائی مدینے کے علاقے میں	•	″	″	۲۸۹/″	″	″	۷
مدینہ زیریں کے لیے	•	″	″	″/″	″	•	۸
پندرہ دن عہدہ مدت	•	″	۲۹-۴۲/۲	۳۰۹/″	۴۸۱/۲	ایضاً	۹
پانچ ″ ″ ″	۴۵/۲	۱۸۰ و ۸۲	۳۰-۴۲/۲	۳۱۰/″	″	″	۱۰
پندرہ ″ ″ ″	۴۳/۲	۱۸۴	۳۱/۲	″/″	۴۸۳/۲	″	۱۱
گیارہ ″ ″ ″	۴۶/۲	۱۹۶	۳۵/۲	۳۱۱/″	•	۳۷۶-۸/۳	۱۲
دس ″ ″ ″	″	۱۹۷	۳۵-۶/۲	″/″	•	۱۲۷/۴	۱۳
•	″	۱۹۹	۳۹/۲	۳۳۸/″	•	″	۱۴
پانچ دن عہدہ مدت	۱۰۲/۲	•	۴۹/۲	″/″	۵۳۶/۲	″	۱۵
•	•	•	″	•/″	•	۲۱۸/۵	۱۶
پندرہ دن عہدۂ مدت	•	۳۷۱	۵۸/۲	۳۳۸/″	۵۵۵/۲	۱۲۷/۴	۱۷

۱۸	حضرت عبداللہ بن رواحہ[1]	خزرج	س	بدر الموعد	ذی قعدہ ۴ھ / اپریل ۶۲۶ء
۱۹	" عثمان بن عفان	قریش / امیہ	الف	ذات الرقاع	محرم ۵ھ / جون ۶۲۶ء
۲۰	" سباع بن عرفطہ	غفار	ب	دومۃ الجندل	ربیع الاول و الثانی ۵ھ / اگست ستمبر ۶۲۶ء
۲۱	" زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	مریسیع	رجب ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۲۲	" عمرو بن ام مکتوم	قریش / عامر بن لوی	"	خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۲۳	" " "	" "	"	بنو قریظہ	" ذی الحجہ ۵ھ / مئی ۶۲۷ء
۲۴	" " "	" "	"	لحیان	ربیع الاول ۶ھ / جولائی ۶۲۷ء
۲۵	" " "	" "	"	الغابہ	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ۶۲۷ء
۲۶	" " " [2]	" "	"	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء
۲۷	" سباع بن عرفطہ [3]	" "	ب	خیبر / فدک / وادی القریٰ	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء
۲۸	" ابو رہم کلثوم بن حصین[4]	غفار	س	عمرۃ القضیہ	ذی قعدہ ۷ھ / مارچ ۶۲۹ء
۲۹	" عمرو بن ام مکتوم [5]	قریش / عامر بن لوی	الف	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۳۰	" " "	" "	"	حنین / طائف	" شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۳۱	" محمد بن مسلمہ [6]	اوس / عبد الاشہل	د	تبوک	رجب۔ رمضان ۹ھ / اکتوبر۔ دسمبر ۶۳۱ء
۳۲	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	"	" "
۳۳	" سباع بن عرفطہ [7]	غفار	س	حجۃ الوداع	ذی الحجہ ۱۰ھ / مارچ ۶۳۲ء

[1] ابن ہشام ۲ / ۲۰۹ کے مطابق حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول نائبِ رسول تھے۔

[2] وکان ابن ام مکتوم علی الصلاۃ ۱ / ۳۵۰۔

[3] ابنِ ہشام، ۲ / ۳۷۰ کے مطابق حضرت عویف بن الاضبط نائبِ رسول تھے۔ بلاذری ۱ / ۳۵۳ میں ابوذر غفاری کا نام بھی ہے۔

[4] طبری ۳ / ۱۰۳ کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ غفاری نائبِ رسول تھے۔

سولہ دن عہدۂ مدت	.	۳۸۴	۵۹/۲	.	۵۶۱/۲	۱۵۶-۹/۳	۱۸
پندرہ دن 〃	۲۰۳/۲	۴۰۲	۶۱/۲	انساب ۳۴۰/۱	۵۵۶/۲	۴۷۶-۸۴/۳	۱۹
پچیس دن 〃	۲۱۳/۲	۴۰۴	۶۲/۲	۳۴۱/〃	۵۶۴/۲	۲۵۶/۲	۲۰
اٹھائیس دن 〃	.	.	۶۳/۲	۳۴۲/〃	.	۲۳۴-۷/۲	۲۱
پندرہ دن 〃	۲۲۰/۲	۴۴۱	۶۶/۲	۳۴۵/〃	.	۱۲۷/۴	۲۲
〃 〃 〃 ۲۳ ذی قعدہ تا ۲ ذی الحجہ	۲۳۴/۲	۴۹۶	۷۴/۲	۳۴۷/〃	.	〃	۲۳
.	۲۷۹/۲	۵۳۷	۷۶/۲	۳۴۸/〃	.	〃	۲۴
پانچ دن 〃	۲۸۴/۲	۵۳۸ ۵۴۵	۸۰/۲	۳۴۹/〃	.	〃	۲۵
تقریباً دو ماہ 〃	.	۵۷۳	۹۵/۲	۳۵۰/〃	.	〃 [۳]	۲۶
.	.	۶۳۶	۱۰۶/۲	۳۵۲/〃	۹/۳	۲۵۹/۲	۲۷
.	.	.	۱۲۰/۲	.	.	۲۵۰/۵	۲۸
تقریباً دو ماہ 〃	.	.	۱۳۵/۲	۳۶۴/〃	۵۰/۳	〃	۲۹
.	.	.	〃	.	.	〃	۳۰
۳ ماہ تقریباً مدتِ عہدہ	۵۱۹/۳	۹۹۵	۱۶۵/۲	۳۶۸/۱	.	۳۳۱/۴	۳۱
خلیفۂ رسول در امور بنی ہاشم	۵۲۰/۳	.	.	.	.	۱۶-۴۰/۴	۳۲
.	۶۰۰/۳	.	.	.	.	۱۸۴-۵/۵	۳۳

[۲] ابن ہشام ۳۰۸/۲، کے مطابق نمیلہ بن عبداللہ لیثی نائبِ رسول تھے۔

[۳] ابن ہشام ۳۲۸/۲ اور اسد ۳۲۴/۵ کے مطابق نمیلہ بن عبداللہ لیثی نائب رسول تھے۔

[۴] ابن ہشام ۳۹۱/۲ کے مطابق حضرت ابو رہم غفاری نائبِ رسول تھے مگر واقدی نے تردید کی ہے نیز بلاذری ۳۶۴/۱ ۔

[۵] ایک روایت میں حضرت ابو دجانہ انصاری کا نام ہے۔ بلاذری ۳۶۸/۱ میں حضرت ابن ام مکتوم کا نام ہے۔

ضمیمہ دوم - ۲ مشیرانِ نبوی (المشیرون)

نمبر شمار	مشیر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم / موقعہ	تاریخ مہم / موقعہ
۱	حضرت ابوبکر صدیق	قریش / تیم	الف		
۲	" عمر بن خطاب	" / عدی	ب		
۳	" مقداد بن عمرو	قضاعہ / بہراء	"		
۴	" سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	د	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۵	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	"		
۶	" حباب بن منذر	" / سلمہ	"		
۷	" " "	" "	"	"	" "
۸	" حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	الف		
۹	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د		
۱۰	" نعمان بن مالک	اوس / سالم	س		
۱۱	" مالک بن سنان	خزرج / حذر	"	غزوۂ اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۱۲	" ایاس بن اوس	اوس / عبدالاشہل	"		
۱۳	" خیثمہ بن حارث	" / عمرو بن عوف	"		
۱۴	" انس بن قتادہ	" / "	"		
۱۵	" سلمان فارسی	ایرانی / مولائے رسول	"	غزوۂ خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۱۶	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	"	" "
۱۷	" سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	"	"	" "
۱۸	" عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / اپریل ۶۲۸ء
۱۹	" حباب بن منذر	خزرج / سلمہ	د	خیبر	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
(۱) جنگ سے پہلے لڑنے یا نہ لڑنے				۲۹۳-۴/۱		۲۰۵-۲۳/۳	۱
کے بارے میں مشورہ۔ سب کا بالاتفاق				۲۹۲/۱ ″		۵۲-۷۲/۴	۲
جنگ کرنے کے حق میں مشورہ۔		۵۳-۵۴، ۱۰۷-۸		″	۴۳۴-۴۰/۲، ۴۷۴-۷/۲	۴۰۹/۴	۳
(۲) جنگ کے بعد قیدیوں کے ساتھ				″		۲۹۶-۹/۲	۴
سلوک کے بارے میں مشورہ خاص کر				″		۲۸۳-۵/۲	۵
اول الذکر دو سے۔				″		۳۶۴-۵/۱	۶
خیمہ گاہ کے موزوں مقام کا مشورہ	۰	۵۳	۰	۲۹۳/۱	۴۴۰/″	″	۷
						۴۶-۵۰/۲	۸
						۲۸۳-۵/۲	۹
ان تمام صحابہ کرام نے شہر سے باہر نکل کر جنگ						۲۹-۳۰/۵	۱۰
کرنے کا نہ صرف مشورہ دیا تھا بلکہ رسول کریم	۰	۲۰۹-۱۳	۰	۰	۵۰۲-۳/۲	۲۸۱/۴	۱۱
صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال اور فیصلہ کو تبدیل کرایا تھا						۱۵۳/۱	۱۲
						۱۲۹/۲	۱۳
						۱۲۶/۱	۱۴
مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ	۴۵۰/۲	۴۴۴-۵	۰	۳۴۳/۱	۵۶۶/۲	۳۲۸-۳۲/۲	۱۵
قبیلہ غطفان کو میدانِ جنگ سے واپسی کے عوض	۰			۳۴۶/۱	۵۷۳/۲	ایضاً	۱۶
مدینہ کی ½ پیداوار کی تجویز کے خلاف مشورہ						″	۱۷
حضرت عثمان کی بطور سفیر نبوی تقرری کی تجویز	۳۱۵/۲	۶۰۰	۹۷/۲	۰	۶۳۰-۳۱/۲	ایضاً	۱۸
قلعہ سے ذرا دور ہٹ کر خیمہ زن ہونے کا مشورہ	۰	۶۴۳-۴	۰	۰	۰	۳۶۴-۵/۱	۱۹

۲۰	حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ	قریش / تیم	الف	خیبر	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء
۲۱	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	"	" "
۲۲	" ابوبکر صدیق	قریش / تیم	الف	سریہ بشیر بن سعد	شعبان ۷ھ / فروری ۶۲۹ء
۲۳	" عمر فاروق	" / عدی	ب	"	" "
۲۴	" " "	" "	"	غزوۂ حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۲۵	" حباب بن منذر	خزرج / سلمہ	د	" طائف	" "
۲۶	" سلمان فارسی	ایرانی / مولائے رسول	س	"	" "
۲۷	" نوفل بن معاویہ	دئل	ط	"	" "
۲۸	" عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	تبوک	رمضان ۹ھ / دسمبر ۶۳۱ء

دباؤ ڈالنے کے لیے بعض کھجور کے درختوں کے کاٹنے کا مشورہ	۔	۶۴۳/۴	۔	۔	۔	سابق	۲۰
حضرت ابوبکر کے مشورہ کے خلاف نہ کاٹنے کا مشورہ	۔	۶۵۱/۲	۔	۔	۔	"	۲۱
							۲۲
دونوں کا متفقہ مشورہ کہ حضرت بشیر کو افسر سریہ مقرر کیا جائے	۔	۷۲۸	۔	۔	۔	۔	۲۳
طریق جنگ کے بارے میں مشورہ	۔	۸۹۲	۔	۔	۷۳/۳	سابق	۲۴
خیمہ گاہ کے انتخاب کے بارے میں	۔	۹۲۵/۶	۔	۔	۔	"	۲۵
منجنیق بنانے اور استعمال کرنے کا مشورہ	۔	۹۲۷	۔	۳۶۷/۱	۔	"	۲۶
محاصرہ اٹھا لینے کا مشورہ	۔	۹۳۷	۔	۔	۸۴/۳	۴۰/۵	۲۷
مدینہ کو واپس ہونے کا مشورہ	۔	۱۰۱۹	۔	۔	۔	سابق	۲۸

ضمیمہ دوم - ۳ سکریٹری (کاتبینِ رسول)

نمبر شمار	کاتب / سکریٹری	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم / موقعہ	تاریخ مہم / موقعہ	
۱	حضرت ابی بن کعب	خزرج / نجار	س	مدنی عہد	سنہ ۱-۱۱ھ /	سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۲	〃 زید بن ثابت	〃 〃	〃	〃	〃	〃
۳	〃 علی بن ابی طالب [1]	قریش / ہاشم	الف	〃	〃	〃
۴	〃 عثمان بن عفان [1]	〃 / امیہ	〃	〃	〃	〃
۵	〃 خالد بن سعید [1]	〃 〃	〃	〃	〃	〃
۶	〃 ابان بن سعید	〃 〃	ط	〃	سنہ ۸-۱۱ھ /	سنہ ۶۳۰-۳۲ء
۷	〃 شرحبیل بن حسنہ [1]	کندہ	الف	〃	سنہ ۱-۱۱ھ /	سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۸	〃 معاویہ بن ابی سفیان	قریش / امیہ	ع	〃	سنہ ۷-۱۱ھ /	سنہ ۶۲۹-۳۲ء
۹	〃 مغیرہ بن شعبہ	ثقیف	ط	〃	سنہ ۵-۱۱ھ /	سنہ ۶۲۷-۳۲ء
۱۰	〃 ارقم بن ابی الارقم [1]	قریش / مخزوم	الف	〃	سنہ ۱-۱۱ھ /	سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۱۱	〃 علاء بن عقبہ	۰	۰	〃	〃	
۱۲	〃 علاء بن حضرمی	حضرموت	ب	〃	〃	
۱۳	〃 عبداللہ بن زید	انصاری	۰	〃	〃	
۱۴	〃 جہیم بن صلت	قریش / مطلب	ط	〃	سنہ ۶-۱۱ھ /	سنہ ۶۲۷-۳۲ء
۱۵	〃 زبیر بن عوام	〃 / اسد	الف	〃	سنہ ۱-۱۱ھ /	سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۱۶	〃 عبداللہ بن ارقم	〃 / زہرہ	ع	〃	سنہ ۷-۱۱ھ /	سنہ ۶۲۹-۳۲ء
۱۷	〃 حنظلہ الاسیدی	تمیم / اُسید	۰	〃	۰	
۱۸	〃 عقبہ	۰	۰	〃	۰	
۱۹	〃 قضاعی بن عمرو	عذرہ	۰	〃	۰	
۲۰	〃 سجل	۰	۰	〃	۰	

[1] مکی عہد میں بھی کاتب تھے۔

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
وحیِ الٰہی اور خطوط لکھنا۔ کاتبِ اعظم	•	۳-۲۹۴، ۷۸۲، ۹۲۴ وغیرہ	۲۶۷-۶۸/۱	۵۳۱/۱	۱۷۳/۳	۱/۹۴	۱
نائب کاتب اعظم۔ وحی/خطوط	•	•	•	"	"	۲۲۱-۲/۲	۲
وحی، خطوط، معاہدے، فرامین/صلح حدیبیہ	•	۶۱۰	۲۶۷-۶۴/۱ ۹۷/۲	•	۶۳۴-۵/۲ ۱۷۴/۳	۱۶-۴۰/۴	۳
وحی اور خطوط	•	•	۲۸۴/۱	۵۳۲/۱	۱۷۳/۳	۳۷۹-۸۴/۳	۴
" "	۵۴۳/۲	۹۶۷	۲۶۵-۸۵/۱	"	"	۸۲/۲	۵
خطوط	•	•	•	"	"	۳۵-۷/۱	۶
وحی اور خطوط	•	•	•	"	•	•	۷
وحی، خطوط، فرامین اور معاہدے/مستقل	•	•	۲۶۶-۸۷/۱	"	۱۷۳/۳	۳۸۵-۷/۴	۸
خطوط اور فرامین	•	•	۲۶۶-۷۴/۱	•	•	۴۰۶-۷/۴	۹
وحی، خطوط	•	•	۲۶۸-۷۴/۱	•	•	۵۹-۶۱/۱	۱۰
خطوط	•	•	۲۷۱-۳/۱	•	•	۹/۴	۱۱
"	•	۷۸۲	۲۶۹-۷۱/۱	۵۳۲/۱	۱۷۳/۳	۷-۸/۴	۱۲
"	•	•	۲۶۶-۷/۱	•	•	۱۶۸/۳	۱۳
"	•	•	۲۶۸/۱	۵۳۲/۱	•	۳۱۱-۲/۱	۱۴
"	•	•	۲۶۹/۱	•	•	۱۹۶-۹/۱	۱۵
"	•	•	•	•	•	۱۱۵/۳	۱۶
وحی اور خطوط	•	•	•	•	۱۷۳/۳	۵۸/۲	۱۷
خطوط	•	•	۲۷۱/۱	•	•	۴۱۸-۹/۳	۱۸
"	•	•	۲۷۰/۱	•	•	۲۰۵/۵	۱۹
وحی اور خطوط	•	•	•	•	•	۲۶۱/۲	۲۰

۲۱	حضرت نامعلوم نصرانی۔ نومسلم[1]	•	•	مدنی عہد	•	
۲۲	〃 عبداللہ بن سعد بن ابی سرح[1]	قریش / عامر بن لوی	ب / ف	〃	۱ - ۷ھ	۶۲۹-۳۲ء
۲۳	〃 یزید بن ابی سفیان	〃 / امیہ	ع	〃	۱ - ۱۱ھ	۶۲۲-۳۲ء
۲۴	〃 ابوبکر صدیق	〃 / تیم	الف	〃	〃	〃
۲۵	〃 عمر فاروق	〃 / عدی	ب	〃	۸ - ۱۱ھ	۶۳۰-۳۲ء
۲۶	〃 ابوسفیان بن حرب	〃 / امیہ	ف	〃	۱ - ۱۱ھ	۶۲۲-۳۲ء
۲۷	〃 عامر بن فہیرہ	〃 / تیم مولائے صدیق	الف	〃		
۲۸	〃 طلحہ بن عبیداللہ	〃 〃	〃	〃	〃	〃
۲۹	〃 عبداللہ بن رواحہ	خزرج / نجار	د	〃	۱ - ۸ھ	۶۲۲-۲۹ء
۳۰	〃 خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	〃	۷ - ۱۱ھ	۶۲۸-۳۲ء
۳۱	〃 حاطب بن عمرو	〃 / عامر بن لوی	الف	〃	۱ - ۱۱ھ	۶۲۲-۳۲ء
۳۲	〃 حویطب بن عمرو	〃 〃	〃	〃	〃	〃
۳۳	〃 حذیفہ بن یمان	اوس / عبدالاشہل	س	〃	〃	〃
۳۴	〃 حصین بن نمیر	•	•	〃	•	
۳۵	〃 ابوایوب خالد انصاری	خزرج / نجار	〃	〃	〃	〃
۳۶	〃 معیقب بن ابی فاطمہ	دوس	الف / ب	〃	〃	〃
۳۷	〃 عمرو بن عاص	قریش / سہم	ع	〃	۷ - ۱۱ھ	۶۲۸-۳۲ء
۳۸	〃 بریدہ (بن حصیب)	(اسلم؟)	س	〃	۱ - ۱۱ھ	۶۲۲-۳۲ء
۳۹	〃 ابوسلمہ بن عبدالاسد	قریش / مخزوم	الف	〃	〃	〃
۴۰	〃 عبد ربہ	•	•	•	•	
۴۱	〃 عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول	خزرج	د	〃	〃	〃
۴۲	〃 ثابت بن قیس	〃	س	〃	〃	〃
۴۳	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	〃	〃	〃
۴۴	〃 عبداللہ بن ہلال[1] (ابن خطل)[3]	قریش / ادرم	الف	•	•	
۴۵	〃 عبداللہ بن ابی بکر صدیق	〃 / تیم	〃	〃	〃	〃

[1] مرتد ہو گئے۔ [2] مکی عہد میں بھی کاتب تھے۔ [3] مرتد ہوئے اور قتل کے جرم میں قتل ہوئے۔

۲۱	•	بخاری، قصہ اسلام ابی ذر		•	•	•	وحی
۲۲	۱۷۳-۴/۳	۱۷۳/۳	۵۳۱/۱	•	۸۵۵	۴۰۹/۲	"
۲۳	•	•	•	•	•	•	خطوط
۲۴	•	•	•	•	•	•	وحی، خطوط/فرامین
۲۵		•	•	•	•	•	" " "
۲۶	•	•	•	•	•	•	خطوط
۲۷	•	•	•	•	•	•	"
۲۸	•	•	•	•	•	•	"
۲۹	•	•	•	•	•	•	"
۳۰	•	•	•	•	•	•	"
۳۱	•	•	•	•	•	•	"
۳۲	•	•	•	•	•	•	"
۳۳	•	•	•	•	•	•	"
۳۴	•	•	•	•	•	•	•
۳۵	•	•	•	•	•	•	•
۳۶	۴۰۳/۴	•	•	•	•	•	خطوط / خاتم نبوی کے محافظ بھی تھے
۳۷	•	•	•	•	•	•	خطوط
۳۸	•	•	•	•	•	•	•
۳۹	•	•	•	•	•	•	•
۴۰	•	•	•	•	•	•	•
۴۱	•	•	•	•	•	•	•
۴۲	۲۲۹-۳۰/۱	•	•	۲۸۶/۱	•	•	خطوط
۴۳	۳۳۰-۱/۱	•	•	"	•	•	"
۴۴	•	•	•	•	•	•	"
۴۵	•	•	•	۲۸۶/۱	•	•	"

ضمیمہ دوم۔۴ سفیرانِ نبوی (رسل الرسول)

نمبر شمار	سفیر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / منزل	تاریخ تقرری
۱	حضرت عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	بدر / قریش مکہ	سنہ ۲ھ / سنہ ۶۲۴ء
۲	محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	بنو نضیر	ذی قعدہ سنہ ۴ھ / .
۳	〃 نعیم بن مسعود	غطفان / اشجع	ط	غطفان، قریش / قریظہ	〃 سنہ ۵ھ / اپریل سنہ ۶۲۷ء
۴	〃 سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	د	بنو قریظہ	〃 〃
۵	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	〃	〃	〃 〃
۶	〃 عبداللہ بن رواحہ	〃 / نجار	〃	〃	〃 〃
۷	〃 خراش بن امیہ	خزاعہ / کعب	س	قریش مکہ	ذی قعدہ سنہ ۶ھ / مارچ سنہ ۶۲۸ء
۸	〃 عثمان بن عفان	قریش / امیہ	الف	〃	〃 〃
۹	〃 علی بن ابی طالب	〃 / ہاشم	〃	〃	〃 〃
۱۰	〃 دحیہ بن خلیفہ	کلب	س	قیصر روم ہرقل	محرم سنہ ۷ھ / مئی جون سنہ ۶۲۸ء
۱۱	〃 حاطب بن ابی بلتعہ	لخم / خلیفہ	الف	مقوقس مصر	〃 〃
۱۲	〃 عبداللہ بن حذافہ	قریش / سہم	〃	کسرائے ایران خسرو پرویز	〃 〃
۱۳	〃 شجاع بن وہب	اسد خزیمہ / حلیف بنی امیہ	〃	حارث بن ابی شمر شاہ تخوم شام	〃 〃
۱۴	〃 مہاجر بن ابی امیہ	قریش / مخزوم	ف	شاہِ یمن (حمیر)	〃 〃
۱۵	〃 سلیط بن عمرو	قریش / بنی عامر بن لوی	الف	سردار یمامہ ہوذہ بن علی	〃 〃
۱۶	〃 عمرو بن امیہ	کنانہ / ضمرہ	س	شیخ مکہ ابو سفیان اموی	〃 〃
۱۷	〃 〃 〃	〃 〃	〃	شاہِ حبشہ نجاشی	〃 〃
۱۸	〃 عمرو بن العاص	قریش / سہم	ع	شاہانِ عمان جیفر و عبد	ذی قعدہ سنہ ۸ھ / فروری مارچ سنہ ۶۳۰ء
۱۹	〃 علاء بن حضرمی	حضر موت	الف / ب	شاہِ بحرین منذر بن ساوی	〃 〃

نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
لشکرِ قریش کو واپس مکہ جانے کا حکم پہنچانا	۰	۰	۰	۲۹۲/۱	۰	۰	۱
یہودی قبیلہ کو اخراج کے فیصلہ نبوی سے آگاہ کرنا	۰	۳۶۶	۵۷/۲	۰	۰	۳۳۱/۴	۲
احزاب کے مختلف گروہوں سے گفتگو کے لیے	۰	۰	۰	۰	۵۵۲-۳/۲	۳۳/۵	۳
						سابق	۴
یہودی قبیلہ کو معاہدہ پر قائم رہنے کی یاد دہانی	۳۰۳/۲	۴۵۸-۹	۰	۰	۵۷۱/۲	〃	۵
						〃	۶
مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ کی اجازت کے حصول کے لیے	۰	۶۰۰	۹۶/۲	۰	۶۳۱/۱	۱۰۸/۲	۷
〃 〃 〃 〃	۳۱۵/۲	〃	۹۷/۲	۰	۶۳۰-۱/۲	سابق	۸
صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے کرنے کے لیے	۰	۰	۰	۰	۶۳۰/۲	۰	۹
دعوتِ اسلام، معاہدۂ صلح، دوستی	۶۰۷/۱	۰	۲۵۸-۳/۱	۵۳۱/۱	۶۴۴-۵/۲	۱۳۰/۲	۱۰
〃 〃 〃	〃	۰	〃	〃	〃	۳۶۰-۲/۱	۱۱
〃 〃 〃	〃	۰	〃	〃	〃	۱۴۲-۴/۳	۱۲
〃 〃 〃	〃	۰	〃	〃	〃	۳۸۹/۱	۱۳
〃 〃 〃	〃	۰	۰	۰	۰	۴۲۲/۴	۱۴
〃 〃 〃	〃	۰	۲۶۲/۱	۵۳۱/۱ فب ۹۷	۶۴۴-۵/۲	۳۴۴/۲	۱۵
تحائف لے کر	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۶
مسلمانوں کو لانے کے لیے، دعوت	۶۰۷ ۲۵۹/۲	۰	۲۵۸/۱	۵۳۱/۱	۶۴۴-۵۵/۲	۸۶/۴	۱۷
دعوت اسلام، معاہدۂ صلح، دوستی	۶۰۷/۱	۰	۲۶۱/۱	۰	۶۴۵/۲ ۲۹/۳	۱۱۵-۱۸/۴	۱۸
〃 〃 〃	〃	۰	۲۶۳/۱	فب ۸۹	۶۴۵/۲ ۱۳۶/۳، ۲۹	۰	۱۹

۲۰	حضرت ابو زید	انصاری	س	شاہِ عمان	ذی قعدہ ۸ھ / فروری مارچ ۶۳۰ء
۲۱	″ علقمہ بن فغواء	خزاعہ / عمرو بن ربیعہ	•	شیخ مکہ ابو سفیان	غالباً ۹ھ / ۶۳۰ء
۲۲	″ عمرو بن فغواء	″	•	″	″
۲۳	″ نمیر بن خرشہ	ہوازن / ثقیف	•	طائف، ثقیف	″ ″
۲۴	″ ظبیان بن مرثد	سدوس	ف	بکر بن وائل	″ ″
۲۵	″ حارث بن عمیر [1]	ازد / لہب	•	شاہ بصریٰ شرحبیل بن عمرو غسانی	″ ″
۲۶	″ عیاش بن ابی ربیعہ	قریش / مخزوم	الف	شاہ حمیر (قوم)	″ ″
۲۷	″ دحیہ بن خلیفہ	کلب	س	ضغاطر الاسقف / نجران	″ ″
۲۸	″ وبر بن عنیس	خزاعہ	•	ابناء الیمن	۱۰-۱۱ھ / ۶۳۱-۲ء
۲۹	″ ابو عامر	•	•	حدود شام	″ ″
۳۰	″ قطن بن حارثہ	کلب	ق	بنو کلیب اور حلفاء	″ ″
۳۱	″ عمرو بن امیہ	کنانہ / ضمرہ	س	مسیلمہ کذاب / یمامہ	″ ″
۳۲	″ حبیب بن زید [2]	خزرج / نجار	د	″ ″	″ ″
۳۳	″ عبد اللہ بن وہب	اسلم	س	″ ″	″ ″
۳۴	″ فرات بن حیان عجلی	ربیعہ / عجل	″	حضرت ثمامہ بن اثال شیخ یمامہ	″ ″
۳۵	″ صلصل بن شرحبیل	•	•	بنو عامر	″ ″
۳۶	″ ضرار بن الازور	اسد خزیمہ	ق	بنو صیداء / اسد بنی دوئل	″ ″
۳۷	″ عبد اللہ بن عوسجہ	ہوازن / عرینہ	″	بنو حارثہ ... بن قریظ	″ ″
۳۸	″ عبد اللہ بن بدیل بن ورقاؒ	خزاعہ / کعب	ب	قبائل یمن	″ ″
۳۹	″ عبد الرحمٰن ″ ″ ″	″ ″	″	″	″ ″
۴۰	″ جریر بن عبد اللہ	بجیلہ	ق	ذو الکلاع و ذو ظُلیم	″ ″
۴۱	″ اقرع بن عبد اللہ	حمیر	″	ذو زود و ذو مرّان	″ ″
۴۲	″ زیاد بن حنظلہ	تمیم / عمرو	″	تمیم	″ ″
۴۳	″ نعیم بن مسعود	غطفان / اشجع	ط	اشجع	″ ″

[1] شاہ بصریٰ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

[2] مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

دعوتِ اسلام، معاہدۂ صلح، دوستی	•	•	•	ف ب ۸۷-۸	•	۲/۲-۲۲۱	۲۰
قریش کے غرباء کے لیے رقم لے کر	•	•	•	•	•	۴/۴-۱۳	۲۱
						۴/۱۲۹	۲۲
دعوت، معاہدۂ صلح، دوستی	•	•	۱/۲۸۵	•	•	۵/۴۱	۲۳
〃 〃 〃	•	•	۱/۲۸۲	•	•	•	۲۴
〃 〃 〃	•	•	۲/۱۲۸	•	•	۱/۲-۳۴۱	۲۵
〃 〃 〃	•	•	۱/۲۸۲	•	•	۴/۱۶۱	۲۶
〃 〃 〃	•	•	۱/۲۷۶	•	•	سابق	۲۷
اسود عنسی کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لے کر	•	•	•	•	۳/۱۸۷	۴/۳۳۸ ۵/۸۳	۲۸
•	•	•	•	•	•	۵/۲۴۰	۲۹
•	•	•	•	•	•	۴/۲۰۷	۳۰
اس کے خط کے جواب میں	•	•	۱/۲۷۳	•	•	۴/۸۶	۳۱
دعوت، معاہدۂ صلح، دوستی	•	•	•	ف ب ۱۰۲	•	۱/۳۷۰	۳۲
〃 〃 〃	•	•	•	•	•	۳/۳-۲۷۲	۳۳
مسیلمہ کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لے کر	•	•	•	•	۳/۱۸۷	۳/۱۷۵	۳۴
•	•	•	•	•	〃	۳/۲۹	۳۵
•	•	•	•	•	〃	۳/۴۰-۳۹	۳۶
•	•	•	•	•	•	۳/۲۳۹	۳۷
•	•	•	•	•	•	۳/۵-۱۲۴	۳۸
•	•	•	•	•	•	۳/۲۸۲	۳۹
دعوت، صلح، دوستی	•	•	۲/۲۶۶	•	۳/۱۸۷	۱/۸۰-۲۷۹	۴۰
〃 〃 〃	•	•	•	•	〃	۱/۱۱۰	۴۱
〃 〃 〃	•	•	•	•	〃	۲/۲۱۳	۴۲
〃 〃 〃	•	•	•	•	〃	۵/۳۳	۴۳

ضمیمہ دوم - ۵ مخصوص افسرانِ نبوی / کمشنر

نمبر شمار	افسر خاص	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقۂ تقرری	تاریخ تقرری
۱	حضرت سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	د	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی ۶۲۷ء
۲	〃 علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	جذام	جمادی الاولیٰ ۶ھ / نومبر ۶۲۷ء
۳	〃 ابو امامہ	ازد / باہلہ	ط	ازد / باہلہ	۸ھ / ۶۲۹ء
۴	〃 علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۵	〃 〃 〃 〃	〃 〃	〃	بنو ضبیب / بنو جذیمہ	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۶	〃 〃 〃 〃	〃 〃	〃	مکہ	ذی قعدہ ۹ھ / مارچ ۶۳۱ء
۷	〃 طلحہ بن عبید اللہ	〃 / تیم	〃	مدینہ	۹ھ / ۶۳۱ء
۸	〃 مالک بن الدخشم	اوس / سالم	د	〃	
۹	〃 معن بن عدی	〃 / عجلان	〃	〃	۹ھ / ۶۳۱ء
۱۰	〃 عاصم بن عدی	〃 〃	〃	〃	
۱۱	〃 عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	〃	۱-۱۱ھ / ۶۲۲-۳۲ء
۱۲	〃 انیس بن ضحاک	اسلم	س	قبیلہ اسلم	〃 〃
۱۳	〃 حنظلہ بن یمان	غطفان / حلیف اوس	〃	مدینہ	〃 〃
۱۴	〃 علاء بن عقبہ	۰	۰	۰	〃 〃
۱۵	〃 ارقم	۰	۰	۰	〃 〃

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ دینا - حکم	۰	۵۱۰	۷۵/۲	۳۴۷/۱ فب ۳۵	۵۸۳-۸/۲	۲۹۶-۹/۲	۱
حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھوں مقتولوں کا قصاص ادا کرنا	۰	۵۵۹	۰	۰	۰	۰	۲
خون کھانے کی حرمت کا اعلان کرنے کے لیے جانا	۰	۰	۰	۰	۰	۱۰/۵	۳
حضرت خالد کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کا قصاص ادا کرنا	۴۳۰/۲	۰	۰	۰	۰	۱۶-۴۰/۴	۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃	۰	۸۸۲	۰	۰	۰	۶۷-۸/۴	۵
حج ابی بکر میں قرآن کریم کے بعض احکام کا اعلان کرنا	۰	۰	۰	۰	۰	〃	۶
منافقوں کے ایک سازشی اڈے کو منہدم کرنا	۰	۰	۰	۰	۰	۵۹-۶۰/۳	۷
						۲۷۸-۹/۴	۸
منافقوں کی مسجد ضرار کو منہدم کرنا	۰	۱۰۴۶	۱۱۰/۲	۰	۰	۴۰۱/۴	۹
						۰/۳	۱۰
ایک نصرانی کی آدھی دولت ضبط کرنا	۰	۰	۰	۰	۰	۵۲-۷۲/۴	۱۱
اپنی قوم کی ایک زانیہ کو رجم کرنا	۰	۰	۰	۰	۰	۱۳۳/۱	۱۲
دو بھائیوں کے جائداد پر اختلاف کو دور کرنا	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۳
۰		۰	۰	۰	۰	۰	۱۴
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۵

ضمیمہ دوم - ۶ شعراء و خطباءِ رسول

نمبر شمار	افسر خاص	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ تقرری	تاریخ تقرری
۱	حضرت حسان بن ثابت	خزرج / نجار	س	مدینہ	۱-۱۱ھ / ۶۲۲-۳۲ء
۲	〃 کعب بن مالک	〃 / سلمہ	د	〃	〃 〃
۳	〃 عبداللہ بن رواحہ	〃 / حارث	〃	〃	۱-۸ھ / ۶۲۲-۲۹ء
۴	〃 عامر بن سنان	اسلم	س	〃	۱-۷ھ / ۶۲۲-۲۸ء
۵	〃 ثابت بن قیس بن شماس	خزرج	〃	〃	۱-۱۱ھ / ۶۲۲-۳۲ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
ناموسِ رسول و مسلمانان کی حفاظت کرنا	۰	۱۲۲ - ۲۶ ۹۷۷ - ۷۸	۲۹۴/۱	۰	۵۲۳-۴۸/۲ ۱۱۷-۱۹/۳	۲۴۸/۲	۱
〃 〃	۰	۰	۰	۰	۴۸۴و۵۴۸/۲	۲۴۸/۴	۲
〃 〃	۰	۰	۰	۰	۰	۲۴۸/۳	۳
〃 〃	۰	۰	۰	۰	۰	۸۲-۳/۳	۴
〃 〃	۰	۹۷۶	۲۹۴/۱	۰	۱۱۶/۳	۲۲۹-۳۰/۱	۵

ضمیمہ دوم - ۷ متفرق ماتحت کارکن

نمبر شمار	افسر خاص	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقۂ تقرری	تاریخ تقرری
۱	حضرت عبداللہ بن زمعہ	قریش / اسد	ف	مدینہ	۸-۱۱ھ / ۶۳۰-۳۲ء
۲	" عویم بن ساعدہ	اوس / عمرو بن عوف	د	"	شوال ۲ھ / اپریل ۶۲۴ء
۳	" رباح الاسود	حبشی / مولائے رسول	الف / س	"	۹ھ / ۶۳۱ء
۴	" عنبسہ	۔	۔	"	۔
۵	" ابوموسیٰ اشعری	اشعر	ب	"	۔
۶	" انس بن مالک	۔	س	"	۔

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
مستقل دربانی دولتکدۂ رسالت	•	•	•	•	•	۱۶۴-۵/۳	۱
ایک بار 〃 〃 〃	•	۱۷۸	•	•	•	۱۵۸/۴	۲
〃 〃 〃 〃	•	•	•	•	•	•	۳
〃 〃 〃 〃	•	•	•	•	•	•	۴
〃 〃 〃 〃	•	•	•	•	•	•	۵
〃 〃 〃 〃	•	•	•	•	•	•	۶

ضمیمہ دوم - ۸ والی/ولاۃِ نبوی (گورنر)

نمبر شمار	والی	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/ولایت	تاریخ تقرری
۱	حضرت عمرو بن سعید	قریش/امیہ	الف	وادی القریٰ	غالباً ۷ھ/۶۲۸ء
۲	〃 یزید بن ابی سفیان	〃 〃	ع	تیماء	〃 〃
۳	〃 سواد بن غزیہ	خزرج/نجار	س	خیبر	〃 〃
۴	〃 عبداللہ (حکم) بن سعید	قریش/امیہ	ع	قریٰ عربیہ	〃 〃
۵	〃 ہبیرہ بن شبل	ہوازن/ثقیف	ع	مکہ مکرمہ	شوال ۸ھ/جنوری ۶۳۰ء
۶	〃 عتاب بن اسید	قریش/امیہ	ف	〃	ذی قعدہ ۸ھ/فروری ۶۳۰ء
۷	〃 عثمان بن ابی العاص	ہوازن/ثقیف	ف	طائف/ثقیف	۹-۸ھ/۶۳۰ء
۸	〃 حذیفہ بن الیمان	ازد	ب	دبا	〃 〃
۹	〃 حارث بن نوفل	قریش/ہاشم	ط	جدہ	〃 〃
۱۰	〃 عمرو بن العاص	〃/سہم	ع	عمان	〃 〃
۱۱	〃 جیفر بن جلندیٰ	.	ق	〃	〃 〃
۱۲	〃 عبد بن جلندیٰ	.	ق	〃	〃 〃
۱۳	〃 علاء بن الحضرمی	حضرموت	ب	بحرین	〃 〃
۱۴	〃 ابان بن سعید	قریش/امیہ	ف	〃	۱۰-۹ھ/۶۳۱ء
۱۵	〃 منذر بن ساویٰ	تمیم	ف	〃	〃 〃
۱۶	〃 شرحبیل بن حسنہ	کندہ	الف	ایلہ	〃 〃
۱۷	〃 معاذ بن جبل	خزرج/جشم	د	یمن کے گورنر جنرل	〃 〃
۱۸	〃 یعلیٰ بن امیہ	تمیم/حنظلہ	ق	الجند	〃 〃
۱۹	〃 خالد بن سعید	قریش/امیہ	الف	صنعاء	〃 〃
					〃 〃

	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	تاوفاتِ نبوی	•	•	•	فب ۴۸	•	۱۰۷-۸/۴
۲	〃	•	•	•	〃	•	۱۱۲-۳/۵
۳	〃	•	•	•	•	•	۳۷۴/۲
۴	شہید موتہ	•	•	•	کتاب المحبر ۱۲۶	جمہرہ ۷۳	•
۵	مدتِ عہدہ ایک ماہ سے اوپر - مبدل	•	•	۱۴۵/۲	•	•	۵۵/۵
۶	تاوفاتِ نبوی	۴۴:/۲ ، ۵۰۰/۳	۹۵۹ و ۸۸۹	۱۳۷/۲	فب ۷۰ ، ۳۰:۴/۶	۷۳، ۹۴/۳	۳۵۸-۹/۳
۷	〃	۵۴۰/۳	۹۶۸	۳۱۳/۱	فب ۷۰	۹۹/۳	۳۷۲-۴/۳
۸	〃	•	•	۵۲۷/۵	•	•	•
۹	〃	•	•	•	•	•	۳۵۰/۲
۱۰	〃	۶۰۷/۲	۷۸۸	۱۶۱/۲	فب ۸۷	۹۵/۳	۱۱۵-۱۸/۴
۱۱	〃	•	•	•	•	•	•
۱۲	〃	•	•	•	•	•	•
۱۳	ایک سال - مبدل بہ حضرت ابان بن سعید	۶۷:۶/۲ ، ۵۹	•	۲۷۶، ۲۸۲/۱	فب ۹۲ و ۸۹	۱۳۷/۳	۷-۸/۵
۱۴	تاوفاتِ نبوی	•	•	•	فب ۹۲	•	۳۵-۷/۱
۱۵	〃	•	•	•	•	•	۴۱۷/۴
۱۶	تاوفاتِ نبوی (ماتحت افسر: ابی بن کعب، حرملہ، حریث اور جہیم)	•	•	۲۷۸، ۸۹/۱	•	•	۳۹۰/۲
۱۷	〃 (ماتحت افسر: مالک بن مرہ، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمیر)	۵۹۰/۲	•	۲۶۴-۵/۱	فب ۳ - ۸۰	۱۲۱، ۲۲۸-۹/۳	۳۷۶-۸/۴
۱۸	تاوفاتِ نبوی	•	•	•	•	۲۲۸/۳	۱۲۸-۹/۵
۱۹	〃	۵۴۳/۲	•	۲۶۵/۱	فب ۸۰	〃	۸۲-۴/۲

۲۰	حضرت باذان	ایرانی / الانبار	ع	یمن	سنہ ۸-۹ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۲۱	" شہر بن باذان	"	"	" / صنعاء	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱ء
۲۲	" طاہر بن ابی ہالہ	تمیم / اسد	ب	عک و اشعر	" "
۲۳	" عکاشہ بن ثور	غوث	۰	سکاسک وسکون	" "
۲۴	" ابوعبیدہ بن جراح	قریش / فہر	الف	نجران	سنہ ۹ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۲۵	" عمرو بن حزم	خزرج / نجار	س	" / بنو الحارث	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱-۳۲ء
۲۶	" ابوسفیان بن حرب	قریش / امیہ	ف	جرش	" "
۲۷	" سعید بن قشیب	ازد / حلیف بنی امیہ	"	"	سنہ ۱۰-۱۱ھ / "
۲۸	" ابوموسیٰ	اشعر	د	زبید، رمع، عدن، ساحل	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۲۹	" زیاد بن لبید	خزرج / بیاضہ	"	حضرموت	" "
۳۰	" عامر بن شہر	ہمدان	۰	ہمدان	" "
۳۱	" مہاجر بن ابی امیہ	قریش / مخزوم	ف	کندہ / بنو معاویہ	" "
۳۲	" عدی بن حاتم طائی	طے	ق	علاقہ طے	" "

۲۰	۱۶۳/۱	۲۲۷-۸/۳	•	•	•	•	وفات پا گئے
۲۱	۶/۳	۲۲۸-۳۰/۳	•	•	•	•	اسود عنسی کی بغاوت میں شہید
۲۲	۵۰/۳	۲۲۸/۳	•	•	•	•	تا وفاتِ نبوی
۲۳	۲/۵	〃	•	•	•	•	〃
۲۴	۲۴۹/۵	•	•	•	•	•	کچھ مدت - مبدل بہ حضرت عمرو
۲۵	۶۸-۹/۴	۱۲ ۲۲۸/۳	فب ۸۰	•	•	۵۹۴-۵/۳	تا وفاتِ نبوی
۲۶	۱۱۲ - ٪/۲	•	فب ۸۰ر ۷۰	•	•	•	کچھ مدت۔ قبل وفات نبوی
۲۷	۳۱۵/۲	•	•	•	•	•	تا وفاتِ نبوی
۲۸	۳۰۸/۵	۲۲۸/۳	فب ۸۰	•	•	•	〃
۲۹	۲۱۷/۲	۱۴۷ ۲۲۸/۳	〃	•	•	۶۰۰/۲	〃
۳۰	•	•	•	•	•	•	〃
۳۱	•	•	•	•	•	•	〃
۳۲	•	•	•	•	•	•	〃

ضمیمہ دوم - ۹ مقامی منتظمین (رؤسا، شیوخ)

نمبر شمار	منتظم	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر

شمالی قبائل

نمبر شمار	منتظم	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت امرؤ القیس ابن الاصبغ	کلب	ط	دومۃ الجندل	سنہ ۶ھ / سنہ ۶۲۸ء
۲	״ دومی بن القیس	کلب / بنی ذہل	۔	بنی ذہل / کلب	۔
۳	رفاعہ بن زید	جذام / ذبیب	ع	خولان	سنہ ۷ھ / سنہ ۶۲۸-۹ء
۴	״ قیس بن زید	״	״	بنو سعد بن مالک	״ ״

مغربی قبائل

نمبر شمار	منتظم	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت سعد بن ابی ذباب	ازد / دوس حجاز	ع	اپنی قوم	سنہ ۷ھ / سنہ ۶۲۸-۹ء
۲	״ عثمان بن عمرو دئلی	کنانہ / دئل	۔	بنو اسد	وفد کے زمانے میں

مشرقی قبائل

نمبر شمار	منتظم	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت مالک بن عوف نصری	ہوازن / نصر	ف	نصر، ثمالہ، سلمہ، فہم	سنہ ۸ھ / سنہ ۶۳۰ء
۲	״ صفوان بن صفوان	۔	ق	بنو عمرو	سنہ ۹ھ / ״

جنوبی قبائل

نمبر شمار	منتظم	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت صرد بن عبداللہ	ازد جرش	ق	اپنی قوم کے مسلمان	سنہ ۱۰ھ / سنہ ۶۳۱ء
۲	״ مالک بن نمط	ہمدان / خارف	״	״	״ ״
۳	״ عامر بن شہر	״ / بکیلہ	״	ہمدان	״ ״

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
ایک سریہ میں مسلمان ، وفد میں حاضر خدمت نبوی	•	۵۶۱	•	•	•	۱۱۵/۱	۱
•	•	•	•	•	•	۱۳۴/۲	۲
•	•	•	•	•	۱۴۰/۳	۱۸۱/۲	۳
•	•	•	•	•		•	۴
حضرت عمر کی خلافت تک برقرار	•	•	•	•	•	۲۷۶/۲	۱
•	•	•	•	•	•	•	۲
•	۴۹۱/۲	۹۵۵	۳۱۲/۱	•	۸۸-۹/۳	۲۹۰/۴	۱
•	•	•	•	•	•	۲۳/۳	۲
اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے	۵۸۷/۲	•	۳۳۸/۱	•	۱۳۰-۱/۳	۱۰/۳	۱
〃	•	•	•	•	•	۲۹۴/۴	۲
•	•	•	•	•	•	۸۳/۳	۳

۴	حضرت فروہ بن مسیک	مراد	ق	مراد ، زبید ، مذحج	۱۰ھ /	۶۳۱ء
۵	″ قتادہ بن عیاش	جرش	″	اپنی قوم	″	″
۶	″ قیس بن حصین	مذحج / حارث	″	بنو الحارث بن کعب	″	″
۷	″ قیس بن سلمہ	جعفی / سعد العشیرہ	″	مران، ہویم، کلاب، موالی	″	″
۸	″ قیس بن مالک	ہمدان / ارحب	د	اپنی قوم		
۹	″ مالک بن مرارہ	رہا	ق	یمن	″	″
۱۰	″ وائل بن حجر	حضرموت	″	حضرموت	″	″
۱۱	″ حیان بن بح	صُداء	″	صُداء	″	″
۱۲	″ اشعث بن قیس	کندہ	″	کندہ	″	″

قبائل پراگندہ عرب

۱	حضرت جارود بن معلی	عبد القیس	ق	عبد القیس	۸-۹ھ /	۶۳۰-۳۱ء
۲	″ زبرقان بن بدر	تمیم / سعد	″	تمیم / بنو عوف سعد	″	″
۳	″ قیس بن یزید	•	″	اپنی قوم	″	″
۴	″ قیس بن عمیر	•	″	″	″	″
۵	″ عبادہ بن اشیب	عنز بن وائل	″	″	″	″

اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے۔ عامل بھی تھے	۵۸۳/۲	۰	۳۲۷/۱	۰	۱۳۴-۹/۱	۱۸۰/۵	۴
اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے	۰	۰	۰	۰	۰	۱۹۴/۵	۵
″	۵۹۴/۲	۰	۳۴۰/۱	۰	۱۲۸/۳	۰	۶
″	۰	۰	۳۲۵/۱	۰	۰	۲۱۷/۴	۷
″	۰	۰	۳۴۰-۱/۱	۰	۰	۲۳۴-۵/۵	۸
″	۰	۰	۰	۰	۰	۲۹۳/۴	۹
″	۰	۰	۰	۰	۰	۸۱/۵	۱۰
″	۰	۰	۰	۰	۰	۶۸/۲	۱۱
″	۰	۰	۱۳۸-۹/۱	۰	۰	۹۷-۹/۱	۱۲

اپنی قوم کے وفد میں آئے	۰	۰	۱۳۶-۷/۱	۰	۰	۲۶۰-۱/۱	۱
″	۰	۰	۱۱۵-۹/۱	۰	۰	۱۹۴-۵/۲	۲
″	۰	۰	۰	۰	۰	۲۲۹/۵	۳
″	۰	۰	۰	۰	۰	۲۲۳/۵	۴
″	۰	۰	۰	۰	۰	۱۰۴/۳	۵

ضمیمہ دوم - ۱۰ نقبائے مدینہ

نمبر شمار	نقیب	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت اسعد بن زرارہ	خزرج / نجار	د	بنو نجار	۶۲۲ء
۲	سعد بن ربیع	” / حارث	”	بنو حارث	”
۳	” عبداللہ بن رواحہ	” ”	”	”	”
۴	” رافع بن مالک	” / زریق	”	بنو زریق	”
۵	” براء بن معرور	” / سلمہ	”	بنو سلمہ	”
۶	” بشر بن براء بن معرور	” ”	”	”	”
۷	” عبداللہ بن عمرو	” •	”	•	”
۸	” سعد بن عبادہ	” / ساعدہ	”	بنو ساعدہ	”
۹	” منذر بن عمرو	” ”	”	”	”
۱۰	” عبادہ بن صامت	” / قواقلہ	”	قواقلہ	”
۱۱	” عمرو بن جموح	” / سلمہ	”	بنو سلمہ	”
۱۲	” اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	”	عبدالاشہل	”
۱۳	” سعد بن خیثمہ	” / غنم	”	بنو غنم	”
۱۴	” رفاعہ بن عبدالمنذر	” / بنو ظفر	”	بنو ظفر	”
۱۵	” ابوالہیثم بن التیہان	” ” ”	”	بنو عمرو بن عوف	”
۱۶	” رافع بن خدیج	” / عمرو بن مالک	”	عمرو بن مالک	•
۱۷	” مسیب بن عمرو	خزرج	•	•	•
۱۸	” محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	قریش / ہاشم	اولین مسلم	بنو نجار	۶۲۲ء

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
(سلہ متوفی) نقیب اعظم یا نقیب النقباء بھی تھے	۲۰۴/۲	•	۲۲۰۲ ۱-۸-۱۴/۱	انساب ۲۵۲ ۲ قب ۲۰	•	۷۱ - ۲/۱	۱
احد میں شہید	″	•	۶۱۲ ″/۳	انساب ۲۵۲	•	۲۷۷-۸/۲	۲
موتہ میں شہید	″	•	۶۱۲ ″۳/۳	″	•	۱۵۶-۹/۳	۳
•	″	•	۶۲۱ ″۲/۳	″	•	۱۵۷-۹/۲	۴
متوفی سلہ قبل از ہجرت نبوی	″	•	۶۱۸-″۲۰/۳	″	•	۱۷۳-۴/۱	۵
اپنے والد کی وفات کے بعد	•	•	•	•	•	۱۸۳-۴/۱	۶
•	″	•	۶۲۰-″۱/۳	″	•	۲۳۱-۳/۳	۷
•	″	•	۶۱۳-۷/۳	″	•	۲۸۳-۵/۲	۸
•	″	•	۳۱۸/۳	″	•	۴۱۸-۹/۴	۹
•	″	•	۶۲۱/۳	″	•	۱۰۶-۷/۳	۱۰
•	•	•	•	•	•	۹۳-۵/۴	۱۱
•	″	•	۶۰۳-۷/۳	″	•	۹۲-۳/۱	۱۲
•	″	•	۶۰۷/۳	″	•	۱۷۵-۶/۲	۱۳
•	″	•	•	•	•	۱۸۱-۲/۲	۱۴
•	•	•	۶۰۷/۳	•	•	•	۱۵
•	•	•	•	•	•	۱۵۱-۵۲/۲	۱۶
•	•	•	•	•	•	۳۶۷/۴	۱۷
حضرت اسعد بن زرارہ کے انتقال کے بعد نقیب النقباء	•	•	۶۱۱/۳	•	•	•	۱۸

ضمیمہ سوم-۱ مرکزی عاملین صدقات (عمّال الصّدقات)

نمبر شمار	عامل صدقات	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت ابی بن کعب	خزرج / نجار	د	سعد ہذیم / جذام	غالباً ۸ھ / ۶۲۹ء
۲	" عنبسہ	" "	۰	" "	" "
۳	" ولید بن عقبہ اموی	قریش / امیہ	ع / ف	بنو مصطلق	" "
۴	" عباد بن بشر	اوس / عبد الاشہل	د	"	" "
۵	" عمرو بن عاص	قریش / سہم	ع	ہوازن / علاقہ حنین	۸ھ / ۶۳۰ء
۶	" " "	" "	"	غطفان / فزارہ	۸-۹ھ / ۶۳۰-۳۱ء
۷	" " "	" "	"	قضاعہ	" "
۸	" " "	" "	"	عمان	۱۰-۱۱ھ / ۶۳۱-۳۲ء
۹	" کلاب بن امیہ	کنانہ / لیث	۰	ثقیف	آغاز ۹ھ / ۶۳۱ء
۱۰	" سالف بن عثمان بن معتب	ثقیف	۰	"	" "
۱۱	" بسر بن سفیان [1]	قریش / عدی	ع	خزاعہ / کعب	" "
۱۲	" بریدہ بن حصیب	اسلم	س	غفار و اسلم	" "
۱۳	" رافع بن مکیث	جہینہ	"	جہینہ	" "
۱۴	" عباد بن بشر	اوس / عبد الاشہل	د	مزینہ اور سلیم	" "
۱۵	" ضحاک بن سفیان	کلاب / عامر بن صعصعہ	س	کلاب	" "
۱۶	" معاذ بن جبل	خزرج / جشم	د	قرٰی عربیہ	" "
۱۷	" عکرمہ بن ابی جہل	قریش / مخزوم	ف	ہوازن	۹-۱۰ھ / ۶۳۱-۲ء

[1] ایک روایت میں ان کی جگہ حضرت نعیم بن عبداللہ النحام قریشی عدوی کا نام ہے۔ واقدی ص ۲-۹۷۳

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
دونوں کو مشترکہ طور پر بھیجا گیا تھا	۰	۰	۲۷۰/۱	۰	۰	۴۹-۵۱/۱	۱
	۰	۰	〃	۰	۰	۱۵۱/۴	۲
تقرری ہوئی مگر وصولیابی نہیں کر سکے	۰	۹۸۰-۸۱	۱۶۱/۲	۰	۰	۹۰-۹۱/۵	۳
حضرت ولیدؓ اموی کی جگہ مقرر۔ تقرری بنو مصطلق کی فرمائش پر	۰	۹۸۱	۱۶۱-۲/۲	۰	۰	۱۰۰-۱/۳	۴
۰	۰	۰	۰	۰	۹۵/۳	۱۱۵-۱۸/۴	۵
۰	۰	۹۷۳	۱۶۰/۲	۰	۰	〃	۶
۰	۰	۰	۰	۰	۰/۳	〃	۷
۰	۰	۰	۰	۰	۰	〃	۸
اونٹوں کے عشور کے لیے	۰	۰	۰	۰	۰	۲۵۰/۴	۹
غالباً عام صدقات کے لیے	۰	۰	۰	انساب ۵۳۱	۰	۰	۱۰
خزاعہ نے صدقات ادا کرنا چاہے مگر تمیم نے ان کو جبراً روک دیا	۰	۹۷۳	۲۹۳/۱	۰	۰	۱۸۱-۲/۱	۱۱
۰	۰	〃	۱۶۰/۲	۰	۰	۱۷۵-۶/۱	۱۲
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۱۵۹-۶۰/۲	۱۳
۰	۰	〃	〃	۰	۰	سابق	۱۴
۰	۰	〃	۳۰۰/۱	۰	۰	۳۶/۳	۱۵
۰	۰	۰	۰	۰	یحییٰ بن آدم	۰	۱۶
روایت کے مطابق وفاتِ نبوی کے سال تقرری	۰	۰	۴۰۴/۷	۰	۲/۳	۴-۶/۴	۱۷

۱۸	حضرت حذیفہ بن یمان	ازد	س	ازد	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱-۲ء
۱۹	〃 معاویہ بن ابی سفیان	قریش / امیہ	ع	اقیال حضرموت	〃 〃
۲۰	〃 عیینہ بن حصن فزاری	غطفان / فزارہ	ف	تمیم	〃 〃
۲۱	〃 ابن اللتبیہ	ازد	•	بنی ظبیان	〃 〃
۲۲	〃 سنان بن ابی سنان	اسد / حلیف عبدالاشہل	د	بنو مالک	〃 〃
۲۳	〃 قضاعی بن عمرو	عذرہ	•	بنو حارث	〃 〃
۲۴	〃 عکرمہ بن حصفہ	قیس عیلان / ہوازن		بدیل، بسر اور ان کے حلفاء	•
۲۵	〃 عبادہ بن صامت	خزرج / عمرو بن عوف	د	•	•
۲۶	〃 ارقم بن ابی الارقم	قریش / مخزوم	الف	•	•
۲۷	〃 زیاد بن حنظلہ	تمیم	•	•	•
۲۸	〃 عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	•	•
۲۹	〃 عبداللہ بن خطل [1]	قریش / ادرم	د	•	•
۳۰	〃 ادرم بن غالب [2]	•	•	•	•

[1] و [2] دونوں مرتد ہو گئے اور بعد میں قتل ہوئے۔

	•	•	•	•	•	•	
	•	•	•	•	•	۳۸۵-۷/۴	
روایت ہے کہ ان کو ۹ھ میں بھیجا گیا تھا	•	•	۱۶۰/۲	•	•	۱۹۶-۷/۴	
〃	•	۹۷۳	〃	•	•	۳۲۹-۳۰/۵	۱
•	•	•	•	•	۱۷۸/۳	۳۵۸/۲	۲
•	•	•	۲۷۰/۱	•	〃	۲۰۵/۵	
•	•	•	۲۷۲-۳/۱	•	•	•	۴
•	•	•	•	•	•	۱۰۶-۷/۳	
•	•	•	•	•	•	۵۹-۶۱/۱	۶
•	•	•	•	•	•	۲۱۳/۲	۷
•	•	•	•	•	بخاری بحوالہ کتانی اول ص ۲۹۶		۸
•	•	۸۵۹-۶۰	•	•	۵۹/۳	•	۹
•	•	•	•	•	•	ابن خلدون اوّل	۱۰

ضمیمہ سوم-۲ مقامی عاملین صدقات

نمبر شمار	عامل صدقات	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ تقرر	تاریخ تقرر
	شمالی قبائل				
۱	حضرت عمرو بن حکم	قضاعہ / قین	ق	قین	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱-۳۲ء
۲	" ابن الاصبغ	کلب	ط	کلب	سنہ ۶-۹ھ / سنہ ۶۲۸-۳۱ء
۳	" عبداللہ بن حکیم	بنو ضبیب	ق	بنو ضبیب	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱-۲ء
	مشرقی قبائل				
۱	حضرت قضاعی بن عمرو	عذرہ	ع	بنو اسد	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱-۲ء
۲	" عدی بن حاتم طائی	طے	ق	بنو اسد و طے	" / "
۳	" کاہیہ بن سبع	اسد	۔	اسد	" / "
۴	" کہس بن مالک	ہذیل	۔	ہذیل	" / "
۵	" خزیمہ بن عاصم	عکل	ق	الاحلاف	" / "
۶	" مرداس بن مالک	قیس عیلان / غنی	"	بنو غنی	" / "
۷	" الہیثم	سلیم	"	سلیم	" / "
	مغربی قبائل				
۱	حضرت جندب بن مکیث	جہینہ	ط	جہینہ	" / "
۲	" حارث بن ضرار	بنو مصطلق	"	بنو مصطلق	" / "

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
•	•	•	•	•	•	۹۹۰/۵	۱
•	•	•	•	•	•	۹۹/۵	۲
•	•	•	•	•	•	۱۴۵/۳	۳

•	•	•	۲۷۰/۱	•	•	۲۰۵/۵	۱
•	۶۰۰/۲	•	۳۲۲/۱	•	۱۴۷/۳	۳۹۲-۴/۳	۲
•	•	•	•	کتانی اول ۳۹۶	•	•	۳
•	•	•	•	״ ۳۹۷	•	•	۴
•	•	•	•	״ ״	•	•	۵
•	•	•	•	״ ۳۹۸	•	•	۶
•	•	•	•	״ ״	•	۷۵/۵	۷

•	•	•	•	•	•	۳۰۶/۱	۱
•	•	•	•	•	•	۳۳۴-۵/۱	۲

قبائل پراگندۂ عرب

۱	حضرت قیس بن عاصم	تمیم / سعد	ق	تمیم / سعد	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱-۳۲ء
۲	〃 سہل بن منجاب	〃	〃	〃 •	〃 〃
۳	〃 زبرقان بن بدر	〃 〃	〃	〃 〃	〃 〃
۴	〃 صفوان بن صفوان	〃 •	〃	〃 •	〃 〃
۵	〃 مالک بن نویرہ	〃 / یربوث	〃	〃 / یربوع	〃 〃
۶	〃 متمم بن نویرہ		〃	〃 〃	〃 〃
۷	〃 خزیمہ بن عاصم	وائل / رطونت	〃	بنوعوف / وائل	〃 〃
۸	〃 غاضرہ بن سمرہ	تمیم / عنبر	〃	•	〃 〃
۹	〃 شبر بن صعقوق	•	•	•	•
۱۰	〃 ابوجہم بن حذیفہ	•	•	•	•
۱۱	〃 قرہ بن دعموس	•	•	•	•

۱	۲۱۹-۲۱/۳	۱۴۷/۳	٠	٠	٠	۶۰۰/۲	٠
۲	۳۶۹-۷۰/۲	٠	٠	٠	٠	٠	٠
۳	۱۹۴-۵/۲	۱۴۷/۳	٠	٠	٠	۶۰۰/۲	٠
۴	۲۷-۸/۳	٠	٠	٠	٠	٠	٠
۵	۲۹۵/۴	۱۴۷/۳	٠	٠	٠	۶۰۰/۲	٠
۶	٠	٠	کتانی اول، ۳۹۷	٠	٠	٠	٠
۷	۱۱۶/۲	٠	٠	٠	٠	٠	٠
۸	۱۶۷/۵	٠	٠	٠	٠	٠	٠
۹	۳۸۴/۲	٠	٠	٠	٠	٠	٠
۱۰	٠	٠	کتانی اول، ۳۹۷	٠	٠	٠	٠
۱۱	٠	٠	۳۹۸ 〃	٠	٠	٠	٠

ضمیمہ سوم-۲ پیداوار کے تخمینہ کے افسر (خارص)

نمبر شمار	خارص / افسر	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت فروہ بن عمرو	خزرج / بیاضہ	د	مدینہ	سنہ ۳-۱۱ھ / سنہ ۶۲۵-۳۲ء
۲	" عتاب بن اسید	قریش / امیہ	ف	طائف	سنہ ۸-۱۱ھ / سنہ ۶۳۰-۳۲ء
۳	" عبداللہ بن رواحہ	خزرج / حارث	د	خیبر	سنہ ۷-۸ھ / سنہ ۶۲۸-۹ء
۴	" ابوالہیثم بن التیہان	اوس / عبدالاشہل	"	"	سنہ ۸-۱۱ھ / سنہ ۶۳۰-۳۲ء
۵	" جبار بن صخر	خزرج / سلمہ	"	"	" "
۶	" زید بن سلمہ	" / نجار	س	"	" "
۷	" عمرو بن سعید	قریش / امیہ	الف	"	•
۸	" ابوحثمہ عمرو بن ساعدہ	خزرج / حارث	س	"	سنہ ۱۰-۱۱ھ / سنہ ۶۳۱-۲ء
۹	" سہل بن ابی حثمہ	" "	"	•	•
۱۰	" ابوزبید بن الصلت	کندہ	ق	•	•
۱۱	" الصلت بن معدی کرب	"	"	•	•

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
مدینہ کی پیداوار کا تخمینہ لگاتے تھے خوشوں کی بنیاد پر	•	•	•	•	•	۱۷۸-۹/۴	۱
طائف میں قریشی باغات کے افسر تخمینہ	کتانی اول ۴۰۰	•	•	•	•	سابق	۲
شہید موتہ	۳۵۴/۲	۶۹۱	۱۱۰/۲	قب ۳۷	۲۰-۲۱/۳	۱۵۶-۹/۳	۳
حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد	•	〃	•	•	•	۳۱۰/۵	۴
حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد اور حضرت ابو الہیثم کے ساتھ	۳۵۴/۲	•	•	•	۲۰/۳	۲۶۵/۱	۵
〃 〃 〃 〃 〃	•	•	•	•	.	۲۳۲/۲	۶
ایک بار تخمینہ لگایا	•	•	•	•	•	۱۰۷-۸/۴	۷
حضرت علی کی خلافت تک برقرار رہے	•	•	•	•	•	۱۶۹/۵	۸
•	کتانی اول ۴۰۰	•	•	•	•	•	۹
•	•	•	•	•	•	۲۰۵/۵	۱۰
•	کتانی اول ۴۰۰	•	•	•	•	•	۱۱

ضمیمہ سوم - ۴ عاملین علی الحمٰی (چراگاہ کے افسر)

نمبر شمار	خارص / افسر	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت ذر بن ابی ذر	غفار	ب	مدینہ / الجمع	سنہ ۲-۱ھ / سنہ ۶۲۲-۲۴ء
۲	حضرت یسار	حبشی / مولائے رسول	الف / س	″ / ذوالجدر	سنہ ۶-۱ھ / سنہ ۶۲۲-۲۸ء
۳	″ ابورافع	″ ″	″	″ .	سنہ ۱۱-۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۴	″ عریب المالکی	. .	ب	″ / الغابہ	سنہ ۲-۱ھ / سنہ ۶۲۲-۲۴ء
۵	″ بلال بن حارث	مزینہ	س	نقیع	سنہ ۱۱-۵ھ / سنہ ۶۲۷-۳۲ء
۶	″ عبید بن مروت	″	″	″	″ ″
۷	″ سعد بن ابی وقاص	قریش / زہرہ	الف	وج / طائف	سنہ ۱۱-۹ھ / سنہ ۶۳۰-۳۲ء

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
کرز بن جابر فہری کے ہاتھوں شہید	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
عرینہ کے لوگوں کے ہاتھوں شہید	۰	۰	۰	۰	۱۷۲/۳	۱۲۴/۵	۲
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۹۱/۵	۳
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴
۰	۰	۵۳۸/۹	۸۰--۱/۲	انساب ۳۴۸	کتانی اول ۳۳۹	۰	۵
۰	۰	۴۲۶/۷	۰	۰	۰	۳۵۳/۳	۶
۰	۰	۰	۰	۰	۰	〃	۷

ضمیمہ چہارم-۱ مبلّغین و معلّمین

نمبر شمار	مبلّغ / معلّم	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	زمانہ تقرر
۱	حضرت مصعب بن عمیر	قریش / عبدالدار	الف	مدینہ / اوس و خزرج	سنہ ۶۲۱ء
۲	حضرات شہداء بئر معونہ	•	•	•	•
۳	" " رجیع	•	•	•	
۴	حضرت معاذ بن جبل	خزرج / جشم	د	مکہ مکرمہ	سنہ ۸ھ / سنہ ۶۳۰ء
۵	" ابوموسیٰ اشعری	اشعر	ب	"	" / "
۶	" عباد بن بشر [1]	اوس / عبدالاشہل	د	بنو مصطلق	سنہ ۸-۹ھ / "
۷	" خالد بن ولید مخزومی	قریش / مخزوم	ع	نجران / بنو حارث بن کعب	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۸	" علی بن ابی طالب	" / ہاشم	الف	یمن / مذحج	" / "
۹	" اوس بن حدثان	ہوازن	ط	منیٰ / مکہ مکرمہ	سنہ ۹ھ / سنہ ۶۳۰ء
۱۰	" محیصہ بن مسعود	اوس / حارث	د	فدک •	" / "
۱۱	" عمرو بن مرہ	جہینہ	•	جہینہ	•
۱۲	" ضحاک بن سفیان	عامر بن صعصعہ / کلاب	س	کلاب	•
۱۳	" جرثوم بن ناشیب	قضاعہ	ط	اپنی قوم	•
۱۴	" ساریہ بن اوفیٰ	بنو قیس	•	بنو مرہ	•
۱۵	" جریر بن عبداللہ	بجیلہ	ق	ذوالکلاع، ذوعمرو	سنہ ۱۰-۱۱ھ / سنہ ۶۳۲ء
۱۶	" وبر بن یحنس / عنیس	خزاعہ	•	فیروز دیلمی وغیرہ ابناء یمن	" / "
۱۷	" اقرع بن عبداللہ	حمیر	ق	ذوزود، ذومران	" / "

[1] بلاذری، انساب ۱/۲۴۱، کے مطابق جنگ مریسیع سے قبل حکم نبوی پر حضرت عمر نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تھا۔

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
مدینہ کے بیشتر لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور تعلیم دی	۰	۰	۲۲۰/۱	۰	۰	۳۶۰۰۹/۴
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
قریش کے نومسلموں کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے	۵۰/۲	۹۵۹، ۸۸۹	۱۳۷/۲	۳۶۵/۱	۹۴/۳	۳۷۶-۸/۴ ۳۰۸-۹/۵
بنو مصطلق کے نومسلموں کو ,, ,, ,, دس دن قیام کیا	۰	۰	۱۶۱-۲/۲	۰	۰	۱۰۰-۱/۳
تبلیغ و تعلیم	۰	۰	۰	۰	۲۲۶-۷/۳	سابق
,, ,,	۰	۰	۰		۲۳۰-۱/۳	,,
مذہبی اعلان اور تعلیمات بیان کرنے کے لیے	۰	۰	۰	۰	۰	۱۷۱-۲/۱
تبلیغ و تعلیم	۰	۶۰۶-۷	۰	ف ۲۴	۰	۳۳۴/۴
,,	۰	۰	۳۳۳-۴/۱	۰	۰	۱۳۱/۴
,, قبیلہ والے مسلمان ہو گئے	۰	۰	۰	۰	۰	۰
,, ,, ,, ,,	۰	۰	۰	۰	۰	۲۷۶/۱
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲۴۴/۲
وہاں وفات نبوی تک قیام کیا	۰	۰	۰	۰	۱۸۷/۳	۲۷۹-۸۰/۱
,, ,, ,,	۰	۰	۰	۰	,,	۸۳/۵
۰	۰	۰	۰	۰	,,	۱۱۰/۱

۱۰	حضرت فرات بن حیان	ربیعہ / عجل	ط	ثمامہ اور اسد	۱۰-۱۱ھ	۶۳۲ء
۱۹	〃 زیاد بن حنظلہ	تمیم / عمرو	ق	بنو تمیم	〃	〃
۲۰	〃 صلصال بن شرحبیل	•	〃	بنو عامر	〃	〃
۲۱	〃 ضرار بن الازور	اسد خزیمہ	〃	بنو صیدا	〃	〃
۲۲	〃 نعیم بن مسعود	غطفان / اشجع	ط	ابن ذی اللحیان وحمیری	〃	〃
۲۳	〃 عبداللہ بن مسعود	ہذیل	الف	مدینہ	۱-۱۱ھ	۶۲۲-۳۲ء
۲۴	〃 ابی بن کعب	خزرج / نجار	د		〃	〃
۲۵	〃 سالم مولیٰ ابی حذیفہ	مولیٰ بنی امیہ	الف		〃	〃
۲۶	〃 عبادہ بن صامت	•	د		〃	〃
۲۷	〃 خالد بن سعید	قریش / امیہ	الف	مدینہ / طائف	۸ھ	۶۳۰ء
۲۸	〃 عمرو بن سعید	〃	〃			
۲۹	〃 ابان بن سعید	〃	ف			
۳۰	〃 عثمان بن عفان	〃	الف			
۳۱	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د			
۳۲	〃 اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	〃			

۱۸	۱۷۵-۶/۴	۱۸۷/۳	•	•	•	•	•
۱۹	۲۱۳/۲	″	•	•	•	•	•
۲۰	۲۶/۳	″	•	•	•	•	•
۲۱	۳۹-۴۰/۳	″	•	•	•	•	•
۲۲	۳۳-۴/۵	″	•	•	•	•	•
۲۳							مدینہ کے اور شہرِ رسول میں آنے والے مسلمانوں کو تعلیم دیتے تھے
۲۴							
۲۵	•	•	•	•	•	•	
۲۶							
۲۷							طائف کے غلاموں کے معلّمین و مربّی
۲۸							
۲۹	•	•	•	•	•	•	
۳۰							
۳۱							
۳۲							

ضمیمہ چہارم - ۲ مفتیانِ گرامی

نمبر شمار	مفتی	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	زمانہ تقرر
۱	حضرت ابوبکر صدیق	قریش / تیم	الف	مدینہ منورہ	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۲	〃 عمر فاروق	〃 عدی	ب	〃	〃 〃
۳	〃 عثمان غنی	〃 / امیہ	الف	〃	〃 〃
۴	علی مرتضیٰ	〃 / ہاشم	〃	〃	〃 〃
۵	〃 عبدالرحمن بن عوف	〃 / زہرہ	〃	〃	〃 〃
۶	〃 معاذ بن جبل	〃 / جشم	د	〃 / یمن	〃 〃
۷	〃 ابی بن کعب	〃 / نجار	〃	〃	〃 〃
۸	〃 زید بن ثابت	〃 〃	〃	〃	〃 〃
۹	متعدد دوسرے صحابہ کرام و صحابیات	۔	۔	۔	〃 〃

	اسد الغابہ	طبری	بلاذری	ابن سعد	واقدی	ابن ہشام	کیفیت
۱	۳/۲۳-۲۰۵	٠	٠	۲/۳۳۷	٠	٠	٠
۲	۴/۳۰۷	٠	٠	۲/۳۵۰	٠	٠	٠
۳	//	٠	٠	//	٠	٠	٠
۴	//	٠	٠	//	٠	٠	٠
۵	۳/۷-۳۱۳	٠	٠	۲/۳۴۰	٠	٠	٠
۶	۴/۳۰۷	٠	٠	۲/۳۴۸، ۳۵۰	٠	٠	٠
۷	//	٠	٠	۲/۳۵۰	٠	٠	٠
۸	//	٠	٠	//	٠	٠	٠
۹	٠	٠	٠	٠	٠	٠	٠

ضمیمہ چہارم - ۳ ائمۂ مساجد و نماز

نمبر شمار	امام مسجد	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	زمانۂ تقرر
۱	حضرت اسعد بن زرارہ	خزرج / نجار	د	مدینہ	سنہ ۱ھ / سنہ ۶۲۱-۲ء
۲	″ مصعب بن عمیر	قریش / عبدالدار	الف	″	″ ″
۳	″ سالم مولیٰ ابی حذیفہ	مولیٰ بنی امیہ	الف / س	″	″ ″
۴	″ حنظلہ بن ابی حنظلہ	انصاری	د	″ / قبا	″ ″
۵	″ عتبان بن مالک	خزرج / سالم	″	″	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۶	″ عبداللہ بن عمیر	اوس / خطمہ	″	″ مسجد بنی خطمہ	″ ″
۷	″ معاذ بن جبل	خزرج / جشم	″	″ مسجد جشم	سنہ ۱-۹ھ / سنہ ۶۲۲-۳۰ء
۸	″ اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	″	″ ″ عبدالاشہل	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۹	″ ابوزید	انصاری	″	عمان	سنہ ۸-۹ھ / سنہ ۶۳۰ء
۱۰	″ شداد بن ثمامہ	بنوکعب بن اوس	ق	اپنی قوم	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۱۱	″ عمرو بن سلمہ	بنو جرم	د / س	″	سنہ ۲-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۱۲	″ عبدالرحمٰن بن عوف	قریش / زہرہ	الف	لشکر مسلمانانِ تبوک	سنہ ۹ھ / سنہ ۶۳۱ء
۱۳	″ ابوبکر صدیق	″ / تیم	″	″	″ ″
۱۴	″ ″	″ / ″	″	مدینہ / مسجد نبوی	ربیع الاول سنہ ۱۱ھ / جون سنہ ۶۳۲ء

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
•	•	•	•	•	•	•	۱
•	•	•	•	•	•	•	۲
•	•	•	•	•	•	•	۳
•	•	•	•	•	•	۲/۶۵	۴
•	•	•	•	•	•	۲۵۹-۹۰/۳	۵
•	•	•	•	•	•	۲۳۷/۳	۶
•	•	•	•	بخاری ۔ بدء الاذان		•	۷
•	•	•	•	سنن ابی داؤد		•	۸
•	•	•	•	۸۷-۸	•	۲۰۳/۵	۹
•	•	•	•	•	•	۳۸۸/۲	۱۰
•	•	•	•	•	•	•	۱۱
ایک نماز پڑھائی تھی	•	•	•	•	•	•	۱۲
نصف لشکر کے مستقل امام تھے	•	۹۹۵	۱۶۵/۲	•	•	۲۰۵-۲۲/۳	۱۳
رسول کریم کے مرض الموت میں سترہ نمازیں پڑھائیں	•	•	۲۱۵-۶/۲	•	۱۹۶-۸/۳	〃	۱۴

ضمیمہ چہارم - ۴ مؤذنینِ رسول

نمبر شمار	مؤذن	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت بلال بن رباح	حبشی / مولائے رسول	الف	مدینہ منورہ / مسجد نبوی	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۲	〃 عمرو بن ام مکتوم	قریش / عامر بن لوی	〃	〃	〃 〃
۳	〃 سعد بن عائذ (سعد القرظ)	مولیٰ عمار بن یاسر	س	مسجد قبا	〃 〃
۴	〃 عبد العزیز بن الاصم	•	•	•	〃 〃
۵	〃 زید بن حارث	ہمدان	•	•	•
۶	〃 ثوبان	مولائے رسول	س	مدینہ	•
۷	〃 عثمان بن عفان	قریش / امیہ	الف	〃	〃 〃
۸	〃 ابو محذورہ اوس بن معیر	〃 / جمح	ف	خانہ کعبہ / مکہ / جعرانہ	سنہ ۸-۱۱ھ / سنہ ۶۳۰-۳۲ء
۹	〃 سفیان بن قیس	کندہ	ق	قبیلہ کندہ	سنہ ۱۰-۱۱ھ / سنہ ۶۳۱-۳۲ء

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے مؤذن	•	•	۱/۲۴۸	۱/۵۲۶	•	۱/۹ - ۲۰۶	۱
رمضان میں شب میں ایک اذان دیتے تھے	•	•	۳/۲۳۴	〃	•	〃	۲
مستقل مؤذن	•	•	•	•	•	۲/۳ - ۲۸۲	۳
〃 / ایک بار اذان دی تھی	•	۸۴۶، ۷۳۸	•	•	•	۳/۳۲۸	۴
• 〃	•	•	•	•	کتانی اول ۷۴	•	۵
〃	•	•	•	•	〃 ۷۶	•	۶
جمعہ کی ایک اذان دیتے تھے / دی تھی	•	•	•	۱/۵۲۷	〃 〃	•	۷
مسجد حرام کے مستقل مؤذن / جعرانہ میں پہلی اذان	•	•	۱/۲۴۸	۱/۵۲۶، ۵۲۸	•	۵/۲۹۲	۸
قبیلہ کندہ کے مستقل مؤذن مقرر ہوئے تھے	•	•	•	•	•	۲/۳۲۱	۹

ضمیمہ چہارم - ۵ افسرانِ امورِ حج

نمبر شمار	افسر	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	موقعہ/مہم	تاریخ تقرر

امرائے حج

۱	حضرت عتاب بن اسید	قریش/امیہ	ف	فتح مکہ	۸ھ / ۶۳۰ء
۲	" ابوبکر صدیق	" /تیم	الف	سال دیگر	۹ھ / ۶۳۱ء
۳	" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	" / ہاشم	اول المسلمین	حجۃ الوداع	۱۰ھ / ۶۳۲ء

خانہ کعبہ کے متولی اور ساقی حرم

۱	حضرت عثمان بن طلحہ	قریش/عبدالدار	ع	خانہ کعبہ/حجابہ	۸-۱۱ھ / ۶۳۰-۳۲ء
۲	" عباس بن عبدالمطلب	" / ہاشم	ف	" /سقایہ	" "

حدودِ حرم کی تعیین کے افسر

۱	حضرت تمیم بن اسید	خزاعہ	ف	حرم مکہ	۸ھ / ۶۳۰ء

ھدی (قربانی کے جانوروں) کے نگراں افسر

۱	حضرت ناجیہ بن جندب	اسلم	س	مدینہ تا مکہ	۶-۱۱ھ / ۶۲۸-۳۲ء
۲	" ذویب بن حلحلہ	خزاعہ/کعب	.	"	.
۳	" عمرو بن ثمالی	ہوازن/ثمالہ	.	"	.
۴	" علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	"	.
۵	" خالد بن سیار	کنانہ/غفار	.	"	.

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
بحیثیت والیِ مکہ امیرِ حج بنے	۲/۵۰۰	۹۵۹	۲/۱۳۷	فب ۵۳	۳/۹۴، ۳۷	۳/۹-۳۵۸	۱
رسولِ کریم کے نائب کی حیثیت سے	۲/۵۴۳، ۶۵۲	۱۰۷۷	۲/۱۶۸	۰	۳/۳-۱۲۲	۳/۲۳-۲۰۵	۲
سربراہِ مملکتِ اسلامی کی حیثیت سے	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳
مستقل متولی اور کلید بردارِ کعبہ	۰	۸۳۳-۸	۲/۱۳۷	۰	۰	۳/۳۷۲	۱
مستقل سقایہ کے عہدہ دار	۰	۸۳۸	〃	۰	۰	۳/۱۲-۱۰۹	۲
از سرِ نو تنصیبِ حرم کی گئی	۰	۸۴۲	۲/۱۳۷	۰	۰	۱/۲۱۴	۱
مستقل افسر حدیبیہ، عمرۃ القضیہ، حج ابی بکر، حجۃ الوداع	۰	۷۳۲، ۵۷۲، ۱۰۹۰، ۱۰۷۷	۲/۱۶۸، ۱۲۱، ۱۷۳	۱/۳۵۳	۲/۶۲۴	۴/۵	۱
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲/۱۴۷	۲
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴/۹۲	۳
ایک بار	۰	۰	۰	۰	بخاری - کتاب الحج		۴
۰	۰	۰	۰	۰	جمہرہ ۱۷۶	اصابہ ۲۱۷۰	۵

تعلیقات و حواشی

باب اوّل

(۱) اسلامی سلطنت اور دنیاوی سلطنت کے فرق کے لیے ملاحظہ کیجئے: سید سلیمان ندوی: سیرۃ النبیؐ، جلد ہفتم، نقوش (لاہور) رسول نمبر، جلد دوم، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۳۲۰ تا ۳۹۹: سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۱۰-۱۳۔

(۲) ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ فرڈیننڈ وستنفلڈ، بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۵۰ تا ۱۷، وغیرہ؛ ابن عبدربہ، العقد الفرید، مرتبہ احمد امین، احمد زین، ابراہیم ابیاری، قاہرہ ۱۹۵۲ء، جلد سوم، ص ۳۱۴-۳۱۵؛ مونٹگمری واٹ، محمدؐ ایٹ مکہ، آکسفورڈ ۱۹۵۳ء، ص ۴-۱۶۔

(۳) مونٹگمری واٹ، محمدؐ ایٹ مکہ، ص ۱۰-۱۷؛ گرونی بام، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۱۳-۲۶۔

(۴) مذکورہ بالا

(۵) سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، جلد ہفتم، ص ۱۷-۳۶۵ (عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکومت)

(۶) مونٹگمری واٹ، محمدؐ ایٹ مدینہ، لندن ۱۹۵۶ء، ص ۲۳۹۔

(۷) ملاحظہ ہو: سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت کا باب اوّل۔

(۸) سید سلیمان ندوی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی، مذکورہ بالا

(۹) ابنِ اسحاق، سیرۃ رسول اللہ، انگریزی ترجمہ الفریڈ گلیوم، لندن ۱۹۵۵ء، ص ۲۳۴؛ ابنِ سعد، سوم، مختلف تراجم صحابہ؛ نیز ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمدؐ ایٹ مدینہ، ص ۲۴۹۔ نیز ملاحظہ ہو: ابنِ سعد، الطبقات الکبریٰ، دارصادر بیروت ۱۹۵۷ء، جلد سوم، ص ۳-۲۲؛ مونٹگمری واٹ، محمدؐ ایٹ مدینہ، ص ۲۴۹۔ لیکن ابنِ سعد نے اپنی دوسری روایت میں حضرت سہل بن حنیف انصاری سے مواخاۃ کا ذکر کیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں کا تعلق بالترتیب مکی اور مدنی زمانے سے ہے۔

(۱۰) ابنِ اسحاق، مذکورہ بالا، ص ۱۹۶-۱۹۷۔

(۱۱) ابن اسحاق، مذکورہ بالا، ص ۱۹۷۔

(۱۲) ابنِ اسحاق، مذکورہ بالا، ص ۸-۱۹۷؛ ابنِ سعد، طبقات، اول ص ۲۱۹؛ طبری، تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری)، مرتبہ محمد ابوالفضل ابراہیم، دارالمعارف، قاہرہ ۱۹۶۱ء، دوم ص ۵۵-۳۵۳؛ بلاذری، انساب الاشراف مرتبہ محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء، اول ص ۲۳۹۔

ان صالح خزرجیوں کے نام مع ان کے خاندانوں کے حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ اسعد بن زرارہ ——— بنو نجار
۲۔ عوف بن حارث ——— بنو غنم
۳۔ رافع بن مالک ——— بنو زریق
۴۔ قطبہ بن عامر ——— بنو سلمہ
۵۔ عقبہ بن عامر ——— بنو سلمہ
۶۔ جابر بن عبداللہ ——— بنو سلمہ

موخرالذکر تینوں بزرگ بنو سلمہ کے مختلف گھرانوں سے متعلق تھے۔

(۱۳) ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۱۹۸؛ ابنِ سعد، سوم ص ۲۱-۴۲۰ کا بیان ہے کہ اوس/عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ کے قبولِ اسلام کا اتنا اثر ہوا کہ پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ مدینہ میں اسلام کے پُرجوش وزر، دست داعی و مبلغ اس زمانہ میں حضرات اسعد بن زرارہ وغیرہ اور کچھ زمانے بعد حضرات سعد بن معاذ اور مصعب بن عمیر عبدری تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ پہلے چھ خزرجی مبلغین نے اس تندہی سے کام کیا تھا کہ اللہ و رسول کا نام ہر گھر میں پہنچ گیا تھا۔ طبری، دوم ص ۳۵۵ بھی یہی بیان کرتے ہیں۔

نیز ملاحظہ کیجیے: ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ، محمدؐ اینڈ رائز آف اسلام، لندن ۱۹۰۵ء، ص ۲۰۲؛ ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ، دی پریچنگ آف اسلام، لندن ۱۹۳۵ء، ص ۲۴-۲۲؛ میکسم رودنساں، محمدؐ، انگریزی ترجمہ این کارٹر، پینگوئن بکس ۱۹۷۶ء، ص ۳-۱۴۲؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالمصنفین اعظم گڈھ ۱۹۷۶ء اول ص ۲۶۶۔

(۱۴) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۹۹-۱۹۸ کا بیان ہے جو کافی اہم ہے کہ "عقبہ کی یہ بیعت جنگ کا حکم ملنے سے پہلے ہوئی تھی" شرائطِ بیعت یہ تھیں:

۱۔ وہ خدا کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔
۲۔ چوری نہیں کریں گے۔
۳۔ زنا نہیں کریں گے۔
۴۔ اولاد کشی نہیں کریں گے۔
۵۔ بہتان تراشی نہیں کریں گے۔
۶۔ اوامر بالمعروف میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ ہجرت سے قبل اور اسلامی ریاست کے قیام سے پہلے مدینہ کے مسلمانوں سے

مکمل اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ کیا گیا تھا جیسا کہ آخری شرطِ بیعت سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل نافرمانی اور حکم عدولی آپ کی رسالت کے انکار کے مترادف ہوتی۔

نیز ملاحظہ کیجئے: انساب الاشراف، اوّل ص ۲۳۹؛ طبری، دوم ص ۳۵۶؛ ابن سعد، سوم ص ۳-۶۰۲؛ روڈنسان، محمد، ص ۴۴-۱۴۳؛ واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۴۶-۱۴۴۔

شرکائے بیعت عقبۂ اولیٰ کے اسمائے گرامی کے لیے دیکھئے: ابن اسحاق، سیرہ، ص ۹۹-۱۹۸۔

(۱۵) ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، سیرہ، ص ۸-۱۹۷۔

(۱۶) اس زمانہ میں یثرب میں اشاعت اسلام کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، سیرہ، ص ۹۹-۱۹۸۔

(۱۷) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۱۹۹؛ ابن سعد، سوم ص ۶۱۱؛ انساب الاشراف، اوّل ص ۲۳۹؛ طبری، دوم ص ۳۵۷ اور ص ۳۶۶۔

(۱۸) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۰؛ طبری، دوم ص ۳۵۹؛ نیز دیکھئے: ابن سعد، سوم ص ۶۱۸، ص ۲۱-۶۲۰۔ اوس مناۃ کے قبول اسلام کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلہ کا نام اوس اللہ رکھ دیا تھا۔ ناموں کے سلسلے میں یا کسی بھی معاملہ میں شرک کا شائبہ تک قابلِ برداشت نہیں تھا۔ قدیم نام ایک بڑے بُت کی نسبت رکھتا تھا

(۱۹) عام طور سے خیال یہ ہے کہ اس بیعت میں صرف ۷۲ مسلمانانِ مدینہ شریک تھے، ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ اوّل ص ۲۶۴۔ لیکن اس میں شرکاء کی کل تعداد ۷۵ تھی۔ ملاحظہ ہو: بلاذری، انساب الاشراف، اوّل ص ۵۲-۲۴۰۔ بلاذری نے ان میں سے صرف ستر کے مختصر سوانحی خاکے بھی دئے ہیں۔ ابن سعد، اوّل ص ۳-۲۲۱؛ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، اردو ترجمہ نذیر حق، نقوش رسول نمبر، جلد دوم ص ۵۶۷۔ یہ بات اہم ہے کہ مسلمان مدنیوں میں دو عورتیں بھی شریکِ بیعت تھیں اور ان میں سے ایک کے ہاں اسی زمانے میں ایک بچے کی بھی ولادت ہوئی تھی۔ بیعت عقبۂ ثانیہ کے شرکائے گرامی کے ناموں کے لیے دیکھئے ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۱۲-۲۰۸، جن کے نزدیک اس میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں شامل تھیں۔ ابنِ اسحاق وغیرہ نے ان شرکائے بیعت کے قبائل اور خاندانوں اور ان کے تناسب کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۲۰) ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۴-۲۰۳ کا بیان ہے کہ انصارِ مدینہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان و مال کا تحفظ دیتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم عہد کرتے ہیں اور ہم اہلِ حرب لوگ ہیں۔ ہمارے پاس اسلحے ہیں جو ہم تک ہمارے آباؤ اجداد سے پہنچے ہیں۔ ہم اسی طرح آپ کا تحفظ کریں گے جس طرح ہم اپنے خاندان والوں کا تحفظ کرتے ہیں خواہ اس کے لیے ہمیں ساری دنیا سے (اسود و احمر سے) جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ہم ہر صورت میں آپ کا ساتھ دیں گے خواہ آپ کے مدِمقابل ہمارے رشتہ دار ہوں یا اجنبی لوگ"۔ جواب میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یقین دلایا تھا کہ "میں ان سے لڑوں گا جن سے تم لڑو گے اور ان سے صلح کروں گا جن سے تم صلح کرو گے۔ میرا خون تمہارا خون ہے"

میں تمہارا اور تم میرے ہو۔" اس پر بحث کے آخر میں ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ "اب انھوں نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ساری دنیا سے جنگ کرنے اور ہر دکھ سکھ، عُسر و یُسر، تنگی و فراخی ہر حال میں آپ کا ساتھ دینے کا عہد کر لیا تھا۔"

ابنِ اسحاق اور دُوسرے مورخین اور مولفینِ سیرت کے بیان بیعت عقبہ ثانیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیعت حرب محض دفاعی جنگ تک محدود نہیں تھی جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے (مثلاً شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۲۱۶؛ طبری، دوم ص ۶۴-۳۶۳؛ آرنلڈ ص ۲۴؛ محمد اَیٹ مکہ، ص ۹۴-۱۴۷؛ مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۰۳-۴؛ فرانسسکو جبرئیلی، محمد اور فتوحاتِ اسلام، انگریزی، لندن ۱۹۶۸ء، ص ۶۰) حقیقت یہ ہے کہ بیعت حرب میں دفاعی اور جارحانہ جنگ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا تھا۔ حیرت بلکہ شدید حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے قدیم و جدید مورخین و سیرت نگاروں نے یہ نتیجہ کہاں سے اخذ کیا ہے کہ انصارِ مدینہ نے بیعتِ حرب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محض دفاعی جنگ میں ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جارحانہ یا اقدامی جنگ میں نہیں۔ ان مورخین کا خاص مغربی مورخین کا خیال ہے کہ اسی بنا پر انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی مہموں میں ساتھ نہیں دیا تھا کیونکہ وہ اقدامی مہیں تھیں۔ اگرچہ یہاں ابتدائی مہموں سے بحث نہیں تاہم بیعتِ حرب پر مآخذ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیعت دونوں قسم کی جنگوں کے لیے تھی۔ اور جدید و قدیم مورخین کا یہ تاثر کہ وہ صرف دفاع کے پابند تھے صحیح نہیں ہے۔ شاعرِ رسول، حضرت حسّان بن ثابت نے اپنے اشعار میں جو ابن اسحاق کی سیرت (ص ۶۲۵) میں محفوظ ہیں ان مہماتِ نبوی کو گنایا ہے جن میں انصار نے شرکت کا شرف حاصل کیا تھا۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انصارِ مدینہ ان ابتدائی مہمات میں سے غزوات ودان اور ذوالعشیرہ میں شریک رہے تھے۔ واقدی کا بیان ہے (کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونس آکسفورڈ، ۱۹۶۶ء، ص ۹) کہ اسلام کے پہلے سریہ جو حضرت حمزہ بن عبد المطلب کی کمان میں سیف البحر کے علاقہ میں گیا تھا مسلمان شرکا۔ نصف مہاجر اور نصف انصار تھے اور وہ ان کے نام بھی گنا تا ہے۔ اگرچہ دوسری روایت میں وہ اس کی تردید کر کے وہی کہتا ہے جو سب کہتے آ رہے ہیں کہ انصار نے ابتدائی مہمات میں شرکت نہیں کی تھی کیونکہ وہ دفاعی جنگ کے پابند تھے۔ واٹ کا خیال ہے (محمد ایٹ مدینہ، ص ۳) کہ انصار بعض ابتدائی سرایا و غزوات میں ضرور شامل رہے ہوں گے۔ بہر حال وہ ابتدائی مہموں میں شامل رہے ہوں یا نہ رہے ہوں یہ حقیقت ہے کہ بدر سے پہلے مدینہ سے جو لشکر قریشی کارواں کی تاک میں نکلا تھا اس میں انصار مہاجرین سے کہیں زیادہ شامل تھے۔ کیا وہ ایک اقدامی معاملہ نہ تھا؟ دراصل دفاعی اور جارحانہ یا اقدامی جنگ کی تفریق اس دل کی پھانس سے کی جاتی ہے جس کا سبب یہ عقیدہ ہے کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ دفاع کبھی اقدام کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے۔

(۲۱) ابنِ اسحاق، سیرۃ ص ۲۰۴؛ ابن سعد، دوم ص ۶۰۲؛ انساب الاشراف، اوّل ص ۲۵۲-۴؛ طبری، د ص ۵۶-۳۵۵۔ نیز ملاحظہ ہو، مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ ص ۸-۱۴۷، جنھوں نے اصلاح نقیب کا تر

نمائندہ (REPRESENTATIVE) کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ سردار، سید یا شیخ ہوگا۔ ملاحظہ کیجئے: رچرڈ بیل، دی قرآن، ایڈنبرا ۱۹۳۷ء، ص ۵۹، حاشیہ نمبر ۴ جن کا خیال ہے کہ اس لفظ کا معنی "لیڈر" ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: اے، جی، آربری، دی قرآن انٹرپریٹڈ (THE QUR'AN INTERPRETED)، لندن ۱۹۵۵ء، اول ص ۱۲۹۔ مکمل بحث کے لیے دیکھیے اس کتاب کا باب چہارم بحث بر نقیب۔

(۲۲) جزیرہ نمائے عرب کے جن مقامات سے آپ کو دعوت ہجرت ملی یا جن پر آپ کی نگاہِ انتخاب روایات کے مطابق گئی ان میں قبیلہ ازدشنوءہ کے خاندان دوس کے شیخ قبیلہ حضرت طفیل بن عمرو کے علاقہ یا جنوب میں بنو ہمدان کے علاقہ یا یمامہ اور ہجر کے کسی پُربہار و سرسبز و شاداب شہر کا ذکر آتا ہے۔ روایات ہم کو باور کراتی ہیں کہ مدینہ کا انتخاب خداوندی تھا جو القاء یا رؤیا کے ذریعے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۹۴-۹۳؛ مسلم، جامع صحیح، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لایکفر؛ بخاری، جامع صحیح، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، قاہرہ، طبع غیر مورخہ، اول ص ۳۵۹۔

ابن اسحاق، سیرہ ص ۱۹۵ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بنو حنیفہ کے ایک خاندان اور بنو عامر بن صعصعہ کے ایک شیخ قبیلہ بحیرہ بن فراس نے اسلام قبول کرنے اور آپ کو اپنے ہاں پناہ دینے کی پیشکش اس شرط پر کی تھی کہ اسلام کو عروج ملنے پر ان کو حکومت میں شریک یا خلافت کا مجاز قرار دیں جسے آپ نے مسترد فرما دیا۔ بہرحال وہ تمام روایات جو آپ کو پناہ دینے کا ذکر کرتی ہیں ان کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ قبائلِ عرب سے اپنے ذاتی تحفظ کا مطالبہ کرتے تھے یا قبائلِ عرب آپ کو اس کی ضمانت کی پیشکش کرتے تھے۔ بنیادی طور پر آپ کا مطالبہ اسلام کی نصرت و پناہ کا تھا جس کا مطلب تھا قبولِ اسلام کے بعد اس علاقہ میں اسلامی نظام قائم کرنا۔ قبائلِ عرب بھی اس کے مضمرات سمجھتے تھے کہ وہ محض ایک عقیدہ، طرزِ فکر یا چند مذہبی رسوم کا قبول کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے دوررس اور گہرے سیاسی اور سماجی مضمرات ہیں جو موجودہ نظامِ حیات کے قاتل ہوں گے اور ان کے سبب ایک عظیم سیاسی اور سماجی انقلاب آئے گا۔ گوناگوں اسباب سے مذکورہ بالا یا دوسرے قبائلِ عرب کے علاقوں کو وطنِ ہجرت نہ بنایا جا سکا۔

(۲۳) مدینہ کا وطنِ ہجرت بنانے کا خیال خالص ٹھوس تاریخی عوامل کے سبب پختہ ہوا اور عمل میں آیا تھا۔ خواب اور القاء کا جہاں تک تعلق ہے اس سے اس معنی میں انکار نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قدم اور ہر کام اذن و رضائے الٰہی سے ہوتا تھا مگر ہمارے قدیم مورخین و سیرت نگار یا محدثین و مفسرین کرام ان تاریخی عوامل کی مذہبی توجیہ تلاش کر لیتے ہیں اور یہ ان کے عہد کا تاریخی شعور تھا۔ مگر صرف تاریخی نقطۂ نظر سے یا تاریخی تناظر میں دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ۶۲۰ء اور ۶۲۲ء کے درمیان مدینہ میں اسلام کی ہمہ گیر اشاعت اور شہر کا تقریباً تمام کا تمام مسلمان ہو جانا (یہودی قبائل کے سوا)، عرب کی مغربی شاہراہِ تجارت پر اس کا محلِ وقوع جو اقتصادی اور فوجی لحاظ سے قریش کی عداوتِ اسلام کے پس منظر میں بے انتہا اہم تھا، وغیرہ ایسے اسباب تھے جنہوں نے درحقیقت مدینہ کو وطنِ ہجرت بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

(۲۴) مثلاً ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل ص ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۷۴ اور ۲۸۴؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہؐ، ص ۵۶۸، ۵۷۱؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکّہ، ص ۱۵۰؛ محمد ایٹ مدینہ، ص ۵-۲؛ مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۲۴۔ تقریباً تمام جدید مورخین اور سیرت نگاروں نے بلا استثناء ہجرت مدینہ کے باب میں دو نکات پر اتفاق کیا ہے: اوّل یہ کہ مسلمان خاص طور سے مکّہ کے مسلمان چوری چھپے اور چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں یا اِکّا دُکّا ہجرت کے سفر پر نکلے تھے؛ دوم یہ کہ معدودے چند کو چھوڑ کر تمام مہاجرین خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں مآخذ سے ثابت نہیں ہوتیں بلکہ اس سے قطعی مختلف صورتِ حال اُبھرتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے: خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرینِ مکّہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" تحقیقاتِ اسلامی، علی گڈھ، اپریل ۱۹۸۳ء۔

(۲۵) تفصیلات اور مآخذ کے لیے ملاحظہ کیجئے مضمون مذکورہ درحاشیہ نمبر ۲۴۔

(۲۶) اسی طرح یہ خیال کہ ہجرت نبوی کے وقت مکّہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکابر صحابہ میں محض حضرات ابوبکر و علی رہ گئے تھے صحیح نہیں ہے۔ یہ یقیناً صحیح ہے کہ اکثر بزرگ صحابہ مدینہ جا چکے تھے مگر ان کی معتدبہ تعداد اب بھی مکّہ میں موجود تھی۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "سیرت نبوی میں ہجرت کی اہمیت"۔ یہاں یہ مختصراً کہہ دیا جائے کہ اس غلط فہمی کا سبب ابنِ اسحاق کا عمومی تبصرہ ہے کہ ان دو بزرگوں کے سوا اور کوئی مدینہ میں باقی نہیں رہا تھا۔ ملاحظہ کیجئے ص ۲۲۱۔ بعد کے قدیم و جدید مورخین نے بلا تنقید و جرح یہ بیان قبول کر لیا۔

(۲۷) ہجرت نبوی کی اب تک مسلّمہ تاریخ زیادہ تر مورخین و سیرت نگاروں کے نزدیک یہی ہے۔ لیکن یہ اس تقویم کے مطابق ہے جس میں ولادتِ نبوی ۲۰ر اپریل ۵۷۱ء تسلیم کی گئی ہے۔ اس سے متعدد علماء نے اختلاف کیا ہے اور متعدد دوسری تاریخیں بھی ہجرت نبوی کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مذکورہ بالا، ص ۵۷۰، کے نزدیک وہ پیر ۱۲ ربیع الاول ۳۱ مئی ۶۲۲ء تھی۔ اسحاق النبی علوی، مذکورہ بالا، ص ۵۵-۵۲ کی جدول کے مطابق دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کو ۲۲ نومبر ۶۲۲ء تھی۔ جبکہ مارگولیتھ مذکورہ بالا، ص ۲۱۲؛ ایچ جی ویلز، آؤٹ لائن آف ورلڈ ہسٹری، ص ۶۰۰، کارل بروکلمن، ہسٹری آف دی اسلامک پیوپل، انگریزی ترجمہ، لندن ۱۹۷۹ء، ص ۲۰ اور تقریباً تمام دوسرے مورخین و مستشرقینِ مغرب کا خیال ہے کہ ۸ ربیع الاول ۱ھ کو ۲۰ر ستمبر تھی۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۲۷۷، نے اس تاریخ سے اتفاق کیا ہے اور سند میں محمد بن موسیٰ خوارزمی اور یعقوبی کو ذکر کیا ہے۔ جدید مورخین میں مونٹگمری واٹ کا خیال ہے یہ تاریخ ۲۴ر ستمبر ۶۲۲ء تھی یا اس کے لگ بھگ، اور مدینہ خاص آپ ۲۴ر ستمبر کو وارد ہوئے تھے۔

بہرحال اسحٰق النبی علوی کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ہجرت نبوی کی مختلف منزلوں اور مرحلوں کی تاریخیں حسب ذیل تھیں:

۱۔ غارِ ثور کو روانگی — جمعہ ۲ ربیع الاوّل / ۱۲ نومبر ۶۲۲ء

۲۔ غار میں قیام سہ روزہ — جمعہ تا دوشنبہ ۲ تا ۵ ربیع الاوّل / ۱۲-۱۵ر نومبر ۶۲۲ء

۳۔ قبا میں آمد — دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل / ۲۲ر نومبر ۶۲۲ء

۴ - مدینہ میں نماز جمعہ — جمعہ ۱۶ ربیع الاول ۱ھ / ۲۹ نومبر ۶۲۲ء
۵ - مدینہ میں مستقل قیام — پنجشنبہ یا دوشنبہ ۲۵ یا ۲۶ ربیع الاول ۱ھ / ۵ دسمبر ۶۲۲ء

(۲۸) ابن اسحاق، ص ۲۲۰۔

(۲۹) مورخین کے مختلف نقطہ ہائے نظر کے لیے ملاحظہ کیجئے حاشیہ نمبر ۲۔

(۳۰) مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟"

(۳۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے باب پنجم۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض مورخین جو مہاجرین کی ناداری کے قائل ہیں ہجرت کے بعد ان کی اقتصادی زندگی خاص کر ہجرت کے فوراً بعد ان کے پیشوں پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو مارگولیتھ مذکورہ بالا، ص ۶-۲۳۵؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۷-۲۸۶۔

(۳۲) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۱۸ نے انصار کے گھرانوں میں مختلف مہاجرین کے قیام کی تفصیلات دی ہیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، سوم اور چہارم میں صحابہ کرام کے سوانحی خاکے؛ طبری، دوم، ص ۳۸۲؛ بخاری، باب فضل المنیحہ۔ نیز دیکھئے: آرنلڈ، مذکورہ بالا، ص ۲۶؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۔

(۳۳) مثلاً حضرت بلال حبشی کی وابستگی بنوخثعم سے، حضرت حسان بن ثابت انصاری کی حضرت عثمان بن عفان اُموی سے حضرت عمر بن خطاب عدوی کی حضرت عتبان بن مالک انصاری سے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کی سعد بن ربیع انصاری سے اور نہ جانے کتنے دوسرے صحابہ کرام کی اخوت کا یہ رشتہ تاعمر قائم و دائم رہا۔ ملاحظہ ہو: ابن سعد، سوم اور چہارم میں سوانحی خاکے۔ حضرت بلال نے عہد فاروقی میں اپنے عطا کو اپنے اسلامی بھائی ابو رویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمی کے خاندان کے ساتھ شامل و مندرج دیوان کرایا تھا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۵۔

(۳۴) بخاری، کتاب التفسیر، الانفال آیت نمبر ۱۔ نیز کتاب المناقب، باب اخبار النبی۔
ہمارے جدید مورخین نے بھی اس خیال کو تسلیم کر لیا ہے مثلاً شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ۵-۲۸۴؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۹؛ آرنلڈ مذکورہ بالا، ص ۳۳۔

(۳۵) ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۹۔

(۳۶) شبلی نعمانی، مذکورہ بالا، ص ۶-۲۸۵۔

(۳۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مذکورہ بالا، ص ۲-۱۷۱، کا خیال ہے کہ "سیکڑوں مکی مسلمان مدینہ میں پناہ لے چکے تھے۔ ان کی یہاں کوئی جائیداد وغیرہ نہ تھی۔ انھیں مقامی معیشت میں کھپانا وقت کی اشد ضرورت تھی .... انھوں نے تجویز کیا کہ مدینہ کے باوسیلہ اور متمول مسلمان ایک ایک مکی کو اپنا بھائی بنالیں۔ دونوں بھائیوں کے خاندان مل کر کمائیں اور کھائیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے ترکہ میں بھی حصہ دار ہوں .... یہ انتظام کئی سال تک جاری رہا۔ مکی مسلمان طفیلی بن کر رہنے کے خواہشمند نہیں تھے۔ جب انھوں نے محنت سے کافی دولت پیدا کر لی تو انھوں نے اپنے مکی (مدنی)

بھائیوں کی املاک ان کے سپرد کردیں۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔"

گویا کہ مواخات اقتصادی مجبوریوں اور معاشی ضرورتوں کے تحت عمل میں لائی گئی تھی۔ اور وہ ایک عارضی انتظام تھا۔ شبلی نعمانی بھی اسے اقتصادی اور عارضی ہی سمجھتے ہیں اگرچہ اس کے دیرپا اثرات کی بنا پر "عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان" بھی سمجھتے ہیں۔

(۳۸) مآخذ اور جدید مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ مواخاۃ کو مدینہ میں پہلی بار اس وقت رُو بہ عمل لایا گیا جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر تکمیل کے قریب تھی۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۴؛ شبلی نعمانی؛ مونٹگمری واٹ وغیرہ کے مذکورہ بالا حوالے۔ ابن سعد، سوم، ص ۲۲ کا یہ بیان دلچسپ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے قبل پہلے مہاجرین کے درمیان پھر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کی تھی۔ اور آپ نے یہ مواخاۃ سچائی اور باہمی تعاون کی بنیادوں پر استوار کی تھی۔

(۳۹) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا' اس کے قائل ہیں۔

(۴۰) ملاحظہ کیجئے؛ ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۴ پر مذکورہ اسمائے گرامی صحابہ۔ نیز ابنِ سعد، سوم اور چہارم میں سوانحی خاکے۔

(۴۱) واٹ، مذکورہ بالا، اس نظریہ کے جدید عہد میں بانی ہیں۔

(۴۲) مسلم مفکرین و علماء کا خیال ہے کہ اذن جہاد و قتال دوسری بیعت عقبہ سے کچھ پہلے ملا تھا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۱۳-۲۱۲؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۹ - ۳۰۸ کی تحقیق کے مطابق اجازت جہاد ۱۲ صفر ۲ھ / اگست ۶۲۳ء کو ملی تھی جیسا کہ زرقانی نے مواہب اللدنیہ میں تصریح کی ہے۔

(۴۳) ابن سعد، سوم، ص ۵۵۵۔

(۴۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، سیرہ، ۳۸۰ - ۳۲۷، بدری صحابہ کی فہرست اور ابنِ سعد، سوم۔

(۴۵) مہاجرین میں سے جو صحابہ کرام میدانِ بدر میں موجود نہ تھے ان میں حضرت عثمان بن عفان اموی اور حضرت ابوذر غفاری کافی ممتاز تھے۔ انصار میں حضرات سعد بن عبادہ خزرجی، خارجہ بن زہیر اور عتبان بن مالک نمایاں تھے۔ ان کے علاوہ متعدد مہاجر و انصاری بھائیوں میں کوئی ایک موجود نہ تھا۔ ابنِ سعد، سوم نے تین سو چودہ بدری صحابہ کرام میں سے صرف ایک سو چار بھائی جوڑوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ۵۸ جوڑے مہاجرین کے اور ۴۶ انصار کے ہیں اور متعدد ان میں سے ایک دوسرے میں مشترک ہیں۔

(۴۶) ملاحظہ کیجئے حضرات جعفر طیار بن ابی طالب، ابوہریرہ دوسی وغیرہ کی مواخات کے لیے ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۴؛ ابنِ سعد، چہارم کے سوانحی خاکے؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۷۱۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی مواخاۃ حضرت الحتات بن یزید سے قائم کی گئی تھی۔ حضرت معاویہ حدیبیہ کے بعد کسی وقت مسلمان ہوئے تھے۔

(۴۷) ابن اثیر، اسد الغابہ (اسد)، تہران ۱۳۷۷ھ، دوم ص ۳۲۸؛ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ

(اصابہ)، مصر ۱۹۳۹ء، دوم ص ۶۰۰: ابو عمر یوسف بن عبداللہ قرطبی، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب (استیعاب) قاہرہ ۱۹۳۹ء، دوم ص ۴۰۵۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۹۷۔

(۴۸) متن دستورِ نبوی میں کتاب اور صحیفہ کے الفاظ آئے ہیں۔ محمد حمید اللہ اس کو میثاق اور انگریزی میں دستور (CONSTITUTION) کہتے ہیں۔ یہی انگریزی اصطلاح مونٹگمری واٹ، سرجنٹ، موشے گل اور ولہاوزن کے انگریزی مترجم نے بھی استعمال کی ہے۔ برکات احمد اسے دستور نہیں مانتے اور صحیفہ کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ بعض مستشرقین جیسے ریوبن لیوی وغیرہ نے چارٹر (CHARTER) کی اصطلاح استعمال کی ہے تو مارگولیتھ وغیرہ نے کنٹریکٹ کی۔

(۴۹) متنِ دستور کو سب سے پہلے ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۳-۲۳۱ نے بیان کیا جو ابنِ ہشام، سیرہ، اول، ص ۵۰۱-۴ میں نقل ہوا اور وہی تاریخی اعتبار سے قدیم ترین متن ہے۔ اور اسی متن کو بعد کے تمام مورخوں نے نقل کیا ہے۔ ان میں اہم ترین ابو خیثمہ، ابو عبید اور ابنِ کثیر ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس متن کو مختلف متون سے ملا کر مع اپنے تبصرے کے لاہور کے ایڈیشن ۱۹۶۰ء میں "دنیا کے پہلے تحریری دستور" کے نام سے شائع کیا ہے۔ ریوبن لیوی اور مونٹگمری واٹ نے وینسنک وغیرہ دوسرے مستشرقین کے علاوہ اپنی کتابوں میں اس کا مکمل ترجمہ مع پیراگراف کے دیا ہے۔ محمد حمید اللہ کے مترجم نے اپنی کتاب محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۷۶-۳، ۵ میں اس کا ترجمہ بھی دیا ہے لیکن اس میں اصل ترتیب نہیں قایم رکھی گئی ہے۔

اگرچہ دوسرے ابتدائی مآخذ میں صحیفہ نبوی کا متن نہیں پایا جاتا تاہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے مختلف طبقات سے خاص کر یہود سے ایک معاہدہ یا عہد کا حوالہ برابر ملتا ہے۔ واقدی، مغازی، ص ۱۷۶ کا بیان ہے کہ "جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو تمام یہود آپ کے ساتھ ایک معاہدہ (عہد) میں داخل ہوئے آپ نے اپنے اور ان کے درمیان ایک تحریر (کتاب) لکھی۔ اور آپ نے ہر قوم کو ان کے حلیفوں کے ساتھ شامل رکھا۔ آپ نے اپنے اور ان کے درمیان صلح (امان) قائم کیا۔ اور ان کے کچھ فرائض مقرر کیے۔ یہودیوں کے منجملہ فرائض میں سے ایک یہ تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔"

ابنِ سعد، دوم، ص ۲۹ کا محض یہ کہنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ جبکہ طبری، دوم ص ۴۰۹ کا بیان ہے کہ آپ نے یہودِ مدینہ کے ساتھ دوستی کا ایک معاہدہ کیا تھا۔ جب آپ وہاں پہنچے تھے (وکان قد وادع حین قدم المدینۃ یھودھا)۔ شرائطِ معاہدہ یہ تھیں کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی بھی مدد نہیں کریں گے اور اگر مدینہ پر کوئی دشمن حملہ کرے تو وہ آپ کی مدد کے پابند ہوں گے۔ نیز بلاذری، فتوح البلدان، مصر ۱۹۳۲ء، ص ۳۰۔

مآخذ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیلِ امت اور قیامِ ریاست کا آغاز کیا تو آپ نے دو طرح کے معاہدے مختلف طبقات مدینہ سے کئے تھے۔ پہلے تو وہ انفرادی

معاہدے تھے جو آپ نے یہودِ مدینہ کے مختلف قبیلوں اور ان کے اہم خاندانوں سے الگ الگ کیے تھے۔ اس ضمن میں یہ خیال غلط ہے کہ صرف دستورِ مدینہ ہی واحد معاہدہ تھا جو آپ نے یہود مدینہ سے اجتماعی طور سے کیا تھا۔ چنانچہ بدر کی مہم کے بعد جب بنو قینقاع نے معاہدہ شکنی کی تو دوسرے تمام قبیلوں خاص کر بنو نضیر اور بنو قریظہ نے اپنے اپنے معاہدوں کی تجدید کر لی تھی۔ پھر بنو نضیر کی معاہدہ شکنی اور نتیجتاً جلا وطنی کے ضمن میں ذکر آتا ہے کہ بنو قریظہ نے اپنے معاہدے کی تجدید کی تھی۔ اور بنو قریظہ کے معاملہ کے طے ہونے کے بعد دوسرے تمام یہودی قبیلوں اور خاندانوں نے اپنے اپنے معاہدوں کی تجدید کی تھی۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرۃ، ص ۳۶۳-۴، ص ۴۳۷ اور ص ۴۶۸؛ ابوداؤد، سنن، کتاب الخراج والامارہ، باب خبر النضیر؛ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب المغازی، باب غزوہ خندق؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مصر غیر مورخہ، چہارم، ص ۱۱۳؛ نیز مسلم، جامع صحیح، باب ذکر اجلاء الیہود من الحجاز۔

اس ضمن میں یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ بنو نضیر جب مدینہ سے جلا وطن کیے گئے تھے تو انھوں نے اور ان کے سرداروں خاص کر حی بن اخطب نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طرح معاھدہ کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔ ملاحظہ ہو بلاذری، فتوح البلدان ص ۳۵۔

لیکن اس سے الگ ایک اجتماعی معاہدہ تھا جو قریشی مہاجرین اور انصار مدینہ کے درمیان کیا گیا تھا جس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے دونوں طبقات اور ان کے حلیفوں اور موالی کو جو مسلمان تھے شامل کیا تھا۔ بعد میں اسی معاہدے میں یہودیوں یا کہنا چاہیے کہ انصار کے یہودی حلیفوں اور موالی کو بھی شامل کر لیا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یہودی حلفاء انصار مدینہ کے یہودی قبیلے نہیں تھے بلکہ وہ عرب یہود تھے جو ان کے اپنے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔

(۵۰) بحوالہ واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۶-۲۲۵۔

(۵۱) ایضاً (۵۲) ایضاً (۵۳) برکات احمد، مذکورہ بالا، ص ۵۰-۴۷

(۵۴) محمد رسول اللہ، ص ۷۰-۵۱

(۵۵) "دستورِ مدینہ" دی اسلامک کوارٹرلی، ہشتم، جنوری - جون ۱۹۶۴ء، ص ۱۶-۳۔

(۵۶) ریوبن لیوی، سوشل اسٹرکچر آف اسلام، ص ۷۶-۲۷۳

(۵۷) موشے گل "دستورِ مدینہ - ایک تجزیہ" اسرائیل اورینٹل اسٹڈیز، تل ابیب، جلد چہارم، ص ۱۹۷۴ء۔

(۵۸) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۱، حاشیہ ۱۔

(۵۹) واٹ، محمد ایٹ مدینہ ص ۲۲۱، حاشیہ ۲ کا خیال ہے کہ من دون الناس کے فقرہ کا اگرچہ ظاہری اور لغوی مطلب یہود سے ہے لیکن وہ ایسا اغلباً معلوم نہیں ہوتا۔ یعنی مستشرق موصوف یہود کو خارج امت نہیں سمجھتے اور اس فقرہ سے مراد کچھ اور لوگ لیتے ہیں ان کا خیال قطعی غلط ہے۔

(۶۰) ولہاوزن کا خیال ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ اونٹ پر باری باری بیٹھنا ہے جبکہ کیتانی کا خیال ہے کہ تمام فوجی

امور میں مسلمان باری باری فریضہ ادا کریں گے۔ ملاحظہ ہو: واٹ، محمد ایٹ مدینہ ص ۲۲۲، حاشیہ ۲۔ بظاہر موخرالذکر کا خیال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ولہاوزن کا خیال مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔

(۶۱) بطانہ کے معنی واٹ کے نزدیک (ص ۲۲۴، حاشیہ ۳) مجہول ہیں۔ غالباً اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہودِ مدینہ کے ساتھ حلف کے معاہدے و دوستی کی وجہ سے متحد تھے، خون کا رشتہ ان میں نہ تھا۔ جبکہ وینسنک کا خیال یہ ہے کہ غالباً یہ وہ عرب تھے جو اوس و خزرج کے آنے سے قبل یہود کے ساتھ شامل تھے۔ یہ دونوں نقطۂ نظر یا خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ بطانہ کے معنی لغت کے اعتبار سے اہلِ خانہ یا گھر والوں کے ہوتے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں کہ معاہد یہودیوں کے ساتھ ان کے اہلِ خانہ بھی انھیں جیسے شمار ہوں گے اور سمجھے جائیں گے۔ اس کی کچھ تشریح دفعہ ۴۴ سے ہوتی ہے جس میں موالی کو ان کے سرپرست خاندانوں کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

(۶۲) واٹ، ص ۲۲۴، حاشیہ ۸ کا خیال ہے کہ اس دفعہ کا نصف حصہ مجہول المعنیٰ ہے اور آخری حصہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "خدا اس سے دور ہے"۔ یہ ترجمہ وہی کر سکتا ہے جس کو عربی زبان سے ذرا بھی مس نہ ہو۔

(۶۳) واٹ کا خیال ہے (ص ۲۲۵ حاشیہ ۱) کہ اس دفعہ کا بھی مفہوم واضح نہیں ہے۔ وہ اس کے متضاد معنی دیتے ہیں۔

(۶۴) محمد فؤاد عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، قاہرہ ۱۹۴۵ء، ص ۸۰۔

(۶۵) محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۶-۲۲۵؛ نیز ملاحظہ ہو ان کا مضمون "IDEAL FACTORS IN THE ORIGIN OF ISLAM" اسلامک کوارٹرلی، جلد دوم، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۶۱ وغیرہ۔

(۶۶) اے، جے، وینسنک (A. J. WENSNICK)، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، لیڈن ۱۹۳۶ء، اول، ص ۹۲ ب یا ۹۸ الف۔

(۶۷) غالباً ولہاوزن، عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال، انگریزی ترجمہ، لندن ۱۹۲۷ء، ص ۱۲-۱۱۔ اس نظریہ کا بانی اول تھا ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ خیال اپنے پیش رو جرمن علمائے تاریخ سے مستعار لیا ہو۔ بہرحال اس کا خیال ہے جو عجیب و غریب تضادات اور نرالی منطق پر مبنی ہے کہ "رشتۂ اتحاد مذہب ہے۔ اور مومنین اس کے حامی و ناصر ہیں۔ چنانچہ ان کو خاص حقوق اور فرائض حاصل ہیں پھر بھی ایسا نہیں ہے کہ صرف مومنین ہی امہ میں شامل ہیں، بلکہ وہ تمام لوگ جو ان سے اتحاد کر لیں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ یعنی تمام باشندگانِ مدینہ۔ امہ ایک وسیع علاقے یا خطے پر حاوی تھی۔ مدینہ کے تمام اطراف و حدود ناقابلِ تنسیخ معاہدہ کا علاقہ تھا۔ انصار میں اس وقت بھی غیر مسلم عرب تھے اور وہ بھی امہ سے خارج نہیں کیے گئے تھے بلکہ واضح طریقہ سے ان کو شامل کیا گیا تھا۔ یہود بھی اس میں شامل تھے۔ اگرچہ امہ میں ان کو وہ قریبی تعلق اور مقام حاصل نہ تھا جو انصار اور مہاجرین کو حاصل تھا اسی لیے ان کے حقوق و فرائض بھی ویسے ہی اور برابر و یکساں نہ تھے"۔ واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۶-۲۲۵ اور ص ۲۴۲-۲۴۱ بھی ولہاوزن کے اتباع میں مدینہ کے تمام فریقوں اور طبقوں ——— مسلمانوں، یہودیوں اور غیر مسلم عربوں ——— کو امت میں شامل کرتے ہیں۔

اسی طرح شامل کرتے ہیں ایف، ای، پیٹر، اللہ کی کامن ویلتھ (ALLAH'S COMMON WEALTH)، ص ۶۳؛ برکات احمد، مذکورہ بالا، ص ۴۸ - ۴۶؛ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، ص ۱۷۵؛ مضمون امہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، اول طبع۔

حیرت ہوتی ہے کہ اگر امۃ مذہب ——— اسلام ——— پر مبنی تھی، جس کا اعتراف تمام جدید مورخین کو ہے تو یہ کیسی امت تھی جس میں یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہ برابر کے شامل تھے۔ منطقی لحاظ سے تو صرف اس میں مسلمانوں کے طبقات ——— مہاجرین و انصار ——— ہی سے امۃ اللہ یا امت اسلامی عبارت ہوسکتی تھی یا یہ امت سرے سے مذہبی بنیادوں پر ہی قائم نہ تھی یا نہ ہونی چاہیے۔ امت کے نظریہ کے لیے ملاحظہ ہو ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام کا نظامِ حیات، دہلی ۱۹۶۷ء، ص ۱۷ وغیرہ۔

(۶۸) مومنین اور مسلمین دونوں قرآنی اصطلاحات ہیں اور ان کے بہترین معانی قرآن ہی نے بیان کیے ہیں۔ ویسے ایمان کے معنی ہیں عقیدہ اور یقین۔ جبکہ اسلام کا مفہوم ہے خدا کی مرضی کے آگے جھک جانا یا حلقۂ اسلام میں داخل ہو جانا۔ اسلامی دینیات میں ان کے درمیان ایک نازک سا فرق ہے جس کو قرآن نے کیا خوب بیان کیا ہے:

"کہتے ہیں گنوار ہم ایمان لائے، تو کہہ تم ایمان نہیں لائے، پر تم کہو مسلمان ہوئے۔ اور ابھی نہیں بیٹھا ایمان تمہارے دلوں میں۔۔۔۔

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ اور اس کے رسول پر، پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے - وہ جو ہیں، وہی ہیں سچے۔"

سورۂ حجرات، آیت ۱۵ - ۱۴؛ اردو ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی؛ دو ترجمہ حمائل شریف، مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۳ھ، ص ۵۸۵؛ نیز ملاحظہ ہو: رچرڈ بیل، مذکورہ بالا، ص ۵۲۶؛ آربری، دوم، ص ۲۳۲؛ بخاری اور مسلم، جامع صحیح۔ کتاب الایمان۔

(۶۹) واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۱ نے دستورِ مدینہ کی اس دفعہ کا ترجمہ غلط کیا ہے اور صحیح ترجمہ بعد میں دیا لیکن اس کی تعبیر و تشریح الٹی کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "اس دفعہ کا مطلب ممکن طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود بنی عوف مسلمانوں کے متوازی ایک امت تھے لیکن غالباً اس کا مطلب ہے وہ ایک ہی امت میں شامل تھے۔" ابن ہشام، دوم، ص ۴ - ۱۰۵ کے متن میں بنو عوف کے یہود کے لیے فقرہ ہے امۃ مع المومنین نہ کہ امۃ من المومنین۔ جس کا واضح مفہوم ہے کہ یہود بنی عوف مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک اور امت ہیں جو بہرحال مسلمانوں سے الگ اور ممتاز تھی۔ عربی زبان میں من (سے) اور مع (ساتھ) کا فرق بدیہی ہے جو تمام علمائے لغت جانتے ہیں۔ مستشرق موصوف بھی اس سے نابلد نہیں اسی وجہ سے وہ اس کا صحیح مفہوم بھی دیتے ہیں لیکن اس کی تشریح الٹی کرتے ہیں ورنہ ان کا نظریہ امت باطل ٹھہرے گا۔ یہاں یہ نکتہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس دفعہ میں "مسلمانوں کے لیے

ان کا دین اور بنو عوف کے یہودیوں کے لیے ان کا دین" مزید کہہ کر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ امت ہیں۔ اسی ضمن میں قرآن مجید کی سورہ کافرون کی آخری آیت لکم دینکم ولِیَ دین "تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے" بھی سامنے رکھنی چاہیے۔ کیا دستورِ مدینہ کی متعلقہ دفعہ آیت قرآنی کی صدائے بازگشت نہیں ہے؟ محض مستشرقین ہی نے نہیں بلکہ اس سلسلے میں ان کے خوشہ چیں مشرقی مسلم مورخین جیسے برکات احمد اور حمید اللہ نے امت کا مفہوم بے انتہا غلط اور غیر تاریخی بنا دیا ہے۔

(۷۰) ولہاوزن، مذکورہ بالا، ص ۱۱ کا خیال ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستورِ مدینہ میں "اللہ کا رسول" کہیں نہیں کہا گیا ہے۔ جبکہ واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۸، کا بیان ہے کہ محمد رسول اللہ کا فقرہ صرف دیباچہ دستور میں آیا ہے، متن میں کسی جگہ نہیں ہے۔ لیکن دونوں کا خیال خام ہے۔ ابن ہشام کے ذکر کردہ متن میں یہ فقرہ طلیبہ تین جگہوں پر بیان ہوا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ خود واٹ کے انگریزی ترجمہ میں یہی فقرہ ان تینوں مقامات پر بھی موجود ہے۔ ملاحظہ کیجئے: محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۱ پر دفعات دستور ۴۲ اور ۴۷ کے علاوہ دیباچۂ دستور۔

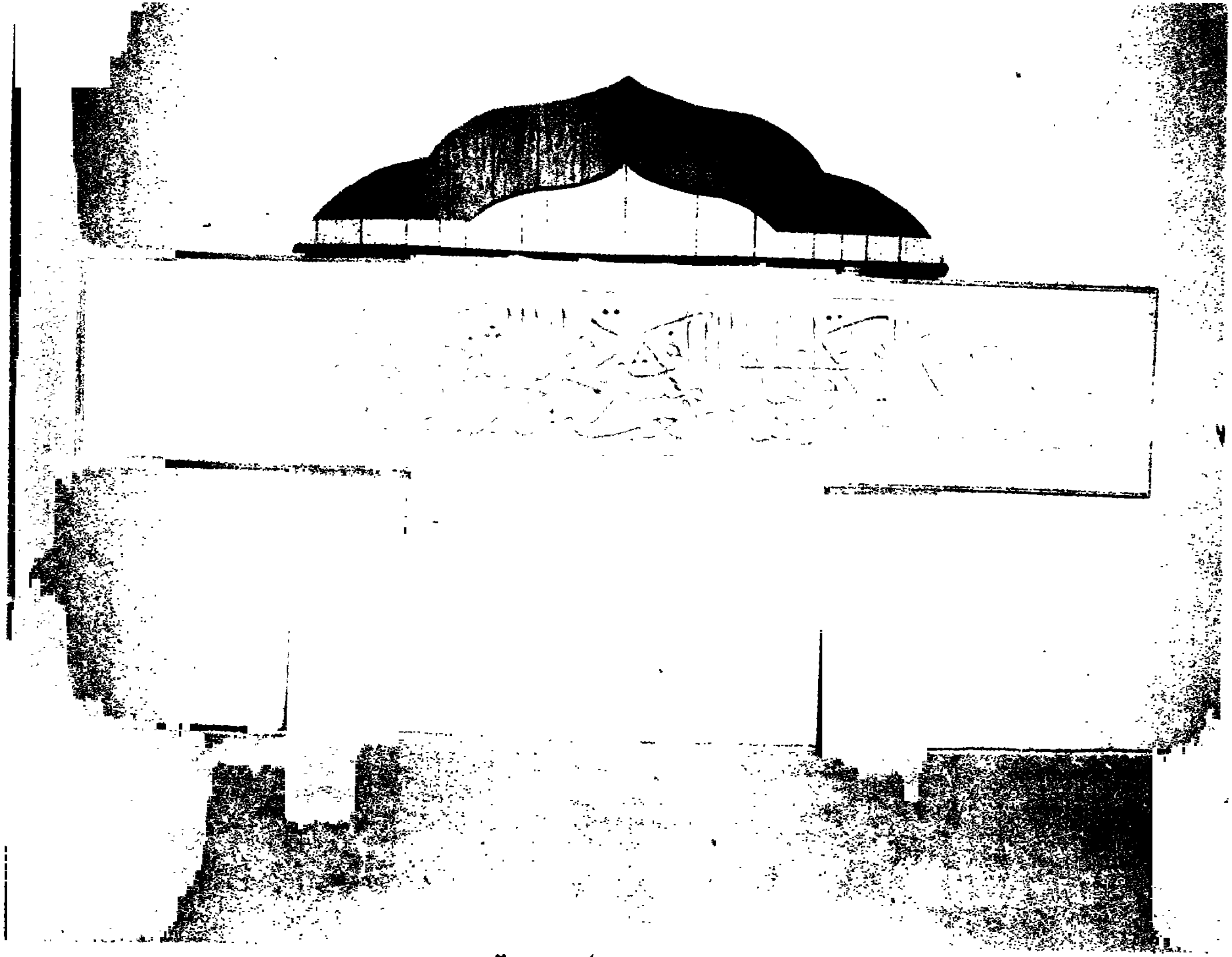
(۷۱) زرِ فدیہ کی رقم اصولی طور سے فریقین کی مفاہمت یا فریقِ غالب کے فیصلہ پر متعین ہوتی تھی۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زرِ فدیہ کی گراں ترین اور غالباً مقبول و مسلّم ترین شرح چار ہزار درہم تھی جو اکثر اسیرانِ بدر سے مسلمانوں نے مانگی تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی کی مسلم معیشت میں اموالِ غنیمت کا تناسب" تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۸۲ء، ص ۱۵۔

(۷۲) دیت کی عام شرح عہدِ نبوی میں یا قریش کے یہاں سو اونٹ تھے۔ یہی مسلم اصول تھا۔ ملاحظہ ہو: حجۃ الوداع میں خطبۂ نبوی، محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، ص ۵۰۹۔

(۷۳) چونکہ عربوں کے قبائلی نظام میں یا اس وقت تک کے اسلامی معاشرے میں قوانین کو نافذ کرنے والی کوئی طاقت یا ادارہ جیسے پولیس وغیرہ نہیں تھا جو مجرم کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچا سکتا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماجی تحفظ کا نظام اجتماعی ذمہ داری پر مبنی تھا۔ کیونکہ صرف ایک بڑا انسانی گروہ خاندان یا قبیلہ ہی قوانین کو نافذ کر سکتا تھا یا مجرم کو جرم کے ارتکاب سے روک سکتا تھا اور ارتکابِ جرم کی صورت میں اس کو سزا دے سکتا تھا یا جرمانہ وصول کر سکتا تھا افراد اپنی انفرادی حیثیت میں اس کی ضمانت نہیں دے سکتے تھے۔

(۷۴) چونکہ قریشی یا غیر قریشی مہاجرین اپنے خاندانوں اور گھرانوں سے کٹ گئے تھے اور وہ عملاً مختلف قبیلوں، خاندانوں کے افراد تھے اس لیے ان کو ایک نیا سماجی شعور یا جماعتی تصور دینے کے لیے اور اس سے زیادہ عملی اعتبار سے آسانی فراہم کرنے کے لیے ان کو ایک سماجی وحدت قرار دیا گیا تھا اور سماجی تحفظ کے نظام میں ان کی ایک قبیلہ کے مانند اجتماعی ذمہ داری سمجھی گئی تھی۔

(۷۵) دیت اور زرِ فدیہ کی ادائیگی کو اجتماعی ذمہ داری کے اصول کی بنا پر پورے قبیلہ یا خاندان کی ذمہ داری قرار دیا گیا تھا



غلاف کعبہ کا قدیم ٹکڑا فریم میں لگا ہوا جہاں غلاف کعبہ تیار ہوتا ہے

کیونکہ فرد/ افراد سے ان کی وصولیابی کی ضمانت نہ تھی۔ علمی اعتبار سے یہ قومی/ قبائلی/ گروہی اخراجات تھے۔

(۷۶) اس سماجی برتری کا اعتراف مستشرقین کو بھی ہے، ملاحظہ ہو ولہاوزن، ص ۱۲؛ واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۲۸-۲۲۷۔

(۷۷) مدینہ کے یہودی قبائل کے اسلام سے انکار اور عداوت کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۴۷-۲۳۹؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۰۴-۳۹۷؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۰-۱۹۱۔

(۷۸) مثلاً فتح مکہ سے قبل ایک عظیم مخلص و مومن صحابی رسول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے محض قریش کی محبت و حمایت میں ان کو مسلم منصوبوں سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، سیرہ، ص ۵۴۵۔

(۷۹) یہودِ مدینہ اور قریش کے تعلقات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، سیرہ، ص ۳۶۱ جب غزوہ سویق کے دوران مکی قریشی افواج کے سالار ابوسفیان بن حرب کی ضیافت بنو نضیر کے سردار قبیلہ سلام بن مشکم نے کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ ان کو اس نے مدینہ کے بارے میں فوجی اہمیت کی تمام معلومات اور فوجی راز بہم پہنچاتے تھے۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۵۴-۳۹۵۔

(۸۰) بدر سے ذرا پہلے جب حضرت سعد بن معاذ اوسی عمرہ کے لیے مکہ گئے تھے تو روایات کے مطابق اپنے پرانے دوست امیہ ابن خلف جمحی کے گھر مقیم ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو: بخاری، جامع صحیح، کتاب المغازی، غزوہ بدر۔

(۸۱) ولہاوزن نے اس بحث کا آغاز کیا اور بنیاد فراہم کی جس پر بعد کے تمام مغربی مورخین نے اپنی تحقیق کی پوری عمارت تعمیر کی ہے۔ ان میں مونٹگمری واٹ سب سے اہم ہیں جنہوں نے کافی طویل بحث اس موضوع پر کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ولہاوزن، مذکورہ بالا، ص ۱۶-۱۴؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۸-۲۲۸۔

(۸۲) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۹-۲۲۸۔ (۸۳) ایضاً، ص ۳۰-۲۲۹۔

(۸۴) ملاحظہ ہو: سیرت النبی، اول، ص ۳۹۴۔

(۸۵) واقعۂ افک میں ملوث ہونے پر عبداللہ بن ابی کے مومن صادق فرزند حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کو خود قتل کرنے کی اجازت نبوی مانگی تھی جو رحمۃ للعالمین نے نہیں دی۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدارِ اعلیٰ کا سب سے بڑا ثبوت ہے مورخ موصوف کو نظر نہیں آیا۔ ملاحظہ کیجئے واقعہ کے لیے: اسد الغابہ، سوم، ص ۱۹۷۔

(۸۶) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۱۰-۶۰۹۔

(۸۷) ایضاً، ص ۳۲-۲۳۱۔ مورخ موصوف نے اس ضمن میں مال غنیمت خصوصاً بدر کے موقعہ پر غنیمت کے تقسیم کے معاملہ کو بھی اٹھایا ہے۔ دراصل ان کی پوری بحث بڑی بے جان، غیر علمی اور غیر تاریخی ہے۔ وہ ایک کمزور مقدمہ کی ناکام دفاعی کوشش کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۸۸) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۸۳؛ ابن ہشام، اول، ص ۹۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۶؛ طبری، دوم، ص ۴-۴۳۲۔

زیادہ تر جدید مورخین نے واقدی کی ترتیب و تواریخ سرایا و غزوات کو قبول کیا ہے۔ چنانچہ وہی اس کتاب میں بھی تسلیم کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲ اور ۸۶ – ۸۵ اور ضمیمہ ب؛ محمود شیت خطاب، الرسول القائد، بغداد ۱۹۵۶ء، ص ۵۲ – ۵۱؛ جے، ایم، بی، جونس "THE CHRONOLOGY OF THE MAGHAZI - A TEXTUAL SURVEY" بلیٹن آف دی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز (BSOAS)، جلد ۱۹، ۱۹۵۷ء؛ نیز "ابن اسحاق اینڈ واقدی"، BSOAS، جلد ۲۲، ۱۹۵۹ء؛ ڈبلو، ایم، واٹ، "دی مٹیریل یوزڈ بائی ابن اسحاق" HISTORIANS OF MIDDLE EAST، مرتبہ برنارڈ لیوس اینڈ پی۔ ایم، ہولٹ، لندن ۱۹۶۲ء، ص ۲۴ – ۲۳؛ مارسدن جونس کا مقدمہ بر واقدی، کتاب المغازی، ص ۳۵ – ۲۵۔

اس موضوع پر مکمل اور جامع بحث کے لیے دیکھیے میرا مضمون "عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں —— محرکات، مسائل اور مقاصد" برہان دہلی، دسمبر ۱۹۸۲ء تا ستمبر ۱۹۸۳ء۔

(۸۹) محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۱۱۱ – ۱۱۰۔

(۹۰) ملاحظہ ہو میرا مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اپریل ۱۹۸۳ء۔

(۹۱) مضمون "عہد نبویؐ کی ابتدائی مہمیں —— محرکات، مسائل اور مقاصد"

(۹۲) مثلاً مارگولیتھ، سر ولیم میور، مونٹگمری واٹ وغیرہ۔ مضمون مذکورہ بالا، حوالوں کے لیے۔

(۹۳) مثلاً شبلی نعمانی، محمد حمید اللہ وغیرہ۔ حوالوں کے لیے مضمون مذکورہ بالا۔

(۹۴) کتاب المغازی، ص ۶؛ مضمون عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں۔

(۹۵) "عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں —— محرکات، مسائل اور مقاصد" (۹۶) ایضاً

(۹۷) ایضاً۔ واٹ نے اس خیال کو زیادہ قوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

(۹۸) ایضاً (۹۹) ایضاً (۱۰۰) ایضاً

(۱۰۱ — ۱۱۶) حوالوں اور مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۱۷) ایضاً۔ پہلی مہم میں مسلمانوں کی تعداد محض تیس ۳۰ تھی جبکہ دشمن کی تعداد تین سو تھی۔ دوسری مہم میں مسلمان ۶۰ – ۸۰ کے درمیان تھے اور قریشی کاروان دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ خرار میں مسلم آٹھ دشمن نامعلوم تعداد میں۔ سریہ نخلہ آٹھ یا بارہ افراد پر مشتمل تھا۔ غزوات نبوی میں پہلے دوسرے اور تیسرے موقعہ پر مسلمانوں کی عددی طاقت بالترتیب ۶۰، ۲۰۰ اور ۱۵۰ یا ۲۰۰ تھی، باقی کے بارے میں تعداد نہیں معلوم۔ قریشی کاروانوں کی عددی طاقت بھی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسلم مہموں کا ہدف تھے نہیں مذکور ہے۔

(۱۱۸) ان تعلقات کے لیے دیکھیے: جواد علی، تاریخ العرب قبل الاسلام، بیروت ۱۹۶۸ء، سہ جلد، کتاب المنمق، ص ۹-۸۸۔

(۱۱۹) مکی عہد میں حضرت ابوذر غفاری کے مسلمان ہونے پر قریش مکہ نے ان کو زدوکوب کرنا شروع کیا مگر جونہی حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ان کو احساس دلایا کہ ان کا تجارتی راستہ غفار کے قبیلہ کے علاقے سے ہو کر گزرتا ہے انھوں نے ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ ایضاً؛ نیز ابنِ سعد، چہارم، ص ۲۲۵۔

(۱۲۰) اس موقع پر قریشی مخالفین کی تعداد ستر یا اس سے کم تھی۔ واٹ، مونٹگمری، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰ کا خیال ہے کہ وہ غالباً کچھ کم ہی تھی۔ تفصیلی بحث کے لیے مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۲۱) بدر سے کچھ قبل جب حضرت سعد بن معاذ اوسی عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ گئے اور اپنے دوست امیہ بن خلف جمحی کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو ابوجہل مخزومی نے ان کو عمرہ و حج سے محروم کر دینے کی دھمکی دی تھی اگر انھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت سے ہاتھ نہ کھینچا۔ جواب میں حضرت سعد نے ابوجہل کو مکی تجارت کے شامی راستے کو بند کر دینے کی دھمکی دی تھی اور دشمنِ اسلام خاموش ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ بلاریب و اشتباہ ثابت کرتا ہے کہ بدر تک نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کی تھی اور نہ مکی قریشیوں کو اپنی تجارت کے لیے کوئی خطرہ محسوس ہوا تھا اور نہ ہی ابتدائی مہمیں قریشی کارروانوں سے چھیڑ چھاڑ، لوٹ مار یا اقتصادی ناکہ بندی کے لیے بھیجی گئی تھیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۲۲) مضمون مذکورہ بالا۔　(۱۲۳) ایضاً　(۱۲۴) ایضاً

(۱۲۵) ان معاہدوں کے متون کے لیے دیکھیے: محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، قاہرہ ۱۹۴۱ء، ص ۱۷-۱۵۱؛ اردو خلاصہ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۷-۶، ۵؛ نیز اردو ترجمہ نثار احمد فاروقی، الرسالات النبویۃ، نقوش لاہور رسولؐ نمبر ۱۹۸۲ء، جلد دوم، ص ۱۴-۲۳۹، ص ۲۴۴ وغیرہ۔

(۱۲۶) ملاحظہ کیجیے نقشہ جزیرہ نمائے عرب۔

(۱۲۷) غزوۂ بدر کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، سیرۃ ص ۲۳۹-۲۸۹ اور آگے؛ واقدی، ص ۱۷-۱۹؛ ابنِ سعد، دوم ص ۲۷-۱۱؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۰۸-۲۸۸۔

(۱۲۸) ابنِ اسحاق، سیرۃ، ص ۱۱-۳۰۹؛ واقدی، ص ۳-۲۰۱؛ ابنِ سعد، دوم ص ۳۸-۲۷؛ نیز ملاحظہ کیجیے محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ (انگریزی)، حیدرآباد دکن ۱۹۷۳ء، ص ۲۱؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲-۱۳۔ واقدی اور ابنِ سعد کے متعدد حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشِ مکہ کو اپنے جانی نقصان سے اپنے سیاسی وقار اور فوجی برتری کے صدمے کا زیادہ غم تھا۔ ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، ص ۶۰-۴۴۰، جن کا بیان ہے کہ قریشی و ان کے ہمدرد شعرائے عرب کو بدر کی شکست کا یہ زیادہ اندوہ تھا کہ "قریش کو اب وہ سماجی عزت و مرتبہ اور رعب داب نہیں حاصل رہے گا جو ان کو پہلے کبھی تھا، کیونکہ ان کے عظیم ترین قائدین کی اکثریت بدر میں کھیت رہی تھی۔"

(۱۲۹) حوالہ سابق۔

(۱۳۰) ملاحظہ ہو: کتاب المنمق ص ۸۸-۹؛ نیز ابن اسحاق ص ۴۹۰؛ واقدی ص ۳۳۸-۳۹۔

(۱۳۱) بدر کے معاً بعد خزاعہ کے لوگوں نے مدینہ کا قریش مکہ کے مقابلہ میں ساتھ دینا شروع کیا تھا۔ ملاحظہ ہو معبد خزاعی اور دوسرے خزاعی حلیفوں کا رویہ غزوات سویق، اُحد، بدر الموعد، خندق وغیرہ کے مواقع پر۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ کے منصوبوں کی اطلاع زیادہ تر انھیں خزاعیوں کے ذریعہ پہنچتی تھی؛ ابن اسحاق ص ۴۹۰؛ واقدی ص ۳۳۸-۳۹ وغیرہ؛ طبری، دوم، ص ۵۵۳ وغیرہ؛ نیز شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۳۸۶ وغیرہ۔

(۱۳۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو باب دوم، بحث بر اسلام خزاعہ، اسلم وغفار۔

(۱۳۳) محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ (انگریزی)، ص ۲۱۔

(۱۳۴) مآخذ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے اور زیادہ قریش کے بارے میں محتاط ہو گئے تھے اور ان کی کارروائیوں اور منصوبوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ مکہ میں آپ کے خفیہ جاسوسوں اور ہمدردوں کا ایک خاصا بڑا طبقہ تھا جو آپ کو ان کے ارادوں کے بارے میں برابر خبریں بھیجتا رہتا تھا۔ ہمارے مسلم قدیم اور جدید مورخین عام طور سے حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی کو سب سے زیادہ شرف دیتے ہیں۔ جبکہ مستشرقین عموماً خزاعی ہمدردوں اور حلیفوں اور بنو غفار و اسلم وغیرہ کے دوسرے قبائل کے دوستوں کو نمایاں مقام دیتے ہیں۔ اگرچہ حضرت عباس کی ہمدردی رسول کریم سے انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے قدیم مآخذ اور جدید مسلم مورخین دونوں ضرورت سے زیادہ ان کے کردار پر زور دیتے ہیں۔ اور یہ غالباً عہد عباسی کی اس تاریخ نویسی کا اثر تھا جس میں عباسی بزرگوں کو اسلام کے صدر اول میں نمایاں مقام دینا لازمی سمجھا گیا تھا۔ بہرحال مآخذ سے تنقیدی مطالعہ کے بعد یہی یہ واضح ہوتا ہے کہ بنو خزاعہ کے حلیفوں نے اس سلسلہ میں اسلامی ریاست کی زیادہ خدمت کی تھی۔ اس خیال کو مزید تقویت اس حقیقت سے ملتی ہے کہ خزاعہ کے کردار کو واقدی نے جو عام طور سے شیعی رجحانات کا حامل سمجھا جاتا ہے نمایاں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب المغازی ص ۳۳۸-۹ وغیرہ۔

مسلم نقطۂ نظر کے لیے شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۳۰۱ وغیرہ؛ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ، ص ۲۲۔ مستشرقین کے نقطۂ نظر کے لیے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۷ وغیرہ۔

(۱۳۵) مآخذ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جنگ کے تین مرحلے تھے۔ پہلا جب مسلمانوں کو برتری حاصل تھی اور مکی پسپا ہو رہے تھے۔ دُوسرا جب تیر اندازوں کی غلطی سے پسپا ہونے والے مکیوں نے حضرت خالد بن ولید مخزومی اور حضرت عمرو بن عاص سہمی کی قیادت میں مسلم لشکر پر عقب اور بازوؤں سے حملہ کر کے مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پیدا کر دی جس کے نتیجے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور اس سے بڑھ کر آپ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی اور تیسرا اس وقت جب آپ نے زخمی ہونے کے باوجود دل شکستہ مسلمانوں کو نہ صرف جوش و

ولولہ سے بھر دیا بلکہ منتشر ہونے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے والے مسلمانوں کو بھی ازسرِ نو اقدام پر آمادہ کر دیا جس کے نتیجے میں مکی لشکر پسپا ہو گیا۔ ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، ص ۳۹۰-۴۰۰؛ واقدی ص ۲۲۹-۳۵۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴۷-۴۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۸-۳۲۰؛ طبری، دوم، ص ۵۱۶-۵۱۷؛ نیز ملاحظہ ہو منٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲-۲۷؛ محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۲۶-۲۸؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۳۷۵-۳۸۱۔

واٹ کا خیال دلچسپ ہے کہ مسلمانوں نے خود غزوۂ احد کو زیادہ تاریک رنگوں میں اور غمناک بنا کر پیش کیا ہے جبکہ مآخذ سے بالکل برعکس تاثر اُبھرتا ہے۔ مستشرق موصوف نے مآخذ پر اس ضمن میں مبالغہ آرائی کے الزام کی تردید بھی کی ہے۔ اگرچہ واٹ نے اس کا جو سبب بتایا ہے وہ انتہائی غیر علمی اور غیر تاریخی ہے۔

(۱۳۶) واقدی، ص ۲۹۹

(۱۳۷) ابن اسحاق، ص ۳۸۹-۳۹۰ کا بیان ہے کہ "حمراء الاسد کے غزوہ میں صرف ان مسلمانوں کو شرکت کی اجازت دی گئی تھی جنھوں نے اُحد کے میدان میں زخم کھائے تھے اور داد شجاعت دی تھی۔ آپ نے پسپا ہوتے ہوئے دشمن کا تعاقب اس لیے کیا تھا کہ دشمن کو معلوم ہو جائے کہ آپ ابھی تک طاقتور ہیں اور آپ کے نقصانات نے آپ کو کسی طرح کمزور نہیں کیا تھا اور یہ کہ آپ نے یہ تعاقب علانیہ اور اظہار کر کے کیا تھا تاکہ دشمن کو اس تعاقب کا علم بھی ہو جائے اور وہ مرعوب ہو جائے۔" ظاہر ہے کہ حمراء الاسد تک دشمن کا پیچھا کرنے سے عرب قبائل پر خاص کر ارد گرد کے قبائل پر یہ تاثر قائم ہوا ہوگا کہ مسلم ریاست اب بھی اتنی ہی طاقتور ہے یا کم از کم اس نے صرف ایک معرکہ ہارا ہے جنگ نہیں۔ عرب قبائل کے تاثرات و ردِ عمل کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، ص ۳۹۰-۳۹۱؛ واقدی، ص ۳۲۶-۳۴۰؛ طبری، دوم، ص ۵۴۰-۵۵۰؛ الرسول القائد، ص ۱۱۰ وغیرہ۔

شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۰۰ کا خیال ہے کہ "..... بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے تھے لیکن احد کی شکست نے حالت بدل دی اور دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اُٹھ کھڑے ہوئے سیرت نبوی میں سرایا..... کا جو اچانک سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس زنجیر کی کڑیاں ہیں..... " چنانچہ سریہ قطن، سریہ انیس واقعہ بئر معونہ اور واقعۂ رجیع کو انھوں نے اسی سلسلے میں شمار کیا ہے۔ جبکہ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۲۹ نے اُحد میں قریش کی ناکامی اور مدینہ پر قبضہ کرنے میں کوتاہی کو نہ صرف مسلمانوں کی فوجی و سیاسی طاقت کی بحالی قرار دیا ہے بلکہ اگلے مہینوں میں طاقت کے استحکام اور مختلف سمتوں میں توسیعِ حلقۂ اثر و نفوذِ اسلام قرار دیا ہے۔ موخر الذکر کا تجزیہ مآخذ کے بیان کردہ واقعات و حقائق سے زیادہ قریب ہے۔

(۱۳۸) ابن اسحاق، ص ۳۹۰؛ واقدی، ص ۳۴۰-۳۴۹۔

(۱۳۹) ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۴۶۱، ۴۶۴، ۴۶۰۔

(۱۴۰) قریشی اتحاد کی فوجی طاقت کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۴۵۰؛ واقدی ص ۴۴۳؛ ابن سعد دوم، ص ۴۷؛ طبری دوم ص ۵۷۰؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۴۱۲-۴۱۹؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۶؛ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ، ص ۲۹-۳۱۔ موخر الذکر کا خیال ہے کہ غزوۂ احزاب دراصل خیبر کے یہودی سازشیوں کا آخری اور جامع منصوبہ تھا۔ یہی بات شبلی نے بھی کہی ہے اور ماخذ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مونٹگمری واٹ کو بھی احزاب کو مدینہ کے خلاف آمادہ کرنے میں یہود خیبر کا کلیدی کردار نظر آتا ہے۔

(۱۴۱) قرآن کریم، سورہ احزاب، آیت ۲۔

(۱۴۲) ابن اسحاق، ص ۴۶۰-۴۵۴؛ ابن سعد دوم، ص ۶۵-۶۶؛ نیز ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۹-۴۲؛ مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۳۲۹؛ خطاب، الرسول القائد، ص ۱۵۲-۱۶۲۔

(۱۴۳) بخاری، الجامع الصحیح، باب غزوۃ الخندق، روایت حضرت سلیمان بن صرد۔ مکمل روایت یوں ہے: "عن سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب نغزوھم ولا یغزوننا۔"

(۱۴۴) بدر کے اسیروں میں حضرت خالد بن ولید مخزومی کے بھائی حضرت ولید بن ولید اسی زمانہ اسیری میں اسلام سے متاثر ہوئے اور کچھ بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۴۰-۱۴۱۔ دوسروں کے لیے ملاحظہ کیجئے، واقدی، ص ۱۳۸ تا ۱۴۴۔

(۱۴۵) ان یہودی حلیفوں میں یہ لوگ شامل تھے:

(۱) اسماء بنت مروان، اوس / بنو خطمہ کی حلیف، جس کا قتل رمضان ۲ھ / ۶۲۴ء میں ہوا۔

(۲) ابو عفک، خزرج / بنو نجار کا حلیف جس کا قتل ایک ماہ بعد ہوا

(۳) کعب بن اشرف اوس کا حلیف جو ربیع الاول ۳ھ / اگست، ستمبر ۶۲۴ء میں مقتول ہوا۔

یہ تینوں یہودی حلیف اسلامی ریاست کے خلاف نفرت پھیلانے، قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے اور مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرنے کے مجرم تھے جیسا کہ ماخذ سے اور خاص کر ان کی شاعری سے معلوم ہوتا ہے جو ابن اسحاق کی سیرہ میں محفوظ ہے۔ سیرت نگار کا بیان ہے کہ اسماء بنت مروان کا تعلق بنو امیہ بن زید سے تھا اور وہ خود بنو خطمہ کے ایک شخص یزید بن زید سے بیاہی تھی۔ اس نے اپنے اشعار میں بنو مالک، بنو نابت اور بنو عوف و خزرج کی ہجو کرتے ہوئے کہا تھا کہ تم ایک ایسے اجنبی کی اتباع کرنے ہو جو تم میں سے نہیں ہے۔ نہ وہ مراد کا نہ مذحج کا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم کو وہ تمھارے سرداروں کو قتل کرنے کے بعد چھوڑ دے گا۔ کاش کوئی ایسا عزت والا تم میں ہوتا جو اس کا کام تمام کرتا اور اس کے ساتھیوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سب سنا تو فرمایا کہ کون اس سے میرا پیچھا چھڑائے گا۔ بنو خطمہ ہی کے ایک شخص حضرت عمیر بن عدی نے اسی رات اس کا کام تمام کر دیا۔ اور پھر بڑی جرأت کے

ساتھ صبح اس کے پانچ جوان بیٹوں کے سامنے اس کے قتل کا اعتراف کرلیا۔ قبیلہ والوں میں سے کوئی کچھ نہ کرسکا کیونکہ بقول ابن اسحاق انھوں نے اسلام کی طاقت دیکھ لی تھی۔ بنو خطمہ کے چھپے ہوئے مسلمانوں نے نہ صرف اپنے اسلام کا اعلان و اظہار کردیا بلکہ غیر مسلم بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ یہ دراصل حلف کے معاہدے کو توڑنے کی سزا تھی۔

ابو عفک کا معاملہ بھی اسی طرح کا تھا۔ اس کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ اس نے بھی اپنی شاعری کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انصار کے دو طبقوں میں منافرت پھیلانی چاہی تھی۔ چنانچہ بنی عوف ہی کے سالم بن عمیر نے اس کا خاتمہ کردیا۔

کعب بن اشرف کا معاملہ کافی مشہور ہے۔ وہ بنو نضیر کا ایک شخص اور اسلامی ریاست کا معاہد تھا مگر غزوہ بدر قریش کی شکست اور مسلمانوں کی فتح پر اس قدر برافروختہ ہوا کہ مکہ گیا اور وہاں اپنی شاعری سے جنگ کی آگ بھڑکا آیا۔

ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۶۷۴ ۳ اور ص ۵۷۵ - ۶۷۴ ؛ ابن ہشام، اول، ص ۶۰۹ اور ص ۶-۶۳۵ ؛ واقدی، ص ۵ - ۱۷۲ اور ۹۳ - ۱۸۴ ؛ ابن سعد، دوم ص ۲۸ - ۲۷ اور ۵۷ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳ - ۳۷۳ ؛ طبری، دوم، ص ۹۱ - ۴۸۹ ؛ بخاری اور مسلم، کتاب المغازی، قتل کعب بن الاشرف۔ آخری تین ماخذ اسماء اور ابو عفک کے قتل کے بارے میں کچھ نہیں کہتے ہیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۸، جن کا خیال ہے کہ یہ تینوں قتل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پالیسی کے نظریاتی پہلو کی اہمیت کے احساس وادراک کے سبب ہوئے تھے۔ دیکھئے رودنسان، محمد، ص ۱۵۷، ۳-۱۷۰۔

(۱۴۶) مثلاً مارگولیتھ، ص ۲۷۷۔

(۱۴۷) ابن اسحاق، ص ۳۱۲ کا بیان ہے کہ جب سہیل کو جنگ بدر میں گرفتار کرلیا گیا تو حضرت عمر بن خطاب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ سہیل کے اگلے دو دانت اکھڑوا لیے جائیں تاکہ اس کی زبان باہر نکل آئے اور وہ اس فصاحت و بلاغت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا نہ کرسکے جیسے کہ وہ کرسکتا تھا۔" مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اس کو مثلہ نہیں کروں گا، شاید کسی دن وہ اسلام کے لیے ایسا کام کرے جس پر تم اسے الزام نہ دے سکو۔" مزید ملاحظہ کیجئے: زبیری (عبداللہ بن مصعب)، کتاب نسب قریش، مرتبہ لیفی بروفنسال، قاہرہ ۱۹۵۳ء، ص ۴۱۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۳؛ طبری، دوم، ص ۴۶۵۔

(۱۴۸) گو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے مگر بیس سال تک اسلام دشمنی میں آپ کی ہجو کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، چہارم، ص ۷۱ - ۴۹۔

(۱۴۹) فتح مکہ تک اسلام اور رسول کے سخت دشمن رہے اور کیا کچھ نہ کیا۔ مگر رحمتِ عالم نے معاف کردیا۔ ابن اسحاق، ص ۵۵۱؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۵ - ۴۔

(۱۵۰) فتح مکہ تک قریشی افواج کے قائد کی حیثیت سے مدینہ کی اسلامی ریاست کو مٹانے کے درپے رہے۔ لیکن نہ صرف

ان کو معاف کر دیا بلکہ ان کے گھر کو دار الامان قرار دے دیا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۸ - ۵۴۷۔

ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے آپ کے عم مکرم کا جگر چاک کر کے چبا ڈالا تھا۔ صفوان بن امیہ جمحی نے ساری زندگی اسلام کی مخالفت میں صرف کی تھی اور بدر کے بعد آپ کو قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔ عبد اللہ بن زبعری نے اپنی آتش نوائی سے اسلام کے خلاف کتنی سازش کی اور آپ کی ہجویں کی تھیں۔ اور نہ جانے کتنے ایسے ہی دشمنان اسلام تھے۔ لیکن آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ اسی طرح خیبر کی فتح کے بعد آپ کو زہر دینے والی یہودی عورت تھی آپ نے اس کے خون سے بھی درگزر کیا۔ ان متعدد روایات اور مثالوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۵۶ - ۵۴۹؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۱۶۔ اور شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۷ - ۵۲۱۔

(۱۵۱) ابن اسحاق، ص ۳۶۲، کا بیان ہے کہ "بنو قینقاع پہلے یہودی تھے جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ شکنی کی تھی اور جنگ لڑی تھی۔" مزید دیکھیے: ابو داؤد، سنن، باب کیف کان اخراج الیہود؛ واقدی، ص ۱۷۶-۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۸ - ۳۰؛ طبری، دوم، ص ۴۷۹ - ۸۲؛ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۳۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۸ - ۹؛ نیز ملاحظہ ہو: شبلی، سیرت النبی، اول، ص ۴۰۳ - ۵؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۰۹-۱۰؛ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ، ص ۴۷۔

(۱۵۲) ابن اسحاق، ص ۴۳۷ - ۹؛ واقدی، ص ۳۶۳ - ۷۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۷ - ۵۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۳۹؛ فتوح البلدان، ص ۳۱ - ۳۲؛ طبری، دوم، ص ۵۵۰ - ۵۵۔ ان تمام مورخین کا بیان ہے کہ انھوں نے معاہدہ شکنی کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی۔ زرقانی نے شرح المواہب اللدنیہ، دوم، ص ۹۳ میں مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت و استناد پر ثابت کیا ہے کہ بنو نضیر نے قریش سے ایک دفاعی اور جارحانہ معاہدہ اسلامی ریاست کے خلاف کیا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف ایسے معاہدے کر رکھے تھے بلکہ دشمن کو مدینہ کے فوجی رازوں سے بھی باخبر کیا تھا۔ ابو داؤد، سنن، مذکورہ بالا باب میں مزید بیان کرتے ہیں کہ بنو قینقاع کے معاملے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے باقی یہودی قبائل سے اپنے اپنے معاہدوں کی از سر نو تجدید کے لیے کہا تھا۔ چنانچہ بنو قریظہ اور دوسروں نے اسے قبول کر لیا تھا مگر بنو نضیر نے تجدید عہد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب المغازی، غزوہ بنی نضیر، اور مسلم، اجلاء الیہود من الحجاز؛

مزید دیکھیے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۰۹ - ۱۲؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۱۱-۱۲؛ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ، ص ۴؛ برکات احمد، محمد اور یہود، ص ۶۲ - ۶۶۔

(۱۵۳) ابن اسحاق، ص ۴۶۹ - ۷۰، واضح طور سے غزوۂ احزاب کے دوران قریشی اتحاد کے ساتھ ایک جنگی معاہدہ کرنے اور مسلمانوں کی ریاست کو مدینہ سے بیخ و بن سے اکھاڑنے کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ معاہدہ کبھی روبہ عمل نہ آسکا

تاہم بنو قریظہ غداری کے مرتکب ہو چکے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو، فتوح البلدان، ص ۲۵، احزاب میں اس یہودی قبیلہ کے جنگی جرائم کے لیے؛ بخاری اور مسلم، مذکورہ بالا؛ ابو داؤد، مذکورہ بالا؛ واقدی، ص ۴۹۴-۵۳۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۴-۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۳-۳۸۰؛ طبری، دوم، ص ۵۸۱-۵۹۳؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۳۳-۴۳۹؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۱۳-۲۱۶؛ محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۴۹-۵۰۔

(۱۵۴) کتاب المحبر، ص ۱۰۷-۱۰۸۔

(۱۵۵) وفاء الوفاء، ص ۱۱۴-۱۱۶؛ نیز شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۵۹۔

(۱۵۶) محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۶۰۲ کا بیان ہے کہ "چنانچہ نبی نے پورے بنی قینقاع کو تو نہیں بلکہ قصوروار خاندانوں کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور وہ مدینہ سے نکل شام چلے گئے۔" موصوف نے اپنے نظریہ کو دلائل سے نہیں ثابت کیا ہے۔

(۱۵۷) برکات احمد، محمد اور یہود، ص ۶۲-۸۵ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ بنو قینقاع کے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دینے پر ان کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

(۱۵۸) برکات احمد کے دلائل یہ ہیں:

(۱) بنو قینقاع کے غیر مشروط ہتھیار ڈال دینے کے بعد ان کی طاقت ٹوٹ گئی تھی اور ان کے حامی منافقین کو سبق سکھایا جا چکا تھا۔ ان کے سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول کی منافقت کا نہ صرف پردہ چاک کر دیا گیا تھا بلکہ اس کی بھی سیاسی و قبائلی قوت توڑ دی گئی تھی۔ اس لیے مزید کارروائی کی ضرورت نہیں رہی۔

(۲) پہلے سیرت نگار ابن اسحاق نے اپنی سیرہ میں ان کے مدینہ سے اخراج کا قطعی ذکر نہیں کیا ہے۔ واقدی اور ابن سعد نے ان کی جلا وطنی کا ذکر کیا ہے۔

(۳) بخاری اور مسلم نے بنو قینقاع کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصادم کا الگ سے ذکر نہیں کیا ہے اگرچہ وہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے ساتھ جنگ کا ذکر کرتے ہیں۔ دونوں محدثین نے مدینے کے یہود کی جلا وطنی کے ضمن میں ہی بنو قینقاع کے اخراج کا بھی حوالہ دیا ہے۔ لیکن ان کی روایات میں کسی تاریخ کا ذکر نہیں اور بنو قینقاع کا ذکر بنو نضیر اور بنو قریظہ کے بعد آیا ہے۔ اس لیے اس اخراج کا تعلق حضرت عمر کی خلافت سے ہے۔ حیاتِ نبوی میں مدینہ سے یہودیوں کے عام اخراج کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

(۴) عظیم فقہاء و علماء مثلاً قاضی ابو یوسف (۱۱۳ھ/۷۳۱ء - ۱۸۲ھ/۷۹۸ء) اور یحییٰ بن آدم (۱۴۰ھ/۷۵۷ء - ۲۰۳ھ/۸۱۸ء) نے جو اموالِ غنیمت اور اراضی مفتوحہ پر بحث کرتے ہیں بنو قینقاع کی جلاوطنی اور ان کی زمینوں کی تقسیم کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہتے بلکہ موخر الذکر نے تو بنو نضیر کو پہلا جلا وطن کیا جانے والا یہودی قبیلہ بتایا ہے۔

(۵) امام شافعی (۱۵۰ھ/۷۶۷ء - ۲۰۴ھ/۸۲۰ء) نے بیان کیا ہے کہ خیبر کی مہم کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے کرائے کے سپاہی بھرتی کیے تھے۔

(۶) ابن العماد (۱۰۳۲ھ/۱۶۲۳ء - ۱۰۸۹ھ/۱۶۷۹ء) صاحب شذرات الذہب نے بھی بنو قینقاع کی جلاوطنی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۷) قرآن کریم بنو نضیر کی جلاوطنی کو پہلی جلاوطنی بتاتا ہے۔ وہ ان کی اور بنو قریظہ کی سزاؤں کا تو ذکر کرتا ہے لیکن بنو قینقاع کے بارے میں قطعی کچھ نہیں کہتا۔

(۸) ابن اسحاق نے تو بنو قینقاع کے بازار اور جائدادوں کی تقسیم کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن واقدی وغیرہ بھی جو ان کی جلاوطنی کے قائل ہیں مسلمانوں کے درمیان ان کی اراضی کی تقسیم کا ذکر نہیں کرتے۔

(۹) اس لیے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گو بنو قینقاع کے اسلحے اور ہتھیار چھین لیے گئے تھے مگر ان کو مدینہ میں ان کی جائدادوں سمیت بحال رکھا گیا تھا۔

برکات احمد کی نظر سے ایک اہم قدیم تاریخی دستاویز اوجھل رہ گئی ہے۔ ان کے دلائل کی مزید تائید بلاذری کی فتوح البلدان سے بھی ہوتی ہے جو بنیادی طور سے مسلمانوں کی فتوحات ممالک و اراضی سے بحث کرتی ہے۔ یہ اہم بات ہے کہ بلاذری ہجرت نبوی کے ذکر کے بعد ایک اہم نکتہ پیش کرتا ہے کہ بنو قینقاع کے یہودی پہلے لوگ تھے جنھوں نے معاہدہ شکنی اور مخالفت کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے نکال دیا اور پہلی زمین بنو نضیر کی اراضی تھی جس کو آپ نے فتح کیا۔ وہ بنو قینقاع کی زمینوں کی فتح اور ان کی مسلمانوں میں تقسیم کا ذکر نہیں کرتا۔ عہدِ نبوی میں اراضی فتوحات کا آغاز اموالِ بنی نضیر سے کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱ - ۳۰۔

(۱۵۹) برکات احمد، ص ۹۴ - ۱۷، کے اہم دلائل یہ ہیں:

(۱) ابن اسحاق کی روایات کی اسناد میں الجھن، تضاد اور اختلاف ہے۔ وہ بعد کے زمانے کے اثرات سے متاثر تھے اور یہودیوں کی روایات و قوانین سے نابلد تھے یا ان کا صحیح علم نہیں رکھتے تھے۔

(۲) ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی اور ابن سعد کے یہاں بنو قریظہ کے بیان میں زبردست اختلافات اور تضادات ہیں۔ مثلاً محاصرہ کے دنوں کی تعداد، بنو قریظہ کے ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں حکم نبوی یا حکم سعد بن معاذ، سعد بن معاذ کا ثالث مقرر ہونا، اوس کی ان سے سفارش اور ان کا جواب، بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ صادر کرنا، اور یہود بنی قریظہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو اعلان سے پہلے قبول کرنا، مردوں کا قتل اور عورتوں بچوں کو قیدی بنانا، فیصلہ سعد کے بعد اظہار مسرت نبوی، ۶۰۰ - ۹۰۰ افراد کے قتل کے لیے قبریں کھودنا۔ ان تمام نکات پر مصادر میں زبردست اندرونی تضادات ہیں۔

(۳) ابن اسحاق کا پورا بیان دوسرے بیانات سے طریق نقل و بیان میں میل نہیں کھاتا۔

(۴) حضرت سعد بن معاذ اوسی کا ثالث مقرر کیا جانا عقل و درایت کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ اگرچہ ان کی بطور ثالث تقرری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام پالیسی کے عین مطابق تھی تاہم راویوں نے یا تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اس میں کہانی اور افسانے کے عناصر شامل کر دئے ہیں۔

(۵) اصل فیصلہ یعنی بنو قریظہ کے قتل کے بارے میں روایات کی اسناد کمزور ہے۔ کن کو قتل کیا جائے؟

اس مسئلہ پر بھی روایات مختلف ہیں: کچھ تمام بالغ مردوں کو قتل کرنا بتاتی ہیں اور کچھ مقاتل (جنگ کرنے والوں) کو۔
تمام مردوں کا قتل قرآن مجید، حدیث اور اسلامی قانون کے خلاف ہے اس لیے وہ از خود مردود قرار پاتا ہے۔
اب معاملہ صرف ان لوگوں کا رہ جاتا ہے جو جنگ کرنے کے مجرم تھے۔

(۶) ان جنگجو یہودی مردوں کی تعداد جن کو قتل کیا گیا ابن اسحاق کے مطابق ۶۰۰ سے ۹۰۰ تک تھی۔ بنو قریظہ کی کل آبادی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اگر ان مبینہ مقتولین کی تعداد پر ان کے خاندانوں کو قیاس کر لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ بنو قریظہ کے کل ۲۰۰۰ سے ۴۵۰۰ اشخاص نے ہتھیار ڈالے ہوں گے۔ اتنے لوگوں کو رسی سے باندھ کر ایک ایک انصاری عورت کے گھر میں قید کر کے رکھنا اس زمانے کے مدینہ شہر کے لیے ناممکن تھا۔

(۷) ابن اسحاق کی روایت کے پہلے حصے میں یہود بنی قریظہ کو بزدل بتایا گیا ہے اور آخر میں وہ ہیرو نظر آتے ہیں۔

(۸) قتل یہود کے ذمہ دار صرف دو صحابی حضرات علی اور زبیر تھے۔

(۹) یہود بنی قریظہ کافی فاصلے پر رہتے تھے ان کو مدینہ کس طرح لایا گیا۔

(۱۰) نو سو لاشوں کو ایک ہی رات میں کس طرح خندقیں کھود کر دفن کر دیا گیا۔

(۱۱) مسلمانوں میں اس قتلِ عظیم پر کوئی ردِ عمل نہیں ہوا۔

ان تمام تضادات کی بنا پر بنو قریظہ کی قتل کی کہانی درایت کے معیار پر صحیح نہیں اُترتی۔ کیونکہ

(ا) ۶۰۰ یا ۹۰۰ آدمیوں کے قتل کے بعد ان کو کہاں دفن کیا گیا اور اس سے بیماری پھیل سکتی تھی مگر ان کا کہیں ذکر ماخذ میں نہیں ملتا۔

(ب) قتل کرنے والوں پر اس کے مضر اثرات کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ اس لیے نفسیاتی اعتبار سے یہ قتل غیر واقعی معلوم ہوتا ہے۔

(ج) ۶۰۰ یا ۹۰۰ مفروضہ مقتولین کی تعداد مبالغہ آمیز ہے۔ بخاری اور مسلم نے نہ تو ان کی تعداد بیان کی ہے اور نہ ہی قتل کے فیصلے کے نافذ کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔

(د) قیدی عورتوں اور بچوں کو بازاروں میں غلام بنا کر بیچے جانے اور ان کے بدلے میں ہتھیاروں اور گھوڑوں کے خریدے جانے کی روایت عمل نبوی کے خلاف ہے۔ یہودی اپنے قیدیوں کو ہمیشہ خرید لیتے تھے اور اس واقعہ میں بھی ہے کہ انھوں نے بعض قیدیوں کو خریدا تھا۔ لہٰذا ان قیدیوں کو نجد کے بازاروں میں بیچنے سے کہیں بہتر اور منافع بخش حجاز کے بازاروں میں یا مدینہ خاص میں بیچنا تھا۔

(ہ) مسلم فقہا امام شافعی، قاضی ابو یوسف، یحییٰ بن آدم وغیرہ نے اراضی و اموالِ غنیمت کی مسلمانوں میں تقسیم کے مسئلہ پر بنو قریظہ کے معاملہ سے کوئی استشہاد نہیں کیا ہے۔

(س) ہتھیار ڈالنے کے بعد بنو قریظہ کے یہودیوں کے سرداروں کے ایک فریق کو گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت سعد نے ان کے بارے میں قتل کا غلط فیصلہ کیا اور وہ وہیں یعنی بنو قریظہ کے علاقے میں قتل کر دئے گئے۔ ان کو

مدینہ نہیں لایا گیا تھا۔

—— حیی بن اخطب، کعب بن اسد، نباش بن قیس اور غزال بن سموال جیسے لیڈروں کو حضرات علی اور زبیر نے قتل کیا۔

—— کچھ دوسرے درجے کے قریظی سرداروں کو اوس کے حوالہ کر دیا گیا۔ ان میں سے ہر دو مجرموں کو بنو اوس کے مختلف خاندانوں بنو عبدالاشہل، حارثہ، ظفر، معاویہ، عمرو بن عوف اور امیہ بن زید کے حوالے قتل کرنے کے لیے کیا گیا تاکہ بنو قریظہ کے قتل میں تمام اوسی خاندان شریک ہو جائیں۔

(ص) بنو قریظہ کا قبیلہ ۷۰۰ یا ۹۰۰ مردوں پر مشتمل تھا اور صرف ان کے مجرم سرداروں کو قتل کیا گیا تھا اور ان کی تعداد سولہ یا سترہ سے زیادہ نہیں تھی۔

(ط) احزاب میں حصہ لینے کا جرم یا فیصلہ سرداروں نے کیا تھا۔ پوری قریظی آبادی اس کی ذمہ دار نہیں تھی اور ان کا قتل قرآن کریم کے فیصلہ کے صریح خلاف ہوتا۔

(ع) قرآن مجید خود ایک فریق کے قتل اور ایک فریق کے گرفتار ہونے کا ذکر کرتا ہے۔

(ف) حضرت سعد بن معاذ کی تحکیم کا افسانہ گھڑا ہوا ہے اور اس کو اموی حامی عناصر نے واقعہ صفین کے بعد گھڑا تھا۔

—— اصل نتیجہ یہ کہ بنو قریظہ کے صرف سولہ یا سترہ اہم ترین جنگی جرائم کے مرتکب سرداروں کو قتل کیا گیا تھا۔

(۱۶۰) ڈبلو، این، عرفات، "NEW LIGHT ON THE STORY OF BANU QURAYZA AND THE JEWS OF MEDINA" جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، لندن، ۱۹۷۶ء، عدد ۲، ص ۱۰۱-۱۰۰، کا نظریہ یہ ہے کہ بنو قریظہ کی قتل کی کہانی مسدا کے قتل عام کی کہانی سے بالکل مشابہ ہے۔ مسدا کا المیہ یروشلم کے بادشاہ سکندر کے زمانے میں جو ہیرو دِ اعظم کا پیشرو تھا پیش آیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ دونوں واقعات میں مماثل چیزیں اتنی ہیں کہ یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بعد کی یہودی نسلوں نے المیۂ مسدا کی تفصیلات بنو قریظہ کے المیہ کی طرف منسوب کر دیں۔ عرفات کے باقی دلائل برکات احمد کی مانند ہیں۔ لیکن موخرالذکر نے اپنے دلائل زیادہ تفصیل، گہرائی اور گیرائی اور تحقیق کے ساتھ پیش کیے ہیں۔

(۱۶۱) ابن اسحاق، ص ۴۶-۲۴۲۔

(۱۶۲) اس کا تعلق خزرج کے سالم بن غنم بن عوف کے خاندان بنو الحبلی سے تھا۔ ہمارے ماخذ عام طور سے اس کو رئیس المنافقین کہتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہجرت نبوی سے کچھ قبل مدینہ کے اوس و خزرج کے دونوں جنگ سے تنگ آئے ہوئے قبیلے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے اور بعض روایات کے مطابق سونے کا تاج بنانے کی تیاری بھی شروع ہو گئی تھی کہ اسلام نے یثرب پہنچ کر اس کی طاقت کا قلعہ توڑ دیا۔ ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق،

ص ۶ - ۲۴۵ ؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۶ - ۳۰۵ اور ۴۱۶ وغیرہ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۶، ۲۱، ۱۵۶ اور ۸۸ - ۱۸۰۔

اگرچہ منافقین کے مدنی سیاست میں کردار سے بروقت ہمارا تعلق نہیں ہے تاہم یہ تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مآخذ اور ہمارے جدید مورخین دونوں نے منافقین اور خاص کر عبداللہ بن ابی کی طاقت وقوت اور منافقت کا مبالغہ آمیز بیان اختیار کیا ہے۔ مآخذ اور مسلم جدید مورخین ان کی مخالفت اور اسلام دشمنی میں مبالغہ کرتے ہیں اور مستشرقین خاص کر مونٹگمری واٹ نے ہجرت سے کچھ قبل اور بعد کے پانچ برسوں میں عبداللہ بن ابی کو مدینہ کا سب سے بڑا سردار اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمان سیاسی حریف بنا کر پیش کرنے میں خاصا غیر علمی مبالغہ کیا ہے۔

(۱۶۳) یہودی قبائل سے اوس وخزرج کے حلف کے تعلقات قدیم زمانے سے چلے آرہے تھے۔ اور ان کا پرتو عہدِ نبوی میں بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے جنگوں کے علاوہ غزوۂ اُحد اور خندق کے مواقع پر پڑتا نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو: بنو قینقاع اور بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہود کے ساتھ معاملہ نبوی میں اوس وخزرج کے لوگوں کا رویہ۔ برکات احمد، ص ۵۸ وغیرہ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰ - ۲۰۹۔

(۱۶۴) شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۶ - ۳۰۵ وغیرہ۔

(۱۶۵) دیکھئے حوالہ ۱۵۱ بالا۔

(۱۶۶) دیکھئے حوالہ ۱۵۲ بالا۔

(۱۶۷) دیکھئے حوالہ ۳۵ بالا۔

(۱۶۸) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲ کا خیال ہے کہ ابن ابی کا عین جنگِ اُحد سے پہلے اپنے آدمیوں کے ساتھ الگ ہو جانا عجیب اور غیر فطری معلوم ہوتا ہے اور مآخذ کا بیان اس ضمن میں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ عین ممکن ہے کہ ابن ابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور مشورے سے میدانِ جنگ سے ہٹ کر مدینہ کی حفاظت کے لیے آیا ہو۔ یا اس کی پہلوتہی اس خیال سے رہی ہو کہ غیر جانبداری سے اس کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔

ممکن ہے کہ دوسرا خیال صحیح ہو کیونکہ جنگِ بعاث کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ابن ابی اوس وخزرج کے اس تصادم کے موقع پر بھی غیر جانبدار رہا تھا۔ مگر پہلا خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر غزوہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے دفاع کا بندوبست کیا تھا اور ہمیشہ ایک فوجی دستہ شہر میں تعینات کیا تھا۔ جنگِ اُحد کے موقع پر یہ خدمت حضرت سعد بن معاذ اوسی نے انجام دی تھی۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے باب سوم، بحث بر العرس۔

لیکن بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ابن ابی کے اس طرح واپسی کی خبر کو مکی فوج نے اسی روشنی میں لیا ہوگا کہ مدینہ کی حفاظت کے لیے ایک فوج وہاں موجود ہے۔

(۱۶۹) سورۂ احزاب، آیات ۱۲ اور آگے: نیز شبلی، سیرت النبی، اول، ص ۴۳۰ وغیرہ۔

(۱۷۰) ابنِ اسحاق، ص ۳۶۳ وغیرہ۔

(۱۷۱) ابن اسحاق، ص ۴۹۱۔

(۱۷۲) ابن اسحاق، ص ۴۹۵ وغیرہ۔

(۱۷۳) ابن اسحاق، ص ۶۰۹۔

(۱۷۴) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۳-۹۲۔ کا یہودی مسئلہ پر یہ تبصرہ کافی حقیقت پسندانہ ہے کہ "اصل نکتہ یہ تھا کہ اسلامی معاشرہ سے وفاداری تمام دوسرے اتحادوں اور تعلقات سے بالاتر تھی.... یہودیوں کی تنقید و نکتہ چینی اس پورے سیاسی اور سماجی تجربے کے لیے خطرہ تھی جس میں آپ اس وقت مصروف تھے اور جس کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسی بناپر المناک واقعات کا پورا سلسلہ قائم ہوگیا"۔

واٹ کے اس تبصرہ میں یہ اضافہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہودی محض تنقید و نکتہ چینی کے مجرم نہیں تھے بلکہ وہ باقاعدہ سازشوں اور قبائل عرب کو بھڑکانے اور اسلامی ریاست کو ہر ممکن طریقے سے تباہ کرنے کے مجرم تھے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔

(۱۷۵) شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۳۰۸ کا یہ خیال کہ بدر کی فتح نے صرف رعب بٹھایا اور قبائل عرب کو خاموش کر دیا تھا بالکل صحیح نہیں ہے۔ تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ اس فتح نے کچھ قبائل کو بھڑکا بھی دیا تھا۔ چنانچہ بدر اور اُحد کے درمیان تقریباً نو مہمیں واقع ہوئی تھیں جن میں سے چار یہودیوں کے خلاف، دو قریش اور تین مہمیں چار قبائل عرب کے خلاف بھیجی گئی تھیں۔ جبکہ اُحد اور خندق کے درمیان گیارہ مہمیں ہوئی تھیں جن میں سے ایک دو قریش کے دو یہودیوں اور سات قبائل عرب کے خلاف بھیجی گئی تھیں مگر ان ساتوں میں سے بئرمعونہ اور رجیع کی مہمیں فوجی نہ تھیں بلکہ مذہبی مشن تھے جبکہ سفیان لحیانی کے خلاف ایک شخصی کارروائی تھی۔ اس لحاظ سے صرف چار مہمیں رہ جاتی ہیں جو قبائل عرب کے خلاف در اصل گئی تھیں۔

(۱۷۶) ابن اسحاق، ص ۳۶۰؛ واقدی، ص ۱۸۲-۸۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۱، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ کا قیام وہاں صرف تین دن رہا جبکہ واقدی اور ان کے کاتب کا خیال ہے کہ قیام کی مدت پندرہ دن تھی۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کوئی جنگ یا لڑائی نہیں ہوئی اگرچہ کچھ مالِ غنیمت ضرور ملا تھا، جو انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱۰ کے مطابق پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا۔

(۱۷۷) ابن اسحاق، ص ۳۶۲؛ واقدی، ص ۱۹۶-۷؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۵-۶؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱۱؛ طبری، دوم، ص ۴۸۷۔ ابن اسحاق اور طبری کا خیال ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحران میں دو ماہ تک مقیم رہے تھے مگر واقدی، ابنِ سعد اور بلاذری کا بیان ہے کہ صرف دس روز قیام رہا تھا۔ اس مہم میں نہ کوئی جنگ ہوئی تھی اور نہ ہی کچھ غنیمت ہاتھ لگی تھی۔

(۱۷۸) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے؛ واقدی، ص ۱۹۵-۶؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۵؛ نیز باب دوم، بحث بر اسلام

قبیلہ محارب۔

(۱۷۹) دیکھئے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۱،۱۷۔

(۱۸۰) ابنِ اسحاق، ص ۴۳۳، ۴۳۵؛ واقدی، ص ۳۴۶-۳۵۲؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۵۱-۵۴؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۵؛ طبری، دوم، ص ۵۵۰-۵۴۵؛ بخاری، غزوۃ الرجیع ورعل و ذکوان۔ مآخذ کے متفقہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں مبلغین اس لیے بھیجے گئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عامر بن طفیل اور اس کے نجدی قبیلہ والوں سے حملہ کا خدشہ تھا۔ چنانچہ ابو براء عامری نے اپنے قبیلہ کی طرف سے تحفظ کی ضمانت دی تھی جب انھوں نے اپنے قبیلہ میں مسلم مبلغین کو بھیجے جانے کی درخواست دربار نبوی میں پیش کی تھی۔ اسی ضمانت کے سبب بنو عامر کے کسی قبیلہ نے عامر بن طفیل کے اشتعال دلانے کے باوجود مسلمانوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ لیکن بنو سلیم کے تین خاندانوں نے اسلام دشمنی میں عامر بن طفیل عامری کا ساتھ دیا تھا۔ مسلمانوں کے قتلِ عام کی خبر جب ابو براء کو پہنچی تو نہ ان کو نہ صرف شدید تکلیف ہوئی بلکہ اُنھوں نے المیہ کے مجرم عامر بن طفیل کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر وہ شدید زخم کھانے کے باوجود بچ گیا۔ یہ بات اہم ہے کہ بنو عامر کے کسی بھی شخص نے عامر بن طفیل کا قصاص ابو براء سے طلب نہیں کیا تھا۔

زبیری، نسب قریش، ص ۱۹۸-۱۹۹، بئر معونہ کے المیہ کا سبب بیان کرتے ہیں جو عام طور سے مورخین نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ان مورخین کے نزدیک شہدائے بئر معونہ کے قتل کی ساری ذمہ داری حضرت ابو براء پر تھی جنھوں نے دھوکہ سے بلا کر ان مسلم مبلغین کا قتل عام کرایا تھا بلکہ ہمارے بعض مسلم مورخین تو حضرت ابو براء کے اسلام کے بھی قائل نہیں ہیں (ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی، سیرت، اوّل، ص ۴۰۹-۴۱۰ اور حاشیہ ۳ اور ۴)۔ بہر حال زبیری کا کہنا ہے کہ مسلم مبلغین کو قریش کے خاندان بنو نوفل کے ایک شخص طعیمہ بن عدی بن مطعم کے قتل کے بدلے میں مارا گیا تھا، ابنِ اسحاق کے بقول (ص ۳۳۶) طعیمہ کو جنگ بدر میں حضرت نافع بن بدیل بن ورقاء خزاعی نے قتل کیا تھا۔ موخرالذکر صحابی بئر معونہ میں طعیمہ بن عدی کے ماموں انس بن عباس سُلمی کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے اگرچہ واضح انداز سے اس المیہ کے سبب پر روشنی نہیں ڈالی ہے لیکن مضمر انداز سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہرحال زبیری کے مطابق طعیمہ کے ماموں انس بن عباس سُلمی نے عامر بن طفیل عامری کو اپنے بھانجے کا قصاص لینے پر مدد دینے کے لیے اکسایا تھا۔ یہ بھی بات یاد رکھنے کی ہے کہ سُلیم کے خاندانِ رعل اور ذکوان قریش کے بنو نوفل کے حلیف تھے اور ان میں ازدواجی تعلقات بھی تھے۔ زبیری نے اس المیہ کا سارا الزام سُلیم کے چار قبیلوں رعل، ذکوان، عصیہ اور خالج پر عائد کیا ہے جبکہ دوسرے مورخین موخرالذکر کا نام نہیں لیتے ہیں۔

مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۱-۳۲ نے یہ تحقیق کی ہے کہ بنو عامر بن صعصعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے تاہم ان میں قبائلی سیاست کے نتیجہ میں رسہ کشی تھی۔ قبیلہ کے سردار ابو براء ضرور تھے لیکن سیاسی اقتدار اصل میں دو نوجوان خاص ابو براء کے بھتیجے عامر بن طفیل کے ہاتھوں میں تھا۔ ابو براء نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

اسلام کی تبلیغ کے بہانے دراصل اپنے قبیلہ میں اپنی سیاسی طاقت کو مضبوط کرنا اور اپنے حریفوں کو زیر کرنا چاہتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سیاسی رسہ کشی سے فائدہ اٹھا کر قبیلہ کی اندرونی سیاست میں مداخلت کرنا مصلحت آمیز سمجھا اور مسلمانوں کا ایک دستہ بھیج دیا۔ واٹ کی اس تحقیق میں اندرونی تضادات بھی ہیں اور بعض دُوسرے خارجی دلائل سے بھی ان کی تردید ہوتی ہے۔ واٹ کو اعتراف ہے کہ ابو براء کو قبیلہ میں طاقت حاصل تھی اور ان کی ضمانت کو قبیلہ والوں نے نہیں توڑا تھا بلکہ کسی نے بھی عامر بن طفیل کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جو کچھ اس کو مدد ملی تھی وہ دوسرے قبیلہ سے، حالانکہ زہری کے بیان سے پُوری طرح اور ابن اسحاق وغیرہ سے کسی قدر واضح ہوتا ہے کہ اصل مُجرم انس بن عباس اور اس کے چار سُلمی خاندان تھے۔ عامر بن طفیل کا جُرم زیادہ سے زیادہ صرف نظر کرنے کا تھا یا سلیم کے قاتلوں کا ساتھ دینے کا۔ اس کے علاوہ یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ بئر معونہ کی جماعت مسلمین سراسر مذہبی اور تبلیغی نوعیت کی تھی کیونکہ اس میں جو لوگ شریک تھے ان کا تعلق اصحاب صُفہ سے تھا۔ واٹ کا یہ خیال کہ شہدائے بئر معونہ کی تعداد مختلف روایتوں کے مطابق ستر یا چالیس تھی مگر چونکہ ان کے بیان کردہ ناموں کی تعداد بیس سے بھی کم ہے اس لیے تعداد میں مبالغہ کیا گیا ہے اور وہ کافی کم تھی۔ شاید بیس کے لگ بھگ۔ ان کی یہ دلیل بھی ان کی تحقیق کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اتنی چھوٹی سی جماعت جو کوئی خاص مسلح بھی نہ تھی عامر بن صعصعہ کی اندرونی سیاست پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔ مزید برآں بنو عامر بن صعصعہ سے مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات کے اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے زمانے میں ثبوت ملتے ہیں جن کے بھی وہ قائل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ریاست کو ان کی حمایت پہلے سے حاصل تھی اور بعد میں بھی حاصل رہی جیسا کہ ابو براء کے ضمانت دینے اور ان کی ضمانت وعہد کا عامر بن صعصعہ کی طرف سے مکمل احترام و پابندی کرنے کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ کی اندرونی سیاست' جو دراصل تھی ہی نہیں' میں دخل دینے کی ضرورت کیا رہ جاتی تھی؟ اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ واٹ کی تشریح و تعبیر نہ صرف مآخذ سے متصادم و متعارض ہے بلکہ وہ حقیقت کے بالکل برخلاف ہے۔ بئر معونہ کی مہم اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ایک درخشاں باب ہے اگرچہ وُہ خونچکاں بھی ہے۔ لیکن یہ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کہ مذاہب کی سُرخروئی میں خُون کی سُرخی ہمیشہ شامل رہی ہے۔

اُبلتے خُون کی یہی سُرخی تھی جس نے حضرت عامر بن فہیرہ کے لبوں پر شہادت کے وقت وہ دلگداز کلمہ ثبت کر دیا تھا جس نے اُن کے قاتل جبّار کے دل و دماغ کو ہلا دیا تھا اور اتنا متاثر کیا تھا کہ وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ شہید نے کہا تھا: "فزت ورب الکعبہ: کعبہ کے رب کی قسم، میں تو کامیاب ہو گیا"۔ اور پھر قاتل پشیمان، تائب اور مسلم تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۴۳۹؛ نیز باب دوم، بحث بر اسلام عامر بن صعصعہ۔

(۱۸۱) روایات میں شہدائے بئر معونہ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حدیث کی کتابوں میں عموماً یہ تعداد ستّر بتائی گئی ہے، جبکہ ابن اسحاق نے چالیس بتائی ہے۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۴۷، جن کا خیال ہے کہ چالیس والی روایت زیادہ صحیح (ثبت) ہے۔

(۱۸۲) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۴ ؛ واقدی، ص ۴۴۳ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۶ ۔

(۱۸۳) ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۱۱ - ۱۲ ؛ واقدی، ص ۵۵۳ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۶ ؛ طبری، دوم، ص ۶۴۱ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۷، کا بیان ہے کہ بعض قیدی بھی اس مہم میں پکڑے گئے تھے۔

(۱۸۴) ابنِ سعد، چہارم، ص ۲۶۹ - ۲۷۷، نے اس زمانے میں قبیلہ بنو سلیم کے کثیر تعداد میں مسلمان ہونے والوں کا ذکر کیا ہے؛ نیز ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، ص ۵۸۱ ۔ تفصیلات کے لیے باب دوم، بحث بر اسلام سلیم۔

(۱۸۵) ملاحظہ کیجئے باب دوم، مذکورہ بالا۔

(۱۸۶) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۴، کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر لشکرِ نبوی میں سات سو سلیم کے مسلمان موجود تھے جبکہ واقدی، ص ۸۰۰، کے نزدیک ان کی تعداد ایک ہزار یا اس سے اوپر تھی۔

(۱۸۷) بنو سلیم نجران اور عسفان کے قریبی علاقوں میں آباد تھے۔ ملاحظہ ہو باب دوم، مذکورہ بالا۔

(۱۸۸) واقدی، ص ۱۹۴ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۱ ؛ ابنِ اسحاق، ص ۳۶۲ اور طبری، دوم، ص ۴۸۷، نے اس مہم کا سبب نہیں بیان کیا ہے۔ دوسروں کے مطابق بنو محارب نے اسلامی ریاست پر حملہ کی غرض سے جماؤ کیا تھا۔

ذو امر میں بھی قیامِ لشکرِ نبوی کی مدت خاصی طویل تھی۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ آپ غالباً مدینہ سے محرم کے آغاز میں مہم کے لیے نکلے اور "نجد میں تقریباً پورے صفر مقیم رہے۔" اس طرح آپ کے قیام کی مدت تقریباً دو ماہ بنتی ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ آپ نے مدینہ میں ماہِ محرم کے اواخر تک قیام کیا اور صفر میں آپ نجد میں یعنی صرف ایک ماہ مقیم رہے۔ واقدی مدینہ سے آغازِ سفر کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۳ھ / ۲۴ اگست ۶۲۴ء دیتے ہیں اور قیام کی مدت محض گیارہ دن بتاتے ہیں اگرچہ ابن سعد نے تاریخِ سفر نہیں دی ہے تاہم وہ اپنے استاد کی تائید کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق ص ۳۶۲ ؛ واقدی، ص ۱۹۵ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۵ ؛ طبری، دوم، ص ۴۸۷ ۔ نیز ملاحظہ ہو: انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۱ ۔

(۱۸۹) ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۱۱ - ۱۲ ؛ واقدی، ص ۵۲۵ - ۳۵ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۷۸ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۱ ؛ طبری، سوم، ص ۱۵۵ ۔

(۱۹۰) انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰، کا بیان ہے کہ اس مہم کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اس کی منزلِ مقصود ایک ایسے پہاڑ کا علاقہ تھا جو رنگا رنگ چھینٹ کے کپڑے (رقاع) کی مانند معلوم ہوتا تھا۔

(۱۹۱) واقدی، ص ۳۹۶، کا بیان ہے کہ مسلم سپاہ کی تعداد چار سو تھی جبکہ بعض دوسرے مآخذ میں سات اور آٹھ سو بھی ہے؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۱، نے صرف چار سو اور سات سو کی تعداد بیان کی ہے۔

(۱۹۲) ربیع الثانی ۶ھ / اگست، ستمبر ۶۲۷ء میں حضرت محمد بن مسلمہ کا سریہ ذوالقصہ؛ واقدی، ص ۵۵۱ - ۵۲ ؛ ابنِ سعد

دوم، ص ۵۵۸؛ طبری، دوم، ص ۶۴۰۔ ابن سعد کے بیان میں مسلمان سپاہیوں کی تعداد سو بتائی گئی ہے جو بقول واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴۹۲، کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۱۹۳) اسی ماہ میں ابو عبیدہ بن جراح کی مہم ذوالقصہ۔ ابن ہشام، ص ۶۰۹؛ واقدی، ص ۵۵۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۵-۸۶؛ طبری، دوم، ص ۶۴۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۱۹۴) جمادی الآخر ۶ھ/اکتوبر، نومبر ۶۲۷ء میں حضرت زید بن حارثہ کی مہم جانب طرف۔ ملاحظہ فرمایئے: ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۲؛ واقدی، ص ۵۵۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷؛ طبری، دوم، ص ۶۴۱؛ الطرف کے لیے ملاحظہ کیجئے: معجم البلدان، بیروت ۱۹۵۶ء، چہارم، ص ۳۱، جس کے مطابق وہ مدینہ سے ۳۶ میل مشرق میں تھا۔

(۱۹۵) رمضان ۶ھ/جنوری ۶۲۹ء میں غالب بن عبداللہ لیثی کا سریہ میفعہ۔ واقدی، ص ۷۲۶-۷۲۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۹؛ طبری، دوم، ص ۲۲-۲۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹۔

یہ نکتہ اہم ہے کہ پہلی تین مہمیں یکے بعد دیگرے پیش آئی تھیں مگر چوتھی مہم تقریباً ایک سال سے زیادہ کے وقفہ کے بعد بھیجی گئی تھی۔ خیال یہ ہے کہ یہ تبلیغی مشن تھے نہ کہ فوجی مہمیں۔ کیونکہ اتنی چھوٹی مہمیں کسی قسم کی گڑبڑ یا انتشار کو دور کرنے کے لیے دشمن علاقے میں ناکافی ہوتیں۔

(۱۹۶) ابن سعد، دوم، ص ۵۰۔ بنو اسد بن طلیحہ بن خویلد اسدی (جس نے خلافت صدیقی میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا) اور اس کے بھائی سلمہ نے اپنے قبیلہ کے ایک حصے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے: انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۵-۳۸۰۔

(۱۹۷) ابن ہشام، دوم، ص ۵۹۰؛ واقدی، ص ۳۴۰-۳۴۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۵؛ طبری، سوم، ص ۱۵۵۱۔

(۱۹۸) معجم البلدان، چہارم، ص ۲۱۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۶۔

(۱۹۹) ابن ہشام، ص ۶۱۱-۶۱۲؛ واقدی، ص ۵۵۰-۵۵۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۴-۸۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷؛ طبری، دوم، ص ۶۴۲۔

(۲۰۰) ابن اسحاق، ص ۶۶۶؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۹؛ واقدی، ص ۵۳۱-۵۳۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۰-۵۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷؛ طبری، دوم، ص ۶۴۰۔

(۲۰۱) ابن اسحاق، ص ۴۲۶-۴۳۳؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۹؛ واقدی، ص ۳۵۴-۳۶۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۵-۵۶؛ طبری، دوم، ص ۵۳۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۵۔

واقعہ رجیع اپنے محرکات، واقعات، تفاصیل اور نتائج کے لحاظ سے المیہ بئر معونہ ہی جیسا تھا۔ عضل اور قارہ کے

دو خاندانوں جو خزیمہ سے متعلق تھے بنو لحیان سے ان کے سردار سفیان بن خالد ہذلی کے قتل کے بعد ساز باز کر کے دربارِ رسالت سے مسلم مبلغین کو اپنے قبیلہ میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے بلایا۔ سات یا دس افراد پر مشتمل ایک تبلیغی جماعت کو عضل و قارہ کے لوگوں نے بدعہدی کر کے بنو لحیان کے حوالے کر دیا۔ اور موخر الذکر نے پانچ یا سات آٹھ کو قتل کر دیا اور باقی میں سے دو حضرات خبیب اور زید بن دثنہ کو گرفتار کر کے قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔ قریش کے بنو حارث بن عامر اور صفوان بن امیہ جمحی نے جنگِ احد میں اپنے اپنے مقتولوں کے عوض قتل کر دیا۔ جدید مورخین اور ہمارے ماخذ بجا طور پر اس واقعہ کی ذمہ داری عضل و قارہ کے ساتھ بنو لحیان پر ڈالتے ہیں۔ لیکن کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ اس واقعہ کے پیچھے قریش کے کچھ لوگوں کا بھی ہاتھ تھا۔ بئر معونہ اور واقعہ رجیع دونوں میں قریش کی سازش اور مخالفت کار فرما نظر آتی ہے۔

(۲۰۲) کتاب المحبر، ص ۱۱۴۔ بغدادی اس غزوہ کو غزوہ بنی لحیان من ہذیل کہتا ہے اور مقامِ تصادم کدر بتاتا ہے۔ اسی بنا پر اس کے نزدیک یہ غزوہ منگل یکم جمادی الاولیٰ ۶ھ میں ہوا تھا۔ جبکہ دوسرے ماخذ کے مطابق وہ محرم ۳ھ میں واقع ہوا تھا۔

(۲۰۳) شہیدِ رجیع حضرت خبیب بن عدی کے قریشی قاتل ابو سروعہ بن حارث بن عامر جنھوں نے صحابی موصوف کو اپنے باپ کے قتل کے قصاص میں قتل کیا تھا بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت زید بن دثنہ کو قتل کروانے والے صفوان بن امیہ اور ان کے قاتل غلام نسطاس نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ زرقانی، جلد ۲، ص ۷۰ اور ۷۴؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۳۹۲ - ۳۹۲۔ واقعہ رجیع کے نفسیاتی و مذہبی اثرات کے لیے ملاحظہ کیجئے، ابن اسحاق، ص ۴۲۹ - ۴۲۸۔

(۲۰۴) ابن اسحاق، ص ۴۴۹؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰؛ واقدی، ص ۴۰۲ - ۴۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۳ - ۶۲؛ طبری، دوم، ص ۵۶۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱۔

ابن سعد کے مطابق دومۃ الجندل شامی سرحدوں کے قریب دمشق سے پانچ راتوں کی مسافت پر واقع تھا، جبکہ مدینہ سے اس کا فاصلہ ۱۵ یا ۱۶ راتوں کا تھا۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق مدینہ سے اس کی مسافت سات منزلوں کی تھی۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: معجم البلدان، دوم، ص ۹ - ۴۸۷۔

(۲۰۵) یہ نکتہ اہم ہے کہ مدینہ کی اسلامی ریاست نے جو دومہ سے دمشق کی بہ نسبت تین گنا فاصلے پر واقع تھی۔ ان قزاقوں کے خلاف کارروائی کی تھی۔ شام و فلسطین کی بازنطینی حکومت یا ان کی ماتحت غسانی بادشاہت جو مدینہ کے مقابلے میں کافی قریب تھیں کوئی اقدام کرنے سے باز یا قاصر رہی تھیں زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ دومۃ الجندل میں خود ایک کندی خاندان کی بادشاہت قائم تھی جو اچھی خاصی طاقتور تھی یا کم از کم ان لٹیروں کو کچلنے کی قوت رکھتی تھی مگر اس نے بھی کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا ان حقائق و شواہد و قرائن کی روشنی میں یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ قزاق صرف ان کاروانوں کے خلاف کارروائی کرتے تھے جو مسلمانوں کے ہوتے تھے یا اسلامی ریاست کے علاقوں سے تجارت کرتے تھے۔ عین ممکن ہے کہ ان قزاقوں کو مسلمانوں کی اقتصادی ناکہ بندی کرنے کے لیے شمال کے طاقتور قبائل یا منظم حکومتوں نے اکسایا ہو اور یہ تقریباً یقینی

معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم لوٹ مار کی ان کارروائیوں میں قبائلِ عرب اور سلطنت شام و بصریٰ و فلسطین کی در پردہ یا خاموش حمایت رضامندی حاصل رہی تھی۔ اس کی تائید اس سے اور بھی ہوتی ہے کہ حضرت زید کی قیادت میں شام جانے والا ایک مسلم کارواں اسی زمانے کے قریب لوٹ لیا گیا تھا۔ پھر حضرت دحیہ بن کلبی کو کچھ مدت بعد اسی علاقے میں لوٹا گیا اور دوسرے مسلم کاروانوں یا قافلوں یا جماعتوں پر غارتگری کی گئی تھی۔

(۲۰۶) واقدی، ص ۴۰۳ اور ابن سعد، دوم، ص ۶۲ سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص انھیں سرایا کے زمانے میں مسلمان ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا اپنا ایک تبلیغی اثر رہا ہوگا۔ لیکن یہ قیاس بے جا نہیں کہ یہ تنہا واقعہ دراصل اس اجتماعی اور مکمل اثر کا ایک اظہار ہے اور نہ جانے کتنے ایسے ہوں گے جو ان سرایا کے دوران یا دومہ کے اس غزوہ میں اسلام کی دولت سے شرفیاب ہونے ہوں گے۔ (۲۰۷) ایضاً، ص ۵۶۴۔ (۲۰۸) واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۵۱۱۔

(۲۰۹) طبری، ص ۱۴۶۵: یاقوت حموی، معجم البلدان، دوم، ص ۳۶-۳۵ اور ۵۵-۴۷۵۲ کے مطابق تغلمین ذہل بن ثعلبہ کے ایک چشمے تقیدہ کے نواح میں ایک مقام تھا۔ دوسری روایت کے مطابق وہ اس علاقہ کے بالائی علاقے (الحزن) میں ایک مقام تھا جہاں بنو تیم اللہ، بنو عجل اور قیس بن ثعلبہ کے قبیلے آباد تھے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ بنو تیم کا نام تیم اللہ غالباً اس غزوہ کے دوران یا بعد میں اس کے مذہبی و تبلیغی اثرات کا ایک نتیجہ ہوگا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق میں اس معاہدہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ غالباً وہ ان کی نظر سے چُوک گیا۔

(۲۱۰) ابن سعد، دوم، ص ۶۳؛ نیز دیکھیے واقدی، ص ۴۰۴۔

(۲۱۱) واقدی، ص ۴۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴۔

(۲۱۲) بخاری، باب العتق، اور مسلم، کتاب الجہاد والسیر، کا بیان ہے کہ بنو المصطلق پر اچانک حملہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن واقدی، ص ۴۰۷۔ اور انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ کا واضح بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بنو المصطلق کے سامنے اپنے دستور کے مطابق اسلام پیش کیا تھا۔ مگر جب انھوں نے انکار کر دیا تو حملہ کیا گیا تھا۔
نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۴۹۰؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۰-۲۵؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴۔ صحیحین کی روایت معمول و
ابن اسحاق، ص ۴۹۰؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۰-۲۵؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴۔ صحیحین کی روایت معمول و دستور نبوی نیز احکام اسلامی کے خلاف ہے اس لئے اسے بلا کسی جھجک کے مسترد کر دینا چاہیے۔ شبلی نعمانی، سیرت، اول، ص ۵۱ا نے ابنِ حجر کا قول نقل کیا ہے کہ "صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں ہو سکتی" لیکن پھر انہوں نے صحیح روایت کو "اصولِ حدیث کی رو سے قابلِ حجت نہیں سمجھا ہے کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور جنگ میں شریک ہونا تو ایک طرف نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا اس لیے یہ روایت اصطلاحِ محدثین میں منقطع ہے"۔ شبلی نعمانی کی اس کوشش پر ان کے جامع سید سلیمان ندوی نے حاشیہ ۲ میں استدراک کیا ہے کہ اسناد میں موجود ہے کہ نافع نے " اس روایت کو

حضرت عبداللہ بن عمر سے سنا جو اس لڑائی میں شریک تھے ..... اس تصریح کے بعد یہ روایت منقطع نہیں باقی رہتی ہے۔"
سید سلیمان ندوی نے حدیث صحیحین کے اسناد کی رو سے تو صحیح اور مرفوع ثابت کر دیا تاہم انھوں نے صحیحین اور سیرت کی روایتوں میں سے کسی موازنے پر کلام کرنے سے گریز کیا ہے۔ بہرحال روایتؔ اسناد کی رو سے صحیحین کی روایت صحیح ہو سکتی ہے مگر درایت کی کسوٹی پر صحیح نہیں اُترتی کہ علماءِ حدیث کا اتفاق ہے کہ ہر وہ حدیث و روایت جو معمول نبوی یا حکم اسلامی کے مخالف، متعارض یا متصادم نظر آئے نا قابل قبول ہوگی۔ لہٰذا اس باب میں ارباب سیرت کی روایت کو ہر حال میں ترجیح حاصل ہوگی۔

(۲۱۳) ابن اسحاق، ص ۴۹۰ اور طبری، دوم، ص ۶۰۴ کے مطابق مریسیع قدید کی سمت میں ساحل کی طرف تھا۔ سمہودی، وفاء الوفاء، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۳، ۳۷۰ کے مطابق خزاعہ کا یہ چشمہ فرع سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔

(۲۱۴) ابن اسحاق، ص ۴۹۳؛ واقدی، ص ۴۰۱ و ۴۰۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴ و ۶۰۹-۶۱۰؛ بخاری اور مسلم، مذکورہ بالا ابواب۔

(۲۱۵) ابن اسحاق، ص ۴۹۳؛ واقدی، ص ۴۱۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱۔ صرف طبری، دوم، ص ۶۱۰ کا بیان ہے کہ ایک سو خاندان (مائۃ اہل بیت) اس طرح آزاد کیے گئے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب العتق؛ مسلم، کتاب الجہاد والسیر؛ ابو داؤد، سنن، کتاب العتاق۔

(۲۱۶) مذکورہ بالا تمام مورخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ بنو مصطلق کے کافی لوگ اس غزوہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور باقی کچھ مدت کے بعد حضرت حارث بن ابی ضرار خزاعی سردار قبیلہ کے قبول اسلام کے وقت ہوئے۔ بہرحال فتح مکہ سے کافی قبل یہ پورا خاندان اسلام کے دائرہ میں داخل ہو چکا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو باب دوم، بحث بر اسلام بنی مصطلق۔

(۲۱۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے خزاعہ کے ساتھ قدیم تعلقات کے لیے دیکھئے: ابن سعد، اول، ص ۸۸-۸۷؛ زبیری، نسب قریش، ص ۷۰-۶۹؛ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، مرتبہ خورشید احمد فارق، حیدر آباد دکن ۱۹۶۴ء، ص ۹۲-۸۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۷۰-۶۹؛ طبری، دوم، ص ۲۵۰۔

(۲۱۸) صرف ابن اسحاق غزوہ بنی المصطلق کے غزوہ احزاب کے بعد ہونے کے قائل ہیں۔ بقیہ مورخین و سیرت نگار اس کو اس واقعہ عظیم سے پہلے کا بتاتے ہیں۔

(۲۱۹) قریش کی قیادت میں قبائل عرب کا احزاب عظیم دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا جن میں سے غطفان کے مذکورہ بالا تین خاندانوں ——— فزارہ، اشجع اور مرہ ——— نے بالترتیب ایک ہزار، چار سو اور چار سو سپاہی فراہم کیے تھے۔ ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۴۴۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۶؛ نیز دیکھئے ابن اسحاق، ص ۴۵۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۳-۳۴۴ اور طبری، دوم، ص ۵۶۶ جو ان کے دستوں کی عددی طاقت کا ذکر نہیں کرتے البتہ یہ کہتے ہیں کہ ان خاندان ہائے غطفان کے دستے اپنے اپنے قبائلی سرداروں کی کمان میں تھے۔

(۲۲۰) سب سے اہم سبب وہ فوجی تکنیک تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائی تھی۔ مآخذ کا بیان ہے کہ خندق دیکھ کر

قبائل عرب کے سالار اور فوجی ماہرین حیران و ششدر رہ گئے تھے کیونکہ ان کے لیے فنِ حرب کی تکنیک قطعی نئی اور غیر متوقع تھی وہ اس کا توڑ نہیں تلاش کر سکے۔ دوسرا اہم سبب ان کے سالاروں کی عسکری قیادت اور فوجی سوجھ بوجھ کی کمی تھی کہ پورے ایک ماہ تک محاصرہ کرنے کے باوجود وہ خندق عبور کرنے کی ترکیب یا تدبیر اختیار کرنے میں ناکام رہے۔ اسی سے متعلق تیسرا سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم تر اور برتر عسکری قیادت اور فوجی لیاقت تھی جس نے مقابل اور حریف سالاروں کی ہر تدبیر و ترکیب کا کامیاب توڑ تلاش کر لیا۔ چوتھا سبب احزاب میں سیاسی، فوجی اور سماجی اتحاد کی کمی تھی اور اس کے برخلاف پانچواں سبب مسلمانوں میں عظیم اتحاد اور مثالی تعاون تھا۔ چھٹا سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی و فوجی حکمت عملی تھی جس نے اتحادیوں میں پھوٹ ڈال دی تھی۔ ساتواں اہم سبب جنگ سے قبل مدینہ کی فصلوں کی قبل از وقت کٹائی تھی جس نے دشمن سپاہ کو غذا اور چارے کی کمی سے دوچار کر دیا تھا۔ آٹھواں سبب قدرتی آفات و مصائب تھے جنھوں نے دشمن کی صفوں میں ابتری پھیلا دی تھی۔ نواں اہم سبب محاصرہ کی طویل مدت تھی جس نے دشمنوں میں بددلی، اکتاہٹ، اپنے سالاروں کے بارے میں بدگمانی، ان کی قیادت و سیادت پر شک و شبہ اور اپنے مقصد جنگ کے بارے میں اشتباہ و تزلزل پیدا کر دیا تھا۔ اور اسی سے متعلق دسواں سبب تھا جو فوجی MORALE (حوصلہ) کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوا تھا جبکہ مسلمانوں کا حوصلہ بلند، جذبہ ناقابلِ تسخیر اور اعتماد غیر متزلزل تھا ان کے علاوہ متعدد اور چھوٹے بڑے اسباب بھی تھے۔

(۲۲۱) ابن سعد، دوم، ص ۸۰ کا بیان ہے کہ عُیینہ بن حصن فزاری نے چالیس شہسواروں کے ساتھ حملہ کیا تھا اور چراگاہ کے نگران جو حضرت ابوذر غفاری کے صاحبزادہ گرامی تھے مار ڈالا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ریاست اسلامی کی بیس اونٹنیاں ہنکا لے گیا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۹-۵۳۷ اور ابن اسحاق، ص ۴۸۶ جن کے بیان میں یہ اضافہ ہے کہ نگران چراگاہ کو قتل کرنے کے بعد وہ اونٹوں کے ساتھ نگران کی بیوی کو بھی اٹھا لے گیا تھا۔ مزید دیکھئے، انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۹-۳۴۸؛ طبری، دوم، ص ۵۹۶ اور آگے۔

(۲۲۲) ابنِ سعد، دوم، ص ۸۱ کے مطابق ذو قرد خیبر کی ایک نواحی بستی تھی۔

(۲۲۳) ابنِ اسحاق، ص ۹۰-۴۸۸؛ واقدی، ص ۷-۵۴۶؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۴-۸۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۹-۳۴۸؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴-۵۹۹؛ نیز دیکھیے بخاری، غزوۂ ذی قرد۔

(۲۲۴) ابنِ اسحاق، ص ۵-۶۶۴؛ واقدی، ص ۵-۵۶۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۹۱-۹۰؛ طبری، دوم، ص ۴۳-۶۴۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۸۔

(۲۲۵) ابنِ ہشام، دوم، ص ۱۲-۶۱۱؛ واقدی، ص ۷۲۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۰؛ طبری، سوم، ص ۲۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹۔

(۲۲۶) ان کا انتقام جس مہم نے لیا تھا وہ حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کی قیادت میں گئی تھی اور سریۂ فدک کہلاتی ہے۔ ملاحظہ ہو

ابن اسحاق، ص ۸ - ۶۶۷؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۲؛ واقدی، ص ۲۶ - ۶۲۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۶؛ طبری، سوم، ص ۲۲: انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹۔

(۲۲۷) ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۰ میں یمن اور جبار ہے۔ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹، میں یمن اور جُبر ہے۔ اور مزید یہ اضافہ ہے کہ یہ دونوں مقامات جناب کے نواح میں تھے۔

(۲۲۸) ابنِ ہشام، دوم، ص ۱۲-۶۱۱؛ واقدی، ص ۳۱ - ۷۲۷؛ طبری، سوم، ص ۲۳: انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹۔ ابن سعد دوم ص ۱۲۰۔

(۲۲۹) یہ حضرت ابوقتادہ خزرجی کا سریہ تھا جو شعبان ۸ھ / دسمبر ۶۲۹ء میں غابہ نامی مقام تک گیا تھا۔ ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۸۰ - ۷۷۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۳-۱۳۲؛ طبری، سوم، ص ۲۵ - ۲۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۱۔

(۲۳۰) ابنِ اسحاق، ص ۲ - ۶۶۲؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۱؛ واقدی، ص ۷ - ۵۵۵۔ ان تینوں مغازی و سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ اسی زمانے کے آس پاس جذام کا ایک خاندان بنوضُبَیب کا ایک اہم اور سربرآوردہ سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مدینہ حاضر ہوا اور اسلام سے سرفراز ہوا۔ بعد میں اس کو ایک کتاب نبوی (معاہدہ) کا مزید شرف ملا۔ مدینہ سے واپسی پر اس نے اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ کی اور اس کا پورا خاندان و قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد قیصرِ روم کے دربار سے سفیرِ نبوی حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی جذام کے اسی علاقے سے گزرے۔ قبیلہ کے ایک خاندان نے جو روایات کے مطابق لٹیروں پر مشتمل تھا حضرت دحیہ پر حملہ کر کے ان کا سارا سامان لوٹ لیا، اس میں وہ تحائف بھی تھے جو قیصر روم نے خدمت نبوی میں بھیجے تھے۔ بہرحال یہ بات بہت اہم بھی ہے اور دلچسپ بھی کہ جوں ہی سفیرِ نبوی کے لوٹے جانے کی خبر پھیلی اسی بنی ضُبَیب نے لٹیروں کے خلاف کارروائی کی اور نہ صرف ان کو سزا دی بلکہ ان سے تمام لوٹا جانے والا سامان واپس بھی لے لیا اور پھر قاصدِ رسول کو بحفاظت تمام اپنے علاقے سے گزرنے کے انتظامات بھی کیے۔ ملاحظہ کیجئے: ابنِ سعد، دوم، ص ۸۸؛ نیز رفاعہ بن زید جذامی سے معاہدے کے لیے دیکھیے: مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۶؛ میثاق، ص ۱۷۵؛ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے باب دوم، بحث بر اسلام جذام۔

(۲۳۱) ابنِ سعد، دوم، ص ۸۸، کے مطابق حِسمٰی وادی القریٰ سے پرے شمال میں ایک مقام یا علاقہ تھا۔

(۲۳۲) ابنِ اسحاق، ص ۴ - ۶۶۳؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۱۲؛ واقدی، ص ۶۰ - ۵۵۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷؛ طبری، دوم، ص ۶۴۱۔

(۲۳۳) ابنِ ہشام، دوم، ص ۱۲-۶۱۱؛ واقدی، ص ۳-۵۶۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰-۸۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۳۸؛ طبری، دوم، ص ۶۴۲۔

(۲۳۴) ابنِ اسحاق، ص ۶۷۲؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۳۲؛ واقدی، ص ۶۲ - ۵۶۰؛ ابن سعد، دوم،

ص ۹۸ : انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۸ اور طبری، دوم، ص ۶۴۲۔

(۲۳۵) واقدی، ص ۶۲-۵۶۱ کا نہایت واضح وصریح بیان ہے کہ مسلم سالار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری نے دومہ پہنچنے کے بعد تین دن تک بنو کلب کو مسلسل اسلام کی دعوت دی۔ دو دن تک اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا لیکن تیسرے دن قبیلہ کا سردار مسلمان ہوگیا۔ مورخ کا مزید بیان ہے کہ رئیس قبیلہ الاصبغ کے مسلمان ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے ایک قاصد کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سردار قبیلہ کی دختر نیک اختر تماضر بنت اصبغ سے شادی کرنے کی اجازت چاہی جو آپ نے مرحمت فرمادی۔ دوسری روایت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے لشکر کی روانگی کے وقت ہی حضرت عبدالرحمٰن کو حکم دیا تھا کہ اگر سردار قبیلہ مسلمان ہوجائے تو اس کی لڑکی سے شادی کرلیں۔ بہرحال دونوں روایتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کی تماضر بنت الاصبغ سے شادی رئیس قبیلہ کے اسلام لانے کے بعد ہی ہوئی تھی۔ ابن سعد، دوم، ص ۸۹، کا مزید اضافہ یہ ہے کہ اپنے سردار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بنو کلب کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اور جو لوگ اپنے پرانے دین پر قائم رہے ان پر جزیہ عاید کردیا گیا۔ ان بیانات نیز دوسرے مآخذ کے بیانات کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بنو کلب کے اس حصہ کے سردار کے مسلمان ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا ہے۔ مگر مونٹگمری واٹ (محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۵) کا اصرار ہے چونکہ جزیہ وصول کیا گیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ (سردار قبیلہ) عیسائی ہی رہا ہوگا۔ مگر یہ خیال خام ہے اور مآخذ کے واضح اور متفقہ بیانات کے بالکل خلاف ہے۔ ابن سعد کی روایت بالکل واضح ہے جو یہ کہتی ہے کہ "جزیہ صرف ان لوگوں سے لیا گیا تھا جو اپنے پرانے دین پر قائم رہے تھے اور جنھوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا۔" نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۸، جس کا عام بیان یہ ہے کہ "جب لوگ (قوم) مسلمان ہوگئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تماضر بنت اصبغ سے شادی کرلی۔" حالانکہ وہ جزیہ کے عاید کئے جانے کا ذکر نہیں کرتی؛ نیز دیکھیے: طبری، دوم، ص ۶۴۲ جو بلاذری کی مکمل پیروی کرتے ہیں۔

(۲۳۶) مونٹگمری واٹ نے صرف اسی موقعہ پر یا محض بنو کلب کے معاملے میں جانب داری سے کام نہیں لیا ہے بلکہ شمالی بعید اور جنوب بعید کے قبائل عرب کے معاملہ میں عام طور سے اور عیسائی قبیلوں کے معاملہ میں خاص طور سے ان کا نقطۂ نظر جانبدارانہ، غیر علمی اور غیر تاریخی معلوم و ثابت ہوتا ہے۔ ان قبائل کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاسی تعلقات اور ان میں تبلیغ واشاعت اسلام کے بارے میں مورخ موصوف کا جھکاؤ غالباً ان کے اپنے مذہبی رجحانات کے سبب اس جانب رہتا کہ وہ عہد نبوی میں مسلم نہیں ہوئے تھے یا ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقات محض سیاسی مفاہمت پر مبنی تھے۔ جس کو وہ دوسرے الفاظ میں سیاسی موقعہ پرستی بھی کہتے ہیں۔ باب دوم میں شمالی پالیسی اور شمالی قبائل سے اسلام کے تعلقات پر ہم ان کے نقطۂ نظر کو مفصل طور سے دیکھیں گے۔

(۲۳۷) محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۵-۴۶۔

(۲۳۸) ابتدائی مآخذ میں صرف واقدی، ص ۲، ۵ ' نے خواب میں حکمِ خداوندی کا ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق، ص ۴۹۹ وغیرہ اور ابن سعد وغیرہ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ دوسرے طبقہ کے مورخین کے مطابق یہ فیصلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صوابدید اور حالات کے تجزیے کے بعد کیا تھا۔

(۲۳۹) سیرت النبی، اول، ص ۹ - ۴۴۷۔

(۲۴۰) مآخذ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ غطفان کے دو قبائل اشجع اور مرہ جنگِ احزاب کی ناکامی کے بعد ریاست اسلامی سے اپنے تعلقات کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہی حال سلیم اور اسد کا تھا۔ تفصیل ہم دوسرے باب کی متعلقہ فصول میں دیکھیں گے۔

(۲۴۱) ابن اسحاق، ص ۴۹۹ کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف واکناف کے پڑوسی بدو قبائل عرب کو بھی عمرہ کے اس سفر پر چلنے کی دعوت اس غرض سے دی تھی کہ آپ کو ندشہ تھا کہ قریش مکہ آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے بزورِ شمشیر روکیں گے، جیساکہ انھوں نے بعد میں حقیقتاً کیا بھی۔ بہت سے بدوی قبائل اس مسلح تصادم کے ڈر سے آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ چنانچہ آپ اس سفر پر ان لوگوں کے ساتھ نکلے جو انصار و مہاجرین میں سے تھے اور جو بدوی قبائل میں سے آپ سے وفادار رہے۔ یہ نکتہ اہم ہے کہ ابن اسحاق کا یہ بیان بلا کسی سند کے بیان ہوا ہے اور ان کے اپنے تاثرات و خیالات کا عکاس ہے۔ اس کے معاً بعد جو روایات ابن اسحاق نے بیان کی ہیں وہ زہری کی سند پر بیان ہوئی ہیں جن میں قبائل عرب کو عمرہ میں شرکت کی دعوت دینے، ان کے قبول نہ کرنے اور قریش کے مسلح روک تھام کرنے کا حوالہ نہیں ملتا ہے۔ زہری کی پہلی روایت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی سند پر بیان ہوئی ہے اور اس میں عمرہ کرنے والوں کی تعداد صرف سات سو دی گئی ہے۔ جبکہ ابن اسحاق نے بلا سند حضرت جابر بن عبداللہ، جو اس قافلۂ مشتاقان پر توجمالِ الٰہی میں شامل تھے، کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہم حدیبیہ والے چودہ سو تھے۔" (ص ۵۰۰)

بہر حال ابن اسحاق کے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حلیف اور مسلم بدوی قبائل کو شرکت کی دعوت دی تھی اور وہ قریش کے خوف سے غیر حاضر رہے صحیح نہیں ہے۔ اور یہ تو حقیقت کے خلاف ہو گا کہ انصار و مہاجرین میں سے کسی نے حکم نبوی سے عدول و انحراف کرنے کی جرأت بھی کی ہوگی۔ جنگِ احزاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی عددی طاقت جو محاذ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی تین ہزار کے قریب تھی۔ اگر آپ بدوی حلیف قبائل کو اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہیں کر سکے تھے تو کم از کم آپ مدینہ کے تین چار مسلمانوں کو ساتھ لے جا سکتے تھے۔ دراصل آپ مسلمانوں کی پوری طاقت یا جمعیت کے ساتھ اس سفر مبارک پر نہیں نکلے تھے بلکہ قرائن اور حقائق دونوں یہ کہتے ہیں کہ اس سفر میں شرکت اختیاری تھی۔ انصار و مہاجرین میں سے جس کا جی چاہا ساتھ ہو لیا تھا اور آپ نے سب کے چلنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ اسی طرح یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ کے اس سفر میں غیر مسلم زائرین شامل تھے یا ان کو آپ نے شامل ہونے کی دعوت دی تھی صحیح نہیں ہے۔ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴ - ۴۶ ' نے ابن اسحاق کے تاثر پر

بنیاد رکھ کر بھی دو غلط نتیجے نکالے ہیں۔

(۲۴۲) ابن اسحاق، ص ۵۰۰ ، زہری کی روایت جو حضرات مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی سند پر بیان ہوئی ہے۔

(۲۴۳) ابن اسحاق، ص ۵۰۱-۲ کا بیان ہے کہ مکرز بن حفص عامری کے بعد قریش نے اپنے احابیش اتحادیوں کے سردار حُلیس بن علقمہ، جو ابن زبان کی کنیت سے زیادہ مشہور تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے لیے بھیجا لیکن اس نے قربانی کے جانور (ھدی) دیکھ کر گفت وشنید کی ضرورت نہیں محسوس کی اور مکہ لوٹ گیا اور قریش کو مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے کی اپنی پوری کوشش کی لیکن قریش نے اس کو بدو جاہل کہہ کر خاموش کر دیا کیونکہ وہ بنو حارث بن عبد مناۃ بن بکر بن کنانہ کا سردار تھا۔ الحلیس نے جو کچھ کہا تھا وہ مکہ والوں کے مزاج اور سیاست کو بھی سمجھنے میں مدد دیتا ہے اور دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قبائل عرب کے ایک عام رویے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی بتاتا ہے کہ مسلمانوں کے اس اقدام و اعلان مذہب نے کس قدر عرب قبائل کے حلقوں میں ان کے لیے حمایت و طرفداری و ہمدردی پیدا کر دی تھی۔ عبداللہ بن ابوبکر کی روایت ہے کہ قریش کے اس سخت جواب نے الحلیس کو برہم کر دیا اور اس نے سخت لہجے میں کہا "اے قریش! کیا اسی لیے ہم نے تم سے اتحاد و دوستی کی تھی؟ کیا ایک شخص جو خدا کے گھر کی زیارت کے لیے آنا چاہتا ہے اس سے محروم رکھا جائے گا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یا تو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی اجازت دے دو گے جس کے لیے وہ آئے ہیں یا میں احابیش کے آخری آدمی کو بھی واپس لے جاؤں گا۔" قریش نے اس پر حلیس کو خاموش کیا اور اپنے عندیہ کا یوں اظہار کیا کہ وہ اپنے لیے قابل قبول شرائط منوا کر مسلمانوں کو زیارت کعبہ کی اجازت دے دیں گے۔" اسی طرح عروہ بن مسعود ثقفی کے تاثرات تھے اور وہ بھی مسلمانوں کو زیارت دینے کے حق میں تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳-۵۰۲۔

(۲۴۴) حضرات خراش بن امیہ خزاعی کو انھیں احابیش نے بچایا تھا۔ حضرت عثمان بن عفان اُموی کو ان کے خاندان والے یعنی بنو امیہ کے سعیدی گھرانے ابان بن سعید بن العاص نے تحفظ دیا تھا، اور قریش نے اس تحفظ کا احترام کیا تھا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۰۳۔

(۲۴۵) ابن اسحاق، ص ۵۰۰ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ قریش مسلمانوں کے مکہ میں بلا اجازت و اذن قریش داخل ہونے سے روکنا چاہتے تھے۔ گویا کہ وہ اپنے اقتدار و سیادت کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ اور حضرت خالد کے دستہ کو اسی لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو قریش کی اجازت کے بغیر اور زور زبردستی سے داخل ہونے سے روکے۔

(۲۴۶) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۳ - ۴۹۹۔ (۲۴۷) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۱۔

(۲۴۸) ابن اسحاق، ص ۵۰۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۵۰۴ نے اس ضمن میں یہ کہہ دیا ہے کہ "قبیلہ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا"۔ یہ بیان کسی حد تک صحیح ہے کیونکہ بدیل بن ورقاء خزاعی کی سفارت کے سلسلہ میں ابن اسحاق ص ۵۰۱ کا بیان ہے کہ خزاعہ کے مسلمان اور مشرک دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے۔ یعنی خزاعہ کے لوگ اسلام لا چکے تھے۔ ملاحظہ کیجئے باب دوم بحث بر اسلام خزاعہ۔

(۲۴۹) ابن اسحاق، ص ۵۰۱۔ (۲۵۰) ابنِ اسحاق، ص ۳-۵۰۲۔

(۲۵۱) ابن اسحاق، ص ۵۰۳۔

(۲۵۲) ابن اسحاق کی روایت میں بیعتِ رضوان کو موت تک لڑنے یا جنگ سے نہ فرار ہونے کا عہد قرار دیا گیا ہے لیکن ابنِ ہشام نے یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے بیعت لی تھی۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۴-۵۰۳ اور ص ۷۶۹۔

(۲۵۳) سہیل عامری کو قریش نے صلح کا معاہدہ کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی تھی کہ مسلمان اس سال واپس جائیں "تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ مکہ میں زبردستی اور قریش کی مخالفت کے باوجود داخل ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۰۴۔

(۲۵۴) حضرت عثمان بن عفان اموی کی سفارت کے ضمن میں ابنِ اسحاق ص ۵۰۳ نے "ابوسفیان اور دوسرے قریشی سرداروں" کا ذکر کیا ہے جن سے ان کو گفت وشنید کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن اس صلح کے سلسلہ میں انھوں نے خاص کر ابوسفیان نے کیا کردار ادا کیا تھا ماٰخذ عام طور پر اس نکتے سے بحث نہیں کرتے۔ ہمارے جدید مورخین نے عام طور سے ابوسفیان کو اس موقعہ پر مکہ سے غیر حاضر تصور کر لیا ہے۔ مونٹگمری واٹ، ص ۵۹ کو ان کی مکہ میں موجودگی یا غیر موجودگی کا یقین نہیں ہے تاہم ان کا خیال ہے جو صحیح ہے کہ وہ صلح و امن حدیبیہ یا صلح کی پالیسی کے حامی تھے۔

قیاس کہتا ہے اور اس کی تائید ماٰخذ میں مذکورہ کئی واقعات سے ہوتی ہے جو ابوسفیان کے کردار پر روشنی ڈالتی ہے کہ ابوسفیان بن حرب مکہ میں اس صلح کے وقت نہ صرف موجود تھے بلکہ اس میں انہوں نے کافی فعال اور مثبت حصہ لیا تھا۔ قریشی قائدین میں جو لوگ مدینہ سے مفاہمت کی پالیسی کے حق میں تھے ان میں ابوسفیان سرِفہرست نظر آتے ہیں۔

(۲۵۵) حضرت عمرو بن عاص سہمی سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے ذہین و فطین اور معاملہ فہم تھے پھر بھی اتنی دیر سے اسلام لائے، ایسا کیوں؟ انھوں نے جواب دیا: "ہم ایسے لوگوں (قوم) کے سایہ میں تھے جو بزرگ اور عمر دراز تھے اور جن کی عقلیں پہاڑوں جیسی بلند تھیں۔ وہ جس وادی میں بھی گئے ہم ان کے پیرو رہے اور ہم نے اس راستہ کو آسان پایا۔ چنانچہ جب انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا تو ہم نے بھی بلا سوچے سمجھے انکار کر دیا اور ان ہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے لیکن جب وہ چلے گئے اور معاملہ ہمارے ہاتھوں میں آیا تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں غور کیا اور وہ بالکل صاف اور واضح تھا۔ بس میرے دل میں اسلام جم گیا"۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۱-۴۱۰۔

(۲۵۶) بحث و مباحثہ معاہدہ کی شرائط کے علاوہ متن میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور "محمد رسول اللہ" لکھے جانے پر ہوا تھا۔ قریش کے نمائندے کو دونوں پر اعتراض تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کاتبِ معاہدہ سے قریش کی مرضی کے مطابق "باسمك اللهم" اور "محمد بن عبد اللہ" لکھوایا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۵۰۴۔ ابن اسحاق نے حضرت علی کے اس فقرہ کا حوالہ نہیں دیا ہے جس کے مطابق انھوں نے اپنے ہاتھ سے محمد رسول اللہ کو مٹانے سے انکار کر دیا تھا۔ شبلی نے (سیرت النبی اول، ص ۴۵۵) اس واقعہ کو بخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء نیز

مسلم، ایضاً کی بنیاد پر بڑے طمطراق سے نقل کیا ہے۔

(۲۵۷) ابن اسحاق، ص ۵۰۴-۵ ؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۵۶ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴۸۔ موخرالذکر کا خیال ہے کہ موجودہ متن معاہدہ حدیبیہ اصلی متن نہیں ہے کیونکہ اس میں صیغے اچانک تبدیل ہوتے ہیں لیکن بہر حال وہ اصل متن کی شرائط ہی کو دوسرے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ متن کے لیے نیز ملاحظہ کیجئے، محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴-۱۳۔

(۲۵۸) حوالہ جات سابق

(۲۵۹) ابن اسحاق، ص ۵۰۰۔ نیز ملاحظہ کیجئے: بخاری، کتاب الشروط ؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی اول، ص ۶۰-۴۵۹ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۵۲-۵۱۔

(۲۶۰) باب دوم، بحث بر اسلام قبائل عرب۔

(۲۶۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے باب دوم، اسلام قریش۔

(۲۶۲) ابن اسحاق، ص ۱۰-۵۰۷ ؛ ابن سعد، چہارم، باب دوم۔ ایضاً۔ حضرات خالد اور عمرو بن العاص کے اسلام کی اس زمانے میں قبولیت کی شہرت عام ہے لیکن فرزندان ابوسفیان کو عموماً ہمارے مورخین فتح مکہ کا مسلمان بتاتے ہیں۔ اس کے متعدد اسباب ہیں جن سے یہاں بحث نہیں۔ تاہم مآخذ کی چھان پھٹک سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ بھی صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام لے آئے تھے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے باب دوم، بحث بر اسلام قریش۔ ملاحظہ کیجئے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۷۰ اور ۵۴۳۔ جو حضرات معاویہ اور یزید کو فتح مکہ کا مسلمان قرار دیتے ہیں اور اپنے دعویٰ کی دلیل عام سیرت کے مآخذ سے لاتے ہیں اور اسی بنا پر مسند احمد بن حنبل جلد ۴، ص ۴، کی ایک حدیث کو جس کے مطابق حضرت معاویہ نے نامہ نبوی کے جواب میں آنے والے ہرقل کے خط کو ۹ھ میں کسی وقت پڑھا تھا، غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔ لیکن سید سلیمان ندوی نے اپنے استدراک ص ۷۶۴ حاشیہ ۱ میں ابن حجر کی فتح الباری جلد ۸، ص ۹۰ اور زرقانی کی المواہب اللدنیہ جلد ۳ ص ۸۸ کی بنیاد پر اس حدیث کو غزوۂ تبوک کا واقعہ قرار دیتے ہوئے صحیح قرار دیتے ہیں اور حضرت معاویہ کو "صلح حدیبیہ یا فتح مکہ کا مسلمان" سمجھا ہے۔ سید صاحب موصوفؒ نے مزید حوالہ ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مصر، ص ۲۵۵ کا بھی دیا ہے۔ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴، بھی ان کے فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے دیکھیے، ص ۶۰، ۵۹۔

(۲۶۳) تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے ابواب سوم، چہارم، پنجم۔

(۲۶۴) ابن اسحاق، ص ۱۸-۵۱۰ ؛ واقدی ص ۹۳-۶۳۳ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۷-۱۰۶ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۲ ؛ طبری، سوم، ص ۱۶-۹۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری اور مسلم، غزوۂ خیبر ؛ بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۲-۳۶۔ انتظامی تفصیلات کے لیے دیکھیے باب چہارم و پنجم۔ جدید مورخین میں دیکھئے شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل،

ص ۵۰۲-۴۸۰ ؛ واٹ ، محمد ایٹ مدینہ ، ص ۱۸-۲۱۷ -

(۲۶۵) ابن اسحاق ، ص ۵۲۳ ؛ واقدی ، ص ۷-۷۰۶ ؛ ابن سعد، دوم ، ص ۱۴-۱۱۳ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۳۵۲ ؛ فتوح البلدان ، ص ۴۷-۴۴ ؛ طبری ، سوم ، ص ۱۵۶ اور ص ۲۰ -

(۲۶۶) ابنِ اسحاق ، ص ۵۱۶ ؛ واقدی ، ص ۱۱-۷۰۹ ؛ ابن سعد ، دوم ، ص ۱۵-۱۱۴ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۳۵۲ ؛ طبری ، سوم ، ص ۱۶ ؛ نیز ملاحظہ ہو فتوح البلدان ، ص ۴۸-۴۷ -

(۲۶۷) واقدی ، ص ۷۱۱ ؛ فتوح البلدان ، ص ۴۸ -

(۲۶۸) ان تین یہودی بستیوں سے معاہدات نبوی کا سب سے اچھا بیان بلاذری کی فتوح البلدان میں ملتا ہے۔ جس کے مطابق یہود فدک اور وادی القریٰ نے اپنی پیداوار کا نصف دینے کا معاہدہ کیا تھا جبکہ یہود تیما پر جزیہ عائد کیا گیا تھا۔ اغلب خیال یہ ہے کہ یہ جزیہ اپنے اصطلاحی معروف معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اس سے مراد عام ٹیکس ہے جو بصورت خراج دوسری یہودی بستیوں سے لیا گیا تھا۔ اس استنباط کی تائید بلاذری کا وہ جملہ کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس طرح وہ لوگ اپنے علاقہ میں بحال رہے اور ان کی اراضی انھیں کے قبضے میں رہیں۔" یہ بھی ممکن ہے کہ صلح کے نتیجے میں ان سے پچاس فیصد خراج نہ لیا گیا ہو۔ ملاحظہ کیجئے ؛ مونٹگمری واٹ ، محمد ایٹ مدینہ ، ص ۲۱۸ جو اس کو جزیہ کے اصطلاحی معنوں میں مراد لیتے ہیں۔

(۲۶۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے باب چہارم اور پنجم -

(۲۷۰) سفارت ہائے نبوی کی تفصیلات دیکھئے باب چہارم بحث بر سفیران نبوی

مونٹگمری واٹ ، محمد ایٹ مدینہ ، ص ۱۱۳ کا خیال ہے کہ ان نبوی سفارتوں کے بیانات میں سے بیشتر کو مسترد کر دینا چاہیے کیونکہ وہ نامہ ہائے نبوی جن میں اسلام کو قبول کرنے کی دعوت شاہانِ روم و بصری و ایران وغیرہ کو دی گئی تھی بعد کی تحریریں ہیں جو جعلی ہیں اور گھڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام منسوب کر دی گئی ہیں۔ مورخ موصوف نے ان کے مسترد کرنے کے اسباب و علل سے بحث نہیں کی ہے۔ جیسے کہ پہلے ذکر آچکا ہے واٹ اور ان کے پیشرو اور ہم عصر مغربی مورخین عیسائی بادشاہوں اور سلاطین کے نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و خطوط بھیجے جانے کے اس لیے منکر ہیں کہ اس سے ان کے بنیادی معتقدات و نظریات پر زد پڑتی ہے۔ مستشرقین بلا استثنائیہ ثابت کرنے کی کوشش اب یہ کرتے ہیں کہ اسلام ایک عربی دین تھا اور آپ کا پیغام صرف عربوں کے لیے تھا۔ وہ عالمی مذہب نہ تھا اور نہ آپ آفاقی رسول۔ بہرحال تاریخی تحقیقات نے ان خطوط و فرامین کی اصلیت و سچائی ثابت کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ ، مجموعۃ الوثائق ، ص ۴۰-۲۱ و ۵۲-۴۹ وغیرہ ؛ محمد رسول اللہ ، مذکورہ بالا ، ص ۱۵-۶۰۵ -

(۲۷۱) ابنِ اسحاق ، ص ۵۰۰ کے مطابق آپ نے ان سے فرمایا تھا "جاؤ ، خدا تم کو راحت دے گا اور تمہاری نجات کا راستہ ضرور نکالے گا"۔ اور حضرت ابوجندل اپنے کافر و مشرک باپ سہیل بن عمرو عامری کی قید میں دوسرے کی مسلمانوں کی طرح ظلم و ستم اٹھانے کے لیے چلے گئے تھے۔ حضرت ابوجندل صلح حدیبیہ کے لکھے جانے سے قبل بیڑیاں میں جکڑے

مسلمانوں میں پہنچ گئے تھے مگر معاہدہ کی رُو سے ان کو دل پر جبر کر کے واپس کرنا پڑا تھا۔ اور حضرت عمر اسی پر بے تاب ہو گئے تھے۔

(۲،۲) ابن اسحاق، ص ۸ - ۷۰۰ کے مطابق حضرت ابوبصیر کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بھی مکہ کے مسلمان گرفتاران بلا میں سے ایک تھے لیکن وہ کسی طرح مکہ سے نکل بھاگے اور مدینہ پہنچے۔ ازہر بن عبد عوف اور اخنس بن شریق نے بنو عامر بن لوی کے ایک شخص اور ایک آزاد غلام کو خط دے کر خدمت نبوی میں بھیجا اور ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ معاہدہ سے مجبور ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس مکہ جانے کا حکم دیا اور تشفی دی کہ "خدا ان جیسے مجبوروں اور بے کسوں کی نجات کی کوئی سبیل نکالے گا۔" اور ان کے احتجاج کے باوجود ان کو مکہ والوں کے حوالے کر دیا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت ابوبصیر نے عامری کی تلوار کی تیزی اور کاٹ کی تعریف کی اور اس پر ترکیب سے قبضہ کر لیا۔ اور پھر ایک ہی وار میں عامری کا سر تن سے جُدا تھا اور آزاد کردہ غلام لرزاں و ترساں مدینہ خدمت نبوی میں پہنچا اور اس کے پیچھے پیچھے حضرت ابوبصیر بھی۔ رسالت مآب کی سرزنش کہ "تم نے جنگ بھڑکا دی ہوتی اگر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوتے" سے حضرت ابوبصیر نے سمجھ لیا کہ وہ پھر مکہ واپس بھیجے جائیں گے چنانچہ وہ یہ کہہ کر کہ "آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا مگر میں نے اپنی حفاظت خود کر لی۔" چپکے سے العیص کے علاقے کی طرف نکل گئے اور وہیں شاہراہ تجارت کے قریب پڑاؤ ڈال دیا جس سے مکی کاروان شام کو جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ مکی مسلمانان ابتلاء بھی مکہ سے نکلتے اور حضرت ابوبصیر کے پاس جمع ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد ستر کے قریب ہو گئی۔ انھوں نے قریشی کاروانوں کو اتنا پریشان کیا کہ خود قریش مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو مدینہ واپس بلا لینے کی درخواست کی۔ اور اس طرح معاہدہ حدیبیہ کی وہ شرط جو مسلمانوں پر انتہائی شاق گزری تھی کالعدم قرار پائی۔

مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹ ۵ نے حضرت ابوبصیر کے قیام العیص کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرفِ نظر یا باقاعدہ حوصلہ افزائی کا نتیجہ قرار دیا ہے اور بلاشبہ یہ تاثر ابن اسحاق کے ایک جملہ سے ملتا ہے۔ تاہم دو اہم تر سوال پیدا ہوتے ہیں جن سے واٹ نے بحث نہیں کی ہے۔ اوّل یہ کہ مکی سرداروں نے ابوبصیر کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کی تھی یا دوسرے یہ کہ انھوں نے دیت کا مطالبہ کیوں نہیں کیا تھا؟ ابن اسحاق ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ عامری مقتول کے خون بہا کو حاصل کرنے کی کوشش خود سہیل بن عمرو نے کی تھی مگر غالباً اس کو مکہ کے سرداروں خصوصاً ابوسفیان بن حرب کا تعاون و حمایت نہیں ملی تھی۔ دُوسرے یہ کہ قانوناً مکہ والے دیت کا یا حضرت ابوبصیر کی واپسی کا مطالبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کر سکتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکہ کے ستر مسلمان جو عیص میں اس طرح قریشی کاروانوں کے لئے بلائے ناگہانی و بے درماں بن گئے تھے سب کے سب قدیم گرفتار شدہ یا مقید مکی نہیں تھے۔ زیادہ تر ایسے رہے ہوں گے جو اسی زمانے میں مسلمان ہوئے اور چونکہ ان کو خوف تھا کہ ان کے رشتہ دار ان کی واپسی کا مطالبہ کریں گے اس لیے انھوں نے مدینہ کے بجائے ہجرت عیص کو کی۔ چونکہ اسی زمانے میں مکہ کے بعض سربرآوردہ اور عظیم خاندانوں کے افراد نے بھی اسلام قبول کر کے مدینہ کی راہ لی تھی اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ والوں نے معاہدہ حدیبیہ کی اس شق کو کالعدم کرنا ہی مناسب سمجھا تھا کیونکہ مکہ کے کس کس فرد کو وہ اسلام سے روکتے یا مدینہ سے واپس بلاتے۔ نیز ملاحظہ فرمائیے: واقدی، ص ۲۹-۶۲۴؛

طبری، دوم، ص ۳۹ - ۶۳۸ -

(۲۷۲) حضرت ام کلثوم اموی کا اسلام اور ان کی مہاجرت اسلام کی اثر پذیری کی ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی تھیں۔ حدیبیہ کے زمانے میں وہ مسلمان ہوئیں یا اس سے قبل مسلمان ہو چکی تھیں مگر اسی زمانے میں انھوں نے یکہ و تنہا مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ مکہ سے باہر نکلی ہی تھیں کہ ایک عرب کی مل گیا جس کی غیرت و حمیت نے ایک عورت کو تنہا سفر کرنے دینے کی اجازت نہ دی اور وہ ان کو بصد عزت و احترام مدینہ پہنچا کر واپس مکہ چلا گیا۔ ان کے گھر والوں کو جب معلوم ہوا تو اُنھوں نے ان کے دو بھائیوں ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ کو واپس لانے کے لیے مدینہ بھیجا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ حجرات میں حکم خداوندی کے مطابق مومن و مہاجر عورتوں کو کافروں میں واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے بھائی ناکام مکہ لوٹ گئے۔ اس طرح اس شق کا ایک حصہ یُوں کالعدم ہوا۔ مگر اس سے زیادہ حیرت انگیز ہے مکّی رد عمل۔ مآخذ سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ اس شق کے سلسلے میں انہوں نے کوئی احتجاج کیا ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود مکیوں کو بھی اس شق کے کم از کم غیر انسانی ہونے کا احساس تھا اور اسی لیے اس پر انھوں نے مزید احتجاج بے سُود سمجھا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۰۹-۵۱۰؛ واقدی، ص ۶۲۹-۶۳۰؛ زبیری، ص ۱۴۵؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۲۳۰-۲۳۱؛ ابن حزم، جوامع السیرۃ (مصر غیر مورخہ) ص ۲۱۱؛ ابن اثیر، الکامل، بیروت ۱۹۶۵ء، اوّل، ص ۲۰۶- تفصیلات کے لیے دیکھئے خاکسار کی کتاب "حضرت ولید بن عقبہ اموی ——— حیات و شخصیت" (زیر طبع)، باب اول۔

(۲۷۳) یعنی معاہدہ کی دوسری شرط۔

(۲۷۴) حضرت عمر بن خطاب کا سریہ تربہ جو محض تیس سپاہیوں پر مشتمل تھا اور شعبان ۷ھ / دسمبر ۶۲۸ء میں بھیجا گیا تھا۔ اور جس کی حیثیت محض ایک گشتی دستے سے زیادہ نہ تھی۔ ملاحظہ کیجئے ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۰۹؛ واقدی، ص ۷۲۲؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۱۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹؛ اور طبری، سوم، ص ۲۲- بلاذری کے مطابق مفسدوں کا تعلق بنو جشم بن معاویہ بن بکر، بنو نصر بن معاویہ بن بکر، سعد بن بکر اور ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن سے تھا۔ ان کو عجزِ ہوازن کہا جاتا تھا جو دراصل ہوازن کی تلچھٹ تھے (لسان العرب، لفظ عجز)۔ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۷ کے مطابق تربہ ایک مقام کا نام تھا جو عبلاء کے نواح میں مکہ سے چار دن کی مسافت پر صنعاء اور نجران کو جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔

(۲۷۵) حضرت ابوبکر صدیق اسی زمانے میں نجد کے علاقے ذریّہ کی جانب ایک گشتی دستہ لے کر گئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن سعد دوم، ص ۱۱۷-۱۱۸؛ واقدی، ص ۷۲۲؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۹؛ طبری، دوم، ص ۶۴۳؛ بخاری، کتاب المغازی۔

(۲۷۶) حضرت شجاع بن وہب اسدی کا سریہ بنو عامر بن ہوازن کے خلاف ربیع الاول ۸ھ / جولائی ۶۲۹ء میں۔ ابنِ سعد کے مطابق یہ علاقہ مادن سے پرے رکبہ کے نواح میں مدینہ سے پانچ راتوں کی مسافت پر واقع تھا۔

ملاحظہ ہو ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۷ ؛ واقدی، ص ۵-۵۲۷ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۸۰ ؛ طبری، سوم، ص ۲۹ -

(۲۷۷) ابنِ ہشام، دوم، ص ۱۲-۶۱۱ ؛ واقدی، ص ۲۳۷ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۰ ؛ طبری، سوم، ص ۲۲ -

(۲۷۸) ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۲ ؛ واقدی ۲۶-۷۲۳ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۶ ؛ طبری، سوم، ص ۲۲ -

(۲۷۹) ابن ہشام، دوم، ص ۱۲-۶۱۱ ؛ واقدی، ص ۳۱-۷۲۷ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۰ ؛ طبری، سوم، ص ۲۳ -

(۲۸۰) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول -۱- امرا، سرایائے نبوی (۲۸۱) ایضاً

(۲۸۲) ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۱ ؛ واقدی، ص ۳-۷۵۲ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۲۸-۲۷ ؛ طبری سوم، ص ۲۹ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۰ نے اس مہم کی نوعیت کو نہیں سمجھا ہے -

(۲۸۳) ابنِ اسحاق، ص ۹-۵۳۱ ؛ ابنِ ہشام، ص ۳۵۹ اور ۳۷۱ اور ۶۲۱ ؛ واقدی، ص ۶۹-۷۵۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۸-۳۰ ؛ طبری، سوم، ص ۳۶-۴۲ ؛ بخاری، باب فی الجنائز، کتاب المغازی، غزوہ موتہ - نیز ضمیمہ اول -۱-

اس مہم کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے تین سالار بیک وقت نامزد فرمائے تھے - اول حضرت زید بن حارثہ تھے اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت جعفر بن ابی طالب کو امارت سنبھالنی تھی اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی کو۔ اتفاق یہ کہ تینوں امیران سریہ یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور مسلمانوں کو اپنے سے کئی گنا زیادہ رومی لشکر کے سامنے پسپا ہونا پڑا۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی نے اس مہم میں جو فوجی کارنامہ انجام دیا اس پر اور اس کے علاوہ دوسری تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے باب سوم، بحث بر امیران سرایا۔

مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳-۵۴ پر غزوہ موتہ کو نہ صرف "پراسرار شمالی پالیسی" کا حصہ بتایا ہے بلکہ اس کو بجائے خود "سربستہ راز" قرار دیا ہے۔ واٹ کو خود اعتراف ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار پر مشتمل اسلامی لشکر کو موتہ کے علاقے میں اس لیے بھیجا تھا کہ سفیر نبوی حضرت حارث بن عمیر ازدی کے قتل کا قصاص لینے کے لیے بصریٰ کے حاکم شرجیل بن عمرو غسانی کے خلاف بھیجا تھا۔ معان میں مسلم سالاروں کو ایک بازنطینی لشکر جرار جس میں شمالی سرحد کے متعدد قبائل بھی شامل ہوئے تھے کے آنے کی خبر مل گئی تھی لیکن پھر بھی انھوں نے دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور موتہ جا پہنچے جہاں یہ عظیم معرکہ برپا ہوا۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد کردہ تینوں سالاروں کی شہادت کے بعد حضرت ثابت بن اقرم اور حضرت خالد بن ولید مخزومی نے منتشر مسلم لشکر کو از سرِ نو ترتیب و تنظیم دے کر مقابلہ کیا اور کچھ مزید مقابلے کے بعد مسلم سپاہ پسپا ہو گئی۔ ایک روایت کے مطابق مسلم لشکر نے بازنطینی لشکر کو فرار پر مجبور کر دیا۔

اس قدر اعتراف کرنے کے بعد یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ واٹ کو اس غزوہ میں کیا "راز" یا "عقدہ" نظر آتا ہے ؛ واٹ موتہ کے قصے کو بہت زیادہ گھڑا ہوا سمجھتے ہیں اور اس میں متعدد تضادات اور الجھنیں پاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا سب سے بڑا شبہ و اعتراض یہ ہے کہ یہ سارا قصہ حضرت خالد کو مطعون کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے۔ اور حضرت زید

جعفر اور عبداللہ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نامزدگی بھی اس بنا پر گھڑی گئی ہے کہ حضرت خالد کو بلا اجازت نبوی یا غیر قانونی طور پر قیادت و کمان سنبھالنے کا مجرم قرار دیا جائے۔ پھر حضرت ثابت بن اقرم نے حضرت خالد کو کمان سنبھالنے پر جو اصرار کیا تھا اس کو مستشرق موصوف حضرت خالد کو مطعون کرنے والی روایت کا تریاق یا ردِّ عمل بتاتے ہیں۔ پھر حضرت خالد کے مدینہ پہنچنے پر مدینہ کے کچھ لوگوں نے ان پر اور مسلم لشکر پر کنکریاں پھینکیں، بُرا بھلا کہا اور بزدلی کے طعنے دئے تھے۔ اس کو بھی وہ حضرت خالد کے مدینہ واپس آنے کے فیصلے کو ہدفِ ملامت بنانے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مورخ موصوف بازنطینی لشکر کے ایک لاکھ سپاہ پر مشتمل ہونے کی روایت کو حضرت خالد کے دفاع میں گھڑی جانے والی روایت تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خالد کے خلاف منافرت اور دوسرے امراد یا ایک خاندان کے امیر کی تعریف و توصیف کے مبالغہ کو نکالنے کے بعد صرف تین نکات یقینی طور پر ان کے نزدیک رہ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :

۱۔ دشمن سے کچھ تصادم۔

۲۔ حضرات زید، جعفر، عبداللہ وغیرہ سمیت کچھ لوگوں کی شہادت (زیادہ مسلمان شہید نہیں ہوئے تھے)۔ اور

۳۔ مسلم لشکر کا حضرت خالد کی کمان میں مدینہ واپس ہونا۔

باقی نکات کو وہ غیر یقینی اور راز سربستہ سمجھتے ہیں اور معدودے چند مسلم مقتولوں کی تعداد کے پیش نظر ان کا خیال ہے کہ تصادم پُوری بازنطینی فوج کے بجائے صرف اس کے ایک حصہ سے ہوا ہوگا۔ ورنہ کسی بڑے تصادم کی صورت میں مسلمان مقتولین کی تعداد آٹھ یا بارہ سے جیسا کہ واقدی اور ابن ہشام کے بیان سے بالترتیب معلوم ہوتا ہے کہیں زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ اس لیے یہ محض معمولی جھڑپ تھی۔ موصوف کو ایسی معمولی جھڑپ میں فوج کے سالارِ اعلیٰ اور ان کے دو عظیم ترین رفقاء کی شہادت بھی ناقابلِ تصور معلوم ہوتی ہے اگرچہ وہ عرب انداز و طریق جنگ میں ایسا ہونا ناممکن بھی نہیں سمجھتے۔ ممکن ہے کہ اس جھڑپ میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا ہو ورنہ مسلمانوں کا نقصان بہت زیادہ ہوا ہوتا۔ واٹ نے مسلم لشکر کی مدینہ واپسی کا سبب نہ دشمن کا خطرہ سمجھا ہے نہ بزدلی کو، بلکہ مرکز سے زیادہ دنوں تک غیر حاضری کو اور کسی حد تک ممکن ہے کہ حضرت خالد کی مہم کے صحیح مقاصد سے لاعلمی بھی اس کی ذمہ دار رہی ہو۔ موصوف کا خیال ہے کہ حضرت زید کو جو ہدایات نبوی ملی تھیں وہ بعد کی گھڑی ہوئی ہیں۔ بہرحال واٹ اس کے قائل ہیں کہ اس مہم سے مسلمانوں کی طاقت کا احترام بڑھا ہوگا، اگرچہ سالارِ اعلیٰ کے قتل کا بعض لوگوں پر بُرا اثر بھی پڑا ہوگا۔

غزوۂ موتہ کے بارے میں مونٹگمری واٹ کی پُوری بحث اندرونی تضادات سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں اس پُورے بیان کا تنقیدی جائزہ لینا ممکن نہیں ہے تاہم چند اہم نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اوّل : حضرت خالد بن ولید مخزومی کو مطعون کرنے کے لیے روایات گھڑنا اور پھر ان کے دفاع میں روایات اختراع کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ ایک ہی قسم کی روایت میں یہ دونوں عناصر نہیں پائے جا سکتے۔ دوسرے یہ کہ تمام روایات

یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت خالد کا انتخاب کمانداروں کی شہادت کے بعد خود مسلم فوج نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایسے کسی مرحلے پر جب پوری فوج کی زندگی معرضِ خطر میں ہو سالار کی قیادت کا انتخاب نہیں کیا جاتا بلکہ زندہ قومیں اور فوجیں خود ایسے افراد رکھتی ہیں جو کسی نازک مرحلے پر قیادت سنبھال لیتے ہیں۔ مآخذ سے کسی طرح یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت خالد کے اعلیٰ کمان سنبھالنے کو خود جناب رسالت مآب نے یا مدینہ کے مسلمانوں نے "غیر قانونی یا غیر دستوری" قرار دیا ہو بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف حضرت خالد کی فہم و فراست کی طرفداری کی تھی بلکہ ان کو سیف اللہ کا خطاب اسی موقعہ پر عطا فرمایا تھا۔ مدینہ کے لوگوں کا سخت ردِ عمل محض حضرت خالد کے خلاف نہیں تھا بلکہ پوری فوج کا تھا اور یہ فطری جذبہ یا ردِ عمل تھا جب ان کو معلوم ہوا کہ فوج نے فرار کی راہ اختیار کی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرار نہیں حکمت عملی سمجھا تھا اور آپ کے تبصرے نے ہی لوگوں کو مطمئن کیا تھا اور پوری فوج کو تسلی دی تھی۔ چنانچہ یہ کہنا کہ حضرات زید، جعفر اور عبداللہ کی نامزدگی کی کہانی گھڑی ہوئی ہے اور حضرت خالد کو مطعون کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے بالکل صحیح نہیں ہے۔ دراصل مستشرقین میں سے اکثر و بیشتر اس خیال کے کہ ہمارے مآخذ حضرت خالد کے خلاف ہیں اس قدر حامی ہیں کہ ان کو ہر چیز میں حضرت خالد کی مخالفت نظر آنے لگتی ہے۔

دوم یہ کہ یہ معمولی جھڑپ تھی اور زیادہ سنگین معرکہ نہیں تھا محض اس لیے کہ مسلمان مقتولین کی تعداد بہت کم گنائی گئی ہے صحیح نہیں ہے۔ ابنِ اسحاق، ابن ہشام اور واقدی وغیرہ نے جن مسلمان شہدا کے نام گنائے ہیں وہ اہم ترین لوگ تھے۔ پھر ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی کل مقتولین کی تعداد نہیں تھی۔

سوم یہ کہ ممکن ہے کہ رومی فوج اتنی زیادہ نہ رہی ہو اور اس کی تعداد میں مبالغہ رہا ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ مسلم لشکر سے کئی گنا بڑی تھی اور اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے جگری نے یقیناً اچھا اثر ڈالا ہوگا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اس کثیر تعداد نے مسلمانوں کی پسپائی کی صورت میں ان پر عقب سے حملہ کیوں نہیں کیا اور کیونکر ان کو میدانِ جنگ سے اس طرح پسپا ہونے دیا۔

چہارم یہ تصور کہ حضرت خالد جیسے شخص کو مہم کے مقصد کا علم نہ رہا ہو صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو نہ حضرت خالد کی شخصیت سے واقف ہو، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب و تنظیم سرایا کی نوعیت سے نہ تاریخی عناصر و واقعات سے۔ اس سے بڑھ کر کور دیدہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ جہاں تک اس مہم میں لگنے والے وقت کا سوال ہے دو ماہ سے کم کی مدت لگی تھی۔

پنجم یہ کہ خود واٹ کو اعتراف ہے کہ اس مہم سے مسلمانوں کی قدر و منزلت بڑھی تھی اور فوجی حیثیت کو احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا۔ اب آخر میں یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اس مہم میں کیا چیز سربستہ راز یا پُراسرار ہے؟

غزوۂ موتہ پر عمدہ بحث کے لیے دیکھئے سید سلیمان ندوی کا تبصرہ و حاشیہ سیرت النبی، اوّل، ص ۵۰۷-۸، حاشیہ ۴ جو انھوں نے بخاری، غزوہ موتہ کی بنیاد پر تحریر کیا ہے۔

(۲۸۴) ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۲۳؛ واقدی، ص ۷۴۰-۷۶۹؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۱؛ طبری، دوم، ص ۲-۱۳۱؛ نیز ملاحظہ کیجیے اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۸-۱۱۵۔

(۲۸۵) ایضاً (۲۸۶) ایضاً؛ نیز باب دوم، بحث بر اسلام قبائل متعلقہ۔

(۲۸۷) فتح مکہ کے حالات کے لیے ملاحظہ کیجیے ابن اسحاق، ص ۵۴۰-۵۶۵؛ واقدی، ص ۷۸۰-۸۷۱؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۵۴-۱۴۴؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۵۳-۳۶۴؛ طبری، سوم، ص ۴۲-۶۹۔

(۲۸۸) ملاحظہ کیجیے باب چہارم: بحث بر والیانِ نبوی۔

(۲۸۹) ابن اسحاق، ص ۵۶۶، ۸۷؛ ابن ہشام، دوم، ص ۸۷-۴۷۷؛ واقدی، ص ۸۸۵-۹۲۲؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۵۹-۱۴۹؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۶۴-۶۶؛ طبری، سوم، ص ۷۰-۷۹؛ نیز ملاحظہ کیجیے: بخاری، کتاب الجہاد، غزوہ حنین؛ مسلم، غزوہ حنین؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۵۳۰-۴۰، نے ابتدائی ہزیمت کی ذمہ داری سراسر مکہ کے نومسلموں پر جن کو عام طور سے طلقاء کہا جاتا ہے، ڈالی ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ سید سلیمان ندوی نے بھی ص ۵۴۳-۴۴ پر اپنے حواشی میں انھیں طلقاء کو شکست کا پورا الزام دیا ہے اور کثرت سے مفسرین، محدثین اور راویوں کی آراء اپنے دلیل و دعویٰ کے ثابت کرنے میں نقل کی ہیں۔ لیکن تاریخی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ جس نے پہلے پیٹھ دکھائی اور فرار حاصل کیا تھا وہ حضرت خالد کی کمان میں بنو سلیم کا شہسوار دستہ تھا جو نو سو یا کچھ زیادہ پر مشتمل تھا۔ ان کا فرار کسی بزدلی یا دون ہمتی یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے یا منافقت کے سبب نہ تھا جیسا کہ سید صاحب موصوف نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بنیادی طور پر یہ جنگی اور تکنیکی ہزیمت تھی۔ چونکہ دشمن پہلے سے وادی کے دروں اور غاروں میں چھپ گیا تھا اور مسلم فوج کے مقدمہ پر اس نے اچانک تیر اندازی کرنی شروع کر دی تھی اس لیے ان کے قدم نہ ٹک سکے تھے۔ قرآن کریم کی آیات (سورہ توبہ ع ۴) واضح طور سے فرار کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر ڈالتی ہیں اور اس کو مسلمانوں کی نازش بے جا کا عمل مکافات قرار دیتی ہیں۔ قرآن مجید نے کسی ایک خاص طبقۂ مسلم کو اس کا ذمہ دار نہیں قرار دیا ہے۔ دوسری اہم چیز یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرار کے لیے کسی کو بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی فرد یا طبقہ کو خاص کیا تھا۔ اس لیے فرار کی ذمہ داری صرف طلقاء یا نو مسلمانانِ مکہ پر ڈالنا نہ صرف صریح زیادتی ہے بلکہ قرآن کریم کی واضح آیات کے خلاف ہے۔ مسلمان مورخین، محدثین اور مفسرین کو دراصل مسلمانوں کی اور وہ عہد نبوی کے مسلمانوں کی شکست و ہزیمت شاق گزرتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے لیے صرف فتح بنی تھی۔ یہی رویہ یا طرزِ فکر ہے جس نے ہمیشہ ان کو ہر شکست کے موقع پر "قربانی کے بکرے" تلاش کرنے پر اکسایا ہے اور اسی بنا پر انھوں نے حنین کی ابتدائی شکست کا الزام طلقاء کے نام لکھ دیا ہے۔ اس سے پہلے اور اس سے زیادہ سنگین ہزیمت اُحد کے میدان میں ہو چکی تھی، وہاں نہ تو منافقین تھے نہ غیر راسخ مسلمان نہ طلقاء۔ پھر کون ذمہ دار تھا؟

(۲۹۰) ابن اسحاق، ص ۵۹۲ کے مطابق چھ ہزار عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے تھے، اور بھیڑ بکری اور اونٹ کی تعداد

بے شمار تھی۔ واقدی، ص ۹۵۰ کا بیان ہے کہ ہوازن کے مسلمانوں کا ایک وفد جو ۲۴ آدمیوں پر مشتمل تھا خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور آپ کے لطف و کرم، عفو و حلم اور رحمت و رافت کا واسطہ دے کر "اپنی خالاؤں، پھوپھیوں اور رضاعی ماؤں، جنھوں نے آپ کی بچپن میں دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت کی تھی، کو رہا کرنے کی درخواست کی" یہ اصل میں بنو سعد بن بکر کے قیدیوں کی جانب حوالہ تھا جو آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کا گھرانا تھا۔ انھیں قیدیوں میں آپ کی رضاعی بہن شیماء بھی تھیں۔ وہ جب خدمت نبوی میں لائی گئیں تو آپ نے ان کو شناخت کر لیا اور ان کا اعزاز و اکرام کیا۔ دل کو چھو لینے والے مناظر، اپنے رضاعی رشتہ داروں کی حالت زار، قبیلۂ ہوازن کے مسلمانوں کی درد بھری درخواست اور ان سب سے بڑھ کر آپ کی فطری رحمت و رافت کا تقاضا تھا کہ ان قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے خاندان بنو عبدالمطلب کے حصہ آنے والے قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا اور مسلمانوں سے اپنے اپنے قیدیوں کو رہا کرنے کی درخواست کی۔ آپ کا حکم اور مثال نے مسلمانوں کو قیدیوں کے رہا کرنے پر آمادہ کر دیا اور چند گھنٹوں میں تمام قیدی آزاد تھے۔ مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ہزارہا ہوازن کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان واقعات و حقائق کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۹۴ - ۵۹۲؛ واقدی، ص ۹۵۰ - ۹۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۴ - ۱۵۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۶؛ طبری، سوم، ص ۸۶ - ۸۰؛ بخاری، غزوۂ حنین؛ مسلم، غزوۂ حنین؛ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، مذکورہ بالا۔

(۲۹۱) ہوازن کی شکست خوردہ فوج نے حنین سے بھاگ کر طائف میں پناہ لی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دنوں کے محاصرہ کے بعد جعرانہ میں قیام کیا جہاں ثقیف کے ایک وفد نے صلح کی گفتگو کی تھی۔ ملاحظہ کیجیے: بلاذری، فتوح البلدان، ص ۹۷؛ نیز دیکھیے: ابن اسحاق، ص ۹۲ - ۵۸۷؛ واقدی، ص ۳۷ - ۹۲۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۰ - ۱۵۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۷ - ۳۶۶؛ طبری، سوم، ص ۸۵ - ۸۲۔ یہ تمام مورخین جعرانہ میں آنے والے ثقفی وفد کی آمد کا ذکر نہیں کرتے ہیں لیکن دوسری تفصیلات میں وہ بلاذری کے بیان کی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ طائف کی مہم کے لیے بخاری و مسلم وغیرہ کی کتب احادیث بھی ملاحظہ کیجیے۔

(۲۹۲) اصنام عرب کو توڑنے کے لیے جو مہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجی تھیں وہ حسب ذیل تھیں:

(ا) حضرت خالد بن ولید مخزومی نے تیس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ نخلہ میں نصب عزیٰ کا بت توڑا تھا۔

(ب) حضرت عمرو بن عاص سہمی نے بنو ہذیل کا بُت سواع جو ینبوع کے اطراف رہاط میں تھا خاک میں ملایا تھا۔

(ج) حضرت سعد بن زید اوسی نے ازد، غسان، اوس و خزرج کے بت مناۃ کو مشلل میں جا کر توڑا تھا۔

(د) حضرت ابو سفیان بن حرب اموی اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے لات کے بت کو توڑا اور اس کے مندر کو ڈھایا تھا۔

(ہ) حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اپنے قبیلہ کے بُت ذو الکفین کو توڑا تھا۔

(س) حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے اپنے قبیلہ کے بُت کو جو ذو الخلصہ میں نصب تھا شکست کیا تھا۔

ان کے علاوہ چھوٹی موٹی اور مہمیں بھی ممکن ہے بھیجی گئی ہوں۔ ان مہموں کے حوالوں اور مآخذ کے لیے ملاحظہ کیجیے ضمیمہ اول - ا؛

نیز دیکھیے، شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۹ - ۵۲۷؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۹۔

(۲۹۳) ابن اسحاق، ص ۶۲۸ وغیرہ؛ ابن سعد، اول، ص ۲۹۱ - ۳۶۰؛ طبری، سوم، ص ۱۱۱ - ۱۱۹؛ بخاری، وفود عرب کے مختلف ابواب جیسے وفد بنی تمیم، وفد بنی حنیفہ، وفد اہل نجران، قدوم الاشعریین وغیرہ۔ نیز ملاحظہ کیجئے: باب دوم، بحث بر وفود عرب۔

(۲۹۴) ابن سعد، اول، ص ۲۹۱ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا وفد عرب قبیلہ مزینہ کا تھا جو ۵ھ / ۶۲۶ء میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ وفود کی آمد اس سے بھی پہلے شروع ہو گئی ہو جیسا کہ بعض شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض بدوی قبائل کے وفود ہجرت کے فوراً بعد آنے لگے تھے۔ ابن اسحاق نے بعض وفودِ عرب کا ذکر مکی زمانے میں بھی کیا ہے ملاحظہ ہو: ص ۱۷۹، ۲۷۰ وغیرہ۔

(۲۹۵) طبقات، اوّل، ص ۲۹۱ - ۳۶۰ - وفودِ عرب کی تعداد ہر سیرت نگار و مورخ کے یہاں مختلف ہے۔ بعض مورخین صرف چند وفود کا ذکر کرتے ہیں اور بعض دوسرے کچھ بڑی تعداد کا۔ ابن سعد کی ذکر کردہ تعداد بھی آخری نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وفاداری اور خلوص کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کا وفد مدینہ آیا۔ بقول ابن قیم کے مدینہ میں اتنے ہی وفد آئے جتنے کہ عرب کے قبیلے تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنے وفودِ عرب آئے جتنے کہ قبائل عرب اور ان کے بڑے آزاد خاندان تھے جو عملی لحاظ سے خود قبیلہ بن چکے تھے۔

مغربی مورخین اور سیرت نگار خاص طور سے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹، اور باب چہارم مکمل، اس خیال کے حامی ہیں کہ قبائل عرب کے اس سرعت کے ساتھ اور اتنی بڑی تعداد میں وفودِ عرب کی آمد میں ماٰخذ نے بہت مبالغہ کیا ہے لہذا وہ نہ تو یہ مانتے ہیں کہ تمام قبائل عرب نے عہد نبوی میں اسلام قبول کیا تھا اور نہ ہی اسلامی ریاست کی سیاسی بالادستی۔ بلکہ بہت سے قبائلِ عرب مدینہ کے خلاف تھے حتیٰ کہ بہت سے ان قبائل نے جنھوں نے کسی نہ کسی وجہ سے اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کر لی تھی۔ عہد نبوی کے اواخر اور عہدِ صدیقی کے اوائل میں مدینہ سے منحرف ہو گئے تھے اور ان کو طاقت کے ذریعہ اسلامی ریاست کا مطیع اور اسلام کا ماننے والا بنایا گیا تھا۔ اس خیال پر مزید بحث و تبصرہ کے لیے ملاحظہ کیجیے باب دوم — بحث بر اسلام قبائل عرب۔

(۲۹۶) تفصیلات کے لیے دیکھیے باب دوم — بحث بر اسلام قبائل عرب۔

(۲۹۷) مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے بنو مدلج، بنو ضمرہ، جُہینہ، مُزینہ، اسلم و غفار وغیرہ سے؛ محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، ص ۸۰ - ۱۵۱ وغیرہ؛ نثار احمد فاروقی، الرسالات النبویہ، نقوش، رسول نمبر جلد دوم، ص ۲۳۹، ۲۴۴ وغیرہ۔

(۲۹۸) مثلاً مقابلہ و موازنہ کیجیے رسالاتِ نبوی کا جو قبائل عرب جیسے اہلِ یمن، ہجر، نجران وغیرہ سے کئے گئے۔ محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۰ - ۵۶ وغیرہ؛ نثار احمد فاروقی، الرسالات النبویہ، مذکورہ بالا، ص ۴۳ - ۲۲۵ وغیرہ۔

(۲۹۹) واقدی، ص ۷۵۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۸ ؛ بخاری، غزوہ موتہ ۔ موتہ کے لیے ملاحظہ کیجئے : معجم البلدان ، چہارم ، ص ۶۳۹ ؛ فلپ کے حتی ، ہسٹری آف سیریا ، لندن ۱۹۵۱ء ، ص ۴۰۹ وغیرہ ۔

(۳۰۰) ابن اسحاق ، ص ۹ ـ ۶۶۸ ؛ ابن ہشام ، دوم ، ص ۶۲۳ ؛ واقدی ، ص ۷۰ ـ ۷۶۹ ؛ ابن سعد ، دوم ، ص ۱۳۱ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۸۰ ـ ۳۸۰ ؛ طبری ، سوم ص ۳۲ ـ ۳۱ ـ یہ مہم سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور و معروف ہے ۔ سلاسل نامی مقام مدینہ سے دس دن کی مسافت پر واقع ہے اور بلاذری کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس علاقے میں بعض اہم شمالی قبائل جیسے بلی ، عذرہ ، لخم ، جذام ، قضاعہ اور عاملہ وغیرہ بستے تھے ۔

اس مہم کے بارے میں جو تفصیلات ابن سعد نے فراہم کی ہیں وُہ کافی اہم اور وقیع ہیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں اسلامی ریاست کا اقتدار کہاں تک وسیع ہو چکا تھا ۔ ابن سعد کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی روانگی سے قبل معمول کے مطابق حضرت عمرو بن عاص سہمی امیرِ سریہ کو ہدایات دیں ۔ من جملہ ایک ہدایت یہ تھی کہ وُہ جب قبائل بلی ، عذرہ اور بلقین کے علاقے سے گزریں تو ان سے مدد و اعانت طلب کریں کیونکہ وُہ حضرت عمرو بن عاص کی والدہ کے خاندان کے لوگ تھے اور اس طرح ان سے اعانت غیر متوقع نہ تھی ۔ بہرحال اس مہم نے بلی کا علاقہ اپنے مکمل قابو میں کر لیا ۔ اس کے بعد اس نے اس قبیلہ کے خطے سے گزرنا اور قبضہ کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وُہ ان کے آخری سرے تک پہنچ گئی اور کسی قدر عذرہ اور بلقین کے علاقے پر بھی اقتدار قائم کر دیا ۔ آخر میں ان کا مقابلہ شمالی عرب کے بعض دشمن اور مخالف قبائل کے ایک لشکر سے ہوا جو ایک ہلکی سی جھڑپ کے بعد پسپا ہو گئے ۔ ان کو اس کے بعد ایک زبردست شکست ہوئی اور وہ منتشر ہو گئے ۔ اس بیان سے کم از کم دو اہم نکات نکلتے ہیں ۔ اوّل یہ کہ بلی ، عذرہ اور بلقین کے قبائل میں مسلمانوں اور اسلامی ریاست کے کچھ ہمدرد اور متفقین موجود تھے جن سے فوجی امداد کی توقع کی گئی تھی ۔ دوم یہ کہ یہ پورا علاقہ اسلامی ریاست کے زیرِ اثر کم سے کم آگیا تھا اگرچہ اس پر اسلامی ریاست کا مکمل قبضہ نہیں ہوا تھا ۔ اس حقیقت کی تائید ان تاریخی حقائق سے ہوتی ہے کہ جن کے مطابق بلی ، عذرہ ، جذام ، سعد ہُذیم ، بہراء وغیرہ کے قبائل کے وفود پہلے ہی مدینہ آ چکے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی اور تعاون کے معاہدے کر چکے تھے ۔ ملاحظہ کیجئے ابن سعد ، اول ، ص ۳۲ ، ۳۲۹ اور ۵۵ ـ ۳۵۴ وغیرہ ؛ مجموعۃ الوثائق ، ص ۵۹ ـ ۱۵۲ ؛ مزید دیکھیے : مونٹگمری واٹ ، محمد ایٹ مدینہ ، ص ۱۶ ـ ۱۰۶ ۔

(۳۰۱) تبوک سے پہلے اور سریہ ذات السلاسل کے بعد صرف دو مختصر اور غیر اہم سرایا بھیجے گئے تھے ۔ ان میں سے ایک ابو قتادہ ربعی کا آٹھ نفری دستہ تھا جو بطن اضم کی طرف بھیجا گیا تھا ۔ یہ مقام مدینہ سے تین برد کے فاصلے پر تھا ۔ اور یہ ایک طلیعہ تھا جس کا مقصد مکہ والوں کو فتح مکہ کے منصوبے سے تاریکی میں رکھنا تھا ۔ ملاحظہ کیجئے ابن سعد ، دوم ، ص ۱۳۳ ؛ واقدی ، ص ۷۷۸ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۳۸۱ ؛ طبری ، سوم ، ص ۶ ـ ۳۵ ۔ اور دوسرا حضرت عکاشہ بن محصن کا سریہ تھا جو تبوک سے قبل عذرہ اور بلی کے علاقے میں بھیجا گیا تھا ۔ یہ بعض شرپسندوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے

کہ یہ ایک تبلیغی مشن تھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۶۴۔

(۴۰۲) بلقاء، شام میں بازنطینی سلطنت کی ایک اہم سرحدی چوکی تھی۔ ملاحظہ ہو: معجم البلدان، اول، ص ۷۲۶؛ ابن اسحاق، ص ۱۰۴؛ حتی، تاریخ شام، مذکورہ بالا، ص ۳۰۴۔

(۴۰۳) واقدی، ص ۹۹۰؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۶۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، ص ۷۱۔

(۴۰۴) واقدی، ص ۹۹۰ - ۹۸۹ کا بیان ہے کہ ساقطہ یا انباط (یعنی شامی تاجروں) کا مسلسل مدینہ آنا جانا ہوتا رہتا تھا۔ ان کے جزیرہ نمائے عرب بالخصوص مدینہ وغیرہ سے تجارتی تعلقات زمانۂ جاہلیت سے قائم تھے۔ ان کے اشیائے تجارت میں گیہوں کے عمدہ آٹے اور زیتون کے تیل وغیرہ شامل تھے جن کی مدینہ میں بہت مانگ تھی۔ ان لوگوں کے ذریعہ مسلمانوں کو شمالی سرحدوں پر ہونے والے اہم واقعات وحالات کی برابر اطلاع ملتی رہتی تھی۔ اس موقعہ پر بھی شمالی سرحد کے مدینہ دشمن قبائل اور بازنطینی سلطنت کی سازباز کی خبریں بھی پہلے پہل انھیں تاجروں کے ذریعہ مدینہ پہنچی تھیں۔ اس کے علاوہ اسلامی ریاست کو شمالی خطرہ کا بخوبی احساس تھا کیونکہ بازنطینی سلطنت اسلامی ریاست کی روزافزوں ترقی اور استحکام کو پسند نہیں کرتی تھی اور وہ اپنے ایشیائی مقبوضات خصوصاً شام و فلسطین کے علاقوں کے لیے اس کو ایک خطرہ تصور کرتی تھی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ بازنطینی سلطنت خاص کر جزیرہ نمائے عرب کے معاملات میں مداخلت کرتی رہی تھی اور اس زمانے میں اپنی قدیم حریف ایران کی ساسانی سلطنت سے نبرد آزما ہونے کا سبب فوری مداخلت نہیں کر سکتی تھی تاہم ۶۲۹-۶۲۸ء میں اس کو ذرا سا موقع ملا تو اس نے عرب کے معاملات کی طرف توجہ دینی ضروری سمجھی۔ اسلامی ریاست اور مسلمانوں کو اس خطرہ کا کس قدر احساس تھا، اس کا اندازہ بخاری کی ایک حدیث (کتاب العلم) سے بخوبی ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں ایلاء کا واقعہ مدینہ میں پیش آیا تھا۔ حضرت عمر کے ندیم حضرت عتبان بن مالک انصاری ایک دن حیران و پریشان آئے اور چلا کر حضرت عمر کو اطلاع دی کہ ایک اہم واقعہ ہو گیا۔ حضرت عمر کا پہلا ردِ عمل یہ تھا: "کیا غسانیوں نے حملہ کر دیا؟" ملاحظہ کیجئے: مسلم، کتاب النکاح؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۳۵۵ خاص کر، ص ۶۲ - ۵۴ عام طور سے۔

(۴۰۵) ابن اسحاق، ص ۶۰۲ - ۶۰۹؛ واقدی، ص ۱۰۰۲ - ۱۰۱۶؛ ابنِ سعد، ص ۱۶۵ - ۱۶۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۸؛ فتوح البلدان، ص ۷۱؛ طبری، سوم، ص ۱۰۸ - ۱۰۰؛ بخاری اور مسلم، غزوۂ تبوک۔

واقدی اور ابن سعد کے مطابق مسلم سپاہ تیس ہزار مجاہدین اور دس ہزار گھوڑوں پر مشتمل تھی۔ بلاذری کا اضافہ یہ ہے کہ اس میں بارہ ہزار اونٹ بھی تھے۔

(۴۰۶) ابن اسحاق، ص ۶۰۷؛ واقدی، ص ۱۰۳۱؛ فتوح البلدان، ص ۷۱؛ طبری، سوم، ص ۱۰۸؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۴۴-۴۲۔

ان مآخذ کے مطابق شاہِ ایلہ یوحنا بن روبہ خدمتِ نبوی میں بذاتِ خود حاضر ہوا تھا اور اس نے اظہار وفاداری و استواری کے علاوہ آپ سے ایک معاہدہ بھی کیا تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ شاہِ ایلہ نے سالانہ تین سو دینار

بطور جزیہ اسلامی ریاست کو دینا منظور کیا تھا۔ یہ رقم اس کی چھوٹی سی مملکت کے تین سو کمانے کے لائق مردوں کی تعداد کی بنیاد پر مقرر کی گئی تھی۔ بلاذری نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ فی بالغ مرد ایک دینار جزیہ کے علاوہ ایلہ کے لوگوں پر یہ فرض بھی عائد کیا گیا تھا کہ وہ اپنے علاقے سے گزرنے والے مسلمانوں کی مہمان داری اور پاسداری بھی کریں گے۔ اس "فرض مزید" کی اور تائید اس نامہ نبوی سے بھی ہوتی ہے جو کچھ مدت بعد شاہ و اشراف ایلہ کے نام مدینہ سے بھیجا گیا تھا۔ اس کے مطابق اہل ایلہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حاکم حضرت حرملہ کو چار قاصدان نبوی کے لیے عمدہ قبائیں اور تین وسق گیہوں ادا کرنا تھا۔

(۳۰۷) واقدی، ص ۱۰۳۲؛ فتوح البلدان، ص ۷۱؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۳۹ - ۳۷۔ بلاذری کے مطابق اہل مقنا پر سالانہ جزیہ جنس میں مقرر کیا گیا تھا جو ان کے پھلوں اور کپڑے اور ہتھیاروں کی پیداوار اور مچھلی کی بیافت کا چوتھائی تھا۔

(۳۰۸) ابن اسحاق، ص ۶۰۷؛ واقدی ص ۳۲ - ۱۰۳۱؛ فتوح البلدان، ص ۷۱؛ طبری، سوم، ص ۱۰۸؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۵۳۔ ان دونوں مقامات کے یہودیوں کو ہر سال ماہ رجب میں سو دینار فی آبادی اسلامی ریاست کو بطور جزیہ ادا کرنا تھا بعض دوسری روایات کے مطابق جزیہ کی رقم ایک ہزار دینار فی آبادی تھی۔ نیز ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۶ - ۱۱۵۔

(۳۰۹) ابن اسحاق، ص ۸ - ۶۰۷؛ واقدی، ص ۳۰ - ۱۰۲۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۶؛ فتوح البلدان، ص ۷۴، ۷۲؛ طبری، سوم، ص ۹ - ۱۰۸؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۹۸ - ۱۹۶۔ روایات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید مخزومی کو ایک لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل کی مملکت کے حکمراں اکیدر بن عبدالملک کندی سکونی کے خلاف بھیجا۔ حضرت خالد نے ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد شاہ دومہ کو گرفتار کر لیا اور اس سے جنگ کے خاتمہ پر دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہ بکتر اور اتنے ہی نیزے وصول کیے۔ اس کے بعد عیسائی بادشاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں اس نے ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق اس نے سالانہ جزیہ ادا کرنے کا عہد کیا۔ ایک نامہ نبوی سے جو یقینی طور پر بعد کے زمانے کا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست نے مملکت دومہ کی اراضی کی ملکیت کا اپنا حق جتایا تھا اور اکیدر اور ان کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ اس نامۂ مبارک کے مطابق اب ان کو "اپنے اموال پر زکوٰۃ ادا کرنی تھی اور مقررہ اوقات پر نماز ادا کرنی تھی"۔ نیز ملاحظہ کیجئے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۵، جنھوں نے ان نامہ ہائے نبوی کو نہ سمجھا ہے اور نہ صحیح طریقے سے پیش کیا ہے۔

(۳۱۰) ملاحظہ کیجئے باب چہارم، بحث بردالیان نبوی۔

(۳۱۱) ابن سعد، اول، ص ۴۳ - ۳۳۲ و ص ۴۰ - ۳۳۸ کے بیان کے مطابق اس زمانے میں شمالی عرب کے جو وفود مدینہ پہنچے تھے ان میں سلامان، غسان اور حارث بن کعب کے علاوہ بعض اور وفود قبائل تھے۔ نیز ملاحظہ کیجئے؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۴۸ - ۴۴، ص ۵۹ - ۱۵۵، ص ۷۰ - ۱۶۸، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خطوط و فرامین ہیں جو بعض اہم شمالی قبائل

جیسے جذام، سعد ہذیم، قضاعہ، عذرہ، کلب، لخم، بلی اور غسان وغیرہ کے اہم شیوخ اور افراد کے نام ہیں ان خطوط نبوی میں ان کے حاملین کو اسلامی ریاست یعنی خدا اور اس کے رسول کا "ذمّہ" عطا گیا ہے بشرطیکہ وُہ صدقات مقررہ اور مفروضہ ادا کرتے رہیں اور اسلام کے دُوسرے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کریں۔ یہ بات بہر حال طے شدہ ہے کہ ان قبائل کے ان افراد و جماعتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی اقتدار کو قبول کر لیا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے: واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۷۸-۱۰۵؛ شمالی قبائل سے مزید تعلقات کے لیے دیکھئے باب دوم، متعلقہ بحث۔

(۲۱۲) یہ دونوں مہمیں حضرات قطبہ بن عامر اور ضحاک بن سفیان کلابی کی قیادت میں بالترتیب تبالہ اور قرطاء کے علاقوں میں بھیجی گئی تھیں ان دونوں مہموں میں عددی طاقت بیس نفر کے لگ بھگ تھی۔ پہلی مہم کے بارے میں بلاذری کا بیان ہے کہ تبالہ اور جرش کے لوگوں نے بلا کسی جنگ و جدال کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۷۰؛ نیز دیکھیے واقدی، ص ۹۸۳-۹۸۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۳-۱۶۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۲۔

(۲۱۳) واقدی، ص ۹۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۲؛ نیز دیکھیے ابن اسحاق، ص ۶۷۰ اور ابن ہشام، ص ۶۴۰ جن کے مطابق یہ مہم حضرت وقاص بن مجزز کا انتقام و قصاص لینے کے لیے گئی تھی جن کو ان غارتگروں نے مار ڈالا تھا۔

(۲۱۴) ابن ہشام، دوم، ص ۵۹۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۹؛ بخاری، کتاب المغازی؛ طبری، سوم، ص ۱۲۶-۱۲۸۔
طبری نے دو خطوط نقل کیے ہیں جو کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا خط حضرت خالد بن ولید کا ہے جو انھوں نے خدمت نبوی میں بھیجا تھا اور جس میں انھوں نے قبیلہ کے اسلام قبول کرنے کی خوشخبری دی تھی اور دوسرے حکم نبوی کی درخواست کی تھی۔ دوسرا نامہ نبوی تھا جو حضرت خالد کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا اور جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کے اہم کام کی بہت تحسین فرمائی تھی اور ان سے مسلمان ہونے والے قبیلہ کا ایک نمائندہ وفد مدینہ بھیجنے کا حکم دیا تھا جس کی انھوں نے فوری تعمیل کی تھی۔ مزید ملاحظہ کیجئے ابن سعد، اول، ص ۳۳۹-۳۴۰ جس کے مطابق بنو حارث بن کعب (نجران) کے وفد نے شوال ۱۰ھ / جنوری ۶۳۲ء میں بارگاہِ نبوی میں حاضری و زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔

(۲۱۵) ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۴۱؛ واقدی، ص ۱۰۸۳-۱۰۷۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۹-۱۷۰؛ طبری، سوم، ص ۱۳۱-۱۳۲؛ بخاری، کتاب المغازی۔

(۲۱۶) فتوح البلدان، ص ۷۹-۸۰۔ بلاذری نے متعدد دوسری روایات بھی بیان کی ہیں جن سے اہل یمن کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی ریاست سے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔

(۲۱۷) طبقات، اوّل، ص ۲۵۹-۲۹۱۔

باب دوم

(۱) شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۱۹۔

(۲) بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت پر ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون، برہان، دہلی جنوری ۱۹۸۰ء۔

(۳) اسلام کی مخالفت کرنے والوں میں قریش مکہ کے تمام خاندانوں کے بڑے بڑے شیوخ اور سردار شامل تھے۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۹ - ۱۱۸؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۰ - ۲۱۲؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۳۶ - ۱۰۰۔

(۴) ابن اسحاق، ص ۱۵ - ۱۱۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۱۱۲؛ ابن سعد، سوم، ص ۴۴۔

(۵) ابن اسحاق، ص ۱۸ - ۱۱۷؛ طبری، دوم، ص ۲۲ - ۳۱۹؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو: انساب الاشراف، اول، ص ۱۹ - ۱۱۸۔

(۶) صحیح بخاری، بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۲۱ - ۱۱۹؛ طبری، دوم، ص ۲۳ - ۳۲۲۔

(۷) ابن اسحاق، ص ۱۵ - ۱۱۱؛ طبری، دوم، ص ۱۰ - ۳۰۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۱۳ - ۱۱۲۔

(۸) شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۶ - ۲۰۵۔

(۹) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸۶۔

(۱۰) زمانہ ما قبل اسلام میں بھی حضرت ابوبکر مکہ کے ممتاز و سربرآوردہ اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ وہ قریشی اشرافیہ کے ایک ممتاز رکن تھے۔ اس کے علاوہ انساب کی مہارت وقدرت کی وجہ سے وہ مرجع خلائق تھے۔ ان کی ذاتی خوبیاں بھی ان کی سماجی قدر و منزلت کا سبب تھیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عہد اسلامی میں ان کو جو بلند و بالا مرتبہ ملا تھا اس کا اثر ان کے جاہلی زمانے پر پڑا تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۱۵؛ ابن سعد، سوم، ص ۲-۱۷۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۱۲۳؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۰۶۔

(۱۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۵؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۵، ۱۰۲، ۱۲۴، ۱۳۹، ۲۱۵۔

(۱۲) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸۷ - ۸۶ کا خیال ہے کہ چونکہ اسلام میں شرافت ونجابت کا معیار اسلام میں سبقت اور اس کی خدمات تھیں اس لیے بعض بعد کے مسلمانوں نے اپنے پیش روؤں کو سابقین اولین میں شمار کرنا ہی نہیں شروع کیا بلکہ اس کے لیے روایات گھڑیں۔ اسی وضع احتیاط کی بنا پر واٹ کا خیال ہے کہ چونکہ حضرات عثمان، زبیر، عبدالرحمٰن، سعد اور طلحہ حضرت عمر بن خطاب کی نامزد کردہ مجلس شوریٰ کے رکن تھے جو ان کے بعد خلیفہ ثالث کا انتخاب کرنے کے لئے مجاز بنائی گئی تھی اس لیے ان کے سبقتِ اسلام کے دعوے کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ بعض متاخر صحابہ کے لئے ان کے جانشینوں نے سبقت اسلام ثابت کرنے کے لیے جھوٹی روایات کا سہارا لیا ہے لیکن ان پانچ صحابہ کرام کے

اوّلین مسلمان ہونے کی روایات کو محض اس ظنی و قیاسی معیارِ تنقید پر نہیں مسترد کیا جا سکتا۔

(۱۳) ابنِ ہشام، سوم، ص ۲۰۳؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۱ - ۲۱۹؛ بخاری اور مسلم، اسلام ابی ذر؛ اصابہ نمبر ۳۸۷؛ جمہرہ، ص ۱۷۵۔

(۱۴) ملاحظہ کیجئے قریش کے خاندان بنو عدی کے قبولِ اسلام پر آئندہ بحث۔

(۱۵) قرآن کریم، سورہ انفال، آیات ۲، ۴، ۷، ۵، ؛ سورۂ توبہ، آیت ۲۰۔

(۱۶) قرآن کریم، سورہ توبہ، آیت ۱۰۰۔

(۱۷) ابنِ اسحاق، ص ۱۷ - ۱۱۶۔

(۱۸) ایضاً، ص ۱۱۷۔

(۱۹) یہ ایک عام اور سخت غلط فہمی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ بھی زیادہ تر کمزوروں ہی نے دیا"۔ ہمارے جدید مسلم مورخوں اور سیرت نگاروں نے اولین مسلمانوں کے "کمزور" اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے پیروؤں کے کمزور طبقات سے ہونے کا اتنے زور و شور سے ڈھنڈورا پیٹا ہے کہ اب اسے تاریخی حقیقت سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ تاریخی واقعات سے اس کی قطعی تردید ہوتی ہے۔ ابتدائی مسلمانوں میں ضعفاء (کمزور) بھی شریک تھے تاہم اکثریت قریشی خاندانوں کے سر برآوردہ اور معزز لوگوں اور ان کی اولادوں کی تھی جیسا کہ ابن اسحاق کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے۔ کمزور طبقات کی حمایت کے لیے ملاحظہ کیجئے سید جلال الدین عمری کا مضمون "کمزور کے مسائل اسلام نے حل کیے ہیں"، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، جنوری ۱۹۸۲ء، خاص کر ص ۸۴۔

(۲۰) مآخذ میں سے کسی نے بھی ان کے زمانہ قبول اسلام کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

(۲۱) ابن اسحاق، ص ۵۴ - ۱۴۳۔

(۲۲) ابن اسحاق، ص ۳۲ - ۱۳۱ نے کسی زمانہ کی صراحت نہیں کی ہے۔ ابن سعد، سوم، ص ۹ نے البتہ یہ وضاحت کی ہے کہ وہ دارِ ارقم میں قیامِ نبوی کے بعد نبوت کے چھٹے برس اسلام لائے تھے۔

(۲۳) ابن اسحاق، ص ۵۹ - ۱۵۵ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہجرتِ حبشہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ ابن سعد، سوم، ص ۲۶۹ کی دُوسری روایت ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد چالیس یا پینتالیس تھی۔ تیسری روایت میں ۴۵ مردوں اور گیارہ عورتوں کی تصریح ہے۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، سوم، ص ۳۹ - ۶۳۴ نے شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، اول، ص ۸۰ - ۱۵۷ پر حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں سیرتوں کی روایت قبول کرنے پر تنقید کی ہے۔ اور بخاری صحیح، باب اسلامِ عمرؓ کے حوالے سے ان کے قبول اسلام کا صحیح واقعہ لکھا۔ سید صاحب مرحوم نے روایات کی صحت و ضعف سے زیادہ بحث کی ہے لیکن ان کے زمانہ قبول اسلام کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔

(۲۴) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ - اول ہجرت حبشہ کے مہاجروں کے ناموں اور تعداد میں روایات کا اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو

سید سلیمان ندوی کا تبصرہ وحاشیہ، سیرت النبی، اول، ص ۳۵-۲۲۴ (حاشیہ ۱)۔

(۲۵) ابن اسحاق، ص ۴۸-۱۴۷۔

(۲۶) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ اور ۱۹۱ وغیرہ۔

(۲۷) ابن اسحاق، ص ۹۰-۱۹۱۔

(۲۸) ابن اسحاق، ص ۵-۱۴۴۔

(۲۹) بنات مطہرات کے لیے ملاحظہ ہو: بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۰۵-۳۹۶؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۳۹-۱۹۔

(۳۰) حضرت زید بن حارثہ کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۵-۱۱۴؛ ابن ہشام، اوّل، ص ۲۶۵؛ اسد الغابہ، دوم، ص ۳۰-۲۲۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، سوم، ص ۴۴۔ قبول اسلام کے وقت حضرت زید تیس سال کے تھے۔

(۳۱) بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۶۹؛ ابن ہشام، ہشتم، ص ۲۲۳۔

(۳۲) ابن سعد، سوم، ص ۶۱ اور ۷۲؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۹ اور ۷۶-۴۷۳۔ وفات نبوی کے وقت حضرت اسامہ کی عمر بیس سال تھی۔

(۳۳) ابن اسحاق، ص ۸۲؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۷۰۔

(۳۴) ابن سعد، چہارم، ص ۷۴-۷۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۷۸-۴۷۷۔

(۳۵) ابن سعد، سوم، ص ۵۰-۴۹؛ انساب الاشراف، ص ۹-۴۷۸۔

(۳۶) انساب الاشراف، اوّل، ص ۸۰-۴۷۹ کے مطابق حضرت یسار مدنی عہد کے مسلم تھے جبکہ حضرت رافع یا رُوَیفع مکی مسلم تھے ملاحظہ ہو: ص ۴۸۲۔

(۳۷) ابن سعد، سوم، ص ۴۹؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۸۰۔

(۳۸) ابن سعد، سوم، ص ۴۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۷۸۔

(۳۹) ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ زبیری، ص ۶-۲۷۵۔

(۴۰) ابن اسحاق، ص ۱۱۶۔

(۴۱) ابن حزم، جمہرہ، ص ۱۲۶؛ زبیری، ص ۲۷۵۔

(۴۲) ابن سعد، ہشتم، ص ۲۷۶۔

(۴۳) حضرت عبداللہ بن ابی بکر کے بارے میں تمام مآخذ ذکر کرتے ہیں کہ وہ مکی مسلمان تھے مگر ان کو مکی مسلمانوں کی فہرست میں شامل نہیں کرتے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۷-۱۱۶ اور ص ۲۲۴۔ ان کے اسلام اور ہجرت کے لئے ملاحظہ کیجئے زبیری، ص ۲۷۵ اور اصابہ نمبر ۴۵۶۸۔

(۴۴) زبیری، ص ۲۷۷۔

(۴۵) مثلاً ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۲، جنھوں نے خاندانِ صدیقی سے صرف حضرت ابوبکر اور ان کے مولیٰ حضرت عامر بن فُہَیرہ کو شامل کیا ہے۔

(۴۶) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۳۔ ابن اسحاق نے تو ان کا بھی نام مکی مسلمانوں میں شامل نہیں کیا ہے؛ نیز ملاحظہ کیجئے زبیری، ص ۲۸۴۳؛ اصابہ، نمبر ۴۸۲۵؛ نیز ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۲ وغیرہ۔

(۴۷) ابن سعد، ہشتم، ص ۸۱؛ زبیری، ص ۲۵۱-۲۴۸؛ اصابہ نساء نمبر ۲۹۴۔

(۴۸) زبیری، ص ۲۴۳-۲۸۹۔ حضرات عبدالرحمٰن الاکبر اور ان کی والدہ ماجدہ کے لیے مزید دیکھیے اصابہ نمبر ۵۱۶۵ اور اصابہ نساء نمبر ۷۴۹۔

(۴۹) زبیری، ص ۲۷۸-۲۸۰ اور ۲۶۳۔

(۵۰) زبیری، ص ۲۶۶-۲۶۵۔

(۵۱) زبیری، ص ۲۶۳۔

(۵۲) زبیری، ص ۲۴۹۔

(۵۳) ابن سعد، سوم، ص ۹۲-۹۱۔

(۵۴) زبیری، ص ۹۵-۹۴؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۰۔

(۵۵) زبیری، ص ۹۴-۹۳۔

(۵۶) ابن اسحاق، ص ۱۵-۲۱۴؛ زبیری، ص ۹۴-۹۳؛ ابنِ سعد، سوم، ص ۸۹ اور ص ۹۷؛ ابن حزم، جمہرہ انساب العرب (جمہرہ)، ص ۲۰۰-۱۹۹۔ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو: محمد یٰسین مظہر صدیقی "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، اپریل-جون ۱۹۸۳ء، ص ۲۲-۲۱ خاص کر۔

(۵۷) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۵-۱۷۴۔

(۵۸) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ نے جتنے نام گنا دیے ہیں اتنے ہی مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۳-۱۷۲ نے بھی شمار کئے ہیں حالانکہ ان کی تعداد کہیں زیادہ تھی ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۱۷۳۔

(۵۹) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۱ نے حضرات ابو مرثد اور مرثد کا ذکر کیا ہے۔

(۶۰) ابن اثیر جزری، اسد الغابہ، اول، ص ۱۲۹ اور ۱۳۵ نے ان کے دو اور فرزندوں حضرات انس اور انیس کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۶۱) مثلاً ملاحظہ کیجئے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۵۰ وغیرہ۔

(۶۲) انساب الاشراف، اوّل، ص ۱۲۳۔

(۶۳) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۰ - ۸۶۔

(۶۴) مثلاً ملاحظہ ہو: ابن سعد، سوم، ص ۵۳، ص ۱۰۰ - ۹۱ وغیرہ؛ چہارم، ص ۲۴ - ۱۰۲ وغیرہ۔

(۶۵) ابن اسحاق، ص ۱۷۱۔

(۶۶) مثلاً ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۲۶۷۔

(۶۷) ابن اسحاق، ص ۲۳۰۔ حیرت ہے کہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی، اوّل، ص ۲۸۰ پر خاندان رسول اور خاندان صدیقی کے ہجرت نبوی کے بعد ہجرت کرنے کا واقعہ خود بھی لکھا ہے۔ شبلی سے اس ضمن میں ایک اور تسامح ہوا ہے اور وہ یہ کہ حضرت رقیہ اپنے شوہر حضرت عثمان بن عفان اموی کے ساتھ ہجرت نبوی کے بعد تک حبش میں تھیں۔ حالانکہ ابن اسحاق، ص ۱۶۴ اور دوسرے مآخذ نے بھی یہ واضح طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان حبشہ سے مکہ لوٹ آئے تھے اور پھر وہاں سے مدینہ ہجرت کی تھی۔ نیز ملاحظہ کیجئے: انساب الاشراف، اوّل، ص ۹۹ - ۲۹۶۔

(۶۸) انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۷۰ - ۲۶۹؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۸۰۔

(۶۹) بخاری، صحیح، باب ہجرۃ النبی؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۷۳ اور ص ۲۱۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۷۰ کے مطابق یہ دونوں حضرات ہجرت نبوی سے کچھ قبل تجارت کے لیے شام گئے تھے۔ واپسی پر وہ مدینہ کے راستے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے اور آپ کی خدمت میں کپڑوں کا تحفہ پیش کیا تھا اور پھر وہ مکہ چلے گئے تھے اور اس کے کچھ دنوں بعد وہاں سے مدینہ ہجرت کی تھی۔ ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۲۷۴، جنھوں نے حضرت زبیر کا حوالہ دیا ہے؛ نیز ملاحظہ ہو: قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، اول، ص ۱۰۔

(۷۰) ابن اسحاق، ص ۲۳۰ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد بھی مہاجرین مکہ کی ہجرت کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا کہ "مکہ کے مہاجر ایک ایک کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر مدینہ ملنے لگے۔"

(۷۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۸

(۷۲) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۳

(۷۳) ابن اسحاق، ص ۱۹ - ۳۱۸۔ حضرت وہب بن عمیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے مدینہ میں پہنچے مگر بارگاہِ نبوی میں پہنچ کر ایسے مبہوت و ششدر ہو گئے کہ اسلام قبول کر کے مومن و جاں نثارِ رسول بن گئے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۲۰۰ - ۱۹۹؛ زبیری، ص ۳۹۱۔

(۷۴) غزوۂ بدر میں مکی فوج میں شامل تھے۔ جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ میں اسیرِ بدر بن کر رہے۔ ان کے دونوں مخزومی بھائی حضرات خالد بن ولید اور ہشام بن ولید نے زرِ فدیہ دے کر ان کو آزاد کرا لیا اور ان کو مکہ لے گئے مگر راستے سے وہ پلٹ کر مدینہ پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کے دونوں بھائی پیچھے پیچھے مدینہ پہنچے اور ان کو لعنت ملامت کی کہ زرِ فدیہ کی ادائیگی سے پہلے ہی کیوں نہ اسلام قبول کر لیا۔ اُنھوں نے جواب میں فرمایا کہ صرف اس لئے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ

پیسے کی ادائیگی سے بچنے کے سبب وہ مسلمان ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۳۴-۱۳۱؛ زبیری، ص ۲۴-۲۲۳۔

(۷۵) ابن اسحاق، ص ۵۰۰ کا بیان ہے کہ اسلام میں اس سے بڑی اور کوئی فتح نہیں تھی۔ اس سے پہلے جب لوگ ملتے تھے تو صرف جنگ وجدال کے لیے۔ لیکن جب یہ صلح ہو گئی اور جنگ بند کر دی گئی تو لوگ ایک دوسرے سے صاف ذہنی سے ملنے لگے اور وہ اسلام کے بارے میں ٹھنڈے دل سے بات چیت کرنے لگے۔ اور جو بھی اسلام کو سمجھ لیتا تھا وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد لوگ پہلے کے زمانے کے مقابلے میں دوگنے یا دو گنے سے بھی زیادہ مسلمان ہو گئے تھے۔

(۷۶) ابن سعد، چہارم، ص ۵۳-۲۵۲ و ۲۵۴ و ۲۶۲۔

(۷۷) زبیری، ص ۲۵-۱۲۴ کا بیان واضح ہے کہ دونوں بھائی صلح حدیبیہ کے دوسرے سال عمرۃ القضاء میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: اصابہ نمبر ۹۲۶۵ اور ۹۲۶۷؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، چہارم، ص ۸۷-۳۸۵ اور پنجم ص ۱۳-۱۱۲۔ عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں نے فتح مکہ میں اسلام قبول کیا تھا۔

(۷۸) مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ کے بعد پورا مکہ مسلمان ہو گیا تھا اور گنتی کے بعض افراد بچ رہے تھے انھوں نے کچھ دنوں بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔

(۷۹) "بنو عبد مناف" کے متحدہ خاندان پر بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے محمد یٰسین مظہر صدیقی، بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت کا تاریخی پس منظر" برہان، دہلی جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۲۰-۵۔

(۸۰) ملاحظہ ہو حوالہ مذکورہ بالا، ص ۷ تا ۴۷۔

(۸۱) ابو الفرج اصفہانی (متوفی ۳۵۶ھ) نے خاندانِ حضرت علی کے شہداء پر ایک مکمل کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے "مقاتل الطالبین"۔

(۸۲) ابو طالب کے قبول اسلام کے بارے میں دو مختلف نظریات کے لیے ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۹۴-۲۴۷۔ شبلی ان کے اسلام کے قائل نظر آتے ہیں جبکہ ان کے شاگرد و جامع سید سلیمان ندوی کو ان کے نظریہ سے اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو: جامع کا حاشیہ ۳۔

(۸۳) ابن اسحاق، ص ۱۱۴؛ ابن سعد، سوم، ص ۲-۲۱۔

(۸۴) ابن سعد، چہارم، ص ۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ زبیری، ص ۳۹۔

(۸۵) ایضاً؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، ہشتم؛ ابن اسحاق، ص ۱۲۶؛ زبیری، ص ۸۰؛ اصابہ نساء نمبر ۵۱۔

(۸۶) زبیری، ص ۳۹؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۸۶۔

(۸۷) ابن سعد، چہارم، ص ۴۴-۴۲۔

(۸۸) زبیری، ص ۴۰؛ اصابہ نساء نمبر ۷۳۱۔

(۸۹) واقدی، کتاب المغازی، ص ۹۱۸ : نیز ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ازدواجی تعلقات"، برہان دہلی، مئی ۱۹۸۲ء، ص ۲۲ - ۲۱۔

(۹۰) زبیری، ص ۴۰ - ۳۹ نے ابوطالب کی دو صاحبزادیوں حضرت اُمِّ ہانی اور جُمانہ کا ذکر کیا ہے۔ دونوں کے لیے مزید دیکھیے، اصابہ نساء نمبر ۱۱۰۲، نمبر ۱۵۱۳۲ اور نساء نمبر ۲۲۳ بالترتیب۔

(۹۱) ابولہب کی اولاد و اخلاف کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، چہارم، ص ۶۱ - ۵۹ ؛ زبیری، ص ۹۰ - ۸۹ ؛ اصابہ نمبر ۵۴۱۳ اور ۸۱۲۰۔

(۹۲) ابن اسحاق، ص ۴ - ۳۰۱ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۱ - ۱۰ اور بعض دوسرے مآخذ کا اصرار ہے کہ وہ اگرچہ مکی عہد کے مسلمان تھے اور عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ میں بھی شریک تھے اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر کے سلسلے میں اکثر روایات یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ وہ مکی عہد میں مسلمان تو ہو گئے تھے مگر اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے اور قریش کے اکراہ و اجبار (زور زبردستی) سے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے چنانچہ ان روایات کا یہ بھی اصرار ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدینِ بدر کو ہدایت کی تھی کہ اگر حضرت عباس ان کے مقابل آجائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ بحالتِ مجبوری میں آئے تھے۔ لیکن پھر یہی روایات یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت عقیل بن ابی طالب کے ساتھ غزوۂ بدر کے اسیروں میں تھے اور انھوں نے زرِ فدیہ دے کر رہائی حاصل کی تھی۔ اس سلسلے میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زرِ فدیہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا تو انھوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا مگر اس کے باوجود آپ نے ان کا اور حضرت عقیل کا فدیہ وصول کیا۔

ان روایات میں شدید تضادات ہیں۔ اوّل یہ کہ متعدد قریشی افراد اور خاندان جن میں طالب بن ابی طالب ہاشمی اور بنو عدی اور بنو زہرہ وغیرہ شامل تھے قریشی کارواں کے محفوظ ہو جانے کی خبر سُن کر واپس مکہ چلے گئے تھے اور ان کو جنگ میں شریک ہونے پر کوئی مجبور نہیں کر سکا تھا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرات عباس و عقیل نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ دوم یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد اسیرانِ بدر کو خاص کر مسلمان ہو جانے والوں کو بلافدیہ رہا کر دیا تھا۔ اگر حضرت عباس کے قبول اسلام کی روایت صحیح ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی بلا زرِ فدیہ رہا کر دیتے۔ زرِ فدیہ کی ادائیگی ان کے اس وقت تک عدمِ قبولِ اسلام کی دلیل ہے۔ چنانچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث نبوی جو حضرت عباس کے مجبوراً بدر میں آنے کو ظاہر کرتی ہے در اصل کلامِ رسول نہیں ہے۔ اور یہ سارے تضادات، الجھنیں اور ابہام صرف اس لیے ہیں کہ ان کے بعد کے زمانے میں اسلام لانے کی حقیقت پر پردہ ڈال کر ان کو ابتدائی مکی مسلم ثابت کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ساری علمی کاوشیں عہد عباسی میں ان کے جدامجد کی قدامت اسلام کو ثابت کرنے کے لیے کی گئی تھیں۔

اسی ضمن میں ایک اور نکتہ بھی پیدا کیا گیا ہے اور وہ ہے ان کے مکی قیام کا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ

اسلام لا چکے تھے تو انھوں نے ہجرت کیوں نہیں کی تھی۔ اس کے لیے عموماً یہ دلیل دی جاتی ہے کہ وہ اسلام کی خدمات کی خاطر اور ہدایاتِ نبوی کے بموجب مکہ میں مقیم رہے تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے منصوبوں اور سازشوں سے آگاہ کرتے رہیں چنانچہ اس سلسلے میں غزوات احد، بدر الموعد اور خندق وغیرہ کے مواقع پر آپ کو قریشی منصوبوں سے آگاہ بھی کیا تھا (ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۶۴، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۴۳ اور ۳۷۱ وغیرہ)۔

ابن سعد، چہارم، ص ۴۷-۶ نے تو ان کی غزوہ خندق میں ہجرتِ مدینہ کی بھی ایک روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے نوفل بن حارث ہاشمی کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ لیکن یہ تمام کوششیں بھی ان کے ابتدائی مسلم اور مہاجر ہونے کے مفروضہ کو ثابت کرنے کے لیے ہیں۔ ورنہ واقدی کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی منصوبوں سے آگاہ کرنے والے آپ کے خزاعی حلیف تھے۔ شبلی نے اگرچہ ان کی ہجرت کا ذکر نہیں کیا ہے تاہم غزوۂ اُحد سے قبل ان کے مسلمان ہونے کی روایت بیان کر دی ہے۔

اور سب سے زیادہ حیرت ناک معاملہ ہے ان کے قبول اسلام کے زمانے کا۔ کسی نے بھی ان کے قبول اسلام کا زمانہ نہیں متعین کیا ہے، صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ قدیم مسلم تھے۔ بہرحال اندازہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فتح مکہ سے کچھ قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ کے قریب بقول ابن ہشام جحفہ میں اس وقت ملے تھے جب آپ فتح مکہ کے لیے وہاں پہنچ چکے تھے اور یہی ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اسی زمانے میں اور بھی قریشیوں بلکہ ہاشمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۵۴۶ اور ابن ہشام کا تبصرہ ص ۷۷۳، (حاشیہ ۹۶)۔ ابن ہشام کا یہ تبصرہ غلط ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر رہے تھے کیونکہ بعض روایات کے مطابق ہم ان کو حضرت ابوسفیان بن حرب کے ساتھ لشکر رسول کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے کے لیے مکہ سے نکلتے ہوئے پاتے ہیں۔

(۹۳) زبیری، ص ۲۸-۲۵؛ نیز ملاحظہ کیجئے اصابہ نمبر ۷۰۰۳، ۴۷۸۱، اور استیعاب، جلد دوم، ص ۲۰۸-۲۰۱۔ مذکورہ بالا مآخذ نے ان کی اولاد میں سے صرف حضرات عبد اللہ بن عباس اور فضل بن عباس کو صحابہ میں شامل کیا ہے۔

(۹۴) زبیری نے حضرت حمزہ کے خاندان کا سرے سے ذکر نہیں کیا ہے اور اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ ان کی نسل نہیں چلی تھی؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۹-۸۔

(۹۵) بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۳۰۵، جنھوں نے یہ واقعہ صحیح بخاری اور زرقانی کی سند پر بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۔

(۹۶) ابن سعد، سوم، ص ۸-۷۴؛ اسد الغابہ، اول، ص ۱۲۹ اور ۱۳۵۔

(۹۷) زبیری، ص ۸۵۔

(۹۸) ابن سعد، چہارم، ص ۴۶-۵۴ کا ان کے بارے میں بھی یہی بیان ہے کہ وہ مجبوراً غزوۂ بدر میں مکی لشکر کی طرف سے لڑے تھے۔ انھوں نے اپنا زرِ فدیہ خود ادا کیا تھا اور دلچسپ بات ہے کہ ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فدیہ میں ایک ہزار نیزے وصول کیے تھے کیونکہ وہ اسلحہ کے تاجر تھے۔ پھر وہ اسلام لائے تھے اور مکہ لوٹ گئے تھے اور خندق کے زمانے میں ہجرت کر کے مدینہ آنے تھے۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ وہ فتح مکہ کے ہی مسلم معلوم ہوتے ہیں ملاحظہ ہو زبیری، ص ۸۶-۸۵ ؛ اصابہ نمبر ۸۰۲۶۔ وہ حارث بن عبد المطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ حضرت نوفل کے ایک صاحبزادے حضرت حارث بن نوفل عہدِ نبوی میں جوان ہو چکے تھے۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۸۶ اور اصابہ نمبر ۱۵۰۰۔

(۹۹) ابن سعد، چہارم، ص ۴۸-۴۷، ۴۵-۴۹ کا خیال ہے کہ حضرت ربیعہ حارثی ہاشمی غزوہ خندق کے زمانے کے مسلم اور مہاجر تھے جبکہ بقیہ دونوں حضرات فتح مکہ کے مسلم۔ زبیری، ص ۸۸-۸۶۔

(۱۰۰) زبیری، ص ۸۸-۸۶۔

(۱۰۱) زبیری، ص ۸۸-۸۶، در اصل ان میں سے کسی کا واضح ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱۰۲) زبیری، ص ۴۰ اور اصابہ نساء ص ۲۲۳۔

(۱۰۳) زبیری، ص ۹۱-۱۵ نے ہاشمی خانوادوں میں خاندان رسالتمآبؐ کے علاوہ علوی، عباسی، حارثی، جعفری اور عقیلی خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ ذکر کافی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پھر صرف ایک سے کچھ زیادہ صفحہ میں "بقیہ ولد ہاشم بن عبد مناف" کی سرخی کے تحت ہاشم کے تین فرزندوں ابو صیفی، نضلہ اور اسد کا ذکر کیا ہے۔ اول الذکر کے خاندان میں حضرت سارہ کا ذکر کیا ہے جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر قریش مکہ کے پاس فتح مکہ سے پہلے لے جا رہی تھیں اور وہ عمرو بن ابی صیفی کی مولیٰ تھیں۔ ثانی الذکر کی نسل میں ارقم بن نضلہ کو "رجال قریش" مردانِ قریش میں شمار کیا ہے لیکن وہ بعثت سے پہلے گزر چکے تھے۔ ان کی نسل میں صرف خواتین تھیں جن میں سے شفاءؓ بنت ارقم حضرت سائب بن عبید مطلبی کی والدہ ماجدہ تھیں۔ صحابی موصوف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ ان کے علاوہ دو اہم خواتین ہند اور ام جمیل تھیں۔ موخر الذکر کی نسل میں حضرت عبد اللہ بن ثعلبہ عذری تھے جو زہری کے ایک راوی تھے۔ اسد بن ہاشم کی اولادوں میں سب سے اہم شخصیت حضرت فاطمہ بنت اسد کی تھی جو ابو طالب بن عبد المطلب کی زوجہ محترمہ حضرت علی کی والدہ ماجدہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی تھیں۔ وہ در اصل ابو طالب کی تمام اولادوں کی ماں تھیں۔ ان کے علاوہ مردوں میں کوئی اہم شخصیت نہیں ہوئی۔ بہر حال ان تینوں کی نسل منقطع ہو گئی تھی۔

(۱۰۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ پھوپھیاں تھیں۔ ام حکیم بیضاء جو والد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جڑواں بہن (توأم) تھیں، ان کے علاوہ عاتکہ۔ برّۃ، امیمہ، اروٰی اور صفیہ تھیں۔ ان کے شوہروں اور ان کے خاندانوں کے نام جاننا دلچسپی کا باعث ہوگا:

۱۔ ام حکیم بنت عبد المطلب کی شادی کُریز بن ربیعہ/حبیب بن عبد شمس سے ہوئی تھی۔ ان کی اولادیں تھیں: عامر بن کریز، ام طلحہ جو حضرمی کی زوجہ تھیں اور جن کے بطن سے خالد، عامر اور عمر پیدا ہوئے تھے۔ عامر

بن حضرمی وہ نخلہ کا مقتول تھا جس کے سبب بدر کی جنگ ہوئی تھی اور یہ بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔ ام حکیم کی ایک صاحبزادی اروٰی بنت کریز تھیں جو حضرت عثمان بن عفان اموی اور عقبہ بن ابی معیط کے فرزندان گرامی ولید، عمارہ، خالد اور ام کلثوم اور ہند کی والدہ تھیں۔

۲۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب ابوامیہ مخزومی کے نکاح میں تھیں جن سے تین بچے عبداللہ، زہیر اور قریبہ پیدا ہوئے تھے۔

۳۔ برّہ بنت عبدالمطلب عبدالاسد بن ہلال مخزومی کی اہلیہ تھیں اور ان سے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی پیدا ہوئے تھے۔ عبدالاسد کے بعد برّہ نے ابورہم بن عبدالعزّٰی / عبدوُد سے شادی کرلی تھی اور ان سے ابوسبرہ تھے۔

۴۔ اُمیمہ بنت عبدالمطلب جحش بن رباب / بنی غنم بن دودان / اسد کے نکاح میں تھیں اور ان کی اولاد ول عبداللہ، ابواحمد، عبیداللہ، زینب بنت جحش، حمنہ بنت جحش، حبیبہ بنت جحش کی ماں تھیں۔

۵۔ اروٰی بنت عبدالمطلب عمیر بن وہب / عبد بن قصی کے نکاح میں تھیں اور اُن سے حضرت طُلیب بن عمیر پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے پھر کلدہ بن ہاشم عبدری سے شادی کرلی تھی اور ان کی متعدد اولاد ہوئی تھیں۔

۶۔ صفیہ بنت عبدالمطلب عوام بن خویلد اسدی قریشی کی زوجہ تھیں اور ان کی اولادوں میں حضرت زبیر بن عوام، ان کے بھائی سائب اور بہن ام حبیب تھیں۔

اس نسبی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زبیری، ص ۲۰-۱۸۔

آپ کی مسلم پھوپھیوں کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، ہشتم، ص ۴۵-۴۱۔

(۱۰۵) طبری، دوم، ص ۳۲۰۔

(۱۰۶) روایات کا اتفاق ہے کہ دَہ/یازدہ سالہ حضرت علی بن ابی طالب کے سوا اور کسی نے اسلام نہیں قبول کیا تھا۔ ملاحظہ ہو ۵ کے حوالجات۔

(۱۰۷) ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ازدواجی تعلقات" برہان، دہلی، جون ۱۹۸۰ء، ص ۸-۷۔

(۱۰۸) ان دونوں نظریات کے لیے ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۲۱۶۔

(۱۰۹) خاکسار کے مضمون "بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت کا تاریخی پس منظر" برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۱۰) تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے مضمون مذکورہ بالا (محولہ در ۱۰۹)

(۱۱۱) خاندان عبد شمس کی یہ تفصیل زبیری، ص ۹۷-۱۹۶ سے ماخوذ ہے۔ نیز ملاحظہ ہو جمہرہ ص ۱۰۶-۶۷۔

(۱۱۲) ابو احیحہ سعید بن عاص کا گھرانا ۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۸۳ - ۱۷۴ ؛ جمہرہ، ص ۷۵ - ۷۳ ۔

(۱۱۳) ابن سعد، چہارم، ص ۹۵ - ۹۴ ؛ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، ص ۲۵۷ - ۲۵۰ ؛ نیز ملاحظہ ہو : ابن اسحاق، ص ۱۱۹ اور ۱۴۶ ۔

(۱۱۴) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۴ - ۱۰۰ کی روایت ہے کہ حضرت عمرو سعیدی دوسری ہجرتِ حبشہ کے بعد اسلام لائے تھے اور پھر مکہ سے ہجرت کرکے اپنے بھائی حضرت خالد سعیدی سے جا ملے تھے جبکہ کتاب المنمق ص ۲۵۷ - ۲۵۸ کا خیال ہے کہ دونوں بھائیوں نے ساتھ ساتھ اسلام قبول کیا تھا نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۱۱۶ اور ۱۴۶، جنھوں نے حضرت خالد کو ابتدائی چھیالیس مسلمانوں میں شامل کیا ہے لیکن حضرت عمرو کو نہیں کیا ہے البتہ انھوں نے دونوں بھائیوں کو دوسری ہجرتِ حبشہ کا مہاجر بتایا ہے اور کہا ہے کہ دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ ابن سعد نے بھی حضرت خالد کو دوسری ہجرتِ حبشہ ہی میں شامل بتایا ہے ۔

(۱۱۵) ابن اسحاق اور ابن سعد، مذکورہ بالا ؛ زبیری، ص ۱۷۴ ۔

(۱۱۶) زبیری، ص ۱۷۴ ۔ (۱۱۷) ایضاً

(۱۱۸) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۶۰ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۶ - ۵۵ ؛ ہشتم، ص ۳۶ - ۳۷ ؛ نیز ملاحظہ ہو : زبیری، ص ۱۰۱ ۔

(۱۱۹) زبیری، ص ۱۲۱ - ۱۰۱، نے حضرت عثمان بن عفان کے اور کسی حقیقی بھائی بہن کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ البتہ ان کی متعدد اولادوں کا کافی طویل ذکر کیا ہے ۔

(۱۲۰) ابن سعد، ہشتم، ص ۴۴ ۔

(۱۲۱) زبیری، ص ۱۰۴ - ۱۰۵ ۔ زبیری کا یہ بھی بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ نے حضرت رملہ کے قبول اسلام پر ان کو طعنہ دیا تھا اور شیبہ کے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کیے جانے پر عار بھی دلایا تھا۔ زبیری نے ہند کے دو شعر نقل بھی کئے ہیں ۔ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۵۶ ۔

(۱۲۲) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۴ ؛ چہارم، ص ۳۴۸ ۔

(۱۲۳) زبیری، ص ۱۵۹ کے مطابق حضرت حکم بن عاص اموی کے کل فرزندوں کی تعداد اکیس تھی۔ ان کے علاوہ متعدد صاحبزادیاں بھی تھیں۔ یہ سب اولادیں مختلف ماؤں سے تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے متعدد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اور مسلم تھے ۔

(۱۲۴) ابن سعد، چہارم، ص ۱۱۸ ۔

(۱۲۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۶۰ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۸۴ ؛ زبیری، ص ۱۵۴ ۔

(۱۲۶) ابن سعد، سوم، ص ۸۵ - ۸۸ ۔

(۱۲۷) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ اور ص ۵۲۷؛ ابن سعد، ہشتم؛ زبیری، ص ۲۲-۱۲۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی حبشہ کے پاس بھیجا تھا کہ وہ حضرت ام حبیبہ کا نکاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیں۔ چنانچہ حضرت خالد بن سعید اموی ان کی طرف سے وکیل بنے تھے اور ان کی اجازت سے نجاشی نے نہ صرف نکاح کر دیا تھا بلکہ چار سو دینار مہر اپنی جانب سے ادا کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ام حبیبہ سمیت تمام مسلمانوں کو بحفاظت تمام مدینہ بھیج دیا تھا۔

(۱۲۸) زبیری، ص ۱۲۴ اور ۲۶-۱۲۵۔

(۱۲۹) ان کی اولادوں میں جو فتح مکہ میں زندہ تھیں زبیری نے نو فرزند اور سات صاحبزادیاں گنائی ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۲۶-۱۲۳۔ نیز ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۴-۱۰۲۔

(۱۳۰) ابن اسحاق، ص ۱۱۹، ۱۴۶، ۲۱۵۔

(۱۳۱) ابن سعد، سوم، ص ۹۰-۸۹؛ چہارم، ص ۴-۱۰۲۔

(۱۳۲) ابن اسحاق، ص ۲۱۵۔ نیز ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟"

(۱۳۳) ابن سعد، ہشتم، ص ۶-۴۵۔

(۱۳۴) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰-۱۱۶۔

(۱۳۵) ابن اسحاق، ص ۱۶۴ وغیرہ؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۱۴۸۔ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۳۸-۱۳۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب حضرت ولید بن عقبہ اموی ——— حیات و شخصیت (زیر طبع)، باب اوّل۔

(۱۳۶) ابن سعد، ششم، ص ۲۴؛ ابن قتیبہ، المعارف، ص ۳۱۹؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، پنجم، ص ۹۰؛ اصابہ نمبر ۹۱۴۷؛ زبیری، ص ۱۳۸ و ص ۶-۱۴۵؛ استیعاب، برحاشیہ اصابہ (مصر ۱۹۳۹ء)، سوم، ص ۴۹۴؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، تحقیق محمد اسعد طلس، قاہرہ ۱۹۶۲ء، سوم، ص ۷۵؛ خاکسار کی مذکورہ کتاب کا باب اول۔

(۱۳۷) زبیری، ص ۴۶-۱۳۸، نے عقبہ بن ابی معیط اموی کے چار فرزندوں ولید، عمارہ، خالد، ہشام اور تین دختروں ام کلثوم، ام حکیم اور ہند کا ذکر کیا ہے۔ ان کی سوانح کے لیے ملاحظہ کیجئے اصابہ نمبر ۹۱۴۷ و ۷۲۴۵؛ نیز دیکھئے ابن اسحاق، ص ۵۰۹۔

(۱۳۸) ابن اسحاق، ص ۱۷-۳۱۶؛ زبیری، ص ۵۸-۱۵۷؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۴۰-۳۹۔

(۱۳۹) زبیری، ص ۱۸۷؛ ابن ہشام، دوم، ص ۳۰۴؛ سوم، ص ۵۰۰؛ واقدی، ص ۸۸۹ اور ۹۵۹؛ ابن سعد دوم، ص ۱۳۷؛ پنجم، ص ۳۶۴؛ طبری، سوم، ص ۳۷ اور ۹۴؛ انساب الاشراف، اول؛ فتوح البلدان، ص ۵۳؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۲ اور اسد الغابہ، سوم، ص ۹-۳۵۸۔

(۱۴۰) زبیری، ص ۹۶-۱۸۷۔

(۱۴۱) مثلاً بنو ابوالعاص بن امیہ میں حضرت عثمان بن عفان کے تین اور چچاؤں عفیف، عوف اور عثمان کے گھرانے تھے۔ حرب بن امیہ میں ابوسفیان بن حرب کے ایک اور فرزند عتبہ بن ابی سفیان کا گھرانا تھا۔ ان کے ایک اور فرزند عنبسہ بن ابی سفیان کا گھرانا تھا پھر حرب بن امیہ کے ایک فرزند عمرو بن حرب کا خاندان تھا۔ حارث بن حرب کا ایک گھرانا اسی بطن میں تھا۔ نیز بنو عمرو بن امیہ ایک الگ خاندان تھے۔ خاندان ابو عمرو بن امیہ میں عقبہ بن ابو معیط کے علاوہ کثیر بن ابی عمرو اور ابو وجرہ بن ابی عمرو کے دو گھرانے تھے پھر حبیب بن عبد شمس کے تین ذیلی خاندان تھے جن کا حوالہ اُوپر آ چکا ہے لیکن ان کے مسلمانوں کا ذکر کم ملتا ہے۔ تاہم زبیری نے ان کے متعدد مردوں اور عورتوں کے نام گنائے ہیں جن میں حضرات ابو کبشہ حارث بن کُریز، عامر بن کریز اور ان کے فرزند عبداللہ بن عامر، عبدالرحمٰن بن سمرہ وغیرہ عظیم صحابی تھے۔ ایک اور خاندان امیہ اصغر بن عبد شمس کا تھا جن میں کافی مرد اور عورتیں تھیں۔ عبد شمس کے ایک اور فرزند عبد امیہ کا گھرانا تھا جن کے متعدد مرد اور عورتیں مسلمان اور معاصر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ بنو نوفل بن عبد شمس میں حضرات عثمان، ہبار وغیرہ متعدد صحابی تھے۔

عتبہ اور شیبہ یعنی بنو ربیعہ بن عبد شمس کے بھی متعدد گھرانے تھے جن کے کئی مردوں اور عورتوں کے بارے میں یقین ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اور مسلم تھے۔ اسی طرح بنو عبد العزیٰ کے خاندان میں بنو ربیع کے علاوہ دوسرے گھرانے تھے۔ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ حکم بن ابی العاص کے اکیس فرزند تھے اور ان سب کی نسلیں خوب پھلی پھولی تھیں۔ چنانچہ مروان بن حکم کے علاوہ حارث بن حکم، عبدالرحمٰن بن حکم، یحییٰ بن حکم، حبیب بن حکم کے خاندان تھے۔ ابوالعاص کے ایک اور فرزند مغیرہ کا گھرانا تھا۔ اسی طرح اور بھی متعدد گھرانے تھے جن کے مسلمانوں کے نام سے ہم واقف نہیں ہو سکے۔ ملاحظہ ہو زبیری ص ۱۰۰، ۳۴-۱۳۲، ۵۲-۱۴۷، ۵۷-۱۵۴، ۹-۱۵۸، ۳-۱۶۰، ۱۶۹ وغیرہ۔

(۱۴۲) خلافت یزید بن معاویہ میں واقعہ حرہ سے قبل مدینہ والوں نے اپنے شہر کے اُمویوں کے ساتھ بڑا نازیبا سلوک کیا تھا اور ان سب کو شہر بدر کیا تھا۔ اس ضمن میں ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: طبری، تاریخ، پنجم، ص ۳-۴۸۲ وغیرہ۔ یہ واقعہ ۶۳ھ کا ہے۔

(۱۴۳) ابن اسحاق، ص ۵۹۔

(۱۴۴) ابن اسحاق، ص ۹۱۔

(۱۴۵) ابن سعد، سوم، ص ۵۳-۵۰؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۵۴۔

(۱۴۶) زبیری، ص ۹۷-۹۲۔

(۱۴۷) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۳-۵۰؛ زبیری، ص ۹۵-۹۳۔

(۱۴۸) زبیری، ص ۹۴-۵ کے مطابق وہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تو ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔

(۱۴۹) جمہرہ، ص ۶۷-۶۶۔

(۱۵۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکّہ، ص ۸۸۔

(۱۵۱) زبیری، ص ۹۵ نے ان میں سے کسی کی اولاد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱۵۲) ابن سعد، سوم، ص ۵۳ - ۵۰ ؛ جمہرہ، ص ۶۶-۷۔

(۱۵۳) زبیری، ص ۹۵ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۳ ؛ اصابہ نمبر ۷۹۲۵ ؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۵۴۔

(۱۵۴) زبیری، ص ۹۵ ؛ اصابہ نساء نمبر، ۱۴۱۹ - زبیری کے مطابق حضرت مسطح کی والدہ ام مسطح اور حضرت ابوبکر کی والدہ ام الخیر دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔

(۱۵۵) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکّہ، ص ۸۹۔

(۱۵۶) زبیری، ص ۹۳-۹۲ ؛ اصابہ نمبر ۷۲۲۵، ۱۲۵۶۔

زبیری نے اس خاندان کے کئی مردوں کا ذکر کیا ہے جو عام طور سے مسلم کیوں میں نہیں شمار کیے جاتے ہیں۔ مردوں میں قاسم بن مخرمہ، صلت بن مخرمہ اور ان کی مذکورہ بالا اولادوں کے علاوہ حکیم بن صلت، عمرو بن صلت، کہیم بن صلت اور مخرمہ بن قاسم بن مخرمہ کا ذکر کیا ہے اور یہ سب مسلم تھے۔ ان میں سے بیشتر کو خیبر سے طعمہ ملا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو: باب پنجم، بحث بر طعمہ نبی۔

(۱۵۷) زبیری، ص ۹۶-۹۵۔ (۱۵۸) زبیری، ص ۹۷-۹۶۔

(۱۵۹) زبیری، ص ۹۷ ؛ طبری، دوم، ص ۳۶-۳۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸-۶ ؛ خاکسار کا مضمون بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت پر، ص ۱۲۔

(۱۶۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے مضمون محولہ بالا۔

(۱۶۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ پر کسی نوفلی کا ذکر نہیں ہے اور ص ۱۴۶ میں مہاجرین حبشہ میں اور ص ۳۲۸ فہرست مجاہدین بدر میں ان کے دو حلیفوں حضرات عتبہ بن غزوان مازنی اور حضرت جناب مولیٰ عتبہ کا ذکر کیا ہے۔

(۱۶۲) ابن سعد، سوم اور چہارم (۱۶۳) ایضاً

(۱۶۴) ملاحظہ ہو رقابت بنی امیہ اور بنی ہاشم پر مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۶۵) ابن اسحاق، ص ۱۹۴ (یہ طبری کی اصل میں روایت ہے) ؛ زبیری، ص ۲۰۰۔

(۱۶۶) زبیری، ص ۲۰۱ ؛ استیعاب، ص ۹۰-۸۹ ؛ اسد الغابہ، اول، ص ۲۷۱۔

(۱۶۷) زبیری، ص ۲۰۵ - ۱۹۷۔

(۱۶۸) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکّہ، ص ۸-۶ اور ۹۴-۹۳۔

(۱۶۹) ابوجہل مخزومی کہا کرتا تھا کہ ہم (بنو مخزوم) نے بنو عبد مناف سے ہر چیز میں برابری کی۔ انھوں نے کھلایا تو ہم نے کھلایا۔ انھوں نے یہ کیا تو ہم نے وہ کیا، یہاں تک کہ ہم مسابقت میں برابر ہو گئے اور شانہ بشانہ

چلنے لگے تو انھوں نے نبی ہونے کا دعویٰ کردیا۔ بخدا ہم اس نبی کو کبھی نہیں مانیں گے۔

(۱۷۰) انساب الاشراف، اوّل، ص ۱۲۵ - ۱۲۵۔

(۱۷۱) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۳۔

(۱۷۲) ابن اسحاق، ص ۱۱۸ - ۱۱۹۔

(۱۷۳) ملاحظہ کیجیے: سیرت النبی، سوم، ص ۶۳۴ وغیرہ۔

(۱۷۴) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ نے حضرت سلمہ کو شامل نہیں کیا تھا کیونکہ وُہ کم عمر تھے اور نہ ہی حضرت ام سلمہ کا ذکر کیا ہے۔ البتہ اپنی فہرست مہاجرین حبشہ میں مؤخر الذکر کا نام شامل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۲۳۹ - ۲۴۰؛ زبیری، ص ۳۳۷-۳۳۸ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ بن ابی سلمہ کی شادی حضرت حمزہ بن عبد المطلب کی ایک دختر سے کر دی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عہدِ نبوی میں جوان ہو چکے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت ام سلمہ کے بطن سے حضرت ابو سلمہ کے ایک اور فرزند حضرت عمر بن ابی سلمہ اور دو دختر حضرت درّہ اور حضرت زینب تھیں۔ اور یہ غالباً سب مکی عہد کے مسلمان تھے۔ ان میں سے حضرت سلمہ اور حضرت درہ سے ان کی نسل نہیں چلی لیکن باقی دو حضرت عمر اور حضرت زینب کی اولادیں خوب ہوئیں۔ اسی خاندان میں حضرت ابو سلمہ کے دو بھائی اور تھے۔ ان میں سے ایک اسود بن عبد الاسد بدر میں کافر مقتول ہوئے تھے جبکہ دوسرے بھائی سفیان بن عبد الاسد زندہ رہے تھے اور اسلام کی دولت سے فیضیاب ہوئے تھے ان کا ذکر کچھ آگے آ رہا ہے۔
نیز ملاحظہ ہو اصابہ نمبر ۴۷۷۰، نساء نمبر ۱۳۰۲، نمبر ۳۳۷۶ وغیرہ خاندان عبد الاسد کے لیے۔

(۱۷۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۶۷ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۹؛ زبیری، ص ۳۱۷ - ۳۱۸۔

(۱۷۶) ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ ابن سعد، سوم، ص ۲۴۲؛ زبیری، ص ۳۲۴؛ اصابہ نمبر ۳۷۔

(۱۷۷) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۶۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۰ - ۱۳۱؛ زبیری، ص ۳۰۲ - ۳۰۳؛ اصابہ نمبر ۳۴۰۳۔

(۱۷۸) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۳؛ عبد المتعال صعیدی، شباب قریش، ص ۵۲-۶۹۔

(۱۷۹) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، ص ۲۴۶-۲۴۷؛ چہارم، ص ۱۳۶ - ابن سعد کے مطابق یہ عنسی خاندان ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کا حلیف تھا اور اس میں حضرات یاسر، سمیّہ اور ان کے دو فرزند عمار اور عبد اللہ شامل تھے۔

(۱۸۰) ابن اسحاق، ص ۱۴۷۔

(۱۸۱) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ زبیری، ص ۳۴۲ کے مطابق وہ مہاجر مدینہ تھے اور غزوۂ اُحد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں جان نچھاور کر دی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو اصابہ نمبر ۴۱۹۳۔

(۱۸۲) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۵؛ زبیری، ص ۳۳۸۔
یہ حضرت ابو سلمہ کے حقیقی چچا زاد بھائی سفیان کے فرزند تھے۔ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ زبیری نے ان کے ایک اور بھائی عمر بن سفیان کو مہاجرین حبشہ میں شمار کیا ہے۔

(۱۸۳) ابن اسحاق، ص ۱۴۱؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۵؛ زبیری، ص ۳۲۸۔
یہ بھی حضرت ابو سلمہ مخزومی کے حقیقی بھتیجے تھے۔ زبیری نے ان کے ایک اور بھائی حضرت عبید اللہ بن سفیان کا بھی ذکر کیا ہے جو یرموک میں شہید ہوئے تھے۔ اور دوسری ماں سے ان کے مزید سات بھائیوں کا ذکر کیا ہے۔ گویا کہ کل گیارہ کم از کم افرادِ خاندان مسلمان تھے اس گھرانے سے۔

(۱۸۴) ابن اسحاق، ص ۱۴۱؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۵؛ زبیری، ص ۳۱۵؛ اصابہ نمبر ۹۶۳۲۔
(۱۸۵) ابن اسحاق، ص ۱۷۰ انہوں نے اگرچہ واضح الفاظ میں ابولہب کی ضمانت و عہد کا ذکر نہیں کیا ہے تاہم مراد وہی ہے۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ جب ابو سلمہ مخزومی نے اپنے ہاشمی ماموں ابو طالب سے جوار مانگی تو بنو مخزوم کے کچھ سرداروں نے ابو طالب کو ایسا کرنے سے روکا۔ ابو طالب سے ان کی اس گفتگو کے موقع پر ابولہب بھی موجود تھا۔ ابو طالب کی اس دلیل پر کہ ابو سلمہ نے ان سے جوار کی درخواست کی ہے اور وہ ان کا بھانجا بھی ہے اس لیے وہ انھیں پناہ کیوں نہ دیں جب بنو مخزوم کے سرداروں نے سخت کلامی کی تو ابولہب کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا "او قریش! تم اس بزرگ کو بہت ستاتے رہتے ہو۔ یا تو تم اس بات کو اب یہیں رہنے دو ورنہ میں بھی ان کا ساتھ دوں گا یہاں تک کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔" اس پر بنو مخزوم کے سردار یہ کہہ کر اُٹھ گئے کہ وہ ابولہب کی مدد و اعانت کی قدر کرتے ہیں اور اس سے محروم ہونا پسند نہیں کریں گے۔
(۱۸۶) ابن ہشام کا تبصرہ حضرت شماس کے بارے میں ملاحظہ ہو ابن اسحاق میں، ابن ہشام کے تعلیقات ص ۲۱، (نمبر ۱۹۴)۔
نیز زبیری، ص ۳۴۲۔
(۱۸۷) ملاحظہ ہو زبیری، ص ۲۹۹-۳۴۶۔
(۱۸۸) ابن اسحاق، ص ۲۰۸؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۷۔ وہ ہشام بن مغیرہ مخزومی کے مولیٰ تھے یعنی ابو جہل مخزومی کے والد کے مولیٰ۔
(۱۸۹) ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۱-۱۳۴؛ زبیری، ص ۳۲۳-۳۲۴؛ اصابہ نمبر ۹۱۵۲؛ استیعاب، سوم، ص ۶۲۸-۶۳۰۔
(۱۹۰) زبیری، ص ۳۲۴۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی کے قبول اسلام کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۲-۲۵۳؛ زبیری، ص ۳۲۰؛ اصابہ نمبر ۲۱۹۷؛ استیعاب، اول، ص ۴۰۵-۴۱۰۔
(۱۹۱) ابن اسحاق، ص ۱۵۵؛ زبیری، ص ۳۱۰-۳۱۱؛ اصابہ نمبر ۵۶۳۸؛ استیعاب، سوم، ص ۱۴۸۔
(۱۹۲) اصابہ، نساء نمبر ۵۵؛ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۳۰۲۔
(۱۹۳) ابن اسحاق، ص ۵۹۴-۵۹۵؛ زبیری، ص ۳۰۱-۳۰۲۔ وہ ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے۔
(۱۹۴) ابن اسحاق، ص ۵۹۴-۵۹۵؛ زبیری، ص ۳۴۴؛ اصابہ نمبر ۴۲۲۸۔
(۱۹۵) زبیری، ص ۳۱۲ نے اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت علی نے حضرت جویریہ بنت ابی جہل کو پیغام دیا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی کی وجہ سے نکاح نہیں کیا۔ اور حضرت عتاب بن اسید نے خوشنودیِ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ان سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن عتاب پیدا ہوئے تھے جو جنگِ جمل میں حضرت عائشہ کی طرف سے لڑے اور شہید ہوئے تھے۔ حضرت جویریہ کے لیے مزید دیکھئے اصابہ نساء نمبر ۲۴۹۔

زبیری، ص ۳۱۲ نے ابوجہل مخزومی کے متعدد فرزندوں اور دختروں کا ذکر کیا ہے جو سب کے سب فتح مکہ میں غالباً مسلمان ہو گئے تھے اور جنھوں نے بعد میں اسلامی ریاست کے لیے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ ان میں ابو علقمہ، زرارہ بن ابوجہل، ابوحاجب، تمیم بن ابوجہل اور علقمہ بن ابی جہل تھے۔ موخرالذکر کی ماں مختلف تھیں۔ ابوجہل کی چار صاحبزادیاں تھیں جن میں حضرت جویریہ بنت ابی جہل کے علاوہ صخرہ، حنفاء اور اسماء تھیں۔ ان میں سے حنفاء سہیل بن عمرو بن عبدشمس عامری کی اہلیہ تھیں اور اسماء ولید بن عبدشمس بن مغیرہ مخزومی کی اور تیسری دختر صخرہ ابوسعید بن حارث بن ہشام کے نکاح میں تھیں۔ ان میں سے موخرالذکر کی نسل نہیں چلی تھی اور باقی کی نسلیں خوب پھلی پھولی تھیں۔

(۱۹۶) زبیری، ص ۱۶-۳۱۵: اصابہ نمبر ۳۴۵۴: استیعاب، دوم، ص ۶۴-۲۶۲ اور اصابہ نمبر ۸۲۴۸ بالترتیب۔

(۱۹۷) زبیری، ص ۳۱۶: اصابہ نمبر ۴۹۹۵ اور ۶۶۲۴۔ ان کا اصل نام بَحِیر تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو: استیعاب، دوم، ص ۹۹-۲۹۸۔

(۱۹۸) زبیری، ص ۳۲۰: اصابہ نمبر ۴۹۱۴۔

(۱۹۹) زبیری، ص ۳۲۲: اصابہ (کنیت، نمبر ۱۰۸): اسدالغابہ، پنجم، ص ۲-۲۶۱۔

(۲۰۰) زبیری، ص ۳۲۲۔

(۲۰۱) زبیری، ص ۲۳-۳۲۲: اصابہ نمبر ۱۶۷۵ اور ۳۸۰۵: نیز اصابہ نمبر ۳۲۴۶۔

(۲۰۲) زبیری، ص ۳۲۳ اور اصابہ نمبر ۳۲۴۶۔

(۲۰۳) زبیری، ص ۳۴-۳۲۳، ۳۴۵، اصابہ نمبر ۳۶۸۹، ۵۱۱۹، ۹۰۸۰، ۱۶۹۶۔ حضرت سہل بن وہب مخزومی کا اصل نام حَزَن تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل دیا تھا۔

(۲۰۴) زبیری، ص ۳۴۴ (۲۰۵) زبیری، ص ۳۴۵

(۲۰۶) ایک موٹے سے اندازے کے لیے ملاحظہ کیجئے: زبیری، ص ۳۴۶-۲۹۹۔ اس کا کچھ اندازہ بنو مخزوم کے خاندانوں کی تفصیل سے بھی ہوتا ہے جو مختصراً حسب ذیل ہے:

(الف) بنو مخزوم بن یقظہ کے بنیادی خاندان چار تھے: (۱) بنو عمر بن مخزوم (۲) بنو عامر بن مخزوم (۳) بنو عمران بن مخزوم اور (۴) بنو عمیرہ بن مخزوم۔ بنو عمر بن مخزوم کے تین فرزند تھے عبداللہ، عبیداللہ اور عبدالعزیٰ۔ عبداللہ بن عمر کے چھ فرزند تھے: مغیرہ، عثمان، عائذ، خالد، ابوجندب اسد اور قیس۔ لیکن تعداد و شرف اور عظمت کے لحاظ سے اصل گھرانا بنو مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم کا تھا۔

(ب) بنو المغیرہ بن عبداللہ: (۱) بنو ہاشم بن مغیرہ (۲) بنو ہشام بن مغیرہ (۳) بنو ابی حذیفہ مہشم بن مغیرہ،

(۴) بنو ابی ربیعہ عمرو بن مغیرہ (۵) بنو ابو امیہ حذیفہ بن مغیرہ (۶) بنو حذاش بن مغیرہ (۷) بنو زہیر بن مغیرہ (۸) بنو ابی زہیر تمیم بن مغیرہ (۹) بنو فاکہ بن مغیرہ (۱۰) بنو ولید بن مغیرہ (۱۱) بنو عبد شمس بن مغیرہ (۱۲) بنو حفص بن مغیرہ (۱۳) بنو عثمان بن مغیرہ ——— ان خاندانوں کے اہم ترین افراد سے ان کا تعارف ذیل میں پیش ہے۔

۱ - بنو ہاشم بن مغیرہ : حنتمہ بنت ہاشم حضرت عمر بن خطاب کی والدہ ماجدہ۔ اولادِ نرینہ سے نسل نہیں چلی۔

۲ - بنو ہشام 〃 : عثمان بن ہشام اور حارث بن ہشام، ابوجہل عمرو بن ہشام، سلمہ بن ہشام وغیرہ۔

——— بنو حارث بن ہشام : (۱) عبدالرحمٰن الشرید ——— بہت بڑا گھرانا تھا اور متعدد دختر فرزند تھے جو بعد میں مشہور ہوئے۔

——— بنو ابی جہل بن ہشام : (۱) حضرت عکرمہ وغیرہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

۳ - بنو ابی حذیفہ بن مغیرہ، حضرت ہشام بن ابی حذیفہ - مہاجر حبشہ۔

۴ - بنو ابی امیہ 〃 : عبداللہ بن ابی امیہ، ان کی بہن ام سلمہ بنت ابی امیہ زوجہ کریمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، زہیر اور مہاجر وغیرہ۔

۵ - بنو ابی ربیعہ 〃 : عبداللہ (بحیر) بن ابی ربیعہ، عیاش بن ابی ربیعہ - موخر الذکر کا گھرانا کافی بڑا تھا۔

۶ - بنو فاکہ بن مغیرہ : ابوقیس جو بدر میں کافر مقتول ہوا۔ نسل ختم ہو گئی۔

۷ - بنو عبداللہ 〃 : عثمان بن عبداللہ، بدر میں اسیر ہوا اور نخلہ میں بچ نکلا تھا۔ نوفل خندق میں مقتول ہوا، نسل نہیں چلی۔

۸ - بنو ولید 〃 : حضرت خالد بن ولید مخزومی اور ان کے محترم بھائی اور ان کی اولادیں۔ کافی بڑا گھرانا تھا۔

۹ - بنو عبد شمس 〃 : حضرت ولید بن عبد شمس یمامہ میں حضرت خالد بن ولید کے شریک تھے۔ شہید ہوئے۔ ان کی اولادیں تھیں۔

۱۰ - بنو حفص 〃 : حضرت عمرو بن حفص اور ان کی اولادیں۔

(ج) بنو عثمان بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم : حضرات حریث، حویرث، سعید بن حریث، عمرو بن حریث۔

(د) بنو عائذ بن عبداللہ 〃 〃 : حضرت عبداللہ بن ابوالسائب وغیرہ۔

(س) بنو اسد 〃 〃 〃 : حضرت ارقم بن ابی الارقم کا خاندان۔

(ط) بنو خالد 〃 〃 〃 : حضرت وابصہ بن خالد کا خاندان۔

(ع) بنو ہلال 〃 〃 〃 : حضرات ابوسلمہ بن عبدالاسد، سفیان بن عبدالاسد وغیرہ کا خاندان۔ کافی بڑا گھرانا تھا۔

(ف) بنو عبید بن عمر بن مخزوم : حضرت مطلب بن عبداللہ بن مطلب بن حنطب کا خاندان جو بعد میں بہت وسیع و عظیم ہوا۔

(ل) بنو عامر بن مخزوم : حضرت عثمان الشماس بن عثمان اور ان چچاؤں کا خاندان جن میں حضرت سعید بن یربوع بھی شامل تھے۔

(م) بنو عمران " " : ابو ہبیرہ بن وہب زوج ام ہانی بنت ابی طالب اور حضرت سہل (حزن) ابی وہب کا گھرانا جو متعدد ذیلی خاندانوں پر مشتمل تھا۔

(ن) بنو عمیرہ " " : نسل نہیں چلی۔

یہ تفصیل صبر آزما تو ضرور ہے مگر اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے بنو مخزوم کے تقریباً ہر گھرانے میں ابتداہی سے اپنے ماننے والے بنا لیے تھے اور دوسرا اہم نکتہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عددی لحاظ سے عہد نبوی میں یہ گھرانا/بطن قریش اصل میں قبیلہ بن چکا تھا اور اس میں مرد و عورت اور بچوں سمیت ہزاروں افراد تھے۔

(۲۰۷) ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت پر ، ص ۱۸-۱۷۔

(۲۰۸) زبیری، ص ۵-۳۶۴ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۸۰ - ۳۷۹ وغیرہ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے فرمایا کرتے تھے کہ زید بن عمرو بن نفیل خود ایک اُمّت ہو کر قیامت کے دن اٹھیں گے۔

(۲۰۹) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ ، ۶-۱۵۵ ؛ زبیری، ص ۳۶۵ ؛ اصابہ نمبر ۳۲۵۴۔

(۲۱۰) زبیری ، ص ۳۶۵ ؛ اصابہ نساء نمبر ۶۹۲ ؛ استیعاب ، چہارم ، ص ۳۶۵۔

(۲۱۱) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۱۔

(۲۱۲) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۳۹ - ۱۳۸ ؛ زبیری، ص ۳۸۰-۳۸۱ ؛ اصابہ نمبر ۸۰۷۷، ۴۴، نساء ۴۷۵، ۱۸۶۱ و نساء ۱۱۸ ، نساء ۸۲۔

(۲۱۳) زبیری ، ص ۳۶۸ ؛ اصابہ نساء ۶۱۹ اور ۳۶۴۰۔

(۲۱۴) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۹ ؛ زبیری ، ص ۸۲-۳۸۱ ؛ اصابہ ۵۴۸۳ اور ۸۶۴۸۔

(۲۱۵) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ ؛ ابن سعد ، چہارم، ص ۱۴۰ ؛ زبیری ، ص ۸۲-۳۸۱ ؛ اصابہ ۵۴۸۳ اور ۹۶۴۸۔

(۲۱۶) ابن اسحاق ، ص ۱۴۶ ؛ ابن سعد، چہارم ، ص ۱۴۱ ؛ زبیری، ص ۳۸۱ ؛ اصابہ ۵۷۵۱ اور ۵۵۰۸۔

(۲۱۷) ابن سعد، چہارم، ص ۱۴۱۔

(۲۱۸) ابن سعد، چہارم، ص ۴۲-۱۴۱؛ زبیری، ص ۳۶۷۔

(۲۱۹) ابن سعد، چہارم، ص ۹-۱۰۸۔

(۲۲۰) اصابہ نساء ۲۷۔ زبیری، ص ۳۸۱۔

(۲۲۱) زبیری، ص ۸-۳۴۷؛ اصابہ ۲۸۹۱؛ استیعاب، اول، ص ۴۴-۱۴۵۔

(۲۲۲) ابن اسحاق، ص ۶-۱۵۵۔

(۲۲۳) ابن اسحاق، ص ۱۵۹؛ زبیری، ص ۴۰۹۔

(۲۲۴) زبیری، ص ۶۳-۲۴۷۔

(۲۲۵) ابن سعد، چہارم، ص ۱۴۲ وغیرہ؛ زبیری، ص ۲۴۷؛ اصابہ ۲۵۸۴۔

(۲۲۶) ابن سعد، ہشتم، ص ۵-۱۸؛ زبیری، ص ۳۴۷؛ اصابہ نساء ۲۹۴۔

(۲۲۷) ملاحظہ ہو زبیری، ص ۶۳-۳۴۷؛ اصابہ ۵۱۶۵، ۲۹۵۳؛ ۶۱۴۹ اور استیعاب، سوم، ص ۳۷-۱۳۶؛ اصابہ ۶۲۳۵ اور ۶۲۲۲۔

(۲۲۸) ابن سعد، سوم، ص ۳۷۷؛ زبیری، ص ۳۶۳؛ اصابہ ۶۲۰۷؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۲۹۵۔

(۲۲۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، سوم، ص ۸-۶۳۷۔

(۲۳۰) واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۱۔

(۲۳۱) ابن اسحاق، ص ۲۱۷۔ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟

(۲۳۲) ابن سعد، سوم، ص ۳۹۱؛ ابن اسحاق، ص ۳۰۰۔ وہ غزوہ بدر میں پہلے شہید تھے۔

(۲۳۳) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، چہارم اور ہشتم وغیرہ۔

(۲۳۴) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶ وغیرہ؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۲۶۷۔

(۲۳۵) ابن اسحاق، ص ۵۰۳ کا بیان ہے کہ مکہ میں بنو عدی بن کعب میں سے کوئی نہیں باقی رہ گیا تھا۔

(۲۳۶) ابن اسحاق، ص ۲۹۶۔

(۲۳۷) زبیری، ص ۶۷-۳۶۹؛ اصابہ (کنیت) نمبر ۲۰۶، (کنیت) ۲۵۵، ۲۶۴۰، نساء ۶۱۹۔ بنو عویج بن عدی میں مذکورہ بالا مسلمانوں کے علاوہ متعدد مسلمان عہدِ نبوی کے تھے۔ بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ متعدد گھرانے مسلمان تھے۔ زبیری کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم سے کم چار پانچ سو افراد کے درمیان ان کی عددی طاقت رہی ہوگی۔

(۲۳۸) ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون بنو ہاشم و بنو امیہ کی رقابت پر۔

(۲۳۹) زبیری، ص ۲۹۱؛ نیز ملاحظہ کیجئے، کتاب المنمق، ص ۵۳-۴۵۔

(۲۴۰) ملاحظہ کیجئے حوالہ سابقہ ۹ اور ۱۱۔

(۲۴۱) ابن اسحاق، مذکورہ بالا؛ ابن سعد، سوم، ۲-۱۷۱ وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے قبول کرنے میں کچھ نہ کچھ پس وپیش ضرور کیا مگر صرف ایک شخص یعنی حضرت ابوبکر صدیق ایسے تھے جنھوں نے سنتے ہی قبول کر لیا۔

(۲۴۲) ملاحظہ کیجئے حوالہ جات سابق ۳۹ تا ۵۴۔

(۲۴۳) ابن سعد، سوم، ص ۱۹۹ کے مطابق ایک صاحبزادی کا نام ام کلثوم تھا۔

(۲۴۴) حوالہ جات سابق ۴۰ و ۴۱؛ نیز ابن اسحاق، ص ۱۱۶۔

(۲۴۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۵؛ ابن سعد، سوم، ص ۶-۴۱۴؛ زبیری، ص ۲۰۰-۲۰۱؛ اصابہ ۴۲۹۹ ۔ زبیری نے ان کے متعدد فرزندوں کا ذکر کیا ہے جن میں موسیٰ، عمران، محمد، یعقوب، اسماعیل، اسحاق، زکریا، عیسیٰ، یحییٰ شامل ہیں ان کے علاوہ متعدد صاحبزادیاں بھی تھیں۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں سے عہد نبوی میں کتنے تھے۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ کچھ اولادیں عہد نبوی کی مسلم تھیں۔ ان کے ایک بھائی عثمان بن عبید اللہ بھی تھے مگر ان کی نسل کچھ زیادہ نہیں چل سکی تھی۔ یہی حال ان کے ایک اور بھائی مالک بن عبید اللہ کا ہوا تھا۔

(۲۴۶) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ زبیری، ص ۲۹۴ کا بیان ہے کہ ان کا حبشہ میں انتقال ہو گیا تھا۔ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۸ نے عمرو بن عثمان کو قادسیہ کا شہید بتایا ہے۔ البتہ زبیری نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔

(۲۴۷) زبیری، ص ۲۷۶؛ اصابہ ۱۵۱۵۔

(۲۴۸) اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۷۵۔

(۲۴۹) زبیری، ص ۲۹۵؛ اصابہ ۸۲۴۵، نساء ۹۷۔

بنو تیم بن مرہ کے کل تین چار خاندان تھے، بنو عمرو بن کعب بن سعد بن تیم، بنو عبد مناف بن کعب اور بنو کعب بن سعد۔ ان میں سے اصل خاندان اوّل الذکر تھا جس میں شرف و عظمت و نجابت تھی۔

(۲۵۰) بنو سہم کے اصل گھرانے حسب ذیل تھے:

سہم بن عمرو کے دو فرزند تھے؛ سعد اور سُعَید۔ بنو سعد بن سہم تھے؛ عدی، حذیم، حذافہ، حذیفہ، سُعَید اور انھیں کی نسلیں اصل میں بنو سہم کے گھرانے بنے۔ ذیل میں یہ گھرانے اور ان کے اہم اشخاص کا تعارف پیش ہے

۱۔ بنو عدی بن سعد بن سہم: قیس بن عدی اپنے زمانے میں قریش کے سید تھے اور ان کے فرزند عبد المطلب ا عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف میں منافرہ ہوا تھا۔ بنو سہم کے میں اتنے زیادہ ہو گئے تھے کہ وہ بنو عبد مناف

ہم پلّہ ہوگئے تھے لیکن بعثتِ نبوی کے وقت ان کی تعداد کم ہوگئی تھی کیونکہ ان میں بیماری پھیلی اور ایک ایک دن میں کئی کئی موتیں واقع ہوتی گئیں۔

— بنو قیس بن عدی : حارث اور حذافہ ، ابوقیس بن حارث ، سعید بن حارث وغیرہ۔

— بنو زبعری : عبداللہ بن الزبعری ، مشہور شاعر۔

— بنو حذافہ بن قیس بن عدی : خنیس بن حذافہ ، حضرت حفصہ کے پہلے شوہر کا خاندان۔

۲ - بنو حذیم بن سعد بن سہم : جلد خاندان ختم ہوگیا۔

۳ - بنو عبد قیس بن عدی بن سعد بن سہم : حضرت عمر بن خطاب کی ماں کا خاندان۔

۴ - بنو حذیفہ بن سعد بن سہم : نبیہ و منبہ فرزندان حجاج سہمی کا خاندان۔

۵ - بنو حذافہ بن سعد بن سہم : قیس بن حُذافہ اور ان کے فرزند عدی ، فروہ اور نعمان۔ زیادہ تر عورتیں تھیں۔

۶ - بنو سُعَید بن سعد بن سہم : متعدد فرزند تھے۔ ابو وَدَاعہ کا خاندان۔

۷ - بنو سُعَید بن سہم : ہاشم ، مہشم اور ہشام کا خاندان۔

— بنو ہاشم بن سُعَید : حضرت عمرو بن العاص کا خاندان۔

— بنو مہشم بن سُعَید : حضرت عمیر بن رئاب بن مہشم کا خاندان۔

(۲۵۱) ابن اسحاق ، ص ۱۳۳ ؛ بلاذری ، انساب الاشراف ، اول ، ص ۱۳۲ ، ۱۳۸ ، ۱۴۲ وغیرہ۔ (۲۵۲) ایضاً

(۲۵۳) ابن اسحاق ، ص ۱۱۶ ، ۷ - ۱۴۶ وغیرہ ؛ ابن سعد ، چہارم ، ص ۹۱ - ۱۸۹ ؛ زبیری ، ص ۴۰۲ ؛ اصابہ ۲۲۹۰ ، ۶۱۴۳۔ زبیری نے قیس بن حذافہ کی جگہ ابوالاخنس بن حذافہ کا ذکر کیا ہے۔

(۲۵۴) ابن اسحاق ، ص ۱۴۷ ؛ ابن سعد ، چہارم ، ص ۹۴ - ۱۹۱ ؛ زبیری ، ص ۴۰۹ ؛ اصابہ ۸۹۶۶۔

(۲۵۵) ابن اسحاق ، ص ۷ - ۱۴۶ ؛ ابن سعد ، چہارم ، ص ۱۹۷۔

(۲۵۶) ابن سعد ، چہارم ، ص ۹۷ - ۱۹۴ ؛ نیز زبیری ، ص ۲ - ۴۰۱ ؛ اصابہ ۱۳۱ ۹۳ (کنیت) ، ۳۲۴۴ ، ۸۳۶ ، ۴۵۹۶۔

(۲۵۷) منٹگمری واٹ ، محمد ایٹ مکہ ، ص ۱۷۷۔

(۲۵۸) ابن سعد ، چہارم ، ص ۶۱ - ۲۵۴ ؛ زبیری ، ص ۱۰ - ۴۰۹ ؛ اصابہ ۵۸۷۷ ؛ استیعاب ، دوم ، ص ۱۵ - ۸۰۸۔

(۲۵۹) ابن سعد ، چہارم ، ص ۲۶۲ ؛ زبیری ، ص ۴۱۱ ؛ اصابہ ۴۷۳۸۔

(۲۶۰) ابن ہشام (ابن اسحاق ص ۸۰۰) کے مطابق حضرت عدی بن قیس بن حذافہ ان سردارانِ قریش میں شامل تھے جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ ہوازن میں سے عطیۂ خاص عطا فرمایا تھا۔

(۲۶۱) زبیری ، ص ۴۰۲ ؛ اصابہ ۴۶۷۰ ؛ استیعاب ، سوم ، ص ۱۱ - ۳۰۹۔

(۲۶۲) زبیری، ص ۴۰۶؛ اصابہ ۱۲۰۵ (کنیت)، استیعاب، چہارم، ص ۲۱۰ اور اصابہ ۸۰۲۳ اور استیعاب، سوم، ص ۱۳ - ۴۱۲؛ اصابہ ۵۰۱۱ نیز ۳۴۳۵ (کنیت)؛ اصابہ ۴۰۵۱؛ نیز استیعاب، دوم، ص ۱۰۲-۱۰۱۔

(۲۶۳) زبیری، ص ۴۰۵؛ اصابہ نساء ۳۵۴۔

(۲۶۴) بنو زہرہ بن کلاب کے اہم خاندان اور ان کے نمائندہ افراد حسب ذیل تھے:

۱ - بنو زہرہ بن کلاب: عبد مناف، حارث۔ تعداد کے لحاظ سے بنو حارث بن زہرہ اور شرف کے اعتبار سے بنو عبد مناف بن زہرہ اہم تھے۔ زہرہ بن کلاب دراصل قصی بن کلاب کے بھائی تھے۔

۲ - بنو عبد مناف بن زہرہ: وہب، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا کا خاندان۔

—— بنو وہب بن عبد مناف: اسود بن عبد یغوث بن وہب۔ رسول کریم کا مخالف اور مذاق اڑانے والا۔

—— بنو اہیب بن عبد مناف: مخرمہ بن نوفل بن اہیب۔ فتح مکہ کے مسلم اور ماہر انساب، حضرت سعد بن ابی وقاص کا خاندان بھی یہی تھا۔

۳ - بنو حارث بن عبد مناف: عبد، عبد اللہ، وہب، شہاب۔ نسل زیادہ تر عبد کے خاندان میں چلی۔

—— بنو عبد بن حارث: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف بن عبد کا خاندان۔ حضرت عبد الرحمٰن کے متعدد بھائی اور ان کے گھرانے تھے۔

—— بنو عبد اللہ بن حارث: حضرت شہاب بن عبد اللہ کا خاندان۔

—— بنو وہب بن حارث: نسل منقطع ہو گئی۔

—— بنو اہیب بن حارث: نسل زیادہ نہیں چلی۔

(۲۶۵) ابن اسحاق، ص ۲۹۶۔

(۲۶۶) زبیری، ص ۴۷-۲۵۷۔ (۲۶۷) زبیری، ص ۶۶ - ۲۶۵۔

(۲۶۸) ایضاً۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟"

(۲۶۹) زبیری، ص ۶۶ - ۲۶۵ اور ۶۳-۲۶۲ بالترتیب حضرت شفا اور حضرت عاتکہ کے لیے: نیز ملاحظہ کیجئے حضرت مسور بن مخرمہ کے لیے اصابہ ۷۹۹۳؛ استیعاب، سوم، ص ۱۸-۴۱۶۔

(۲۷۰) زبیری، ص ۶۶ - ۲۶۵۔

(۲۷۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۴؛ زبیری، ص ۲۷۴؛ اصابہ ۸۰۲۴، ۴۲۸۵، ۵۰۷۸۔

(۲۷۲) ابن اسحاق، ص ۱۴۷۔

(۲۷۳) ابن سعد، سوم، ص ۱۳۴ - ۱۳۷ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۱۱۶ - ۱۱۵، ۱۴۷ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۴ - ۱۲۳؛ زبیری، ص ۶۴ - ۲۶۳؛ اصابہ ۴۳۱۹؛ استیعاب، دوم، ص ۴۳ - ۱۸؛



حرم المکی کے دروازے پر آبِ زمزم پلایا جا رہا ہے

اصابہ ۶۰۵۷، ۴۴۲۳، ۸۹۱۲۔

(۲۷۴) ابن سعد، چہارم، ۶-۱۲۵؛ زبیری، ص ۲۷۴۔

(۲۷۵) ابنِ سعد، چہارم، ص ۱۲۵ (۲۷۶) ابن سعد سوم ص ۵۱-۱۵۰؛ چہارم، ص ۲۸-۱۲۶۔

(۲۷۷) ابن سعد، چہارم، ص ۸-۱۲۷ (۲۷۸) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۶۱۔

(۲۷۹) ابن سعد، سوم، ص ۱۲۷۔ (۲۸۰) ابن اسحاق، ص ۱۱۶

(۲۸۱) زبیری، ص ۲۶۲؛ اصابہ ۸۴۰۷؛ نیز ملاحظہ کیجئے: اسد الغابہ، چہارم، ص ۷۔

(۲۸۲) بنو اسد دراصل خاندان قصی بن کلاب کی شاخ تھے کیونکہ وہ عبدالعزیٰ بن قصی کی نسل سے تھے۔ عبدالعزیٰ کے ایک فرزند اسد میں نسل چلی۔ اسد بن عبدالعزیٰ کے متعدد فرزند اور اتنے ہی گھرانے تھے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) بنو حارث بن اسد (۲) بنو مطلب (نسل نہیں چلی) (۳) بنو عبداللہ (نسل نہیں چلی) (۴) بنو نوفل (۵) بنو حبیب (۶) بنو صیفی (نسل نہیں چلی اور اسی طرح طالب، طلیب اور خالد کی نسلیں بھی منقطع ہو گئیں) (۷) بنو حویرث بن اسد (۸) بنو ہاشم (۹) بنو مہشم (۱۰) بنو عمرو (ان تینوں کی بھی نسلیں نہیں چل سکیں) (۱۱) خویلد بن اسد (اصل گھرانا تعداد کے اعتبار سے یہی تھا)

- بنو نوفل بن اسد: ورقہ بن نوفل کا خاندان مگر خود ان کی اپنی نسل نہیں چلی۔ صفوان بن نوفل کی بھی نسل منقطع ہو گئی۔ البتہ عدی بن نوفل کا گھرانا چلا۔
- بنو حویرث بن اسد: عثمان بن حویرث مکہ کے ممتاز ترین سرداروں میں تھے لیکن وہ مکہ کے بادشاہ نہیں بن سکے ان کی نسل بھی نہیں چلی۔ مطلب بن حویرث کی نسل بھی منقطع ہو گئی۔
- بنو حبیب بن اسد: کوئی قابلِ ذکر شخص نہیں ہوا۔
- بنو حارث بن اسد: اصل گھرانا تھا اور نسل بھی خوب پھلی پھولی۔ ان کے دو بیٹے تھے: زہیر اور ہاشم۔ اسلامی عہد میں ان دونوں کے گھرانے خوب پھلے۔ ان کے اہم ذیلی گھرانے تھے:

  ——بنو امیہ بن حارث: حضرت عمرو بن امیہ، مہاجر حبشہ، سفیان بن حارث وغیرہ۔

  ——بنو ہاشم بن حارث: ابو البختری عاصی، شاعرِ وقت، بدر میں مقتول۔ حضرت الاسود بن ابی البختری وغیرہ۔
- بنو مطلب بن اسد: ابو زمعہ اسود بن مطلب، اسلام و رسول کے مذاق اڑانے والوں میں اور سردار قریش۔ اس کا فرزند زمعہ مقتولِ بدر۔ حضرت ہبار بن اسود بعد میں اسلام لائے۔ ان کی اولاد۔ اور دوسرے صحابہ مثلاً یزید بن زمعہ۔

  ——بنو ابی حُبَیش بن مطلب: حضرت عبداللہ بن سائب صحابیِ رسول۔

○ بنو خویلد بن اسد: عدی، حزام، عوام، نوفل، حضرات خدیجہ و ہالہ۔
—— بنو عدی: نسل نہیں چلی۔
—— بنو حزام: حضرت حکیم بن حزام اور ان کے فرزند ہشام، خالد وغیرہ۔
—— بنو عوام: حضرات زبیر بن عوام اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن، سائب وغیرہ'

ملاحظہ ہو زبیری، ص ۶ ۲۵ - ۲۰۵۔

(۲۸۳) ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۱۲۷ اور ۱۴۳ وغیرہ ؛ زبیری، مذکورہ بالا۔

(۲۸۴) ابن اسحاق، ص ۱۱۵ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۲ - ۱۰۰ ؛ زبیری، ص ۲۳۵ ؛ اصابہ ۳۷۸۹۔

(۲۸۵) ابن سعد، ہشتم، ص ۴۱۔ (۲۸۶) ابن سعد، چہارم، ص ۱۱۹ ؛ زبیری، ص ۶-۲۳۵۔

(۲۸۷) زبیری، ص ۲۳۵، ان کا اصل نام عبدالکعبہ تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل دیا تھا ؛ نیز اصابہ ۵۱۸۰
کی زوجہ محترمہ جُمینہ بنت عبدالعزیٰ خزاعی مبایعات میں سے تھیں۔ ملاحظہ ہو اصابہ نساء ۲۴۱ ، ۲۴۸ اور
ان کے دو فرزند عبداللہ اور عبیداللہ تھے۔ اول الذکر حضرت عثمان غنی کے ساتھ اور ثانی الذکر جنگِ صفین میں
ہوئے تھے۔

(۲۸۸) ابن اسحاق، ص ۱۱۱ ؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۸۲ ؛ زبیری، ص ۴۱-۲۴۰ ؛ اسدالغابہ، پنجم، ص ۵

(۲۸۹) زبیری، ص ۲۴۴۔ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، چہارم، ص ۱۱۹۔

(۲۹۰) زبیری، ص ۲۳۰ ؛ اصابہ نساء ۱۰۰۵ : اسدالغابہ، پنجم، ص ۸-۵۵۷۔

(۲۹۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۰ ؛ زبیری، ص ۲۳۰ ؛ اصابہ ۱۷۱۔

(۲۹۲) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۰ ؛ زبیری، ص ۲۱۲ ؛ اصابہ ۷۶۹۵۔

(۲۹۳) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۱ ؛ زبیری، ص ۲۲۱۔

(۲۹۴) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۲ کا یہ خیال ہے۔

(۲۹۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۵-۱۱۴۔

(۲۹۶) زبیری، ص ۲۱۹ ؛ اصابہ ۹۲۹۷ ؛ استیعاب، سوم، ص ۱۰-۶۰۹۔ ان کی متعدد اولاد بھی
مسلمان تھیں۔

(۲۹۷) زبیری، ص ۲۳۱ ؛ اصابہ ۱۸۰۰ ؛ ابن اسحاق، ص ۹۵۔ ان کے فرزند ہشام کے لیے ملاحظہ
زبیری، ص ۲۳۱ اور اصابہ ۸۹۶۵۔

(۲۹۸) بنو اسد کے دوسرے مسلمانوں میں یہ حضرات شامل تھے، حضرات اسود بن ابوالبختری، عدی بن
اسد، عطاء بن ذؤیب بن تُویت اور حولاء بنت تُویت، اسود بن ابوالبختری کی والدہ عاتکہ بنت ا

بنو حارث بن اسد، عبداللہ بن سائب بن ابی حبیش بن مطلب، عبداللہ بن زمعہ، عبداللہ بن زبیر بن عوام وغیرہ۔
ظاہر ہے کہ بنو اسد کے عہد نبوی کے کل مسلمان مردوں اور عورتوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

(۲۹۹) بنو جمح کے اہم خاندان یہ تھے:
(۱) بنو خلف بن وہب: امیہ بن خلف، ابی بن خلف، دشمنانِ رسول کریم جو بالترتیب بدر اور اُحد میں مقتول ہوئے۔
—— بنو وہب بن خلف، بنو امیہ بن خلف، بنو اسید بن خلف، بنو ابی بن خلف، بنو احیحہ بن خلف۔
(۲) بنو حبیب بن وہب: حضرت عثمان بن مظعون کا گھرانا۔/ بنو معمر بن حبیب بن وہب: بنو حارث بن معمر۔
(۳) بنو وہبان بن وہب: کوئی مشہور شخص نہیں گزرا۔
(۴) بنو اہیب بن حذافہ بن جمح: کئی ذیلی گھرانے تھے: بنو عمیر، بنو عمرو، بنو عبد مناف بن عمیر وغیرہ۔
(۵) بنو سعد بن جمح (۶) بنو عویج بن سعد، بنو لوذان بن سعد، بنو ربیعہ بن سعد۔ موخر الذکر کا ذیلی گھرانا تھا
بنو عامر بن حذیم، جس کے نمائندہ شخص تھے حضرت سعید بن عامر۔
ملاحظہ ہو زبیری، ص ۴۰۰-۳۸۶۔

(۳۰۰) ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۸-۱۳۰؛ ابن اسحاق، ص ۱۲۷ اور ۱۳۳ وغیرہ؛ زبیری، ص ۳۸۷۔

(۳۰۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۷۔

(۳۰۲) ایضاً؛ ابن سعد، سوم، ص ۴۰۱-۳۹۳؛ زبیری، ص ۴-۳۹۳؛ اصابہ ۵۴۴۵؛ استیعاب، سوم،
ص ۸۶-۸۵؛ اصابہ ۳۰۶۶، ۴۹۵۵، ۷۰۸۲۔

(۳۰۳) زبیری، ص ۳۹۴۔

(۳۰۴) ابن اسحاق، ص ۱۵-۲۱۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" ص ۲۱۔

(۳۰۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۹؛ ابن سعد، سوم، ص ۴۰۲ وغیرہ؛ چہارم، ص ۲-۲۰۱؛ زبیری، ص ۳۹۵؛ اصابہ
۱۷۵۵، ۱۵۳۴، ۵۱۴۵، ۷۷۵۹، ۱۳۸۷، نساء ۱۱۷۶۔

(۳۰۶) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۰۲؛ زبیری، ص ۵-۳۹۴؛ اصابہ ۱۱۹۰؛ استیعاب،
اول، ص ۲۳۹؛ اصابہ ۳۳۲۲ وغیرہ۔

(۳۰۷) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۰۳؛ زبیری، ص ۳۹۶ نے حضرت نُبیہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۳۰۸) ابن اسحاق، ص ۲۱۸-۲۰؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۰۱-۱۹۹؛ زبیری، ص ۳۹۱؛ اصابہ ۹۱۷۱؛
استیعاب، سوم، ص ۷-۶۲۶۔ حضرت عمیر بن وہب جمحی کے لیے ملاحظہ کیجئے: زبیری، ص ۳۹۱؛ اصابہ
۶۰۵۳؛ استیعاب، دوم، ص ۶-۴۸۴؛ نیز ابن اسحاق، ص ۵۵۵۔

(۳۰۹) ابن سعد، چہارم، ص ۲۷۹؛ زبیری، ص ۳۹۹؛ اصابہ ۳۲۶۳۔

(۲۱۰) ابن اسحاق، ص ۵۵۵؛ زبیری، ص ۳۸۰؛ اصابہ ۴۰۶۸۔

(۲۱۱) زبیری، ص ۳۰۹؛ اصابہ ۶۱۷۳، ۶۲۱۶ اور نساء ۱۶۱ نیز استیعاب، دوم، ص ۳۳۸-۹۔

(۲۱۲) زبیری، ص ۲۹۲؛ اصابہ ۱۷۹ اور ۴۵۔

(۲۱۳) زبیری، ص ۲۹۹؛ اصابہ ۳۵۵۵ اور ۱۰۰۸ (کنیت)؛ نیز ملاحظہ کیجئے؛ ابن سعد، پنجم، ص ۴۵۰۔

(۲۱۴) زبیری، ص ۴۰۰-۳۰۸ نے بنو جمح کے مزید مسلمانوں میں حسب ذیل حضرات و خواتین کو شمار کیا ہے:
حضرت عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف (اور غالباً ان کا پورا خاندان)، اولاد و اخلاف امیہ بن خلف اور ابی بن خلف، حضرت عبدالرحمٰن بن سابط بن ابی حُمیضہ بن عمرو بن اہیب (اور ان کے بقیہ بھائی بھی)، حضرت مُرّہ بن ابو عزّہ جمحی اور ان کی اولاد ذکور و اناث، حضرت ابو محذورہ کے کل بھائی، حضرت سعید بن عامر کی بہن حضرت فاطمہ بنت عامر جو حضرت معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص کی زوجہ تھیں اور جن سے عبدالملک بن مروان کی ماں حضرت عائشہ پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہ بھی عہد نبوی کی مسلم تھیں۔ ان کے لیے بالترتیب ملاحظہ ہو اصابہ ۴۴۲۰، ۳۰۲۶، ۵۰۹۰، نساء ۱۴۸ اور نساء ۷۰۹۔ یقینی طور پر یہ بھی مکمل فہرست نہیں ہے متعدد دوسرے ایسے ہوں گے جن کا ذکر دوسرے مآخذ میں ملے گا۔

(۲۱۵) ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "بنو امیہ اور بنو ہاشم کی رقابت کا تاریخی پس منظر"، مذکورہ بالا۔

(۲۱۶) مونٹگمری واٹ، ص ۹۴، کا خیال ہے کہ وہ بعثتِ نبوی کے وقت مکہ کے معاملات میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی پرانی حیثیت نہیں باقی رہی تھی لیکن اب بھی تمی سیاست و سماج میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔

(۲۱۷) ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ ابن سعد، سوم، ص ۲۲-۱۱۶؛ زبیری، ص ۲۵۴؛ اصابہ ۸۰۰۳۔

(۲۱۸) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۷ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۱؛ زبیری، ص ۲۵۴؛ اصابہ ۸۲۳۳۔

(۲۱۹) ابن اسحاق، ص ۱۴۷۔

(۲۲۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۳-۱۲۱۔

(۲۲۱) ابن اسحاق، ص ۱۶۸۔

(۲۲۲) ابن اسحاق، ص ۳۲۸؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۱۶، ۱۲۲۔

(۲۲۳) زبیری، ص ۲۵۶؛ اصابہ نساء ۱۷۲۔
بنو عبد الدار کے مذکورہ بالا مسلموں کے لیے دیکھئے زبیری، ص ۲۵۴-۶؛ اصابہ ۱۲۴۸، ۸۷۲۰، ۳۵۹۱۔

(۲۲۴) ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۲؛ زبیری، ص ۲۵۱۰؛ اصابہ ۴۴۰۵؛ استیعاب، سوم، ص ۹۲-۹۳۔

(۲۲۵) ابن اسحاق، ص ۵۹۴، ۷۰۰۔ ابن اسحاق نے حضرت حارث بن حارث بن کلدہ عبدری کا نام لیا ہے جبکہ

ابن ہشام نے شیبہ بن عثمان ، ابو السنابل بن بعکک بن حارث اور عکرمہ بن عامر بن ہاشم کو بنو عبدالدار سے شمار کیا ہے ؛ نیز ملاحظہ ہو زبیری ، ص ۲۵۵ ؛ اصابہ ۸۰۲۰ ۔

(۴۲۶) کتاب المنمق ، ص ۲۶۹ ؛ زبیری ، ص ۷ - ۲۵۶ ؛ ابن سعد ، سوم ، ص ۱۲۳ ؛ اصابہ ۴۲۸۰ ۔

(۴۲۷) بنو عامر بن لوی کے اہم گھرانے حسب ذیل تھے :

۱ - بنو حسل بن عامر : بنو مالک جس کے ذیلی گھرانے تھے بنو جذیمہ ، بنو عبد وُدّ ، اور موخرالذکر کا ذیلی گھرانا تھا بنو ابو قیس جو کافی بڑا گھرانا تھا ۔

۲ - بنو معیص بن عامر : بنو عبد بن معیص اور بنو عمرو بن معیص ، اور ان کے بھی اہم ذیلی گھرانے تھے ۔

۳ - بنو عویص بن عامر ۔

(۴۲۸) ابن اسحاق ، ص ۵۰۴ ؛ ابن سعد ، پنجم ، ص ۴۵۳ ؛ زبیری ص ۴۱۷ ؛ اصابہ ۳۵۶۶ ؛ استیعاب ، دوم ، ص ۱۱۲ - ۱۰۸ ۔

(۴۲۹) ابن اسحاق ، ص ۱۱۶ ، ۱۴۷ ؛ ابن سعد ، چہارم ، ص ۴ - ۲۰۳ ؛ زبیری ، ص ۲ - ۴۲۱ ۔

(۴۳۰) ابن سعد ، چہارم ، ص ۲۰۴ ؛ ہشتم ، ص ۲۵ ؛ زبیری ، ص ۴۲۲ ۔

(۴۳۱) ابن سعد ، چہارم ، ص ۱۲ - ۲۰۵ ؛ زبیری ، ص ۴۳۷ ؛ اصابہ ۵۷۵۹ اور ۵۹۳۰ ۔

(۴۳۲) ابن اسحاق ، ص ۱۴۷ ۔

(۴۳۳) ابن سعد ، سوم ، ص ۴۰۳ ؛ زبیری ، ص ۴۲۸ ؛ اصابہ ۵۰۰ (کنیت) ؛ نیز ابن اسحاق ، ص ۳۲۸ ۔

(۴۳۴) ابن اسحاق ، ص ۱۴۷ ؛ ابن سعد ، ہشتم ، ص ۲۷۲ ۔

(۴۳۵) زبیری ، ص ۴۲۶ ؛ ابن سعد ، سوم ، ص ۴۰۴ ؛ اصابہ ۴۹۳۰ ۔

(۴۳۶) ابن سعد ، سوم ، ص ۴۰۶ ؛ زبیری ، ص ۴۱۹ ؛ اصابہ ۴۷۲۷ ۔

(۴۳۷) زبیری ، ص ۴۲۲ ؛ اصابہ ۷۶۲۸ ۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ کے ایک بھائی تھے ۔

(۴۳۸) ابن اسحاق ، ص ۱۴۷

(۴۳۹) ابن سعد ، سوم ، ص ۴۰۵

(۴۴۰) ابن اسحاق ، ص ۱۴۷

(۴۴۱) ابن اسحاق ، ص ۳۲۸

(۴۴۲) ابن اسحاق ، ص ۹ - ۱۴۷ ؛ زبیری ، ص ۲۰ - ۴۱۹ ؛ اصابہ ۲۰۲ (کنیت) ؛ استیعاب ، چہارم ، ص ۲۵ - ۲۳ ۔

(۴۴۳) زبیری ، ص ۲۱ - ۴۱۹ نے اس خاندان کے حسب ذیل مزید مسلمانوں کا ذکر کیا ہے ؛ حضرت عتبہ بن سہیل بن عمرو ، ہند بنت سہیل اور عمرو بن سہیل اور حاطب بن عمرو ، سلیط بن سلیط ۔

نیز ملاحظہ کیجئے ؛ اصابہ ۵۵۳۹ ، نسا ، ۵۹۲ ، ۱۵۳۹ ، ۳۴۱۲ ۔

(۳۴۴) زبیری، ص ۴۴۳؛ اصابہ ۴۰۲؛ استیعاب، دوم، ص ۷۷ - ۵ ، ۴۰۷ ۔ زبیری کے مطابق ان کے کئی بھائی تھے جیسے اویس اکبر، اویس اصغر، ایاس اور ابو ہند۔

(۳۴۵) زبیری، ص ۱۸ ۴؛ کتاب المنمق، ص ۶۱ - ۲۹۰؛ اصابہ ۶۶ ۵ ۳؛ استیعاب، دوم، ص ۱۲ - ۱۰۸۔

(۳۴۶) زبیری، ص ۲۶ ۴؛ اصابہ ۱۰۰۸۔ حضرت معاویہ کی آخر خلافت میں انتقال فرمایا جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔

(۳۴۷) زبیری، ص ۴۳۱؛ اصابہ ۸۹۷۲۔

(۳۴۸) زبیری، ص ۴۲۱؛ استیعاب، دوم، ص ۲۴۴۔ نیز اصابہ ۶۲۰۶؛ استیعاب، دوم، ص ۴۱۰۔ بالترتیب ۔ اصابہ ۵۲۶۵

(۳۴۹) بنو عامر بن لوی کے دوسرے مسلمانوں میں زبیری نے حسب ذیل کا نام گنایا ہے:

۱- بنو وقدان بن عبد شمس: حضرت عبداللہ بن السعدی	اصابہ ۴۷۰۹
۲- بنو ابو قیس بن عبدِ وُدَّ: حضرت ابو قیس بن عمرو بن عبدِ وُدّ	اصابہ ۲ ۳ ۹ (کنیت)
حضرت مجلل بن عبد وُد ابی قیس اور ان کی صاحبزادی ام جمیل۔	اصابہ نساء ۱۱۷۶
حضرت ابو الحکم بن حویطب	اصابہ ۶۲۰۶
حضرت عبدالرحمٰن بن حویطب اور ابو سفیان بن حویطب	
۳- بنو معیص بن عامر بن لوی؛ علاء بن وہب بن عبد بن وہبان	اصابہ ۵۶۴۴
مکرز بن حفص بن الاحنف	اصابہ ۸۱۸۹
ابو علی بن حارث بن رخصہ اور علی بن عبیداللہ بن حارث۔ یمامہ میں شہید ہوئے۔	اسابہ ۵۶۸۵
بُسر بن ارطاۃ	اصابہ ۶۳۹

یہ یقینی ہے کہ مذکورہ بالا صحابہ کرام سے کہیں زیادہ تعداد اب بھی ان گمنام مسلمانانِ عہد نبوی کی ہے جن کا تذکرہ نہیں آسکا ہے۔

(۳۵۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸ - ۶ ۔

(۳۵۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ ۔

(۳۵۲) ابن اسحاق، ص ۱۲۷؛ زبیری، ص ۴۴۵؛ اصابہ ۴۳۹۳ ۔

(۳۵۳) زبیری، ص ۴۴۵ نے ان کے دو فرزندوں یزید اور عمیر اور ان کی والدہ ہند بنت جابر بن وہب بن جناب کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان کی اور ان کے بھائیوں کی نسل منقطع ہوگئی۔

(۳۵۴) ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۲؛ اصابہ ۳۵۱۴۔ ان کا اصل نام سہیل بن وہب تھا اور وہ زبیری ص ۴۴۶ کے مطابق بدری صحابی تھے۔

(۳۵۵) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۳؛ زبیری، ص ۴۴۶؛ اصابہ ۵۸۴۳، ۹۱۶۲ نیز ابن اسحاق، ص ۳۳۰۔

(۳۵۶) ابن اسحاق، ص ۳۳۰؛ زبیری، ص ۴۴۶؛ اصابہ ۳۵۵۴ اور ۴۰۸۵۔

(۳۵۷) زبیری، ص ۴۴۶، نے حضرت عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال اور ان کے بھائی وہب کو بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو اصابہ ۵۸۴۳، ۹۱۶۲۔

(۳۵۸) بنو عامر بن لوی کے دوسرے مسلمانوں کا ذکر زبیری، ص ۴۴۶ - ۴۴۵ کے مطابق حسب ذیل ہے:

۱۔ حضرت نافع بن عبد قیس بن لقیط بن عامر بن امیہ اصابہ ۸۶۵۴

۲۔ حضرت سہیل بن وہب (وہ حضرات سہل بن بیضا اور ان کے بھائی صفوان کے حقیقی بھائی تھے) اصابہ ۳۵۵۴

۳۔ حضرت عیاض بن غنم بن زہیر (جنھوں نے خلافتِ صدیقی اور فاروقی میں کارہائے نمایاں انجام دئے) اصابہ ۶۱۳۵

ان کے علاوہ بھی یقیناً متعدد بلکہ بہت سے عام مسلمان عہد نبوی میں تھے۔

(۳۵۹) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۳۶ - ۲۳۷؛ زبیری، ص ۴۴۸؛ اصابہ ۸۳۸۷۔

زبیری، ۴۴۷ - ۴۴۸، نے متعدد فہری صحابہ میں حضرات ضحاک بن قیس فہری، حبیب بن مسلمہ فہری اور ضرار بن خطاب فہری اور رباح بن عمرو بن المعترف کو بھی بنو محارب سے شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اصابہ ۴۱۶۴، ۱۵۹۵ (استیعاب، اول، ص ۳۰ - ۳۲۸) ۴۱۶۸ اور ۲۵۵۷۔

بلاشک و شبہ بنو محارب بن فہر یا بنو حارث بن فہر کے بہت سے مسلمانوں کا نام مآخذ میں نہیں آسکا ہے۔

(۳۶۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۴۹ - ۸۶ اور ۹۷ - ۱۷۱ نے بنو محارب بن فہر کو بھی شامل نہیں کیا ہے۔

(۳۶۱) یہ جائزہ بنیادی طور سے زبیری، نسب قریش، ص ۴۴۸ - ۴۴۰ اور ابن حزم اندلسی، جمہرہ انساب العرب، ص ۱۷۵ پر مبنی ہے۔

(۳۶۲) زبیری اور جمہرہ کے علاوہ ان صحابہ کرام کے ذکر کے لیے مزید دیکھئے: اصابہ ۴۱۶۴، ۱۵۹۵، ۴۱۶۸، ۲۵۵۷۔ نیز استیعاب، اول، ص ۳۰ - ۳۲۸۔ نیز اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۴۵، ۳۲۸ وغیرہ: ابن اثیر، اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۰۲ نے ایک صحابی حضرت ابو خلیدہ فہری کا ذکر کیا لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان کا کس بنو فہر سے تعلق تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور فہری صحابی ہیں زیاد بن نعیم اسد الغابہ، دوم، ص ۲۱۸۔

(۳۶۳) بنیادی طور پر یہ تجزیہ ابن حزم اندلسی، جمہرہ، ص ۲۶ - ۳۱۳ اور ۴۷ - ۳۲۶ پر مبنی ہے۔

(۲۶۴) ابن اسحاق، ص ۵۴۵ اور ۵۵۰، کا بیان ہے کہ غزوہ فتح مکہ میں مسلم سپاہ کی تعداد دس ہزار تھی جس میں حسب ذیل قبائل عرب نے حصہ لیا تھا۔ قوسین میں ان کے سپاہ کی تعداد ہے۔

۱۔ بنو سلیم	۷۰۰	یا ۱۰۰۰
۲۔ غفار	۴۰۰	
۳۔ اسلم	۴۰۰	
۴۔ مزینہ	۱۰۰۳	

باقی قریش اور انصار اور ان کے حلفاء کی سپاہ تھی اور کچھ جماعتیں تمیم، قیس اور اسد کے عربوں کی بھی تھیں۔
ابن اسحاق کا مزید بیان ہے کہ اس غزوہ میں تمام قریشیوں اور انصار نے حصہ لیا تھا اور کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشی مہاجرین کی تعداد سات سو (۷۰۰) تھی۔ اس طرح انصار کے علاوہ بقیہ مجاہدین کی تعداد تین ساڑھے تین ہزار کے درمیان آتی ہے۔

(۲۶۵) مآخذ کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے جزیرہ نمائے عرب کے پڑوسی ملکوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی تھی اور سوائے خسرو پرویز کسرائے ایران کے اور دوسری تمام مملکتوں میں سفرائے نبوی کا بہتر استقبال ہوا تھا۔ جزیرہ نمائے عرب میں بھی ردِ عمل بہتر ہوا تھا صرف بُصریٰ کے غسانی حکمران نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ سفیرِ نبوی کو انتہائی بیدردی سے قتل کر دیا تھا۔ سُفرائے نبوی پر بحث باب چہارم میں ملاحظہ فرمائیے۔
سلاطینِ وقت کو اسلام کی دعوت کے لیے ملاحظہ کیجئے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۷۰-۴۶۲؛ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۱۵-۱۰۵؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴۰-۳۴۵، ان سفارتوں کی صحت کو بوجوہ معلوم مشتبہ سمجھتے ہیں۔

(۲۶۶) ابن اسحاق، ص ۱۵۴-۱۵۰۔ بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے شبلی اور محمد حمید اللہ، مذکورہ در ص ۲۶۵۔

(۲۶۷) قرآن کریم: سورہ ۴۴، آیت ۲۸۔

(۲۶۸) ملاحظہ ہو جول لابوم (JULES LA BEAUME) LE KORAN ANAYSE عربی ترجمہ تفصیل آیات القرآن الحکیم، از محمد فؤاد عبدالباقی، قاہرہ ۱۹۵۵ء، ص ۱۴-۳۴ (الباب الثانی)

(۲۶۹) قرآن کریم، سورہ حجر، نمبر ۱۵۔

(۲۷۰) عام طور سے تمام مستشرقین کا یہی خیال ہے ملاحظہ ہو واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۵۰-۳ وغیرہ۔

(۲۷۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۴-۱۸، ص ۱۹۴-۸ وغیرہ۔

(۲۷۲) مغربی مورخین میں گرونی بام (GRUNEBAUM)، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۲-۷، نے قبائل عرب کی عددی طاقت کا جو تخمینہ لگایا ہے وہ کسی حد تک صحیح ہے۔ لیکن بڑے

قبیلوں کے بارے میں ان کا تخمینہ زیادہ صحیح نہیں ہے۔ ہمارا تخمینہ مآخذ کے بیانات پر مبنی ہے خاص طور سے ان کی فوجی طاقت کے بارے میں ان کے بیانات پر۔ اس کے علاوہ انساب کی کتابوں سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بھی بنیاد بنے ہیں۔

(۳۷۳) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۹۱ - ۱۵۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۱۹۹۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو: باب اوّل۔

(۳۷۴) ابن سعد، چہارم، ص ۶ - ۲۴۵۔

(۳۷۵) ابن ہشام، سوم، ص ۳۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۴ - ۹۳؛ سوم، ص ۹ - ۲۴۸؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۸۶۔

(۳۷۶) اسد الغابہ، اوّل، ص ۱۱۶۔

(۳۷۷) ابن ہشام، دوم، ص ۶۴۰؛ واقدی، ص ۴ - ۹۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۳؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۴۔

(۳۷۸) اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۱۳۔

(۳۷۹) ملاحظہ ہو باب سوم، چہارم اور پنجم، نیز حوالہ جات آئندہ۔

(۳۸۰) ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۴۰؛ واقدی، ص ۴ - ۹۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۳؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۴۔

(۳۸۱) ابن اسحاق، ص ۵۹۱ اور آگے۔

(۳۸۲) ابن ہشام، سوم، ص ۲۰۳؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۱ - ۲۱۹؛ بخاری اور مسلم، صحیح، اسلام ابی ذر؛ اصابہ ۴، ۳۷؛ جمہرہ، ص ۱۷۵۔

(۳۸۳) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۹؛ اصابہ ۲۸۹؛ جمہرہ، ص ۱۷۶۔

(۳۸۴) ترجمہ ابی ذر کے مذکورہ بالا مآخذ۔ (۳۸۵) ایضاً

(۳۸۶) ابن سعد، چہارم، ص ۲۲۱؛ نیز ملاحظہ ہو: ابنِ ہشام، سوم، ص ۲۱۳؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۵۰ اور پنجم، ص ۱۹۷ وغیرہ۔

(۳۸۷) ابن سعد، چہارم، ص ۵۴ - ۲۴۴؛ اصابہ، ص ۴۱۶؛ جمہرہ، ص ۱۷۶۔

(۳۸۸) اسد الغابہ، پنجم، ص ۹ - ۱۴۸، ۱۸۲، ۲۰۰، ۲۸۸، ۳۳۰ وغیرہ؛ نیز جمہرہ، ص ۶ - ۱۷۵۔

(۳۸۹) ابن اسحاق، ص ۱۸ - ۵۱۷۔ (۳۹۰) ایضاً، ص ۵۵

(۳۹۱) ابن سعد، چہارم، ص ۵ - ۲۴۴

(۳۹۲) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۵ (۳۹۳) حوالہ ۳۸۶

(۳۹۴) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۴۔

(۳۹۵) ابن سعد، چہارم، ص ۲۴۷

(۳۹۶) ایضاً، ص ۳۰۰ وغیرہ۔

(۳۹۷) ابن ہشام، سوم، ص ۲۰۰: اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۵۷: جمہرہ، ص ۱۰۴: اصابہ ۹۸ اور ۳۰۴۴۔

(۳۹۸) جمہرہ، ص ۱۰۴-۵: اصابہ ۳۰۴۴۔

(۳۹۹) واقدی، ص ۶۰۵، ۷۸۲، ۷۸۴، ۷۹۹، ۸۱۲، ۸۴۶ وغیرہ۔

(۴۰۰) ابن اسحاق، ص ۹۲-۶۱۵: ابن ہشام، سوم، ص ۳۳۶: واقدی، ص ۵۷۸-۸۱: ابن سعد، دوم، ص ۹۴-۱۰۰: طبری، سوم، ص ۶۰-۶۶: نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب المغازی۔

(۴۰۱) ابن ہشام، دوم، ص ۲۲۲: اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۶۰۔

(۴۰۲) ابن ہشام، دوم، ص ۲۲۸: اسد الغابہ، پنجم، ص ۳۴: واقدی، ص ۸۷۵ و ۸۶۰۔

(۴۰۳) جمہرہ، ص ۱۰۱-۱۰۳: نیز ملاحظہ ہو: اصابہ ۷۰۵۶، ۷۲۸۰، ۱۹۷۰، ۴۳۶۳، ۷۷۵۳، ۳۸۳۳، ۸۸۰۶، ۱۸۶۳، ۱۴۳، ۱۲۱۱، ۹۶۹، ۳۰۳، ۲۱۴۷، ۴۳۹۱، ۸۳۶۴ اور ۹۰۸۷ بالترتیب۔

(۴۰۴) واقدی، ص ۹-۱۰۲۸

(۴۰۵) طبری، سوم، ص ۴۴۲

(۴۰۶) ایضاً

(۴۰۷) ایضاً

(۴۰۸) خزاعہ مکہ اور اس کے نواح کے قدیم باشندے تھے اور مدتوں وہ مکہ کی سیاست اور سماج پر چھائے رہے۔ جب قصی بن کلاب کا عروج مکی سیاست میں ہوا تو خزاعہ کو مکہ چھوڑنا پڑا تھا اور وہ اس کے نواح میں جا بسے تھے عبد المطلب بن ہاشم کے زمانے میں ان کے تعلقات پھر قریش خاص کر بنو ہاشم سے استوار ہو گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں بنو خزاعہ کا اثر ضرور موجود رہا اگرچہ قریشی قبائل کی بالادستی کے قائم ہو جانے کے بعد ان کا سابقہ مقام رسوخ برقرار نہیں رہ سکا تھا۔ خزاعہ کی قدیم تاریخ اور مکہ سے اس کے تعلقات کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، ص ۹-۴۸، وغیرہ: ابن سعد، اول، ص ۹-۶۸: کتاب المنمق فی اخبار قریش، مرتبہ خورشید احمد فارق، حیدر آباد دکن ۱۹۶۴ء، ص ۹۳-۸۸: انساب الاشراف، اول، ص ۵۰-۴۹: ازرقی، ص ۶۶-۶۴: طبری، دوم ص ۲۴ وغیرہ۔

(۴۰۹) بخاری، باب اسلم وغفار: نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳۶۰۔

(۴۱۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۲۲۔

(۴۱۱) ابن اسحاق، ص ۲۲۸، کا بیان ہے کہ خزاعہ کے کم از کم دو آدمی مکی عہد میں مسلمان ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت ایہم تھے جو بنو مخزوم کے حلیف تھے اور دوسرے حضرت ذو الشمالین خزاعی تھے جو نہ صرف ابتدائی مسلم تھے بلکہ مہاجر مدینہ اور بدری صحابی بھی تھے۔ ایک اور ابتدائی مسلم حضرت نافع بن بدیل بن ورقاء تھے جو مہاجر او

بئر معونہ کے شہید تھے۔ ایک خزاعی صحابی حضرت معتب بن عوف تھے جو مہاجر حبشہ اور بدری تھے۔ بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن سعید اموی کی اہلیہ محترمہ بھی خزاعی تھیں اور ان کا اسم گرامی خمینہ بنت خلف تھا۔ وہ ابتدائی مسلم ہونے کے علاوہ حبشہ کی مہاجر بھی تھیں۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۴۴۴؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۹۴؛ نیز سوم، ص ۲۶۵ اور انساب الاشراف، اوّل، ص ۱۹۹ اور ۱۲۰ - ۲۱۱۔

(۱۲۴) ابن سعد، چہارم، ص ۲۹۴ - ۲۹۵ اور ۳۲۵ - ۲۹۸۔

(۱۳۴) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۰۸؛ پنجم، ص ۲۵۰۔

(۱۴۴) ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱ - ۱۲۰، ۱۵۰، ۱۶۸، ۳۰۱؛ طبری، دوم، ص ۴۳؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۲ - ۱۴۱؛ پنجم، ص ۱۴۹ - ۱۵۰۔

(۱۵۴) ملاحظہ کیجئے اس کتاب کے ابواب سوم، چہارم، پنجم اور ششم۔

(۱۶۴) مجموعۃ الوثائق، ص ۹ - ۱۴۷ کا بیان ہے کہ قبیلہ کا ایک حصہ ہجرت کر کے مدینہ جا بسا تھا جبکہ دوسرا حصہ اپنے روایاتی علاقہ میں آباد رہا تھا۔

(۱۷۴) ملاحظہ ہو: محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۵۔

(۱۸۴) ابن اسحاق، ص ۵۵۷؛ واقدی، ص ۸۰۱ - ۸۰۰؛ نیز اسد الغابہ، اول، ص ۶ - ۱۷۵؛ چہارم، ص ۲۲۵، جس کا بیان ہے کہ اس مہم عظیم و جلیل میں اسلام کے دو پرچم تھے۔ پرچم کی اہمیت پر بحث ملاحظہ کیجئے باب سوم — بحث بر علمبرداران نبوی۔

(۱۹۴) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۱۴۔

(۲۰۴) مثلاً حضرت خراش بن امیہ خزاعی (بنو کعب بن عمرو) نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی جبکہ حضرت بُسر/بشر بن سفیان خزاعی نے ایک جاسوس کے فرائض انجام دئے تھے۔ ملاحظہ ہو: ابن سعد، دوم، ص ۹۶ - ۹۵؛ طبری، دوم، ص ۶۲۱؛ اسد الغابہ، اول، ص ۲۵۱ اور دوم ص ۱۰۸۔

(۲۱۴) ابن سعد، اول، ص ۲۹۳، کا بیان اہم بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ بنو تمیم کی ایک شاخ نے جو مدینہ کی مخالف اور بنو کعب بن عمرو/خزاعہ کی پڑوسی تھی۔ انھوں نے بنو کعب کو صدقات نہ ادا کرنے پر مجبور کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بنو کعب نے خود ہی اس کی اطلاع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور آپ نے ان کے خلاف فوجی کارروائی کی۔

(۲۲۴) واقدی، ص ۹۷۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ اسد الغابہ، اول، ص ۱۷۵ - ۶۔ تفصیل ملاحظہ کیجئے باب پنجم میں۔

(۲۳۴) حوالہ جات کے لیے ملاحظہ کیجئے سابقہ حوالہ ۱۸۴۔

(۲۴۴) واقدی، ص ۹۸۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰ - ۱۶۱؛ نیز ابن اسحاق، ص ۶۹۳۔

(۴۲۵) مکمل بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیے: محمد یٰسین مظہر صدیقی، حضرت ولید بن عقبہ اموی — شخصیت و حیات (زیر طبع)

(۴۲۶) واقدی، ص ۹۸۰-۸۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰-۶۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰۔

(۴۲۷) واقدی، ص ۲۰۵، ۲۰۴-۲۳۸، ۳۴۴-۵، ۵۳۲ وغیرہ۔

(۴۲۸) واقدی، ص ۵۸۱، ۵۹۳ وغیرہ۔ (۴۲۹) واقدی، ص ۶۱۲۔

(۴۳۰) واقدی، ص ۷۴۹۔ (۴۳۱) واقدی، ص ۸۰۰-۱ اور ۹۹۰-۹۱۔

(۴۳۲) ان کے اسمائے گرامی تھے: حضرات عَمرو بن مُرّہ، بسبس بن عَمرو، عدی بن ابی الزغباء، جندب بن مکیث، معبد بن خالد، سوید بن صخر، زید بن خالد، عبداللہ بن بدر اور ضمرہ — ملاحظہ ہو بالترتیب اسد، پنجم، ص ۱۳۱؛ واقدی، ص ۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲؛ اسد، اول، ص ۳۰۶؛ ایضاً، پنجم، ص ۳۹۰؛ ایضاً، دوم، ص ۳۷۸؛ ایضاً، دوم، ص ۲۲۸؛ ایضاً، سوم، ص ۱۲۳-۴؛ واقدی، ص ۲۶۔

(۴۳۳) ابن سعد، سوم، ص ۴۹۶-۷، ۶۰۰-۹۵۵۔

(۴۳۴) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴۳-۵۳۔

(۴۳۵) ابن سعد، اول، ص ۳۳۲ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسجد کے لیے پہلی زمین عطا کی تھی وہ یہی تھی۔

(۴۳۶) ابن سعد، اول ص ۳۳۲-۴۔

(۴۳۷) ابن اسحاق، ص ۵۴۹، ۵۵۴، ۵۵۰؛ واقدی، ص ۸۰۰ اور ۸۲۰۔

(۴۳۸) واقدی، ص ۹۹۰۔

(۴۳۹) ان کے نام تھے: حضرات نعمان بن مقرن — اسد، پنجم، ص ۳۰-۳۱؛ خزاعی بن عبدنہم — اسد، دوم، ص ۱۱۳؛ عبید بن مروہ — اسد، سوم، ص ۳۵۴؛ بلال بن حارث — اسد، اول، ص ۵؛ عبداللہ بن عمرو — واقدی، ص ۸۰۰۔

(۴۴۰) ابن سعد، سوم، ص ۲۴۷-۸ کا بیان ہے کہ حضرت وہب بن قبوب مزنی اور ان کے بھتیجے حضرت حارث مُزینہ کی پہاڑیوں کی طرف سے اپنے جانوروں کے گلّے کے ساتھ آئے اور اسلام قبول کر کے مسلم فوج میں شریک ہو گئے اور لڑ کر جان خدا کی راہ میں نچھاور کر دی۔

(۴۴۱) کتاب الاشتقاق، مرتبہ وسٹنفلیڈ، گوٹنگن ۱۸۵۴ء، ص ۱۱۱-۱۲۔

(۴۴۲) اسد، پنجم، ص ۳۰-۳۱؛ ابن سعد، اول، ص ۳۳۲-۴۔

(۴۴۳) ابن سعد، اول، ص ۳۲۹۔ نیز ملاحظہ فرمائیے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۵، جنھوں نے جُہَینہ دو نفری وفد کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے تبصرہ کیا ہے کہ یہ دونوں اپنی قوم کے نمائندے نہیں تھے بلکہ انھوں نے

طور سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ واٹ نے مُزینہ کے اتنے اہم وفد کی آمد کا ذکر سرے سے نہیں کیا ہے۔

(۴۴۴) ملاحظہ کیجئے حوالہ سابقہ ۴۳۷۔ (۴۴۵) ابن اسحاق، ص ۵۶۸۔ (۴۴۶) واقدی، ص ۹۹۰۔

(۴۴۷) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۴؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، اول، ص ۲۲۹۔

(۴۴۸) مسلم، صحیح، باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ فیہا، باب تخفیف الصلاۃ والخطبات۔ نیز ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۴۔

(۴۴۹) ابن سعد، اول، ص ۲۲۹۔ (۴۵۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۴۔

(۴۵۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۸-۱۱۱۔ نیز ملاحظہ ہو: اسد، چہارم، ص ۴۰۳۔

(۴۵۲) حضرت طفیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۱۱-۱۶۹؛ واقدی، ص ۸۷۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۷-۱۵۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۱۱۹-۲۳؛ طبری، دوم، ص ۲۹-۳۲۲؛ بخاری، صحیح، قصۂ دوس۔ نیز اسد، سوم، ص ۵۵-۵۴۔ ان کے صاحبزادہ گرامی کے لیے ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۹۲۳ اور اسد، چہارم، ص ۱۱۵۔

(۴۵۳) ملاحظہ فرمایئے: صحیح مسلم، کتاب الایمان۔

(۴۵۴) ابن سعد، اول، ص ۳۵۳۔

(۴۵۵) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۴-۳۲۵ اور اوّل ص ۳۵۳۔ نیز ابن سعد، دوم، ص ۲۷۶۔

(۴۵۶) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۴ اور اسد، دوم، ص ۲۷۶۔

(۴۵۷) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴۲۔ بُحَینہ ان کی والدہ کا نام تھا اور وُہ اپنی ماں کی نسبت سے زیادہ مشہور تھے۔

(۴۵۸) ایضاً (۴۵۹) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴۴ کا بیان ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ ازد کے ایک گھرانے بنولہب سے تھا۔

(۴۶۰) محمّد ایٹ مدینہ، ص ۸۷۔

(۴۶۱) قبائل عرب مشرقی کا یہ تجزیہ بنیادی طور سے نسب کی کتاب جمہرہ پر مبنی ہے۔

(۴۶۲) مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو باب سوم۔

(۴۶۳) محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر کا بیان ہے کہ بنو اسد کی ایک شاخ بنو غنم بن دودان مکہ میں غالباً چھٹی صدی عیسوی کے وسط کے قریب آکر بس گئی تھی اور انھوں نے بنو امیہ کے شیخ حرب اور بعد میں ان کے فرزند ابوسفیان سے حلف کے تعلقات قائم کرلیے تھے جبکہ ازدواجی تعلقات انھوں نے بنو ہاشم کے شیخ عبد المطلب سے استوار کیے تھے نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۴۶ اور ۳۲۸؛ ابن سعد، سوم، ص ۹۷-۸۹۔ نیز خاکسار کا مضمون بنو امیہ اور بنو ہاشم کے ازدواجی تعلقات پر۔ خزیمہ کی ایک اور شاخ بنو قارہ جو ھُون بن خزیمہ کے اخلاف تھے

بنو زہرہ/قریش کے حلیف تھے۔ ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۱۸۰، ۱۶۹؛ نیز واقدی، ص ۱۶۴، جن کے مطابق بنو مازن/ نجار (انصارِ مدینہ) کے ایک حلیف حضرت عُمَیم تھے جو بدر میں مسلمانوں کی طرف سے شریکِ جہاد تھے۔

(۴۶۴) ابن اسحاق، ص ۱۶ - ۵۱۲ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۹۷ - ۸۹ ؛ جمہرہ، ص ۱۸۱ - ۱۸۰

(۴۶۵) ابن اسحاق، ص ۵۶۸۔ (۴۶۶) ابن سعد، اول، ص ۹۳ - ۲۹۲۔

(۴۶۷) طبری، تفسیر، سورۂ حجرات، آیت ۱۰۔

(۴۶۸) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰ ؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۲ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۵ ؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷۰ ؛ اسد، سوم، ص ۴ - ۳۹۲۔

(۴۶۹) طبری، سوم، ص ۲۴۴۸ - ۲۵۳۔ (۴۷۰) طبری، سوم، ص ۵۸ - ۲۵۳۔

(۴۷۱) جمہرہ، ص ۱۸۰۔ (۴۷۲) جمہرہ، ص ۵ - ۱۸۲۔

(۴۷۳) جمہرہ، ص ۱۶۹ ؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ص ۳۲۸ ؛ واقدی، ص ۱۵۵۔

(۴۷۴) اسد، پنجم، ص ۲۵۹۔ (۴۷۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۴۔

(۴۷۶) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۹ ؛ سوم، ص ۱۹۹ ؛ واقدی، ص ۳۵۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶ - ۵۵ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۰ ؛ طبری، دوم، ص ۳۸۵۔

(۴۷۷) ابن سعد، چہارم، ص ۱۸ - ۲۱۴، کا بیان ہے کہ ان کی ملاقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عکاظ کے میلے میں ہوئی تھی۔

(۴۷۸) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۹ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، ص ۱۱۶، اور جمہرہ، ص ۲۵۲۔

(۴۷۹) ایضاً

(۴۸۰) ابن اسحاق، ص ۳۲۸ ؛ واقدی، ص ۱۵۴ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۹۹ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۰۱۔ اگرچہ نسبی لحاظ سے ان کا تعلق بنو مازن سے تھا مگر وُہ ایک اعتبار سے بنو سلیم ہی کے فرد سمجھے جاتے تھے کیونکہ بنو مازن سلیم کے بھائی کی نسل میں تھے۔ ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۲۴۸۔

(۴۸۱) ابن اسحاق، ص ۵ - ۴۴۴ ؛ واقدی، ص ۳۵۲۔

(۴۸۲) ابن اسحاق، ص ۴۳۵ ؛ واقدی، ص ۳۴۹ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۲ ؛ طبری، دوم، ص ۵۴۸۔

(۴۸۳) ابن اسحاق، ص ۴۹۷ ؛ واقدی، ص ۴۲۸ اور ص ۱۰۹۳ ؛ بخاری، صحیح، کتاب الشہادات ؛ اسد، سوم، ص ۷ - ۲۶ ؛ جمہرہ، ص ۲۵۲۔

(۴۸۴) واقدی، ص ۴۴۳ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۶۔

(۴۸۵) واقدی، ص ۹۱ - ۴۸۸ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۲ - ۷۱۔

(۴۸۶) ابن سعد، چہارم، ص ۷۷-۲۵۵۔

(۴۸۷) مثلاً ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۵۲-۲۴۹۔

(۴۸۸) ابن اسحاق، ص ۸۱۵ نے اس سلسلے میں جو شعر نقل کیے ہیں ان کا آزاد ترجمہ حسب ذیل ہے:

"اور سلیم کو فخر کرنے کا حق حاصل ہے

کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے خدا کی مدد کی

اور رسول کے پیغام و دین کو اس وقت قبول کیا

جب لوگوں کے معاملات الجھے اور پراگندہ تھے۔"

(۴۸۹) ابن سعد، چہارم، ص ۷۷-۲۶۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۵۲-۲۴۹۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنو سلیم کے ابتدائی مسلمان اور ان کے سردار قبیلہ کی بعض دشمن اسلام شاخوں عُصَیّہ، رعل اور ذکوان سے متعلق تھے جو بئر معونہ کے المیہ کے ذمہ دار تھے۔ مثلاً حضرات عباس بن مرداس اور ان کے فرزند جہیمہ اور صفوان بن معطل کا تعلق بنو ذکوان سے تھا جبکہ خُفاف بن عُمیر، ہوذہ بن حارث اور سب سے اہم ترین شخصیت حضرت خنساء جو عہد نبوی کی عظیم ترین شعراء میں شمار ہوتی ہیں کا تعلق بنو عُصَیّہ سے تھا۔

(۴۹۰) ابن اسحاق، ص ۸۰۰-۷۹۹؛ واقدی، ص ۷۹۹، ۸۱۳-۸۱۲، ۸۱۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، دوم، ص ۵-۱۴۴۔ موخر الذکر نے بنو سلیم کے دستے کی موجودگی اور شرکت کا حوالہ تو دیا ہے مگر اس کی تعداد نہیں بیان کی ہے۔

(۴۹۱) واقدی، ص ۸۱۹، ۸۹۷؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، ص ۸۸۳۔

(۴۹۲) واقدی، ص ۹۵۲ کا بیان ہے کہ شروع میں ان کے سردار حضرت عباس بن مرداس اپنے قبیلہ کے حصے میں آنے والے قیدیوں کو رہا کرنے کے حق میں نہیں تھے لیکن بعد میں وہ بھی فیصلہ نبوی سے متفق ہو گئے تھے۔ یہاں یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کی رہائی کے سرکاری یا نبوی احکام جاری نہیں کئے تھے بلکہ انسانیت کے ناطے ان کے رہا کرنے کی درخواست کی تھی جو قانوناً یا مذہباً ضروری نہیں تھی۔ ان کے رہا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار در اصل ان کے گرفتار کرنے والوں کو حاصل تھا۔

(۴۹۳) ابن اسحاق، ص ۴-۸۶۱؛ واقدی، ص ۸۷۵۔

(۴۹۴) واقدی، ص ۹۹۰۔

(۴۹۵) ابن سعد، اوّل، ص ۹-۳۰۷۔

(۴۹۶) ابن سعد، اوّل، ص ۳-۲۷۴؛ اسد، چہارم، ص ۲۳۱ وغیرہ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۴-۱۸۰۔

(۴۹۷) واقدی، ص ۹۷۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۳۰۔

(۴۹۸) اسد، دوم، ص ۷۵۔

(۴۹۹) ردہ کے زمانے میں بنو سلیم کے لوگوں نے اسلام نہیں ترک کیا تھا۔ جن لوگوں نے بغاوت میں حصّہ لیا تھا وہ زکوٰۃ کو ادا کرنے سے انکار کر رہے تھے۔

(۵۰۰) ابن حزم، جمہرہ، ص ۴۵ - ۲۴۷۔

(۵۰۱) ـــ بنو اشجع ـــ ریث بن غطفان کی اولاد۔

ـــ بنو فزارہ ـــ ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان کی نسل میں۔

ـــ بنو مرہ ـــ عوف بن سعد بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان کے خاندان میں۔

ـــ بنو ثعلبہ ـــ سعد بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان کا گھرانا۔

ـــ بنو محارب ـــ خصفہ بن قیس عیلان کے اخلاف۔

ـــ بنو عبس ـــ بغیض بن ریث بن غطفان کا قبیلہ۔

ـــ بنو ذبیان ـــ بغیض بن ریث بن غطفان کا بطن۔

ان کے علاوہ بعض ذیلی گھرانے تھے جیسے بنو عبدالعزّیٰ بن غطفان، اور بنو انمار بن بغیض بن ریث بن غطفان وغیرہ۔

(۵۰۲) ابن سعد، چہارم، ص ۲۸۱؛ جمہرہ، ص ۲۳۸۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض حارث بن جمیل کہتے ہیں اور بعض جاریہ۔

(۵۰۳) ابن سعد، چہارم، ص ۴۸ - ۲۷۷۔

(۵۰۴) ابن سعد، چہارم، ص ۷۹ - ۲۷۷؛ نیز ابن اسحاق، ص ۹۰ - ۵۸۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۹؛ واقدی، ص ۸۷ - ۴۰۰؛ طبری، دوم، ص ۹ - ۵۰۸؛ اسد، سوم، ص ۲۶۸۔

(۵۰۵) ابن سعد، چہارم، ص ۲۸۰؛ اسد، سوم، ص ۲۶۸۔

(۵۰۶) ابن سعد، چہارم، ص ۸۱ - ۲۸۰؛ اسد، چہارم، ص ۱۵۶۔

(۵۰۷) ابن سعد، چہارم، ص ۲۸۰، کا بیان ہے کہ ان کے والد کا نام نُوَیرہ تھا جبکہ طبری، سوم، ص ۲۳ اور اسد، دوم، ص ۱۹ کا خیال ہے کہ ان کا نام خارجہ تھا۔

(۵۰۸) ابن سعد، چہارم، ص ۸۳ - ۲۸۲۔ فتح مکہ کی مہم کے دوران وُہ اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔

(۵۰۹) ابن سعد، چہارم، ص ۲۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۲۳۸، جو ان کا نام مسعود بن عائذ بتاتی ہے۔

(۵۱۰) ابن اسحاق، ص ۴۸۵؛ نیز ملاحظہ ہو واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۲ کا خیال ہے کہ پُورے قبیلہ نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن واقعات اس کے خیال کے برعکس ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۲۳۸، جو اشجع کے ایک اور مسلمان حضرت نُبیت بن شُریت کا ذکر کرتی ہے۔

(۵۱۱) ابن سعد، اول، ص ۳۰۶۔

(۵۱۲) ابن سعد، اول، ص ۲۰۶ - نیز ملاحظہ کیجئے : مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۵، جس کا خیال ہے کہ یہ معاہدہ حضرت نعیم بن مسعودؓ سے ہوا تھا۔

(۵۱۳) واقدی، ص ۸۰۰ - ۷۹۹، کا بیان ہے کہ حضرات معقل بن سنان اور نعیم بن مسعود کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے سے فوجی دستے فراہم کرنے کے لیے مدینہ سے بھیجا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو : ابن سعد، چہارم، ص ۲۷۸۔

(۵۱۴) واقدی، ص ۹۹۰۔

(۵۱۵) ابن اسحاق، ص ۵۹۳ ؛ واقدی، ص ۹۵۱ - ۲۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۴ - ۱۵۳ ؛ طبری، سوم، ص ۸۹۔

(۵۱۶) واقدی، ص ۲۵۲، ۶۹، ۷۲۹ اور ۳۱، وغیرہ۔

(۵۱۷) ابن اسحاق، ص ۵۶۸ ؛ نیز ملاحظہ ہو : جمہرہ، ص ۳۴ - ۲۳۹ - مونٹگری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۴، کا خیال ہے کہ ان مواقع پر حضرت عُیینہ بن حصن فزاری کے ساتھ ان کے قبیلہ کا ایک معمولی سا بھی دستہ نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال ماخذ کی صریح شہادتوں سے متصادم ہے کیونکہ ان سے بنو فزارہ کے دستوں کی موجودگی کا حتمی علم ہوتا ہے۔

(۵۱۸) ابن اسحاق، ص ۵۹۳ ؛ واقدی، ص ۹۴۴-۶ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۳ ؛ طبری، سوم، ص ۹۰ - ان مورخین کے مطابق مختلف قبائل کے بارہ سرداروں کو سَو اونٹوں کا حصہ ملا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی اکثریت یعنی ۳/۴ کا تعلق قریش مکہ کے مختلف بطون سے تھا جبکہ صرف ۱/۴ کا تعلق بدوی قبائل سے تھا۔

(۵۱۹) ابن اسحاق، ص ۶۶۷ ؛ ابن ہشام، سوم، ص ۶۲۱ ؛ واقدی، ص ۹۷۴-۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰-۶۱ - یہ دستہ پچاس شہسواروں پر مشتمل تھا جو سب کے سب بدوی اور غالباً فزاری تھے۔

(۵۲۰) ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰ ؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۶۶-۷۔

(۵۲۱) انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۳۰ - نیز ملاحظہ ہو : واقدی، ص ۹۷۳، جن کا خیال ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کو فزارہ کا مصدق/عامل صدقات مقرر کیا گیا تھا۔

(۵۲۲) ابن سعد، اول، ص ۲۹۷ ؛ نیز ملاحظہ ہو : طبری، سوم، ص ۱۲۲، جن کا خیال ہے کہ حضرت عُیینہ بن حصن فزاری کے بھائی حضرت خارجہ ان میں شامل تھے۔

(۵۲۳) جمہرہ، ص ۲۴۳-۵ - حضرت سمرہ بن جندب کے لیے مزید ملاحظہ کیجئے : اصابہ ۳۴۷۵۔

(۵۲۴) طبری، سوم، ص ۲۵۶ ؛ نیز ملاحظہ ہو : ص ۲۶۰ - طبری کا بیان ہے کہ جب حضرت عُیینہ بن حصن فزاری کو پابہ زنجیر مدینہ لایا گیا اور مدینہ کے لڑکوں نے ان پر طنز و طعن کیا تو ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا تھا "خدا کی قسم، میرا خدا پر کبھی ایمان نہ تھا۔" لیون کیتانی اور مونٹگری واٹ کا خیال ہے کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ ملاحظہ ہو : محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۵-۹۴۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ محض اس خبر واحد کی بنیاد پر حضرت عُیینہ کے اسلام سے انکار کر دیا گیا اور متعدد

دوسری روایات کو جو ان کے قبولِ اسلام کی شہادت دیتی ہیں نظرانداز یا مسترد کر دیا گیا۔ پھر اس خبرِ واحد میں اسلام اور ایمان کے نازک فرق کی جانب اشارہ ہے جسے مورخین نے عام طور سے نہیں سمجھا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عُیَینہ اور ان کے سات سو پیروؤں کے مُرتد ہو جانے یا طُلیحہ اسدی کا ساتھ دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ پورا قبیلہ فزارہ اسلام سے پھر گیا تھا۔ اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ عبس اور ذبیان کے اس وفد میں جو حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور جو صرف زکوٰۃ سے استثنا چاہتا تھا حضرت عُیَینہ کے بھائی حضرت خارجہ بھی بنو فزارہ کے ساتھ شامل تھے۔ اس کے علاوہ بنو فزارہ کے درمیان معتد بہ مسلمان ——— پکے اور ثابت قدم مسلمانوں ——— کی موجودگی کا ناقابلِ تردید ثبوت طبری کے ایک صریح بیان سے ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے جب ذوالقصّہ میں جمع ہونے والے مانعینِ زکوٰۃ اور مرتدوں کو شکست دے دی تو بنو عبس اور ذبیان کے لوگ اور دوسرے شکست خوردہ بھی اپنے اپنے قبیلے کے مسلمانوں پر جا پڑے اور ان میں خُوب بے رحمی سے خُوں ریزی کی۔" ملاحظہ ہو: طبری، سوم، ص ۲۴۴ اور ۲۴۶ وغیرہ۔

(۵۲۵) واقدی، ص ۲۹،
(۵۲۶) واقدی، ص ۴۰۰،
(۵۲۷) واقدی، ص ۲۹،
(۵۲۸) واقدی، ص ۳۱،
(۵۲۹) اسدالغابہ، دوم، ص ۴۴۴،
(۵۳۰) بنو فزارہ کے ضمن میں مذکور حوالے ملاحظہ کیجئے
(۵۳۱) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰۔
(۵۳۲) ابن سعد، اول، ص ۸-۲۹۷،
(۵۳۳) طبری، سوم، ص ۲۴۴، ۲۴۶۔
(۵۳۴) طبری، سوم، ص ۲۵۰، کا بیان ہے کہ وفات نبوی کے بعد غطفان کے قبیلہ بنو فزارہ اور اسد/خزیمہ نے اپنے جاہلی زمانے کے معاہدۂ حلف کی تجدید کی تھی۔ اس زمانے میں اس معاہدہ کے تین فریق تھے: غطفان، اسد اور طے۔ لیکن بعثتِ نبوی کے متصل زمانے میں اسد اور غطفان نے طے کے دو قبیلوں غوث اور جدیلہ کو نکال باہر کیا تھا اور اس طرح معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ بنو مرہ نے اس معاہدہ شکنی کو پسند نہیں کیا اور طے کے ان دونوں قبیلوں سے اپنے اتحاد کی تجدید کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے ان دونوں قبیلوں کو اپنے علاقوں میں پھر سے آ بسنے میں ہر طرح کی اخلاقی اور مادی امداد دی تھی۔ وفات نبوی کے بعد بھی بنو مرہ نے اسد اور غطفان کے اس جاہلی زمانے کی یادگار معاہدے میں شرکت نہیں کی تھی۔
(۵۳۵) ملاحظہ کیجئے واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۱، حاشیہ ۲، جنھوں نے اس خاندان کے کل ایک مسلمان کا ذکر کیا ہے۔
(۵۳۶) ابن حزم، جمہرہ، ص ۲۴۰۔
(۵۳۷) ابنِ اسحاق، ص ۵۶۸۔
(۵۳۸) ابن سعد، اوّل، ص ۶-۲۹۵؛ طبری، سوم، ص ۱۳۹۔
(۵۳۹) انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۰۰۔
(۵۴۰) طبری، سوم، ص ۲۴۴، ۸-۲۴۶، ۵۸، ۲۵۳۔

(۵۴۱) واقدی، ص ۱۹۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۵۔

(۵۴۲) واقدی، ص ۹۶-۱۹۳، ۳۹۵-۴۰۲، ۵۵۲، ۵۵۵ اور ۷۲۶؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۵-۴۴، ۶۱-۶۲، ۸۶-۷ اور ۱۱۹۔

(۵۴۳) ابنِ سعد، اوّل، ص ۲۹۸۔

(۵۴۴) ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۱۶۸، ۲۴۷-۸ اور ۲۸۰، جس کا بیان ہے کہ اس نام کے تین قبیلے/بطون تھے۔ محارب بن خصفہ کے علاوہ دو اور بنو محارب بن فہر (قریش الظواہر کا ایک خاندان) اور بنو محارب بن عمرو (ربیعہ کی ایک شاخ) تھے۔

(۵۴۵) واقدی، ص ۱۹۵-۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۵، کے مطابق اس مہم کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سایے میں آرام فرما تھے اور آپ نے تلوار درخت سے لٹکا دی تھی کہ اچانک حضرت دعثور نمودار ہوئے ا[ور] تلوار ہاتھ میں سونت کر آپ سے پوچھا: "اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟" آپ نے بڑے سکون اور اطمینان سے جواب دیا: "اللہ۔" حضرت دعثور اسمِ اعظم اور آپ کے اطمینان وسکون سے اس قدر متاثر، مبہوت اور ششدر رہے کہ تلوار ان کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ ایک عالمِ حیرانی اور لمحۂ جاودانی میں کھڑے سوچتے رہ گئے۔ ان کو ہوش تب آ[یا] جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور ان سے وہی سوال پوچھا "تم کو میرے ہاتھ سے ک[ون] بچا سکتا ہے؟" وہ حیران تھے اور جواب وہی دے سکے جو متوقع تھا "کوئی نہیں۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم [نے] فرمایا کہ "جاؤ تم آزاد ہو۔" مگر اب وہ آزادی کے خواہاں نہیں تھے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بے دام بن چکے [تھے]۔

(۵۴۶) ابن سعد، اوّل، ص ۲۹۹؛ طبری، سوم، ص ۱۳۹۔

(۵۴۷) ان کے نسب کے لیے ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۲۵۲۔

(۵۴۸) واقدی، ص ۵۸۵-۷۔

(۵۴۹) جمہرہ، ص ۲۶۱-۷۵ اور ۲۵۳-۴، ۲۵۷-۵۹ اور ۲۵۴-۵۷ بالترتیب۔

(۵۵۰) ابن اسحاق، ص ۵۶۶؛ نیز ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۸۲۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۴۹-۵۰؛ طبری، سوم، ص ۱۷۰-۷۱ وغیرہ۔

(۵۵۱) ابن اسحاق، ص ۵۶۶؛ واقدی، ص ۸۸۶۔ (۵۵۲) ایضاً (۵۵۳) ابن اسحاق، ص ۶۶۲

(۵۵۴) ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰۰۔

(۵۵۵) جمہرہ، ص ۲۶۲؛ اصابہ نساء ۱۰۲۶۔

(۵۵۶) جمہرہ، ص ۲۶۲؛ اصابہ نساء ۹۴۲ اور ۹۴۳۔

(۵۵۷) جمہرہ، ص ۲۶۲؛ اصابہ ۱۰۶۱، ۸۶۹۴ اور ۱۸۴۳ بالترتیب۔

(۵۵۸) جمہرہ، ص ۲۶۲؛ اصابہ ۹۱۹۶ اور ۱۰۱۸ بالترتیب۔

(۵۵۹) ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۶۵-۲۶۳؛ اصابہ ۱۰۳، ۷، ۶۹، ۷۹، ۸، ۶۹۵۸، ۵۸۸، ۷۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ حضرت خالد اور حرملہ فرزندان ہوذہ خدمتِ نبوی میں وفد میں حاضر ہوئے تھے جبکہ حضرت خالد کے فرزند العداء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چشمہ کی زمین عطا فرمائی تھی۔ چوتھے مسلمان حضرت ثوران بن فزارہ بھی اپنے قبیلہ کے وفد میں حاضر ہوئے تھے۔ ملاحظہ کیجئے: اصابہ ۹۲۳، ۱۹۶۳ اور ۵۴۶۷۔

(۵۶۰) اصابہ ۱۹۶۱۴؛ نیز جمہرہ، ص ۶۷-۲۶۶ کا بیان ہے کہ اس گھرانے کے دو اور بھی مسلمان تھے؛ ایک حضرت نواس بن سمعان اور دوسرے عاصی بن عامر۔ موخر الذکر کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھ دیا تھا۔ ملاحظہ ہو اصابہ ۲۲۸۸ اور ۳۳ ۸۰۔

(۵۶۱) واقدی، ص ۹۶۳؛ ابن سعد، اول، ص ۳۰۰؛ دوم، ص ۱۲۰؛ اسد، سوم، ص ۳۶۔

(۵۶۲) ابن ہشام، سوم، ص ۹۶۳؛ ابن سعد، اول، ص ۳۰۰؛ اسد، سوم، ص ۳۶؛ نیز ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۲۶۷ اور اصابہ ۱۹۶۱۴۔

(۵۶۳) ملاحظہ کیجئے باب سوم، بحث بر امراء سرایا۔

(۵۶۴) جمہرہ، ص ۷۱-۲۷۰؛ اصابہ ۵۹۵۰، ۸۲۷۳ اور ۸۰۰۴۔ مولہ بن کنیف کے بارے میں روایت ہے کہ نبی کریم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتے وقت ان کی عمر بیس سال تھی اور اس کے بعد وہ مزید سو سال زندہ رہے۔ وہ مشہور صحابی رسول حضرت ابوہریرہ کے شاگرد اور ساتھی (صاحب) تھے۔

(۵۶۵) جمہرہ، ص ۷۴-۲۷۱؛ اصابہ ۴۴۳۷، ۸۶۳۹، ۸۱۰۵، ۱۸۹۴ اور ۵-۵۵۴، ۷ اور ۸۰۷۱۔
حضرت مطرّف کا شمار صحابہ کرام کے طبقہ علماء میں ہوتا ہے۔ جبکہ بنو عقیل کے تین مسلمانوں کے نام تھے: جرد بن منتفق، ابو رازن لقیط بن عامر اور معاویہ بن عبادہ۔

(۵۶۶) انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱-۵۲۰ کا بیان ہے کہ حضرت عامر بن مالک بن جعفر پورے قبیلہ عامر بن صعصعہ کے عامل صدقات تھے جبکہ حضرت ضحاک بن سفیان کلابی بنو کلاب کے، حضرت قرہ بن ہبیرہ بنو قشیر کے اور حضرت جعدہ بنو عامر کے ایک اور گھرانے کے عامل صدقات تھے؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، اول، ص ۳۰۰ اور جمہرہ، ص ۷۳-۲۷۲۔

(۵۶۷) ملاحظہ فرمائیے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۹۔

(۵۶۸) ابن سعد، اول، ص ۳۰۵-۳۰۰ (۵۶۹) طبری، سوم، ص ۱۴۴ (۵۷۰) ایضاً

(۵۷۱) ملاحظہ کیجئے: اسد، سوم، ص ۳۹؛ نیز واقدی، ص ۹۸۳؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۱۹۶۔

(۵۷۲) واقدی، ص ۹۰۶ نے ہوازن کے ایک گمنام مسلمان کا حوالہ دیا ہے۔

(۵۷۳) واقدی، ص ۵۴۷ (۵۷۴) اسد، سوم، ص ۲۳۹ (۵۷۵) اسد، چہارم، ص ۹۲۔

(۵۷۶) ابن ہشام، سوم، ص ۶۸-۵۶۶؛ واقدی، ص ۸۷-۸۸۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۰-۱۴۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۶۵-۳۶۴ اور طبری، سوم، ص ۷۱-۷۰۔

(۵۷۷) واقدی، ص ۸-۸۸۷؛ طبری، سوم، ص ۷۲-۷۱۔

(۵۷۸) ابن اسحاق، ص ۵۹۲؛ واقدی، ص ۹۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۴-۱۵۳؛ طبری، سوم، ص ۸۶۔

(۵۷۹) ابن اسحاق، ص ۹۴-۵۹۳؛ واقدی، ص ۵۵-۹۵۴؛ طبری، سوم، ص ۹-۸۸۔

(۵۸۰) ابن اسحاق، ص ۶۳۵۔ (۵۸۱) ابن سعد، اول، ص ۵۴-۳۵۳۔

(۵۸۲) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۵۵؛ طبری، سوم، ص ۸۹۔

(۵۸۳) اسد، چہارم، ص ۶-۴ (۵۸۴) جمہرہ، ص ۲۵۵

(۵۸۵) جمہرہ، ص ۲۵۵؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۶۲۔

(۵۸۶) ابن سعد، چہارم؛ جمہرہ، ص ۳۵۵؛ اصابہ ۸۱۷۹۔

(۵۸۷) ان حضرات کے لیے ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۷-۲۵۵؛ اصابہ ۶۹۲۴، ۱۴۴۱۴، ۵۷۶۷، ۱۷۸۵، ۸۴۳۷ (کنیت)، ۳۲۰۳؛ نیز واقدی، ص ۹۶۲۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کے لیے ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۶۲-۹۶۰؛ ابن سعد، اول، ص ۳۱۲؛ طبری، سوم، ص ۷-۹۶۔

(۵۸۸) ابن سعد، اول، ص ۱۴-۳۱۲۔

(۵۸۹) طبری، سوم، ص ۹۹-۹۸؛ نیز ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۶۴-۹۶۳۔

(۵۹۰) انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۳۱؛ نیز ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴-۱۰۱۔

(۵۹۱) ابن اسحاق، ص ۳۲۸؛ واقدی، ص ۱۵۳؛ ابن سعد، سوم؛ چہارم، ص ۴۸-۴۷ کا بیان ہے کہ وہ بدری صحابی تھے؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۹؛ سوم، ص ۱۹۹؛ واقدی، ص ۶۳-۳۵۴؛ ابن سعد، اول، ص ۶-۵۵؛ طبری، دوم، ص ۵۳۸؛ اسد، چہارم، ص ۵-۲۵۴؛ پنجم، ص ۲۹۶ نیز دیکھئے: ابن سعد، دوم، ص ۶؛ طبری، دوم، ص ۴۰۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۵ ؛ جمہرہ، ص ۲۳۶۔

(۵۹۲) جمہرہ، ص ۲۴۳، کے مطابق بنو باہلہ مالک بن اعصر بن سعد بن قیس عیلان کی نسل میں تھے جبکہ بنو غنی کا تعلق مالک بن اعصر کے بھائی عمرو کے خاندان سے تھا۔

(۵۹۳) جمہرہ، ص ۲۴۴۔

(۵۹۴) جمہرہ، ص ۲۴۵؛ اصابہ ۴۰۵۹، ۴۴۹۸۔ حضرت ابو امامہ باہلی حدیث نبوی کے ایک اہم عالم اور راوی تھے۔ ملاحظہ کیجئے: بخاری، صحیح، کتاب الحرس، کتاب الجہاد، کتاب الاطعمہ۔

(۵۹۵) ابن سعد، اول، ص ۳۰۰ ؛ نیز ملاحظہ ہو: مجموعۃ الوثائق، ص ۶۶-۱۶۵۔

(۵۹۶) جمہرہ، ص ۱۸۰، کا بیان ہے کہ وہ مکہ کے پڑوس میں رہتے تھے اس لیے قریش سے ان کے بہت قریبی تعلقات تھے۔ ابن اسحاق (ص ۲۵) کا بڑا دلچسپ بیان ہے کہ مکہ مکرمہ پر حبشی سردار ابرہہ کے حملہ کے دوران مکہ کے شیخ عبدالمطلب جب گفتگو کے لیے گئے تھے تو ان کے ساتھ اس وقت کے سردار ہذیل خویلد بن واثلہ تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، چہارم، ص ۱۵۰، جس کے مطابق مشہور صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود کے والد مسعود بن غافل ہذلی نے بنو زہرہ/قریش سے زمانہ جاہلیت میں حلف کے تعلقات استوار کئے تھے۔

(۵۹۷) ابن سعد، چہارم، ص ۱۵۰-۱۵۱ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود قریشِ مکہ کے ایک سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں اُجرت پر چراتے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۱۸۶ ؛ ابن اسحاق، ص ۴۲-۱۴۱۔

(۵۹۸) جمہرہ، ص ۱۸۶

(۵۹۹) جمہرہ، ص ۱۸۵ ؛ اصابہ ۹۲۔

(۶۰۰) واقدی، ص ۹۸۵۔ ہذیل کے دو اور مسلمانوں کے لیے ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۸۶۹-۸۶۲، ۸۴۳ وغیرہ ان کے نام تھے: ابو حصین ہذلی اور سعید بن عمرو ہذلی۔

(۶۰۱) واقدی، ص ۸۲۶-۸۲۳، کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر شہر میں حضرت خالد بن ولید کے زیرِ کمان دستے کو داخل ہونے سے جس گروہ نے روکا تھا اس میں ہذیل کے چار شخص تھے جو معرکہ میں مارے گئے تھے نیز ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۸۷۰، جن کے مطابق ہم کو ہذیل کے قومی بُت سُواع کی بربادی اور اس کا پجاری و متولی (سادن) کے قبول اسلام کا علم ہوتا ہے۔

(۶۰۲) واقدی، ص ۹۲۴۔

(۶۰۳) جمہرہ، ص ۳۰۵۔

(۶۰۴) مجموعۃ الوثائق، ص ۶-۱۹۳

(۶۰۵) واقدی، ص ۹۸۶۔

(۶۰۶) واقدی، ص ۱۵۱، کا بیان ہے کہ عمرو بن سفیان اور اس کا بھائی جبّار جو بنو ظفر کے حلیف تھے جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۰۰ ؛ ابن اسحاق، ص ۳۳۸۔

(۶۰۷) واقدی، ص ۳۵۱ وغیرہ۔

(۶۰۸) واقدی، ص ۴۴-۳۴۱ ؛ نیز ابن سعد، چہارم، ص ۲۴-۱۲۳۔

(۶۰۹) ابن اسحاق، ص ۳۶۵، کا بیان ہے کہ کعب بن اشرف بنو طے کے خاندان بنو نبہان کا فرد تھا جبکہ اس کی ماں مدینہ کے یہودی قبیلے بنو نضیر کی فرد تھی۔

(۶۱۰) ابن سعد، چہارم، ص ۵۳۹۔

(۶۱۱) واقدی، ص ۷۲-۱۷۱۔

(۶۱۲) ابن ہشام، سوم، ص ۱۲-۶۱۱ ؛ واقدی، ص ۹-۹۸۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۴ ؛ طبری، سوم، ص ۱۲-۱۱۱۔

(۶۱۳) ابن اسحاق، ص ۳۹-۶۳۷ ؛ واقدی، ص ۹-۹۸۷ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے: اسد، سوم، ص ۳-۳۹۲ ؛ اصابہ، ۵۴۷۵۔

(۶۱۴) جمہرہ، ص ۴۰۰ - ۴۰۲ نے دو مسلمان بنو قرۃ سے: حضرات جریر بن اوس اور ان کے پوتے عروہ، بنو سلامان سے: حضرت مالک بن عبداللہ، ایک بنو عدی بن اخزم سے: حضرت عدی بن حاتم طائی، ایک بنو جرم سے: حضرت قبیصہ بن اسود، ایک بنو نبہان سے: حضرت زید الخیل بن مہلہل کا ذکر کیا ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے: اصابہ ۱۱۲۳۵، ۵۵۲۷، ۵۵۴۵، ۷۰۵۷، اور ۲۹۴۱ بالترتیب۔

(۶۱۵) ابن اسحاق، ص ۶۳۷؛ ابن سعد، اوّل، ص ۳۲۱ - ۳۲۳؛ طبری، سوم، ص ۱۴۵ - ۱۴۶۔ حضرت زید کا نام الخیل سے بدل کر زید الخیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔

(۶۱۶) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۷۰ - ۱۷۱۔

(۶۱۷) ابن ہشام، سوم، ص ۴۰۰؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ اسد، سوم، ص ۳۹۲ - ۳۹۴؛ اصابہ ۵۵۴۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۳۷ - ۶۳۹؛ نیز دیکھئے ابن سعد، اول، ص ۳۲۰ - ۳۲۱ جس کے مطابق بنو طے کے متعدد لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد قطائع عطا فرمائے تھے۔

(۶۱۸) طبری، سوم، ص ۲۴۴، ۲۵۳ - ۲۵۵ کا بیان ہے کہ طے کے صرف دو قبیلے جدیلہ اور غوث کچھ متزلزل ہوئے تھے، لیکن پھر وہ اسلام پر ثابت قدم رہے تھے۔ اس کا مزید بیان ہے کہ "بنو طے کے کسی فرد نے اسلام سے روگردانی نہیں کی تھی۔" اس سلسلہ میں بنو طے کے کسی اور گھرانے کا ذکر نہیں کیا ہے تاہم ابن حزم، ص ۲۷۸ اور ۳۷۷ کا بیان ہے کہ جدیلہ کا تعلق اسد بن ربیعہ بن نزار سے تھا جبکہ غوث کا تعلق بنو طے سے تھا۔

(۶۱۹) ملاحظہ فرمائیے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۹ - ۹۰، جن کا خیال ہے کہ بہت سے بلکہ اکثر بنو طے کے عیسائی تھے اگرچہ وہ اسلامی ریاست کے وفادار رہے تھے۔ لیکن ان کا یہ خیال مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے ان کا یہ خیال کہ بنو طے کے بارے میں معلومات ناقص ہیں بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ معلومات بہت زیادہ بھی نہیں ہیں تاہم اتنی ضرور ہیں جن سے ان کے قبول اسلام کا پختہ ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۶۲۰) ملاحظہ کیجئے جمہرہ، ص ۴۱۱ - ۴۱۳۔

(۶۲۱) جمہرہ، ص ۴۱۱ - ۴۱۳۔

(۶۲۲) ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۲۸، جن کا بیان ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے شام جانے والے قریشی کارواں کے سالار ابوسفیان بن حرب کو شام کی حدود ہی میں قبیلہ جذام کے ایک شخص نے مطلع کیا تھا کہ مدینہ کے مسلمان ان کے کارواں کی واپسی پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

(۶۲۳) مثلاً حضرت عبدالرحمن بن عوف کی ایک زوجہ مکرمہ کا نام سہلہ بنت عاصم تھا اور ان کا تعلق بلی سے تھا، جبکہ

حضرت عمرو بن العاص سہمی کی والدہ اسی قبیلہ سے تھیں۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم؛ واقدی، ص ۷۷۰۔

(۶۲۴) واقدی، ص ۸۶ - ۸۵ا کے مطابق ان کے نام یہ تھے:
(۱) ابو بردہ بن نیار حلیف بنی سلمہ، (۲) ابو الہیثم بن التیہان اور (۳) ان کے بھائی عبید حلیف بنی عبد الاشہل (۴) عبداللہ بن طارق اور (۵) ان کے سوتیلے بھائی معتب بن عبید حلیف بنی ظفر (۶-۱۲) معن بن عدی، ربیع بن رافع، ثابت بن اقرم، عبداللہ بن سلمہ، زید بن اسلم، ابو عقیل بن عبداللہ اور عاصم بن عدی حلفاء بنی عمرو بن عوف، (۱۳) نعمان بن اعصر حلیف بنی معاویہ، (۱۴) سواد بن غزیہ، حلیف بنی عدی بن نجار، (۱۵-۱۸) مجزر بن زیاد، عبدہ بن حسحس، بعاث بن ثعلبہ اور ان کے بھائی عبداللہ، حلفاء بنی لوذان بن غنم۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳۷ - ۳۳۰؛ ابن سعد، سوم، ص ۲۷ - ۴۱۹؛ جمہرہ، ص ۱۴ - ۴۱۳۔

(۶۲۵) واقدی، ص ۲۸۵۔

(۶۲۶) جمہرہ، ص ۱۵-۴۱۳؛ اصابہ ۴۵۳۰، ۳۵۲۹، ۴۲۵۸، ۷۲۲۰، ۵۲۸۶، ۳۸۹۸ اور ۵۱۶۳۔

(۶۲۷) واقدی، ص ۷۶۰

(۶۲۸) واقدی، ص ۱ - ۷۷۰

(۶۲۹) واقدی، ص ۱۰۴۱

(۶۳۰) واقدی، ص ۹۹۰

(۶۳۱) طبقات، چہارم، ص ۵ - ۳۵۴

(۶۳۲) ابن سعد، اوّل، ص ۳۳۰

(۶۳۳) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰

(۶۳۴) مجموعۃ الوثائق، ص ۹۴

(۶۳۵) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۱، کا خیال کہ بنو جبیل کو بعض گھرانوں کے صدقات اس لیے عطا کیے گئے تھے کہ وہ اسلام قبول کر لیں، نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی حوالہ متن میں نہیں ملتا بلکہ وہ گمراہ کن بھی ہے کیونکہ وہ صحیح تعبیر کے خلاف ہے۔

(۶۳۶) ابن سعد، سوم، ص ۸ - ۱۳۷، کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص کی دو شمالی عرب کی بیویاں تھیں، ایک کا تعلق بہراء سے تھا اور دوسری کا کلب سے۔

(۶۳۷) ملاحظہ کیجئے بالترتیب واقدی، ص ۱۵۵ اور ۱۶۸ اور ابن سعد، سوم، ص ۱۶۱ اور ۵۵۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے: انساب الاشراف، اول، ص ۲۰۴۔ ابن سعد اور بلاذری دونوں حضرت مقداد کو مہاجرین حبشہ میں شمار کرتے ہیں۔

(۶۳۸) ابن اسحاق، ص ۳۲۸ اور ص ۳۳۳؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۶۱، ص ۵۵۴؛ جمہرہ، ص ۱۳ - ۴۱۲۔

(۶۳۹) واقدی، ص ۶۰ - ۵۵۷

(۶۴۰) ابن سعد، اول، ص ۲۳۱؛ طبری، سوم، ص ۱۲۲۔

(۶۴۱) جمہرہ، ص ۲۱-۴۱۸۔

(۶۴۲) ابن سعد، چہارم، ص ۵۵۶، کے مطابق بنو عذرہ جناب اور اس کے نواحی علاقوں میں آباد تھے۔ ابن سعد اس علاقہ کو عذرہ اور بلی کا علاقہ کہتے ہیں کیونکہ دونوں قبیلے پڑوسی تھے۔ جناب کا علاقہ خیبر اور وادی القریٰ کے پار تھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۲۰۔

(۶۴۳) بنو عذرہ کا سب سے اہم گھرانا بنو رزاح کا تھا جس کے بانی اوّل مکہ کے قریشی شیخ قصی بن کلاب کے سوتیلے بھائی تھے۔ انھیں کی مدد سے قصی مکہ میں بنو بکر بن عبد مناۃ کے سیاسی و سماجی تفوق ختم کر کے اپنی بالادستی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس طرح قریش سے بنو عذرہ کے ازدواجی اور حلف کے تعلقات مدت مدید سے قائم تھے۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۵-۱۴؛ ۹-۴۸، ۵۲: ابن سعد، اول، ص ۹-۶۸؛ کتاب المنمق، ص ۱۷، ۴-۸۳؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۰-۴۹؛ طبری، دوم، ص ۲۵۶؛ ازرقی، ص ۶۳-۶۲ اور جمہرہ، ص ۲۰۴۔

(۶۴۴) حضرت ثابت بن ثعلبہ انصاری ایک عذری عورت کے فرزند تھے جبکہ حضرت خالد بن عرفطہ عذری بنو زہرہ/قریش کے حلیف تھے۔ ملاحظہ ہو، بالترتیب: ابن سعد، سوم، ص ۹۶ د اور چہارم ص ۳۵۵۔

(۶۴۵) ابن سعد، چہارم، ص ۳۵۶؛ جمہرہ، ص ۲۰۴؛ اصابہ ۲۱۸۲، ۲۱۱۰ وغیرہ۔

(۶۴۶) جمہرہ، ص ۲۰۴؛ اصابہ ۲۸۱۶، ۲۹۴۲ اور ۶۷۵۴۔ حضرت زمیل بن عمرو کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرچم (لواء) عطا فرمایا جس کے ساتھ بعد میں وہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔

(۶۴۷) ابن سعد، اول، ص ۲۷۰؛ طبری، سوم، ص ۱۷۸ اور اسد، پنجم، ص ۲۰۵۔ نیز مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷-۱۷۶

(۶۴۸) اسد، چہارم، ص ۳۰۶

(۶۴۹) واقدی، ص ۴۰۳

(۶۵۰) واقدی، ص ۵۵، ۱۱۲۲ اور ۱۱۲۴۔

(۶۵۱) واقدی، ص ۱۰۱۷

(۶۵۲) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۸

(۶۵۳) ایضاً، ص ۱۵۷

(۶۵۴) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۷۳، جن کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ہذیم ہی کے ایک شخص کو ان کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

(۶۵۵) ابن سعد، چہارم، ص ۳۵۶؛ نیز جمہرہ، ص ۲۰۴؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰۸، کو اس روایت کی صحت پر شبہ ہے اور وہ اس کے آخری حصے کو "پراسرار و عجیب" سمجھتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حمزہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کی یہ دلیل ضرور عجیب ہے۔ بنو عذرہ حجاز کے بالائی علاقے میں رہتے تھے، جیسے کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ گھرانے شامی حدود میں بھی آباد ہوں۔ اس لئے محض اپنے جغرافیائی تخمینے اور گمان کے سبب روایت کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

(۶۵۶) واقدی، ۱۰۳۴، کا یہ بیان بہت اہم ہے کہ غزوۂ تبوک سے پہلے اسلام سعد ہذیم کے ایک خاص حصے تک محدود تھا

مگر غزوہ کے بعد وہ ان کے تمام گھرانوں اور بطون میں سرعت کے ساتھ پھیلا تھا اور اس نے پورے قبیلہ کو اپنی آغوشِ رحمت میں سمیٹ لیا تھا۔

(۶۵۷) ابن سعد، اوّل، ص ۳۲ - ۳۲۹؛ طبری، سوم، ص ۱۳۰۔

(۶۵۸) واقدی، ص ۷۱ - ۷۷۰۔

(۶۵۹) جمہرہ، ص ۴۲۴؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، سوم، ص ۳۳۵۔

(۶۶۰) ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۲۲ - ۴۲۱؛ اصابہ ۵۰۱۵، ۹، ۱۳۸ اور ۵۸۵۷۔

(۶۶۱) جمہرہ، ص ۴۲۳: اصابہ ۵۰۵۴۔

(۶۶۲) جمہرہ، ص ۴۲۵: اصابہ ۱۲۳۷؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۶۴ جن کا بیان ہے کہ عمرو بن جزم غزوۂ خیبر میں موجود تھے۔ جبکہ ابن حزم کا بیان ہے کہ وہ صلح حدیبیہ میں بھی شریک تھے۔

(۶۶۳) ابن سعد، اول، ص ۳۲۹

(۶۶۴) ایضاً، ص ۶ - ۳۳۵

(۶۶۵) ابن سعد، اول، ص ۲۶۹

(۶۶۶) ابن سعد، سوم، ص ۴۲ - ۱۴

(۶۶۷) قریش مکہ اور بنو کلب کے حلف و دوستی کے تعلقات کے لیے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۵۲ - بدر کی جنگ میں بنو عامر بن لوی کا ایک کلبی حلیف معبد بن وہب مکی فوج میں موجود تھا۔

(۶۶۸) ابن سعد، چہارم، ص ۵۰ - ۲۴۹: نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۸۷؛ جمہرہ، ص ۴۲۸؛ اصابہ ۲۳۹۰۔

(۶۶۹) واقدی، ص ۶۹۵

(۶۷۰) جمہرہ، ص ۴۲۶ - ۴۲۵

(۶۷۱) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۲-۵۶۱، ۵۰۷ اور ۱۰۲۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰۔

(۶۷۲) ایضاً

(۶۷۳) ابن سعد، اول، ص ۵ - ۳۳۴۔

(۶۷۴) انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱ - ۵۳۰۔

(۶۷۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۰ - ۱۶۶۔

(۶۷۶) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۵ - ۱۱۴

(۶۷۷) واقدی، ص ۷ - ۵۵۵

(۶۷۸) ابن سعد، دوم، ص ۸۸۔

(۶۷۹) جمہرہ، ص ۳۹۶

(۶۸۰) واقدی، ص ۵۸، ۵۵۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۸۔

(۶۸۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۶

(۶۸۲) ابن سعد، اول، ص ۵ - ۳۵۴۔

(۶۸۳) مجموعۃ الوثائق، ص ۷ - ۱۵۶

(۶۸۴) ایضاً

(۶۸۵) واقدی، ص ۱۰۳۲

(۶۸۶) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۵؛ نیز ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰۹ - واٹ کا خیال ہے کہ جیلی کے قریب

آباد جذام کا قبیلہ مسلمان نہیں ہوا کیونکہ غزوۂ تبوک کے دوران ہم کو بنو وائل اور سعد ہذیم کے محض دو افراد کے قبولِ اسلام کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی یہ دلیل بڑی عجیب وغریب ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ ان کا خیال ہے کہ جذام کا وہ حصہ جو حضرت رفاعہ بن زید کی سرکردگی و قیادت میں تھا مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے اسلامی حکومت سے اسلام قبول کیے بغیر صرف سیاسی اتحاد کر لیا تھا۔ ان کا یہ تبصرہ و نتیجہ مآخذ کے صریح بیانات کے خلاف ہے اس لیے قابل قبول نہیں ہے۔

(۶۸۷) جمہرہ، ص ۳۹۶۔

(۶۸۸) واقدی، ص ۶۰ - ۹۹۰ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۹ اور ۱۶۵ ؛ نیز جمہرہ، ص ۳۹۸۔

(۶۸۹) ابن سعد، سوم، ص ۱۵ - ۱۱۴ ؛ جمہرہ، ص ۳۹۷ ؛ اصابہ ۱۵۴۸۔

(۶۹۰) ابن سعد، اول، ص ۴۴ - ۳۴۳ ؛ واقدی، ص ۶۹۵ کے مطابق ان کا تعلق بنو الدار بن ہانی سے تھا اور ان کے اسمائے گرامی تھے:

(۱) ہانی بن حبیب (۲) فاکہ بن نعمم (۳) جبلہ بن مالک (۴) ابو ہند بن بَرّ (۵) ان کے بھائی طیب/ عبداللہ (۶) تمیم بن اوس (۷) ان کے بھائی نُعیم بن اوس (۸) یزید بن قیس (۹) عزیز/ عبد بن رحمٰن بن مالک اور (۱۰) ان کے بھائی مُرّہ۔ مزید ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۳۹۶ : اصابہ ۸۳۷، ۸۶۲، ۹۱۶۴، ۹۱۶۴، ۶۳۸۔

(۶۹۱) مجموعہ الوثائق، ص ۴۳ - ۴۲۔

(۶۹۲) غسان کے مخالفانہ رویّے کے لیے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۰ - ۵۵۷ وغیرہ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰ - ۱۲۸ وغیرہ۔

(۶۹۳) مجموعۃ الوثائق، ص ۴۲ - ۴۱

(۶۹۴) ایضاً

(۶۹۵) محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۳

(۶۹۶) ابن سعد، اول، ص ۹ - ۳۳۸

(۶۹۷) ابن اسحاق، ص ۶۸۵

(۶۹۸) قرآن کریم، سورہ ۱۷، آیت ۵۴۔

(۶۹۹) خطبہ حجۃ الوداع کا جملہ۔ ملاحظہ فرمائیے

(۷۰۰) قرآن کریم، سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰

(۷۰۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۵

(۷۰۲) جمہرہ، ص ۱۴ - ۳۱۰

(۷۰۳) محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۷

(۷۰۴) ابن سعد، چہارم، ص ۶ - ۱۰۵ اور ۹ - ۲۵۷۔

(۷۰۵) ابن سعد، اول، ص ۹ - ۳۴۸ ؛ چہارم، ص ۱۶ - ۱۰۵، ۵۹ - ۳۵۷

(۷۰۶) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۶ ؛ بخاری، قدوم الاشعریین۔

(۷۰۷) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۸ ؛ فتوح البلدان، ص ۸۰ ؛ اسد، پنجم، ص ۳۰۸ ؛ نیز ملاحظہ ہو: بخاری، کتاب وجوب الحج۔

(۷۰۸) بخاری، قدوم الاشعریین واہل الیمن۔

(۷۰۹) جمہرہ، ص ۳۶۵

(۷۱۰) ایضاً، ص ۳۶۶

(۱۱۷) ابن سعد، اول، ص ۸-۳۴۷؛ جمہرہ، ص ۳۶۶۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ قبیلہ میں متعدد ابتدائی مسلمان موجود تھے۔

(۱۲۷) ابن سعد، دوم، ص ۲۶۶، ۳۴۷؛ طبری، سوم، ص ۱۵۸؛ بخاری، فضل الجہاد؛ اسد، دوم، ص ۸۰-۲۷۹؛ اصابہ ۱۱۱۳۶؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۵۔

نیز ملاحظہ فرمائیے: مونٹگری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۱، جنھوں نے تبالہ اور ذو الخلصہ کی مہموں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ پہلی مہم حضرت قطبہ بن عامر کی کمان میں صفر ۹ھ / مئی جون ۶۳۰ء میں گئی تھی (واقدی، ص ۹۸۱) دوسری مہم حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی کی قیادت میں رمضان ۱۰ھ / دسمبر ۶۳۱ء میں بھیجی گئی تھی۔ مونٹگری واٹ کا یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے کے لوگوں کو اپنے پڑوسیوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرنے پر ابھارا تھا" غلط ہے۔ ان کے قومی بت کو توڑنے کا معاملہ دراصل ان کے قبول اسلام کا نتیجہ تھا نہ کہ باعث و محرک۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کے پختہ ایمان اور عزم بالجزم کا بھی ایک ثبوت تھا۔

(۱۳۷) جمہرہ، ص ۶-۳۶۵

(۱۴۷) ابن سعد، اول، ص ۳۲۶؛ طبری، سوم، ص ۱۰۸؛ اسد، اوّل، ص ۸۰-۲۷۹؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۵۔

(۱۵۷) ابن سعد، اول، ص ۸-۳۴۷۔

(۱۶۷) واقدی، ص ۲۲۷۔

(۱۷۷) ابن سعد، اول، ص ۳۴۸؛ نیز ملاحظہ فرمائیے: جمہرہ، ص ۳۶۸، جس کا بیان ہے کہ ارکانِ وفد کا تعلق بنو معاویہ سے تھا لیکن جب وہ مدینہ پہنچے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنو رشد کا خطاب ان کے بلا پس و پیش کے اسلام قبول کر لینے کے سبب عطا فرمایا تھا۔

(۱۸۷) جمہرہ، ص ۷۳-۳۶۹

(۱۹۷) ابن سعد، اول، ص ۴۱-۳۴۰؛ اسد، پنجم، ص ۳۵-۲۳۴۔

(۲۰۷) جمہرہ، ص ۳۷۲؛ اصابہ ۹۱۷۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے: مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۷۔

(۲۱۷) اسد، پنجم، ص ۲۹۴، ۵-۲۳۴؛ ابن سعد، اول، ص ۴۱-۳۴۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز دیکھیے اسد، سوم، ص ۸۳؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۱۶-۱۱۵، کے مطابق اس کے کم از کم پندرہ خاندانوں میں معتد بہ مسلم آبادی ہو گئی تھی۔

(۲۲۷) جمہرہ، ص ۳۷۳؛ اصابہ ۳۹۱۷ (۲۳۷) حوالہ سابقہ ۲۱۷

(۲۴۷) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۷ (۲۵۷) ایضاً، ص ۱۱-۱۱۰

(۲۶۷) طبری، سوم، ص ۱۳۲، کا بیان ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے قبولِ اسلام کی اطلاع ملی تھی تو

آپ نے خداوند قدوس کا شکر ادا کیا تھا اور ہمدان کے مسلمانوں کے ایمان و یقین کی تعریف و تحسین فرمائی تھی اور ان کے لیے برکاتِ الٰہی کی دعا مانگی تھی۔

(۲۷) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵ - ۱۰۹، جس سے ہر سردار قبیلہ اور اس کے لوگوں کے بارے میں تفصیلات ملتی ہیں۔ ان سے وہ فرائض اور احکام بھی معلوم ہوتے ہیں جو آپ نے حمیری مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دئے تھے۔ ان پر نمازوں کو قائم کرنا، زکوٰۃ خمس اور صفی رسول ادا کرنا عائد کیا گیا تھا۔ ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں پر عائد ہونے والے محاصل جیسے زکوٰۃ اور صدقہ کی شرح واضح طور سے بیان کی گئی ہے اس طرح غیر مسلموں کے لیے جزیہ کی شرح کا بھی غیر مبہم ذکر موجود ہے۔

(۲۸) واقدی، ص ۱۰۸۵

(۲۹) ابن سعد، اول، ص ۲۸۲؛ طبری، سوم، ص ۱۸۰؛ اسد، چہارم، ص ۱۶۱؛ اوّل ۱۱۰ بالترتیب۔

(۳۰) ایضاً

(۳۱) جمہرہ، ص ۸۰ - ۳۸۱

(۳۲) ابن سعد، سوم، ص ۵۰ - ۲۴۶؛ اسد، چہارم، ص ۴۷ - ۴۳

(۳۳) واقدی، ص ۱۰۱۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۴۴؛ اسد، چہارم، ص ۳۲۴؛ جمہرہ، ص ۸۰ - ۳ - موخر الذکر کا بیان ہے کہ ان کے ایک بھائی حضرت حارث بن جزء زبیدی اور ایک فرزند حضرت عبداللہ بن محمیہ زبیدی مکی عہد کے مسلمان تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: اصابہ ۳ ۸۲۷ اور ۴۵۹۸۔

(۳۴) ابن سعد، اوّل، ص ۳۴۲۔

(۳۵) واقدی، ص ۱۰۸۰ کا بیان ہے کہ مذحج کے متعدد سردار اور شیوخ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے نہ صرف اپنے قبول اسلام کا اعتراف و اقرار کیا بلکہ اپنے پورے قبیلہ کے مسلمان ہونے کی ضمانت دی۔ اور اس کے پہلے عملی ثبوت کے طور پر انھوں نے اپنے پورے قبیلہ والوں کی جانب سے صدقات بھی ادا کر دئے۔

(۳۶) ابن سعد، اول، ص ۴۲ - ۳۴۱۔

(۳۷) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۰؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ فتوح البلدان، ص ۸۰۔

(۳۸) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۰ - ۱۱۹۔

(۳۹) اسود عنسی کی بغاوت اور اس کے متعلقہ امور کے لیے ملاحظہ فرمائیے: فتوح البلدان، ص ۱۵ - ۱۱۳؛ طبری، سوم، ص ۴۰ - ۲۲۷ اور جمہرہ، ص ۳۸۳۔

(۴۰) طبری، سوم، ص ۱۳۲۔

(۴۱) طبری، سوم، ص ۳۶ - ۱۳۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۴۰ - ۶۳۹

(۴۲) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے اس کے برعکس ثبوت کے لیے ابن اسحاق، ص ۴۰ - ۶۳۹

(۴۳) ملاحظہ فرمائیے ابن ہشام، سوم، ص ۵۸۳؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۷؛ ابن خلدون، ص ۸۲۳؛ اسد،

پنجم، ص ۱۸۰ : جمہرہ، ص ۳۸۲ : اصابہ ۱۹۸ -

(۴۴) ایضاً (۴۵) ایضاً (۴۶) جمہرہ، ص ۴-۳۸۳

(۴۷) ابن سعد، اول، ص ۶-۳۲۴ ؛ جمہرہ، ص ۵-۳۸۴ ؛ اصابہ ۱۸۳۷-

(۴۸) جمہرہ، ص ۳۸۵ ؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۵ ؛ اسد، پنجم، ص ۲۱۷ ؛ اصابہ ۱۸۳۷ -

(۴۹) واقدی، ص ۱۰۸۲ (۵۰) ایضاً (۵۱) ابن سعد، اول، ص ۳۲۸ ؛ طبری، سوم، ص ۳۳-۱۳۲

(۵۲) طبری، سوم، ص ۳۳-۱۳۲ (۵۳) ایضاً، ص ۳۵-۱۳۳

(۵۴) ابن سعد، اول، ص ۵۴-۳۴۴ : طبری، سوم، ص ۱۳۹ -

(۵۵) واقدی، ص ۶۹۵ : نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۰، جس کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں ہر ایک کو ایک "کتاب" (تحریر) عطا فرمائی تھی۔ اگرچہ مآخذ سے ان "کتب نبوی" کے متون و مواد کا علم نہیں ہوتا لیکن اندازہ یہ ہے کہ ان کو اسلام کی ہدایات و احکام دی گئی ہوں۔ بہرحال ان راویوں نے اپنے اپنے حصے حضرت معاویہ کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت کر دیے تھے۔

(۵۶) جمہرہ، ص ۸-۳۸۷ ؛ ابن سعد، اول، ص ۶-۳۲۵

(۵۷) اسد، دوم، ص ۸۰ -

(۵۸) ابن سعد، اول، ص ۳۴۴ ؛ طبری، سوم، ص ۲۴۰ ؛ نیز ملاحظہ ہو : جمہرہ، ص ۳۸۹ -

(۵۹) جمہرہ، ص ۳۸۹ : نیز اصابہ ۲۷۹۵ -

(۶۰) جمہرہ، ص ۳۹۰ ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۶-۱۲۵

(۶۱) جمہرہ، ص ۹۲-۳۹۱ -

(۶۲) ابن ہشام، سوم، ص ۵۹۲ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۹ ؛ طبری، سوم، ص ۷-۱۲۶ ؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۲۸ ؛ اسد، دوم، ص ۹۹-۹۳ ؛ بخاری، کتاب المغازی ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۷۲-۱۷ -

(۶۳) طبری، سوم، ص ۲-۱۳۱۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ طبری نے خود اس روایت کی تردید پہلے ایک اور روایت میں کی ہے جس میں حضرت خالد کی کامیابی کا واضح ذکر ہے ملاحظہ ہو : ایضاً، ص ۷-۱۲۶ -

(۶۴) ایضاً (۶۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷-۳۷

(۶۶) ابن سعد، اول، ص ۳۲۴ (۶۷) طبری، سوم، ص ۲۶-۳۲۴

(۶۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۹ (۶۹) جمہرہ، ص ۴۱۸

(۷۰) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۹-۷۷ (۷۱) جمہرہ، ص ۳۱۲ (۷۲) ایضاً

(۷۳) واقدی، ص ۹۲۳، کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے فوراً بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طفیل بن عمرو کو

ازد ذی الخلصہ کی مہم پر بھیجا۔ واپسی پر حضرت طفیل کے ساتھ ازد کے چار سو مسلمان تھے، جنھوں نے طائف کے غزوہ میں حصہ لیا۔

(۷۷۴) ابن ہشام، سوم، ص ۶۴۲؛ ابن سعد، اوّل، ص ۸-۳۲۷؛ طبری، سوم، ص ۲۴۵۔

(۷۷۵) ابن سعد، اول، ص ۴۴۵، ۳۵۲؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۲۱-۱۱۹

(۷۷۶) واقدی، ص ۱۰۸۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن قتیبہ دینوری، کتاب المعارف، ص ۹۰-۱۸۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۳-۲۶۲؛ نثار احمد فاروقی، مذکورہ بالا، ص ۹۱-۸۹

(۷۷۷) جمہرہ، ص ۴۰۵-۳۹۹۔

(۷۷۸) جمہرہ، ص ۴۰۳۔ بانی خاندان اشرس کی والدہ کا نام تجیب تھا اور اسی کے نام سے قبیلہ موسوم ہوا۔ اس کے متعدد بطون ہو گئے تھے۔

(۷۷۹) ابن سعد، اول، ص ۳۲۳ کے مطابق وفد کے ارکان کی تعداد صرف تیرہ تھی جبکہ ابن اسحاق ص ۶۴۱ اور طبری، سوم، ص ۳۹-۱۳۸ کے مطابق وہ ساٹھ تھے۔ ابن قتیبہ دینوری، کتاب المعارف، ص ۳۳۳ اور محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۲۹۱ کے مطابق ستر تھی۔ بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سب مسلمان تھے۔

(۷۸۰) کتاب المحبر، ص ۶-۱۲۵

(۷۸۱) جمہرہ، ص ۴۰۳-۳۹۹؛ اصابہ ۲۰۵، ۳۸۷۰، ۱۶۲۹، ۳۸۸۷، ۹۲۳۰، ۱۶۳، ۳۰۷۷، ۲۵۰، ۸۰۹۲ بالترتیب۔

(۷۸۲) ابن خلدون، اوّل، ص ۳۴۸؛ اسد، پنجم، ص ۲۔

(۷۸۳) جمہرہ، ص ۴۲۹۔

(۷۸۴) ابن سعد، چہارم، ص ۶۳-۳۵۹؛ جمہرہ، ص ۴۳۰؛ اصابہ ۵۶۴۲۔

(۷۸۵) ابن سعد، چہارم، ص ۳۶۳۔

(۷۸۶) جمہرہ، ص ۴۳۰-۴۲۹؛ اصابہ ۱۰۰۹۱؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۳۰-۱۲۷۔ (۷۸۷) ایضاً

(۷۸۸) ابن سعد، اول، ص ۵۱-۳۴۹؛ نیز ملاحظہ ہو: ص ۴۲۹؛ جمہرہ، ص ۴۳۱۔

(۷۸۹) طبری، سوم، ص ۸-۲۲۷ وغیرہ؛ ابن خلدون، اول، ص ۳۴۸؛ اسد، اول، ص ۱۶۳؛ سوم، ص ۶۔ (۷۹۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۹۔

(۷۹۱) طبری، سوم، ص ۴۰-۲۳۱؛ ان کے قبول اسلام کے لیے مزید دیکھئے: ص ۱۵۸۔

(۷۹۲) جمہرہ، ص ۳۰۸-۲۷۵۔

(۷۹۳) ابن سعد، پنجم، ص ۵۶۴؛ کتاب المعارف، ص ۳۲۸؛ بخاری، کتاب الجمعہ۔

(۷۹۴) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۷؛ ابن سعد، اول، ص ۲۶۳؛ فتوح البلدان، ص ۸۹؛ کتاب المحبر، ص ۷۷؛ طبری، دوم، ص ۶۴۵ اور سوم، ص ۲۹؛ اسد، پنجم، ص ۸-۷؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۵۷-۵۵؛ نیز ملاحظہ فرمائیے، واقدی، ص ۳۴۰-۳۳۹ اور ۶-۴۰۵، عبدالقیس کے دو شخصوں کے غزوہ مریسیع کے دوران قبولِ اسلام کے لیے۔

(۷۹۵) کتاب المحبر، ص ۷۷، میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ رقم دیناروں میں تھی یا درہموں میں۔ وہ اس کے لیے لفظ مال (خطیر دولت) استعمال کرتی ہے۔ قیاس یہی ہے کہ یہ رقم دراہم میں تھی۔

(۷۹۶) مجموعۃ الوثائق، ص ۶۲-۶۱ کے مطابق ان دونوں افسرانِ صدقات کے نام تھے؛ حضرت قدامہ اور حضرت ابوہریرہؓ۔

(۷۹۷) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۳۲، کا عجیب و غریب خیال یہ ہے کہ حضرت منذر بن ساویٰ اور ان کی رعایا کا قبولِ اسلام دراصل ایک سیاسی سمجھوتہ تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ ایرانی سلطنت کے زوال سے ان کو خطرات لاحق ہو گئے تھے اور مملکتِ بحرین کو کسی سیاسی اور فوجی امداد یا معاہدہ کی ضرورت تھی حالانکہ مدینہ کی اسلامی ریاست اس وقت کوئی فوجی مدد دینے کے لائق نہیں تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی ریاست فوجی اور سیاسی مدد دینے کے اہل نہیں تھی تو شاہِ بحرین نے اس سے سمجھوتہ کیا ہی کیوں تھا؟ اور پھر اس کے اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ان کے بقول قبولِ اسلام کے بغیر بھی سیاسی سمجھوتہ ہو سکتا تھا۔ واٹ کا نظریہ اور اس کی تائید میں ان کی دلیلیں تضادات سے بھرپور ہیں۔

(۷۹۸) ابن سعد، اول، ص ۱۵-۳۱۴، کا بیان ہے کہ ۵ھ / ۶۲۶ء میں ان کا بیس افراد پر مشتمل وفد پہنچا تھا جبکہ طبری، سوم، ص ۷-۱۳۶، کا خیال ہے کہ ۱۰ھ / ۶۳۱ء میں وہ وفد آیا تھا۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ حضرت جارود دو بار وفود لے کر پہنچے ہوں۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶-۶۳۵؛ کتاب المعارف، ص ۳۴۰-۳۳۹

(۷۹۹) ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۹-۶۸

(۸۰۰) ایضاً۔ نیز ملاحظہ کیجئے؛ جمہرہ، ص ۸۰-۲۷۹؛ اصابہ ۱۰۴۲، ۲۰۱، ۸۲۱۸ اور ۹۳۰۹؛ طبری، سوم، ص ۳۰۲ وغیرہ۔

(۸۰۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۶۴-۶۲

(۸۰۲) محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۳۱

(۸۰۳) ابن اسحاق، ص ۹۲-۹۱، (ابن ہشام کا تبصرہ و اضافہ) نیز ملاحظہ ہو: ص ۷۷-۶۷۶؛ بخاری، وفد بنی حنیفہ، حدیث ثمامہ بن اثال۔

(۸۰۴) نجد کے علاقے میں انھیں دو زمانوں میں ہماری معلومات کے مطابق مہمیں بھیجی گئی تھیں۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ اول-۱۔

(۸۰۵) ابن سعد، اول، ص ۲۶۲، نے ان کو یمامہ کے بادشاہ کہا ہے۔
(۸۰۶) فتوح البلدان، ص ۹۷؛ طبری، دوم، ص ۴۵-۶۴۴؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۸؛ کتاب المحبر، ص ۷۷۔ (۸۰۷) طبری، سوم، ص ۱۳۷۔
(۸۰۸) ابن اسحاق، ص ۶۳۶؛ ابن سعد، اول، ص ۱۷-۳۱۶؛ کتاب المحبر، ص ۷۷، اور فتوح البلدان، ص ۹۷؛ نیز ملاحظہ ہو طبری، سوم، ص ۸-۱۳۷۔
(۸۰۹) مغربی مورخین نے مسیلمہ کذاب کے مذہبی خلوص اور عقیدہ میں تجربات پر بہت کچھ لکھا ہے اور اس کو ایک سچا متلاشیِ حق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے اثرات کو ثابت کرنے کا فرض انجام دیا ہے۔ اگرچہ مسیلمہ کذاب پر بحث سردست ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس ضمن میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہرحال ایک علمی اور سنجیدہ بحث کے معیار سے کہیں فروتر ہے۔ ملاحظہ کیجئے ڈی، ایس، مارگولیتھ کا مضمون "مسلم اور حنیف کے ناموں کا ماخذ اور اہمیت پر" جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۰۳ء؛ جے، لیل (J. LYALL) کے مضامین مسلم اور حنیف پر۔ مذکورہ بالا۔ ایف، بہل (F. BUHL) کا مضمون "مسیلمہ پر" انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۷-۱۳۴۔
(۸۱۰) جمہرہ، ص ۲۹۲ (۸۱۱) جمہرہ، ص ۲۹۳؛ اصابہ ۴۲۸۳
(۸۱۲) جمہرہ، ص ۹۲-۲۹۱ (۸۱۳) ایضاً، ص ۹۳-۲۹۱؛ اصابہ ۹۶۱۔
(۸۱۴) طبری، سوم، ص ۱۸۷؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۱۷۵۔
(۸۱۵) فتوح البلدان، ص ۸۷؛ جمہرہ، ص ۳۲۳، ص ۳۴۳، ص ۳۵۰، ص ۳۵۸ اور ص ۳۶۲۔
(۸۱۶) ابن سعد، اول، ص ۲۶۲؛ کتاب المحبر، ص ۷۷؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۸؛ جمہرہ، ص ۳۶۲۔
(۸۱۷) مذکورہ بالا؛ نیز مجموعۃ الوثائق، ص ۷۱-۶۹۔
(۸۱۸) فتوح البلدان، ص ۸۸؛ نیز ملاحظہ ہو، مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۳۱، جن کا خیال ہے کہ عمان کے ان دونوں حکمرانوں نے خود سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقات قائم کرنے کے لیے سلسلہ جنبانی کی تھی۔
(۸۱۹) فتوح البلدان، ص ۸۸-۸۷ (۸۲۰) جمہرہ، ص ۴۱۲
(۸۲۱) فتوح البلدان، ص ۸۸۔
(۸۲۲) ابن سعد، اول، ص ۶-۳۵۵؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۳۱۔
(۸۲۳) فتوح البلدان، ص ۸۸؛ طبری، سوم، ص ۱۸-۳۱۳۔
(۸۲۴) جمہرہ، ص ۱۹۶ وغیرہ (۸۲۵) جمہرہ، ص ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۰۳ اور ۲۲۱۔

(۸۲۶) ابن سعد، سوم، ص ۹۶ - ۱۶۴ ۔ (۸۲۷) ابن سعد، سوم، ص ۱۹۰

(۸۲۸) ابن سعد، چہارم، ص ۱۹۷

(۸۲۹) جمہرہ، ص ۲۰۰-۱۹۹ : اصابہ ۹۰۰۷ ، ۹۰۰۸ ، ۱۵۰۱ ، ۴۰۷۶ (نیز اسد، سوم، ص ۲۸-۲۷)، ۴۰۸۶، ۱۸۵۹ ؛ نیز ملاحظہ ہو: طبری، سوم، ص ۹ - ۲۶۸ ۔

(۸۳۰) واقدی، ص ۴-۸۰۳ ۔ ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۶۲۸ ؛ طبری، سوم، ص ۶۵، جن کا خیال ہے کہ اس مہم میں تمیم کا ایک بڑا دستہ شریک تھا۔

(۸۳۱) ابن اسحاق، ص ۹۵-۵۹۳ ؛ واقدی، ص ۲۰-۹۱۹ ۔

(۸۳۲) واقدی، ص ۹۴۶ (۸۳۳) ابن اسحاق، ص ۶۸۶

(۸۳۴) ابن سعد، اول، ص ۵-۲۹۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳۱-۶۲۸ ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۲۷-۱۳۳ ۔

(۸۳۵) ابن اسحاق، ص ۶۳۱ (۸۳۶) واقدی، ص ۸۰-۹۷۹

(۸۳۷) طبری، سوم، ص ۲۰-۱۱۵ : نیز ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۳۸، جن کو ان کے اسلام سے انکار ہے صرف اس بنا پر کہ حضرت مالک بن نویرہ بھی اس میں شامل تھے۔ ان کا بیان عجیب و غریب تاویلات اور دُور از کار دلائل کا مجموعہ ہے۔

(۸۳۸) ابن ہشام، دوم، ص ۸-۱۹۷ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰ ؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷ ؛ ابن خلدون، اول، ص ۳۴۸ ؛ اسد، دوم، ص ۸-۲۷ ، ۵-۱۹۴ ، ۷۰ - ۳۶۹ ؛ چہارم ص ۲۱ - ۲۱۹ اور ص ۲۹۵ ۔

(۸۳۹) جمہرہ، ص ۹-۱۹۷ ، ۲۰ - ۲۰۰ ؛ اصابہ ۶۹۰ ، ۸۷۴ ، ۳۴۸ ، ۹۱۲۴ ، ۱۸۹۳ ، ۲۳۲ ، ۱۶۳۲ ، ۲۱۹ ، ۲۱۵۸ ، ۵۳۳۴ ، ۸-۹۰۰۷ ، ۱۵۰۱ ، ۴۰۷۶ ، ۴۰۸۶ ، ۱۸۵۹ ، ۱۱۴۹ ، ۱۶۱ ، ۵۶۳۷ ، ۱۵۷۷ ، نساء ۴۳ ، نساء ۵۵ ، ۸۱۲۸ ، ۵۵۶۶ ، ۱۰۱۷ ، ۸۳۰ ، ۹۳۵۸ ، ۲۱۹۴ ، ۳۴۱۳ ، ۸۴۸۵ ۔

(۸۴۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴۰-۱۳۹ ۔ (۸۴۱) اسد، دوم، ص ۵ - ۱۹۴

(۸۴۲) جمہرہ، ص ۳۰۸ - ۲۸۰ ؛ نیز واقدی، ص ۹۷۰ ، ۱۰۳۲ ۔

(۸۴۳) جمہرہ، ص ۶ - ۲۸۵ ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۱۹۵ ؛ اصابہ ۱۸۳۴ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، ص ۵۹۰ ؛ ابن سعد، اول، ص ۵-۲۶۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹ ؛ فتوح البلدان، ص ۸۳ - ۸۰ ؛ طبری، سوم، ص ۱۲۱ ؛ بخاری، باب وجوب الزکاۃ ؛ اسد، چہارم، ص ۸-۳۷۶ ۔

(۸۴۴) واقدی، ص ۴۴ ، ۱۹۸ ، ۵۵۴ ؛ جمہرہ، ص ۲۹۵ ؛ اصابہ ۲۲۵ ۔ موخر الذکر دونوں مآخذ دو اور عزی

مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۸۴۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۲۳-۱۳۲؛ جمہرہ، ص ۲۹۷؛ اصابہ ۱۷۰۹۔

(۸۴۶) ابن سعد، اول، ص ۳۱۵ (۸۴۷) ایضاً، ص ۱۷-۳۱۶

(۸۴۸) طبری، سوم، ص ۳۱۰؛ نیز ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۳۰۸-۲۹۰۔

(۸۴۹) جمہرہ، ص ۹۹-۲۹۸؛ اصابہ ۴۰۷، اور ۲۲۲۱، سدوس/شیبان کے دو مسلمانوں بشیر بن معبد اور خالد بن معمّر کے لیے۔

(۸۵۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۴۱، کا نظریہ ہے کہ عیسائی طبقات نے عہد نبوی میں اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

باب سوم

(۱) ملاحظہ ہو باب اوّل۔

(۲) ابن اسحاق، ص ۲۳۲؛ باب اوّل ——— بحث بر دستور مدینہ۔

(۳) مہاتِ نبوی پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو باب اول۔

(۴) ملاحظہ ہو ضمیمہ اوّل-۱۔

(۵) ایضاً-ابن سعد، سوم، ص ۴۵ اور انساب الاشراف، اول، ص ۴۳-۴۷۲ کی ایک روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔اس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو نو مہموں میں کم از کم امیر مقرر فرمایا تھا (یُؤَمِّرُہٗ) مگر بعض دوسرے مآخذ کا بیان ہے کہ انھوں نے کم از کم تیرہ مہموں میں قیادت کی تھی۔ ملاحظہ ہو اسد الغابہ، دوم، ص ۳۷-۲۳۴ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کی اتنی کثیر تقرریوں کے پیچھے دوسرے اسباب وعوامل کے علاوہ سیاسی اسباب بھی کافی کارفرما تھے۔صحابی موصوف کی فوجی صلاحیتوں اور قائدانہ لیاقتوں سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ انھوں نے اپنی تمام مہموں میں سوائے غزوہ موتہ کے کامیابی حاصل کی تھی اور اسلامی ریاست کو بے انتہا فوائد پہنچائے تھے۔تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کو مقرر کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عربوں پر عام طور سے اور مسلمانوں پر خاص طور پر یہ تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ اسلامی سیاسیات ونظم ونسق میں مناصب اور عہدوں کی اصل بنیاد صلاحیت و لیاقت ہے نہ کہ اعلیٰ خاندان میں پیدائش کا اتفاقی حادثہ یا حسب ونسب پر مبنی سماجی مرتبہ۔عرب دوسرے اقوام عہد وسطیٰ کی مانند سماجی اونچ نیچ اور خاندانی وقبائلی شرافت ونجابت کے قائل تھے۔اور ظاہر ہے کہ ان کو ایک مولیٰ کی قیادت میں لڑنا ناگوار ہوتا تھا۔ اس کا اظہار حضرت اسامہ بن زید کی تقرری کے ضمن میں ہوتا ہے۔حیات طیبہ کے اواخر میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو امیر لشکر مقرر کیا اور ان کی ماتحتی میں تمام بڑے بڑے صحابہ دے دئے گئے تو بعض نجیب وشریف و اعلیٰ خاندان کے عربوں نے ایک مولیٰ زادہ کے اس منصب جلیل پر تقرر پر اعتراض کیا۔رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنی شدید بیماری اور نقاہت کے باوجود خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "مجھے معلوم ہے کہ تم کو اسامہ کے مقرر کیے جانے پر اعتراض ہے اور اس سے قبل تم نے ان کے والد زید کی تقرری پر بھی اعتراضات کئے تھے لیکن خدا کی قسم دونوں امارہ (منصب امیر) کے پورے اہل تھے۔" بہرحال بعد میں معترضین کو ندامت ہوئی اور لشکر اسامہ کو عہد صدیقی میں روانہ کیا گیا۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۹-۱۱۱۸ اور آئندہ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۷۴۔

(۶) ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۶۴-۵۴ اور اسد الغابہ، دوم، ص ۲۲۴-۲۲۷۔

(۷) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول-۱۔ (۸) ایضاً

(۹) بنوامیہ کے اسلام اور اسلامی ریاست کے ساتھ تعلقات کے بارے میں بہت اہم غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو اس بحث کے لیے میرے مضامین بنوامیہ اور بنو ہاشم کے درمیان رقابت اور ازدواجی تعلقات پر، برہان دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء اور مئی - اگست ۱۹۸۰ء۔

(۱۰) ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ فرڈیننڈ وستنفلڈ، بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۶۶-۶۴؛ نیز میرا مضمون، برہان دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء۔

(۱۱) مکی اشرافیہ کے مناصب کے لیے ملاحظہ ہو: ابن عبدربہ، العقد الفرید، قاہرہ ایڈیشن، سوم، ص ۳۱۵؛ فاکہی، کتاب المنتقیٰ فی اخبار ام القریٰ، بیروت ۱۹۶۴ء، دوم ص ۱۴۳۔ نیز ملاحظہ ہو: گرونی بام، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۳۰؛ شبلی نعمانی، اوّل، ص ۱۵۶-۷؛ خاکسار کا مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۲) قبتہ کے منصب میں شہسوار دستوں کی سالاری کے علاوہ مکی فوج کے لیے فرودگاہ وغیرہ کے انتظامات کی ذمہ داری بھی شامل تھی۔ ملاحظہ ہو العقد الفرید، سوم، ص ۳۱۵؛ شبلی نعمانی، اوّل، ۷-۱۵۶۔

(۱۳) اسلام کے اس عظیم سالار پر کئی عالمانہ کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں محمود شیت خطاب کی تازہ تصنیف خالد بن ولید المخزومی اور قادۃ فتح العراق والشام جدید تحقیقات سے بھرپور ہیں۔

(۱۴) ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۲۱۳-۱۹۹؛ اسد، سوم، ص ۲۳-۲۰۲؛ بخاری اور مسلم، فضائل اصحاب النبی۔

(۱۵) ابن سعد، سوم، ص ۲۷۵-۲۶۵؛ اسد، چہارم، ص ۲۷-۵۲؛ بخاری و مسلم، ایضاً۔

(۱۶) ابن سعد، سوم، ص ۱۵-۴۰۹؛ اسد، پنجم، ص ۲۴۹؛ بخاری اور مسلم، ایضاً۔

(۱۷) ملاحظہ ہو: جمہرۃ انساب العرب، ص ۲۶-۳۱۲ اور ۴۷-۳۲۶ بالترتیب اوس اور خزرج کے لیے۔

(۱۸) حوالوں کے لیے ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اوّل-۱۔

(۱۹) ایضاً (۲۰) ایضاً (۲۱) ایضاً (۲۲) ایضاً (۲۳) ایضاً

(۲۴) ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۰۹، ۴۲۲، ۴۲۸؛ طبری، سوم، ص ۶۵-۱۶۱۔

(۲۵) ملاحظہ ہو: ابن سعد، سوم، ص ۳۹۲-۹۳؛ اسد، سوم، ص ۴۴-۱۴۲۔

(۲۶) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول -۱-

(۲۷) ایضاً (۲۸) ایضاً (۲۹) ایضاً (۳۰) ایضاً

(۳۱) ایضاً (۳۲) ایضاً (۳۳) ایضاً (۳۴) ایضاً (۳۵) ایضاً

(۳۶) حضرت خالد بن ولید مخزومی کے فوجی کارناموں کے لیے ملاحظہ کیجئے محمود شیت خطاب کی مذکورہ بالا دونوں کتابیں۔

(۳۷) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول -۱-

(۳۸) ایضاً (۳۹) ایضاً (۴۰) ایضاً (۴۱) ایضاً

(۴۲) ایضاً (۴۳) ایضاً (۴۴) ایضاً (۴۵) ایضاً

(۴۶) ایضاً (۴۷) ایضاً (۴۸) ایضاً

(۴۹) ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، ص ۵۰۰؛ نیز باب دوم بحث بر اسلام قریش و قبائلِ عرب بعد صلح حدیبیہ۔

(۵۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۲، ۶۱ - ۲۵۴

(۵۱) ان میں خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن عاص، ابو سفیان بن حرب وغیرہ شامل تھے۔

(۵۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۱۰۹ وغیرہ۔

(۵۳) انساب الاشراف، اول، ص ۳۱-۵۳۰۔

(۵۴) اس کے لیے ملاحظہ کیجئے: شمالی اور جنوبی قبائل میں اسلام کی اشاعت باب دوم میں۔

(۵۵) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول -۱-

(۵۶) مہماتِ نخلہ، قطن، سفیان ہذلی کے خلاف حضرت عبداللہ بن انیس کے سریہ، دومۃ الجندل کے سریہ عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمر کے سریہ تربہ، غزوہ موتہ، حضرت ابو قتادہ اور حضرت قطبہ کے سرایا، سریہ خالد بن ولید طرف دومۃ الجندل، حضرت علی کے سریہ یمن اور حضرت اسامہ کے سریہ کے دوران ہدایات و احکامِ نبوی کے لیے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۳، ۱۴۱، ۳۲-۳۳۱، ۳۱-۴۳۱، ۵۶۱، ۷۲۲، ۸-۷۵۷، ۷۸۷، ۹۸۱، ۱۰۲۶، ۱۰۶۹ اور ۱۸-۱۱۱۷ -

آپ اپنے تمام سالاروں کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ وہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس کا تقویٰ اختیار کریں، اپنے ساتھی و ماتحت مجاہدین کے ساتھ محبت و شفقت کا سلوک کریں، صرف ان لوگوں کے خلاف لڑیں جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔ جنگ کا آغاز ہمیشہ خدا کے نام سے کریں اور جنگ سے پہلے دشمن کو اسلام کی

دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو وہ بھی جنگ سے ہاتھ روک لیں اور ان نومسلموں کو مدینہ ہجرت کرنے کی تاکید کریں۔ اگر وہ اسے بھی قبول کرلیں تو ان کو مہاجرین کے حقوق سے مطلع کریں، اور اگر وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر جانے سے انکار کریں تو ان کو امت اسلامی میں اعراب (بدوؤں) کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کریں اور ان کو بتائیں کہ اس صورت میں وہ فے اور غنیمت میں کسی حصہ کے حقدار نہیں ہوں گے سوائے ان مہموں کے جن میں کہ وہ شرکت کریں۔ لیکن اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کا حکم دیں۔ اور اگر وہ جزیہ بھی ادا کرنے سے انکار کریں تب ان سے جنگ کریں۔

سالاروں کو یہ بھی ہدایت دی جاتی تھی کہ محاصرہ کی صورت میں دشمنوں سے وہ حکم خداوندی پر ہتھیار ڈالنے کو نہ کہیں بلکہ اپنے حکم پر ان سے گفت گو کریں کیونکہ وہ حکم خداوندی کو خود بھی نہیں جانتے کہ وہ کیا ہوگا۔ غالباً یہ ہدایت نبوی اس مقصد سے دی گئی تھی کہ اگر کسی مخصوص معاملہ میں مسلمانوں کے فیصلے سے فیصلۂ خداوندی مختلف ہو تو معاہدہ کی شرائط میں اسی کے مطابق تبدیلی کی جا سکے۔ اسی طرح اگر کسی شہر یا قلعہ کے لوگ ذمہ (عہد) طلب کریں تو سالاروں کو حکم تھا کہ وہ اپنا ذمہ دیں نہ کہ اللہ یا اس کے رسول کا ذمہ دیں۔ جنگ میں پہل کرنے سے بھی سالاروں کو روکا گیا تھا۔ اور حکم دیا گیا تھا کہ دشمن کو صلح، گفت گو اور ترغیب و ترہیب ہر طریقے سے جنگ کرنے سے روکیں اور صلح کرنے پر آمادہ کریں۔

ان کے علاوہ کچھ ہدایات اخلاقی نوعیت کی تھیں جن میں احترامِ انسانیت کو ملحوظ رکھا گیا تھا مثلاً عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور کمزوروں کو قتل نہ کریں۔ بلاوجہ دشمن کو نقصان نہ پہنچائیں اور نہ ان کا مثلہ کریں یا ان کے ناک کان کاٹیں۔ کھجور کے درختوں کو خاص کر اور عام سایہ دار درختوں کو عام طور سے نہ کاٹیں۔ گھروں کو مسمار نہ کریں شکست خوردہ دشمنوں یا ان کے گھروں اور علاقوں کو آگ نہ لگائیں۔ سالاروں اور ان کے ماتحت مجاہدین کو حکم تھا کہ وہ اموالِ غنیمت میں کسی طرح کی خیانت نہ کریں۔

کچھ عمومی ہدایات فوجی نوعیت کی بھی دی جاتی تھیں۔ مثلاً راتوں کو سفر کریں اور دن کے وقت چھپ جائیں۔ راہ بروں کی خدمات ضرور حاصل کریں۔ تیز رفتاری سے اور کوچ در کوچ روانہ ہوں، دشمن کے سر پر اچانک جا پہنچیں (تاکہ وہ مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دے اور اس طرح مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں)، گشتی دستوں (طلائع) اور جاسوسوں (عیون) کی خدمات حاصل کریں۔ دشمن کی حربی تیاریوں کے بارے میں ممکنہ حد تک مکمل معلومات حاصل کریں۔ اپنی مہموں کے متعلقہ علاقوں کی جغرافیائی معلومات سے پوری طرح لیس رہیں۔ دشمن سے محفوظ فاصلے پر خیمہ زن ہوں۔ دشمن کو چاروں طرف سے گھیر لیں اور اس کی ناکہ بندی کرلیں۔ صبح کے وقت حملہ کریں اور کامیاب مہم کے بعد میدانِ جنگ یا دشمنوں کے علاقے کو جلد سے جلد چھوڑ دیں۔

ان ہدایاتِ نبوی کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۷، ۳۸۹ ـ ۶۷۲، وغیرہ؛ ابن سعد، دوم،

ص ۱۰، ۲۲، ۵۱، ۸۹، ۱۲۸، ۲-۱۳۱، ۱۹۹ اور ۱۹۰؛ طبری، دوم، ص ۴۱۰، ۴۶۲؛ سوم، ص ۲۲، ۳۷، ۳۷-۳۶، ۲-۱۳۱ اور ۵-۱۸۴۔

(۵۷) ملاحظہ ہو باب اول، بحث بر سریہ نخلہ؛ نیز دیکھیے خادم کا مضمون "عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں ——محرکات، مسائل اور مقاصد، بحث بر سریہ نخلہ۔

(۵۸) واقدی، ص ۴۶۷؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۵۲۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۹؛ طبری، سوم، ص ۴۰۔

(۵۹) واقدی، ص ۸۰۰-۸۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۹-۱۴۸؛ طبری، سوم، ص ۶۷۔

(۶۰) ابن خلدون، المقدمۃ، مطبعۂ مصطفیٰ محمد، قاہرہ غیر مورخہ، فصل ۳۷، ص ۳-۲۷۲؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۸۸ اور ۲۳۰ وغیرہ برائے اصطلاح تعبیہ؛ محمود شیت خطاب، محمد القائد، ص ۹-۸۷، برائے بحث بر طریق جنگ الکفر والفر اور تعبیہ۔

(۶۱) ملاحظہ ہو ریوبن لیوی، دی سوشل اسٹرکچر آف اسلام (THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM) کیمبرج ۱۹۶۲ء، ص ۴۲۸، جن کا خیال ہے کہ "خمیس نظام عہد نبوی میں ابتدا ہی سے یعنی جنگ بدر سے موجود تھا اور اس کی مثالیں بدر اور موتہ میں ملتی ہیں۔ اس نظام جنگ کی بدولت ہی کہا جاتا ہے کہ آپ کو اپنی مہموں میں کامیابی ملی تھی کیونکہ ابھی تک آپ کے دشمن حملہ کا غیر منظم طریقہ اپنائے ہوئے تھے۔" جہاں تک شواہد کا تعلق ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خمیس نظام غیر مسلم عربوں میں بھی موجود تھا۔ اور عہد نبوی سے قبل عہد جاہلیت کی جنگوں میں ہم کو اس کے متعدد حوالے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر طبری کا بیان ہے کہ ایرانیوں کے خلاف عربوں نے جو جنگ ذی قار کے مقام پر لڑی تھی اس میں خمیس نظام عرب فوج میں موجود تھا۔ ملاحظہ ہو طبری، دوم، ص ۱۰-۲۰۹۔

(۶۲) ابن خلدون، ص ۲۷۲؛ نیز ملاحظہ ہو لیوی، مذکورہ بالا، ص ۲۷۴، جنھوں نے ابن خلدون کے متعلقہ اقتباس کا ترجمہ یوں کیا ہے: "قلب امیر سریہ/غزوہ کا مقام ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے خدام اور سپاہی ہوتے ہیں اور دونوں پہلو میں دو بازو ہوتے ہیں جن کے اپنے سالار ہوتے ہیں وہ امیر کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان سے آگے اور قلب سے کچھ دوری پر مقدمہ ہوتا ہے جو اپنے سالار کی ماتحتی میں ہوتا ہے۔ اس کے پاس اپنا پرچم بھی ہوتا ہے۔ ساقہ عقب پر نظر رکھتا ہے اور اسباب اور سامان رسد، ہتھیاروں اور بھاری محاصرہ کے مشینوں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔" لیوی کا یہ بھی خیال ہے کہ "یہ فوجی نظام یا طریقہ ہر حال میں اختیار کیا جاتا ہے چاہے اسلامی فوج پیش قدمی کر رہی ہو یا پریڈ کر رہی ہو یا جنگ میں ہو اور اسی کو تعبیہ کہتے ہیں۔"

(۶۳) ابن خلدون، ص ۲۷۱؛ نیز ملاحظہ کیجئے قرآن کریم، سورہ انفال، آیت ۱۵ جس میں لفظ زحف استعمال ہوا ہے۔ آیت کریمہ کا لفظی ترجمہ ہے: "اے مومنو! جب تمہارا مقابلہ دشمن سے ہو تو تم ہرگز پیٹھ نہ دکھانا۔"

(۶۴) قرآن حکیم، سورہ التوبہ، آیات ۱۲-۱۱۱-
(۶۵) ملاحظہ کیجئے محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ (انگریزی)، ص ۵۸-
(۶۶) واقدی، ص ۵۸، ۷۱، ۷۰ وغیرہ-
(۶۷) ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۳۰۰ - ۲۹۹؛ واقدی، ص ۶ - ۵۵ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵؛ طبری، دوم، ص ۴۴۱؛ ۹ - ۴۴۶ -
(۶۸) واقدی، ص ۸۵ - لشکر نبوی میں مختلف بازوؤں کی موجودگی ہی میں ان کے سالاروں کی تقرری بھی مضمر ہے۔
(۶۹) ایضاً۔ اس روایت کے مطابق مکی فوج میں شہسوار دستوں کا افسر حارث بن ہشام مخزومی تھا جبکہ میمنہ اور میسرہ بالترتیب ہبیرہ بن وہب مخزومی اور زمعہ بن اسود اسدی کی کمان میں تھے۔ اس روایت کی صحت کی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ یہ روایت مغیرہ بن عبدالرحمٰن مخزومی کی سند پر بیان ہوئی ہے جس کے پردادا حارث بن ہشام تھے۔ یہ واضح رہے کہ حارث بن ہشام ابوجہل مخزومی کا حقیقی بھائی تھا اور خود اس جنگ میں موجود و شریک تھا۔ بعدہٗ وہ ایک اچھے مسلمان بن گئے تھے۔ اس کے علاوہ باقی دونوں مکی سالار قریش کے دو سربرآوردہ خاندانوں کے افراد ہونے کے علاوہ بجائے خود سرداران قریش اور عظیم دھرتی کے لال تھے "(اَفْلَاذُ کَبِدِهَا) ان کے لیے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۲، ۴۴، ۳۴، ۴۲، ۴۶، ۴۶، ۹ - ۵۸، ۱۴۴ اور ۹۴، ۲۰۱، ۲۰۳ وغیرہ بالترتیب؛ طبری، دوم، ص ۴۳۷ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ایک تیسری روایت بھی ہے جس کے مطابق ان دونوں بازوؤں کے سالاروں کے نام تھے حارث بن عامر اور عمرو بن عبد بالترتیب۔ یہ دونوں بھی مکی خاندانوں کے ممتاز افراد تھے۔ لیکن اس روایت کو خود ماخذ نے ضعیف و مردود قرار دیا ہے۔ سالاروں کے ناموں پر اختلاف کے باوجود یہ یقینی امر ہے کہ مکی فوج میں خمیس نظام موجود تھا اور ان دونوں بازوؤں کے دوسرے بازوؤں کے علاوہ سالار بھی تھے۔
(۷۰) واقدی، ص ۷۱
(۷۱) واقدی، ص ۲۲۰، ۲۲۵، ۳۰ - ۲۲۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۴۰ - ۳۹ -
(۷۲) اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۱۹ -
(۷۳) طبری، دوم، ص ۵۰۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے: اسد، دوم، ص ۵۰ - ۴۶
(۷۴) واقدی، ص ۲۱، ۲۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۹ - ۳۸ وغیرہ؛ طبری، دوم، ص ۵۰۰ وغیرہ۔
(۷۵) واقدی، ص ۲۹۹؛ طبری، دوم، ص ۵۸۲ -
(۷۶) واقدی، ص ۶۴۲؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۱۰۶
(۷۷) واقدی، ص ۷۳۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱ -

(۷۸) اسد، چہارم، ص ۳۰۶۔

(۷۹) واقدی، ص ۶۴۴، نے اس موقعہ پر چار بازوؤں مقدمہ، ساقہ اور میمنہ اور میسرہ کا ذکر کیا ہے۔

(۸۰) واقدی، ص ۸۰۱، ۸۱۵، ۲۵-۸۱۹۔

(۸۱) واقدی، ص ۸، ۸۹۷، ۹۱۲ اور ۹۲۳۔

(۸۲) ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۹۹۶، جن کے یہاں اسلامی فوج کے کوچ کرنے کا بیان بڑا دلچسپ اور اہم ہے۔ تیس ہزار سپاہ پر مشتمل عظیم اسلامی فوج اپنے اقدام کے سفر پر شام کے وقت روانہ ہوتی تھی اور رات بھر اس کے مختلف دستے کوچ کرتے رہتے یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ صبح سویرے روانہ ہوتا تھا اور جب اصل فوج کا آخری سپاہی تک روانہ ہو چکتا تھا تو ساقہ اپنا کوچ شروع کرتا تھا جو اسلامی خیمہ گاہ میں دوسرے دن ہی پہنچ پاتا تھا۔

(۸۳) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۲۔

(۸۴) ایضاً (۸۵) ایضاً (۸۶) ایضاً (۸۷) ایضاً (۸۸) ایضاً

(۸۹) ایضاً (۹۰) ایضاً (۹۱) ایضاً (۹۲) ایضاً

(۹۳) ۵ھ/۶۲۶ء میں بنو قریظہ کی طاقت کی شکست ہونے تک اسلامی امت کو یہودیوں کی جانب سے ایک خطرۂ مسلسل لاحق تھا غزوۂ احزاب کے دوران اس خطرہ کی شدت میں بے انتہا اضافہ ہو گیا تھا، کیونکہ یہودیوں نے ایک انتہائی نازک موقعہ پر اسلامی ریاست کے استیصال کی سازش کی تھی۔

(۹۴) اسد، دوم، ص ۷-۲۹۶؛ نیز ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۲۔

(۹۵) واقدی، ص ۴۷۰، ۵۴۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۷، ۸۰ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۲۔

(۹۶) واقدی، ص ۵۴۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۰؛ نیز ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۲۔

(۹۷) ملاحظہ ہو ریوبن لیوی، مذکورہ بالا، ص ۳۶۴۔ انھوں نے شہنشاہ لیو چہارم کا وہ بیان نقل کیا ہے جو TACTICA (میگنے، پٹرولوجیا گریشیا لے ٹینا (MIGNE, PATROLOGIA GRACEA-LATINA) جلد ۱۰۷ میں بیان ہوا ہے۔ اس کے مطابق عرب "ہمیشہ شب خون کے خدشہ کی پیش بندی کرتے تھے خاص کر غیر ملکی یا اجنبی علاقوں میں۔ وہ اس کے بھرپور انتظامات کرتے تھے۔ شب بیدار محافظ رات بھر پہرہ دیتے تھے یا خیمہ گاہ کی اس طور پشتوں اور خندقوں سے حفاظت کی جاتی تھی کہ اس پر اچانک چھاپہ مار کر قبضہ نہ کیا جا سکے۔"

(۹۸) ملاحظہ ہو ضمیمہ اوّل - ۲۔

(۹۹) ایضاً (۱۰۰) ایضاً (۱۰۱) ایضاً (۱۰۲) ایضاً (۱۰۳) ایضاً

(۱۰۴) ایضاً: نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۴-۲۶۳۔

(۱۰۵) واقدی، ص ۳۷۱، کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا تو پہلی شب محاصرہ

میں آپ اپنے دولتکدہ پر واپس آگئے اور حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت علی کی بجائے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنا جانشین بنایا تھا۔

(۱۰۶) واقدی، ص ۶۴۵۔

(۱۰۷) واقدی، ص ۲۱ کا بیان ہے کہ لشکر اسلامی کا پہلا معائنہ اَلبُقْعَۃ نامی مقام پر ہوا تھا جو مدینہ کے بالکل نواح میں تھا۔ یہ عرض ۱۲ ار رمضان ۲ھ / ۱۰ ارمارچ ۶۲۴ء کو ہوا تھا۔ اس عرض کے بعد ان نوجوانوں کو مسترد کر دیا گیا تھا جو فوجی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ ان میں شامل تھے حضرات عبد اللہ بن عمر، رافع بن خدیج، اسامہ بن زید، البراء بن عازب۔ اسید بن زہیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت۔ جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کے خورد سال بھائی حضرت عُمَیر زہری کو ان کی تیر اندازی میں مہارت اور فوجی عمر کو پہنچ جانے کی بنا پر اجازت دے دی گئی تھی۔

(۱۰۸) واقدی، ص ۲۶۔

(۱۰۹) ابن سعد، دوم، ص ۱۲؛ نیز ملاحظہ کیجئے طبری، دوم، ص ۵۰۵۔

(۱۱۰) واقدی، ص ۲۱۶۔ اس موقعہ پر جن نوجوانوں کو مسترد کیا گیا تھا ان کے نام تھے، حضرات عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم، البراء بن عازب، اسید بن زہیر، عربہ بن اوس اور ابو سعید خدری۔ یہ سب مشہور صحابۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنھوں نے بعد کے زمانے میں اسلام کے لیے عظیم کارنامے انجام دیے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۳۹؛ طبری، دوم، ص ۶-۵۰۵۔

(۱۱۱) واقدی، ص ۴۵۳۔

(۱۱۲) واقدی، ص ۶۸۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۰۷۔

(۱۱۳) نیز ملاحظہ کیجئے اسد، دوم، ص ۲۲-۲۲۱، جس کا بیان ہے کہ حضرت زید بن ثابت فرائض (ترکہ کے حصوں یا مال غنیمت کے حصوں سے متعلق فن) کے ایک بڑے ماہر تھے۔ درحقیقت وہ ریاضی اور علم ہندسہ سے متعلق تمام مروجہ علوم کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۱۴) واقدی، ص ۲۶

(۱۱۵) ابن سعد، سوم، ص ۵۱۷

(۱۱۶) ابن اسحاق، ص ۲۹۲

(۱۱۷) طبری، دوم، ص ۴۳۴

(۱۱۸) طبری، دوم، ص ۵۰۸

(۱۱۹) ایضاً

(۱۲۰) ابن سعد، دوم، ص ۱۲۳

(۱۲۱) اسد، سوم، ص ۵-۲۰۳

(۱۲۲) واقدی، ص ۲۶، ۶۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲؛ طبری، دوم، ص ۴۳۴ وغیرہ۔ (۱۲۳) ایضاً

(۱۲۴) واقدی، ص ۱۰۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۰ کے مطابق مسلمانوں کو تیس گھوڑے ملے تھے۔

(۱۲۵) واقدی، ص ۱۹۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۴۔

(۱۲۶) واقدی، ص ۲۱۵ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷۔

(۱۲۷) واقدی، ص ۲۱۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۴۰؛ طبری، دوم، ص ۵۰۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابن خلدون، تاریخ، اول، ص ۶۲۷؛ اسد، سوم، ص ۳۱-۱۳۰؛ بخاری، فضل الجہاد۔

(۱۲۸) ابن سعد، دوم، ص ۶۳۔ (۱۲۹) واقدی، ص ۵۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۷۔

(۱۳۰) ابن سعد، دوم، ص ۷۹۔ (۱۳۱) ابن سعد، دوم، ص ۸۱۔

(۱۳۲) واقدی، ص ۵۷۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۵۔

(۱۳۳) ابن سعد، دوم، ص ۱۰۰، کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں مسلم فوج میں دو سو شہسوار تھے۔

(۱۳۴) ابن سعد، دوم، ص ۱۰۳، کے مطابق اس موقعہ پر شہسواروں کی تعداد صرف سو تھی۔

(۱۳۵) واقدی، ص ۸۰۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۵۔ عام خیال یہ ہے کہ فتح مکہ میں مسلم فوج میں شہسوار دستے صرف بنو سلیم کے تھے جن کی تعداد نو سو تھی۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ دوسرے مسلم طبقات نے بھی شہسوار دستے فراہم کیے تھے۔ ذیل میں ایک مختصر سی فہرست دی جا رہی ہے جو تمام مسلم طبقات کے شہسواروں کی تعداد کو ظاہر کرتی ہے۔

(۱)	انصار (اوس و خزرج) کے متعدد بطون	۵۰۰ شہسوار
(۲)	مہاجرین (قریش)	۳۰۰ 〃
(۳)	مُزینہ	۱۰۰ 〃
(۴)	جُہینہ	۵۰ 〃
(۵)	اسلم	۳۰۰ 〃
(۶)	بنو سلیم	۹۰۰ 〃
	میزان	۲۱۵۰ 〃

ماخذ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہرست شہسواران اسلامی مکمل نہیں ہے۔ اس میں بعض مسلم طبقات جیسے خزاعہ اور اسد وغیرہ کے شہسواروں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر شہسواروں کی تعداد ڈھائی ہزار سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ بلکہ امکان یہ ہے کہ وہ اس سے متجاوز رہی ہو۔ شہسواروں کی اس تفصیل کا ذکر عموماً علمبرداروں کے ذیل کے ماخذ میں ملتا ہے اس لیے وہ مورخین اور سیرت نگاروں کی نگاہ سے اوجھل رہ جاتا ہے۔

(۱۳۶) واقدی، ص ۱۰۰۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۶۔

(۱۳۷) قرآن کریم، سورہ انفال، آیت ۶۰ و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم و آخرین من دونھم لا تعلمونھم، اللہ یعلمھم ..... (اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر

جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے) — ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی۔

(۱۳۸) شہسواروں کے حصۂ مال غنیمت پر مختلف روایتوں کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، ص ۵۲۲، ۹۰ - ۶۸۹ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۲، ۱۱۴؛ طبری، سوم، ص ۱۹؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳-۱۰۱، جنھوں نے مشہور صحابی رسول حضرت مقداد بن عمرو کی سند پر ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ صحابی موصوف غزوہ خیبر میں بحیثیت ایک شہ سوار کے شریک ہوئے اور ان کو دو حصے ملے: ایک ان کا اپنا اور دوسرا ان کے گھوڑے کا۔ لیکن بعض روایات جن کا تعلق مریسیع اور بنو قریظہ کے غزوات سے ہے یہ بتاتی ہیں کہ شہسواروں کو ان مواقع پر پیادہ سپاہی کے مقابلے میں تین گنا حصہ ملا تھا: ایک ان کی ذات کا اور دو حصے ان کے گھوڑے کے لیے۔ اگرچہ واقدی کا یہ بیان کہ شہسوار کو دو ہی حصے پورے عہد نبوی میں ملتے رہے تقریباً تمام مورخین کے نزدیک مسلّم اور واقعی ہے تاہم اس امکان سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابتدا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو گھوڑے حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے لیے تین حصے بھی مرحمت فرمائے ہوں۔

(۱۳۹) واقدی، ۲۰-۵۹۱۔ وہ تمام افسران حکومت نبوی جن کو قیدیوں اور اسیران جنگ کو بازاروں میں بطور غلام فروخت کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اپنی واپسی پر ہتھیار اور گھوڑے خرید کر لاتے تھے۔ اسی طرح بعض خمس کے افسروں کو بھی اسی مقصد سے عرب اور شام وغیرہ کے بازاروں میں بھیجا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ اول۔ ۷۔

(۱۴۰) مثال کے طور پر حضرت ضحاک بن سفیان کلابی / بنو سلیم فتح مکہ کے غزوہ میں متعدد قبائلی سالاروں میں سے ایک سالار تھے ملاحظہ ہو اسد، سوم، ص ۳۶؛ نیز ملاحظہ ہو ضمیمہ اول۔ ۳۔ اس نکتہ پر مفصل بحث ہم عہد نبوی کی فوجی تنظیم میں قبائلی علمبرداروں کے مقام و مرتبہ اور کردار کے مطالعہ میں کریں گے۔

(۱۴۱) اسد الغابہ، سوم، ص ۱۵۵۔

(۱۴۲) واقدی، ص ۶-۵۹۹۔

(۱۴۳) مآخذ اس ضمن میں دو الفاظ یا دو مترادفات لواء اور رایۃ استعمال کرتے ہیں۔ ان دونوں ہی کے معنی جھنڈے اور پرچم کے ہیں اور ان دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ بخوبی استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ لغوی اعتبار سے ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور عموماً مآخذ اسی طرح ان کو درحقیقت استعمال بھی کرتے ہیں۔ لیکن بعض مورخین نے لواء اور رایۃ میں عام و خاص کا فرق بھی پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اس نظریہ / خیال کے مطابق عام مفہوں میں لواء (جمع الویۃ) دئے جاتے تھے لیکن رایۃ (جمع رایات) کا استعمال پہلی بار واقدی کے مطابق غزوۂ خیبر میں ہوا تھا۔ ہمارے جدید مورخین نے عام طور سے اس بیان کو بلا تنقید و جرح قبول کر لیا ہے۔ واقدی کے اس بیان کے مطابق اس مہم میں تین رایات بنائے گئے تھے جو حضرات علی بن ابی طالب، حباب بن منذر اور سعد بن عبادہ کو دئے گئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کا پرچم مبارک (رایۃ) سیاہ تھا جو حضرت عائشہ کی چادر (بُرد) سے بنایا گیا تھا۔ اس کو عقاب (شاھین) کہا جاتا تھا جبکہ آپ کا لواء سفید تھا۔ ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۴۹۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ لواء اور رایہ کا یہ فرق بتانے اور یہ بیان دینے کے باوجود کہ رایہ کا پہلا استعمال غزوۂ خیبر میں ہوا تھا۔ یہی مورخ دوسرے دو مقامات (ص ۵۶ اور ۲۲۶) پر بیان کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں اپنا رایہ حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو عطا فرمایا تھا۔ جبکہ ابن قتیبہ دینوری، کتاب المعارف، ص ۱۵۳، کا بیان یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سیاہ رایہ حضرت علی کو اور سفید لواء حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو عطا کیا تھا۔ سرفراز ہونے والے صحابی کے نام میں اختلاف کے باوجود موخر الذکر کے بیان سے یہ البتہ ثابت ہوتا ہے کہ لواء اور رایۃ کا فرق پہلی اہم مہم سے اسلامی عسکری تنظیم میں موجود رہا تھا۔ خود واقدی کا دو مقامات پر بیان بھی مضمراً اسی کی تائید کرتا ہے۔ بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لواء عام پرچم ہوتا تھا جو سالارانِ سرایا یا قبائلی سرداروں کو دیا جاتا تھا جبکہ رایہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص پرچم ہوتا تھا جو اسلامی ریاست یا مرکزی حکومت کی نمائندگی کرتا تھا۔ اور یہ تفریق ابتداء ہی سے موجود تھی اور پہلی بار اس کا اظہار غزوۂ بدر میں ہوا تھا نہ کہ غزوۂ خیبر میں، جیسا کہ عام طور سے جدید و قدیم مورخین کا خیال معلوم ہوتا ہے۔

(۱۴۴) ازرقی، ص ۱۷۰۔

(۱۴۵) ریوبن لیوی، مذکورہ بالا، ص ۴۴۳-۵؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳۷۹؛ واقدی، ص ۵۶۔

(۱۴۶) زبیری، ص ۲۵۱-۲۵۴؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۵-۵۳؛ ازرقی، ص ۱۷۰-۶؛ جمہرہ، ص ۱۱۸؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳۷۴، جن کا بیان بڑا دلچسپ ہے۔ روایت ہے کہ غزوۂ اُحد کے موقعہ پر مکی سالار فوج ابو سفیان بن حرب اموی نے عبدالدار کے علمبرداروں سے طنزاً کہا تھا کہ "اے بنو عبدالدار! بدر کے موقعہ پر تم ہی ہمارے علمبردار تھے۔ تم جانتے ہی ہو کہ اس روز کیا ہوا تھا۔ سپاہی بڑی حد تک اپنے پرچموں سے اپنی قسمت وابستہ کر لیتے ہیں۔ تو یا تم ہمارے پرچم کی پوری جاں نثاری اور ثابت قدمی سے حفاظت کرو یا اس اعزاز سے دستبردار ہو جاؤ تاکہ ہم اس کو کسی اور کے سپرد کر دیں اور تم کو اس زحمت سے بچا لیں۔" انھوں نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد جواب دیا "کیا ہم اپنا پرچم اٹھانے کا اعزاز تمھارے حوالے کر دیں؟ کل جب جنگ کا بازار گرم ہوگا تو تم خود دیکھ لوگے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔" بنو عبدالدار اپنے قول کے پکے نکلے اور انھوں نے اپنے قومی پرچم کی حفاظت میں جانیں نچھاور کر دیں اور اس سلسلہ میں بڑی عدیم المثال مردانگی اور شجاعت بلکہ تہور کا ثبوت دیا۔ زبیری کے بقول اس دن بنو عبدالدار کے نو سرفروشوں نے اپنے قومی پرچم کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دی تھیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۲۲۰-۲۲۱، ۲۲۵-۲۲۸، ۳۰۷-۸۔

(۱۴۷) ابن سعد، دوم، ص ۶؛ طبری، دوم، ص ۴۰۲؛ اسد، پنجم، ص ۲۹۶؛ نیز ملاحظہ ہو لیوی، مذکورہ بالا،

ص ۵۳۴۔ موخر الذکر کا یہ بیان صحیح ہے کہ نشان/علم کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام علمبرداروں کے ناموں کو نمایاں طور سے بیان کیا جاتا ہے اور اسی طرح انصار کے بعض لوگوں کا غزوۂ بدر میں امتیاز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعد کے غزوات و سرایا میں بھی علمبرداروں کے ناموں کو خوب نمایاں جگہ دی ہے۔ کسی مہم کو بھیجنے کے لیے ایک فقرہ عقد لواء کا استعمال کیا جاتا ہے اور علم کا عطا کیا جانا در اصل کمان سے سرفراز کیا جانا تھا۔"

(۱۴۸) واقدی، ص ۹۹۶، کا بیان ہے کہ غزوۂ تبوک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مخصوص رایہ حضرت ابوبکر صدیق کو عطا فرمایا تھا۔

(۱۴۹) ملاحظہ کیجئے: عہد نبوی کے میدان جنگ (انگریزی)، حیدر آباد دکن ۱۹۷۳ء، ص ۷-۵۳ (باب ہشتم)۔

(۱۵۰) واقدی، ص ۱۵؛ نیز ملاحظہ ہو طبری، دوم، ص ۴۲۲، ۴۳۶، جن کا خیال ہے کہ یہ طلیعہ کافی بڑا تھا کیونکہ اس میں متعدد دوسرے صحابی بھی شامل تھے۔

(۱۵۱) واقدی، ص ۱۵؛ طبری، دوم، ص ۴۲۲، ۴۳۶۔

(۱۵۲) طبری، دوم، ص ۴۲۲۔

(۱۵۳) واقدی، ص ۵۲، نے ان کی تعداد تین بتائی ہے اور ان کے نام یسار، اسلم اور ابو رافع بتائے ہیں جو بالترتیب عبید بن سعید بن عاص اموی، منبہ بن حجاج سہمی اور امیہ بن خلف جمحی کے غلام (عَبید) تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکی فوج پانی وغیرہ کی فراہمی جیسی ضروریات کے لیے اپنے غلاموں پر منحصر تھی۔ یہ غلام عموماً جنگجو سپاہی کی حیثیت سے نہیں بھرتی کیے جاتے تھے۔ بعض سپاہی بھی ہوتے تھے مگر اکثر کی حیثیت خدام اور گھریلو کاموں کے ملازموں کی سی ہوتی تھی۔ غالباً اسی غلط فہمی کے سبب بعض غیر ملکی مورخین نے احابیش کو سیاہ غلاموں کی قریشی فوج سمجھ لیا ہے جو قطعی غلط ہے۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۷-۱۵۴۔

(۱۵۴) واقدی، ص ۴-۵۳؛ نیز ملاحظہ ہو باب چہارم، بحث بر مشیرانِ نبوی۔

(۱۵۵) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۷۸۔

(۱۵۶) واقدی، ص ۷-۴۳، کا بیان ہے کہ یہ طلیعہ سفیان بن خالد سہمی کے دو فرزندوں حضرات سلیط اور نعمان پر مشتمل تھا اور ایک بنو عُویر کے گمنام صحابی بھی شامل تھے۔ موخر الذکر صحابی اپنی سست روی کے سبب پیچھے رہ گئے جبکہ ان کے دونوں ساتھی تیز رفتاری سے مکی فوج کے قریب جا پہنچے۔ مکیوں نے ان دونوں کا پتا لگا لیا اور ان کو فوراً مار ڈالا۔ جب مسلم فوج وہاں پہنچی تو انھوں نے وہاں ان کی لاشیں پائیں اور ان کو دفن کر دیا۔

(۱۵۷) واقدی، ص ۵۳۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۷۔

(۱۵۸) واقدی، ص ۵۴۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۵۔

(۱۵۹) واقدی، ص ۱۴۱ - ۱۴۰ - ۶۴ - (۱۶۰) ایضاً، ص ۶۴۴ -

(۱۶۱) واقدی، ص ۸ - ۹۷، ؛ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، تاریخ، دوم، ص ۵۸، جس کے مطابق اس عورت کا نام سارہ تھا اور وہ ابُو لہب بن عبدالمطلب ہاشمی کی کنیز تھی -

(۱۶۲) واقدی، ص ۱۴۱۰ - (۱۶۳) کتاب المحبر، ص ۲۸۷ -

(۱۶۴) واقدی، ص ۱۴۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳؛ طبری، دوم، ص ۴۵۸ - اس خوشخبری پر مدینہ والوں کا ردّ عمل بڑا دلچسپ تھا - خبر اتنی خوش آیند اور اتنی اچانک تھی کہ پہلے ان کو یقین نہیں آیا اور انھوں نے دونوں منادیوں کو جُھوٹا سمجھا اور میدانِ جنگ سے مفرور قرار دیا - لیکن ان کے بار بار اور بہ اصرار یقین دلانے پر خبر کا جب یقین آیا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ اتنی سی چھوٹی اسلامی فوج نے جو پُوری طرح مسلح بھی نہ تھی کیونکر اتنی بڑی قریشی اور مسلح و منظم فوج کو ہرادیا؟ اور آخر آخر میں ان کو جب حیرت سے چھٹکارا ملا تو ان کی خوشی اور مسرت کی انتہا نہ رہی - نیز ملاحظہ کیجئے: کتاب المحبر، ص ۲۸۷ جو مختلف منادیوں کے نام گناتی ہے اور ان کے بارے میں تفصیلات سے گریز کرتی ہے -

(۱۶۵) ابن سعد، دوم، ص ۱۶؛ کتاب المحبر، ص ۲۸۷ -

(۱۶۶) کتاب المحبر، ص ۲۸۷ -

(۱۶۷) اسدالغابہ، پنجم، ص ۴۴؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر، ص ۲۸۷ -

(۱۶۸) قرآن کریم، سورہ حشر، آیت ۵ - (۱۶۹) واقدی، ص ۲۷۲ -

(۱۷۰) ان افسروں اور فوجی کارکنوں کے لیے ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۳، جس میں ان میں سے ایک کے بارے میں حوالے مذکور ہیں -

(۱۷۱) جاسوسوں اور ان کی کارگزاری کی اہمیت کے لیے ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۵۰ - ۵۳ -

(۱۷۲) واقدی، ص ۲۲؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۲ -

(۱۷۳) واقدی، ص ۴۵۰ کا بیان اس سلسلے میں کافی دلچسپ اور اہم ہے جو اس زمانے کے لوگوں کی بصیرت اور مہارت پر روشنی ڈالتا ہے - روایت ہے کہ مکّہ کا مشہور سردار منبہ بن حجاج سہمی لوگوں کے نشان قدم پہچان لینے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا - چنانچہ ان دونوں مسلم جاسوسوں کے نرم مٹی پر نشانِ قدم کو دیکھ کر اس نے مدینہ کے جاسوسوں کی موجودگی اپنی فوج کے افسروں کو بتادی تھی - اسی ذیل میں وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جو ابوسفیان بن حرب اموی کے ساتھ پیش آیا تھا - بدر کے کنوؤں کے قریب ابوسفیان نے شام سے لوٹتے وقت مسلم جاسوسوں کے اونٹوں کی لید میں سے مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیوں کو دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ مدینہ کے لوگ گردونواح میں موجود ہیں اور اسی بصیرت کے سبب انھوں نے اپنے زیر کمان مالامال قریشی کارواں کا راستہ بدل دیا تھا -

(۱۷۴) واقدی، ص ۷ - ۲۰۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷ -

(۱۷۵) واقدی، ص ۸ - ۲۰۷
(۱۷۶) واقدی، ص ۸ - ۲۰۷ کا بیان ہے کہ حضرت حباب بن منذر نے اپنی واپسی پر مکی فوج کی عددی طاقت ایک ہزار کے لگ بھگ بتائی تھی جس میں سے شہسوار دو سو تھے اور سات سو سپاہی زرہ بکتر پوش تھے۔ ان کی یہ خبر بالکل صحیح ثابت ہوئی تھی۔
(۱۷۷) طبری، دوم، ص ۸ - ۵۲۷، کے اس بیان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ "اگر تم دیکھو کہ مکہ والے گھوڑوں کو چھوڑ کر اونٹوں پر سوار ہوگئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا رُخ مکہ کی طرف ہے دوسری صورت میں وُہ مدینہ کی طرف روانہ ہوں گے۔" حضرت علی کو بھی یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وُہ اپنے مشاہدہ کا اعلان سب کے سامنے نہ کریں لیکن وہ قریشی فوج کے مکہ واپس ہونے کی خبر سے اتنے خوش ہُوئے کہ واپسی میں سب کے سامنے قریشیوں کے مکہ واپس ہونے کا اعلان کر گئے۔
(۱۷۸) واقدی، ص ۴۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۳۔ (۱۷۹) ایضاً (۱۸۰) واقدی، ص ۶۱ - ۴۶۰
(۱۸۱) واقدی، ص ۵۰۴، کے مطابق اُنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ بنو قریظہ کے یہودیوں نے اپنے قلعوں (آطام) کی مرمت کرلی ہے، اپنے سپاہیوں کو جمع اور منظم کرلیا ہے اور اپنے مویشیوں کو گڑھیوں میں اکٹھا کرلیا ہے۔ یہ دراصل ان کی فوجی تیاریوں کی جانب اشارہ تھا؛ نیز ملاحظہ کیجئے: بخاری، فضل الجہاد۔
(۱۸۲) ایضاً (۱۸۳) واقدی، ص ۹۰ - ۴۸۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے مسلم، باب الجہاد۔
(۱۸۴) واقدی، ص ۳۰۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۵۔
(۱۸۵) واقدی، ص ۳۹۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۰؛ طبری، سوم، ص ۳۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۲۔
(۱۸۶) واقدی، ص ۴۴ - ۳۴۱۔ (۱۸۷) ایضاً، ص ۳۴۶۔
(۱۸۸) ابن سعد، سوم، ص ۳۰۱، کے مطابق حضرت عبداللہ بن اریقط دُئلی اس وقت تک کافر تھے اور ان کی خدمات اُجرت پر حاصل کی گئی تھیں۔
(۱۸۹) اسد الغابہ، دوم، ص ۷ - ۲۸۶ کے مطابق حضرت سعد العرجی ہجرت نبوی کے اسی سفر کے دوران اسلام لائے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ہی انھوں نے حضرت عبداللہ بن اریقط دُئلی کی جگہ سنبھالی تھی۔
(۱۹۰) واقدی، ص ۱۸ - ۲۱۷، کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر دو اور روایتیں بیان کی جاتی ہیں جو مختلف راہ بروں کا ذکر کرتی ہیں لیکن مذکورہ بالا روایت زیادہ صحیح ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۳۹؛ طبری، دوم، ص ۵۰۶؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۶۹۔
(۱۹۱) اسد الغابہ، اوّل، ص ۶ - ۲۲۵۔
(۱۹۲) واقدی، ص ۴۴۳، کے مطابق وہ ایک ماہر راہ بر (دلیل خریت) تھے۔

(۱۹۳) واقدی، ص ۲۴۶۔ اس مہم میں شریک ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کا بیان ہے کہ "جب ہم نے راہ گم کر دی تو بدوی قبائل میں سے ایک شخص کی خدمات بطور ایک راہبر ہم نے حاصل کیں۔ اس نے پوچھا: "اگر میں آپ لوگوں کو ایسی جگہ کی نشان دہی کروں جہاں آپ کو کافی مال غنیمت ملے تو میرا کیا حصہ ہوگا؟ لوگوں نے کہا خمس (۱/۵) ملے گا۔" چنانچہ وہ بدو قبیلوں کے مویشیوں کی طرف لے گیا اور اس نے اپنا حصہ وصول کر لیا۔

(۱۹۴) ایضاً، ص ۴۰۳

(۱۹۵) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۰

(۱۹۶) ایضاً، پنجم، ص ۷۰-۱۶۹

(۱۹۷) واقدی، ص ۷۵۵، نے اس کا نام نہیں بتایا ہے۔

(۱۹۸) واقدی، ص ۵۸۴

(۱۹۹) واقدی، ص ۱۴۱، ۸-۶۴۷

(۲۰۰) طبری، سوم، ص ۲۳؛ اسد، دوم، ص ۱۶؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۱۴۱۔

(۲۰۱) اسد الغابہ، سوم، ص ۲۶۸۔

(۲۰۲) واقدی، ص ۲۷۷؛ اسد الغابہ، دوم، ص ۱۶۲۔

(۲۰۳) اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۶۸۔

(۲۰۴) واقدی، ص ۹۹۹؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، ص ۱۴-۱۳۔

(۲۰۵) واقدی، ص ۱۱۲۲۔

(۲۰۶) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۶ -

(۲۰۷) واقدی، ص ۱۰۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۸؛ طبری، دوم، ص ۴۵۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۷۵۵؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۹-۲۴۸۔

(۲۰۸) واقدی، ص ۱۰۵؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، سوم، ص ۴-۳۔

(۲۰۹) واقدی، ص ۵-۱۰۴، کا بیان ہے کہ بدر میں شریک جہاد ہونے والے تمام غلاموں کو مال غنیمت میں حصہ کی بجائے انعام و اکرام سے نوازا گیا تھا۔

(۲۱۰) اسد، سوم، ص ۹-۲۴۸۔

(۲۱۱) واقدی، ص ۱۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴۔

(۲۱۲) واقدی، ص ۱۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴، کا بیان ہے کہ وہ خمس کے بھی نگراں مقرر کیے گئے تھے۔

(۲۱۳) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۰، کا خیال ہے کہ اس افسر کا نام مسعود بن ہنیدہ تھا جنھوں نے خمس کے نگراں افسر کی حیثیت سے کام کیا تھا۔

(۲۱۴) واقدی، ص ۱۷۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰ اور ۵۸۔

(۲۱۵) واقدی، ص ۱۷۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۹؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۱۹۔

(۲۱۶) ابن سعد، دوم، ص ۲۹؛ طبری، دوم، ص ۴۸۱؛ ابن خلدون، اول، ص ۷۵۹؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۷-۱۰۶۔

(۲۱۷) واقدی، ص ۳۷۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۳۱۔

(۲۱۸) واقدی، ص ۳۷۹؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۹۱۔

(۲۱۹) واقدی، ص ۵۰۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۷-۱۷۶۔

(۲۲۰) ابن سعد، دوم، ص ۷۵؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۲۴۔

(۲۲۱) واقدی، ص ۵۰۹

(۲۲۲) واقدی، ص ۵۱۳

(۲۲۳) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۰

(۲۲۴) واقدی، ص ۵۲۳؛ اسد الغابہ، دوم، ص ۵-۲۸۳۔

(۲۲۵) طبری، دوم، ص ۲-۵۹۱؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، دوم، ص ۸۰-۲۷۹

(۲۲۶) واقدی، ص ۶۰۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۰۷؛ اسد، چہارم، ص ۹-۱۷۸

(۲۲۷) اسد الغابہ، چہارم، ص ۸-۳۴۷

(۲۲۸) ایضاً، پنجم، ص ۱۶۵

(۲۲۹) ایضاً، دوم، ص ۱۱۳

(۲۳۰) طبری، سوم، ص ۱۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۵۔

(۲۳۱) اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۲۶۔

(۲۳۲) واقدی، ص ۹۲۳۔

(۲۳۳) واقدی، ص ۹۴۲۔

(۲۳۴) ایضاً، ص ۹۴۹۔

(۲۳۵) ایضاً، ص ۹۵۲۔

(۲۳۶) ابن سعد، دوم، ص ۱۶۴۔

(۲۳۷) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول — ۷۔

(۲۳۸) ان افسران کے علاوہ جو اسلحہ اور گھوڑوں کے آزاد و خود مختار افسر تھے صاحب المغانم (اموال غنیمت کا عام افسر) بھی اسلحوں کا نگراں افسر ہوتا تھا جیسا کہ واقدی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ غزوۂ خیبر کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ ہر قسم کا مال غنیمت صاحب المغانم کی نگرانی و حفاظت میں تھا جس میں اسلحہ بھی شامل تھے اور جس کسی کو دوران غزوہ جنگ کے لیے ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی تھی وہ صاحب المغانم سے مستعار لیتا تھا اور فتح یا جنگ کے خاتمے کے بعد ان کو لوٹا دیتا تھا۔

(۲۳۹) اسد الغابہ، دوم، ص ۲۶۸

(۲۴۰) اسد، سوم، ص ۲۷۹

(۲۴۱) ملاحظہ ہو واقدی، ص ۸۴، ۸۶، ۱۰۰-۹۹۔

(۲۴۲) واقدی، ص ۱۶-۱۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۔

(۲۴۳) واقدی، ص ۸۲، ۹۲، ۱۰۱-۱۰۰۔

(۲۴۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں مکی سردار منبہ بن حجاج سہمی کی ذوالفقار نامی تلوار صفی میں لے لی تھی (تنفّل) اور دو اور مقتول مکی سرداروں ابن عائذ مخزومی اور عاص بن منبہ سہمی کی تلواریں اپنے دو ساتھیوں کو عطا کر دی تھی۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۰۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۹-۱۸۔

(۲۴۵) واقدی، ص ۱۰۴-۸۴۔ واقدی اور ان کے کاتب دونوں کا بیان ہے کہ بیضہ (لوہے کا خود) مغفر (کپڑے یا چمڑے وغیرہ کا خود) کے اوپر پہنا جاتا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۲۱۹ اور ابن سعد، دوم، ص ۳۹ جن کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہ بکتر تلے اوپر پہنے تھے اور ایک مغفر اور اس کے اوپر ایک بیضہ پہنا تھا۔

(۲۴۶) واقدی، ص ۱۰۴-۸۴ (۲۴۷) ایضاً، ص ۱۰۳

(۲۴۸) واقدی، ص ۲۱۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۹۔

(۲۴۹) واقدی، ص ۲۳۰ (۲۵۰) واقدی، ص ۱۷۰

(۲۵۱) ہتھیار اس شرط پر ڈالے گئے تھے کہ بنو قینقاع مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اپنے تمام ہتھیار (حلقہ) مویشی (کُرَاع) اور زرگری کے اوزار (آلۃ الصیاغۃ) چھوڑ جائیں گے؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹-۱۷۸۔

(۲۵۲) واقدی، ص ۱۶۹۔ (۲۵۳) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۰۹۔

(۲۵۴) واقدی، ص ۳۷۷۔ (۲۵۵) ایضاً، ص ۵ (۲۵۶) ایضاً، ص ۵۲۳۔

(۲۵۷) واقدی، ص ۸-۶۴۷۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک یہودی جس کا نام سماک تھا رجیع میں واقع مسلم خیمہ گاہ کے ارد گرد گھومتا پایا گیا تھا اور اس کو خیمہ گاہ کے افسر حضرت عمر بن خطاب عدوی اور ان کے سپاہیوں نے پکڑا تھا۔ پوچھ گچھ کے دوران اس نے اس جگہ کی نشان دہی کی جہاں یہ آلاتِ حرب یہودیوں نے مسلمانوں کے قبضے میں جانے کے ڈر سے زمین میں دفن کر دیے تھے۔ اس قبضہ کے بعد مسلمانوں نے مذکورہ بالا یہودی قیدی کی رہنمائی میں کھود کر نکال لئے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے بعد وہ یہودی قیدی مسلمان ہو گیا تھا۔

(۲۵۸) دبابہ اور منجنیق دونوں محاصرہ شکن آلاتِ حرب ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعہ قلعہ یا گڑھی کی دیواروں کو توڑا جاتا ہے تاکہ محصورین کو ہتھیار ڈالنے یا کھلے میدان جنگ میں لڑنے پر مجبور کیا جائے۔ منجنیق دراصل پتھر پھینکنے والا ایک بڑا سا آلہ ہوتا ہے جو اسپرنگ کے اصول پر کام کرتا ہے۔ اس کے ایک سرے پر وزنی اور بھاری پتھر رکھ دیا جاتا ہے اور دوسرے سرے پر دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ دباؤ پڑتے ہی پتھر تیزی سے اچھل کر سامنے والی چیز سے ٹکراتا ہے اور اس طرح کے بار بار عمل سے دیوار میں شگاف پڑ جاتا ہے۔ جبکہ دبابہ ایک رواں اور چلتا پھرتا منارہ ہوتا ہے جس کی کئی منزلیں ہوتی ہیں۔ ہر منزل میں کافی سپاہیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ ہوتی ہے اور یہ سپاہی نقب زنی کے آلات سے لیس ہوتے ہیں۔ اوپری منزل کے سپاہی تیر کمانوں سے مسلح ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کی حفاظت کر سکیں اور قلعہ کے دشمن کے تیروں کا جواب بھی دے سکیں۔ ان کی مزید حفاظت کے لیے ان تمام منزلوں کو کھالوں سے ڈھانک دیا جاتا تھا۔ پھر اس منارہ کو دھکیل کر قلعہ کی دیوار سے لگا دیا جاتا تھا اور تمام منزلوں کے سپاہی اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس آلہ میں قلعہ کی دیواروں پر چڑھنے کے لئے بھی ساز و سامان ہوتا تھا اور مجاہدین اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر اوپر پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔

نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۲۷ ؛ ریوبن لیوی، مذکورہ بالا، ص ۴۴۰۔

(۲۵۹) واقدی، ص ۶۶۸ اور ص ۶۷۰ کا بیان ہے کہ مرمت کے بعد جوں ہی منجنیق کو دبابہ کے ساتھ استعمال کے لیے رکھا گیا توں ہی قلعہ شق کے لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ نزار اور قموص کے یہودیوں نے منجنیق کو استعمال کے لیے تیار دیکھ کر دہشت کے مارے گھٹنے ٹیک دیے جبکہ اس آلہ محاصرہ شکن سے ایک بھی پتھر نہیں پھینکا گیا تھا۔

(۲۶۰) واقدی، ص ۶۶۴ کا بیان ہے کہ قلعہ صعب بن معاذ کے زوال کے بعد مسلمانوں کو اس سے ایک منجنیق اور متعدد دبابوں کے علاوہ کافی تعداد میں مختلف النوع ہتھیار اور آلاتِ حرب ملے تھے۔ یہودیوں نے اس قلعہ میں کافی تعداد میں اسلحہ کا ذخیرہ کر رکھا تھا۔

(۲۶۱) واقدی، ص ۶۷۱ - ۶۷۰۔ مورخ موصوف یہ نہیں بیان کرتے کہ باقی دو قلعوں میں بھی مالِ غنیمت ملا تھا یا نہیں۔

(۲۶۲) واقدی، ص ۶۸۰۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ خمس کا ۱/۲ حصہ فروخت کر دیا گیا تھا اور غالباً اس سے حاصل شدہ رقم کو معمول کے مطابق آلاتِ حرب و ہتھیاروں کی خرید پر صرف کیا گیا تھا۔

(۲۶۳) اموالِ غنیمت کی مالیت کے لیے ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "عہد نبوی کی مسلم معیشت میں اموالِ غنیمت کا تناسب" تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، شمارہ ۴، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۲ء۔

(۲۶۴) واقدی، ص ۶۴۵ - ۶۴۶۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب بنو قریظہ کے یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور حلیف تھے (سلمٌ للنبی) اور انھوں نے معاہدہ شکنی نہیں کی تھی۔ (۲۶۵) ایضاً

(۲۶۶) واقدی، ص ۷۳۳ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱۔ یہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُور اندیشی، حربی عاقبت بینی اور عملی ہونے کا ایک اہم ثبوت ملتا ہے۔ مآخذ کے مطابق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مسلمان نے پوچھا تھا "آپ اتنے سارے ہتھیار اور اسلحہ لے کر کیوں آئے ہیں جبکہ قریش نے ہم پر یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ ہم مکہ میں صرف تلواروں کے ساتھ داخل ہوں اور کوئی دوسرا ہتھیار ہمارے پاس نہ ہو؟" آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ "ہم ان کو اپنے ساتھ حرم میں لے کر داخل نہیں ہوں گے لیکن وہ ہمارے قریب ہوں گے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہُوئی تو ہم ان کو آسانی سے استعمال کر سکیں گے۔" یہ فراستِ نبوی تھی جو محض غلط قسم کے توکل پر بھروسا نہیں کرتی تھی بلکہ ہر ممکن تدبیر اختیار کرتی تھی اور اسی فراست اور عملیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی ہر جنگی تدبیر کامیاب ہوتی تھی۔

(۲۶۷) ایضاً (۲۶۸) واقدی، ص ۷۳۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱۔

(۲۶۹) واقدی، ص ۸۱۳۔ (۲۷۰) ایضاً

(۲۷۱) واقدی، ص ۸۱۳-۸۱۴ کے مطابق بنو فزارہ نے اپنی کثرتِ تعداد، آلاتِ حرب، اسلحوں اور ساز و سامان سے لیس گھوڑوں (الفرس الخیل) پر فخر کا اظہار کیا تھا۔ اس پر بنو سلیم نے بہتر شہسوار، بہتر تیر انداز اور

بہتر تیغ زن (جو مشرفی تلواریں استعمال کرتے تھے) ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ مشرف شام کا علاقہ تھا جہاں کی تلواریں بہت عمدہ ہوتی تھیں۔

(۲۷۲) واقدی، ص ۸۲۱ (۲۷۳) ایضاً (۲۷۴) واقدی، ص ۳-۸۲۲

(۲۷۵) واقدی، ص ۸۵۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۵۰؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۰-۸۸۹۔

(۲۷۶) اسد الغابہ، سوم، ص ۲۷۹۔

(۲۷۷) واقدی، ص ۹۲۳، کا دعویٰ ہے کہ جنوبی عرب سے آنے والی اس منجنیق سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمایش پر حضرت سلمان فارسی نے ایرانی طرز کی ایک منجنیق اسی محاصرہ کے دوران بنائی تھی۔

(۲۷۸) واقدی، ص ۹۲۷، کے مطابق حسب ذیل تین صحابیوں میں سے کوئی ایک یہ منجنیق اور دبابہ لایا تھا: حضرات یزید بن زمعہ، طفیل بن عمرو ازدی، خالد بن سعید اموی۔ موخر الذکر کے بارے میں روایت یہ ہے کہ وہ اسے صنعاء سے لائے تھے۔ روایات کی تنقیح سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو ازدی کے بارے میں روایت زیادہ صحیح ہے۔

(۲۷۹) ایضاً (۲۸۰) ایضاً (۲۸۱) واقدی، ص ۱۰۲۷۔

(۲۸۲) ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی کی مسلم معیشت میں اموالِ غنیمت کا تناسب"۔

(۲۸۳) واقدی، ص ۹۹۱؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۶۸، جس کے مطابق حضرت عثمان غنی نے تنہا ستر ہزار درہم یا اس سے زیادہ کی خطیر رقم صرف کی تھی۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تمام دولت عطا کر دی تھی جو ایک اندازے کے مطابق چار ہزار درہم تھی۔ دُوسروں نے بھی فیاضی کے ساتھ حصّہ لیا تھا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی فنڈ میں دل کھول کر عطیات دیے تھے۔ ان میں سے حضرت عمر بن خطاب نے اپنی آدھی دولت دے دی تھی۔ ان کے علاوہ دوسرے مالدار اور مخیر مسلمان جنھوں نے مال (زر کثیر) دیا تھا' یہ تھے: حضرات عبد الرحمٰن بن عوف زہری، عباس بن عبد المطلب ہاشمی، طلحہ بن عبید اللہ تیمی، سعد بن عبادہ خزرجی، محمد بن مسلمہ اوسی اور عاصم بن عدی خزرجی۔ متعدد بلکہ کثیر مسلمان وُہ تھے جن کے ناموں کو محفوظ رکھنے کی سعادت ماخذ کو نہیں حاصل ہوئی۔

(۲۸۴) واقدی، ص ۵۵۵؛ طبری، دوم، ص ۴۹۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے اسد، دوم، ص ۹-۲۹۶۔

(۲۸۵) واقدی، ص ۲۰۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر انصار کے دونوں قبیلوں کے تین محافظ دستے تھے جو اپنے اپنے کمانداروں کی ماتحتی میں باری باری سے پہرہ دیتے رہے تھے۔

(۲۸۶) واقدی، ص ۳۳۴ اور ۳۳۶۔

(۲۸۷) صحابی موصوف نے حمراء الاسد کی مہم کے دوران اپنی ذمہ داری بے مثال محبت وجذبے کے ساتھ

انجام دی تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے ذات الرقاع، حدیبیہ وغیرہ متعدد دوسری مہموں میں بھی یہ سعادت حاصل کی تھی۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۳۶ ، ۳۹۷ ، ۶۰۶ وغیرہ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے اسد، سوم، ص ۱۰۱-۱۰۰۔

(۲۸۸) طبری، سوم، ص ۱۷ ؛ اسد الغابہ، اوّل، ص ۲۰۶ ۔

باب چہارم

(۱) ابنِ ہشام، دوم، ص ۵۹ ، ۵۹۸ وغیرہ ؛ واقدی، ص ۱۸۰ وغیرہ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸ وغیرہ : طبری، دوم، ص ۴۰۷ وغیرہ ؛ ابنِ خلدون، اول، ص ۴۴، وغیرہ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۰ اور ۲۸۷-۲۸۸ وغیرہ؛ کتانی، اول، ص ۳۱۴-۱۶ ۔

(۲) مذکورہ بالا۔

(۳) ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۱ - ۵۹ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۷ ؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷ ؛ ابنِ خلدون، اول، ص ۴۴ ، اور اسد، دوم، ص ۵ - ۲۸۳ ۔

(۴) ابنِ سعد، دوم، ص ۸ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۷ ؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷ ؛ اسد، دوم، ص ۷-۲۹۶ ۔

(۵) ابنِ سعد، دوم، ص ۹ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۷ ؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷ ؛ اسد، دوم، ص ۷-۲۳۴ ۔

(۶) اس کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۶۷۹ ؛ واقدی، ص ۱۹-۱۱۱۷ ؛ طبری، سوم، ص ۱۸۰۶ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴ ، بخاری، بعث اسامہ اور مناقب زید بن حارثہ ۔

(۷) ابنِ ہشام، دوم، ص ۵۹۸ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۹ ، انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۷ ؛ طبری، سوم، ص ۴۰۸ ؛ اسد، پنجم، ص ۲۱۸ ۔

(۸) ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۱۲ ؛ ابنِ خلدون، اول، ص ۹ - ۴۸ ، ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۹۔

(۹) واقدی، ص ۱۰۸ ؛ طبری، دوم، ص ۴۰۸ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۹ ۔ موخر الذکر نے حارث بن حاطب کی جگہ حضرت عاصم بن عدی کا نام لیا ہے۔

(۱۰) ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲ ۔

(۱۱) ابنِ ہشام، دوم، ص ۵۴ ؛ واقدی، ص ۱۸-۱۸۰ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۰-۲۹ ؛ طبری، دوم، ص ۴۸۱ اور ۴۸۵ ؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۱۰-۳۰۹ ؛ اسد، پنجم، ص ۵-۲۸۴۔

(۱۲) ملاحظہ ہو اسد، پنجم، ص ۱۳۰ ۔

(۱۳) ابن ہشام، دوم، ص ۴۶؛ واقدی، ص ۱۹۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۱؛ اسد، سوم، ص ۳۷۶-۸۴۔

(۱۴) واقدی، ص ۳۸۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، دوم، ص ۲۰۹، جن کے مطابق اس موقعہ پر نائب رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ کی جگہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول تھے۔ مزید دیکھئے اسد، سوم، ص ۱۵۶-۹۔

(۱۵) ابن ہشام، دوم، ص ۲۰۳؛ واقدی، ص ۴۰۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰ اور طبری، دوم، ص ۵۵۶۔

(۱۶) ابن ہشام، دوم، ص ۲۱۳؛ واقدی، ص ۴۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ اور طبری، دوم، ص ۵۶۴۔

(۱۷) ابن سعد، دوم، ص ۶۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۲؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، دوم، ص ۲۲۴-۷۔

(۱۸) حضرت ابن ام مکتوم کی تیرہ تقرریوں کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۲؛ سوم، ص ۴۳، ۴۶، ۴۴، ۱۰۲، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۷۹، ۲۸۴ اور ۳۹۹؛ واقدی، ص ۱۸۴، ۱۹۷، ۱۹۹، ۳۷۱، ۴۴۱، ۴۹۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۴۷، ۵۷۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۱، ۳۵-۴، ۳۹، ۴۹، ۵۸، ۶۶، ۷۴، ۷۹، ۸۰، ۹۵، ۱۳۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۲۸، ۳۳۹، ۳۴۷-۵۰، ۳۶۴، ۳۶۶-۹۸؛ طبری، دوم، ص ۴۸۳، ۵۳۶، ۵۵۵؛ نیز ملاحظہ کیجئے اسد، چہارم، ص ۱۲۷ اور ابن خلدون، اول، ص ۷۴۸-۹۔

(۱۹) ملاحظہ کیجئے، ضمیمہ دوم-۱۔

(۲۰) ایضاً (۲۱) ایضاً (۲۲) ایضاً (۲۳) ایضاً

(۲۴) قرآن کریم، سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹۔

(۲۵) واقدی، ص ۴۴۴-۴۵۔

(۲۶) ابن اسحاق، ص ۲۹۳-۹۴؛ واقدی، ص ۱۰۷-۸؛ بخاری، باب فضائل اصحاب النبی؛ طبری، دوم، ص ۴۷۴-۷۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۶-۷؛ مسلم، غزوۂ بدر؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۳-۴۔

(۲۷) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم-۲۔

(۲۸) واقدی، ص ۱۰۷-۸؛ طبری، دوم، ص ۴۷۴-۷؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۸۶-۷، جن کا بیان ہے کہ غزوہ بدر الموعد کے موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات ابوبکر و عمر کا مشورہ قبول کر لیا تھا کہ دشمنوں سے

جنگ کے لیے نکلا جائے۔

(۲۹) واقدی، ص ۲۰۹-۱۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۳۷۱-۷۲؛ طبری، دوم، ص ۵۰۲-۳ اور انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۴-۵۔

(۳۰) واقدی، ص ۱۸۷، کا بیان ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی شاعر سے پہنچنے والی تکالیف کا ذکر کیا تو حضرت محمد بن مسلمہ اوسی نے آپ کو اس کی شرارتوں کا مکمل سدِ باب کر دینے کا یقین دلایا مگر وہ کئی دنوں تک اس کے بارے میں کوئی طریقہ نہ سوچ سکے۔ انھوں نے آپ سے رجوع کیا اور آپ نے ان کو حضرت سعد بن معاذ سے مشورہ کرنے کی ہدایت کی۔ انجام کار قبیلہ اوس کے تمام بڑے بڑے سرداروں نے کئی دن کے مباحثے کے بعد اس دشمنِ اسلام کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔

(۳۱) ابن اسحاق، ص ۴۵۰ وغیرہ؛ واقدی، ص ۴۴۴-۵؛ طبری، دوم، ص ۵۶۶۔

(۳۲) ابن اسحاق، ص ۴۵۴؛ واقدی، ص ۴۷۷-۹؛ طبری، دوم، ص ۵۷۳۔

(۳۳) ابن ہشام، دوم، ص ۳۱۵؛ واقدی، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۷؛ طبری، دوم، ص ۶۳۰-۳۱؛ ابن خلدون، اول، ص ۵۸۷۔

(۳۴) واقدی، ص ۶۴۳-۴۴

(۳۵) قرآن کریم، سورہ الحشر، آیت ۵۔

(۳۶) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم-۲۔

(۳۷) واقدی، ص ۶۵۱

(۳۸) واقدی، ص ۷۲۸

(۳۹) واقدی، ص ۸۹۳؛ طبری، سوم، ص ۷۳۔

(۴۰) واقدی، ص ۹۲۷

(۴۱) ایضاً، ص ۹۳۷

(۴۲) ایضاً، ص 1019

(۴۳) ابن اسحاق، ص ۲۳۵-۶؛ بخاری، باب الاذان؛ ابو داؤد، باب بدء الاذان؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۳۵-۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۷۳۔ اذان کی تجویز رکھنے والے صحابی کے بارے میں دو روایتیں ملتی ہیں؛ ایک کے مطابق حضرت عبداللہ بن زید نے مشورہ دیا تھا اور دوسری کے مطابق تجویز حضرت عمر بن خطاب کی تھی۔

(۴۴) بخاری، باب المساجد، باب الهجرہ، باب الحج، کتاب البیوع۔

(۴۵) ملاحظہ کیجئے باب اول بحث بر مواخاۃ؛ نیز ابن اسحاق، ص ۲۳۴ وغیرہ۔

(۴۶) فتوح البلدان، ص ۲۲۰؛ زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، طبع اول، قاہرہ سنہ ۱۳۲۵ھ/سنہ ۱۹۰۷-۸ء، دوم، ص ۸۰۔

(۴۷) بخاری، فضائل الانصار؛ یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، لیڈن سنہ ۱۸۹۶ء، ص ۱۹۔

(۴۸) ابن سعد، دوم، ص ۲۲ -

(۴۹) ابن اسحاق، ص ۳۱۴؛ واقدی، ص ۱۰۳-۱۰۲ -

(۵۰) ابن اسحاق، ص ۱۷-۳۱۶ -

(۵۱) ابن اسحاق، ص ۹۹-۴۹۵؛ واقدی، ص ۴۲۸، ۳۲-۴۳۰ وغیرہ؛ بخاری. باب الحدیث الافک؛
مسلم، مذکورہ، متعلقہ؛ نیز ملاحظہ کیجئے قرآن کریم، سورہ نور، آیات ۲۰-۱۱ -

(۵۲) بخاری، باب فضائل اصحاب النبی، فضائل عمر -

(۵۳) اسد الغابہ، چہارم، ص ۶۲-۶۳ -

(۵۴) بخاری، غزوۃ الحدیبیہ اور کتاب الشروط -

(۵۵) ابوداؤد، سنن، باب فی المرء والعبد یخدمان من الغنیمۃ -

(۵۶) انساب الاشراف، اول، ص ۵۵۳، کا بیان ہے کہ یہ مشورہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس
بن عبد المطلب ہاشمی نے دیا تھا جو حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کے ندیم (دوست اور تجارت کے شریک) تھے۔

(۵۷) بخاری، کتاب النکاح، باب موعظۃ الرجل؛ کتاب اللباس، باب ماکان یتجوز رسول اللہ من اللباس -

(۵۸) طبری، دوم، ص ۶۳۰؛ نیز ملاحظہ ہو مسلم، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ -

(۵۹) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم - ۲ -

(۶۰) عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، لفظ متعلق -

(۶۱) زبیری، ص ۱۷۴، حضرت عبداللہ (سابق حکم) بن سعید اموی کو ہمیشہ عبداللہ الکاتب کہتا ہے۔ فن کتابت
میں ان کی اتنی شہرت ہوئی تھی کہ الکاتب ان کے نام کا جزو بن گیا تھا۔

(۶۲) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۸ -

(۶۳) مجموعۃ الوثائق، دستاویز ۴۳، ص ۴۴-۴۳ -

(۶۴) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۸، جو صبح الاعشیٰ (اول باب) جلد چہارم، ص ۸۹ کو نقل کرتے ہیں۔

(۶۵) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم - ۳ -

(۶۶) ایضاً　　(۶۷) ایضاً　　(۶۸) ایضاً

(۶۹) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۷-۱۱۵

(۷۰) ضمیمہ دوم - ۳ -　　(۷۱) ایضاً

(۷۲) بحوالہ کتانی، اول، ۱۷-۱۱۵ -

(۷۳) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۱۸ -

(۷۴) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۲، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ ایک بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی کو حضرت معاویہ کو بلانے کے لیے بھیجا کیونکہ کوئی اہم دستاویز لکھوانا چاہتے تھے۔ حضرت عبداللہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔ انھوں نے حکمِ نبوی سننے کے بعد کہا کہ وہ کھانا ختم کر کے فوراً پہنچ رہے ہیں۔ ان کے پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت عبداللہ کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجا مگر وہ اس وقت بھی کھا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے واپس آکر سارا ماجرا کہہ سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر کہا کہ "خدا کرے ان کا پیٹ کبھی نہ بھرے"! بعد کے زمانے حضرت معاویہ کہا کرتے تھے کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لگ گئی کیونکہ وہ سارے دن کئی بار اور بہت سا کھاتے تھے۔ بہر حال اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ان پر اعتماد کرتے تھے اور دستاویزات مخصوص صرف انھیں سے لکھواتے تھے؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۸۔

(۷۵) اسد، اول، ص ۹۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ المعارف، ص ۲۶۱؛ بخاری، باب فضائل الجہاد والسیر؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۸۔

(۷۶) اسد، دوم، ص ۲۲۱-۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ بخاری، مذکورہ بالا باب؛ طبری، سوم، ص ۱۷۳؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۷۔

(۷۷) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۱۷۔

(۷۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۲۴۶-۱

(۷۹) اس کے لیے ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۸۹، ۷۰۰، ۱۸-۱۹، ۷۲۰-۲۱، ۹۲۹، ۹۳۲، ۹۹۶؛ بخاری، کتاب الاحکام، باب مایستحب للکاتب ان یکون امیناً عاقلا؛ نیز باب فضل الجہاد والسیر۔

(۸۰) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۲۳۔ (۸۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴-۱۳۔

(۸۲) ایضاً، ص ۳۶ (۸۳) ایضاً، ص ۵۷ (۸۴) ایضاً، ص ۱۱۵ (۸۵) ایضاً، ص ۱۳۳۔

(۸۶) ایضاً، ص ۱۴۵؛ اس کے انگریزی ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۵۷۔

(۸۷) کتانی، اوّل، ص ۱۲۳: نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۲۶، جن کا بیان ہے کہ اس کو تحریر کرنے والے حضرت ابوبکر تھے، ان کے مولیٰ نہیں۔

(۸۸) کتانی، اوّل، ص ۲۱-۱۲۰؛ نیز ملاحظہ ہو جہشیاری، ص ۱۲۔

(۸۹) کتانی، اوّل، ص ۱۲۱، نے اس روایت کو شرح المواہب اللدنیہ اور جہشیاری ص ۱۲ سے لیا ہے۔

(۹۰) ان معاہدات و خطوط کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق ص ۷۷، ۹۶ وغیرہ اور ص ۳۰-۱۲۷۔

(۹۱) ان کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۹-۶۵، ص ۷۷-۷۳، ۱۳۳، ۱۳۷، ۴۲-۱۴۰، ۷-۱۴۶، ۹۰-۱۸۰، ۷-۱۹۳۔

(۹۲) کتانی، اول، ص ۴-۱۲۳؛ نیز ملاحظہ ہو العقد الفرید، دوم، ص ۱۴۲، جس کا بیان ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان حجاز کی پیداوار کا تخمینہ (خوص) تحریر کیا کرتے تھے۔

(۹۳) کتانی، اول، ص ۳-۱۲۲؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۲۷-۱۲۵، جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کاتب کو ان ہدایات کے بارے میں ذکر ہے جن کے مطابق وہ اپنا قلم کہاں رکھا کرے اور کس طرح لکھا کرے؟

(۹۴) بسملہ دراصل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اختصار ہے۔ اس کے لیے ملاحظہ کیجئے جہشیاری، ص ۱۴۔

(۹۵) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے بعد عموماً فقرہ رسول اللہ یا اسی کا ہم معنی فقرہ ثانی آتا تھا جبکہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد اس کا دنیاوی خطاب یا قبائلی القاب لکھا جاتا تھا جس سے اس کی شخصیت کے بارے میں پوری طرح سے وضاحت کر دی جاتی تھی۔

(۹۶) ملاحظہ کیجئے مجموعۃ الوثائق، ص ۲۰۰-۱۔

(۹۷) بخاری اور شمائل ترمذی، بحوالہ کتانی، اول، ص ۸-۱۷۷۔

(۹۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۵۰ اور ۵۶ کے سامنے والے صفحات پر اس کا نقش ملاحظہ فرمایئے۔

(۹۹) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۷۸۔

(۱۰۰) اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۰۳۔

(۱۰۱) العقد الفرید، دوم، ص ۱۲۲ اور ۱۷۴۔

(۱۰۲) ابو داؤد، سنن، باب قبول ہدایا المشرکین۔

(۱۰۳) واقدی، ص ۲۴۸، ۳۲۹، ۹-۹۷۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۱۸۷، ۸-۵۵۷۔

(۱۰۴) انساب الاشراف، اول، ص ۱۹۰، ۵۲۴ وغیرہ۔

(۱۰۵) اس کے لیے حدیث و فقہ کی کتابوں میں باب السترۃ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱۰۶) اسد الغابہ، اول، ص ۲۰۶۔ (۱۰۷) واقدی، ص ۹۴۸۔

(۱۰۸) ابن اسحاق، ص ۶۴۴، کا بیان ہے کہ حضرت بلال نے ایک اونس سونا دیا تھا جبکہ واقدی، ص ۴۰۱-۴۰۰، کا بیان ہے کہ ایک اوقیہ چاندی جو چالیس درہم کے مساوی تھی دو مزید قیراط کے ساتھ ادا کی گئی تھی؛ نیز ملاحظہ کیجئے بخاری، صحیح، کتاب الوکالۃ۔

(۱۰۹) واقدی، ص ۵-۹۴۴۔ (۱۱۰) ایضاً، ص ۹۴۸۔

(۱۱۱) واقدی، ص ۹۸۰، کے مطابق ہر رکن وفد کو ½۱۲ اوقیہ (اثنی عشر اوقیہ والنش) چاندی عطا کی گئی تھی جبکہ

ایک بچے یا غلام (غلام) کو صرف ۵ اوقیہ ملے تھے۔

(۱۱۲) بخاری، باب القسمۃ، ابو داؤد، مذکورہ بالا۔

(۱۱۳) واقدی، ص ۲۰-۳۲۶، ۳۶۱، ۴۹۰۔

(۱۱۴) واقدی، ص ۶۴۵ (۱۱۵) ایضاً، ص ۹۱۶۔

(۱۱۶) مسند احمد بن حنبل، دوم، ص ۳۵۸۔ (۱۱۷) واقدی، ص ۱۹۴۔

(۱۱۸) واقدی، ص ۹۶۸، ۹۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، اول، ص ۳۲۳، ۳۳۰، ۳۵۶ وغیرہ بقیہ دوسرے وفود کے لیے۔

(۱۱۹) ابن اسحاق، ص ۵۱۵؛ واقدی، ص ۶۷۳ (۱۲۰) ابن اسحاق، ص ۶۷۲۔

(۱۲۱) واقدی، ص ۳۳۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۷۷۴ (ابن ہشام کا یہ دراصل تبصرہ ہے)

(۱۲۲) ازرقی، ص ۱۷؛ العقد الفرید، سوم، ص ۳۱۴۔

(۱۲۳) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت کے پس منظر پر۔

(۱۲۴) کتانی، اول، ص ۹۰-۱۸۳۔

(۱۲۵) ابن اسحاق، ص ۶۵۳؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۸۵؛ مسلم، کتاب الایمان؛ طبری، دوم، ص ۶۴۶۔

(۱۲۶) کتانی، اول، ص ۲۰۱-۱۹۴۔

(۱۲۷) واقدی، ص ۳۶۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵۔

(۱۲۸) ابن اسحاق، ص ۳۵۴ اور طبری، دوم، ص ۷۵ نے بنو عمرو بن عوف کے ایک انصاری صحابی حضرت خوّات بن جُبیر کا بھی اس فہرست میں اضافہ کیا ہے۔ لیکن واقدی نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے کہ اول الذکر روایت زیادہ صحیح ہے۔

(۱۲۹) ابن اسحاق، ص ۳۵۴؛ واقدی، ص ۹-۴۵۸؛ طبری، دوم، ص ۵۷۱۔

(۱۳۰) ابن اسحاق، ص ۵۰۳؛ واقدی، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۶؛ طبری، دوم، ص ۵۵۲-۵۵۳

نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۹۵، جنھوں نے ان کو صلح کے سفیروں کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

(۱۳۱) ابن اسحاق، ص ۵۰۳؛ واقدی، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۶؛ طبری، دوم، ص ۶۳۱؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۸۴-۳۷۶؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۵۷؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۹۵، نے ان کو بھی صلح کا سفیر قرار دے کر ان کا ذکر حضرت خراش بن امیہ خزاعی کے ساتھ کیا ہے۔

(۱۳۲) واقدی، ص ۶۰۳۔ (۱۳۳) طبری، دوم، ص ۶۳۰۔

(۱۳۴) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۵-۶۵۲۔

(۱۳۵) ابن سعد، اول، ص ۲۵۸-۵۹؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۵۲-۵۵؛ ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ طبری، دوم، ص ۶۴۴-۵؛ کتاب المحبر، ص ۷۷-۷۵؛ کتانی، اول، ص ۱۹۴-۹۵۔ موخر الذکر نے ان چھ سفارتوں کے ساتھ شاہانِ بحرین و یمن کے نام حضرات علاء بن حضرمی اور مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کی سفارتوں کو "اسلام کی تبلیغ کے لیے مقرر کیے جانے والے سفیروں کے زمرہ" میں شمار کیا ہے۔ مزید ملاحظہ کیجئے ابن خلدون، اول، ص ۸۸-۹۰۔

(۱۳۶) ان گرامی ناموں کے متون کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۵۳ وغیرہ اور مجموعۃ الوثائق، ص ۲۱-۵۶ وغیرہ

(۱۳۷) ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۵۳؛ ابن سعد، اول، ص ۲۵۸؛ طبری، دوم، ص ۶۴۴-۵؛ کتانی، اول، ص ۱۹۴۔

(۱۳۸) ایضاً

(۱۳۹) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۵۴۔

(۱۴۰) ابن سعد، اول، ص ۲۶۲-۶۳

(۱۴۱) ابن سعد، اول، ص ۲۷۶، ۲۸۲، ۲۸۵؛ دوم، ص ۱۲۸۔

(۱۴۲) اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۳-۱۴، ۱۲۶۔

(۱۴۳) الاستیعاب، ترجمہ عمرو بن امیہ ضمری بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۹۸۔ موخر الذکر نے ان کو تحائف لے جانے والے سفیروں کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

(۱۴۴) ابن سعد، اول، ص ۲۷۳؛ دوم، ص ۲۶۶ بالترتیب؛ نیز ملاحظہ ہو آخری سفارت کے لیے کتاب المحبر، ص ۷۵۔

(۱۴۵) طبری، سوم، ص ۱۷۸۔

(۱۴۶) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم -۳۔

(۱۴۷) ابن سعد، اول، ص ۲۷۳؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۲۰۵-۶۔

(۱۴۸) فتوح البلدان، ص ۱۰۲۔

(۱۴۹) ایضاً

(۱۵۰) ایضاً

(۱۵۱) طبری، سوم، ص ۱۸۷۔

(۱۵۲) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو باب دوم، بحث بر اسلام بنو حنیفہ۔

(۱۵۳) طبری، سوم، ص ۱۷۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن خلدون، اول، ص ۸۴۵۔

(۱۵۴) کتانی، اول، ص ۱۹۵-۶۔

(۱۵۵) ایضاً، ص ۱۹۹-۲۰۱

(۱۵۶) ایضاً

(۱۵۷) اس کے لیے باب اول میں بنی قریظہ پر بحث ملاحظہ کیجئے۔

(۱۵۸) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام، دوم، ص ۳۰۴؛ واقدی، ص ۸۰۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۰، ۸۳۸؛ نیز اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۶-۴۰۔

(۱۵۹) واقدی، ص ۵۵۹۔

(۱۶۰) ابن خلدون، اوّل، ص ۸۱۹؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، سوم، ص ۶۰-۵۹۔

(۱۶۱) واقدی، ص ۱۰۴۶؛ طبری، سوم، ص ۱۱۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۲۲؛ ملاحظہ ہو اسد الغابہ، چہارم، ص ۹-۲۷۸، ۴۰۱۔

(۱۶۲) قرآن کریم، سورہ توبہ، آیت ۱۰۷۔ (۱۶۳) اسد الغابہ، اول، ص ۱۳۳۔

(۱۶۴) ایضاً، چہارم، ص ۷۲-۵۲ (۱۶۵) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۸۰۔

(۱۶۶) ایضاً، ص ۸۱-۲۸۰ (۱۶۷) اصابہ، جلد سوم، ص ۲۴۰ (۱۶۸) واقدی، ص ۱۰۷۶۔

(۱۶۹) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۴۸؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اوّل، ص ۲۱۰ اور زرقانی، سوم، ص ۳۷۲ وغیرہ۔

(۱۷۰) سیرت ابن اسحاق میں شامل حضرت حسان وغیرہ کی شاعری کی صحت پر مختصر بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیے ابن اسحاق کے انگریزی مترجم الفریڈ گلیوم کا مقدمہ اور مکمل بحث کے لیے ملاحظہ ہو ایم اے عوام اور ڈبلو عرفات کے پی ایچ ڈی کے مقالے جو انھوں نے لندن یونیورسٹی میں جمع کیے اور ابھی تک شرمندۂ طباعت نہیں ہو سکے۔

(۱۷۱) ابن اسحاق، ص ۵-۱۶۴ (۱۷۲) ایضاً، ص ۷-۲۰۶ (۱۷۳) ایضاً، ص ۲۴۵

(۱۷۴) ایضاً، ص ۷-۳۰۶؛ نیز ص ۳۲۰ ملاحظہ ہو بدر میں سراقہ کے مکیوں کو چھوڑ بھاگنے پر۔ ص ۹-۳۴۵ پر حضرت حسان نے مکیوں کی اس نکتہ چینی کا جواب دیا تھا جو انھوں نے بدر کے بعد مسلمانوں کے خلاف شروع کی تھی۔

(۱۷۵) ابن اسحاق، ص ۶۷-۳۶۵؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۳۶۹ جو یہودی سازشی سرداروں کے قتل کے بارے میں ان کی شاعری سے پُر ہے؛ نیز ملاحظہ کیجیے واقدی، ص ۲۳-۱۲۲، ۸۰-۱۸۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵؛ طبری، دوم، ص ۹۱-۴۸۹؛ بخاری اور مسلم، کتاب المغازی، متعلقہ ابواب۔

(۱۷۶) ایضاً، ص ۸۰-۳۷۹، مکیوں کے اس غزوہ میں اپنے قومی پرچم کی حفاظت نہ کر سکنے پر حضرت حسان کی تنقید کے لیے؛ ص ۳۸۲ ابی بن خلف کے قتل کے لیے؛ ص ۳۸۶ ہند زوجہ ابو سفیان بن حرب اموی کے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کی لاش کا مثلہ کرنے اور دوسرے بے رحمانہ کاموں کے لیے؛ ص ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۱۲ اور ۴۱۷ اہلِ مکہ کی شاعرانہ تنقید و نکتہ چینی کے جواب کے لیے۔

(۱۷۷) ابن اسحاق، ص ۳۳-۴۳۰۔ (۱۷۸) ایضاً، ص ۶-۴۳۵

(۱۷۹) حضرت حسان کی شاعری کے اور نمونوں کے لیے ملاحظہ کیجیے ابن اسحاق، ص ۴۴۸، ۸-۴۵۷، ۷۶-۴۷۲، ۸۰-۴۷۸، ۴۸۳، ۹-۴۸۸، ۹۹-۴۹۷، ۲۱-۵۲۰، ۹-۵۳۷، ۵-۵۴۴، ۵۵۶، ۵۵۸، ۶۰-۶۲۴، ۳۱-۶۲۹، ۶۷۶، ۹۰-۶۸۹؛ نیز ملاحظہ کیجیے ابن ہشام کے تبصرے ایضاً، ص ۹۹-۷۲۲۔ مزید ملاحظہ کیجیے دیوان حسان بن ثابت، مرتبہ ڈبلو عرفات۔

(۱۸۰) حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شاعری کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵:۳، ۲۲۴، ۴۳۶، ۴۴۸ وغیرہ اور حضرت کعب بن مالک کی شاعری کے لیے ایضاً، ص ۳۶، ۹-۲۷۸، ۳۴۴، ۳۵۰، ۳۶۲، ۳۸۱، ۴۰۵، ۴۰۹ وغیرہ - مزید ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱-۲۱۰-

(۱۸۱) کتانی، اوّل، ص ۱۲-۲۱۱ وغیرہ - نیز ملاحظہ ہو ان کے نمونوں کے لیے ابن اسحاق کے مختلف صفحات اور زرقانی، سوم، ص ۶-۳۷۲-

(۱۸۲) ابن اسحاق، ص ۳۱-۲۲۸؛ واقدی، ص ۷۰۹؛ ابن سعد، اول، ص ۲۹۴؛ طبری، سوم، ص ۱۱۶؛ اسدالغابہ، اول، ص ۳۰-۲۲۹؛ نیز ملاحظہ ہو زرقانی، سوم، ص ۳۷۶-

(۱۸۳) بخاری، لم یکن لہ بواب؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۶-۲۴، اس حدیث اور اس کی مختلف تعبیرات و تشریحات پر محدثین کی بحث کے لیے-

(۱۸۴) واقدی، ص ۸۷۱-

(۱۸۵) اس واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو بخاری، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب العلم وغیرہ؛ مسلم، باب النکاح؛ ابوداؤد، سنن، باب الامام یصلی من قعود-

(۱۸۶) ابوداؤد، سنن، مذکورہ بالا باب، کا بیان ہے کہ وہ حضرت عائشہ کی چھت پر واقع ایک چھوٹا سا کمرہ تھا- باقی مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ کے باغ میں کوئی باہری کمرہ تھا-

(۱۸۷) ایضاً؛ نیز کتانی، اوّل، ص ۲۵-۲۴-

(۱۸۸) انساب الاشراف، اول، ص ۴۸۴ اور طبری، سوم، ص ۱۷۱-

(۱۸۹) انساب الاشراف، اول، ص ۴۸۴؛ طبری، سوم، ص ۱۷۱؛ کتاب المحبر، ص ۲۵۸؛ نیز ملاحظہ ہو العقد الفرید، سوم، ص ۳۱۶، جو ان کو حاجب قرار دیتی ہے- ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۱-

(۱۹۰) بخاری، باب الادب .....؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۳-۲۱-

(۱۹۱) بحوالہ کتانی، اول، ص ۲۱- (۱۹۲) اسدالغابہ، سوم، ص ۵-۱۶۴-

(۱۹۳) بحوالہ کتانی، اول، ص ۲۴-۲۳ (۱۹۴) ایضاً، ص ۶-۲۵-

(۱۹۵) واقدی، ص ۸-۷۹۷، ۸۸۸؛ نیز ملاحظہ ہو باب اول اور باب دوم کے متعلقہ مباحث-

(۱۹۶) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸-

(۱۹۷) واقدی، ص ۷۱۱، کا خیال ہے کہ وادی القریٰ کا علاقہ حجاز میں تھا اور اس کے شمال کا علاقہ حدود شام میں شمار ہوتا تھا-

(۱۹۸) ملاحظہ ہو زبیری، ص ۸۴-۱۷۶؛ جمہرہ، ص ۵۷-۴۷؛ فتوح البلدان، ص ۸۴-

(۱۹۹) کتاب المحبر، ص ۱۲۷؛ کتانی، اول، ص ۳۲۴ اور ۳۴۶ -

(۲۰۰) کتاب المحبر، ص ۱۲۶۔

(۲۰۱) کتانی، اول، ص ۳۹۲ میں قُریٰ عُرَینَۃ ہے جو کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، مرتبہ چارلس شیفر (CHARLES SCHEFFER)، لیڈن ۱۸۹۶ء، ص ۱۲۲ کا بیان ہے کہ قریٰ عربیہ ایک خاص علاقے (ارض) کا اسم معرفہ تھا۔ اس روایت کے مطابق ایک بار حضرت معاذ بن جبل خزرجی کو "قریٰ عربیہ" سے اس کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے بلاذری، انساب الاشراف، چہارم، حصہ دوم، ص ۱۲۰، جن کا بیان ہے کہ تبوک، خیبر اور فدک کے علاقے "قریٰ عربیہ" کے علاقے تھے جن کے گورنر/والی حضرت عمرو بن سعید اموی تھے۔ بلاذری کی اس روایت میں دو غلطیاں ہیں: اول یہ کہ حضرت عمرو بن سعید اموی مآخذ کے متفقہ بیانات کے مطابق وادی القریٰ کے والی تھے نہ کہ قریٰ عربیہ کے۔ اس میں قریٰ عربیہ کو وادی القریٰ سے خلط ملط کر دیا گیا ہے اور اس کو اسم نکرہ سمجھا گیا ہے جس میں کئی مذکورہ بالا علاقے شامل تھے۔ حالانکہ حقیقت وہ ہے جو یحییٰ بن آدم نے بیان کی ہے۔ دوم یہ کہ خیبر اور فدک کی تبوک سے سیکڑوں میل کی مسافت ہے اور عملی طور سے یہ ممکن نہیں کہ اتنی بڑی ایک ولایت ہوتی۔ بہرحال قریٰ عربیہ کے جغرافیائی محلِ وقوع پر اب تک کسی ماخذ سے کوئی روشنی نہیں پڑ سکی ہے۔ قیاس ہے کہ وادی القریٰ اور تبوک کے بیچ کا خطہ "قریٰ عربیہ" کے اسم خاص سے موسوم تھا۔

(۲۰۲) ابنِ حزم اندلسی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن سعید اموی کی شہادت بدر میں ہوئی تھی مگر یہ صریحاً غلط ہے کہ دوسرے مآخذ سے ان کے بعد میں زندہ ہونے کا قطعی ثبوت ملتا ہے اور دوسرے تمام مآخذ ان کا نام بدری شہید صحابہ میں نہیں گناتے۔ زبیری کا بیان ہے کہ وہ موتہ میں شہید ہوئے تھے لیکن دوسرے مآخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اگر زبیری کا بیان صحیح ہے تو ان کی گورنری کی کل مدت محض سال بھر رہی تھی۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۷۴؛ جمہرہ، ص ۸۳؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۳۰-۳۲۷، ۵۳۴؛ واقدی، ص ۷-۱۴۵، ۱۵۲-۱۵۳، ۶۹۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۶-۲۹۵؛ اصابہ ۱۷۸۱۔

(۲۰۳) فتوح البلدان، ص ۸۳؛ زبیری، ص ۱۲۴۔ ان دونوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یزید بن سفیان اموی عمرۃ القضیہ کے سال یعنی ۷ھ/ ۶۲۹ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور اسی سال تیماء فتح ہوا تھا جس کی فتح کے برس ہی ان کو اس کا والی مقرر کیا گیا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر، ص ۱۲۶۔

(۲۰۴) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۷۴؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۵-۲۴۴ اور ۳۹۳، جو ابن قدامہ کی الاستبصار کی شہادت پر بیان کرتے ہیں کہ ایک بار وہ خیبر کی کھجوروں کی پیداوار کا نصف لے کر مدینہ حاضر ہوئے تھے۔ وہ ان کے عمالہ (گورنری) کا علاقہ تھا۔

(۲۰۵) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۷-۱۰۵ خاص کر آخری دو صفحات جن کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمالی پالیسی بڑی پُراسرار بلکہ راز سربستہ تھی۔

(۲۰۶) اسلامی ریاست کی شمالی پالیسی کے لیے ملاحظہ ہو باب دوم بحث بر اسلام قبائل شمالی۔

(۲۰۷) ابن سعد، دوم، ص ۱۴۵، کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا (یستخلفه) جب آپ طائف کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ مگر طائف سے آپ جب مکہ واپس آئے اور مدینہ کے لیے روانہ ہونے والے تھے تو آپ نے حضرت عتاب بن اسید اموی کو مکہ اور حج کا امیر مقرر کیا تھا (استعمله)۔ واقدی کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے لیے ۹ شوال سنہ ۸ھ / ۲۷ جنوری ۶۳۰ء کو روانہ ہوئے تھے اور مدینہ کے لیے آپ کی روانگی مکہ یا جعرانہ سے ۱۸ ذیقعدہ سنہ ۸ھ / ۸ مارچ ۶۳۰ء کو ہوئی تھی۔ توقیتی اعتبار سے حضرت ہبیرہ بن شبل ثقفی کی گورنری مکہ کی کل مدت ایک ماہ بارہ دن رہی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۵۵۔ دوسری طرف واقدی، ص ۸۸۹ اور ۹۵۹ کا بیان ہے کہ حنین کے غزوہ کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی سے قبل حضرت عتاب بن اسید کی بطور والی مکہ تقرری ہوئی تھی۔ لیکن واقدی کے اس بیان کی خود اس کے دوسرے بیان سے تردید ہوتی ہے جس کے مطابق وہ حضرت عتاب کی تقرری کا زمانہ مدینہ کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کو قرار دیتا ہے۔ اس سے بالواسطہ سہی مگر ابن سعد اور اسد کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ کتانی نے بھی حضرت ہبیرہ بن شبل کی تقرری کا حوالہ نہیں دیا ہے ملاحظہ ہو اس بحث پر اس کی چوتھی فصل، ص ۶۴-۲۴۰؛ نیز ملاحظہ ہو ازرقی، ص ۸-۱۲۷، جن کا خیال ہے کہ حضرت عتاب کی تقرری جنگِ حنین سے قبل ہوئی تھی؛ نیز دیکھئے ابن قتیبہ دینوری، المعارف، ص ۱۶۳؛ ابن سعد، پنجم، ص ۴۴۶۔

(۲۰۸) ابنِ ہشام، سوم، ص ۵۰۰؛ طبری، سوم، ص ۷۳، ۹۴؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۸ اور ابن سعد، دوم، ص ۱۴۷۔

(۲۰۹) ابن ہشام، سوم، ص ۴۴۰، ۵۰۰؛ واقدی، ص ۸۸۹، ۹۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۴۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۸؛ فتوح البلدان، ص ۵۳؛ زبیری، ص ۱۸۷؛ ازرقی، ص ۸-۱۲۷؛ جمہرہ، ص ۱۰۴؛ فاکہی، ص ۳۶، ۴۰؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر، ص ۱۲۶۔

(۲۱۰) جمہرہ، ص ۱۰۴؛ اسد، سوم، ص ۳۵۸-۹۔ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹۔ اور فاکہی، ص ۳۵۔ نیز ملاحظہ ہو ابن قتیبہ، مذکورہ بالا، ص ۲۸۳۔

(۲۱۱) فاکہی، ص ۴۰۔ لیکن اسد الغابہ، سوم، ص ۳۵۸-۹ کا بیان ہے کہ ان کو روزانہ تنخواہ صرف دو درہم ملتی تھی۔ جس کا مطلب ہوا کہ ان کی ماہانہ تنخواہ ۶۰ درہم اور سالانہ آمدنی ۷۲۰ درہم تھی۔ لیکن اگر ایک اوقیہ چاندی میں چالیس درہم ہوتے تھے جیسا کہ کتانی کا خیال ہے تو ان کی تنخواہ سولہ سو درہم سالانہ تھی یعنی ۱۳۳٫۳۳ درہم ماہانہ یا ۴٫۴۴ درہم روزانہ۔ ایک اور روایت کا اصرار ہے کہ ان کی تنخواہ صرف ایک درہم روزانہ تھی۔ جبکہ ایک اور روایت کا مدعا یہ ہے کہ ان کو کچھ بھی تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۶۴۔ سکوں اور اوزان کے لیے ملاحظہ ہو

مقریزی، النقود الاسلامیۃ، مرتبہ محمد السید علی، نجف ۱۹۶۷ء؛ اور شذور العقود، مرتبہ ایل اے، میئر، اسکندریہ ۱۹۳۳ء؛ اے، ایم، برنیلی، النقود العربیۃ، قاہرہ ۱۹۳۹ء؛ نیز جہشیاری، کتاب الوزراء والکتاب، قاہرہ ۱۹۳۸ء؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، لیڈن، ص ۶۰ - ۱۵۰۱؛ نیز ملاحظہ ہو بلاذری، فتوح البلدان، ص ۶ - ۴۵۱۔

(۲۱۲) ابن ہشام، سوم، ص ۵۴۰؛ واقدی، ص ۹۶۸؛ ابن سعد، اول، ص ۳۱۳؛ چہارم، ص ۹ - ۵۰۸؛ فتوح البلدان، ص ۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹؛ کتاب المحبر، ص ۱۲۶؛ طبری، سوم، ص ۹۹؛ نیز ملاحظہ کیجیے اسد، سوم، ص ۴ - ۳۰۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۲؛ کتانی، اول، ص ۲۴۳ اور دیکھیے ابن قتیبہ، مذکورہ بالا، ص ۹ - ۲۶۸۔

(۲۱۳) ابن اسحاق، ص ۶۱۶، ابن ہشام، سوم، ص ۵۴۰۔ اس زمانے میں اسلامی یا مذہبی تعلیم و تفقہ کا مطلب تھا قوانین و دستور کی سمجھ۔ پھر ثقیف کے وفد میں ان کی شمولیت ان کی فراست اور ذہانت کی دلیل تھی۔ اس کے علاوہ واقعاتی شہادت ان کی قائدانہ صلاحیتوں اور لیاقتوں کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ جس کے مطابق وہ خلافتِ صدیقی اور خلافت فاروقی میں بحرین اور عمان کی حیثیت سے اور اس سے قبل آٹھ برس تک مکہ کے گورنر کی حیثیت سے کام کر چکے تھے۔ گورنری پر اتنے طویل زمانے پر فائز رہنا بجائے خود ایک بڑا کارنامہ تھا۔

(۲۱۴) ابن سعد، پنجم، ص ۵۲۷۔

(۲۱۵) اسد الغابہ، سوم، ص ۲۵۰؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۴۱۔

(۲۱۶) ابن سعد، چہارم، ص ۷۰ - ۵۶، کا خیال ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن نوفل ہاشمی کو مکہ کے بعض ماتحت علاقوں (اعمال) پر مقرر کیا تھا اور حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت کے زمانے میں اس عہدے پر بحال رہے تھے تا آنکہ وہ انتقالِ وطن کر کے بصرہ جا بسے تھے۔ ان کی ترکِ سکونت کا زمانہ حضرت عثمان غنی کی خلافت کا آخری زمانہ معلوم ہوتا ہے؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۲ - ۲۴۱۔

(۲۱۷) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰؛ واقدی، ص ۷۸۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰ - ۵۲۹؛ فتوح البلدان، ص ۸۰، اور طبری، سوم، ص ۹۵۔

(۲۱۸) کتاب المحبر، ص ۱۲۶۔ حضرت علاء بن حضرمی کی تقرری اور مدتِ گورنری کے بارے میں خاصا اختلاف بلکہ ابہام ہے ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۹۲ اور آیندہ بحث بھی۔

(۲۱۹) فتوح البلدان، ص ۹۲؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹؛ اسد، اول، ص ۷ - ۳۵؛ ابن خلدون، اول، ص ۳۴ - ۸۳۳، ۸۴۴؛ کتانی، اول، ص ۲۴۶۔ مؤخر الذکر نے حافظ زین الدین عراقی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابان بن سعید اموی کو الخط علاقہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ کتانی نے اس ضمن میں حضرت علاء بن حضرمی کا نام بالکل نہیں لیا ہے۔

(۲۲۰) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۲۹ - ۳۲ اور باب پنجم بحث برصدقات وجزیہ۔

(۲۲۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۷ (۲۲۲) اسد، اول، ص ۴۰۰

(۲۲۳) اسد، اول ص ۹۰۔ (۲۲۴) ایضاً، ص ۲۹۰

(۲۲۵) ایضاً، ص ۱۲ - ۳۱۱؛ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۹۳؛ جمہرہ ص ۷۲؛ اصابہ ۱۲۵۶۔

(۲۲۶) ابن سعد، اول، ص ۹ - ۲۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۳۲ - ۳۳؛ اسد، اول، ص ۹۴، ۱۲ - ۳۱۱، ۸ - ۲۹۷۔

(۲۲۷) نجران کے معاہدۂ صلح کے لیے ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۹ - ۷۵، مجموعۃ الوثائق، ص ۹۶ - ۸۰ اور باب پنجم، بحث بر جزیہ۔

(۲۲۸) ابن ہشام، دوم، ص ۱۶ - ۵۱۵؛ نیز ملاحظہ کیجئے بخاری، کتاب المغازی: فتح الباری، ہفتم، ص ۴۷: ابن ماجہ، سنن، اول، ص ۴۲۔

(۲۲۹) ابن اسحاق، ص ۲۷۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۱۲ - ۴۱۱۔

(۲۳۰) ابن اسحاق، ص ۲۷۷؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۷۔

(۲۳۱) ابن سعد، سوم، ص ۴۱۲؛ نیز دیکھئے اسد، پنجم، ص ۲۴۹؛ اصابہ ۹۳۴۴۔

(۲۳۲) ابن ہشام، سوم، ص ۵ - ۵۹۴؛ فتوح البلدان، ص ۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰ - ۵۲۹؛ طبری، سوم، ص ۱۲۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز دیکھیے اسد، چہارم، ص ۹ - ۶۸ جس کا بیان ہے کہ تقرری کے وقت صحابی موصوف کی عمر صرف سترہ سال کی تھی۔ مزید ملاحظہ کیجئے حضرت خالد بن ولید مخزومی کے کام کے لیے مجموعۃ الوثائق، ص ۴۷ - ۱۷؛ نئے گورنر کو ہدایات نبوی کے لیے ایضاً، ص ۹ - ۱۰۴۔

(۲۳۳) فتوح البلدان، ص ۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، دوم، ص ۱۲ - ۱۲ جس کا بیان ہے کہ حضرت ابوسفیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک جرش کی گورنری پر فائز رہے اور آپ کی وفات کے بعد ہی مدینہ واپس آئے تھے مگر انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹ کے مطابق واقدی کی رائے ہے کہ حضرت ابوسفیان وفاتِ نبوی کے وقت مدینہ میں موجود تھے جبکہ کلبی کی رائے ہے کہ وہ اس وقت جرش میں تھے؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۹ - ۶۸۔

(۲۳۴) فتوح البلدان، ص ۷۰؛ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۰ - ۵۲۹ کا بیان ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضرت یزید بن ابی سفیان اموی کو اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عوف بن مالک کو نجران بھیجا گیا تھا۔

(۲۳۵) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۱۵۔

(۲۳۶) ان کے قبولِ اسلام کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۹ - ۶۵۸؛ طبری، سوم، ص ۸ - ۲۲۷؛ اسد، اول، ص ۱۶۳؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۱ - ۲۴۰۔ ایک روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ انھوں نے خسرو پرویز کے قتل کے فوراً بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ یعنی ۶۲۸ء کے بعد۔

(۲۳۷) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۲-۱۲۱ کا خیال ہے کہ وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا اسلام دراصل سیاسی وفاداری اور سیاسی اتحاد تھا۔ مستشرق موصوف دراصل سرحدی علاقوں کے تمام سرداروں کے اسلام کو مذہبی تبدیلی کے بجائے سیاسی تبدیلی سمجھتے ہیں۔

(۲۳۸) طبری، سوم، ص ۲۲۸-۲۲۷ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور اس کے تمام ماتحت علاقوں (مخالیف) پر حضرت باذان کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا اور ان کے ساتھ حکومت میں کسی اور کو شریک نہیں کیا تھا؛ نیز ملاحظہ فرمائیے ابن خلدون، اول، ص ۳۳۸؛ اسد الغابہ، اول، ص ۱۶۳۔

(۲۳۹) اسد الغابہ، سوم، ص ۷؛ ابن خلدون، اول، ص ۳۳۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۶۵۹؛ طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ کمانی، اول، ص ۱۴۱۔

(۲۴۰) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸ کا بیان ہے کہ ان میں ہر ایک کو ایک مخصوص علاقے (حیّز) پر مقرر کیا گیا تھا۔

(۲۴۱) مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۴۲؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۷۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ "معاذ بن جبل کو پورے یمن اور حضرموت کے ان علاقوں میں جو دوسرے نمائندوں (AGENTS) کو سپرد کیے گئے تھے بعض فرائض سونپے گئے تھے۔ ان فرائض میں مذہب اسلام کی تعلیم دینا اور کم از کم کچھ علاقوں میں صدقات وصول کرنا شامل تھا۔ لیکن مقامی نمائندوں کی نگرانی کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔" مستشرق موصوف کا یہ بیان تاریخی شواہد کے خلاف اور غلط ہے۔ اوپر کی بحث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاذ کو ان تمام علاقوں میں مذہبی، سیاسی اور انتظامی اختیارات حاصل تھے اور مقامی منتظمین اور دوسرے گورنروں کے کاموں کی نگہداشت بھی ان کے فرائض میں سے تھی کہ وہ گورنر جنرل تھے۔

(۲۴۲) ابن اسحاق، ص ۶۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۱؛ فتوح البلدان، ص ۸۱ نے حضرت معاذ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادوں کا "امیر" کہا ہے۔

(۲۴۳) فتوح البلدان، ص ۸۰، دوسرے صفحہ پر ایک روایت ہے کہ ان کو یمن کے صدقات پر مامور کیا گیا تھا۔ ص ۸۲-۸۳ پر ان کے عدلیاتی / عدالتی اور انتظامی فرائض واختیارات بتائے گئے ہیں۔

(۲۴۴) انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹۔

(۲۴۵) ابن ہشام، سوم، ص ۵۹۰۔

(۲۴۶) ابن سعد، اول، ص ۵-۲۶۴۔

(۲۴۷) بخاری، صحیح، باب وجوب الزکاۃ۔

(۲۴۸) المسند، چہارم، ص ۸-۳۲۶؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۹ جس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت معاذ کو ایک گرامی نامہ بھیجا تھا جس میں حضرت ابو مکنف عبد الرضا خولانی کے معاملہ میں کوئی ہدایت دی گئی تھی۔

(۲۴۹) ابن خلدون، اول، ص ۲۶-۸۲۵۔

(۲۵۰) طبری، سوم، ص ۲۲۸۔

(۲۵۱) معلم کے معانی کے لیے ملاحظہ ہو لسان العرب، متعلقہ لفظ "لین وہیر" عربک - انگلش ڈکشنری، اور عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات۔

(۲۵۲) طبری، سوم، ص ۲۳۵ کی روایت کے مطابق جنوبی عرب کے تمام والی اسود عنسی کی بغاوت کے خاتمے کے فوراً بعد یعنی حیاتِ نبوی میں ایک مقام پر جمع ہوئے تھے اور ان کی (امارۃ) پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور پھر وہ سب اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے تھے۔

(۲۵۳) ابن سعد، سوم، ص ۵۸۴۔

(۲۵۴) ملاحظہ فرمائیے کتانی، اول، ص ۱۴۱۔

(۲۵۵) طبری، سوم، ص ۳۰-۲۲۹ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۸۔

(۲۵۶) طبری، سوم، ص ۱۷۱ کی ایک روایت کہ جنوبی عرب کے "امیروں" اور "عاملوں" کی روانگی سنہ ۱۰ھ / ۶۳۱ء میں ہوئی تھی ناقابلِ قبول معلوم ہوتی ہے۔

(۲۵۷) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸۔

(۲۵۸) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، سوم، ص ۸۳۔

(۲۵۹) فتوح البلدان، ص ۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، پنجم، ص ۳۰۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ بخاری، کتاب وجوب الحج و فضائلہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۹-۱۰۵۔

(۲۶۰) طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۹۶؛ اسد، دوم، ص ۶۴-۶۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔ مزید دیکھیے فتوح البلدان، ص ۸۰ اور انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹ جن کے مطابق حضرت خالد بن سعید اموی کو صنعاء اور اس کے ماتحت علاقے سونپے گئے تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت شہر کے انتقال کے بعد یہ انتظام ہوا ہو۔

(۲۶۱) طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ اسد، سوم، ص ۵۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔

(۲۶۲) طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ اسد، پنجم، ص ۹-۱۲۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔

(۲۶۳) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۰؛ فتوح البلدان، ص ۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹؛ طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ اسد، دوم، ص ۲۱۷؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر، ص ۱۸۶؛ کتانی، اول، ص ۲۴۵۔

(۲۶۴) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸ ؛ اسد، چہارم، ص ۲۳-۲۲۴ ؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳ ؛ کتانی، اول، ص ۵۴۲-

(۲۶۵) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸ ؛ اسد، پنجم، ص ۲ ؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۴ ؛ نیز کتانی، اول، ص ۲۴۳-

(۲۶۶) طبری، سوم، ص ۲۲۰ کا مزید بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور حضرموت کے علاقوں کی وضاحت کی تھی اور ان میں سے ہر ایک مخصوص علاقے کو ان امیروں کے سپرد کیا تھا۔

(۲۶۷) ابن اسحاق، ص ۶۴۳ ؛ طبری، سوم، ص ۱۲۱ ؛ فتوح البلدان، ص ۸۱ ؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۱-

(۲۶۸) اسد، سوم، ص ۱۵۴-

(۲۶۹) اسد، سوم، ص ۱۵۵ ؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۵۴۲، جنھوں نے نووی کی تہذیب کی بنیاد پر کہا ہے کہ حضرت عبداللہ مخزومی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے الجند اور اس کے ماتحت علاقوں پر (امیر) مقرر کیا تھا اور وہ حضرت عثمان کی خلافت تک وہاں تعینات رہے۔ یقیناً وہ امیر (گورنر / والی) نہیں تھے جیسا کہ نووی اور کتانی ہم کو یقین دلانا چاہتے ہیں۔ ان کی حیثیت ایک صوبائی سالار فوج کی تھی جو علاقہ کے گورنر جنرل کا ماتحت تھا۔ مزید دیکھئے زبیری، ص ۳۱۷ ؛ اصابہ ۵۹۹، ۴۶۶۲ ؛ الاستیعاب، دوم، ص ۹۹-۲۹۸ ؛ جمہرہ، ص ۱۳۷-

(۲۷۰) انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹ ؛ نیز فتوح البلدان، ص ۸۰-

(۲۷۱) ابن سعد، سوم، ص ۵۸۴ ؛ ترمذی، سنن۔

(۲۷۲) ابن اسحاق، ص ۶۴۴ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۸۴ وغیرہ۔

(۲۷۳) ابن اسحاق، ص ۶۴۴ ؛ مسلم، کتاب الایمان۔

(۲۷۴) ابن سعد، سوم، ص ۵۸۴ وغیرہ۔

(۲۷۵) ملاحظہ ہو واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۸، کا خیال ہے کہ امکان یہ ہے کہ نقل کے دوران ان ہدایات میں کافی تغیر و تبدل اور اضافہ ہوا ہے۔ اور وہ عہدِ نبوی کے زمانے میں رائج طریقوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ واٹ کا یہ شبہ بے بنیاد ہے۔

(۲۷۶) ابن اسحاق، ص ۸-۶۴۷ ؛ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۴۱-۴۰ ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۸-۱۰۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۸-

(۲۷۷) کتانی، اول، ص ۵۴۲-

(۲۷۸) انساب الاشراف، اول، ص ۴۰۲-

(۲۷۹) ازرقی، ص ۸-۱۲۷-

(۲۸۰) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۸-۵۶، ۶۲-۶۱، حضرت منذر بن ساویٰ کے نام ہدایاتِ نبوی کے لیے؛ ص ۶۹ جیفر بن عبد کے نام ہدایات کے لیے۔ خطِ نبوی ۵۷ میں ہے کہ "میرے فرستادوں (رسل) کی اطاعت میری اطاعت کے مترادف ہے۔" خط ۵۸ میں جو حضرت منذر بن ساویٰ نے بارگاہِ نبوی میں بھیجا تھا انھوں نے اپنے غیر مسلم باشندوں کے اسلامی ریاست میں مقام و مرتبے کے بارے میں سوالات پوچھے تھے اور آپ کا فیصلہ چاہا تھا۔ اسی طرح خط ۵۹ اور ۶۰ ہجر کے لوگوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ آپ کے امیروں کی اطاعت کریں۔ خط ۶۳ حضرت منذر بن ساویٰ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صدقات و جزیہ کی رقم جو انھوں نے اپنے علاقہ میں جمع کی ہے مدینہ کے دو مرکزی نمائندوں حضرات ابوہریرہ اور قدامہ کے حوالے کر دیں۔ یہی خط ۶۴ حضرت علاء بن حضرمی گورنر بحرین سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صدقات، جزیہ اور عشور کی تمام رقوم حضرت منذر بن ساویٰ سے وصول کر کے مذکورہ بالا دونوں مرکزی نمائندوں کے حوالے کر دیں۔

(۲۸۱) ایضاً، ص ۶۲ (۲۸۲) ایضاً، ص ۸-۶۷۔

(۲۸۳) ایضاً، ص ۸۲-۸۰۔ خط ۹۴ اہل نجران کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ "میرے رسل (فرستادوں) کی طاعت اور مدد کریں۔" نیز ملاحظہ ہو ص ۸۴-۸۳۔

(۲۸۴) ایضاً، ص ۲-۱۱۱ (۲۸۵) ایضاً، ص ۱۵-۱۱۴

(۲۸۶) ایضاً، ص ۲۸-۱۲۶، ۳۰-۱۲۹۔ (۲۸۷) ایضاً، ص ۱۳۱۔

(۲۸۸) ایضاً، ص ۱۵۷۔ یہ گرامی نامہ قضاعہ کے لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ دو مرکزی منتظموں حضرات ابی اور عنبسہ کو صدقات ادا کریں۔

(۲۸۹) ایضاً، ص ۸-۱۶۶ (۲۹۰) ایضاً، ص ۹-۱۶۷

(۲۹۱) ایضاً، ص ۷-۱۶۶۔ اس گرامی نامے نے بنو اسد کے لوگوں کو تمام معاملات میں مرکزی منتظم حضرت قضاعی بن عمرو کے فیصلوں کو بخوشی قبول کرنے کا حکم دیا تھا۔

(۲۹۲) واقدی، ص ۱۶۵؛ نیز اسد، اول، ص ۱۱۵۔

(۲۹۳) اسد، دوم، ص ۱۳۴؛ سوم، ص ۱۰۴ بالترتیب۔

(۲۹۴) ابن ہشام، دوم ص ۴۹۱؛ واقدی، ص ۹۵۵؛ ابن سعد، اول، ص ۳۱۲؛ طبری، سوم، ص ۹-۸۸؛ نیز اسد، چہارم، ص ۲۹۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۸۔

(۲۹۵) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۲؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، سوم، ص ۴-۳۹۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔

(۲۹۶) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم ـ ۸

(۲۹۷) ایضاً، ضمیمہ دوم - ۹ : نیز دیکھئے طبری، سوم، ص ۷ - ۱۳۶، اور ص ۱۹ - ۱۱۵ بالترتیب۔

(۲۹۸) قرآن کریم، سورہ الاعراف، آیت ۱۶۰ : نیز ملاحظہ کیجئے ترجمہ مولانا اشرف علی ؛ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن رچرڈ بیل، دی قرآن، ایڈنبرا، ۱۹۳۷ء، اول، ص ۱۵۲۔

(۲۹۹) قرآن کریم، سورہ مائدہ، آیت ۱۵ : طبری، تفسیر، جلد دہم، ص ۱۸ - ۱۰۹ ؛ نیز رچرڈ بیل، اول، ص ۹۵۔

(۳۰۰) دی بائبل (انجیل مقدس) اعداد (NUMBERS)، باب اول، آیات ۲ اور ۴ - آیات ۱۵-۵ بارہ یہودی نقیبوں کے نام بیان کرتی ہیں ؛ نیز ملاحظہ کیجئے کتاب المحبر، ص ۴۶۴ ؛ طبری، تاریخ، اول، ص ۳۰ - ۴۲۹ ان کے مسلم ماخذ میں ناموں کے لیے۔

(۳۰۱) ایضاً، آیت ۱۶ (۳۰۲) ایضاً

(۳۰۳) رچرڈ بیل، مذکورہ بالا، اوّل، ص ۹۵، حاشیہ ۴۔

(۳۰۴) سینٹ میتھیوز، دہم، آیات ۱ تا ۴۔ ان کے ناموں کے لیے مسلم ماخذ دیکھیے کتاب المحبر، ص ۵ - ۴۶۴۔

(۳۰۵) ایضاً، آیات ۷ - ۵ - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے شاگردوں کو مکمل ہدایات کے لیے ملاحظہ کیجئے باب دہم، آیات ۸ تا ۴۲۔

(۳۰۶) ابن اسحاق، ص ۲۰۴ (۳۰۷) ابن سعد، سوم ص ۳ - ۶۰۲۔

(۳۰۸) انساب الاشراف، اول، ص ۲۵۴۔ (۳۰۹) کتاب المحبر، ص ۷ - ۴۶۴۔

(۳۱۰) طبری، دوم، ص ۳۶۳ (۳۱۱) انساب الاشراف، اول، ص ۲۵۴۔

(۳۱۲) ابن اسحاق، ص ۲۰۴۔

(۳۱۳) ابن اسحاق، ص ۲۰۴ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۶۰۲ ؛ طبری، دوم ص ۳۶۳ ؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل ص ۲۵۴، کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقرر کیا تھا یا ان کے نام لیے تھے صحیح نہیں ہے۔

(۳۱۴) ایضاً۔

(۳۱۵) ابن سعد، سوم، ص ۳ - ۶۰۲ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۵۴ ؛ فتوح البلدان، ص ۲۰۔

(۳۱۶) انساب الاشراف، اول، ص ۲۵۴۔

(۳۱۷) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم - ۱۰ ؛ نیز ابن سعد، سوم، ص ۹۹ - ۶۰۳۔

(۳۱۸) ابن اسحاق، ص ۱۲ - ۲۰۹ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۸ - ۲۴۰۔

(۳۱۹) منٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۸۔ (۳۲۰) ایضاً۔

(۳۲۱) ابن سعد، سوم، ص ۶۱۱ : انساب الاشراف، اول، ص ۲۴۳۔

(۳۲۲) انساب الاشراف، اول، ص ۲۴۶ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۶۱۹۔

(۳۲۳) اسد الغابہ، اول، ص ۴، ۱۸۳۔

(۳۲۴) اسد الغابہ، چہارم، ص ۹۵-۹۳۔

(۳۲۵) اسد الغابہ، دوم، ص ۲-۱۵۱۔

(۳۲۶) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۷۔

(۳۲۷) عباسی نقیبوں کے لیے ملاحظہ کیجئے خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، تہران اڈیشن غیر مورخہ، دوم، ص ۱۶۴؛ ہفتم ص ۳۶۰، ۳۷۹؛ نہم، ص ۳۰۷؛ دوازدہم، ص ۲۲۷؛ طبری، چہارم، ص ۵۶۲ وغیرہ؛ ابن اثیر، الکامل، پنجم، ص ۵۳، ۶-۲۵۵ اور ۳۰۸۔

علوی نقیبوں کے لیے ملاحظہ کیجئے، خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، یازدہم، ص ۴۰۲؛ الکامل، ہشتم، ص ۶-۵۶۵، ۱۰۷؛ نہم، ص ۲۵، ۷۷، ۱۰۵، ۲۱۹، ۲۴۲، ۲۶۳، ۴۴۵، ۵۱۳، ۵۲۲، ۵۹۶؛ ابن طولون، قضاۃ دمشق، دمشق ۱۹۶۴ء، ص ۴۱-۴۰۔

(۳۲۸) عباسی انقلاب کے داعیوں کے لیے ملاحظہ کیجئے، فاروق عمر، طبیعۃ الدعوۃ العباسیۃ، بیروت ۱۹۷۰ء؛ نیز ولہاوزن مذکورہ بالا، آخری دو باب۔

(۳۲۹) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی فیصلوں پر مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتانی، اول، ص ۳-۲۵۱ نے اس موضوع پر ایک خاص فصل باندھی اور ان میں سے بیشتر کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ذیل میں ان میں سے کچھ کتابوں کے نام درج ہیں:

(الف) ابن الطلاع، "کتاب اقضیۃ رسول اللہ"۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل کتاب (ب) پر مبنی ہے۔

(ب) ابوبکر ابن ابی شیبہ، "کتاب اقضیۃ رسول اللہ"۔

(ج) ظہیر الدین علی بن عبد العزیز المرغینانی الحنفی (متوفی ۵۰۶ھ/۱۱۱۲ء) "کتاب اقضیۃ الرسول"۔ اس کتاب پر متعدد حواشی اور شروح لکھی گئیں۔

(د) ابن ابی مروان اشبیلی (متوفی ۵۴۹ھ/۱۱۵۴ء) "المنتخب المنتقی"۔ مندرجہ ذیل کتاب (س) اس پر مبنی ہے۔

(س) ابو محمد عبد الحق اشبیلی کی تصنیف۔

(ص) ابو علی حسین بن المبارک الموصلی (متوفی ۷۴۲ھ/۱۳۴۱ء)، "الفتاوی النبویۃ فی المسائل الدینیہ و الدنیویۃ"۔

(ط) ابن قیم الدمشقی (شمس الدین محمد بن ابی بکر) (متوفی ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء)، "اعلام الموقعین عن رب العالمین"۔

(ع) سید صدیق حسن خاں بھوپالی (متوفی ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) "بلوغ السول فی اقضیۃ الرسول"۔

اس موضوع پر قدیم وجدید مورخین اور محققین نے جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں، متعدد کتابیں لکھی ہیں۔

اتنی بڑی تعداد میں اس موضوع پر کتابوں کا لکھا جانا بلا ریب ثابت کرتا ہے کہ عہدِ نبوی میں عدالتی ارتقاء ہو چکا تھا چاہے اس کی شکل بالکل ابتدائی رہی ہو۔

(۴۳۰) مذکورہ بالا

(۴۳۱) ایضاً، ص ۵۶-۲۵۳۔

(۴۳۲) ایضاً، ص ۶۴-۲۵۶

(۴۳۳) ایضاً، ص ۲۵۸۔

(۴۳۴) کتاب المحبر، ص ۸-۱۲۵، ان کے لیے لفظ "امراء" استعمال کرتی ہے جبکہ فتوح البلدان، ص ۸۰ کا بیان ہے کہ حضرت معاذ کو "قضا" کا عہدہ سونپا گیا تھا۔ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹، نے ایسے عدالتی کارکنوں کا ذکر "عمال" میں کیا ہے اور حضرت معاذ کا نام ان میں شامل ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۶۴۴؛ ابن ہشام، ص ۵۹۰؛ ابن سعد، اول، ص ۵-۲۶۴؛ طبری، سوم، ص ۱۲۱، ۹-۲۲۸؛ بخاری، باب وجوب الزکاۃ؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۸-۳۷۶؛ نیز کتانی، اول، ص ۲۴۰ وغیرہ۔

(۴۳۵) کتانی، اول، ص ۲۵۸۔

(۴۳۶) ایضاً، ص ۲۵۹۔

(۴۳۷) ایضاً

(۴۳۸) ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مرتبہ سید احمد خان، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۷-۳۱۶۔

(۴۳۹) کتانی، اول، ص ۵-۲۸۴۔

(۴۴۰) ایضاً

(۴۴۱) ایضاً۔ کسی شے کا بغیر تولے، ناپے اور شمار کیے یوں ہی ڈھیری کی شکل میں خریدنا یا بیچنا مجازفہ کہلاتا ہے۔

(۴۴۲) ایضاً

(۴۴۳) ایضاً

(۴۴۴) طبقات، دوم، ص ۱۲۵۔ نیز ملاحظہ کیجئے محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، ص ۵۲، جس کا بیان ہے کہ مکہ میں روزانہ بازار لگتا تھا۔

(۴۴۵) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۸۷۔

(۴۴۶) ملاحظہ ہو باب پنجم بحث اقتصادی دولت مہاجرین و انصار۔

(۴۴۷) واقدی، ص ۹۰-۹۸۹۔

باب پنجم

(۱) ملاحظہ کیجئے محمد تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام، علی گڈھ ۱۹۰۰ء؛ سید ابو الاعلیٰ مودودی، معاشیات اسلام، مرتبہ خورشید احمد، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۱ء۔

(۲) مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۸-۲۰۵؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۶-۸۶۔

(۳) سید جلال الدین عمری، "کمزور کے مسائل اسلام نے حل کئے ہیں"، تحقیقات اسلامی، جنوری ۱۹۸۲ء، ص ۸۹-۸۳۔

(۴) مذکورہ بالا اصحابِ کرام کی مکی عہد میں دولتمندی کے لیے ملاحظہ کیجئے : بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۲، ۲۶۱۔ ۲۷۰ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، ص ۶۰، ۲۶-۱۲۵، ۳-۱۶۲، ۲۱۵، ۲۲۸، ۲۶۲ ؛ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۱۷-۲۱۹، ۲۲۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے مارگولیتھ MUHAMMAD AND THE RISE OF ISLAM. لندن ۱۹۰۵ء، ص ۹۶، ۱۰۰-۹۹، ۱۰۱ ؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۱۹۱ وغیرہ : نیز خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" تحقیقاتِ اسلامی، اپریل۔ جون ۱۹۸۳ء، ص ۲۲-۱۴۔

(۵) خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" (۶) ایضاً

(۷) انساب الاشراف، اول، ص ۲۶۱۔ (۸) ایضاً

(۹) اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو مہاجرین پر خاکسار کا مضمون مذکورہ بالا - نیز "عہد نبوی کی ابتدائی مہیں : محرکات، مسائل اور مقاصد" برہان دہلی، دسمبر ۱۹۸۲ء - اگست ۱۹۸۳ء۔

(۱۰) ان مباحث کے لیے ملاحظہ ہوں خاکسار کے دو مضمون، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، جلد ۱، شمارہ ۴ اور جلد ۲، شمارہ ۲۔

(۱۱) تحقیقاتِ اسلامی، جلد ۲، شمارہ ۲۔

(۱۲) ابن اسحاق، ص ۴-۳۶۳ : واقدی، ص ۱۷۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے برکات احمد، محمد اینڈ دی جیوز، مذکورہ بالا۔

(۱۳) ابن اسحاق، ص ۸-۴۳۷ : واقدی، ص ۳۷۰، ۳۷۲، ۵-۳۷۴، ۸-۳۷۷ : بلاذری، فتوح البلدان، ص ۳۴-۳۱ : نیز برکات احمد، مذکورہ بالا۔

(۱۴) واقدی، ص ۵۰۱، ۵۲۱ وغیرہ ؛ فتوح البلدان، ص ۳۶-۳۴ ؛ نیز برکات احمد، مذکورہ بالا۔

(۱۵) واقدی، ص ۶۳۴، کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی حداد اسلمی نے مدینہ کے ایک یہودی مہاجن ابوالشحم سے پانچ درہم قرض لیا تھا جو غزوۂ خیبر کے ذرا پہلے ادا کیا تھا۔ اس روایت میں سودی رقم کا ذکر نہیں ہے۔ دوسرے قرض کی رقم بہت معمولی ہے۔ خیال ہے کہ کاتب کی غلطی سے پانچ کے بعد کوئی تعداد تحریر میں آنے سے رہ گئی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۷۹ اور ص ۳۷۴، جس کے مطابق بنو قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیوں نے انصار کو کافی بڑی رقمیں سود پر ادھار دی تھیں جو اُنھوں نے اپنی جلاوطنی سے پہلے وصول کی تھیں۔ واقدی، ص ۳۷۴ ہی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسید بن حضیر نے جو اوس کے ایک بڑے سردار تھے بنو نضیر کے ایک مالدار یہودی مہاجن ابو رافع سلام بن ابی الحقیق سے اسی دینار ایک سال کے عرصہ کے لیے لیے تھے اور اس پر ان کو پچاس فیصد سود کے مطابق سال کے بعد ایک سو بیس دینار ادا کرنے تھے۔ بہر حال اس سے پہلے ہی یہودی مہاجن کو جلاوطن ہونا پڑا اور معاہدہ کے مطابق اسے صرف اصل مال یعنی اسی دینار ہی پر اکتفا کرنا پڑا۔ واقدی، ص ۹-۱۸۸، کا مزید بیان ہے کہ بنو نضیر سے متعلق ایک اور یہودی مہاجن کعب بن اشرف رہن کی ضمانت پر سودی ادھار دیتے تھے۔ متعدد مآخذ

سے معلوم ہوتا ہے کہ رہن میں زمین، باغ، کھیت، ہتھیاروں، سونے چاندی کے زیورات کے علاوہ بیوی بچوں کو بھی رکھنے کا رواج تھا۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۳۰۱ کے مطابق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے مقروض اپنے آخری وقت میں بھی تھے۔ ان کے علاوہ متعدد اور مثالیں بھی مسلمانانِ مدینہ کے یہودیوں کے مقروض ہونے کی ماخذ میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی مہاجن مسلمانوں کے ساتھ لین دین کا کاروبار کر کے ہی مالدار بنے تھے۔

(۱۶) بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۳ وغیرہ۔

(۱۷) اراضی مدینہ کی تقسیم کے لیے ملاحظہ کیجئے اس باب میں بحث بر "نظام قطائع"۔

(۱۸) ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۷- ۲۸۶؛ مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۹۶، ۱۰۱- ۹۹۔

(۱۹) ابن سعد، سوم، ص ۵۱۶ وغیرہ۔ بخاری، باب فضل المنیحہ؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۰۰؛ زرقانی کے مطابق وہ ایک دن میں اسی مہمانوں کو کھانا کھلاتے اور ان کی بھرپور خاطر تواضع کرتے تھے؛ نیز ملاحظہ کیجئے ان کے عطیات کے لیے اگلی بحث۔

(۲۰) ابن سعد، سوم، ص ۳۶- ۲۲۰۔

(۲۱) انساب الاشراف، اول، ص ۲۶۷۔

(۲۲) واقدی، ص ۳۱- ۳۲۹۔

(۲۳) مسلم، صحیح، باب الصدقات۔

(۲۴) بخاری، باب الرطب والتمر؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۲۰۲- ۲۰۴۔

(۲۵) بخاری، کلام الرب مع اہل الجنۃ؛ واقدی، ص ۲۰۷، ۲- ۲۰۱، ۲۰۵۔

(۲۶) واقدی، ص ۲۰۶، ۳۷۵، ۲- ۴۰۱، ۹- ۵۳۵ وغیرہ۔

(۲۷) اسد الغابہ، سوم، ص ۳۱۶۔ ان کا مالِ تجارت عہدِ نبوی ہی میں سات سو اونٹوں پر لد کر آنے لگا تھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۳۳- ۱۲۴؛ بخاری، کتاب البیوع۔

(۲۸) ابن سعد، سوم، ص ۶۰ وغیرہ؛ بخاری، کتاب البیوع، کتاب الشرب؛ مسند احمد بن حنبل، اول، ص ۶۲؛ چہارم، ص ۴۰۰ بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۶۶؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۵۲۳۔

(۲۹) بحوالہ مارگولیتھ، ص ۱۴، ۹۸، ۹۹؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۱۲ اور ۳۷۴ جو سوق الظہر اور سوق الخ کا حوالہ دیتے ہیں۔ اول الذکر بقیع کے پاس واقع تھا۔ یہ دونوں سوق بنی قینقاع کے علاوہ تھے۔

(۳۰) کتاب المحبر، ص ۸- ۲۶۳؛ نیز ملاحظہ ہو ازرقی، مذکورہ بالا، ص ۳۲- ۱۳۱۔

(۳۱) ازرقی، مذکورہ بالا، ص ۲- ۱۳۱؛ واقدی، ص ۳۹۵۔

(۳۲) واقدی، ص ۸ - ۲۸۰ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰۔
(۳۳) ایضاً (۳۴) واقدی، ص ۱۰۲ وغیرہ۔
(۳۵) واقدی، ص ۸۲ - ۲۸۰ وغیرہ۔ (۳۶) واقدی، ص ۵۶۴۔
(۳۷) مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، چہارم، پنجم، اور اسد الغابہ اور اصابہ، استیعاب وغیرہ میں ان صحابہ کرام کے سوانحی خاکے۔
(۳۸) بخاری، فضائل الانصار؛ نیز ملاحظہ ہو قرآن کریم، سورہ الدہر، آیت ۶، ۷ ؛ طبری، تفسیر، آیت مذکورہ بالا۔
(۳۹) بخاری اور مسلم، کتاب المغازی، کتاب الصدقات ؛ ترمذی، باب معیشۃ النبی؛ زرقانی، اصحاب الصفہ؛ ابوداؤد، کتاب الادب، کتاب الاطعمہ، کتاب الصدقات ؛ نیز ترمذی، کتاب الصدقات۔
(۴۰) مسلم، باب الصدقات۔
(۴۱) ابن اسحاق، ص ۳۰۹ وغیرہ ؛ واقدی، ص ۱۱۹ ؛ بخاری، غزوۂ بدر ؛ بخاری ہی کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر حضرت عباس بن عبد المطلب کو جو اس وقت تک کافر تھے عبد اللہ بن ابی بن سلول نے اپنا کرتا دیا تھا کہ اور کسی کا کرتا ان کے آتا ہی نہ تھا۔ اس احسان کے بدلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتا عبد اللہ بن ابی کے کفن کے لیے عطا کیا تھا۔
(۴۲) واقدی، ص ۴۵۹، کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بسر بن سفیان کو کپڑے خریدنے کا حکم دیا تھا جو وہ مکہ سے خرید کر لائے تھے۔
(۴۳) واقدی، ص ۲۵۴ وغیرہ۔ (۴۴) واقدی، ص ۵۰۰۔
(۴۵) واقدی، ص ۵۴۷۔ (۴۶) واقدی، ص ۶ - ۵۷۵۔
(۴۷) سنن، باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ۔
(۴۸) واقدی، ص ۹۹۱۔
(۴۹) انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۶۸ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۴۰۳ ؛ طبری، سوم، ص ۱۰۲۔
(۵۰) مذکورہ بالا، سوم، ص ۳۳-۲۱۶ وغیرہ۔
(۵۱) ابن سعد، سوم، ص ۶۲۳۔
(۵۲) بخاری، باب بناء المسجد، باب الہجرۃ ؛ نیز ابوداؤد، باب بناء الہجرۃ۔
(۵۳) بخاری، باب فضل المنیحہ۔
(۵۴) ابن سعد، سوم، ص ۴۸۸۔
(۵۵) طبری، اول، ص ۱۵۲۸ بحوالہ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۵۲۔
(۵۶) ابن اسحاق، ص ۲۴۲ ؛ واقدی، ص ۳ - ۲۶۲۔ واقدی نے ان کے نام اس طرح گنائے ہیں: المیثاب،

الصفیۃ، الدلال، حُسنٰی، برقہ، الاعوف، اور مشہر بہ ام ابراہیم۔

(۵۷) انساب الاشراف، اول، ص ۳۲۶۔ کا بیان ہے کہ انھوں نے اس کو چار ہزار دینار میں خریدا تھا مدینہ کے کنوؤں کے لیے جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تھا ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۸-۵۲۵۔

(۵۸) واقدی، ص ۱۱۔

(۵۹) ابن اسحاق، ص ۲۰۰؛ واقدی، ص ۱۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۲۔

(۶۰) انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۳-۳۰۲ کا بیان ہے کہ دو قیدیوں میں سے ایک حضرت حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے تھے جبکہ عثمان بن عبداللہ بن ابی امیہ نے زر فدیہ ادا کر کے رہائی پائی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۸۸؛ واقدی، ص ۱۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱ اور طبری، دوم، ص ۱۳۱۴۔

(۶۱) واقدی، ص ۱۰۳-۱۰۰؛ اونٹوں کے لیے تین الفاظ —— بعیر، جمل اور ظہر —— استعمال کیے گئے ہیں۔

(۶۲) واقدی، ص ۹۹۔

(۶۳) واقدی، ص ۱۰۳ کے مطابق آپ کی صفی میں مشہور تلوار ذوالفقار شامل تھی جو دراصل منبہ بن حجاج سہمی کی تھی۔ آپ کو ابوجہل مخزومی کا قیمتی اونٹ اور دوسرا مال غنیمت ملا تھا جس کی قیمت کچھ برسوں بعد سو عام اونٹوں کے برابر آنکی گئی تھی۔ واضح رہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ غنیمت ایک عام مجاہد کے حصہ کی مانند تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۹-۲۰؛ انساب الاشراف اول ص ۲۹۴۔

(۶۴) واقدی، ص ۱۰۱-۱۰۰۔ (۶۵) واقدی، ص ۹۸۔

(۶۶) ملاحظہ ہو نیز واقدی ص ۱۴۰، جن کا بیان ہے کہ ابو عزیز عبدری کی والدہ قریش مکہ میں بڑی متمول تھیں۔ انھوں نے پہلے یہ معلوم کیا تھا کہ فدیہ کی گراں ترین شرح کیا ہے اور پھر اس کے مطابق اپنے فرزند کا زر فدیہ ادا کیا تھا کیونکہ وہ اپنے لیے افتخار یہاں بھی برقرار رکھنا چاہتی تھیں۔

(۶۷) مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۳۱۸-۳۱۱؛ واقدی، ص ۱۴۴-۱۳۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۵-۳۰۱؛ نیز ملاحظہ ہو الیعقوبی، تاریخ، دوم ص ۴۶ جس کے مطابق ۷۰ قیدیوں نے فدیہ ادا کیا تھا لیکن یہ روایت بوجوہ معلوم غلط ہے۔

(۶۸) واقدی، ص ۱۴۳-۱۴۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۳-۳۰۲؛ نیز ابن اسحاق، ص ۳۱۲۔

(۶۹) واقدی، ص ۱۰۹-۱۰۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰-۲۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔

(۷۰) مذکورہ بالا مورخین کے مطابق صفی رسول تین کمانوں، اتنی ہی تلواروں اور نیزوں اور دو زرہ بکتروں پر مشتمل تھی۔

(۷۱) برکات احمد، مذکورہ بالا۔

(۷۲) ابن اسحاق، ص ۳۶۱؛ واقدی، ص ۱۰۱-۸۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰-۳۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰

(۷۳) واقدی، ص ۱۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۱؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰، جس کا بیان ہے (ایک روایت کے مطابق) کہ مالِ غنیمت "نعم اور شاۃ" پر مشتمل تھا۔

(۷۴) واقدی، ص ۱۹۸؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق ص ۳۶۴۔ بیان یہ کیا جاتا ہے کہ قریش نے اس کاروانِ تجارت میں خاصی خطیر رقم لگا دی تھی۔ ان کے دو اہم تاجروں ابوزمعہ اور صفوان بن امیہ نے تقریباً تین سو مثقال چاندی اور سونے کے علاوہ تین ہزار درہم کی مالیت کی چاندی کی سلاخیں (خام چاندی) بھی تجارت کے لیے بھیجی تھی۔ اس سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ مکی تاجر خام چاندی کے علاوہ چاندی اور سونے کی بنی ہوئی اشیاء کی بھی تجارت کرتے تھے۔ مگر یہ تجارت جو شام سے ہوتی تھی بدر کے معرکۂ عظیم کے بعد بند ہوگئی تھی جیسا کہ واقدی، ص ۱۹۷ کا بیان ہے کیونکہ "باشندگانِ سواحل نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدۂ اتحاد کر لیا تھا۔" یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بدر کی جنگ نے سیاسی اور اقتصادی معاہدوں کی نوعیت بدل دی تھی اور جزیرہ نمائے عرب کی سیاست میں توازن کا پلڑہ مدینہ کے حق میں جھکا دیا تھا؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۲۵-۶، جہاں اُنھوں نے بدر سے قبل شام جانے والے مکی کارواں کی مالیت پچاس ہزار دینار بیان کی ہے۔ اس موقعہ پر بھی ان کا خاص مالِ تجارت چاندی ہی تھی۔

(۷۵) واقدی، ص ۳۴۵؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۵۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴-۵۔

(۷۶) واقدی، ص ۳۷۴، ۳۷۷ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۳۹؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۴۳۷-۳۹۔

(۷۷) واقدی، ص ۴۰۳-۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰۔

(۷۸) ابن اسحاق، ص ۴۹۳؛ واقدی، ص ۴۱۱ اور ابن سعد، دوم، ص ۶۴ کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے بنو مصطلق کے سو خاندانوں کو اپنی طرف سے آزادی دے دی تھی لیکن انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ نے اپنی دو روایات میں سے ایک میں یہ بیان کیا ہے کہ قیدیوں کی رہائی حضرت جویریہ کی شادی کی شرط تھی۔ یہ دوسری روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ حضرت جویریہ کی شادی کی اگر کوئی شرط کہی جاسکتی ہے تو وہ مکاتبت کی رقم تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے "دو حصہ داروں" کو ادا فرمائی تھی۔

(۷۹) واقدی، ص ۴۱۲-۱۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴؛ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان قیدیوں نے زرِ فدیہ دے کر رہائی حاصل کرنے کا کام حضرت جویریہ کی شادی سے قبل انجام دے لیا تھا ورنہ وہ بھی بلا فدیہ آزاد ہو جاتے۔

(۸۰) واقدی، ص ۴۱۲۔

(۸۱) واقدی، ص ۴۱۱۔

(۸۲) واقدی، ص ۴۱۰ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۲۔

(۸۳) واقدی، ص ۵۱۰، ۵۱۳، ۲۲-۵۲۱ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۷؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۷۔

(۸۴) واقدی، ص ۲۳-۵۲۲۔

(۸۵) روایت ہے کہ حضرت ثابت کی سفارش پر زبیر بن باطا کے خاندان کو جن سے صحابی موصوف کے پرانے خاندانی تعلقات تھے ان کی تمام جائداد غیر منقولہ (اموال) اور منقولہ سمیت آزاد کر دیا گیا تھا اور ان کو مدینہ منورہ میں سکونت پذیر رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ ان کے ہتھیار البتہ لے لئے گئے تھے۔ بعد میں یہ یہودی خاندان مدتوں تک انصاری ثابت کے خاندان کے ساتھ مل کر رہا تھا اور مدینہ کی آبادی کا ایک اٹوٹ حصہ بن گیا تھا۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۵۲۰۔

(۸۶) حضرت ام منذر کی سفارش پر ایک اور یہودی رفاعہ بن سموال کو رہا کر دیا گیا تھا۔ روایت میں اگرچہ اس کے خاندان اور اموال کا ذکر نہیں ہے تاہم ... نہ یہی ہوتا ہے کہ ان کا معاملہ بھی زبیر بن باطا کے خاندان کے معاملے سے مختلف نہیں تھا ملاحظہ ہو واقدی ص ۱۵-۵۱۴۔

(۸۷) واقدی، ص ۵۲۳۔

(۸۸) واقدی، ص ۵۲۴؛ نیز ملاحظہ ہو مذکورہ بالا، ص ۳-۵۲۲، جس کے مطابق ابوالشحم یہودی نے جو مدینہ منورہ کا ایک مالدار مہاجن اور تاجر تھا دو یہودی قیدی عورتوں کو ان کے چھ چھوٹے چھوٹے بچوں سمیت صرف ایک سو پچاس دینار میں خریدا تھا۔ درہم میں یہ رقم ۱۸۰۰ کے قریب آتی ہے۔

(۸۹) واقدی، ص ۵-۵۲۴ کے بیان کے مطابق ایک جزور (عام اونٹ) دس بھیڑ بکریوں کے برابر مانا جاتا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۷۔

(۹۰) واقدی، ص ۵۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۸؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۹۱) واقدی، ص ۲-۵۵۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۹۲) واقدی، ص ۴-۵۵۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۹۳) واقدی، ص ۵۵۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔ بھیڑ بکریوں کی تعداد میرے حساب پر مبنی ہے۔ واقدی کا بیان صرف اتنا ہے کہ بیس اونٹ اس سریہ کے پندرہ مجاہدین میں تقسیم کیے گئے تھے اور اس سے قبل مالِ غنیمت کا خمس نکال لیا گیا تھا۔ چنانچہ ہر مجاہد کو دو اونٹ یا اس کے مساوی بھیڑ بکریاں حصہ میں ملی تھیں، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک اونٹ کی شرح تبادلہ دس بھیڑ بکریاں تھیں۔

(۹۴) واقدی، ص ۵۵۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۹۵) واقدی، ص ۵۶۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰۔

(۹۶) روایت یہ ہے کہ وہ باندی بطور تحفہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی مگر آپ نے اس کی

شادی حضرت حزن بن وہب سے کر دی۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۹۵۔

(۹۷) واقدی، ص ۶۶۴، ۶۶۸، ۶۷۲، ۶۸۰ وغیرہ۔ اشیائے خوردنی اور رسد جو، کھجور، گھی (سمن)، شہد، تیل (زیت) اور مکھن (ودک) پر مشتمل تھی۔ برتنوں میں سونے، چاندی، تانبے کے علاوہ کافی تعداد میں مٹی کے (فخار) بھی تھے۔ صعب بن معاذ کے قلعہ میں جو مالِ غنیمت ملا تھا وہ کشیدہ کاری کے کام کے یمنی کپڑے کے بیس تھانوں (عِکم) اور پندرہ سو چادروں (قطیفہ/ قطائف) پر مشتمل تھا۔ ابی الحقیق کے خزانے میں ملنے والے زیورات میں کڑے (اسورہ)، بازو بند (دمالج)، پازیب (خلاخل)، چھوٹی انگوٹھیاں (خواتم)، بڑی انگوٹھیاں (فتخ)، بُندے بالیاں (قراط)، سونے کے اور ہیروں کے ہار (نُظم) چاندی سونے کے برتنوں کے علاوہ تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے قیدی بھی گرفتار ہوئے تھے۔ لیکن وہ صرف نزار اور کتیبہ کے قلعہ میں ملے تھے۔ کتیبہ کے قیدیوں کی تعداد دو ہزار سے اوپر تھی مگر وہ سب رہا کر دئے گئے تھے اور ان کے اموال ان کے تصرف میں دے دیئے گئے تھے جبکہ ان سے صلح کا معاہدہ ہوا تھا۔

(۹۸) واقدی، ص ۶۸۸۔
(۹۹) ایضاً، ص ۷۰۰۔
(۱۰۰) ایضاً، ص ۷۱۱۔
(۱۰۱) ایضاً
(۱۰۲) انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹۔
(۱۰۳) واقدی، ص ۷۲۷، ۷۲۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۹-۱۲۰۔
(۱۰۴) واقدی، ص ۷۵۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹۔
(۱۰۵) واقدی، ص ۷۵۳-۷۵۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۰۔
(۱۰۶) واقدی، ص ۷۶۹، کا بیان ہے کہ اس طرح جو مالِ غنیمت ملا تھا وہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ گویا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خمس نہیں نکالا گیا تھا۔
(۱۰۷) واقدی، ص ۷۷۱۔
(۱۰۸) واقدی، ص ۷۸۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۱۔
(۱۰۹) واقدی، ص ۹۴۳-۹۴۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۴-۱۳۵۔
(۱۱۰) ابن اسحاق، ص ۵۹۲ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹۴۹-۹۵۰ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۴۔
(۱۱۱) ابن اسحاق، ص ۶۶۷؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۲ جس کا بیان ہے کہ ان پر حملہ اس لئے کیا گیا تھا کہ انھوں نے صدقات (محاصل) روک لیے تھے۔
(۱۱۲) واقدی، ص ۵۵۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۲۔
(۱۱۳) واقدی، ص ۹۸۴، ۹۸۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۴؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۸۲۔

(۱۱۴) واقدی، ص ۱۰۲۷، ۱۰۲۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۹۔

(۱۱۵) واقدی، ص ۱۰۸۱-۱۰۸۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۷۰؛ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۴، جس کا بیان ہے کہ حضرت علی نے اس مہم میں کسی سے کوئی جنگ نہیں کی تھی اور وہ صرف وہاں سے "صدقہ" لے کر آئے تھے۔ طبری، سوم، ص ۱۳۲-۱۳۱، کا یہ بیان قطعی غلط ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید مخزومی یمن کی اپنی مہم میں ناکام ہو گئے تھے تو ان کی جگہ حضرت علی کو بھیجا گیا تھا اور انھوں نے کامیابی کے ساتھ ہمدان کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کر لیا تھا۔ حالانکہ معاصر تاریخی دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید اپنے مشن میں پورے کامیاب رہے تھے۔

(۱۱۶) کتاب المحبر، ص ۱۱۲۔

(۱۱۷) واقدی، ص ۱۷۶-۱۸۱؛ برکات احمد، مذکورہ بالا؛ حمید اللہ، مذکورہ بالا۔

(۱۱۸) ابن اسحاق، ص ۴-۳۶۳؛ واقدی، ص ۱۷۶، ۱۰۲۹، کا بیان ہے کہ سوق بنی قینقاع مدتوں تک موجود اور تجارتی مرکز رہا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔

(۱۱۹) وہ لوگ مآخذ کے الفاظ میں "قلعوں والے" تھے کیونکہ قلعوں (حصون) کے مالک تھے اور ان کے اندر ہی بستے تھے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۸۱، ۵۶۳، ۶۳۴، ۶۷۹۔

(۱۲۰) واقدی، ص ۱۸۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔

(۱۲۱) واقدی، ص ۱۸۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔

(۱۲۲) ابن اسحاق، ص ۳۶۳؛ واقدی، ص ۱۷۷۔

(۱۲۳) ابن اسحاق، ص ۹-۳۷۴؛ واقدی، ص ۳۶۹، ۳۷۲ وغیرہ۔

(۱۲۴) واقدی، ص ۳۷۸۔

(۱۲۵) واقدی، ص ۸-۳۷۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۵۸، جس کا بیان ہے کہ وہ اراضی بطور تحفہ/ انعام تقسیم کی گئی تھی نہ کہ بطور مال غنیمت کے حصہ کے۔

(۱۲۶) یحیٰی بن آدم، کتاب الخراج، ص ۲۱؛ نیز ابو یوسف، کتاب الخراج، بلاق طبع، قاہرہ ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء، ص ۳۹۔

(۱۲۷) واقدی، ص ۳۷۸۔

(۱۲۸) واقدی، ص ۹-۳۷۸۔ (۱۲۹) ایضاً۔

(۱۳۰) مذکورہ بالا، ص ۲۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے ص ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۴۔

(۱۳۱) واقدی، ص ۸۰-۳۷۹؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۳۵، جن کا خیال ہے کہ بنو نضیر اور

بنو قریظہ کی اراضی میں سے کوئی بھی تقسیم نہیں کی گئی تھی؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۵۸ جو واقدی سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔

(۱۳۲) ابن سعد، سوم، ص ۳-۱۳۲۔

(۱۳۳) واقدی، ص ۴۹۹، ۲-۵۰۱ اور ۵۲۱ وغیرہ۔

(۱۳۴) کتاب الخراج، ص ۷۰ اور ۷۴۔

(۱۳۵) واقدی، ص ۵۲۱ وغیرہ؛ کتاب الخراج، مذکورہ بالا۔

(۱۳۶) واقدی، ص ۲-۵۲۱۔

(۱۳۷) یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۷۰، ۷۴۔ حضرت زبیر بن عوام اور ان کے ایک پڑوسی انصاری کاشتکار کے درمیان آبپاشی کے لیے پانی کے بٹوارے کے ضمن میں وادی مہزوز کا حوالہ دیتے ہیں۔ روایت کے مطابق چشمہ کا پانی پہلے حضرت زبیر کی زمین سے ہوکر گمنام انصاری کے کھیتوں میں جاتا تھا۔ انصاری نے دعویٰ کیا کہ پانی پہلے انھیں ملنا چاہئے حضرت زبیر نے انکار کیا۔ مقدمہ دربارِ رسالت میں پہنچا۔ آپ نے حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ دیا اور ہدایت کی کہ ضرورت بھر کا پانی لینے کے بعد پھر پانی انصاری کے کھیتوں میں جانے دیں کیونکہ ان کے کھیت پانی کے زیادہ قریب تھے انصاری کو نہ صرف یہ کہ فیصلہ سے اختلاف تھا بلکہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر روایت کے مطابق اقربا پروری کا الزام لگایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ پہلے میں نے فیصلہ انسان دوستی اور صلۂ رحمی کی بنیاد پر کیا تھا مگر اب حق و انصاف کی بنا پر فیصلہ کرتا ہوں کہ زبیر اپنے کھیتوں کو سیراب کر لینے کے بعد بھی بقیہ پانی روکے رکھیں اور انصاری کے کھیت میں نہ جانے دیں کہ اس پانی پر مؤخرالذکر کا کوئی حق نہیں۔

(۱۳۸) ابن اسحاق، ص ۵۲۱ کا بیان ہے کہ "اس کی دو وادیاں السُریر اور خاص دراصل خیبر کا علاقہ تھیں اور پورا علاقہ انھیں دونوں کی اراضی پر مشتمل تھا جبکہ اس کے دو قلعے نطاۃ اور الشق میں اٹھارہ حصے (سہمان) تھے: النطاۃ میں صرف ۵ اور الشق میں ۱۳۔ ان دونوں علاقوں کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر حصہ مسلمانوں کے سو حصوں کا نمائندہ تھا گویا ان دونوں علاقوں میں مسلمانوں کے کل ۱۸۰۰ حصے واقع تھے۔

(۱۳۹) واقدی، ص ۶۹۰۔

(۱۴۰) ابن اسحاق، ص ۵۲۵؛ واقدی، ص ۸-۶۷۷، ۹۲-۶۸۹ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۲-۲۱؛ طبری، سوم، ص ۱۹۔

(۱۴۱) واقدی، ص ۶۹۰ کا خیال ہے کہ اس کی پیداوار کی پچاس فیصد تقسیم کھجوروں اور تمام دوسری فصلوں کو حاوی تھی۔

(۱۴۲) کتاب الخراج، ص ۳۹۔

(۱۴۳) ابن اسحاق، ص ۵۲۲ کے مطابق کتیبہ کا دوسرا نام "وادی خاص" تھا۔

(۱۴۴) واقدی، ص ۶۹۴؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۲۱۔

(۱۴۵) واقدی، ص ۶۹۳ میں شعیر (جَو) ہے جبکہ مجموعۃ الوثائق ،ص ۲۲ میں قمح (گیہوں) ہے۔ لیکن یہ اس کے کئی دستاویزات میں سے ایک میں ہے۔ یعنی یہ اختلاف روایات جَو اور گیہوں دونوں کا ذکر آیا ہے۔

اوزان وسق اور صاع وغیرہ کے لیے ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم ، مذکورہ بالا ، ص ۱۰۰-۹۶ جن کے مطابق ان کا باہمی تناسب یہ تھا:

۱ وسق = ۶۰ صاع

یا ۱ وسق = ۶۰ قفیز (حجاجی ـ یعنی حجاج بن یوسف ثقفی گورنرِ عراق درخلافت اموی)

۱ صاع/قفیز = ۸ رطل

حجاجی قفیز در اصل حضرت عمر بن خطاب کے صاع پر مبنی تھی۔ ملاحظہ ہو ص ۱۰۱-۱۰۰۔

ہندوستانی اوزان میں صاع اور وسق کی تبدیلی اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ علمائے ہندوستان کے مطابق ایک صاع پونے دو کلو سے کچھ کم ہوتا ہے اس طرح ایک وسق میں ۹۵ کلو کے قریب پڑتے ہیں۔ آسانی کے لیے اس کو ایک کوئنٹل کر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد حسابی کوئنٹل نہیں ہے۔

(۱۴۶) واقدی، ص ۶۹۱ ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل پیداوار خیبر اس طرح تھی:

کھجور = ۸۰،۰۰۰ وسق

جَو = ۳۰،۰۰۰ صاع

نَوی = ۱۰،۰۰۰ صاع

(۱۴۷) مذکورہ بالا ، ص ۵۱۔

(۱۴۸) ابن اسحاق، ص ۴-۵۲۳؛ واقدی، ص ۶۹۱؛ طبری، سوم، ص ۲۱-۲۰۔

(۱۴۹) ابن اسحاق، ص ۵-۵۲۳ اور واقدی، ص ۶۹۱ کا بیان ہے کہ "تخمینہ و تقسیم نصفین کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ یہودیوں سے کہا کرتے تھے: "اگر تمہیں یہ پسند ہے یہ تمہارا (ڈھیر) ہے اور تم کو میرے تخمینہ اور تقسیم کے نصف کی ضمانت دینی ہوگی۔ اگر تم چاہو تو یہ ہم لے لیں اور ہم تم کو اپنی تقسیم کے نصف ہونے کی ضمانت دوں گا۔" نیز ملاحظہ کیجئے ابو یوسف ، مذکورہ بالا ، ص ۲۹ ۔ واقدی کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کھجوروں (نخل) کی پیداوار کو چالیس ہزار وسق کے دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ یہودیوں نے اپنی عورتوں کے زیورات جمع کیے اور حضرت عبداللہ کو بطور رشوت پیش کیے اور کہا کہ "یہ سب آپ کے لیے ہے اگر آپ تقسیم میں کچھ ہمارے لئے چھوڑ دیں۔" حضرت عبداللہ نے سخت لہجہ میں جواب دیا" او یہودیو! میں خدا کی مخلوق میں تم سے سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں تمہارے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی نہیں کر سکتا۔" نیز دیکھئے

ابو یوسف، ص ۵۱۔

(۱۵۰) مذکورہ بالا، ص ۵۱۔

(۱۵۱) ابن اسحاق، ص ۵۲۱، ۵۲۲۔

(۱۵۲) ابن اسحاق، ص ۵۲۲؛ واقدی، ص ۹۰-۶۸۹۔

(۱۵۳) واقدی، ص ۹۰-۶۸۹، ۹-۷۱۸۔

(۱۵۴) ایضاً

(۱۵۵) ایضاً، ص ۵۲۲ اور حاشیہ ۱۔

(۱۵۶) واقدی، ص ۶۹۱

(۱۵۷) واقدی، ص ۶۹۶ وغیرہ۔

(۱۵۸) ابن اسحاق، ص ۳-۵۲۲؛ واقدی، ص ۹۶-۶۹۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے مجموعۃ الوثائق، ص ۲۲-۲۰۔

(۱۵۹) ایضاً، ص ۵۲۳۔

(۱۶۰) ملاحظہ کیجئے مجموعۃ الوثائق، ص ۲۲۔

(۱۶۱) اس روایت کا تعلق ذی قعدہ ۷ھ / مارچ ۶۲۹ء سے ہے جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضیہ کے لیے روانہ ہونے والے تھے۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۷۱۴۔

(۱۶۲) واقدی، ص ۱۴-۷۱۳۔

(۱۶۳) ابن اسحاق، ص ۵۲۳؛ نیز ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۲۸؛ ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۲۹۔

(۱۶۴) واقدی، ص ۷-۷۰۶؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۲۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۲؛ طبری، سوم، ص ۱۵ وغیرہ۔

(۱۶۵) واقدی، ص ۷۱۳۔

(۱۶۶) ایضاً، ص ۷۰۷۔

(۱۶۷) واقدی، ص ۳۷۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۰-۵۱۹۔

(۱۶۸) طبری، سوم، ص ۱۵۔

(۱۶۹) ابن اسحاق، ص ۵۱۵ اور ۵۲۵؛ طبری، سوم، ص ۱۵۔

(۱۷۰) ایضاً، ص ۷۱۱، کا بیان ہے کہ تیما اور وادی القریٰ کو شامی حدود میں شمار کیا جاتا تھا؛ نیز ملاحظہ کیجئے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۲۔

(۱۷۱) واقدی، ص ۷۱۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۲۔

(۱۷۲) ایضاً

(۱۷۳) جزیہ اور خراج یعنی جزیہ علی الرقاب اور جزیہ علی الارض کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو ڈینیل سی۔ ڈینیٹ DANIAL C. DENNETT کی معرکۃ الآراء کتاب CONVERSION AND THE POLL TAX IN EARLY ISLAM کیمبرج ۱۹۵۰ء۔

پہنچا تھا۔

(۲۱۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۲۰-۱۳۰۔ (۲۱۲) ایضاً، ص ۱۴۹

(۲۱۳) ایضاً، ص ۱۶۵ (۲۱۴) ایضاً، ص ۱۶۷-۱۷۰۔

(۲۱۵) ایضاً، ص ۱۰۴-۱۰۵ (۲۱۶) ایضاً

(۲۱۷) قرآن حکیم، سورہ توبہ، آیت ۱۰۳؛ نیز ملاحظہ ہو واحدی، اسباب النزول، قاہرہ، ص ۱۸۹-۱۹۰۔

(۲۱۸) طبری، سوم، ص ۱۲۳-۱۲۴۔

(۲۱۹) طبری، سوم، ص ۱۵۶۔

(۲۲۰) ان اصطلاحات کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، ص ۹۶۵ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹۷۲ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹-۵۳۱؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۹۲-۹۳؛ نیز ملاحظہ ہو ابن خلدون، تاریخ، اول، ص ۸۳-۸۴؛ زرقانی، سوم، ص ۳۴۸؛ کتانی، اول، ص ۳۹۳-۳۹۴۔ سعایہ کے لیے خاص کر ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۱۰۔

(۲۲۱) ابن سعد، اول، ص ۳۰۰؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۷؛ کتانی، اول، ص ۳۹۲۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ محدث ابو داؤد کی روایت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر ثقفی کو اس کی تعلیم بنفس نفیس دی تھی کہ وہ اپنی قوم کے صدقات کیسے وصول کریں۔

(۲۲۲) ابن اسحاق، ص ۶۴۴؛ واقدی، ص ۹۷۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰۔

(۲۲۳) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۶۵۔

(۲۲۴) نسائی، سنن، ص ۲۹۰ بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۵۷۔

(۲۲۵) ایضاً۔

(۲۲۶) طبری، سوم، ص ۲۸۹-۲۹۰؛ ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، مرتبہ صلاح الدین المنجد، دمشق، اول، ص ۴۵۳؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۹۸-۸۹۹۔

(۲۲۷) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ سوم۔ (الف) (۲۲۸) ایضاً

(۲۲۹) بخاری اور مسلم، کتاب الصدقات؛ طبری، سوم، ص ۱۲۲؛ نیز ملاحظہ کیجئے حوالہ آئندہ ص ۲۳۷۔

(۲۳۰) ضمیمہ سوم (الف)

(۲۳۱) مسلم، صحیح، کتاب الصدقات۔

(۲۳۲) واقدی، ص ۶۹۶-۶۹۷؛ نیز ملاحظہ کیجئے صحیحین، کتاب الصدقات، جہاں یہی واقعہ دہرایا گیا ہے۔

(۲۳۳) واقدی، ص ۹۷۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ نیز طبری، سوم، ص ۱۴۷، اگرچہ ان کی روانگی کی

تاریخ نہیں بیان کرتے تاہم ان کی روانگی کو سنہ ۹ھ / ۶۳۰-۳۱ء کے سال کے واقعات میں شمار کرتے ہیں۔ انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۲۹-۵۳۱، قطعی کسی تاریخ یا زمانہ کا حوالہ نہیں دیتی۔ نیز ملاحظہ ہو زرقانی، سوم، ص ۳۶۸۔

(۲۴۴) مذکورہ بالا، سوم، ص ۱۴۷۔

(۲۴۵) واقدی، ص ۴-۹۷۳۔ حضرت عیینہ بن حصن فزاری کے بارے میں واقدی کا بیان زیادہ واضح نہیں ہے۔ نیز ملاحظہ ہو زرقانی، سوم، ص ۹-۳۶۸۔

(۲۴۶) ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰۔

(۲۴۷) طبری، سوم، ص ۱۴۷، کا بیان ہے کہ مذکورہ بالا افسروں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو نجران کے لوگوں سے صدقہ اور جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ایک ہاشمی کو کیونکر عامل صدقات مقرر کیا جا سکتا تھا جبکہ اس کی ممانعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ کی تھی۔ کتانی نے اس موضوع پر جو بحث کی ہے وہ دلچسپ بھی اور اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو پیش بھی کرتی ہے۔ مآخذ کا یہ دعویٰ کہ حضرت علی کو نجران کے علاقہ کا "ساعی" (عامل صدقات) مقرر کیا گیا تھا ناقابلِ قبول اور غلط ہے۔ کیونکہ حضرت موصوف کا تعلق بنو ہاشم سے تھا اور اس بنا پر وہ اس منصب پر مقرر نہیں کیے جا سکتے تھے۔ لیکن نسائی کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گورنر مقرر کیا تھا (امرہ) نہ کہ عامل (استعملہ)۔ قاضی عیاض کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت علی کو صدقات کا عامل مقرر کیا گیا ہو لیکن ان کو تنخواہ نہ دی گئی ہو یا ان کو گورنری (عمالہ) ملی ہو لیکن صدقات کی وصولیابی ان کے فرائض میں شامل نہ ہو۔ لیکن بعد کا خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ مآخذ کا واضح بیان ہے کہ وہ وہاں سے صدقات وصول کر کے لائے تھے۔ کتانی کا اپنا خیال ہے کہ حضرت علی کو بطور "مستوفی" بھیجا گیا تھا یعنی وہ آفیسر جو امام کی جانب سے صدقات و محاصل (مال) عمال صدقات سے وصول کر کے موخر الذکر کو ان کے فرائض سے عہدہ برآ کر دیتا ہے اور پھر مال کو امام کے پاس لاتا ہے۔ بظاہر اس نظریہ یا خیال میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ان کی حیثیت حضرات قدامہ اور ابو ہریرہ کے مانند معلوم ہوتی ہے جن کو منذر بن ساوی اور حضرت علاء بن حضرمی سے صدقات و جزیہ کی رقوم وصول کرنے کے لیے بحرین بھیجا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۰۱۔

لیکن کتانی کے اس نظریہ میں ایک جھول ہے وہ یہ کہ حضرت علی کو براہِ راست عاملِ صدقات مقرر کیا گیا ہو یا بعد میں صدقات کی وصولیابی کے لیے بھیجا گیا ہو بات کم و بیش ایک ہی ہے اور اعتراض بدستور باقی رہتا ہے۔ بہرحال مآخذ سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہی صحیح ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ بطور معلّم اور مبلّغ یمن بھیجے گئے تھے اور یہی کام وہاں انھوں نے انجام بھی دیا تھا اور واپسی پر اپنے مسلمان کیے ہوئے لوگوں کے صدقات بھی ساتھ لے کر آئے تھے۔ عین ممکن ہے کہ مصدق کوئی دوسرا رہا ہو جو ان کے ساتھ آیا ہو یا انھوں نے خود کسی اور کو صدقات کا نگران بنا دیا ہو۔

(۲۳۸) ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "تاریخ اسلام میں فنِ شانِ نزول کی اہمیت —— ایک تنقیدی نظر" مجلہ تحقیقات اسلامی سہ ماہی، علی گڑھ جلد ۱-۲ شمارہ ۱-۲ (جنوری تا جون ۱۹۸۲ء) - نیز صحابی موصوف کے کردار و شخصیت کے لیے ملاحظہ کیجئے خاکسار کی زیر طبع کتاب "حضرت ولید بن عقبہ اموی —— حیات و شخصیت"

(۲۳۹) ابنِ اسحاق، ص ۴۹۳ ؛ واقدی، ص ۹۸۰ - ۹۸۱ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۶۱ ؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، پنجم، ص ۹۰ - ۹۱ ؛ ابن خلدون، اوّل، ص ۳ - ۳۴۷ ؛ نیز ملاحظہ ہو میری اس موضوع پر کتاب۔

(۲۴۰) مضمون "تاریخِ اسلام میں فن شان نزول کی اہمیت"۔

(۲۴۱) ملاحظہ ہو طبری، دوم، ص ۵۸۸ اور سوم ص ۱۵۴ - ۱۶۸ ؛ فتوح البلدان، ص ۶ - ۱۰۵ ؛ ابن اثیر، کامل، دوم، ص ۲۰۵ ؛ نیز میری زیر طبع کتاب۔

(۲۴۲) انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱ - ۵۳۰۔

(۲۴۳) ایضاً، اول، ص ۲۷۰، ۳ - ۲۷۲ ؛ نیز ملاحظہ ہو طبری، سوم، ص ۱۷۸۔

(۲۴۴) طبری، سوم، ص ۹۵، ۱۷۸۔ (۲۴۵) ایضاً

(۲۴۶) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۵۰۔

(۲۴۷) اسد الغابہ، چہارم، ص ۶ - ۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، ہفتم، ص ۴۰۴ ؛ اسد، چہارم، ص ۵ ؛ اصابہ، چہارم، ص ۲۵۸ ؛ ابنِ سعد، پنجم، ص ۵ - ۴۴۴ کا بیان ہے کہ ان کا صدر مقام تبالہ تھا۔

(۲۴۸) الکامل، اول، ص ۶۱ - ۵۹۔

(۲۴۹) اسد الغابہ، چہارم، ص ۷ - ۴۰۵ ؛ ابن خلدون، اول، ص ۵۳۸ - اقیال حضرموت سے حضرت وائل بن حجر سے تعلقات کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۷۸۔

(۲۵۰) اسد، سوم، ص ۷ - ۱۰۶ اور دوم، ص ۲۱۳ بالترتیب۔

(۲۵۱) واقدی، ص ۶۰ - ۹۵۳ ؛ طبری، سوم، ص ۹۵ ؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۰۷۔

(۲۵۲) بحوالہ کتانی، اول، ص ۳۹۶۔

(۲۵۳) بحوالہ کتانی، اول، ص ۳۹۶ اور ۲۶۵ بالترتیب ان کی تقرری اور تنخواہ کے لیے۔

(۲۵۴) بحوالہ کتانی، اول، ص ۲۳۷۔

(۲۵۵) ابنِ قیم، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، بحوالہ کتانی، اول، ص ۲۳۷۔

(۲۵۶) ابوداؤد، ارزاق العمال - نیز ملاحظہ ہو بخاری، باب رزق الحکام والعاملین علیہا ؛ مصنف عبد الرزاق ؛ کتانی، اول، ص ۶۶ - ۲۶۴۔

(۲۵۸) طبقات، پنجم، ص ۵۲۸ ۔ (۲۵۹) ایضاً، ص ۵۲۹ (۲۶۰) ایضاً، ص ۵ - ۳۲۵ ۔

(۲۶۱) واقدی، ص ۹۸۱-۱ (۲۶۲) ایضاً، اول، ص ۳۲۴-۵ ۔

(۲۶۳) اسد الغابہ، سوم، ص ۳۸۴ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان بن عمرو دئلی اپنی قوم کے عامل تھے اور مقامی منتظم بھی ۔

(۲۶۴) اسد الغابہ، اوّل، ص ۴۰۹ کا بیان ہے کہ وہ دونوں جہینہ کے صدقات کے عامل مقرر کیے گئے تھے۔ نیز ملاحظہ کیجیے:
مجموعۃ الوثائق، ص ۹ - ۱۳۸ اور ۱۴۲ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مختلف بطون اور گھرانوں سے الگ الگ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے مویشیوں پر صدقہ اور خمس اور عشر ادا کریں ۔ (۲۶۵) اسد، دوم، ص ۲۷۶ ۔

(۲۶۶) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰ ؛ ابن سعد، اول، ص ۲۲۳ ؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷ ؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۴-۲۹۲ ؛
ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳ ۔

(۲۶۷) ابن سعد، اول، ص ۲۷۰ ؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۰۵ ۔

(۲۶۸) ایضاً، اول، ص ۲۹۶ ۔ (۲۶۹) مجموعۃ الوثائق، ص ۴۹ ۔

(۲۷۰) کتانی، اول، ص ۳۹۷ ۔

(۲۷۱) ایضاً، اول، ص ۸-۳۹۷ ۔ حضرت خزیمہ کے لیے "ساعی" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے ۔

(۲۷۲) ایضاً، پنجم، ص ۷۵ ۔

(۲۷۳) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۸ ۔ اس کا مزید بیان ہے کہ حضرت زمیل بن عمرو کو قبیلہ عذرہ کے مسلم اور غیر مسلم دونوں طبقات کے پاس بھیجا گیا تھا اور ان سے مکمل فرمانبرداری کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں صدقات اور جزیہ کی ادائیگی بھی شامل ہے ۔

(۲۷۴) واقدی، ص ۱۶۵ ؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۹۹ ؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۷۰-۱۶۸، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گرامی نامہ کے لیے جس میں کلب کے لوگوں سے صدقات کی ادائیگی کے مطالبہ کا ذکر ہے ۔

(۲۷۵) ایضاً (۲۷۶) ایضاً (۲۷۷) مجموعۃ الوثائق، ص ۳-۲۴۲ (۲۷۸) ایضاً، ص ۲۴۲

(۲۷۹) ایضاً، ص ۱۶۵ (۲۸۰) ایضاً، ص ۱۹۹ (۲۸۱) ایضاً، ص ۷۸

(۲۸۲) ایضاً، ص ۷۹ (۲۸۳) ایضاً، ص ۱۶۴ (۲۸۴) ایضاً، ص ۳۰-۱۲۸

(۲۸۵) اسد الغابہ، پنجم، ص ۸۱ ؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۳۶ ۔

(۲۸۶) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰ ؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷ ؛ اسد الغابہ، دوم، ص ۵-۱۹۴، ۷۰-۳۶۹ ؛ سوم، ص ۸-۲۷ ؛ چہارم، ص ۲۱-۲۱۹، ۲۹۵ ؛ پنجم، ص ۱۲۷ ؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳ ؛ نیز ملاحظہ ہو: کتانی، اول، ص ۸-۳۹۷ ۔

(۲۸۷) اسد، دوم، ص ۱۱۶ ۔

(۲۸۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۸۰-۹۷ : ابن سعد، اول، ص ۳-۱۹۲ بالترتیب۔

(۲۸۹) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۳۱۔

(۲۹۰) کتاب المحبر، ص ۷۷۔

(۲۹۱) کتاب المعارف، ص ۳۰۲۔

(۲۹۲) جوامع السیرہ اور قضاعی، بحوالہ کتانی، اول، ص ۳۹۰-۳۹۹۔

(۲۹۳) کتانی، اول، ص ۳۹۹۔ (۲۹۴) ایضاً

(۲۹۵) صحیح مسلم، باب غزوۂ تبوک : نیز واقدی، ص ۹۸۰-۹۸۹ وغیرہ۔

(۲۹۶) واقدی، ص ۶۹۱۔

(۲۹۷) ابن ہشام، دوم، ص ۳۶۴ : طبری، سوم، ص ۲۰ : ابن خلدون، اول، ص ۷۹۶ : اسد، اول، ص ۲۶۵۔

(۲۹۸) ابن خلدون، اول، ص ۷۹۶ : نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، دوم، ص ۲۳۲۔

(۲۹۹) اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۰۷-۸۔

(۳۰۰) اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۶۹ : نیز کتانی، اول، ص ۴۰۱-۴۰۰۔

(۳۰۱) اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۰۰-۹ : کتانی، اول، ص ۴۰۰۔

(۳۰۲) کتانی، اول، ص ۴۰۰۔ (۳۰۳) ایضاً

(۳۰۴) انساب الاشراف، چہارم، ص ۱۵۰۔

(۳۰۵) اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۰۵ : کتانی، اول، ص ۴۰۰۔

(۳۰۶) ابن اسحاق، ص ۲۸۶ : واقدی، ص ۱۲ : ابن سعد، دوم، ص ۹ : انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۷۔

(۳۰۷) واقدی، ص ۵۶۸ : ابن سعد، دوم، ص ۶۷۔

(۳۰۸) واقدی، ص ۵۷۰-۵۶۹ : ابن سعد، دوم، ص ۶۷ : نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۴۸۰، ۴۸۰، جس کا بیان ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے مویشی چرانے کے لیے مقرر کیا تھا۔

(۳۰۹) ابنِ اسحاق، ص ۴۸۶، حاشیہ ۱۔

(۳۱۰) واقدی، ص ۵۳۸-۵۳۹ : ابنِ سعد، دوم، ص ۸۰-۸۱ : انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۸ : نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۳۴۹۔

(۳۱۱) واقدی، ص ۴۲۵-۴۲۶۔ اس روایت کا بیان ہے کہ اس حمیٰ میں چرنے والے جنگی گھوڑوں کی تعداد خلافتِ فاروقی میں بہت بڑھ گئی تھی۔

(۳۱۲) اسد الغابہ، سوم، ص ۲۵۳۔

(۳۱۳) واقدی، ص ۳۰۷ ؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۹۔

(۳۱۴) معجم البلدان، پنجم، ص ۳۹۱ (ب)

(۳۱۵) ملاحظہ ہو محمد ایٹ مدینہ، ص ۴۸۔

(۳۱۶) ابن سعد، سوم، ص ۱۵۰۔ ان کا قطیعہ حضرت زبیر بن عوام کی بقیع نامی اراضی/ باغ اور بنو مازن کے قطعات کے درمیان واقع تھا۔

(۳۱۷) ایضاً، سوم، ص ۶۵۔ روایت کے مطابق حضرت عثمان کے ورثہ نے ان کا قطیعہ ترکہ میں پایا تھا اور ابن سعد کے زمانے میں انھیں کے قبضہ و تصرف میں تھا۔

(۳۱۸) ایضاً، ص ۳-۱۰۳۔

(۳۱۹) ایضاً، ص ۱۲۶ اور ۱۵۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے بھائی عتبہ کے قطائع مسجد نبوی کی پشت پر واقع تھے۔

(۳۲۰) ایضاً، ص ۱۳۹۔

(۳۲۱) ایضاً، ص ۱۶۱۔ صحابی موصوف کو ان کا قطیعہ بنو جدیلہ/ خزرج کے علاقے اور اراضی میں ملا تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس جگہ ان کو بسنے کی دعوت اسی قبیلہ کے مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب نے دی تھی۔

(۳۲۲) ایضاً، ص ۱۷۵۔ جیسا کہ معروف ہے کہ آپ کا گھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے متصل تھا اور مسجد نبوی میں اس کا ایک دروازہ کھلتا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۳۴۔

(۳۲۳) ایضاً، ص ۲۱۶

(۳۲۴) ایضاً، ص ۲۴۰۔

(۳۲۵) ایضاً، ص ۲۴۴۔ صحابی موصوف کو بنو زریق کے محلہ میں قطیعہ ملا تھا۔

(۳۲۶) ایضاً، ص ۲۵۰۔

(۳۲۷) ایضاً، ص ۲۷۲ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۳۴۔

(۳۲۸) ایضاً، ص ۳۹۶۔

(۳۲۹) ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۳۔

(۳۳۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۰-۹

(۳۳۱) ابن سعد، چہارم، ص ۲۳

(۳۳۲) واقدی، ص ۲۰

(۳۳۳) ابن سعد، سوم، ص ۱۰۴ ؛ چہارم، ص ۲۵۳ ؛ نیز ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۴۷، جن کا بیان ہے کہ حضرت زبیر کا قطیعہ حرہ کے شرج یعنی لاوا کے میدان کے کونے میں واقع تھا اور یہ مدینہ کے زرخیز ترین علاقوں میں سے تھا۔

(۳۳۴) ابن سعد، چہارم، ص ۳۱۳۔

(۳۳۵) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۲۳۔

(۳۳۶) اسد، پنجم، ص ۷۵۔

(۳۳۷) ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۴۴؛ یحیٰی بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۶۵۔

(۳۳۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۶-۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، ص ۵۳؛ ماوردی، الاحکام السلطانیۃ، قاہرہ، طبع (غیر مورخہ)، ص ۲۴۳؛ ابو داؤد، دوم، ص ۳۲۔

(۳۳۹) کتاب الخراج، ص ۶۷۔

(۳۴۰) اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۹۸۔

(۳۴۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۲۔ مویشی پالنے والے قبائل پر زکوٰۃ ان کے جانوروں پر عائد کی گئی تھی۔

(۳۴۲) ایضاً، ص ۱۴۲۔

(۳۴۳) ایضاً، ص ۱۴۰: نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۳۵۳، جنہوں نے ہشام بن محمد کلبی کی روایت پر بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذی مرکا علاقہ قطیعہ میں دیا تھا لیکن ابن سعد نے اس روایت کو شاذ بتا کر کہ انھوں نے اس کو کسی اور سے نہیں سنا اس کی کمزوری (ضعف) یا عدم صحت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

(۳۴۴) اسد الغابہ، پنجم، ص ۳۰؛ سوم، ص ۳۱۰ بالترتیب۔

(۳۴۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۹۔ (۳۴۶) مجموعہ، ص ۱۸۵۔

(۳۴۷) ایضاً، ص ۱۸۲۔ (۳۴۸) ایضاً، ص ۱۹۳۔

(۳۴۹) ایضاً، ص ۱۸۰، ۱۸۱-۲، ۱۸۴؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، مذکورہ بالا صحابہ کے تراجم اور سوانحی خاکے۔

(۳۵۰) ایضاً (۳۵۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۸۴ (۳۵۲) ایضاً

(۳۵۳) ایضاً، ص ۱۹۰ (۳۵۴) ایضاً، ص ۱۹۷ (۳۵۵) ایضاً، ص ۱۷۷-۸

(۳۵۶) ایضاً، ص ۱۸۸-۹ (۳۵۷) ایضاً

(۳۵۸) ابن سعد، چہارم، ص ۳۵۶؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، دوم، ص ۷۵۔

(۳۵۹) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۹۳۔

(۳۶۰) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۷۔

(۳۶۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۳۴-۵۳؛ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۲؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۴۲۷ وغیرہ جن کے مطابق حضرات میمون شامی اور ذوالجوشن الضبابی الکلابی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو شام اور حیرہ میں بالترتیب ان کی فتوحات سے قبل اقطاعات دئے گئے تھے۔

(۳۶۲) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۰-۷۳۔ کم از کم وہ ایسے ۸ قطائع کا ذکر کرتا ہے۔

(۳۶۳) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷۔

(۳۶۴) اسدالغابہ، پنجم، ص ۶۸۔
(۳۶۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷۔
(۳۶۶) مجموعۃ الوثائق، ص ۶ - ۶۵؛ نیز ملاحظہ ہو اسدالغابہ، چہارم، ص ۳۰۰۔
(۳۶۷) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۲۷۔
(۳۶۸) ایضاً، ص ۹ - ۶۸ (۳۶۹) ایضاً
(۳۷۰) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو اصابہ ترجمہ صحابی موصوف۔
(۳۷۱) ایضاً، ص ۱۶۵۔
(۳۷۲) یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۶۷۔ (۳۷۳) ایضاً، ص ۶۵۔
(۳۷۴) واقدی، ص ۳۷۹، ۶۹۳ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۲۲ وغیرہ۔
(۳۷۵) واقدی، ص ۴ - ۶۹۳، کا مزید بیان ہے کہ ان دونوں صحابہ کو مشترکہ طور سے تین سو وسق ملے تھے جن میں سے دو سو وسق حضرت فاطمہ کے لیے تھے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق ص ۵۲۲ جو واقدی سے اتفاق کرتے ہیں۔
(۳۷۶) واقدی، ص ۶۹۴، کا بیان ہے کہ حضرت اسامہ کو ایک سو پچاس وسق میں سے چالیس وسق شعیر کے ملے تھے اور پچاس وسق نوئی کے۔ جبکہ ابن اسحاق، ص ۵۲۲ کا بیان ہے حضرت اسامہ کو دو سو وسق ملے تھے جن میں سے پچاس وسق کھجوریں تھیں۔
(۳۷۷) واقدی، ص ۶۹۴ کا بیان ہے کہ ان کے ورثہ نے حضرت معاویہ کے ہاتھ ان کی خلافت کے زمانے میں کسی وقت اپنا طعمہ بیچ دیا تھا۔
(۳۷۸) واقدی، ص ۶۹۵، کے مطابق چالیس وسق ان کے دو بیٹوں کے لیے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۳ - ۵۲۲، جن کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ اور ان کی دو دختروں کو نوّے وسق ملے تھے جن میں سے چالیس وسق ان کے دو بیٹوں کے لیے تھے۔
(۳۷۹) واقدی، ص ۶۹۵، نے ان کے نام بھی گنائے ہیں۔
(۳۸۰) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۶ - ۱۱۵۔
(۳۸۱) ایضاً، ص ۲۳۔ (۳۸۲) واقدی، ص ۱۰۰۶
(۳۸۳) ملاحظہ ہو ماوردی، الاحکام السلطانیہ۔
(۳۸۴) واقدی، ص ۶۹۷، ۶۹۸ اور ۶۹۹ نے طعمہ کے وراثت میں منتقل ہونے کے کئی واقعات کا ذکر کیا ہے۔
(۳۸۵) ایضاً، ص ۸ - ۶۹۷

باب ششم

(۱) ابن سعد، اوّل، ص ۲۲۰ : زبیری، نسب قریش، ص ۲۵۴ ؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۸ - ۹ ؛ نیز باب اول۔

(۲) ابن سعد، اول، ص ۲۲۰ ؛ فتوح البلدان، ص ۲۰۔

(۳) ابن اسحاق، ص ۲۰۰ ؛ واقدی، ص ۱۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱ ؛ طبری، دوم، ص ۴۱۳ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے باب اول اور پنجم۔

(۴) باب پنجم بحث بر زرفدیہ اسیران بدر۔

(۵) ملاحظہ کیجئے باب دوم بحث بر اسلام قبائل عرب۔ یہاں اس قسم کی دعوت کی چند مثالیں کافی ہوں گی۔ حضرت دعثور بن حارث، ذات بن حیان عجلی، بنوکلب دومۃ الجندل، بنو مصطلق وغیرہ نے مہمات ذوامر، قردہ، دومۃ الجندل اور مریسیع کے دوران اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے علاوہ بہت سے دوسرے تھے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۳۵ - ۶ ، ۶۲ ، ۶۴ - ۵۔

(۶) ابن اسحاق، ص ۷۴۵ وغیرہ ؛ واقدی، ص ۵۰۸ وغیرہ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۴ وغیرہ اور طبری، سوم، ص ۳۵ وغیرہ۔

(۷) باب دوم۔ باب اول بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۸) ابن اسحاق، ص ۶۵۱ - ۲ ؛ واقدی، ص ۱۱۰۳ - ۸ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۸۳ وغیرہ ؛ طبری، سوم، ص ۱۵۰ - ۲۔

(۹) ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۸۹ ، ۱۲۳ ، ۱۴۷ ، ۱۶۹ - ۷۰ ؛ نیز ملاحظہ ہو باب دوم۔

(۱۰) ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۴۲ ، جس کے مطابق خیبر کی مہم کے بعد حضرت محیصہ بن مسعود نے فدک کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تھی ؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۳۴۴۔

(۱۱) ابن اسحاق، ص ۶۷۲ وغیرہ ؛ ابن سعد، ص ۸۹ ، ۱۴۷ ، ۱۷۸ وغیرہ۔

(۱۲) ملاحظہ ہو باب دوم متعلقہ مباحث۔

(۱۳) ابن اسحاق، ص ۳۳۴ - ۴ ؛ واقدی، ص ۴۴۵ - ۵۱ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵ - ۴ ؛ طبری، دوم، ص ۵۵ - ۵۴۵ ؛ نیز باب دوم۔

(۱۴) ابن اسحاق، ص ۳۳ - ۴۲۶ ؛ واقدی، ص ۶۲ - ۳۵۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶ - ۵۵ ؛ طبری، دوم، ص ۴۲ - ۵۳۸۔

(۱۵) ملاحظہ ہو ضمیمہ چہارم (الف) جس کے مطابق حضرت خالد بن ولید نے عزّیٰ کو، حضرت عمرو بن عاص نے سواع کو،

حضرت سعد بن زید نے مناۃ کو اور حضرت ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ نے لات کو تباہ کیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت طفیل بن عمرو نے اپنے قومی بت ذوالکفین کو اور حضرت علی بن ابی طالب نے طے کے صنم کدہ الفلس کو برباد کیا تھا۔

(۱۶) فتوح البلدان، ص ۸۹؛ ابن سعد، اوّل، ص ۶۳ - ۲۶۲ بالترتیب۔

(۱۷) ابن ہشام، سوم، ص ۴۲۹، ۵۹۲؛ طبری، سوم، ص ۸ - ۱۲۶؛ اسد، چہارم، ص ۹ - ۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو بخاری، صحیح، کتاب المغازی؛ نیز باب دوم۔

(۱۸) ابن ہشام، سوم، ص ۱۴۶؛ واقدی، ص ۸۳ - ۱۰۷۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۰ - ۱۶۹؛ طبری، سوم، ص ۲ - ۱۳۱؛ نیز بخاری، مذکورہ بالا۔

(۱۹) طبری، سوم، ص ۱۰۷؛ نیز ملاحظہ ہو ضمیمہ چہارم - الف۔

(۲۰) باب چہارم ملاحظہ کیجئے۔

(۲۱) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۲۳، ۲۹، ۴۱، ۹۴، ۴ - ۵۳، ۶ - ۵۵، ۶۹، ۱۰۸ وغیرہ؛ نیز باب چہارم بحث بر سفراء نبوی۔ (۲۲) ایضاً

(۲۳) اسدالغابہ، اول، ص ۲۷۹، دوم، ص ۳۴۲ اور چہارم، ص ۱۳۱؛ نیز باب دوم و سوم۔

(۲۴) باب چہارم (۲۵) ایضاً (۲۶) ایضاً (۲۷) طبری، سوم، ص ۱۰۷۔

(۲۸) قرآن کریم، سورہ توبہ، آیت ۴۲ - ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی رح

(۲۹) قرآن کریم، سورہ حجرات، آیت ۱۴۔

(۳۰) ابن سعد، اول، ص ۲۲۰؛ زبیری، ص ۲۵۴؛ فتوح البلدان، ص ۲۰؛ اسد، اول، ص ۲ - ۱۷۱؛ چہارم، ص ۹ - ۳۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۲۰ - ۱۱۶، ۱۲ - ۶۰۸؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۵۲؛ نیز دیکھئے ابن اسحاق، ص ۲۰۱ - ۱۹۹۔

(۳۱) بخاری، صحیح، باب الہجرۃ۔

(۳۲) ابوداؤد، سنن، ص ۱۲۹، بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۹۰ - نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۰۔

(۳۳) احمد بن حنبل، مسند، سوم، ص ۱۳۷ بحوالہ شبلی نعمانی، دوم، ص ۹۰۔

(۳۴) واقدی، ص ۳۴۴ کا بیان ہے کہ انصار میں ستر نوجوان اتنے پڑھے لکھے تھے کہ وہ القراء (جمع قاری) کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اس کے لفظی معنی تو پڑھنے والے کے ہیں لیکن اصطلاح میں وہ عالم اور معلم کے معنی میں مستعمل تھے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۵۲، ۵۶؛ طبری، دوم، ص ۵۴۸، ۹ - ۵۴۵؛ نیز دیکھیے بخاری، غزوۂ بئر معونہ۔ اس کے علاوہ شہداء بئر معونہ و رجیع کے سوانحی خاکے ملاحظہ کیجئے ابن سعد، جلد سوم میں۔

(۳۵) ملاحظہ کیجئے ابن سعد، چہارم، ص ۱۴ - ۳۲۵۔
(۳۶) بخاری، فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۳۷) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۴ - ۴۰۔ (۳۸) ایضاً
(۳۹) زبیری، نسب قریش، ص ۱۷۴ ؛ جمہرۃ انساب العرب، ص ۷۳۔
(۴۰) کتاب المحبر، ص ۲۸۹۔ (۴۱) ابن سعد، سوم، ص ۵۱۳۔
(۴۲) بحوالہ کتانی، اول، ص ۴۰ - ۴۴۔ یہاں عہد صدیقی کے آغاز ہی میں جنگ یمامہ میں بڑی تعداد میں قراء کی شہادت پر حضرت عمر بن خطاب کے خدشہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس روایت سے بالواسطہ سہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم سات سو حافظ قرآن صحابہ اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ بہت سے حافظ و عالم مسلمان اس وقت بھی زندہ تھے۔ اور یہ سب کے سب عہد نبوی کے ساختہ و پرداختہ اور تعلیم و تربیت یافتہ تھے ملاحظہ ہو طبری، سوم، ص ۲۸۵ وغیرہ۔
(۴۳) بحوالہ شبلی نعمانی، دوم، ص ۸۸۔
(۴۴) بخاری، صحیح، باب رحمۃ البہائم۔
(۴۵) ابن سعد، پنجم، ص ۴۶۵ ؛ المعارف، ص ۳۴۸۔
(۴۶) ابن سعد، چہارم، ص ۴ - ۳۴۳ کا بیان ہے کہ جہینہ کے ایک نو مسلم حضرت عقبہ بن عامر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ بیعت ہجرت کریں گے یا بیعت عربیت۔ انھوں نے بیعت ہجرت کو پسند کیا اور مدینہ میں آکر بس گئے۔ دوسری کئی مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے بدوی عربوں نے بیعت عربیت کی تھی۔ چنانچہ ان کو کچھ دنوں تک مدینہ میں تعلیم دے کر رخصت کر دیا گیا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹-۸۵ اور ۳-۲۴۲۔
(۴۷) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا۔
(۴۸) بخاری، صحیح، غزوۂ فتح مکہ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابو داؤد اور نسائی، کتاب الصلوٰۃ۔
(۴۹) طبری، سوم، ص ۲۸۲۔
(۵۰) ابن ہشام، سوم، ص ۵۰۰ ؛ واقدی، ص ۸۸۹ اور ۹۵۹ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۴۷ ؛ طبری، سوم، ص ۹۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن خلدون، اول، ص ۸۱۸ ؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۸ - ۳۷۷ ؛ پنجم، ص ۹ - ۳۰۸ ؛ کتانی، اول، ص ۴۳۔
(۵۱) واقدی، ص ۲ - ۹۳۱۔
(۵۲) ملاحظہ کیجئے باب چہارم بحث بر ولاۃ رسول۔

(۵۳) مجموعۃ الوثائق، ص ۳-۱۰۲، نے حضرت خالد کے مکتوب بنام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ "میں ان کے (بنو الحارث) کے درمیان مقیم ہوں اور ان کو اس چیز کا حکم دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے لیے فرض قرار دی ہے اور اس سے منع کرتا ہوں جو اس نے حرام بتائی ہے۔ اور ان کو اسلام کی بنیادی تعلیمات (معالم الاسلام) اور سنتِ نبوی سکھاتا ہوں۔"

(۵۴) ملاحظہ ہو باب پنجم، بحث بر صدقات۔

(۵۵) ایضاً (۵۶) ایضاً

(۵۷) ملاحظہ ہو باب پنجم بحث بر اموال غنیمت/خمس۔

(۵۸) اسد الغابہ، دوم، ص ۲۲۲؛ طبری، دوم، ص ۵۱۶ کے مطابق یہ واقعہ ۹ھ/ ۶۳۰-۶۳۱ء کا ہے۔

(۵۹) حضرت ابو ہریرہ کی سند پر موطا میں ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ دو آدمیوں نے اپنے ایک مقدمے کے بارے میں مدینہ کے بعض اہلِ علم کی رائے جاننے کے بعد معاملہ دربارِ رسالت میں پیش کیا۔ غالباً ان دونوں فریقین کو یا ان میں سے کسی ایک کو "مدنی اہلِ علم" سے اتفاق یا اس پر اطمینان نہ تھا اسی لیے اس نے مقدمہ عدالتِ نبوی میں پیش کیا تھا۔ بہرحال اس سے "مدینہ میں ایسے اہلِ علم کی موجودگی عہدِ نبوی میں ثابت ہوتی ہے جو مذہبی امور پر اپنی رائے دے سکتے تھے یا قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کر سکتے تھے"؛ ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۵۱۔

(۶۰) ملاحظہ ہو باب چہارم، بحث بر والیانِ رسول۔

(۶۱) ابن سعد، دوم، ص ۳۳۵، ۳۴۰، ۳۴۸، ۳۵۰۔ اگرچہ ابنِ سعد نے مفتیانِ عہدِ نبوی کی تعداد صرف چھ بیان کی ہے لیکن دوسری روایت میں دو نئے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں روایتیں مفتیوں کی "زیادہ سے زیادہ حد" کو متعین نہیں کرتی ہیں بلکہ ان کے مختلف طبقات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۷۷ صرف چھ اشخاص کا ذکر کرتی ہے اور حضرات ابوبکر اور عبد الرحمٰن بن عوف کا کوئی حوالہ نہیں دیتی ہے۔

(۶۲) الطالقر، بحوالہ کتانی، اول، ص ۵۶۔

(۶۳) کتانی، اول، ص ۵۷۔ (۶۴) ایضاً، ص ۵۸۔ (۶۵) ایضاً۔

(۶۶) ابن سعد، سوم، ص ۶۰۹، کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرات سہل اور سہیل فرزندان رافع بخاری (بنو غنم بن مالک) کے مربد (باڑے) میں ایک مسجد بنالی تھی جہاں وہ پنجوقتہ نمازوں کی امامت کرتے تھے۔ بعد میں اسی جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باقاعدہ مسجد تعمیر کی تھی؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۰۰-۱۹۹۔

(۶۷) ایضاً (۶۸) ایضاً (۶۹) اسد الغابہ، دوم، ص ۵۶۔

(۷۰) ابن اسحاق، ص ۱۹۹؛ بخاری اور ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ۔

(۷۱) بخاری، صحیح، کتاب الصلوٰۃ۔ ان مساجد کا حوالہ اس فصل میں ملتا ہے جس میں امام بخاری نے اس مسئلہ پر بحث

کی ہے کہ آیا مساجد کو انسانوں کے نام سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

(۷۲) ایضاً۔ اس مسجد کے سلسلہ میں دلچسپ روایت آتی ہے جو حضرت انس بن مالک کی سند پر بیان ہوئی ہے۔ اس کے مطابق ایک بار بنو عمرو بن عوف نے اپنی مسجد میں عصر کی نماز اس وقت پڑھی تھی جبکہ وہ مسجد نبوی میں ہو چکی تھی۔

(۷۳) واقدی، ص ۱۰۴۶، ۱۰۴۸ اور ۱۰۷۳؛ بخاری، کتاب الصلوٰۃ۔ (۷۴) ایضاً

(۷۵) اسد الغابہ، سوم، ص ۶۰ - ۲۵۹؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۵۰۵؛ ابو داؤد اور نسائی، کتاب الصلوٰۃ؛ واقدی، ص ۱۰۴۶، جن کا خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبا میں واقع تھی۔

(۷۶) اسد، سوم، ص ۲۳۷۔

(۷۷) بخاری، صحیح، کتاب الصلوٰۃ۔ (۷۸) ایضاً

(۷۹) ایضاً۔ بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۹۲؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۷۷، کا بیان ہے کہ ان تمام نو مسجدوں میں نماز پنجگانہ حضرت بلال کی اذان پر ہوتی تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف حضرت بلال ہی موذن مدینہ نہیں تھے اور نہ ہی ان کی آواز پورے مدینہ میں سنی جا سکتی تھی بلکہ ان کی اذان دوسری مساجد کے لیے علامت تھی کہ نماز کا وقت ہو چکا اور ان کے اپنے موذن اذان دیتے اور ان کے اپنے امام نماز پڑھاتے تھے۔

(۸۰) ابن سعد، چہارم، ص ۵۴۳۔

(۸۱) ایضاً بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۹۲۔ ان تمام مساجد میں سے واقدی نے صرف مسجد الفضیخ کا حوالہ دیا ہے جو بنو خطمہ کے محلہ (فضاء) یا میدان میں واقع ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ ملاحظہ ہو کتاب المغازی، ص ۳۷۱۔

(۸۲) نسائی، سنن، کتاب المساجد؛ نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، دوم، ص ۹۳۔

(۸۳) ملاحظہ ہو باب دوم بحث بر اسلام عبدالقیس۔

(۸۴) ابن سعد، پنجم، ص ۶۴۴؛ نسائی، کتاب الصلوٰۃ، شبلی نعمانی، دوم، ص ۹۸۔

(۸۵) ابن سعد، پنجم، ص ۹ - ۵۰۸؛ نیز ملاحظہ ہو باب چہارم بحث بر والیانِ رسول۔

(۸۶) فتوح البلدان، ص ۸ - ۸۷؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۰۳۔

(۸۷) ملاحظہ ہو باب چہارم بحث بر ولاۃ نبوی۔

(۸۸) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۸۸۔

(۸۹) ایضاً، باب الامامۃ۔

(۹۰) واقدی، ص ۷ - ۸۷۵، ۸۸۲۔ (۹۱) ایضاً، ص ۹۸۰۔

(۹۲) واقدی، ص ۹۹۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۵۔

(۹۳) واقدی، ص ۷۷۱، کا بیان ہے کہ ذات السلاسل کی مہم کے دوران جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح کمک لے کر پہنچے تو حضرت عمرو بن العاص امیر لشکر ہی نے اپنے عہدہ کے سبب نمازوں کی امامت کی تھی۔

(۹۴) واقدی، ص ۱۰۱۲؛ زبیری، ص ۲۶۵؛ اصابہ ۵۱۷۹۔

(۹۵) طبری، سوم، ص ۷-۱۹۶؛ بخاری، باب بدء الاذان۔

(۹۶) بخاری، باب، بدء الاذان؛ مسلم، نسائی اور ترمذی، باب الاذان۔ روایات میں اس پر اختلاف ہے کہ اذان کی تجویز کس نے دربار رسالت میں پیش کی تھی۔ بخاری کے مطابق حضرت عمر نے اور دوسروں کے مطابق حضرت عبداللہ بن زید نے یہ تجویز پیش کی تھی۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶-۲۳۵ جو بعد کے صحابی کا نام بیان کرتے ہیں؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المعارف، ص ۳۶۹۔

(۹۷) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۳۶؛ المعارف، ص ۳۶۹ اور ابن سعد، سوم، ص ۲۳۴۔

(۹۸) ابن سعد، اول، ص ۲۴۸؛ سوم، ص ۲۳۴؛ اسد، اول، ص ۹-۲۰۶۔

(۹۹) بخاری، باب مواقیت الصلوٰۃ۔

(۱۰۰) مآخذ مذکورہ بالا در باب حضرت بلال۔

(۱۰۱) ابن سعد، سوم، ص ۲۳۴؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد اول، ص ۲۴۸؛ المعارف، ص ۷۱-۳۷۰؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۲۔

(۱۰۲) بخاری، باب مواقیت الصلوٰۃ۔

(۱۰۳) زبیری، ص ۳۹۹؛ المعارف، ص ۳۰۶؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، پنجم، ص ۴۵۰، جن کی بیان کردہ ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابومحذورہ حضرت بلال حبشی کے ساتھ مکہ کی فتح کے بعد مسجد حرام میں اذان دیا کرتے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد بھی وہ وہاں اذان دیتے رہے تھے۔

(۱۰۴) ابن سعد، پنجم، ص ۴۵۰ کا بیان ہے کہ ان کے اپنے زمانے میں (تیسری صدی ہجری کے وسط میں) حضرت ابومحذورہ جمحی کے ورثہ ہی مسجد حرام میں اذان کے ذمہ دار تھے۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۳۹۹؛ المعارف، ص ۳۰۶؛ الفاکہی، مذکورہ بالا، ص ۱۲؛ اسد، پنجم، ص ۲۹۲۔ فاکہی اور زبیری دونوں کا بیان یہ ہے کہ ان کے ورثہ کے ختم ہو جانے کے بعد اذان کی خدمت ربیعہ بن سعد جمحی کے خاندان اور ورثہ میں منتقل ہو گئی تھی۔

(۱۰۵) اسد الغابہ، دوم، ص ۳-۲۸۲۔

(۱۰۶) المعارف، ص ۲۵۸ اور ۷۱-۳۷۰؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۷۷، جن کا بیان ہے کہ ان کے وارثین نے امام شافعی (۷۶۸ تا ۸۲۰ء) کے زمانے تک یہ خدمت انجام دی تھی۔

(۱۰۷) اسد الغابہ، سوم، ص ۲۲۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے کتانی اول، ص ۷۶، جو ان کو "برموی" کہتے ہیں۔

(۱۰۸) ایضاً، ص ۴۷۔

(۱۰۹) ایضاً۔ صحابی موصوفؓ نے حضرت بلال حبشی کی عدم موجودگی میں ایک بار فجر کی اذان کہی تھی اور نمازِ فجر کی اقامت بھی۔

(۱۱۰) ایضاً، ص ۷۶۔ (۱۱۱) ایضاً (۱۱۲) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۲۱۔

(۱۱۳) ازرقی، کتاب اخبار مکہ، ص ۸ - ۱۲۷۔ ازرقی کا یہ بیان بڑا دلچسپ ہے کہ ۸ھ/ ۶۳۰ء میں فتح مکہ کے سال حج فرض نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس برس حج جاہلی روایات و تقویم کے مطابق ذی قعدہ میں منعقد ہوا تھا اور مسلمانوں نے ان روایات کے مطابق حضرت عتاب کی امارت میں قدیم غیر مسلم عربوں کے ساتھ ادا کر لیا تھا۔

(۱۱۴) ابن سعد، پنجم، ص ۴۴۶ : کتاب المحبر، ص ۱۱؛ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، سوم، ص ۵۰۰؛ واقدی، ص ۹۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۷ : طبری، سوم، ص ۳۷؛ فتوح البلدان، ص ۵۳؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۹-۳۵۸؛ کتانی، اول، ص ۱۰۹۔

(۱۱۵) ابن ہشام، سوم، ص ۵۴۵ : واقدی، ص ۸ - ۱۰۷۷ : ابن سعد، دوم، ص ۱۶۸؛ طبری، سوم، ص ۳ - ۱۲۲؛ نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب الحج۔

(۱۱۶) ایضاً۔ بخاری کا بیان ہے کہ اعلان حضرت ابوبکر صدیق نے کیا تھا۔

(۱۱۷) سورۃ التوبہ، آیت ۲۸۔

(۱۱۸) بخاری، حجۃ الوداع : ابن اسحاق، ص ۵۲ - ۶۴۹؛ واقدی، ص ۱۰۸۸ وغیرہ : ابن سعد، دوم، ص ۱۷۲ وغیرہ؛ طبری، سوم، ص ۱۴۸ وغیرہ۔

(۱۱۹) مسلم اور ابوداؤد، حجۃ الوداع؛ کتانی، اول، ص ۱۰۹۔

(۱۲۰) بخاری، مذکورہ بالا؛ واقدی، ص ۵۴۸۔

(۱۲۱) ابن اسحاق، ص ۶۵۲؛ طبری، سوم، ص ۱۵۱۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ جملہ در جملہ دہراتے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۷۰۔

(۱۲۲) ایضاً۔ حجۃ الوداع؛ نیز کتانی، اول، ص ۷۱۔

(۱۲۳) اسد الغابہ، اول، ص ۲-۱۴۱۔

(۱۲۴) طبری، دوم، ص ۶۲۴ کے مطابق ان کے والد کا نام عمیر تھا۔

(۱۲۵) واقدی، ص ۵۲۲، ۵۳۲، ۱۰۷۷، ۱۰۹۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱، ۱۶۳، ۱۶۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے طبری، دوم، ص ۶۲۴ اور اسد الغابہ، پنجم، ص ۴۔ صاحب البدن کے کام اور اس کی نوعیت کے سلسلہ میں کتانی، اول، ص ۱۱۰ نے موطا امام مالک اور نسائی کی روایات بیان کی ہیں۔

(۱۲۶) بخاری، صحیح، کتاب الحج۔

(۱۲۷) اسد الغابہ، دوم، ص ۸۷۴ اور چہارم، ص ۹۲۔

(۱۲۸) جمہرہ، ص ۱۷۶؛ اصابہ ۲۱۷۰۔

(۱۲۹) واقدی، ص ۸۳۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۷؛ نیز دیکھئے ابن سعد، چہارم، ص ۲۵؛ بخاری، کتاب الحج؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۱۲-۱۰۹۔

(۱۳۰) ملاحظہ ہو میرا مضمون مذکورہ بالا، برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء۔

(۱۳۱) واقدی، ص ۸۳۷-۸۳۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۷؛ بخاری، کتاب الصلوٰۃ؛ اسد، سوم، ص ۳۷۲؛ زبیری، ص ۲-۲۵۱؛ موخر الذکر کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کلید حضرات طلحہ بن عثمان اور شیبہ بن عثمان کو عطا فرمائی تھیں اور باقی بنو عبدالدار کو اس سے محروم رکھا تھا نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۲-۱۱۰

(۱۳۲) ایضاً۔

(۱۳۳) واقدی، ص ۲۴۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱؛ اسد، اول، ص ۲۱۴۔

(۱۳۴) ایضاً؛ نیز خاکسار کا مضمون محولہ بالا در حاشیہ ۱۳۰۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (الانعام ۴۵)
اس طرح جڑ کاٹ دی گئی اُن لوگوں کی جو ظلم کرتے تھے ۔



عہدِ نبویؐ کی ابتدائی مہمیں

عہدِ نبویؐ کی ابتدائی مہمیں

——— محرکات، مسائل اور مقاصد

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرتِ نبویؐ کے اوّلین مؤلف ابن اسحاق اور مغازی نگاروں کے سرخیل واقدی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی مہموں کے بارے میں جو نقطۂ نظر اپنے زمانے میں متعین کر دیا تھا وہ بعد کے دوسرے تمام سیرت نگاروں اور مغازی نویسوں نے بلا تحقیق و تنقید قبول کر لیا۔ ابتدائی مؤلفین سیرت و مغازی بنیادی طور پر اپنے پیشرو "راویوں" اور "اخباریوں" کی "روایات" اور "اخبار" کے پابند تھے۔ اور وہ اپنے پیشرؤوں کے طے کردہ خطوطِ فکر و نظر سے ہٹنا بدعت تصور کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو فکری رخ ابتدائی رواۃ و اخباریوں نے اپنی دانست میں صحیح سمجھ کر آنے والی نسلوں کے لیے متعین کیا تھا وہ دوسری اور تیسری صدیوں کے جامعین سیرت و تاریخ کی تحریروں میں انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ اس میں ابتدائی راویوں اور اخباریوں کی کسی بدنیتی یا غلط بیانی کو عموماً دخل نہیں تھا بلکہ اس کی ذمہ داری دراصل ان کے غیر مورخانہ اور غیر تنقیدی طرزِ روایت و نگارش پر عائد ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک راوی یا اخباری کا فرض بس یہ تھا کہ اس تک پہونچنے والی روایت کو جوں کا توں بیان کر دے۔ ابتداً تاریخ نگاریِ اسلام میں تو راویوں کی شخصیت، دیانت اور ثقاہت وغیرہ کو بھی نہیں پرکھا جاتا تھا لیکن جب مختلف، متصادم اور موضوع روایات ایک ہی واقعہ یا معاملہ کے بارے میں ان کے سامنے آئیں تو اصل منبعِ روایت تک کسی روایت کو جاننے اور بتانے کا اصول وضع کیا گیا اور سند کا سلسلہ شروع ہوا لیکن اس کے بعد بھی صرف توجہ اس پر مرکوز رہی کہ راویوں کے ثقہ اور قابلِ اعتماد ہونے کا یقین کر لینے کے بعد روایت کو بیان کر دیا جائے۔ اس کے سوا نہ تو متنِ روایت کو تنقید کی کسوٹی پر کسا جاتا تھا اور نہ ہی درایت کے دوسرے اصولوں پر حتّٰی کہ راوی اپنی رائے دینے سے بھی اجتناب کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی کتبِ تاریخ و سیرت میں ایک ہی واقعہ یا معاملہ کے بارے میں متعدد اور بسا اوقات متصادم روایات و اخبار جمع ہو گئے اور دوسرے جو نقطۂ نظر یا نقطہ ہائے نظر شروع میں متعین ہو گئے تھے، غلط یا صحیح طور پر وہ بعد کے مؤلفوں کے یہاں راہ پا گئے جو بقول ابن خلدون محض ناقابل اور متطفلوں (بچکانہ ذہن و دماغ والے) تھے۔

ابتدائی راویوں اور ان کی اتباع میں ابتدائی مؤلفین سیرت و مغازی نے بنیادی طور سے ہجرت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر تحریک کو عام طور سے اور ابتدائی مہموں کو خاص طور سے قریش مکہ کی اسلام سے عداوت کے پس منظر میں دیکھا اور سمجھا ہے۔ وہ صحیح سمجھتے تھے کہ قریش مکہ مدینہ میں اسلام کے کسی مذہبی، سیاسی اور فوجی نظام کو پنپنے نہیں دیں گے کیونکہ وہ اشراف مکہ کی سیاسی اور مذہبی بالادستی کے خاتمے کے مترادف ہوتا۔ عداوت قریش کے اس پس منظر میں اخباریوں نے یہ خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جو بھی سیاسی یا فوجی کارروائی کی یا کرنی چاہی وہ دراصل قریش کے عداوتِ اسلام کے بطن سے پیدا ہونے والی ممکنہ کارروائیوں کی پیش بندی تھی۔ چنانچہ اپنے اس خیال کے مطابق انھوں نے یہ سمجھا کہ ہجرت

کے بعد اور غزوۂ بدر سے پہلے سترہ اٹھارہ مہینوں کے عرصے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ارد گرد کے علاقوں میں جو سیاسی اور فوجی حکمت عملی اختیار کی تھی اس کا اصل نشانہ قریشی کارواں تھے جو مدینہ کے قریب سے گذرنے والی بین الاقوامی شاہراہ تجارت پہ ہر سال شام اور دوسرے شمالی علاقوں کو جایا کرتے تھے۔

جدید مؤرخین نے عام طور سے اور مغربی مؤرخین نے خاص طور سے مآخذ اسلامی کے متعین کردہ نقطۂ نظر کی روشنی میں ان ابتدائی مہموں کی تاریخی تشریح و تعبیر کا کام شروع کیا اور ان کے اسباب و عوامل، مسائل و وسائل اور مقاصد و محرکات کی چھان بین کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ مدینہ ایک چھوٹی سی بستی تھی جو خالی ہاتھ آنے والی کثیر مہاجر آبادی کا بوجھ نہیں برداشت کر سکتی تھی۔ چنانچہ ان مہاجرین کی معاشی اور اقتصادی ضروریات کی فراہمی کے لیے پیغمبر اسلام نے عربوں کے قدیم اور مسلمہ طریق غارت گری یعنی "رزیہ" کو اختیار کیا کہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ قریش مکہ کے تجارتی کارواں سے بڑھ کر اور کون سا فوری اور مفید ذریعۂ آمدنی تھا چنانچہ ان کاروانوں پہ چھاپے مارنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے بعد میں کچھ ایسے واقعات بھی پیش آگئے جن سے اس تاثیر یا نتیجہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ مغربی مصنفین و مؤرخین نے پہلے دور میں چونکہ اسلام کا مطالعہ یہودیت اور اسلام یا عیسائیت اور اسلام کی مذہبی اور سیاسی آویزش کے پس منظر میں کیا تھا اس لیے انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام پہ شدید اور بسا اوقات متعصبانہ و مخالفانہ حملے کیے اور اسلامی غزوات و سرایا کو عموماً اور ابتدائی مہموں کو خصوصاً قبل اسلام عرب کے "رزیوں" یا لوٹ مار کے حملوں اور چھاپوں کے مماثل قرار دیا اور مسلمانوں اور ان کے پیغمبر کو ایک غارتگر جماعت کے روپ میں پیش کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ مطالعہ معاندانہ تھا اور اسلامی تاریخ و تہذیب کو مسخ کرنے کی نیت سے کیا گیا تھا۔ ہمارے موجودہ عہد میں خاص کر بیسویں صدی کے وسط میں جب مغربی مصنفوں اور مستشرقوں نے اسلام کا مطالعہ معروضی اور سائنٹیفک بنیادوں پہ کرنے کا دعویٰ کیا تو ان مہموں کے دوسرے سماجی اور سیاسی محرکات و مقاصد تلاش کیے لیکن بنیادی طور پر ابتدائی مہموں کے بارے میں ان کے یہاں بھی اولیت اقتصادی محرکات و عوامل کو حاصل رہی جس کی داغ بیل ان کے پیشرؤوں نے ڈالی تھی البتہ یہ ضرور ہوا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پہ معاندانہ حملوں سے گریز کیا گیا اور ذمہ داری انسانی طمع و حرص اور لٹیرانہ ذہنیت سے حالات و زمانہ کی اقتصادی مجبوریوں اور معاشی محرکات کی طرف منتقل کر دی گئی۔ یعنی ابتدائی مہموں کو لوٹ مار اور غارت گری کی پرانی کارروائیوں کی ہی رہی البتہ مسلمان اس کے لیے کسی حرص و ہوس کی وجہ سے ذمہ دار نہ تھے بلکہ حالات ذمہ دار تھے۔ جدید مغربی مؤرخین میں سے اکثریت اسی نقطۂ نظر کی حامی ہے لیکن اب بھی کوئی نہ کوئی ان مہموں کی پرانی تشریح و تعبیر کو اپنا مذہبی اور ملی فرض سمجھ لیتا ہے۔

ہمارے مشرقی اور مسلم جدید مؤرخین کی اکثریت جدید مغربی مؤرخین کے نقطۂ نظر کو قبول کرتی ہے لیکن تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔ ان کا خیال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اصلاح امت کے کام کے بعد قریش مکہ کے خلاف ایک جارحانہ یا اقدامی پالیسی اختیار کی اور اس کا پہلا اظہار ان ابتدائی مہموں کی شکل میں ہوا یعنی آپ نے ہجرت اور غزوۂ بدر کے درمیان سات آٹھ فوجی مہمیں ترتیب دیں جن کا اصل نشانہ قریشی کارواں تھے لیکن مقصد ان کا لوٹنا نہیں تھا بلکہ اشراف مکہ کے ذہنوں پہ یہ نقش

مرتسم کرنا تھا کہ اسلامی ریاست ایک فوجی اور سیاسی طاقت تھی جس کے ساتھ ان کو کسی قسم کی مصالحت یا مفاہمت کرنا ناگزیر ہوگا۔ یہ مفاہمت اور مصالحت اس مقصد سے کی جا رہی تھی کہ عداوت اور دشمنی کا دور ختم ہو اور دوستی اور بھائی چارے کے زمانے کا آغاز ہو کیونکہ اسلام کا اصل پیغام یہی ہے۔ اس طرح ان مسلم مؤرخین کے نزدیک ان ابتدائی مہموں کا مقصد یہ تھا کہ اقتصادی دباؤ ڈال کر مکیوں کو سیاسی مفاہمت پر مجبور کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس نقطہ نظر کے مطابق بھی ابتدائی مہموں کا اصل نشانہ قریشی کارواں ہی تھے چاہے ان کا مقصد ان کو لوٹنا رہا ہو، محض اقتصادی دباؤ ڈالنا رہا ہو۔

ان جدید مسلم مشرقی مورخین کے علاوہ خال خال کچھ ایسے بھی مسلمان سیرت نگار پائے جاتے ہیں جنہوں نے ابتدائی مہموں کو ان کے صحیح تناظر میں سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کا طرز نگارش و طریق استدلال یا تو معذرت خواہانہ اور دفاعی ہو گیا ہے یا انہوں نے اپنی رائے کو دلائل و براہین سے مستحکم نہیں کیا ہے۔ ضرورت تھی کہ ان مہموں کا ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا جائے تاکہ ان کے محرکات، مسائل اور مقاصد کی نشاندہی کی جائے اور واضح کیا جائے کہ آیا ان مہموں کا مقصد لوٹ مار و غارت گری تھی تاکہ ننگے بھوکے مہاجرین کی مادی ضروریات پوری کی جا سکیں یا قریش مکہ کو اقتصادی طور پر زک پہونچانا اور سیاسی اشتعال دلانا تھا کہ آئندہ کے لیے فوجی اقدام کا راستہ کھل جائے اور اس کی ذمہ داری مکیوں پر ہی رہے۔ یا محض اقتصادی دباؤ ڈال کر ان کو سیاسی مفاہمت پر مجبور کیا جائے اور اس طرح عرب دنیا میں اسلام اور مکی اشرافیہ باہمی مفاہمت کے سائے میں دو الگ الگ اور خود مختار اکائیوں کی طرح جئیں اور جینے دیں یا ان تمام صورتوں سے الگ ان مہموں کی کوئی اور تشریح و تعبیر کی جا سکتی ہے جو ان کی اصل نوعیت اور ماہیت کو اجاگر کرتی ہے اور جو اسلامی تعلیمات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و مزاج اور اسلامی تہذیب سے میل کھاتی ہے کیوں کہ موجودہ تمام تعبیرات و تشریحات تمام اسلامی اصولوں اور اقدار کی نفی کرتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ماخذ میں مذکور بعض اہم حقائق سے بھی ان کی تائید نہیں ہوتی اور ان پر بعض شدید اور اہم اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن سے ذہنوں میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مہموں کا محرک اور مقصد کچھ اور تھا جو ابھی تک پوری طرح سے واضح نہیں ہوا ہے۔ یہ مضمون اسی ضرورت کی تکمیل ہے۔

۱۔ پہلی مہم :-

مغازی نگاروں کے سالار واقدی کا بیان ہے کہ مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کے چھ ماہ کے اندر پہلی مہم (سریہ) ترتیب دی جو ایک نواحی علاقے میں بھیجی گئی تھی اور ہجرت کے تقریباً اٹھارہ ماہ کے اندر سات مزید مہمیں منظم کی گئی تھیں۔ ان میں چار سرایا اور چار ہی غزوات تھے اور انہیں مہموں کو ابتدائی مہموں کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اسلامی ریاست کی تشکیل کے آغاز میں اور غزوۂ بدر سے پہلے واقع تھیں۔ محمد بن حبیب بغدادی کے نزدیک ابتدائی مہموں کی تعداد دس تھی جن میں سے چھ غزوات تھے۔ آخری دو غزوات بدر سے پہلے واقع ہوئے تھے۔ ابتدائی مؤرخین و سیرت نگاروں کے درمیان اس امر پر اختلاف ہے کہ پہلی مہم کی قیادت کی سعادت (لواء) کس کے حصہ میں آئی تھی؟ ابن اسحاق کا بیان و خیال ہے کہ یہ خوش نصیبی حضرت عبیدہ بن حارث

کے حصہ میں آئی تھی۔ اور یہی خیال ابن اسحاق کے بعض متبعین کے یہاں پایا جاتا ہے۔ سیرت نگاروں کا دوسرا طبقہ جس کی سرخیلی واقدی کو حاصل ہے اور جس میں ابن سعد بلاذری وغیرہ شامل ہیں اس خیال کا حامی ہے کہ اولیت کا سہرا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے سر بندھا تھا۔ جدید مؤرخین کی غالب اکثریت دوسرے نقطۂ نظر کے حق میں ہے اور ایک جدید مغربی مستشرق جے، ایم، بی جونس (J. M. B. JONES) کی تحقیق ہے کہ واقدی کی ترتیب مغازی رسولؐ زیادہ صحیح ہے اس لیے جہاں روایات میں تناقض و تصادم ہو وہاں واقدی کی روایت و ترتیب کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے۔

بہرحال اگر واقدی اور ان کے ہمنواؤں کا نقطۂ نظر تسلیم کر لیا جائے تو عہد نبوی کی پہلی مہم رمضان ۱ھ مطابق مارچ ۶۲۳ء میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ساحل بحر (سیف البحر) کی جانب گئی تھی۔ اس مہم میں کل تیس مسلم سپاہی تھے۔ واقدی نے ان مسلم سپاہیوں کی قبائلی نمائندگی و نسبت کے بارے میں دو روایتیں بیان کی ہیں۔ عام اور مشہور روایت تو یہ ہے کہ تمام شرکاء مہم مہاجر تھے اور ان میں انصاری کوئی نہ تھا۔ لیکن دوسری روایت کے مطابق جو پہلے اور زیادہ تفصیل سے بیان ہوئی ہے اس پہلی مہم میں مہاجر اور انصار برابر شامل تھے۔ ساحل بحر پہ مسلمانوں کا سامنا (تعرض) ایک قریشی کارواں سے ہوگیا جو شام سے مکہ لوٹ رہا تھا۔ اس میں تین سو مکی تھے اور ان کا قائد ابوجہل تھا۔ سامنا ہوتے ہی وہ جنگ (قتال) کیلئے صف آرا ہوگئے (اصطفوا) لیکن ان کے درمیان جہینہ کا سردار مجدی بن عمرو حائل ہوگیا کبھی وہ ان کی طرف کبھی وہ ان کی طرف دوڑتا رہا یہاں تک کہ مکہ والے اپنے کارواں اور محافظوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے اور حضرت حمزہؓ مدینہ کو واپس ہولئے اور ان کے بیچ کوئی لڑائی (قتال) نہیں ہوئی۔

ابن سعد کا بیان تقریباً یہی ہے۔ صرف اضافہ یہ ہے کہ وہ مہم کی منزل کا نام العیص بتاتا ہے۔ اس کا بیان دراصل ابن اسحاق، ان کے جامع ابن ہشام اور واقدی کے بیانات کا مجموعہ ہے۔ ابن اسحاق اور ان کے جامع کے بیان میں مہم کے شرکاء میں انصار کی شمولیت کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف یہ دعویٰ بھی ہے کہ انصار میں سے کوئی اس مہم میں شریک نہ تھا۔ بلاذری نے واقدی اور ابن سعد سے اتفاق کیا تو یعقوبی اور ابن اثیر نے ابن اسحاق سے۔ طبری کے بیان میں کچھ اضافے ہیں۔ اول یہ کہ العیص اور اس کے نواح میں قبیلہ جہینہ بستا تھا جس کی تائید بالواسطہ دوسرے تمام مذکورہ ماخذ سے بھی ہوتی ہے لیکن ابن اثیر کے بیان سے بصراحت ہوتی ہے۔ دوسرے طبری کا اپنا تبصرہ یہ ہے کہ واقدی کے بقول یہ سریہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی کاروانوں (عیرات قریش) پر چھاپہ مارنے کے لیے (لیعترض) ترتیب دیا تھا۔ مذکورہ بالا تمام ماخذ میں یہ بات ضرور کہی گئی ہے کہ یہ مہم ساحل کی جانب گئی جہاں اس کا سامنا ایک قریشی کارواں سے ہوا۔ مگر طبری کے بیان سے قریشی کارواں پہ چھاپہ مارنا یا روک ٹوک کرنا اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے طرفہ ستم یہ کہ طبری نے اپنی طرف سے اضافہ کرکے واقدی کے نام سے اسے منسوب کر دیا۔ طبری کے سوا تمام ماخذ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قریشی کارواں سے سامنا اور ملاقات اتفاقی تھی جبکہ اول الذکر بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بھیجی گئی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مہم کیوں اور کس علاقے میں بھیجی گئی تھی؟ اگر اس کا مطالعہ آزادانہ کیا جائے جیسا کہ طبری نے کیا یا جو ہمارے جدید مورخین کا طریقہ ہے تو یہی تاثر نکلتا ہے کہ قریشی کارواں اس کا اصل نشانہ تھا۔ لیکن یہ مطالعہ تاریخی تناظر میں نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں کئی معاملات تشنہ رہ جاتے ہیں۔ اوّل تو مہم کا علاقہ ہے۔ طبری اور ابن اثیر کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ العیص اور اس کے نواح قبیلہ جہینہ کے علاقے تھے۔ دوسرے ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ جہینہ مدینہ کے انصار کے ایک قبیلہ خزرج کا قدیم حلیف و دوست تھا جبکہ اسی نواح کا دوسرا بدوی قبیلہ مزینہ مدینہ کے اوس قبیلے کا حلیف و دوست تھا۔ اور اسی رشتہ حلف اور دوستی کے سبب ان دونوں بدوی قبیلوں نے اپنے اپنے مدنی حلیفوں کی جانب سے جنگ بعاث میں فعال حصہ لیا تھا۔ اور صرف اسی جنگ میں نہیں بلکہ اوس اور خزرج کی اور بھی آویزشوں میں یہ دونوں بدوی قبیلے حصہ لیتے رہے تھے۔ اور اس طرح ان کا اپنے اپنے مدنی حلیفوں سے رشتۂ اتحاد مضبوط تر اور مستحکم تر ہوتا گیا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی سیاسی اور سماجی نظام قائم کیا تو پرانے حریف و متحارب اوس و خزرج کے قبیلے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور مہاجرین کے ساتھ مل کر وہ اسلامی امت کے رکن رکین ہوئے۔ عرب دستور کے مطابق حلیف کے حلیف و دوست ہوتے تھے چنانچہ بظاہر اوس اور خزرج کے حلیف مزینہ اور جہینہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے حلیف اور دوست ہو گئے تھے بالکل اسی طرح جس طرح وہ انصار کے تھے۔ گویا کہ وہ اب انصار کے دو الگ الگ قبیلوں کے حلیف نہ تھے بلکہ اسلامی امت کے حلیف تھے۔ اسلامی ماخذ میں ان قبائل سے اس رشتۂ حلف کے استوار ہونے کی حقیقت کا بصراحت کہیں بھی ذکر نہیں ہے لیکن وہ ان کے متعدد بیانات میں مضمر ہے۔ قبیلۂ جہینہ کے سردار مجدی ابن عمرو کے مصالحانہ کردار کے ذیل میں ماخذ کا بیان ہے کہ اس نے قریش مکہ اور سریہ حمزہ کے بیچ مصالحت اس لئے کرائی تھی کہ وہ دونوں فریقوں کے ساتھ صلح کے تعلقات رکھتا تھا۔ موجودہ عہد کے ایک اہم مستشرق مونٹگمری واٹ (MONTGOMERY WATT) کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد سب سے زیادہ مدد و تعاون اسلامی ریاست کو انھیں دو مغربی بدوی قبیلوں سے ملا تھا اور ان کے بعد باقی دوسرے مغربی قبائل بھی اسلامی امت کے زیر اثر آ گئے تھے اور کچھ مدت بعد وہ امت کے مکمل رکن بن گئے تھے۔

اس تاریخی تناظر میں اس مہم کو دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقصد قبیلۂ جہینہ سے دوستی کے تعلقات استوار کرنا تھا جیسا کہ طبری اور ابن اثیر کے ایک فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ مزید تصدیق بالواسطہ بھی بعد کی تمام دوسری مہموں سے بھی ہوتی ہے جو مغربی ساحل کے دوسرے علاقوں میں گئی تھیں۔ اس کے علاوہ جہنی سردار کا رویہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ مزید برآں فریقین کی عددی طاقت بھی اس کے حق میں ہے۔ تیس مسلمانوں کا مقابلہ تین سو مکیوں سے تھا۔ اگر بعض مغربی محققین کا یہ نظریہ کہ مکی کاروانوں کے محافظوں کی تعداد میں مبالغہ ہے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بہر حال فریق مخالف کو مسلم جماعت پر کئی گنا برتری حاصل تھی۔ اور ظاہر ہے کہ مسلم جماعت اپنے سے کئی گنا طاقتور فریق پر حملے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی وہ گھات لگا کر کامیاب ہو سکتی تھی۔ پھر یہ کہ اگر یہ مہم چھاپہ مار کارروائی کے لیے ترتیب دی گئی تھی تو ظاہر ہے کہ مخبروں اور جاسوسوں کی اطلاعات پر ہی کی گئی ہوگی۔ یہ تسلیم کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ مسلم جاسوسوں نے فریق مخالف

کی تعداد و عسکری قوت کو معلوم نہ کرنے کی غلطی کی ہوگی۔ اگر مسلمانوں کو قریشی کارواں کی مادی طاقت کا ذرا بھی اندازہ تھا تو اتنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اس پر چھاپہ مارنے کے لیے نکلنا زیادہ سے زیادہ جرات بے جا کہلائے گی اور سب سے بڑھ کر یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ ماخذ سے چھاپہ مار منصوبے یا مقصد کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قریشی کارواں اور مسلم جماعت کا سامنا اتفاقاً اور اچانک ہوگیا تھا۔ ورنہ درحقیقت یہ مہم قبیلہ جہینہ سے کسی معاہدہ یا دوستی کا رشتہ استوار کرنے گئی تھی اور سردار جہینہ کی موقعہ پر موجودگی بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

۲۔ دوسری مہم:-

واقدی کی ترتیب مغازی کے مطابق دوسری مہم پہلی مہم کے ایک ماہ کے اندر حضرت عبیدہ بن حارث کی زیر قیادت رابغ کے علاقے میں بھیجی گئی تھی، رابغ قدید جانے والے راستے پر جحفہ سے دس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ اس مہم میں ساٹھ سوار تھے۔ ان کا سامنا ایک قریشی کارواں سے جو ابوسفیان کی سرکردگی میں (غالباً مکہ سے آرہا) تھا۔ وادی رابغ میں واقع ایک احیا نامی چشمے پر ہوا۔ قریشی کارواں میں دو سو آدمی تھے۔ اگرچہ کوئی جنگ نہیں ہوئی تاہم حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مسلم جماعت کی طرف سے ایک اور دوسری روایت کے مطابق اپنے ترکش کے کل بیس تیر چلا ڈالے۔ پھر فریقین اپنے اپنے راستے ہولئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ اس مہم میں سب کے سب مہاجر تھے اور کوئی انصار نہ تھے اور انہوں نے عبیدہ سے کہا تھا کہ قریشی مرعوب ہوگئے ہیں اگر ہم ان کا تعاقب کریں تو ان کو بہ آسانی جا پکڑیں گے مگر کسی نے ہماری بات نہ مانی اور ہم مدینہ لوٹ آئے۔

ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان اس مہم کے بارے میں کچھ مختلف ہے۔ اول یہ کہ دونوں کے نزدیک یہ اسلام میں پہلا سریہ تھا۔ دوم یہ لشکر کا مہم کی تعداد ساٹھ یا اسی تھی۔ سوم یہ کہ مہم کی منزل کی تصریح نہیں کی گئی ہے صرف یہ کہا گیا ہے کہ حجاز میں ثنیۃ المرۃ کے زیریں علاقے کے ایک چشمہ کی طرف کی گئی تھی۔ چہارم یہ کہ مسلمانوں کے حامی تھے (وللمسلمین حامیۃ) پنجم یہ کہ مشرکوں کی جماعت سے بنو زہرہ کے حلیف مقداد بن عمرو بہرانی اور بنو نوفل کے حلیف عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی ٹوٹ کر مسلمانوں سے آملے تھے کیونکہ وہ دونوں مسلمان تھے اور اسی غرض سے قریشی کارواں میں شامل ہوکر آئے تھے۔ ششم یہ کہ قریشی کارواں کے قائد عکرمہ بن ابی جہل مخزومی اور دوسری روایت کے مطابق مکرز بن حفص تھے۔

ابن سعد کی روایت اگرچہ واقدی کے مماثل ہے تاہم اس میں کچھ قابل قدر اضافے ہیں۔ اول یہ کہ اسلامی مہم کا پرچم (لواء) سفید رنگ کا تھا اور علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ مطلبی تھے۔ دوم یہ کہ دونوں فریقوں کا آمنا سامنا جس جگہ ہوا وہ شاہراہ تجارت سے ذرا بائیں کو ہٹ کر تھی اور سوم یہ کہ مشرکین کہ اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے شاہراہ چھوڑ کر اُتر آئے تھے۔ بلاذری کی روایت واقدی کی تلخیص ہے۔ سوائے اس نکتہ کے کہ وہ اس مہم کو سریہ ثنیۃ المرۃ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یعقوبی کی روایت ابن اسحاق اور ان کی جامع کی روایات کا مکمل چربہ ہے۔ صرف تشریحی تعلیقات کا اضافہ ہے طبری نے اپنی روایت میں واقدی اور ابن سعد کی روایات کے تمام اہم نکات کو جمع کر دیا ہے۔

ماخذ میں سے اس مہم کے بارے میں کسی کا دعویٰ نہیں ہے کہ یہ مہم قریش کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ ان سب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وادی رابغ کے چشمے پر ان کی ملاقات اتفاقی تھی۔ ابن سعد کے بیان سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ اگر قریشی کارواں نے اپنا راستہ چھوڑ کر قیام نہ کیا ہوتا اور جانوروں کو چرانے کے لئے وادی میں داخل نہ ہوئے ہوتے تو مسلم جماعت سے ان کا سامنا بھی نہ ہوا ہوتا۔ اس سے ایک نکتہ اور روشنی میں آتا ہے جو کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ماخذ میں سے بعض نے صراحتاً اور بعض نے اشارتاً کہا ہے کہ مسلم مہم کی منزلِ مقصود ثنیۃ المرۃ کے زیریں علاقہ کا ایک چشمہ تھا اور یہ چشمہ عام راستے سے ہٹ کر تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں نے یا تو قریشی تجارت کی شاہراہ پر سفر ہی نہیں کیا تھا یا کیا بھی تھا تو وہ اس راستے سے ہٹ کر اندرون وادی گئے تھے اگر تجارت کا قریشی کارواں ان کا اصل نشانہ تھا تو ان کے راستے سے ہٹنا نہ تھا بلکہ اسی پر سفر کرنا تھا اور جہاں موقع ملتا گھات لگا کر حملہ کرتے۔ دوسری طرف کاروانِ قریش کے راستے سے ہٹ کر قیام کرنے اور جانوروں کے چرانے کا مسئلہ تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ مرکزِ اسلام کے بالکل قریب اور مسلمانوں کے حلیفوں اور زیر اثر قبیلوں کے علاقے سے گزر رہے تھے۔ ان کا اس علاقہ میں قیام کرنا، راستہ چھوڑ کر اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے چھوڑ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کو کم از کم مدینہ کے مسلمانوں سے اپنے اس کارواں یا تجارت کے لیے کوئی خطرہ اب تک محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ صرف ایک ماہ پہلے ان کے شام سے مکہ لوٹنے والے ایک کارواں کی مسلم جماعت سے ملاقات ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کارواں کے لوگوں سے مکہ والوں نے اس ملاقات کا ذکر ضرور کیا ہوگا۔ اگر مکہ والوں کو ذرا سی بھی بھنک مل گئی ہوتی یا تھوڑا سا بھی احساس ہوا ہوتا کہ مدینہ کے مسلمان ان کے کاروانوں پر حملہ کرنے کی نیت رکھتے ہیں تو وہ اس کے تدارک کا مکمل بندوبست کرتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ماخذ اور جدید محققین دونوں کا دعویٰ ہے کہ مکی اپنی تجارت اور اس کے تحفظ کے بارے میں بڑے حساس تھے اور ظاہر ہے کہ یہ قدرتی بھی تھا کیونکہ ان کی مادی آسائشوں بلکہ پوری اقتصادی زندگی کا انحصار اسی تجارت پر تھا۔ بہر حال اس کے برخلاف ہمارے مشاہدے میں آتا ہے کہ اس بار مکی کارواں کے افراد میں ایک تہائی کی کمی آتی ہے۔ اور وہ محض دو سو رہ جاتے ہیں جبکہ پہلے کارواں میں ان کی عددی طاقت تین سو تھی۔ اس کے علاوہ ایک اہم نکتہ اس ضمن میں یہ ہے کہ بقول ابن اسحاق مسلمانوں کے حامی بھی تھے۔ یہ حامی کون تھے؟ اور ان کا ذکر کیوں کیا گیا؟ ان سوالوں کا جواب ماخذ کے ان بیانات سے تو نہیں ملتا تاہم دوسرے ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ وادی رابغ جحفہ اور ابواء یا ودان کے درمیان واقع تھی اور وہاں حاجیوں کا راستہ گزرتا تھا (تجارتی قافلوں کا نہیں) اور یہ پورا علاقہ قبائل خزاعہ اور ان کے حلیف بنو ضمرہ کا تھا۔ خزاعہ سے خاندانِ رسولؐ کے قدیم حلیفانہ تعلقات تھے جبکہ بنو ضمرہ سے آپؐ نے مدینہ پہنچ کر معاہدۂ حلف کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں مغربی قبیلے نہ صرف مدینہ کے زیر اثر تھے بلکہ ان کے انصار سے قریبی تعلقات اسلام سے پہلے کے تھے اور غالباً یہی قبیلے مسلمانوں کے حامی بتائے گئے ہیں۔ اگر مسلم جماعت کی عددی طاقت کاروان قریش سے فروتر تھی تو اس کی تلافی ان بدوی قبیلوں سے کمک مانگ کر پوری کی جا سکتی تھی بشرطیکہ مسلمانوں کو اس کارواں پر چھاپا مارنا مقصود ہوتا۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ بیان کہ انہوں نے قریشی کارواں کی مرعوبیت دیکھ کر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی مگر امیر سریہ یا ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے اسے قبول نہیں کیا صاف ظاہر کرتا ہے

کہ مسلمانوں کا مقصد کچھ اور تھا، کارواں پر چھاپہ مارنا کم از کم نہ تھا اس ضمن میں یہ نکتہ بھی خاصا اہم ہے کہ اگر بفرض محال یہ قریشی کارواں مسلم مہم کے چنگل سے نکل گیا تھا تو اس کو آگے کی کسی منزل پر پھر گھیرا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ شام کو جا رہا تھا۔ مسلم امیر سریہ ایک یا دو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعہ مدینہ خبر بھیج کر ایسا بندوبست بہ آسانی کروا سکتے تھے کیونکہ وہ لامحالہ مدینہ کے قریب سے دو چار دن کے بعد ضرور گزرتا اور مدینہ سے ایک بڑا یا برابر کا لشکر لا کر اس کو بہ آسانی گھیرا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم مہم کا مقصد قریشی کارواں پر چھاپہ مارنے کے بجائے اور کچھ تھا اور یہ کچھ غالباً اس علاقے کے بدوی قبیلوں سے رشتہ دوستی استوار یا مضبوط کرنا معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ تیسری مہم :-

اس سلسلے کا تیسرا سریہ خرار تھا جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے زیر کمان خرار نامی علاقے تک گیا تھا۔ واقدی کے بقول یہ دوسری مہم کے ٹھیک ایک ماہ بعد ذی قعدہ ۱ھ مطابق مئی ۶۲۳ء میں بھیجی گئی تھی۔ مہم کی منزل کے علاقہ میں چشمہ خم کے قریب تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے کہا تھا کہ ایک قریشی کارواں گزرنے والا ہے لہٰذا وہ خرار جائیں اور اس سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ وہ بیس یا اکیس پیادوں (راجل) کے ساتھ مہم پر نکلے اور دن میں چھپتے اور رات کو سفر کرتے پانچویں صبح کو منزل پر پہنچے مگر قافلۂ تجارت کچھ مدت پہلے (بالامس) گذر چکا تھا۔ حضرت سعد کی طرف بیان منسوب ہے کہ اگر ممانعت نبوی نہ ہوتی تو وہ خرار سے آگے بڑھ کر قافلے کو جا لیتے۔ ابن سعد کے بیان میں صرف اضافہ یہ ہے کہ اس سریہ میں بھی پرچم سفید تھا جس کے بردار حضرت مقداد بن عمرو بہرانی تھے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے متحدہ بیان میں شرکائے مہم کی تعداد محض آٹھ بتائی ہے۔ یہ سب کے سب مہاجر تھے۔ اس کے مطابق خرار ارض حجاز میں تھا۔ مسلمانوں کی ملاقات کسی کید (لڑائی بکھڑ) سے نہیں ہوئی اس لیے وہ واپس لوٹ آئے۔ اس بیان میں کسی قریشی کارواں کی طرف نہ تو اشارہ ہے نہ کوئی حوالہ۔ بلاذری نے واقدی کی روایت کی تلخیص کر دی ہے۔ یعقوبی نے ایک اہم اور دلچسپ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت سعدؓ کی مہم نے خرار نامی چشمے پر پڑاؤ کیا تو اس نے بنو ضمرہ کے کچھ مویشی پکڑ لیے اور واپسی میں اپنے ساتھ مدینہ لائے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارے مویشی بنو ضمرہ کو لوٹا دیئے کیوں کہ ان سے آپ کا دوستی (حلف) کا معاہدہ تھا۔ یعقوبی بھی کسی قریشی کارواں کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ طبری نے واقدی اور ابن سعد کی روایت بیان کی ہے اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ کاروان قریش حضرت سعد کے خرار پہنچنے سے صرف ایک دن پہلے (قبل ذلک بیوم) نکلا تھا۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ طبری نے مسلمانوں کی تعداد پندرہ یا اکیس مہاجر پیادے بتائی ہے جبکہ قریشی کارواں کی عددی طاقت ساٹھ بتائی ہے۔

مآخذ میں سے ابن اسحاق، ابن ہشام، یعقوبی وغیرہ سے اس مہم کا قریشی کارواں کے خلاف بھیجا جانا ثابت نہیں ہوتا بلکہ واضح ہوتا ہے کہ اس کا مقصد کم از کم قریشی کارواں پر چھاپا مارنا نہ تھا بلکہ یعقوبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنو ضمرہ کا علاقہ تھا۔ غالباً ان سے گفت و شنید یا کسی قسم کا معاملہ طے کرنے کے لیے اس کو بھیجا گیا تھا مسلمانوں نے غلطی سے ان کے بعض مویشی پکڑ لیے تو ان کو

واپس کر دیا گیا۔ اس سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ بنو ضمرہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدۂ حلف پہلے سے ہو چکا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب اور کہاں یہ معاہدہ ہوا تھا؟ اس کا ممکن اور قرینِ قیاس جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ معاہدہ حضرت عبیدہ کی مہم رابغ کے دوران ہوا ہوگا۔ بہرحال یہ حتمی ہے کہ یہ معاہدہ حضرت سعدؓ کی مہم خرار سے پہلے تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

جہاں تک واقدی، ابن سعد، بلاذری اور طبری کی روایت کا تعلق ہے وہ واضح طور سے ایک قریشی کارواں کا ضرور ذکر کرتی ہیں۔ لیکن کیا اس سے یہ سمجھ لینا صحیح ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو کارواں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ جدید مؤرخین نے اس سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ کسی طور سے بھی نہیں نکلتا۔ بلکہ اس کی تردید کے متعدد ثبوت ملتے ہیں۔ پہلا نکتہ اور ثبوت تو یہ ہے کہ مآخذ میں سے کسی نے بھی قریشی کارواں پر حملہ کرنا مقصود یا محرک نہیں بتایا ہے۔ پھر اگر چھاپہ مارا اور لوٹ مار ہی مقصد تھا تو حضرت سعد کو خرار سے آگے بڑھنے سے کیوں روکا گیا تھا؟ بالخصوص یہ حقیقت بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ اگر ممانعتِ رسولؐ آڑے نہ آتی تو وہ کارواں کو جا لیتے۔ ظاہر ہے کہ قرینِ قیاس تو یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے کہ کسی بھی طور سے قریشی کارواں پر حملہ کرنا ہے۔ پھر جیسا کہ روایات مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کاروانِ قریش کے گزرنے کا علم تھا اور غالباً تاریخ کا بھی۔ پھر آپ نے یہ ساری مہم پیادوں پر کیوں مشتمل بھیجی تھی جس نے سفر میں چار قیمتی دن ضائع کر دیئے۔ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر یہ مہم سواروں پر مشتمل ہوتی تو قافلے کے گزرنے سے بہت پہلے (طبری روایت کے مطابق) ورنہ کچھ پہلے (دوسروں کی روایت کے مطابق) تو ضرور اپنے مقام تک پہنچ گئی ہوتی۔ اس کے علاوہ دونوں مہموں یعنی فریقین کی عددی طاقت کا معاملہ ہے۔ اس تیسری مہم میں دونوں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے۔ کیا دونوں فریق کم تعداد کرنے کی مسابقت کر رہے تھے؟ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قریش کو اپنی تجارت کے لئے مدینہ کی طرف سے کوئی خطرات تک محسوس نہیں ہوا تھا۔ تو جدید مؤرخین کے دعوے کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو پورے ہوش و حواس اور منصوبے کے ساتھ قریشی کاروانوں پر حملہ کرنا یا ان کو مرعوب کرنا چاہ رہے تھے۔ بیس اکیس یا محض آٹھ پیادوں کے ساتھ تو یہ دونوں مقصد حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ رات میں سفر کرنا اور دن میں چھپے رہنا بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مقصد جو اس مہم کا ہو سکتا ہے "قریشی کارواں کے بارے میں خبریں اور معلومات فراہم کرنا تھا۔

۴۔ چوتھی مہم :۔

واقدی اور ان کے طبقۂ فکر کے مؤرخین کے بقول ان تین "سرایا" کے بعد پے در پے چار غزوات پیش آئے جن کی قیادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ ان میں سے پہلا غزوہ ابواء یا ودّان کہا جاتا ہے۔ واقدی کے بقول صفر ۲ھ، اگست ۶۲۳ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساٹھ سواروں کے ساتھ کاروانِ قریش کو روکنے کی غرض سے نکلے لیکن کسی کے کید (لڑائی مکر) سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ اسی غزوہ میں آپ نے کنانہ کے ایک خاندان بنو ضمرہ سے معاہدہ (کتاب) کیا کہ نہ وہ آپ پر حملہ کریں اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں۔ معاہدہ لکھ کر آپ مدینہ واپس آئے جہاں سے آپ کی غیر حاضری کی مدت پندرہ راتوں کی تھی ابن سعد نے

اپنے استاد کی روایت پر کچھ اضافے کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس مہم میں علمبردار حضرت حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ اور مدینہ میں نائب رسول حضرت سعد بن عبادہ خزرجی تھے۔ دوسرے یہ کہ شرکائے مہم سب مہاجر تھے اور ان میں کوئی انصاری نہ تھا۔ تیسرے یہ کہ یہ غزوۂ ابواء بھی کہلاتا اور غزوۂ ودان بھی اور ان دونوں مقامات میں محض چھ میل کا فاصلہ تھا۔ چوتھے یہ کہ یہ پہلا غزوہ تھا۔ پانچویں یہ کہ آپ نے معاہدہ بنو ضمرہ کے اس زمانے کے سردار مخشی بن عمرو ضمری سے کیا تھا۔ چھٹے یہ کہ معاہدہ کی شرطیں یہ تھیں کہ نہ آپ بنو ضمرہ پر حملہ کریں گے اور نہ بنو ضمرہ آپ پر۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اس غزوہ کو آپ کا پہلا غزوہ قرار دیا ہے اور اس کو تمام سرایا سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس کے مطابق آپ قریش اور بنو ضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ارادے سے نکلے تھے اور اس غزوہ میں بنو ضمرہ نے اپنے مذکورہ بالا سردار کے ذریعہ آپ سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا اور بغیر کسی جنگ و جدال کے آپ مدینہ لوٹ آئے تھے۔ بلاذری نے حسب دستور واقدی کی روایت کی تلخیص کر دی ہے۔ جبکہ یعقوبی نے صرف ایک سطر میں آپ کے ودان جانے اور وہاں کسی کید (لڑائی) سے نہ ملنے پر مدینہ لوٹ آنے کو بیان کیا ہے۔ طبری کا بیان واقدی، ابن سعد اور ابن اسحاق کے بیانات کا مجموعہ ہے۔

تمام روایات کو جانچنے پرکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق، ابن ہشام اور طبری کے نزدیک اس مہم میں آپ نے قریش اور بنو ضمرہ دونوں کو مقصود بنایا تھا۔ جبکہ واقدی، ابن سعد اور بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نکلے تو آپ کاروانِ قریش کے لئے تھے مگر بعد میں آپ نے بنو ضمرہ سے معاہدہ صلح کر لیا۔ یعقوبی کے یہاں مقصدِ مہم پر سکوت پایا جاتا ہے۔ اس مہم کے بارے میں پہلا اہم نکتہ یہ ہے کہ واقدی اور ان کے متبعین کے سوا اور کسی نے کسی کاروانِ قریش کا ذکر نہیں کیا ہے خود ان مورخین کی روایات میں بھی کارواں کی مزید تفصیلات یا اشارے نہیں ملتے وہ کہاں سے آ رہا تھا کہاں جا رہا تھا، اس میں کتنے اشخاص تھے اور وہ کس کی قیادت میں جا رہے تھے ان تمام سوالات کا کوئی جواب نہیں ملتا اور نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھر اس کارواں کا کیا ہوا! محض قیاس کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اکثر جدید مورخین نے کیا ہے کہ وہ نکل گیا ہوگا، چونکہ قریش کا کارواں ہاتھ نہیں آیا تھا اس لیے آپ نے بطور مجبوری بنو ضمرہ سے صلح کا معاہدہ کر لیا۔ پھر ابن اسحاق وغیرہ کے اس تبصرہ کا کیا مطلب ہوگا کہ آپ قریش اور بنو ضمرہ دونوں کے بارے میں کوئی ارادہ لے کر نکلے تھے۔ اگر یہ قیاس کر لیا جائے کہ بنو ضمرہ نے لڑنے کے بجائے صلح و دوستی میں مصلحت دیکھی تھی اور آپ نے ان کی خواہشات و جذبات کے احترام میں ان کی دوستی کا ہاتھ تھام لیا تھا تو کیا اگر قریشی کارواں ہاتھ لگ جاتا اور وہ آپ سے صلح کا طالب ہوتا تو آپ کا کیا رویہ ہوتا؟ قیاس کہتا ہے کہ آپ ان سے بھی صلح کر لیتے۔ اگر ایسا تھا تو پھر کارواں پر حملہ کرنے کا منصوبہ کہاں رہ گیا؟ پھر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ بنو ضمرہ اور قریشی کارواں سے ملاقات کی صورت میں مکہ والے صلح سے انکار کر دیتے تو ظاہر ہے کہ آپ ان سے نبرد آزما ہوتے۔ تو کیا ساٹھ مسلمانوں کے ساتھ آپ بنو ضمرہ کے علاقے ہی میں ان سے یا ان کی اور قریشی محافظ فوج کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے تھے! اور بصورتِ جنگ کامیابی کی توقع کر سکتے تھے فوجی حکمت عملی کا ایک معمولی سا طالب علم بھی ببانگِ دہل کہہ سکتا ہے کہ اتنی مختصر سی فوج کے ساتھ آپ دشمن کے علاقے میں ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے کے لئے نہیں نکلے تھے۔ اس لیے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا اصل مقصد بنو ضمرہ سے معاہدۂ صلح کرنا یا اس کی تجدید کرنا تھا۔ قریشی کارواں پر حملہ کرنا نہیں تھا۔

۵- پانچویں مہم :-

دوسرا غزوۂ بُواط ابتدائی مہموں کے سلسلے کی پانچویں کڑی تھی۔ واقدی کے مطابق بُواط ایک مقام تھا جو ضبنہ کے کنارے کی خشب کے نواح میں واقع تھا اور مدینہ سے اس کا فاصلہ محض تین بُرد تھا۔ ربیع الاول ۲ھ / ستمبر ۶۲۳ء میں یعنی چوتھی مہم کے ایک ماہ کے اندر اندر آپ کاروانِ قریش کو روکنے کی غرض سے نکلے۔ اس بار کاروان مکہ میں سو قریشی تھے۔ اور پندرہ سو اونٹ اور سالار کاروان امیہ بن خلف جمحی تھا لیکن کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور آپ لوٹ آئے۔ مدینہ سے آپ کی غیر حاضری تقریباً ایک ماہ رہی۔ ابن سعد کی روایت میں کچھ اہم اضافے ہیں۔ اوّل آپ کے سپید پرچم کے علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص تھے اور مدینہ میں آپ کے جانشین حضرت سعد بن معاذ اوسی۔ دوم یہ کہ مسلم لشکر دو سو صحابہ پر مشتمل تھا۔ سوم یہ کہ بواط ایک پہاڑی کا نام تھا جو قبیلہ جہینہ کا علاقہ تھا اور جو رضوی پہاڑ کے نواح میں واقع تھا۔ چہارم یہ کہ بواط مدینہ سے تین برد نہیں بلکہ چار برد کے فاصلے پر تھا۔ بلاذری کی روایات ان دونوں پیشروؤں کی روایات کی تلخیص ہے۔ جبکہ یعقوبی نے اس کو ابواء کے مانند قرار دیا ہے اور طبری نے ایک بار پھر واقدی اور ابن سعد کی روایات کو جمع کر دیا ہے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کی مختصر روایات میں قریش کے ارادے سے نکلنے اور کسی مڈبھیڑ کے نہ ہونے پر مدینہ واپس آنے کا ذکر ہے۔

اگرچہ اکثر مآخذ میں اس مہم کا مقصد یا نشانہ کاروانِ قریش یا صرف قریش کو بتایا گیا ہے۔ اور کارواں کے بارے میں بعض مآخذ میں کچھ تفصیلات بھی ہیں خاص کر پہلے غزوہ کے مقابلے میں۔ لیکن پھر بھی بعض تفصیلات تاریکی میں ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کارواں کہاں سے کہاں کو جا رہا تھا؟ پھر اس بار مسلم فوج کی تعداد بعض روایت کے مطابق قریشی کارواں سے دگنی تھی۔ متعجہ اچھا تھا۔ اور اگر کارواں نکل بھی گیا تو اس کا تعاقب آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ مسلمان سب کے سب سوار تھے اور قریشی کارواں خاصا بڑا تھا۔ (وہ پندرہ سو اونٹوں پر مشتمل تھا) اور ان کے ساتھ محافظ محض سو تھے اس لیے وہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر مسلمان بالکل مکہ کے قریب سے ایک کارواں پکڑ لا سکتے تھے جیسا کہ ہم سریہ نخلہ کے ضمن میں دیکھیں گے تو پھر چند منزل دور اس کارواں کو جا پکڑنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقصد نبوی کاروانِ قریش نہ تھا بلکہ ان کی منزل قبیلہ جہینہ کا علاقہ تھا جہاں وہ کسی سیاسی و سماجی مصلحت سے گئے تھے۔ جیسا کہ ابن سعد کے ایک اشارے سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ مقصد یا مصلحت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ پرانے حلیفوں اور دوستوں سے رشتۂ اتحاد مستحکم تر کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم نکتہ مدینہ سے آپ کی غیر حاضری کی مدت تھی۔ پہلے غزوہ میں آپ پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے تھے اور اس غزوہ میں ایک ماہ۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں مقامات مدینہ سے ایک یا دو دن کی مسافت پر واقع تھے۔ باقی مدت آپ وہاں کیوں مقیم رہے؟ ظاہر ہے کہ آپ قریشی کارواں کی واپسی کی توقع اتنی مدت میں نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاقہ جہینہ میں آپ کا قیام کسی اور مقصد سے تھا اور غالب گمان ہے کہ یہ مقصد اس علاقے کے لوگوں سے دوستی کرنا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کا حلیف بنانا تھا۔ کارواں قریش پر حملہ کرنا اور اس کو لوٹنا کم از کم اس غزوہ کا مقصد تو کسی طور سے ثابت نہیں ہوتا اور اس کی تردید خود مآخذ کی داخلی شہادتوں

سے ہو جاتی ہے۔

۶۔ چھٹی مہم

تیسرا غزوہ بدر اولیٰ اور غزوۂ سفوان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ واقدی کا بیان ہے کہ ربیع الاوّل ۲ھ میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے اونٹوں پر جو چرا اور اس کے نواح میں چرتے تھے حملہ کیا تھا۔ خبر سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حملہ آوروں کے تعاقب میں نکلے مگر وہ بچ کر نکل گئے۔ ابن سعد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں بھی مسلم فوج کا پرچم سفید تھا اور علمبردار حضرت علی بن ابی طالب تھے۔ اور مدینہ میں آپ کے نائب حضرت زید بن حارثہ تھے۔ جماء ایک پہاڑی تھی جو وادی عقیق میں جُرُف کی سمت میں واقع تھی اور مدینہ سے اس کا فاصلہ محض تین میل تھا۔ کرز بن جابر نے نہ صرف حملہ کیا تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے جانوروں میں سے کچھ پکڑ بھی لے گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے نواح میں واقع وادی سفوان تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے بلاذری اس غزوہ کو غزوۂ سفوان کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اس کا بیان واقدی اور ابن سعد کی روایتوں کی تلخیص ہے۔ یعقوبی نے اس غزوہ کو قرقرۃ الکدر سے خلط ملط کر دیا ہے۔ طبری کے بیان کے مطابق اضافہ ہے کہ شرکائے مہم سب کے سب مہاجر تھے لیکن ان کی تعداد کسی نے بھی نہیں بیان کی ہے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے بیانات بھی دوسروں کی مانند ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ ان کے یہاں اس غزوہ کی تاریخ وقوع چوتھے غزوہ کے بعد جمادی الآخر ۲ھ میں اور واقعہ نخلہ سے متصلاً پہلے بتائی گئی ہے۔ اس غزوہ کے بارے میں کسی بھی مورخ کا چاہے وہ قدیم ہو یا جدید دعویٰ نہیں ہے کہ وہ کسی کاروانِ قریش کے خلاف تھا اور نہ اس کی کسی سیاسی یا فوجی اہمیت کا ذکر کرتا ہے حالانکہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ پہلی اینٹ تھی جو دشمن کی طرف سے پھینکی گئی تھی۔ صرف منٹگمری واٹ نے اس کی اہمیت کا احساس کیا ہے اور کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے خطرات سے مستقل طور سے باخبر رہنا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے قرب وجوار کے ایک لٹیرے کے خلاف تادیبی کارروائی کی تھی اور آئندہ آپؐ نے اس قسم کے لٹیروں کے ساتھ بڑی سختی کا سلوک کیا تھا۔

۷۔ ساتویں مہم :-

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا غزوہ اور اس عہد کی ساتویں مہم غزوہ ذی العُشَیرہ کے نام سے موسوم ہے۔ واقدی کا خیال ہے کہ جمادی الآخر ۲ھ / دسمبر ۶۲۳ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کو جانے والے قریشی کارواں (عیرات قریش) پر چھاپہ مارنے کے لیے منظم کیا تھا۔ مسلمان شرکا کی تعداد ڈیڑھ سو یا دو سو تھی۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ مکہ والوں نے اپنا سارا مال (اموال) اس کارواں میں لگا دیا تھا اور پھر آپ کو شام کے لیے مکہ سے کارواں کی روانگی کی خبر ملی تھی۔ آپ ینبع دینار کے راستے (نقب) سے بیوت السقیا کے لیے روانہ ہوئے۔ یہی غزوہ ذوالعشیرہ تھا۔ مدینہ سے آپ کی غیر حاضری تقریباً ڈیڑھ دو ماہ رہی تھی۔ واقدی کا بیان یہاں ختم ہو جاتا ہے اور باقی تفصیلات تشنہ رہ جاتی ہیں۔ البتہ واقدی کے شاگرد و کاتب ابن سعد نے باقی دوسری تفصیلات بہم پہنچائی ہیں۔ اس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اپنا جانشین حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو مقرر کر کے اپنی فوج کے ساتھ روانہ

ہوئے جس کے علمبردار حضرت حمزہؓ تھے اور جس کا پرچم سفید تھا۔ پوری فوج کے لیے کل تیس اونٹ تھے جن پر وہ باری باری بیٹھتے تھے۔ ذوالعشیرہ قبیلہ بنو مدلج کا علاقہ تھا اور وہ ینبع کے نواح میں واقع تھا۔ مدینہ سے ینبع کا فاصلہ تو بُرد تھا۔ آپؐ کے وہاں پہنچنے سے پہلے کارواں کئی دن پہلے نکل چکا تھا۔ یہ وہی کارواں تھا جس کو آپؐ نے اس کی واپسی کے موقع پر بھی روکنا چاہا تھا مگر کارواں نے ساحل کے کنارے کنارے سفر کر کے اپنے کو بچا لیا تھا اور قریش مکہ کو آپؐ کے ارادے سے باخبر کر دیا چنانچہ انہوں نے اپنے کارواں کی حفاظت کے لیے ایک فوج بھیج دی تھی اور جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ اسی غزوہ میں آپؐ نے حضرت علیؓ کو نرم مٹی (البوغار) میں سوتے دیکھ کر جگایا تھا اور ابوتراب کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا اور اسی غزوہ میں آپؐ نے قبیلہ بنو مدلج اور بنو ضمرہ میں ان کے حلفاء سے معاہدہ کیا تھا۔ آپؐ کی کسی سے کوئی مڈ بھیڑ نہیں ہوئی اور آپؐ واپس مدینہ لوٹ آئے تھے۔ بلاذری نے مختصراً ابن سعد کی روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ مسلم فوج میں صرف ایک گھوڑا تھا اور جب مسلم فوج بنو مدلج کے علاقہ سے گذری تو انہوں نے مسلمانوں کی خوب خوب مہمان نوازی کی مگر قریشی کارواں بچ کر نکل گیا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ اس غزوہ میں قریش کے ارادے سے نکلے تھے اور ابن ہشام نے صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ مدینہ میں آپؐ نے ابوسلمہ کو اپنا جانشین بنایا۔ پھر دونوں کا بیان زیادہ تر مسلم جماعت کے سفر کی مختلف منازل اور ان میں ان کے قیام، کھانے پینے اور نماز پڑھنے یا مساجد بنانے سے متعلق ہے۔ بنو دینار کے راستے سے آپؐ روانہ ہوئے اور فیفاء الخبار کے راستے آپؐ وادی ابن ازہر میں داخل ہوئے جہاں آپؐ نے ایک درخت کے نیچے قیام کیا، نماز پڑھی اور کھانا پکا کر کھایا اور المشترب کے چشمہ سے پانی پیا۔ پھر الخلائق کو اپنے بائیں چھوڑتے ہوئے ایک تنگ وادی سے گزرے جو آج تک وادی عبداللہ کے نام سے مشہور ہے۔ پھر بائیں جانب کے راستے سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپؐ وادی یلیل پہنچے اور اس حصہ میں قیام کیا جو ضبوعہ سے ملتا ہے اور اس کے کنوئیں سے پانی پیا پھر آپؐ ملل کے میدان سے سفر کرتے ہوئے صخیرات الیمام میں شاہراہ پر پہنچے اور اس پر سفر کرتے ہوئے آپؐ وادی ینبع میں واقع مقام مقصود۔ ذوالعشیرہ۔ پہنچے یہاں آپؐ نے پورے ماہ جمادی الاولیٰ اور دوسرے مہینے کے کچھ دنوں تک قیام کیا۔ آپؐ نے بنو مدلج اور ان کے بنو ضمرہ کے حلیفوں سے دوستی کا معاہدہ کیا اور بغیر کسی جنگ و جدال کے مدینہ واپس آگئے۔ اسی غزوہ میں آپؐ نے حضرت علیؓ کو ابوتراب کی کنیت عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں کئی روایات بیان کی ہیں۔ یعقوبی نے صرف اتنا بیان کیا ہے کہ ان دو بدوی عربی قبیلوں سے معاہدہ آپؐ نے ان کے سردار مخشی بن عمر ضمری کی معرفت کیا۔ طبری میں مندرج روایات ابن اسحاق اور ان کے جامع اور واقدی اور ان کے کاتب کی روایات کا حسب معمول مجموعہ ہیں تاہم ان میں غزوہ کی تفصیلات سے زیادہ زور حضرت علیؓ کی کنیت کے بارے میں روایات پر ہے۔ بلکہ ایک طرح سے طبری سے پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ غزوہ کس مقصد سے ہوا تھا اور اس میں کیا مسائل و مقاصد مسلمانوں کے پیش نظر تھے؟

مذکورہ بالا مآخذ سے اکثریت غزوہ کے بیان کے شروع میں یہ کہہ کر مسلم فوج قریش کے ارادے سے نکلی تھی پھر کاروان قریش کا کوئی ذکر نہیں کرتی حتیٰ کہ واقدی نے بھی بعد میں صرف اتنا کہا ہے کہ قریش نے اس کارواں میں اپنا سارا مال لگا دیا تھا۔ اور وہ مسلم جماعت کے ذوالعشیرہ پہنچنے سے پہلے نکل گیا تھا۔ تفصیلات صرف ابن سعد کی روایات سے ملتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن سعد نے جس قریشی کارواں کی طرف اشارہ کیا ہے یہ وہ کارواں تھا جو ابوسفیان بن حرب اموی کی قیادت میں بدر سے کچھ پہلے شام گیا تھا اور جس کو واپسی پر مسلمانوں

نے روکنا چاہا تھا اور جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عظیم و مالا مال کاروانِ قریش کب شام کے لئے مکہ سے روانہ ہوا تھا کیونکہ واقدی نے جنگ بدر کے اسباب کے بارے میں اپنی دو روایتوں میں اور ابن سعد نے غزوۂ العشیرہ کے سبب و محرک پر اپنی ایک روایت میں دعویٰ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کاروانِ قریش کو اس کی آمد و رفت دونوں مواقع پر روکنا چاہا تھا۔ ظاہر ہے کہ واقدی اور ان کے کاتب نے صراحتاً کہا ہے کہ یہ کارواں مکہ سے جمادی الآخر میں غزوہ العشیرہ سے پہلے روانہ ہوا تھا۔ دوسری طرف ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان ہے کہ غزوہ ذوالعشیرہ جمادی الاولیٰ کے شروع میں پیش آیا تھا۔ گویا کہ بالواسطہ طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق اور ابن ہشام کو اس سے اتفاق نہیں کہ غزوہ ذوالعشیرہ نے ابوسفیان کے زیر قیادت تجارتی "قافلے کو شام جاتے وقت روکنا چاہا تھا۔ طبری میں مذکورہ ایک روایت جو عروہ بن زبیر نے عبدالملک بن مروان کے استفسار پر اپنے خط میں لکھی تھی سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نخلہ کے بعد یہ کارواں قریش مکہ سے شام کے لیے روانہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے مطابق یہ سریہ نخلہ ہی تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکائے تھے۔ (وكانت تلك الموقعة هاجت الحرب بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين قريش واول ما اصاب به بعضهم بعضا من الحرب، وذلك قبل مخرج ابی سفیان واصحابه الی الشام ......) اس کے علاوہ اس کاروانِ قریش کا ایک سیاسی مقصد بھی ہے جس پر ہم کچھ بعد میں بحث کریں گے اور واقعہ نخلہ کے نتائج کے علاوہ بعض دوسری تفصیلات یہ واضح کرتی ہیں کہ یہ قریشی کارواں واقعہ نخلہ کے بعد کسی وقت رجب ۲ھ میں روانہ ہوا تھا اور اس کی واپسی دو ماہ بعد رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی۔ اگر یہ تعیین وقت صحیح ہے تو واقدی اور ابن سعد کا یہ دعویٰ کہ غزوہ ذوالعشیرہ میں آپؐ نے اسی کارواں پر حملہ کرنا چاہا تھا غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ واقعۂ بدر کے اسباب کی بعض تفصیلات ثابت کرتی ہیں کہ آپؐ نے اس قریشی کارواں پر اس کی واپسی پر ہی حملہ کرنا چاہا تھا۔ خود واقدی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کارواں کی واپسی کے وقت کا انتظار کرتے رہے تھے اور جب وہ وقت آگیا تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو بلا کر کہا کہ:

" یہ قریش کا کارواں آرہا ہے جس میں ان کا تمام مال لگا ہے شاید اللہ تم کو اس میں غنیمت عطا فرمائے "۔

اس کے علاوہ ابن اسحاق اور ان کے جامع اور ان کے تمام مآخذ سے ثابت ہوتا ہے کہ شام سے واپسی کے دوران کاروان قریش پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ خاص کر ابن اسحاق کا یہ جملہ کہ مسلمانوں میں سے بعض نے یہ حکم نبوی بخوشی قبول کیا تھا اور بعض نے ناگواری سے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آپؐ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کے لیے نہ خود جائیں گے نہ ان سے کہیں گے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے آپؐ کی تمام مہمیں بشمول غزوہ ذوالعشیرہ چھاپہ مار کارروائی یا جنگ کے لیے نہ تھیں کیونکہ چھاپہ مار کارروائی میں بھی جنگ کا اور خونریزی کا خطرہ ضرور تھا اور اسی خطرے سے بعض لوگ بچنا چاہتے تھے۔

قریشی کارواں کی تعیین اوقات آمد و رفت کے علاوہ اس غزوہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر سفر کا معاملہ بہت اہم ہے۔ ابن اسحاق کے بیان پر کسی قسم کا شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں ہے بہرحال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے عام

سفر کے راستے سے ہٹ کر کافی دور سفر کیا تھا اور منزل مقصود کے قریب معمول کے راستے پر آئے تھے جہاں سے ذو العشیرہ پہنچے ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاصا پیچدار اور لمبا راستہ تھا۔ عام راستہ کو چھوڑنا تو رازداری کی خاطر بھی ہو سکتا تھا مگر ایک طویل تر اور پیچیدہ تر راستہ اختیار کرنا قیمتی وقت لیتا ہے جیسا کہ اس مہم کے دوران ہوا اگر آپ مدینہ سے سیدھے شاہراہ تجارت کا رُخ کرتے اور بجائے مغرب شمال کے مغرب جنوب یا سیدھے مغرب میں جاتے تو زیادہ جلد اور شاید وقت پر پہنچ جاتے جیسا کہ آپؐ نے غزوۂ بدر سے پہلے کیا تھا لیکن در اصل شاہراہ تجارت آپؐ کی اصل منزل نہ تھی۔ آپ کی اصل منزل تو بنو مدلج کا علاقہ تھا جن کی خاطر آپ نے یہ سفر کیا تھا۔

تقریباً تمام ماخذ سے عام طور پر اور بلاذری کے ایک جملے سے خاص کر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مہم کا مقصد بنو مدلج اور ان کے ضمری حلیفوں سے معاہدۂ اخوت و دوستی تھا۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ آپ نے ذو العشیرہ میں مختلف روایات کے مطابق ایک ماہ سے زیادہ اور دو ماہ سے کم وقت گذارا۔ یہ وقت گذاری محض عام قریشی کاروانوں کے گذرنے یا اس مخصوص بڑے قریشی کاروانوں کی واپسی کی خاطر نہ تھی جیسا کہ واقدی کی دو روایتوں میں ایک جذامی شخص کے تاثر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ یقینی امر تھا کہ قافلہ جلد ہی گذر چکا تھا اور ماہ ڈیڑھ ماہ میں اس کی واپسی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لیے یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آپ کا علاقۂ بنو مدلج میں قیام قریشی کاروان کی واپسی کے انتظار میں نہ تھا بلکہ اس علاقہ کے لوگوں کی خاطر تھا۔ اس خیال کی مزید تائید خود واقدی ہی کی روایتوں سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ آپؐ قریشی کاروان کی واپسی کے سلسلے میں وقت شماری کرتے رہے تھے یعنی آپ کو اندازہ تھا کہ اس کی واپسی کا متوقع وقت کون سا ہوگا اور غزوۂ بدر کے لیے آپ کی ۱۲ رمضان ۲ھ کو روانگی اور وہ بھی اپنے ان جاسوسوں کی واپسی کا انتظار کئے بغیر جو قریشی کاروان کے بارے میں حتمی معلومات حاصل کرنے گئے تھے کہ مراجعت مدینہ سے پہلے اور پھر ۱۶ رمضان ۲ھ کو بدر میں پہنچنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو اس "تاریخ یا اس کے معاً بعد قافلۂ مکہ کے بدر سے گزرنے کا کتنا صحیح اندازہ تھا۔ ابوسفیان نے اپنا قافلۂ تجارت مسلمانوں کی اندازہ" تاریخ و وقت مقام گذر و راہ گزر وغیرہ کی وجہ سے نہیں بچا لیا تھا بلکہ محض اپنی دُور اندیشی، سوجھ بوجھ اور عین بدر سے پہلے اصل راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر کے اور تیز رفتاری سے قریش کو خبر کر کے اور مسلم فوج کے تعاقب کی راہ کو مسدود کر کے بچایا اور محفوظ کیا تھا۔

اسی ذیل میں ایک اہم نکتہ اور ابھرتا ہے۔ واقدی، ابن اسحاق اور بغدادی کے بیان سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ ماہ کے قریب قیام کیا تھا۔ اگر اس غزوہ کی تاریخ واقدی کی بتائی ہوئی تسلیم کر لی جائے تو مدینہ کو آپ کی واپسی ماہ رجب کے اواخر یا کم از کم اواسط کے بعد ہونی چاہیے مگر یہ نتیجہ ماخذ کے صریح بیانات سے عموماً اور ابن اسحاق کے بیان سے خصوصاً مردود قرار پاتا ہے۔ تقریباً تمام ماخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمادی الآخر، رجب، شعبان اور رمضان کے پہلے ہفتہ تک آپ مدینہ میں مقیم رہے تھے اور غزوۂ ذو العشیرہ سے واپسی پر آپ نے سریہ نخلہ بھیجا تھا اس سے دو اہم نتیجے سامنے آتے ہیں اوّل یہ کہ غزوہ ذو العشیرہ کے بارے میں ابن اسحاق کی بیان کردہ تاریخیں زیادہ صحیح ہیں اور واقدی کی مشتبہ۔ دوم یہ کہ ابوسفیان کا کاروان

شام اس وقت تک روانہ ہی نہ ہوا تھا۔ تو پھر اس پر مسلم چھاپے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے!

پھر آخری نکتہ اس کاروانِ قریش کے بارے میں یہ ہے کہ اس عظیم و مالا مال قافلے کے ساتھ کل تیس چالیس اور ایک روایت کے مطابق ستر آدمی تھے اور وہ کل ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اس پر تمام مآخذ کا اتفاق ہے کہ ماضی قریب میں یہ سب سے بڑا کارواں تھا جس میں ہر مکی مرد و عورت کا کچھ نہ کچھ پیسہ لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ بعض قریشی کارواں کا ذکر آ چکا ہے اور ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ کسی میں تین سو، کسی میں دو سو اور کسی میں سو محافظ یا اشخاص تھے۔ ایک کارواں کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اس میں پندرہ سو اونٹ تھے۔ ظاہر ہے کہ سب کے سب ابوسفیان کے زیرِ قیادت مکی کارواں کے مقابلے میں کافی حقیر تھے۔ ان میں اتنی بڑی تعداد میں محافظوں یا تاجروں کی موجودگی کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی تعداد میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے اس خیال کو مغربی مورخین خصوصاً منٹگمری واٹ نے قبول کر لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ مکی تاجروں نے شروع میں مدینہ میں اور مسلم حکومت کے قیام سے خوف محسوس کیا تھا اور حفاظت کی خاطر زیادہ سے زیادہ محافظ ساتھ لیے تھے لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کے دل سے خوف دور ہوتا گیا اور اسی وجہ سے قریشی کارواں میں شامل افراد کی تعداد گھٹتی گئی تا آنکہ ان کے عظیم ترین کارواں میں انفرادی طاقت سب سے کم رہ گئی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جب ابوسفیان اپنا کارواں لے کر شام روانہ ہوئے تھے تو نہ صرف ان کو بلکہ مکہ والوں کو مدینہ کے مسلمانوں سے کم از کم کوئی خطرہ اپنی تجارت کے لئے محسوس نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی اس قافلے والوں نے پورے سفر کے راستے میں خاص کر مدینہ کے قریب سے گزرتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ ان کو پہلی بار خطرہ شام میں قیام کے دوران یا اپنی واپسی پر شام کی سرحد پر جذام و عذرہ کے علاقہ میں محسوس ہوا تھا اور وہ ہوشیار ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنی پہلی فرصت میں اس کی حفاظت کا بندوبست کیا تھا۔ ان تمام نکات و حقائق کی روشنی میں یہ بات حتمی طور سے کہی جا سکتی ہے کہ غزوہ ذوالعشیرہ کا مقصد و محرک قریشی کارواں تجارت پر چھاپہ مارنا نہیں تھا بلکہ اس علاقے کے بدوی قبائل سے صلح و دوستی کے معاہدے کرنا تھا۔

۸۔ آٹھویں مہم :-

ابتدائی مہموں کے سلسلے کی آخری اور غالباً اہم ترین مہم نخلہ کی تھی جو حضرت عبداللہ بن جحش بن رباب الاسدی کی قیادت میں مکہ کے بالکل قریب واقع مقام نخلہ کو بھیجی گئی تھی۔ ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ سفوان یا بدر اولیٰ سے اپنی واپسی پر رجب میں آٹھ مہاجرین پر مشتمل یہ مہم روانہ فرمائی تھی۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش کو ایک ہدایت نامہ (کتاب) عطا فرما کر حکم دیا تھا کہ دو دن کے سفر کے بعد اسے کھول کر دیکھیں اور اس میں تحریر شدہ حکم پر عمل کریں اور اگر ان کے ساتھیوں میں سے کوئی نہ چاہے تو اس کو مجبور نہ کریں۔ ان آٹھ مہاجرین کے نام یہ تھے:-

۱۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ اموی رضؓ
۲۔ حضرت عبداللہ بن جحش اسدیؓ (حلیف بنو امیہ)
۳۔ حضرت عکاشہ بن محصن اسدیؓ (حلیف بنو امیہ)
۴۔ حضرت سعد بن ابی وقاص زہریؓ۔
۵۔ حضرت عامر بن ربیعہ عنزیؓ (حلیف بنو عدی)
۶۔ حضرت عتبہ بن غزوان مازنی (حلیف بنو زہرہ)

۷۔ حضرت بکیر خالد بن بکیر لیثیؓ (حلیف بنو سعد)　　۸۔ حضرت سہیل بن بیضا حارثیؓ

دو دن کے سفر کے بعد جب حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے نامۂ مبارک کھولا تو اس میں تحریر تھا:

اذا نظرت فی کتابی ھذا فامض	(جب تم میرا یہ خط پڑھو تو چلتے رہو یہاں تک
حتی تنزل نخلۃ بین مکۃ و	مکہ اور طائف کے درمیان واقع نخلہ میں قیام کرو
الطائف فترصد بھا قریشا وتعلم	اور وہاں قریش پر کڑی نظر رکھو اور ہمارے
لنا من اخبارھم	لئے ان کی خبریں معلوم کرو۔)

خط کا مضمون پڑھ کر انہوں نے آمنّا وصدقنا کہا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو نخلہ جا کر قریش پر نظر رکھنے اور ان کی خبریں معلوم کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے مجھ کو تم میں سے کسی کو مجبور کرنے سے منع کیا ہے۔ اگر کسی کو شہادت کی تمنا ہے تو وہ آگے چلے اور جس کو نہ ہو وہ واپس چلا جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کروں گا۔"

چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور ان کے تمام اصحاب نے ان کا ساتھ دیا اور کسی نے بھی پیچھے رہنا پسند نہ کیا۔ وہ حجاز کے راستے سفر کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ فرع کے علاقہ بالا میں واقع ایک کان (معدن) پر پہنچے جس کو بحران کہا جاتا تھا تو سعد اور عتبہ کا اونٹ گم ہو گیا جس پر وہ آگے پیچھے بیٹھتے تھے۔ چنانچہ وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ جبکہ حضرت عبداللہ اور ان کے بقیہ ساتھی نخلہ جا پہنچے۔ ایک قریشی کارواں جو سوکھی کھجوریں (زبیب) کھالیں (ادم) اور کچھ دوسرا سامان تجارت (تجارۃ من تجارۃ قریش) لے جا رہا تھا۔ ان کے پاس سے گذرا۔ اس میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور اس کا بھائی نوفل مخزومی اور ہشام بن مغیرہ مخزومی کا مولی حکم بن کیسان شامل تھے۔ جب کارواں والوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے کیونکہ وہ ان کے قریب ہی خیمہ زن ہوئے تھے عکاشہ نے جنہوں نے اپنا سر گھٹا لیا تھا ان کے سامنے آ گئے اور ان کو یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ وہ عمرہ کرنے والے ہیں اور ان سے خوف کی کوئی ضرورت نہیں" مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کیونکہ یہ رجب کا آخری دن تھا اور آپس میں کہا کہ "اگر تم ان کو آج کی رات چھوڑتے ہو تو یہ حرم مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور تم سے بچ نکلیں گے اور اگر تم ان کو قتل کرتے ہو تو تم ایسا ماہ مقدس میں کرو گے۔" چنانچہ وہ ان پر حملہ کرنے سے گریزاں و ترساں تھے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ہمت دلائی اور آخر کار فیصلہ کر لیا کہ ان میں جتنوں کو قتل کرنا ممکن ہو ان کو مار ڈالا جائے اور ان کے مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ واقد بن عبداللہ تمیمی نے عمرو بن حضرمی پر ایک تیر چلایا اور اس کو مار ڈالا عثمان بن عبداللہ مخزومی اور حکم بن کیسان نے اپنے کو حوالہ کر دیا اور نوفل بچ کر نکل گیا۔ حضرت عبداللہ اور ان کے اصحاب نے کارواں اور دونوں قیدیوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو لے کر مدینہ پہنچے۔ عبداللہ کے ایک خاندان والے کا بیان ہے کہ اول الذکر نے کہا تھا کہ: "مال غنیمت میں سے خمس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے۔" (یہ فیصلہ مال غنیمت میں خمس کا حکم خداوندی کے نازل ہونے سے پہلے کیا گیا تھا) بہر حال

انہوں نے خمس الگ کر کے باقی مال اپنے تمام اصحاب میں تقسیم کر دیا۔

جب یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ:

"میں نے تم کو ماہ مقدس میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔"

اور آپ نے کاروان اور دونوں قیدیوں کا معاملہ معطل رکھا اور ان میں سے کچھ بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تو اصحاب سریہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور ان کو اپنی ہلاکت نظر آنے لگی۔ ان کے مسلمان بھائیوں نے ان کو ان کے فعل پر لعن طعن شروع کر دیا اور قریش نے کہا: "محمدؐ اور ان کے اصحاب نے ماہ مقدس کی بے حرمتی کی ہے اس میں خون ریزی کی، مال لوٹا اور قیدی بنائے۔"

مکہ میں موجود مسلمانوں نے اس کی تردید کی اور جواباً کہا کہ انہوں نے یہ سب کچھ شعبان میں کیا ہے۔ یہودیوں نے اس واقعہ سے فال نکالی (جس کا مفہوم و مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان اس واقعہ کی بنا پر جنگ چھڑنے والی ہے) لیکن خدا نے اس فال کو ان پر ہی الٹ دیا اور ان کے حق میں نہ رہنے دیا اور جب اس معاملہ پر بہت گفتگو ہونے لگی تو خدا نے اپنے رسول پر نازل فرمایا:

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتالٌ فيه كبير، وصدٌّ عن سبيل الله وكفرٌ به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله، والفتنة اكبر من القتل، ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم ان استطاعوا....

(۲ : ۲۱۷)

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حرام کے مہینے کو اس میں لڑائی کرنے، تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے زیادہ گناہ ہے اللہ کے ہاں اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے زیادہ اور وہ تو لگے ہی رہتے ہیں تم سے لڑنے کو یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر مقدور پاویں۔

(ترجمہ از شاہ عبدالقادر دہلوی)

جب اس معاملہ کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور اللہ نے مسلمانوں کی تشویش دور کر دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کارواں اور قیدیوں پر قبضہ کر لیا۔ قریش نے آپؐ کے پاس عثمان اور حکم کو رہا کرانے کے لئے بھیجا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ:

"ہم ان کو اس وقت تک رہا نہیں کریں گے جب تک ہمارے دونوں ساتھی واپس نہیں آ جاتے (آپ کی مراد حضرت سعدؓ اور عتبہؓ سے تھی) اگر تم ان کو مار ڈالو گے تو ہم تمہارے ساتھیوں کو قتل کر دیں گے۔"

لیکن جب حضرت سعدؓ اور عتبہؓ واپس آ گئے تو آپ نے ان دونوں قیدیوں کو زر فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ جہاں تک حکم کا تعلق ہے وہ اچھے مسلمان بنے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقیم رہے یہاں تک کہ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔ عثمان اللہب مکہ چلا گیا جہاں وہ

کی حیثیت سے مرا۔ قرآن کے نازل ہونے پر جب حضرت عبداللہ کی تشویش دور ہوگئی تو ان کو اجروثواب کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اور انہوں نے پوچھا: "کیا ہمارے اس کارنامے کو جہاد مانا جائے گا اور ہم کو مجاہدین کا اجر ملے گا؟"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا:

ان الذین امنوا والذین هاجروا وجاهدوا	جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ
فی سبیل الله اولئك یرجون رحمة الله	میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی مہر کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
والله غفور رحیم (۲-۲۱۸)	(ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی)

اس طرح اللہ نے ان کی سب سے بڑی آرزو پوری کر دی۔

حضرت عبداللہؓ کے ایک خاندان والے کا کہنا ہے کہ خدا نے مالِ غنیمت کے چار حصے مجاہدین کے لئے اور خمس خدا اور اس کے رسولؐ کے لیے مقرر فرما دیے۔ یہ فیصلۂ خداوندی اس کاروانِ قریش کے مالِ غنیمت کے بارے میں حضرت عبداللہؓ کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عبداللہ کے سریے کے بارے میں کچھ اشعار کہے تھے اور بعض راویوں کا خیال ہے کہ یہ اشعار خود امیر سریۂ نخلہ نے کہے تھے۔ ان اشعار کا مفہوم قرآنی آیت ۲: ۲۱۷ کے مطابق ہے۔ صرف اتنا تو یہ ہے کہ ابن حضرمی کے قتل اور واقد کے ہاتھوں جنگ کے شعلے بھڑکائے جانے اور عثمان مخزومی کے مسلمانوں کے قبضہ میں ہونے کی طرف اشارہ کئے گئے ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت بیان کرنے کے بعد ابن ہشام نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ پہلا مالِ غنیمت تھا جو مسلمانوں کو ملا، عمرو بن حضرمی پہلا مقتول تھا جس کو مسلمانوں نے مارا تھا جبکہ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان ان کے پہلے قیدی تھے۔

واقدی کی روایت میں حسبِ ذیل اہم اضافے اور اختلافات ہیں:

۱۔ یہ مہم ہجرت کے سترھویں مہینے کے آغاز میں (علی راس سبعة عشر شهرا) نخلہ بھیجی گئی تھی جو ابن عامر کا باغ تھا۔

۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے ایک شام قبل حضرت عبداللہ کو نمازِ عشا کے وقت طلب فرمایا تھا اور اگلی صبح مسلح ہو کر آنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "میں صبح کو تمھیں کہیں بھیجوں گا۔"

۳۔ حسبِ ہدایت نبوی جب وہ صبح کو حاضر ہوئے تو تلوار، تیر کمان و ترکش اور چمڑے سے بنی ہوئی ڈھال سے مسلح تھے۔ نمازِ صبح کے بعد لوگوں کے منتشر ہونے پر حضرت عبداللہ دولتکدۂ نبوی پر پہنچے تو وہاں پہلے سے قریش کے کچھ لوگ موجود تھے۔

۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب کو بلا کر خولانی چمڑے کے ٹکڑے (ادیم خولانی) پر خط لکھوایا۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن جحش کے استفسار پر آپؐ نے ان کو رکیۃ کی سمت میں نجدی راستے (نجدیۃ) سے سفر کی ہدایت فرمائی تھی۔

۶۔ آپ نے امیر سریہ کو ابن ضمیرہ کے کنوئیں (بئر) نامی مقام پر پہنچنے کے بعد خط پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

۷۔ نخلہ پہنچنے پر ان کو واقدی کے مطابق قریش پر نظر رکھنے کے بجائے کاروانِ قریش پر نگاہ رکھنے کا حکم نامۂ نبوی میں دیا گیا تھا (فترصد بها عیر قریش)

۸۔ حضرت عکاشہ نے مکی کارواں والوں کا خوف دور کرنے کے لیے فوراً "حلق" کرایا تھا اور عامر بن ربیعہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ان کا سر مونڈا تھا۔

۹۔ قریشیوں نے اپنی سواریاں (رکاب ھم) کھول دی تھیں اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

۱۰۔ دن اور تاریخ کے بارے میں اصحاب نبیؐ میں اس پر اختلاف تھا کہ وہ آخری رجب تھی یا یکم شعبان۔

۱۱۔ مسلم جماعت دو فریقوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک کا خیال تھا کہ ان پر حملہ کر کے ان کا مال و متاع چھین لیا جائے اور دوسرے فریق نے اس خیال کی مخالفت کی تھی اور پہلے فریق کو دنیاوی مال کی طمع (عرض الدنیا) سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لوگ غالب ہوئے تھے جو دنیاوی مال و دولت کی فکر میں تھے۔"

۱۲۔ حضرت مقداد بن عمرو کا بیان ہے کہ میں نے جب حکم بن کیسان کو پکڑ لیا تو ہمارے امیر نے ان کی گردن مارنی چاہی مگر ہم نے ان کو اس سے باز رکھا۔ واقدی نے حضرت حکم کے مسلمان ہونے کی تفصیلات اسی جگہ بیان کی ہیں اور کہا ہے کہ ان کے مدینہ پہنچنے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے جب اسلام پیش کیا تو کافی دیر تک کلام کرتے رہے اور ان کو سمجھاتے رہے لیکن وہ برابر خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی عدم قبولیت اسلام کو دیکھ کر ان کی گردن مارنے کی دھمکی دی لیکن پھر بھی ان کے بند لب نہ کھلے۔ آخر کار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تبلیغ کام کر گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ واقدی نے زہری کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت حکم بن کیسان نے اسلام لانے سے پہلے اسلام کی تعریف پوچھی تھی اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ اسلام توحید الٰہی اور رسالت محمدیؐ کا اقرار صادق ہے تو وہ اسلام لے آئے۔

۱۲۔ واقدی کے مطابق قریشی کارواں میں ادم، زبیب کے علاوہ خمر (شراب) بھی تھی اور یہ سامان وہ طائف سے لا رہے تھے۔

۱۴۔ بحران نامی کان کے بارے میں واقدی نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ بنو سُلیم کی مشہور کان کا ایک حصہ (ناحیۃ) تھی۔

۱۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کا بیان یہ ہے کہ اس مہم میں بارہ اشخاص تھے۔ پھر انہوں نے اپنے بچھڑ جانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ بحران میں ہم نے اپنے اونٹ چرنے کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ ہر دو آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر وہ مشترکہ طور سے سواری کرتے تھے۔ ان کا اونٹ چرتے چرتے کھو گیا تھا اس لیے وہ مہم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے واپسی کے سفر کی تفصیلات مع منازل کے بیان کی ہیں۔

۱۶۔ واقدی کے مطابق قریش کے ہر قیدی کا زر فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے تھے۔

۱۷۔ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں یہ وضاحت کی ہے کہ خمس ($\frac{1}{5}$) کی جگہ جاہلیت کے زمانے میں ربع ($\frac{1}{4}$) ہوتا تھا۔

۱۸۔ ابوبردہ بن نیار کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف خمس کو معطل نہیں کیا تھا بلکہ پورا کارواں ہی موقوف رکھا تھا اور نخلہ کے مال غنیمت کو بدر کے مال غنیمت کے ساتھ تقسیم کیا تھا۔

۱۹۔ مقتول مکی ابن حضرمی کی روایت کے سلسلے میں دو متضاد روایتیں ملتی ہیں اول عروہ کی روایت ہے جس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کی تھی۔ اور ماہ مقدس کی حرمت کی تصدیق کی تھی اور اس کو برقرار رکھا تھا جبکہ دوسری روایت ابن عباس

کی ہے جس کے مطابق آپؐ نے ابن حضرمی کی دیت نہیں ادا کی تھی۔

۲۰۔ ابو معشر کی روایت ہے کہ اسی غزوہ میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو امیر المومنین کا خطاب ملا تھا۔

۲۱۔ آخر میں واقدی نے مشرکا مہم کی فہرست دی ہے جس میں کل آٹھ نام گنائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ ہی روایت زیادہ صحیح (اثبت) ہے بعض دوسری روایتوں کے مطابق ان کی تعداد بارہ اور تیرہ بھی بتائی گئی ہے۔

ابن سعد کی روایت ان کے استاد واقدی کی روایت کی تلخیص ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے یہاں شرکا مہم کی تعداد بارہ ہی بتائی گئی ہے اور نامہ نبوی کی عبارت کی جگہ ان کے اپنے الفاظ میں کاروان قریش (عیر قریش) پر نظر رکھنے کے حکم کی طرف اشارہ ہے۔ بلاذری کی روایت بھی واقدی کی روایت کا چربہ ہے لیکن کچھ فرق کے ساتھ۔ ایک تو فرق یہ ہے کہ اس میں حکم بن کیسان کو بھی مقتول بتایا گیا ہے، دوم نامہ نبوی کے اصل فقرے میں فعل مختلف ہے اور فارصد بھا عیر قریش کے الفاظ ہیں۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ شہر حرام میں جنگ و جدال کے بارے میں استفسار جس کی طرف قرآن کریم کی متعلقہ آیت میں حوالہ ہے مسلمانوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ یعقوبی کی روایت ابن اسحاق کی روایت کا اختصار ہے۔ طبری نے تین روایات بیان کی ہیں اس سلسلہ میں پہلی تو ابن اسحاق کی روایت ہے جو پوری مفصل ہے۔ دوسری واقدی کا صرف ایک مختصر حوالہ ہے اور تیسری روایت سُدی کی ہے جو مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایتوں سے کافی مختلف ہے۔ اس تیسری روایت کے مطابق نخلہ کی مہم میں کل سات نفر تھے۔ ان میں عمار بن یاسر اور عامر بن فہیرہ کے دو نئے نام ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن جحش نے جس جگہ نامۂ مبارک پڑھا تھا اس کا نام بطن ملل یا وادی ملل بتایا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو موت کے لیے تیار رہنے اور وصیت کر لینے کی ہدایت بھی کی تھی۔ مکی کارواں کے شرکا کی تعداد چار ہی بتائی گئی ہے اور ایک کے سوا سب کے نام بھی دوسروں کی طرح ہیں۔ نیا نام مغیرہ بن عثمان ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہی شخص مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچ نکلا تھا۔ ایک نیا فرق یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کافروں نے رجب میں قتل و خونریزی کرنے کا الزام لگایا اور لعن طعن کیا تھا تو مسلمانوں نے اپنے جواب میں تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ مہینہ جمادی الآخر کا تھا۔ ابو جعفر کی روایت کے مطابق پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو امیر سریہ بنا کر بھیج دیا تھا مگر پھر ان کو واپس بلا کر حضرت عبداللہ بن جحش کو ان کی جگہ امیر سریہ مقرر کرکے روانہ کیا تھا۔

جدید مغربی مورخین نے خاص طور پر اور عام جدید مصنفین نے عام طور سے اس سریہ پر کافی بحث کی ہے اور مسلمانوں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی کارواں پر ماہ مقدس میں مال و دولت کی حرص و ہوس میں غدارانہ حملے کا مورد الزام قرار دیا ہے کارل بروکلمن (CARL BROCKELMANN) کا خیال ہے کہ مسلم مہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ماہ مقدس کی بے حرمتی کرکے ایک مالا مال کارواں کو لوٹ لیا کیونکہ مکی کارواں کے محافظ ماہ مقدس کی وجہ سے اس کے تحفظ کی طرف سے مطمئن تھے۔ لیکن اس قبائلی اخلاقی ضابطہ کی اس خلاف ورزی پر جب خود مدینہ میں ایک طوفان ناراضگی اٹھ کھڑا ہوا تو رسولؐ نے حملہ کرنے کا حکم دینے کی واقفیت سے انکار کر دیا حالانکہ اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ حملہ آپ کی خواہشات کے مطابق ہوا تھا اور بعد میں آپ کی تردید یا انکار آپ کے اپنے احکام کی غلط تعبیر و تشریح تھی۔ لیکن جب کثیر مال غنیمت نے آپ میں شدید حرص پیدا کر دی تو آپ نے ایک بعد کی آیت

منزلہ میں کا فریق سے خلاف اعلان جہاد کرنے اور مالِ غنیمت کی تقسیم اور ماہِ مقدس میں جنگ کے جواز کا اعلان کرنے کی جرأت کی۔ فرانسسکو جبریلی (FRANCESCO GABRIELI) نے اس مہم کو مدینہ کی کثیر آبادی کی مادی ضروریات پوری کرنے کے عوامل کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے اس کو ایک غارتگرانہ حملہ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے صلح کے زمانے کا خاتمہ کر دیا اور جس کے نتیجہ میں مکہ میں شدید ردعمل ہوا اور مدینہ میں بھی خاصی بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔[۱] منٹگمری واٹ نے ان سب میں سب سے طویل بحث کی ہے[۱] اور تقریباً انھیں خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے ہمارا سابقہ اگلے صفحات میں پڑے گا۔ ماخذ کی مختلف روایات اور مغربی مورخین کی شدید بحث میں سریہ نخلہ کی اصل نوعیت اجاگر نہیں ہوتی اس لیے تاریخی دیانت کا تقاضہ ہے کہ اس پر مفصل بحث کی جائے تاکہ اس متنازعہ فیہ آخری سریہ کے محرکات، مسائل اور مقاصد تاریخی حقائق کی روشنی میں واضح ہو سکیں۔

بحث کا آغاز اس نکتے سے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم کا محرک و مقصد کیا تھا؟ اور کیا ماخذ سے وہ نتیجہ نکلتا ہے جو جدید مغربی مورخین نے نکالا ہے؟ ہم اوپر ماخذ کی بیان کردہ روایات میں دیکھ چکے ہیں کہ ماخذ کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک طبقہ ابن اسحاق، ابن ہشام، یعقوبی، طبری اور ابن اثیر پر بنیادی طور سے مشتمل ہے، جن کے مطابق سریہ نخلہ کا مقصد و محرک قریش کے آئندہ ارادوں، منصوبوں اور کارروائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا۔ دوسرا طبقہ واقدی، ابن سعد اور بلاذری پر مشتمل ہے اور ان کے مطابق ان کا مقصد کسی قریشی کاروان پر نظر رکھنا تھا۔ ان دونوں طبقات کا نقطۂ نظر درحقیقت نامۂ نبوی کی عبارت پر منحصر ہے۔ یہ دلچسپ اور اہم حقیقت ہے کہ مختلف ماخذ میں نامۂ نبوی کی عبارت مختلف انداز میں نقل ہوئی ہے۔ نقلی اختلافات تو اتنے زیادہ اہم نہیں ہیں کیونکہ ان سے اصل معنی و مفہوم پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا ہے۔ البتہ بعض الفاظ اور فقروں کی موجودگی اور حذف سے صورت حال خاصی مختلف اور پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ پہلے طبقہ کے مطابق سریہ نخلہ کے مجاہدین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ نخلہ جائیں اور وہاں قریش پر نظر رکھیں اور مسلمانوں کے لیے ان کی خبریں فراہم کریں۔ جبکہ دوسرے طبقہ کے مطابق ان کو "کسی خاص کاروان قریش پر نظر رکھنی تھی۔ چنانچہ ان کے یہاں پہلے طبقہ کی نقل کردہ عبارت کا آخری فقرہ" وتعلم لنا من اخبارھم" (ہمارے لیے ان کی خبریں حاصل کرو) نہیں ہے۔ جبکہ پہلے ٹکڑے میں فترصد بھا قریشا (قریش پر نظر رکھو) کی جگہ ترصد بھا عیر قریش عبارتوں میں سے کون سی عبارت زیادہ صحیح ہے؟ تاریخی اصولوں اور تاریخ نویسی کے قواعد کا تقاضا تو یہی ہے کہ اختلاف و تضاد کی صورت میں قدیم ترین روایت کو ترجیح حاصل ہو۔ چنانچہ اس بناء پر ابن اسحاق اور ان کے متبعین کی روایت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے حق میں یہ بات بھی جاتی ہے کہ اکثر مورخین ان ہی کی روایات سے اتفاق کرتے ہیں۔ اس لئے بنیادی طور پر اس سریہ کا مقصد قریش کے ارادوں پر نظر رکھنا اور ان کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہی قرار پاتا ہے۔

پھر اگر واقدی اور ان کے ہمنوا مورخین کی روایت کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی خاص مکی کاروان پر نظر رکھنے کی ہدایت مہم والوں کو دی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں دو نکتے ابھرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے کون سا کاروان مراد تھا؟ طائف سے مکہ آنے والا کاروان جس پر مجاہدین نخلہ نے چھاپہ مارا تھا۔ یا کوئی اور؟ بیشتر جدید محققین نے اس سے یہی مراد لیا ہے کہ نامۂ نبوی میں نخلہ کے کاروان کی طرف اشارہ تھا۔ منٹگمری واٹ نے اس نکتہ پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کاروان کے اس راستہ سے نخلہ سے گزرنے کا علم تھا کہ نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو اس کارواں کے نخلہ سے گذرنے کا علم تھا لیکن وقت و تاریخ کے بارے میں یقین نہ تھا۔ غالباً وہ کچھ مدت بعد گزرنے والا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ کارواں وقت سے پیشتر آ نکلا تھا۔ اس لیے آپ کے تمام اندازے غلط ہو گئے اور مسلمان مجاہدین کو مجبوراً ماہ مقدس میں حملہ کرنا پڑا۔

دوسرا امکان منٹگمری واٹ کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کو اس کارواں کے گذرنے کا علم نہ رہا ہو۔ بلکہ آپ نے عمومی امکان کو مدِنظر رکھ کر ہدایت دی ہو کہ اس نسبتاً محفوظ راستے پر کارواں عموماً گذرتے ہی رہتے ہیں۔ غالباً آپ کو یہ خیال تھا کہ شامی شاہراہ تجارت کے مقابلے میں اس مقامی شاہراہ پر کارواں کے ساتھ محافظ بھی کم ہوں گے۔[100] واٹ کی یہ دلیل تسلیم کرنے میں کئی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ مکہ سے اتنی دور مدینہ میں بیٹھ کر آپ کو نخلہ سے کسی مخصوص کارواں کسی مخصوص تاریخ کو گذرنے کا علم ہونا ناممکن نہیں مگر محال ضرور تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو علم کیونکر ہوا ہوگا؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ مسلم جاسوسوں کے ذریعے یا کسی مسافر کے ذریعے۔ مسافر کا ذریعہ قطعیت کے ساتھ خبر فراہم کرنے کا وسیلہ نہیں بن سکتا جہاں تک مسلم جاسوسوں کا تعلق ہے تو اول تو یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ مرکزِ اسلام سے اتنی دور ان کی جولان گاہ رہی ہو اور اگر ملکی مسلمانوں کے امکان کو مدِنظر رکھ کر یقین بھی کر لیا جائے تو پچھلے چھ تجربات کی روشنی میں اس کی واقعاتی تردید ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جدید مورخین کے خیال کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اپنی زیرِ کمان یا آپ کی بھیجی ہوئی مہمیں محض اس بنا پر اکثر حالات میں ناکام رہی تھیں کہ ان کو قریشی کارِ والوں کے گذرنے کی صحیح تاریخ اور وقت کا علم نہیں تھا۔ پھر اگر اپنے زیرِ اثر علاقے اور قریبی شاہراہ سے گزرنے والے قافلوں کا وقتِ گزر مسلم جاسوس معلوم کرنے میں کامیاب نہیں رہے تھے۔ تو اتنی دور کے کسی قافلے کے گزرنے کے وقت کا حتمی علم ان کو کیونکر ہو سکتا تھا؟ جہاں تک کاروانوں کے عمومی امکان کا تعلق ہے یہ خاصا اہم اور وزنی امکان ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کسی قریشی کارواں پر صرف نظر رکھنے سے مسلمانوں کا بھلا ہو سکتا تھا؟

چنانچہ جدید مغربی مورخین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہدایت نبوی میں قریشی کارواں پہ نظر رکھنا یا نگرانی کرنا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ اصل مقصد ان پر چھاپہ مارنا تھا۔ اور مالِ غنیمت حاصل کرنا تھا۔ اور اسی بنا پر ان مؤرخین کے نزدیک "ترصّد" کے معنی نگاہ رکھنے یا نگرانی کرنے کے بجائے گھات لگانے کے ہیں۔ واٹ نے مزید تحقیق یہ کی ہے کہ لفظ ترصّد کے معنی گھات لگانے کے بجائے نگرانی کرنے کے قرار دینے کے لیے بعض روایتوں میں تعلم لنا من اخبارھم (یعنی ان کی خبریں ہمارے لئے معلوم کرو) کا فقرہ الحاقی ہے جو بعد میں راویوں نے جوڑ دیا ہے۔[109] لیکن واٹ کی یہ تحقیق عربی نحو کے قواعد اور تاریخی اصولوں کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی لغوی اعتبار سے کسی بھی قاموس و لغت سے ثابت نہیں ہوتا کہ نامۂ نبوی کی منقولہ عبارت میں لفظ ترصّد کے معنی گھات لگانے اور چھاپہ مارنے کے ہوتے ہیں۔ تمام لغات کیا قدیم کیا جدید اس پر متفق ہیں کہ اس لفظ کے معنی نگرانی کرنے، امید کرنے، انتظار کرنے یا توقع کے ہیں۔ "عربی نحو کے مطابق جب تک لفظ ترصّد کے لیے ل کا صلہ نہ آئے اس وقت تک اس کے معنی گھات لگانے کے لئے نہیں بن سکتے۔"[111]

چنانچہ اس قاعدے کے مطابق واقدی وغیرہ کے یہاں عبارت ترصّد بھا عیر قریش ہونا چاہئے تھی۔ یہ تصور بھی نہیں کیا

جا سکتا کہ ان راویوں کو ترصّد اور ترصد کا فرق نہ معلوم ہو۔ پھر اگر لفظ ترصد کے معنی نگرانی کرنے کے قرار دینے کے لیے ایک پورا فقرہ الحاق کیا جا سکتا تھا۔ تو صرف ایک حرف کا اضافہ زیادہ آسان ہوتا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جس روایت میں تعلم لنا من اخبارھم والا مبینہ الحاقی فقرہ موجود ہے اس میں لفظ غیر موجود نہیں ہے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ فقرہ ابن اسحاق وغیرہ کی روایت میں موجود ہے جو کارواں قریش کے بجائے صرف قریش پر نظر رکھنے کی ہدایت نبوی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس فقرہ کے الحاقی ہونے کے ثبوت میں کوئی دلیل مورخ موصوف نے نہیں دی ہے۔

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ الحاق ہونے کا الزام "بعد" کی روایت پر لگانا تو قرین قیاس ہے لیکن ترتیب زمانی کے لحاظ سے کسی قدیم تر یا اولیں روایت پر لگانا تو خلاف عقل ہی ہو گا۔ اس بنا پر تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ واقدی وغیرہ جو ابن اسحاق کے نصف صدی اور اس سے زیادہ مدت کے بعد لکھ رہے تھے۔ بلا غور و فکر کئے اپنی روایتوں میں قریش سے پہلے لفظ غیر بڑھانے کے مرتکب ہوئے تھے۔ نہ کہ ابن اسحاق۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ واٹ نے لفظ ترصد کے معنی و مفہوم پر خاصی گفتگو کر ڈالی مگر اس نکتے کی طرف اشارہ تک نہ کیا اور اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انہوں نے زہری اور یزید بن رومان کے واسطے سے عروہ بن زبیر کی اس معیاری روایت میں جو ابن اسحاق کے یہاں پہلی بار مذکور ہوئی ہے۔ مکی کارواں پر گھات لگانے کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ اصل روایت میں قریش ہے۔ کاروان قریش نہیں۔"[112]

مورخ موصوف نے نامۂ رسالت کی عبارت سے گھات لگانے کے مفہوم کی مزید تائید اس دلیل سے فراہم کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ کی ترتیب و تنظیم میں کافی احتیاط اور رازداری سے کام لیا تھا۔ آپؐ نے نہ صرف مجاہدین پر مہم کی منزل اور اس کے مقصد کو واضح نہیں کیا تھا بلکہ قائد سریہ کو ایک مہربند خط عطا فرمایا تھا۔ جس کے مضمون سے آپؐ کے علاوہ آپؐ کے کاتب اور غالباً ایک دو مشیروں کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا اس کے علاوہ آپؐ نے مہم کو عام راستے کے بجائے نسبتاً ایک غیر معروف نجدی راستے سے جانے کی تاکید کی تھی۔ ان کا سفر تقریباً مشرقی سمت میں ہوا تھا۔ جبکہ منزل مقصود تقریباً بالکل مکہ کے جنوب میں تھی۔ بلاشبہ آپؐ نے یہ ساری احتیاط و رازداری صرف اس لئے برتی تھی کہ آپؐ مکیوں کے جاسوسی نظام کو اپنے اصل ارادوں کے بارے میں تاریکی میں رکھنا چاہتے تھے۔ غالباً آپ کی بعض سابقہ مہمیں صرف اس لیے ناکام رہی تھیں۔ کہ ان کے مقاصد کا علم دشمن کو ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ مہم مدینہ کے بجائے مکہ کے زیادہ قریبی علاقے میں جا رہی تھی۔ اس لیے اس کے منصوبے کے دشمنوں کی نظر میں آ جانے کی صورت میں ہشت کا مہم کی زندگی خطرہ میں پڑ سکتی تھی۔"[113]

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اگر اس مہم کے بارے میں دشمن کو ذرا بھی پتہ لگ جاتا یا سن گن مل جاتی تو نہ صرف ان مسلمان مجاہدین کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا۔ بلکہ اس مہم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ لیکن آپ کے محتاط اور راز دارانہ اقدامات سے یہ مفہوم کیونکر نکلتا ہے کہ اس مہم کا مقصد چھاپہ مار کارروائی تھا۔ چاہے ابن اسحاق کا نقطۂ نظر تسلیم کیا جائے چاہے واقدی کا۔ دونوں صورتوں میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ساری احتیاط اور رازداری کے پیچھے یہ مقصد کار فرما تھا کہ قریش کو اپنے اتنے قریب ایک مسلمان مخبر جماعت یا طلیعہ کی موجودگی کا علم نہ ہونے پائے اور اگر ان کو علم ہو جاتا تو پھر اس صورت میں مسلمان مجاہدین نہ تو قریش کے بارے میں خبریں حاصل کر سکتے اور

نہ ان کی نگرانی کرکے ان کے اصل ارادوں پر نظر رکھ سکتے اور نہ ہی قریش کے مخصوص کارواں کی کارروائیوں، مقاصد اور تیاری پر نظر رکھ سکتے۔ مزید خود ان کا تحفظ ذاتی خطرہ میں پڑ جاتا اس لئے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ نخلہ میں قیام کرکے قریش یا کارواں کے بارے میں خبریں حاصل کرنے کے لیے بھی احتیاط اور رازداری کی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی کہ کسی کارواں پر چھاپہ مارنے کے لیے

واٹ نے ایک دلیل یہ مزید دی ہے کہ نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد مسلم جماعت کو احکام نبویؐ پر عمل کرنے میں ہچکچاہٹ تھی اور وہ اس بنا پر نہیں تھی۔ کہ ان کو تعمیلِ احکام کی صورت میں کسی قسم کی اخلاقی ضابطہ شکنی یا اپنی مہم کے اخلاقی پہلوؤں کے بارے میں کسی قسم کا احساس ستا رہا تھا۔ ان کی ہچکچاہٹ بلاشبہ اس مہم میں مضمر واضح خطرہ کے سبب تھی۔ کیونکہ عرب خون جوش کھا جانے پر عاقبت نااندیشی تک شجاعت کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ لیکن عام حالات میں اپنے پورے ہوش و حواس کی درستگی کی صورت میں وہ گمبھیر خطرات سے حتی الامکان گریز کرتا ہے۔ بلاشبہ اسی بنا پر امیر سریہ کو ہدایت نبویؐ تھی۔ کہ وہ صرف ان صحابہ کے ساتھ کارروائی کریں اور جو اصحاب اس سے پوری طرح متفق نہ ہوں۔ ان کو واپس مدینہ بھیج دیں۔ واٹ نے اس سلسلہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور ان کے ہم سفر و ہم رکاب ساتھی حضرت عتبہ بن غزوان کے معاملہ کو پیش کیا ہے۔ ان کا اخذ کردہ نتیجہ یہ ہے کہ اونٹ کے گم ہو جانے اور اس کی تلاش میں ان کے قافلے سے بچھڑ جانے کی کہانی انہوں نے مہم کی کامیابی واپسی کے کئی دنوں بعد مدینہ پہنچ کر سنائی تھی۔ واٹ کا کہنا ہے ان کا یہ کہانی بیان کرنا ایک واقعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کہانی صحیح ہی تھی اور ایک روایت تو یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ کہانی صحیح نہیں تھی۔[۱۱۴] ان دونوں نے یقیناً کافی وقت ضائع کیا تھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ واقعہ بنو سلیم کے علاقے میں ہوا تھا۔ جو عتبہ بن غزوان کی ولادت کا علاقہ بھی تھا۔[۱۱۵]

منٹگمری واٹ نے اس سلسلے میں ان دونوں اصحاب پر صرف اسی مہم میں بزدلی کا الزام نہیں لگایا ہے۔ بلکہ حضرت سعد کو خاص طور سے نشانہ بناتے ہوئے ان کو جنگ قادسیہ میں بھی دوں ہمتی کا طعنہ صرف اس بنا پر دیا ہے کہ اس جنگ میں انہوں نے فوج کی کمان بیماری کے سبب ساقۂ لشکر میں ایک پالکی میں بیٹھ کر کی تھی۔ غالباً ان دونوں مواقع پر ان کی دوں ہمتی پر پردہ ڈالنے کے لئے اس روایتی مواد کو حقیقت کا روپ دیا گیا ہے جس کے مطابق حضرت سعد کے شرف میں یہ روایت گڑھی گئی کہ انہوں نے اسلام کی راہ میں پہلا تیر چلایا تھا۔ اس پر مہم نخلہ میں واقد بن عبداللہ تمیمی کے ہاتھوں عمرو بن حضرمی کے قتل کے واقعہ سے کہیں زیادہ زور دیا گیا ہے حالانکہ یہ صحابی اسلام میں پہلے قتل کرنے والے کا شرف رکھتے تھے واٹ کا خیال ہے کہ یہ فرق غالباً اس لئے روا رکھا گیا ہے کہ حضرت واقد خلافتِ فاروقی کے آغاز میں وفات پا گئے تھے اور ان کے جانشین نہ تھے۔ جبکہ حضرت سعد چالیس برس تک زندہ رہے تھے اور نہ صرف یہ کہ وہ امت کے ایک سرآوردہ اور اہم فرد تھے۔ بلکہ ان کے کافی تعداد میں اولاد و اخلاف تھے۔ اور حضرت کے کارناموں کے بارے میں زیادہ روایات جن میں بعض تضادات بھی ہیں یا تو خود ان سے مروی ہیں یا ان کے خاندان کے افراد سے۔ بہرحال واٹ کی مراد صرف اتنی سی ہے کہ حضرت سعد اور ان کے ہم سفر نے بزدلی کا ثبوت دیا تھا کیونکہ وہ مہم نخلہ کے خطرات سے واقف تھے اور منصوبہ سے متفق نہ ہونے کے سبب جان بوجھ کر پیچھے رہ گئے تھے اور اس سے ان کے نزدیک پوری جماعت کی ہچکچاہٹ اور پس و پیش ثابت ہوتا ہے۔[۱۱۶]

اب ذرا ماخذ پر نظر ڈالی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کیا مسلم جماعت مجاہدین کی جھجک کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ بلاشبہ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد اپنے اصحاب سے کہا تھا کہ "رسول کریمؐ نے مجھے نخلہ جا کر وہاں قریش کی خبریں معلوم کرنے کی ہدایت کی ہے اور مجھ کو تم میں سے کسی پر جبر و زور، زبردستی کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ تم سے جس کسی کو تمنائے شہادت ہو وہ آئے ساتھ چلے اور جس کو نہ ہو وہ واپس چلا جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تعمیل حکم کرنے جا رہا ہوں۔ چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور اسی طرح ان کے تمام ساتھی بھی چل پڑے اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ وہ حجاز کے راستے چلتے رہے۔ یہاں تک بحران نامی کان کے علاقے میں پہنچے اور جہاں بعد میں دو اصحاب کا اونٹ گم ہو گیا اور وہ اس کی کھوج میں پیچھے رہ گئے اور باقی جماعت نخلہ جا پہنچی۔"[117] ابن اسحاق کے اس بیان سے مسلم جماعت میں سے کسی ایک کے بھی پیچھے ہٹنے، دوں ہمتی دکھانے یا پس و پیش کرنے کی طرف ذرا سا حوالہ اور اشارہ تک نہیں ملتا۔ پھر اگر دو صحابیوں کے اونٹ کی تلاش کے بہانے پیچھے رہ جانے کو بفرض محال ان کی بزدلی سے تعبیر بھی کر لیا جائے۔ تو اس سے پوری جماعت کی ہچکچاہٹ کہاں ثابت ہوتی ہے۔ جماعت کے دو ارکان ہی تو اس دعوے کے مطابق ہمت ہار گئے تھے۔ بقیہ چھ یا دس یا نو اصحاب تو بلا تکلف و تامل نخلہ جا پہنچے تھے۔

پھر ایک اہم نکتہ یہ بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ نامۂ مبارک پڑھنے کے معاً بعد ان دونوں پیچھے رہ جانے والے اصحاب نے پس و پیش نہیں کیا تھا بلکہ وہ اس کے بعد بھی مہم کے ساتھ رہے تھے۔ اور بحران کے علاقے میں جہاں بقول واقدی انہوں نے اپنے اونٹ چرنے کے لیے کھول دیئے تھے۔ وہ قافلے سے بچھڑ گئے تھے۔"[118] گویا کہ انہوں نے پس و پیش کا مظاہرہ فوراً نہیں کیا تھا۔ بلکہ سوچ سمجھ کر اور منصوبہ بندی کر کے کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ امیر سریہ نے ان کو بخوشی اجازت دے دی تھی۔ پھر ان کو تھوڑی دور جا کر منصوبہ بندی کے ماتحت بہانہ بنانے اور پیچھے رہ جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے علاوہ مدینہ واپس آ کر ان کو اپنے پیچھے رہ جانے کی کہانی بنانے کی کیا حاجت تھی؟ کسی سے اس سلسلہ میں تو کوئی مواخذہ ہونے والا نہیں تھا۔ کیوں کہ انہوں نے محض اجازت نبویؐ سے فائدہ اٹھایا تھا اور یہ رعایت تو ان کو اخلاق، قانون اور ہر طرح کے روایتی ضابطہ کی رو سے حاصل تھی۔ اس طرح ان دلیلوں سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ان دونوں صحابیوں کی کہانی محض واقعہ نہیں تھی بلکہ صحیح بھی تھی۔ اس کی تائید واقدی اور ان کے پیرو مورخین کی روایات سے بھی ہوتی ہے اگرچہ اصحاب میں سے کسی کو مجبور نہ کرنے کا فقرہ واقدی کے یہاں نامۂ مبارک کی عبارت کا جزء ہے جب کہ ابن اسحاق کے یہاں حضرت عبداللہ بن جحش کی تقریر کا جو انہوں نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے سامنے کی تھی۔ واقدی کی تائید میں ابن ابی حاتم کی روایت ملتی ہے جو ابن کثیر نے نقل کی ہے اور جو جندب بن عبداللہ کی سند پر بیان ہوئی ہے۔[119] باقی تمام روایات زیادہ تر ابن اسحاق کی تائید میں ہیں۔ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ابن اسحاق کے مطابق رسول کریمؐ نے اپنی زبانی ہدایات میں کسی کو مجبور نہ کرنے کی ہدایت بھی دی ہو گی لیکن اگر واقدی وغیرہ کے نقل کردہ مبارک نامے کی عبارت ہی کو معیاری مان لیا جائے تو بھی کسی جھجک کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ جہاں تک غیر متفقین کے مدینہ واپس بھیجے جانے کے واقعہ کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس کی مذکورہ بالا کسی روایت سے تصدیق و تائید نہیں ہوتی ہے۔ طبری نے اپنی تفسیر میں محمد بن عبدالاعلیٰ الصنعانی کے واسطہ سے حضرت جندب بن عبداللہ کی ایک اور روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمی لوٹ آئے تھے۔[120]

لیکن کہاں سے اور کیوں لوٹ آئے تھے۔ اس کی تصریح نہیں ملتی ہے۔ بہرحال بیشتر شواہد ثابت کرتے ہیں کہ مسلم جماعت کو خاص طور سے اور افراد جماعت کو عام طور سے کسی قسم کا تردد یا تامل نہ تھا۔ جہاں تک حضرت سعد ابن ابی وقاص کی اس موقعہ اور جنگ قادسیہ میں تردد یا بدہمتی کے مظاہرے اور پھر اس کو چھپانے کے لئے ان کے تیر چلانے کی روایت گھڑنے اور اس پر بلا ضرورت زور دینے اور حضرت واقد کے کارنامے کو گھٹانے اور دونوں کے بارے میں مآخذ کے رویہ میں ان کے سیاسی اور سماجی پس منظر کے مدنظر فرق پائے جانے کا تعلق ہے۔ اس کا سر دست ہمارے اس موضوع سے تعلق نہیں ہے لیکن مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ پر دوں ہمتی کا الزام سراسر بہتان ہے۔ اور اس کی تاریخی واقعات سے تردید ہوتی ہے۔ حضرت سعد کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ بیشتر بلکہ تمام ابتدائی مہموں میں شریک رہے تھے اور بعد کے تمام غزوات میں اور بعض سرایا میں بھی پورا پورا حصہ لیا تھا۔[121]

ابن سعد اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ اصحاب نبیؐ میں ان کا شمار ماہر تیر اندازوں میں ہوتا تھا۔[122]

سریہ عبیدہ میں ان کے تیر چلانے کی فضیلت کا واقعہ کوئی تنہا نہیں ہے۔ جنگ احد میں انہوں نے ماہرانہ تیر اندازی کا دہ کیا تھا کہ متعدد روایات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف و توصیف فرمائی تھی۔[123]

اس کے علاوہ بھی بعض دوسرے غزوات و مواقع پر ان کی شجاعت و مردانگی کے حوالے ملتے ہیں۔[124]

یہ صحیح ہے کہ ان کے کارناموں کے بارے میں بعض روایات ان کی سند پر یا ان کے اہل خاندان سے میں کسی سے مروی ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ تعداد ان روایتوں کی ہے جو ان کے علاوہ دوسرے غیر متعلق راویوں سے مروی ہیں۔[125] پھر واٹ کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کی تیر اندازی کی خیرہ کن روشنی میں حضرت واقد کے کارنامے کو کم کر کے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ابن ہشام نے اپنے تبصرے میں ابن حضرمی کے قتل کو اسلام کے لیے اولین قتل قرار دے کر ان کے کارنامے کی قدر و قیمت کا اعتراف و اعلان کیا۔ بہرحال یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص زہریؓ حضرت واقد بن عبداللہؓ تمیمی کے مقابلے میں امت کے زیادہ اہم اور نمایاں ترفرد تھے۔ اگر ان کے کارنامے زیادہ اجاگر نظر آتے ہیں تو یہ فطری بھی ہے اور تاریخی حقیقت بھی اس سے یہ کہنا لازم آتا ہے کہ ان کی سماجی و مذہبی برتری اور کثرتِ اولاد کی نعمت بعض دوسرے صحابہ یا افرادِ امت خاص کر امویوں کو حاصل تھی۔ پھر وہ کیوں مطعون و بدنام نظر آتے ہیں۔ کیا ان کے اخلاف و جانشین ان کی تعریف و توصیف میں یہ خدمت انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ واٹ کی اس سلسلے میں تمام دلیلیں نہ صرف بے وزن اور لچر ہیں۔ بلکہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ مآخذ کے بالکل خلاف ہیں۔

نامۂ نبوی پڑھنے کے بعد حضرت عبداللہ کی اپنے ساتھیوں کے سامنے کی جانے والی تقریر میں ایک فقرہ شہادت کی تمنا کے بارے ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ امیر سریہ یا ان کے ساتھیوں کو یا خود ذاتِ نبویؐ کو جانی نقصان کا خدشہ تھا۔ واٹ اور ان کے حامی جدید مورخین نے اس فقرے اور بعض دوسرے قرائن سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ مہم اس لیے خطرناک تھی کہ مسلمان مجاہدین چھاپہ مار کارروائی کے لیے جا رہے تھے۔ جس میں دونوں فریقوں کے لیے جانی نقصان کا احتمال و اندیشہ رہتا ہے۔[126]

کسی حد تک یہ بات صحیح ہو سکتی ہے لیکن معاملہ صرف مبہم نکتہ تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے جدید مغربی مورخین کا تو دعویٰ ہے کہ اس سے

پہلے چھ مہمیں اسی نوعیت کی اور اسی غرض سے بھیجی گئی تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی اتنے جانی خطرے کا احساس نہیں پایا جاتا۔ بلکہ انھیں مؤرخین کے دلائل کے مطابق ان مہموں میں جانوں کو زیادہ خدشہ وخطرہ ہو سکتا تھا کیونکہ وہ شامی شاہراہ تجارت پر گذرنے والے قریشی کاروانوں کے خلاف بھیجی گئی تھیں جو عددی طاقت کے لحاظ سے کافی بڑے ہوتے تھے اور اس طرح ان مہموں کے مجاہدین کے لیے جانی نقصان کا احتمال زیادہ تھا۔ پھر ان مہموں میں اس حقیقتِ صادقہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا حتیٰ کہ خرار کی مہم میں بھی اس کا کوئی حوالہ نہیں ملتا جو صرف آٹھ افراد پر مشتمل تھی اور کسی اور کی قیادت میں نہیں بلکہ خود حضرت سعدؓ کی قیادت میں گئی تھی جو بقول واٹ اسی خطرے سے نخلہ کی مہم میں جان چرا گئے تھے بہرحال واضح یہ ہوتا ہے کہ اگر امیر سریہ یا ان کے اصحاب میں سے کسی کو اس قسم کے احتمالات تھے تو ان کا سبب مہم جوئی یا چھاپہ مار کارروائی نہ تھی بلکہ سریہ نخلہ کی مخصوص نوعیت تھی اور یہ مخصوص نوعیت اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ وہ دیدہ دانستہ شیروں کی کچھار میں جا رہے تھے۔ سریہ کا اور طائف کو ہو جاتا تو وہ ہر قیمت پر مسلمانوں کو پکڑنے یا ختم کرنے کی کوشش کرتے کیونکہ ان کے اپنے گھر کے پچھواڑے دشمن جاسوسوں کی موجودگی نہ صرف ان کو اشتعال دلاتی بلکہ ان کو خدشات سے بھی دوچار کر دیتی اور وہ اس صورت میں ہر قسم کا اقدام کر سکتے تھے۔ اسی لیے امیر سریہ نے شہادت کی تمنا رکھنے والوں کو ساتھ لے جانا چاہا تھا اور مذبذب لوگوں کو روکنا چاہا تھا کیونکہ دوسرے قسم کے لوگوں کی موجودگی مضبوط دل والوں کے لیے بھی کسی وقت اضطراب کا سبب بن سکتی تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے اس جماعت مجاہدین میں کوئی بزدل، دوں ہمت یا شہادت سے گریزاں نہ تھا۔

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کم از کم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کاروانِ قریش پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا آپ کی ہدایت صرف قریش پر نظر رکھنے اور ان کے بارے میں خبریں فراہم کرنے یا کسی خاص کاروانِ قریش کے بارے میں معلومات حاصل کرنے تک محدود تھی۔ تمام مآخذ کا اس پر حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اس موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھاپہ مارنے کا حکم نہ تھا اور اس تاریخی شہادت کی قدر و قیمت اور اہمیت میں اس حقیقت سے اور اضافہ ہو جاتا ہے کہ یہ انھیں تمام رواۃ اور مؤلفین سیرت اور مغازی نگاروں کی فراہم کردہ ہے جو سابقہ چھ مہموں کے بارے میں براہِ راست یا بالواسطہ صراحت کے ساتھ یا مضمرانداز میں چھاپہ مار کارروائی اور کارواں لوٹنے کے مقصد و محرک کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس دعوے کی ان مغازی نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے ماہِ حرم میں کاروانِ قریش لوٹنے کی ذمہ داری کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمان مجاہدین مہم کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ از خود تردید ہو جاتی ہے مونٹگمری واٹ کا تو یہ دعویٰ ہے کہ اس غدارانہ حملے اور ماہ مقدس کی بے حرمتی پر جب خود مدینہ میں شدید ردِ عمل ہوا تو آپؐ نے اس حقیقت سے انکار کر دیا کہ آپؐ ہی نے کارواں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس طرح امیر سریہ اور ان کے جانبازوں کے کندھوں پر اس کی تمام ذمہ داری ڈال دی"![۲۸] گویا کہ آپؐ رائے عامہ کے خوف سے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ حکم کی حقیقت سے مکر گئے بلکہ وفادار مسلم مجاہدین کو معرضِ خطر میں ڈال دیا اور مسلمان مورخین نے آپ کے دفاع میں نامۂ مبارک کی عبارت میں الحاق و تحریف کی اور خاص کر "ان کی خبریں ہمارے لیے معلوم کرو۔" والا فقرہ گڑھ کر شامل کر دیا تاکہ آپ کو اس حملہ کی ذمہ داری سے بچایا جائے اور بے چارے مسلم مجاہدین کو قربانی کا بکرا بنا دیا جائے۔

اور شہادتوں کے علاوہ جن میں سے کچھ اوپر گزر چکی ہیں خود مآخذ کی تمام روایات کی داخلی شہادتوں سے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے ابن اسحاق اور واقدی اور ان کے متبعین کا اتفاق ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی پڑھنے کے بعد مجاہدین کو "حکم نبویؐ" کا بخوبی علم ہو گیا تھا اور بقول واقدی بر ابن ضمیرہ اور بقول سدی بطن ملل میں نامہ نبوت پڑھنے کے بعد نخلہ تک وہ بلاشبہ تعمیل حکم نبوی کی خاطر ہی آئے تھے اور اسی لیے وہاں فروکش ہوئے تھے پھر ان مجاہدین کو ابن حضرمی والے کارواں پر حملہ کرنے میں نخلہ پہنچ کر تذبذب کیوں ہوا تھا؟ انہوں نے بحث و مباحثہ کیوں کیا تھا؟ اور بقول ابن اسحاق وہ حملہ کرنے سے گریزاں و ترساں کیوں تھے؟ کیوں ایک دوسرے کو ہمت دلا رہے تھے؟ اور بالآخر انہوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا کہ جتنا ممکن ہو کارواں والوں کو مار ڈالا جائے اور ان کے مال پر قبضہ کر لیا جائے؟ مال پر قبضہ کرنے اور اس سلسلہ میں ممکنہ خونریزی کرنے کے لیے تو وہ نخلہ تک آئے ہی تھے پھر یہ سارا تذبذب، مباحثہ و مناقشہ اور انجام کار اُور لوٹ لینے کا فیصلہ کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا اس سے پوری طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کا اپنا فیصلہ تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو اس کی ہدایت نہیں ملی تھی؟ یہ دعویٰ کہ ان کو حملہ کرنے کا حکم نبوی کی تعمیل میں تردد ماہ مقدس کے سبب تھا تو اس کی تردید بھی اسی دلیل سے ہوتی ہے۔ جب وہ نامۂ گرامی کے مضمون سے واقف ہونے کے بعد روانہ ہوئے تھے تو بخوبی جانتے تھے کہ وہ مہینہ مقدس و حرام تھا۔ یہ علم ان کو مآخذ کی بیشتر روایات کے مطابق مدینہ سے روانگی کے وقت سے تھا اور اچانک پہونچنے پر نہیں ہوا تھا۔ پھر واٹ کا دعویٰ تو ہے کہ حملہ کا وقت اول یا آخر رجب نہ تھا بلکہ وسط رجب تھا[۱۲۹] جبکہ ان کے نزدیک اشتباہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ اس نکتہ پر ہم مفصل بحث ذرا بعد میں کریں گے لیکن کیا اس سے ان کے اس دعوے کی تردید نہیں ہو جاتی کہ حملہ کی ذمہ داری کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجاہدین کی طرف دیدہ و دانستہ نہیں منتقل کیا گیا ہے اور کیا اس سے بخوبی واضح نہیں ہوتا کہ حملہ کرنے اور لوٹنے کا فیصلہ مسلم مجاہدین کا تھا جو انہوں نے مخصوص حالات و اسباب کی بنا پر کیا تھا؟ اس نتیجہ کی مزید تائید واقدی کی روایت کے مذکورہ بالا گیارھویں نکتے سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق مسلم جماعت مجاہدین کا رواں نخلہ پر حملہ کرنے اور ان کا مال لوٹنے کے معاملہ پر دو فریقوں میں بٹ گئی تھی اور حملہ کے مخالف فریق نے حملہ کے حامی فریق کو دنیاوی مال کی طمع پر لعن طعن کیا تھا۔ اگر وہ نخلہ کارواں لوٹنے ہی آئے تھے تو پھر مسلم جماعت کے حامی و مخالفِ حملہ فریقوں میں منقسم ہونے کے کیا معنی تھے اور کیوں ایک فریق کو دنیاوی دولت کا حریص قرار دے کر مطعون کیا گیا تھا۔ مالِ غنیمت مقصود تھا تو دنیاوی مال و دولت کی حرص کا الزام ہر دو فریق مجاہدین نخلہ کے بجائے سرکارِ مدینہؐ پر عائد ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ جدید مغربی مورخین نے کیا ہے لیکن نہ صرف اس کا ثبوت مآخذ سے نہیں ملتا بلکہ اس کی واضح تردید ان سے ہوتی ہے۔ مزید تصدیق مآخذ کے اس تبصرے سے ہوتی ہے جس کے مطابق سریہ نخلہ کی مدینہ واپسی پر مسلمانانِ شہر نے مجاہدین کو حملہ کرنے اور مال لوٹنے کا ملزم قرار دیا تھا اور ان کو اس پر لعنت ملامت کی تھی۔ کسی روایت کے فقرے یا اشارے سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں میں سے کسی نے بھی حملہ کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ کہ آپؐ نے پہلے حکم دیا اور پھر ردِ عمل دیکھ کر مکر گئے۔ آپؐ کی پوری سیرت و کردار کے منافی ہے دشمن تک آپؐ کے صادق اور امین ہونے کے قائل اور گواہ تھے اس کے علاوہ اپنے ساتھیوں کو معرض خطر میں ڈال دینا یا ان کو کسی مشکل وقت میں عاق کر دینا یا

چھوڑ دینا ایک عام سیاسی قائد کے کردار سے فروتر سمجھا جاتا ہے پھر آپؐ کے بارے میں اس کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ آپؐ دنیا کے چند عظیم ترین سیاسی مدبروں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخی شہادتوں سے بھی اس دعوے کی تردید ہوتی ہے۔ آپؐ کی پوری نجی اور عوامی زندگی کے کسی ایک واقعہ یا پہلو سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا جب آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو کسی مشکل وقت میں چھوڑا ہو یا ان کے دفاع، تحفظ اور امداد سے گریز کیا ہو یا کسی قسم کی روگردانی کی ہو۔

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ ابن حضرمی کے کارواں کو لوٹنے کا منصوبہ خود مجاہدین نخلہ کا تھا اس سلسلہ میں دو اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ حملہ کس تاریخ کو ہوا تھا اور دوسرے یہ کہ کیوں ہوا تھا جبکہ وہ ایک طرح سے حکم نبویؐ سے تجاوز تھا۔ جہاں تک وقت و تاریخ حملہ کا تعلق ہے مآخذ کی متعدد روایات میں اختلاف و تناقض ہے۔ ابن اسحاق و ابن ہشام کی مطبوعہ سیرتوں میں عروہ کی معیاری روایت میں مدینہ سے مہم کی روانگی کا وقت ماہ رجب بتایا گیا ہے۔[130]

محمد بن حبیب بغدادی نے رجب کے آخری عشرے میں روانگی اور یکم شعبان کو واپسی کی تاریخیں دی ہیں۔ ابن اسحاق کے تمام متبعین نے اپنے یہاں اسی ماہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق نخلہ میں کارواں پر حملہ کرنے یا نہ کرنے کی بحث چھڑی تو ابن اسحاق کے نزدیک وہ حتمی طور سے رجب کا آخری دن تھا اور مجاہدین نخلہ نے پورے علم و دانست میں ماہ مقدس میں حملہ کیا تھا۔[131] واقدی کی روایت میں مدینہ سے مہم نخلہ کی روانگی کی تاریخ ہجرت کے سترھویں مہینے بتائی گئی ہے جس سے بالواسطہ مراد رجب ہی ہے۔[132] لیکن نخلہ میں کارواں پر حملہ کرنے سے قبل مسلمانوں نے جو بحث کی تھی اس میں یہ اختلاف یا اشتباہ ابھرا تھا کہ وہ رجب کی آخری تاریخ تھی یا شعبان کی۔[133] واقدی کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین کو اس معاملے پر دو فریقوں میں منقسم پاتے ہیں۔ ایک آخر رجب کا قائل تھا تو دوسرا یکم شعبان کا۔ یعنی یہ معاملہ اشتباہ کا نہ تھا اختلاف کا تھا۔ طبری میں مذکورہ سدی کی روایت میں تاریخ حملہ آخر رجب تھی نہ اول شعبان بلکہ وہ آخری جمادی الاخریٰ یا یکم رجب تھی۔[134] یہ بہت اہم حقیقت ہے کہ طبری نے اپنی تفسیر میں زہری کی سند پر عروہ کی اسی روایت کو ہوبہو نقل کیا ہے مگر اس میں حملہ کی تاریخ کو جمادی الاخریٰ کا آخری دن قرار دیا گیا ہے۔[135] تفسیر طبری میں سریہ نخلہ کے بارے میں مذکورہ سترہ روایتوں میں سے اکثر میں یہ مذکور ہے کہ در اصل تھی تو وہ یکم رجب لیکن مسلمان جانبازوں کا خیال تھا کہ وہ آخری جمادی الاخریٰ کا دن تھا۔[136] بعض روایتوں میں حتمی طور سے اس کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات قرار دیا گیا۔[137] بہرحال یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ طبری نے اپنی کسی بھی روایت تفسیر میں شعبان کے مہینے یا اول تاریخ کا حوالہ تک نہیں دیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احادیث و آثار کے علماء کے نزدیک مہم نخلہ کا مہینہ جمادی الاخریٰ تھا۔ نہ کہ رجب اور حملہ کا دن آخری رات تھی جمادی الاخریٰ کی یا اول رجب تھی، گویا شعبان کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے اسی طرح ابن کثیر نے اپنی روایات تفسیر جن کی تعداد تقریباً دس ہے حملہ کی تاریخ آخری جمادی الاخریٰ یا اول رجب قرار دی ہے۔ اور طبری سے مکمل اتفاق کیا ہے۔[138]

یہ امر خاصہ اہم ہے کہ ابن کثیر کی روایات کی اسناد اکثر و بیشتر روایات میں طبری کی روایات سے قطعی مختلف اور نئی ہیں۔ اور ان میں دو روایتوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ایک زہری سے موسیٰ بن عقبہ کی روایت۔ موسیٰ کو محدثین نے

صحیح ترین اور ثقہ ترین مغازی نویس کہا ہے۔[۱۳۹] اور دوسری روایات میں ابن کثیر نے ابوبکر بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق حافظ موصوف نے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے۔ ان کے علاوہ تفسیر و حدیث کے متعدد دوسرے علماء و مصنفین نے بھی اسی کی تائید میں متعدد روایات بیان کی ہیں۔[۱۴۰] مزید برآں ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں مہم نخلہ کی روانگی کے بارے میں جو جملہ تحریر کیا ہے وہ بھی بالواسطہ طور پر اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ مہم دراصل جمادی الاخریٰ میں روانہ ہوئی تھی اور رجب ناکام متین روایت میں یا تو مصنف کی غلط فہمی کی بنا پر یا کاتب کی غلطی سے راہ پا گیا۔[۱۴۱] اس کی تصدیق و تائید ان تمام دوسرے مورخین، مفسرین اور محدثین کی بیان کردہ روایات سے ہوتی ہے۔ جو انہوں نے اسی سند پر یعنی زہری کے واسطہ سے عروہ بن زبیر سے بیان کی ہیں۔ اس طرح روایات و آثار کی غالب اکثریت کا فیصلہ یہ ہے کہ سریہ نخلہ ماہ جمادی الاخریٰ کے اواخر میں کسی وقت بھیجا گیا تھا اور حملہ کا روان نخلہ پر اس ماہ کے آخری دن/رات یا رجب کی پہلی رات کو ہوا تھا۔ اس غالب اکثریتی فیصلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حملہ کی تاریخ آخری جمادی الاخریٰ تھی یا اوّل رجب نہ کہ آخری رجب یا اول شعبان۔ اس طرح واٹ کا خیال کہ حملہ وسط رجب میں ہوا تھا۔ بالکل بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔

اب یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ آخری جمادی الاخریٰ کا یا رجب کا۔ مجاہدین کو یقین تھا یا اس کو معاملہ میں سچ مچ اشتباہ ہو گیا تھا۔ ابن اسحاق میں عروہ کی روایت سے بصراحت معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجاہدین میں سے کسی کو بھی شبہ نہیں تھا کہ حملہ کی تاریخ ماہ حرام کی تھی۔ لیکن طبری نے اپنی تفسیر میں یہی روایت بیان کی ہے اور اس میں صراحت کی ہے کہ مجاہدین نے جب حملہ کیا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن تھا۔ تفسیر طبری ہی میں مجاہد کی روایت میں بھی اسی کی تائید ہے اور ذکر آچکا ہے کہ تاریخ طبری میں سدی کی روایت اسی کی تائید کرتی ہے اور یہی روایت پھر طبری نے تفسیر میں بھی دی ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو اپنی تفسیر میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اس کے علاوہ بعض دوسری روایتوں میں بھی یہ تاثر ملتا ہے کہ مجاہدین کو تاریخی سلسلہ میں کوئی اشتباہ نہ تھا اور ان کو حتمی یقین تھا کہ وہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن تھا اور یہی حقیقت بھی تھی۔

ان روایتوں کے بالمقابل متعدد اور کثیر روایات اس مضمون کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان تاریخوں کے بارے میں اشتباہ تھا اور یہ واقعی بھی تھا۔ وہ یقینی طور پر یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ دن آخری جمادی الاخریٰ کا تھا یا رجب کا طبری کی تفسیر میں اس نوع کی روایات میں کئی کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تفسیر ابن کثیر کی کئی روایات میں یہی مضمون پایا جاتا ہے۔

واقدی کے یہاں اگرچہ مہینے مختلف ہیں تاہم   حرام مہینوں میں اشتباہ کا جہاں تک تعلق ہے یہی خیال اس سے بھی ثابت ہوتا ہے لیکن ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے علاوہ کچھ روایات ایسی بھی ہیں جو تیسرے نقطہ نظر کی ترجمان ہیں۔ یعنی حقیقتاً مخصوص دن تھا تو یکم رجب کا لیکن صحابہ کرام کی مجاہد جماعت اس کو اپنے یقین و اعتماد و علم کی حد تک جمادی الاخریٰ کا آخری دن سمجھتی رہی۔

تفسیر طبری میں حسن بن یحییٰ کی سند پر مقسم مولیٰ ابن عباس کی روایت، محمد بن سعد کی سند پر ابن عباس کی دوسری روایت اور عمار بن حسن کی سند پر ابو مالک غفاری کی روایت اور تفسیر ابن کثیر میں عوفی کی سند پر ابن عباس کی روایت کے علاوہ متعدد اسناد پر مروی متعدد روایتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔

بہرحال تاریخ، حدیث، تفسیر اور آثار و تذکرہ کی تمام روایات ان تین انواع میں سے کسی نہ کسی کی ہیں - اس شدید تناقض و اختلاف کی صورت میں بعد کے کسی مورخ کے لئے حتمی فیصلہ کرنا کہ حملہ کے دن کی اصل تاریخ کیا تھی۔ خاصہ دشوار کام ہے ابن اسحاق کے مکتب فکر کا واضح فیصلہ ہے کہ بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر جماعت مجاہدین نے دیدہ و دانستہ کاروان پر ماہ حرام میں حملہ کیا تھا جبکہ واقدی اور ان کے حامیوں کا زور اس پر ہے کہ تاریخ میں اختلاف رائے تھا۔ لیکن ان دونوں ابتدائی مآخذ سے دو الگ الگ نکات پر زور معلوم ہوتا ہے۔

ابن اسحاق وغیرہ کے نزدیک وقت عمل سے زیادہ شناعت فعل پر زور ہے بہرحال ان تینوں امکانات کا قوی احتمال تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ وزن آخری نقطۂ نظر کے حق میں جاتا ہے اس کی مزید تائید کہ والوں کے اس الزام کہ مسلمانوں نے ماہ حرم کی بے حرمتی کی تھی۔ کی تردید میں مکی مسلمانوں کا جواب تھا کہ حملہ ماہ حلال میں کیا گیا تھا نہ کہ ماہ حرام میں۔ بہرحال کوئی بھی صورت رہی ہو البتہ یہ قطعی اور حتمی ہے کہ ماہ حرام کی بے حرمتی کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں تھی اور اگر کسی پر تھی بھی تو وہ امیر سریہ اور ان کے حامی مجاہدین کے سر تھی۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حملہ کا کوئی حکم سرے سے دیا ہی نہیں گیا تھا۔

مغربی مورخین نے حملہ کی ذمہ داری اور اس کے ذریعہ ماہ حرام کی بے حرمتی کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ڈالنے کی غیر معقول حد تک کوشش کی ہے۔ منٹگمری واٹ نے اس سلسلے میں عجیب و غریب منطق سے کام لیا ہے۔ ایک طرف تو وہ سر توڑ کوشش کرتے ہیں کہ ماہ مقدس کی بے حرمتی کا جرم ذات نبوی سے منسوب کر دیں اور دوسری طرف اس کی تردید بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر آپؐ نے رجب میں حملہ کا منصوبہ بنایا بھی تھا۔ اور آپؐ کے ساتھیوں نے اس کو عملی جامہ پہنایا بھی تھا تو آپؐ نے ایسا کر کے ارادتاً بے حرمتی کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ کیونکہ آپؐ ماہ رجب یا مقدس مہینے کے تصور کو جاہلی مذہب کا حصہ سمجھتے تھے اور پورے جاہلی قدیم مذہب کے خلاف بر سر پیکار تھے اس لئے اس خاص مہینے یا کسی بھی مقدس مہینے کی تقدیس کے قائل ہی نہ تھے۔ اس لیے آپؐ کے نزدیک اس ماہ میں کارواں پر حملہ کرنا کوئی گناہ کا کام نہ تھا۔ پھر آپؐ نے سریہ نخلہ کی واپسی پر مجاہدین مہم کو کیوں سرزنش کی تھی کہ آپؐ نے اُن کو ماہ مقدس میں جنگ کرنے کا تو حکم نہیں دیا تھا۔ اور کیوں مالِ غنیمت کو قبول نہیں کیا تھا اور کیوں اس کو معطل رکھا تھا؟

واٹ کا خیال ہے کہ مہم روانہ کرنے سے پہلے آپؐ کو مدینہ والوں کے اس معاملہ پر اتنے شدید ردعمل اور اتنے نازک و مشتعل جذبات کا علم نہیں تھا اس کا احساس آپؐ کو مہم کی واپسی پر مدینہ کے مسلمانوں کے ردِعمل سے ہوا۔

واٹ کی یہ بھی منطق نرالی ہے کہ مدنی مسلمانوں میں بہت سوں کو غالباً اس بات کا ڈر تھا کہ ماہ مقدس کی بے حرمتی کی پاداش میں قدیم دیوی دیوتاؤں کا عذاب کہیں ان کو یا اس جرم میں پوری قوم کو نہ آن پکڑے۔ اسی ردِعمل اور شدید بے چینی کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو حملہ کرنے کے اپنے سابقہ حکم کی تردید کر دی تھی۔ اور اس وجہ سے آپؐ نے مجاہدین کو سرزنش کی تھی اور مالِ غنیمت کی تقسیم کو معطل رکھا تھا۔[۱۴۲]

واٹ کی اس سلسلہ میں تمام دلیلیں اور خیالات حماقت کی حد تک بچگانہ ہیں۔ یہ خیال کہ آپؐ کو مدینہ کے مسلمانوں کے ماہ مقدس کی بے حرمتی کے بارے میں شدید جذبات اور نازک احساسات کا علم نہیں تھا قابل قبول نہیں ہے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز

اور نامعقول یہ تصور ہے کہ مدینہ کے مسلمان ماہ حرام کی بے حرمتی پر دیوتاؤں کے عذاب سے ترساں و لرزاں تھے۔ یعنی مدنی مسلمانوں کو اپنے پرانے دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں توڑنے میں تو کوئی خوف ان کے عذاب کا نہ محسوس ہوا اور ہوا بھی تو ماہ مقدس کے بے احترام ہونے پر۔ واٹ نے اس سلسلہ میں دو نادر تحقیق کے نمونے اور پیش کئے ہیں۔ ایک یہ کہ مدینہ کے لوگوں کو قدیم مذہب سے مکہ والوں کی بہ نسبت زیادہ لگاؤ تھا اور دوسرے یہ کہ مکیوں کے مقابلے میں مدینہ والوں کو جنگ و جدال کا اتنا تجربہ نہ تھا۔ مکہ والوں کو چونکہ مسلسل جنگ و جدال کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے ان کے یہاں نہ تو ماہ مقدس کا اتنا احترام تھا اور نہ ہی دوسرے محرمات کا۔ جنگ کے زمانے میں ان کے یہاں ان تقدیسات کی مکمل خلاف ورزی ہوتی ہے۔[۱۴۳]

واٹ کا یہ پورا تجزیہ غیر علمی اور سطحی ہے۔ جہاں تک قدیم مذہب سے وابستگی کا تعلق ہے۔ مدینہ والوں کے یہاں وہ مکہ والوں سے کسی طور زیادہ نہ تھی۔ تاریخی روایات اور شواہد سے اس کا قطعی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ بلکہ اس کی تردید کے متعدد قوی ثبوت ملتے ہیں۔ اور سب سے بڑا ثبوت ان کی تیز رفتاری کے ساتھ اور خلوص سے قبول اسلام کی حقیقت ہے اس کے علاوہ متعدد مدنی صحابہ کرامؓ کے دل چسپ بت شکنی کے واقعات سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔[۱۴۴]

اس ذیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وابستگی، ان کی محبت اور تعمیل حکم میں جاں نثاری اور خاص کر آپ کی سماجی اور مذہبی اصلاحات کو بطیب خاطر قبول کرنے کے حقائق کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کیونکہ ان سے براہ راست اور بالواسطہ دونوں طرح سے اسلامی دین سے وابستگی اور محبت معلوم ہوتی ہے۔ وہیں قدیم مذہب سے بیزاری اور بے تعلقی کا بھی علم ہوتا ہے۔

جہاں تک جنگ و جدال کے ان کے تجربے کا تعلق ہے وہ بھی مدینہ والوں سے اگر زیادہ نہ تھا تو کچھ کم بھی نہ تھا۔ واٹ نے اس سلسلہ میں یہ تاریخی حقیقت بھلا دی کہ مدینہ کے انصاری قبیلوں اوس اور خزرج نے پہلے یہودی قبائل کے خلاف مدتوں نبرد آزمائی کی تھی اور پھر بعد میں باہم دست بگریبان ہو گئے تھے اور جس کے نتیجے میں بیس بیس سال طویل اور خون آشام جنگیں جیسے حرب سمیر، حرب حاطب، حرب کعب بن عمرو اور جنگ بعاث وغیرہ لڑی گئی تھی۔[۱۴۵]

ان جنگوں کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ نہ صرف مدینہ کے متعدد قبائل دو متحارب اتحادوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ بلکہ قرب جوار کے بدوی قبائل جیسے جہینہ، مزینہ، بنو غطفان وغیرہ بھی ان اتحادوں کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔[۱۴۶] بلکہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ دور دراز شمالی علاقوں کے بعض بدوی قبائل بھی ان اتحادوں میں حلیف کی حیثیت سے شامل تھے۔[۱۴۷]

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ واٹ کی ماہ حرام سے مدینہ والوں کی جذباتی وابستگی کی پوری تحقیق غیر علمی، غیر سنجیدہ اور غیر معقول ہے اسی ذیل میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس ماہ حرام کی بے حرمتی کے نکتہ پر مدینہ میں مسلمانوں کی طرف سے شدید رد عمل بے چینی و اضطراب اور ناگواری کا کیا ثبوت مآخذ سے ملتا ہے۔ یا یہ محض روایات سے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ جہاں تک مآخذ کا تعلق ہے ایک روایت میں بھی اس نکتہ پر مدینہ والوں کے شدید رد عمل یا ناگواری و اضطراب کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ مغربی مورخین کے استدلال کی ساری عمارت ان کے روایات و حقائق سے استنباط پر ہے۔ واٹ کے نزدیک اس کے دو ثبوت ہیں۔ اول یہ کہ آپؐ نے مال غنیمت کی تقسیم کو معطل رکھا اور سریہ کے مجاہدین کو سرزنش کی اور دوم یہ کہ قرآن مجید کی متعلقہ آیت میں ماہ حرام میں

جنگ کرنے کے بارے میں جن سوال کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے مسلمانان مدینہ مراد ہیں۔ جہاں تک مالِ غنیمت کے متعلق یا موقوف رکھنے کا سوال ہے ماخذ سے بصراحت واضح ہوتا ہے کہ ایسا کرنا مسلمانوں کے کسی مخالفانہ ردِعمل کے نتیجے میں نہیں تھا۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کاروان نخلہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کیا گیا تھا اور اس بنا پر وہ حملہ اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت دونوں غیر قانونی اور ناجائز تھے۔ غالباً منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا جائے کہ بلاصریح حکم و اجازت کے حملہ کرنا اور مالِ غنیمت لوٹ لانا جائز نہیں ہے اور مسلمان حملہ آوروں کو مستقبل میں کسی مالی منفعت کی امید ایسے حملوں یا چھاپوں میں نہ رکھنی چاہئے۔ دراصل یہ مستقبل میں حکم عدولی یا حکم سے تجاوز سے باز رکھنے کی پیش بندی تھی۔ اسی بنا پر غالباً ماخذ کے مطابق مسلمان مجاہدین کو اپنی ہلاکت کا اور عذابِ الٰہی کا اندیشہ ہوا تھا۔ اس سے بڑا سبب یہ تھا کہ مالِ غنیمت کے سلسلے میں ابھی تک کوئی قرآنی نص نہ تھی۔ مسلمان مفسرین اور علماء نے اس پر تقریباً اتفاق کیا ہے کہ مالِ غنیمت کے سلسلے میں تمام احکام غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئے تھے۔ تاریخی ماخذ میں ابن اسحاق، واقدی وغیرہ تمام سیرت نگاروں نے اسی کی تائید میں روایات نقل کی ہیں اور تفسیری و حدیثی روایات بھی اسی کی تائید میں ہیں۔[۱۴۸] حتیٰ کہ جدید مغربی مؤرخین نے بھی اس کو قبول کیا ہے۔[۱۴۹]

حیرت کی بات ہے کہ خود منٹگمری واٹ کو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں ہے۔[۱۵۰] کیا یہ ان کے دعووں کی تردید کے لئے کافی نہیں ہے۔ جہاں تک سورہ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت کا تعلق ہے تو کسی تفسیری یا تاریخی روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے کہ ماہ مقدس میں قتال و جدال کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں نے سوالات کئے تھے۔ صرف واقدی اور بلاذری کا خیال ہے کہ بعض مسلمانوں نے اس سلسلے میں استفسار کیا تھا۔ جبکہ ابن اسحاق نے سوالات کرنے والوں کی صراحت نہیں کی ہے۔ طبری اور ابن کثیر نے اپنی تفاسیر میں متعدد روایات بیان کی ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ آیت میں مذکورہ سائلین سے مراد کفار و مشرکین مکہ تھے۔ نہ کہ مسلمانانِ مدینہ۔[۱۵۱] پھر بعض مفسرین اور علماء نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ آیت کا سیاق و سباق بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں کفار سائلین اور ان کے اعتراضات کا جواب مذکور ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا کی راہ سے روکنے اور مسجد حرام میں نہ داخل ہونے دینے اور کفرِ الٰہی کرنے اور مسجد حرام کے باسیوں کو جلاوطن کرنے اور قتل سے زیادہ فتنہ کے خطرناک ہونے کا مسلمانوں کو جواب میں طعنہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ دراصل یہ وہ جرائم تھے جن کے مرتکب کفار مکہ ہوئے تھے اور شہرِ حرام میں قتال پر ان کی طعنہ زنی کے جواب میں ان کے تمام بڑے بڑے جرائم گنائے گئے تھے۔[۱۵۲] اس کے علاوہ آیت کا آخری فقرہ کہ وہ تم سے برابر لڑتے رہیں گے۔ اور اپنی استطاعت بھر تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ سے آیت کے اولین فقرے کی تصریح ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ الزامی جوابات مکہ کے قریش کے اعتراضات کے ردِعمل کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ جہاں تک "شہرِ حرام" میں قتال کی خطرناکی کا تعلق ہے قرآن مجید اس کا سبب بے حرمتی کو خاصہ اہم معاملہ (کبیر) تصور کرتا ہے اور اس حقیقت سے نہ صرف اس آیت میں انکار کیا گیا ہے بلکہ قرآن مجید کی ماہ حرام سے متعلق دوسری آیات میں بھی اس سے انکار نہیں ہے بلکہ حرمت مقدس ماہ کو اسلام میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ جیسے کہ ابھی ہم دیکھیں گے اسی طرح تاریخی روایات میں بھی مقدس مہینے یا مہینوں کی حرمت و تقدیس کا اعتراف کیا گیا ہے۔ ضمناً اس سے واٹ کے اس خیال کی تردید بھی ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہ مقدس کی

حرمت کا خیال نہ تھا۔ یا آپؐ ان کی بے حرمتی کو جائز سمجھتے تھے۔ مقدس مہینوں کے معاملہ میں عرب کے قدیم جاہلی مذہب اور دین اسلامی میں بنیادی طور پر کوئی فرق خداوند کریم نے نہیں روا رکھا ہے اگر کوئی فرق ہے بھی تو وہ ان مہینوں میں قتال کی ممانعت کا مشروط ہونا ہے یعنی مسلمان اپنی طرف سے جنگ کا آغاز تو نہیں کر سکتے لیکن اگر اینٹ دوسری طرف سے آئے تو اس کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔[154] اسی بنا پر اکثر مسلمان علماءٔ اس آیت کے ناسخ ہونے کے قائل ہیں۔[155] اور اسی سبب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے زمانے میں متعدد غزوات و سرایا مختلف مقدس مہینوں میں بھیجے یا خود لے کر گئے تھے۔[156] جدید محققین کی اسلامی سال میں مقدس مہینوں کے بارے میں تحقیق بڑی دلچسپ مگر غیر منطقی ہے۔ واٹ کا خیال ہے کہ "شہر حرم" (مقدس مہینوں) کی تعیین خاصی مشکل ہے حالانکہ سورہ توبہ کی آیت ۳۶ کی نص قرآنی میں جن مقدس مہینوں کا ذکر ہے ان کی تعیین مسلم علماءٔ و محققین نے بصراحت اور حتمی طور سے کر دی ہے۔ چنانچہ مفسرین اسلام۔ اسلامی تقویم کے چار ماہ۔ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم کو مقدس و حرام بتاتے ہیں۔ واٹ کا یہ بھی کہنا ہے کہ قرآن بعض دوسری جگہوں پر صرف ایک ماہ مقدس کا ذکر کرتا ہے اور پھر انہوں نے ایک اور مستشرق کے اس خیال سے اتفاق کیا ہے کہ غالباً عرب میں مختلف علاقے اور قبیلے مختلف مہینوں کی تقدیس و حرمت کے قائل تھے۔ چنانچہ ان دونوں مستشرقین کے نزدیک چار ماہ مقدس کی قید و شرط دراصل ایک مصالحانہ کوشش ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ واقعہ نخلہ پر مدینہ میں اتنا شدید ردِّ عمل کیوں ہوا تھا۔ اور آپؐ کو اس ردِّ عمل پر کیوں حیرت سے دوچار ہونا پڑا تھا؟[157]

یہ پورا تجزیہ غیر علمی اور غیر مستند ہے اور محض اپنے دعویٰ کی دلیل فراہم کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔ ورنہ اس میں تضاد ہیں۔ اور گہرائی سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے دعوے کی دلیل نہیں فراہم ہوتی بلکہ اس کی ان ہی کی دلیل سے تردید ہوتی ہے یعنی قرآنی میں بصراحت فیصلہ خداوندی ہے کہ "مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس بارہ مہینے ہیں۔ اللہ کے حکم میں جس دن پیدا کئے زمین و آسمان۔ اور ان میں چار ہیں ادب کے۔"[158] اگرچہ نص قرآنی میں ان کی تعیین نہیں ملتی۔ لیکن تفسیری روایات احادیث و آثار اور تاریخی شہادتوں سے ان کی واضح و غیر مبہم تصریح ملتی ہے۔ اور تمام روایات و شواہد میں مکمل اتفاق ہے اور ایک روایت بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس سے یہ شبہ ہی پیدا ہو سکے کہ مذکورہ بالا چاروں مہینوں کے سوا اور کوئی مہینہ مقدس تھا یا ہو سکتا ہے۔[159] واٹ نے قرآن کریم کی ان آیتوں سے جن صرف ایک ماہ حرام کا ذکر ہے۔ یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ قرآن کے نزدیک بھی متبرک مہینوں کا معاملہ مشتبہ یا کم از کم غیر متعین ہے۔ لیکن یہ استنباط غیر علمی ہے۔ جہاں جہاں قرآن نے ماہ مقدس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے وہاں انھیں مذکورہ بالا مقدس مہینوں میں سے کوئی ایک مخصوص مہینہ مراد ہے۔ جس کا آیت متعلقہ کے سیاق و سباق سے صاف پتہ چل جاتا ہے۔[160] تاریخی شواہد اس پر قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ مقدس مہینوں کے بارے میں قرآنی تصریح اور احادیث و آثار اور عربوں کے سماجی دستور و عادت میں کوئی اختلاف نہیں تھا مستشرقین کا یہ خیال کہ چار ماہ کی قید ایک مصالحانہ کوشش ہے ورنہ مختلف علاقوں میں مختلف مہینے مقدس سمجھے جاتے تھے۔[161] نہ تو تاریخی ثبوت اور نہ ہی تنقید کی کسوٹی پر کھرا اترتا ہے۔ اس خیال کی تردید عربوں کے "قاعدہ نسئی"[162] سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے مطابق وہ اپنی دنیاوی مصلحتوں کی خاطر ماہ حرام کو حلال کر لیتے تھے۔ قرآن مجید کی اگلی آیت ہی میں اس بے حرمتی ماہ مقدس پر شدید نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مختلف علاقے

یں مختلف مہینے مقدس یا حرام ہوتے تو شاید سال کا کوئی حصہ اس سے خالی نہ جاتا۔ لہذا مختلف مقامات "پرنسی" کی ضرورت ہی نہ پڑتی اس کے علاوہ اس صورت میں مقدس مہینوں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ ان مقدس مہینوں میں جان و مال کی حفاظت کی ضمانت ملتی تھی کیونکہ جنگ و جدال کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ جنگ و جدال، لوٹ مار سے بھرپور اور غیر محفوظ و غیر مامون زندگی میں عرب قبائل کو ان میں مقدس مہینوں میں امن و چین کا سانس لینے کا موقع ملتا تھا اور بلا خوف و خطر وہ ایک دوسرے علاقے میں سماجی و معاشی ضروریات سے آجا سکتے تھے۔ اگر پلسنر (PLESSNER) اور لیون کیتانی وغیرہ کا خیال قبول کر لیا جائے تو عرب سماج میں جان و مال کے تحفظ کا تصور ہی ختم ہو جائے گا اور سال کا کوئی حصہ بھی محفوظ و مامون نہیں سمجھا جا سکتا اس کے علاوہ اس خیال سے ان کے اپنے دعوے کی تردید ہوتی ہے اور وہ یوں کہ اس خیال کے مطابق عین ممکن تھا کہ رجب کا مہینہ مدینہ والوں کے لیے مقدس نہ رہا ہو اور اس کی تقدیس کے قائل صرف مکہ والے رہے ہوں۔[۱۶۳] یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانان مدینہ نے مجاہدین نخلہ کو ماہ مقدس کی بے حرمتی پر لعن طعن نہیں کیا تھا۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی وجہ سے کیا تھا۔[۱۶۴] پھر ماہ مقدس کا اعتراض اٹھانے والے مکی تھے۔ مدنی مسلمان نہیں۔[۱۶۵] تاہم قرآن تسلیم کرتا ہے کہ اس ماہ مقدس کی تقدیس بدستور قائم تھی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو بحال رکھا اور تسلیم کیا تھا۔ بہرحال یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی تقویم میں چار مخصوص ماہ حرام تھے اور ان کی تعیین میں کسی قسم کا اشتباہ و اختلاف نہ تھا اور یہ کوئی مصالحانہ کوشش نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔

اب آخر میں اس نکتہ پر توجہ کرنا ضروری ہے کہ آخر مجاہدین نخلہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے تجاوز کر کے یا ایک طرح سے آپ کے حکم کی مخالفت کر کے ماہ مقدس میں کاروانِ نخلہ پر حملہ کیا ہی کیوں تھا؟ وہ تو قریش یا کاروانِ قریش کی خبریں فراہم کرنے گئے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ واقدی وغیرہ کے خیال میں یہ حملہ عرض دنیا کے طالبوں کی طلب کی وجہ سے ہوا تھا اور مغربی مورخین تو اس حملہ کا مقصد و محرک ہی لوٹ مار قرار دیتے ہیں۔ ماہ مقدس میں حملہ و لوٹ مار کا ارتکاب کرنے کی توجیہہ مآخذ سے یہ ہوتی ہے کہ تاخیر کی صورت میں کارواں ہاتھ سے نکل جاتا۔ واٹ نے ایک مزید توجیہ یہ کی ہے کہ کاروان نخلہ نے متوقع تاریخوں سے کچھ پہلے آکر سارے اندازے گڑبڑ کر دیئے تھے۔ لیکن ان دونوں توجیہات کی تردید روایات و تنقید سے ہوتی ہے اگر وہ کارواں اپنی تقدیم آمد کے سبب توقع کے خلاف آ گیا تھا۔ تو اسے نکل جانے دیتے کیونکہ اس راہ پر تو کارواں گزرتے ہی رہتے ہیں۔ ایک دن کے صبر کے بعد وہ کسی اور کارواں کو نشانہ بنا لیتے یا پھر جس کاروانِ قریش کا حوالہ واقدی وغیرہ کے یہاں موجود ہے۔ اس سے یہی مخصوص کارواں مراد تھا۔ لیکن اس خیال کی تردید مختلف شہادتوں سے ہوتی ہے۔ واقدی کی روایت کا وہ حصہ جو مسلم مجاہدین کے حملہ حامی و مخالف طبقوں میں بٹ جانے کا ذکر کرتا ہے۔[۱۶۶] اس کی تردید کرتا ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "عرض دنیا" اور حملہ مخالف طبقہ کیوں حملہ میں شریک اور حملہ حامی طبقہ سے متفق ہوا تھا۔ روایات میں اس کا کوئی جواب یا توجیہ نہیں ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حملہ حامی فریق کے پاس کچھ دلائل اور مصالح تھے جنہوں نے حملہ مخالف فریق کو بھی ان کے خیال سے متفق ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

دراصل صورتِ حال یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلم مجاہدین غالباً سرِ شام نخلہ میں پہنچ کر مقیم ہی ہوئے تھے کہ اچانک غیر متوقع طور پر

کاروانِ نخلہ وہاں پہنچ گیا اور اتفاق سے ان کے قریب ہی میں خیمہ زن ہوا دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے سے خوف محسوس ہوا۔ کاروانِ نخلہ والوں کو تو غارتگری کا خوف تھا جسے حضرت عکاشہ بن محصن اسدی نے فوری طور پر حلق کرا کے اور اس کے ذریعہ ان کو یہ تاثر دے کر کہ وہ زائرین کی جماعت ہے - غارتگروں کی نہیں۔ قریشیوں کا خوف تو فوری طور سے دور کر دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں حضرت عکاشہ کا حلق کرانا مخالف جماعت کو اطمینان دلانے کے لئے تھا وہاں مسلمانوں کا یہ بھی صحیح مطمح نظر تھا کہ قریشی ان کے بارے میں مزید تفتیش نہ کریں۔ یہ ترکیب غارت گری کے منصوبے کی تکمیل کے لیے نہیں کی گئی تھی جیسا کہ اس کو عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ مسلم جماعت غارت گری کے لیے نہیں بلکہ خبروں کی فراہمی اور جاسوسی کے لئے آئی تھی - ابن اسحاق اور واقدی دونوں کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عکاشہ کا حلق کرانا قریشی کارواں آنے کے فوراً بعد ہوا تھا - اور اس پر مجاہدین نے حملہ کرنے کا فیصلہ بعد میں کیا تھا۔"[197] روایات کی یہ ترتیب نمائی ہے اور اس کے اس طرح ماننے کا ایک سبب یہ ہے کہ مسلمان مجاہدین خود بھی قریشیوں کی نظر میں آنے سے کترا رہے تھے۔ اور بچنا چاہتے تھے۔

چنانچہ روایات میں صراحت ہے کہ قریشیوں کے سامنے صرف حضرت عکاشہ آئے تھے مسلمانوں کے قریشیوں کی نگاہ سے بچنے کا سبب ظاہر یہی تھا کہ وہ سب کے سب محلوق نہ تھے - اور اگر ان کو قریشی دیکھ لیتے تو سمجھ جاتے کہ وہ جماعت زائرین نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ لیکن اس ظاہری سبب کے علاوہ اس سے کہیں زیادہ ایک اور باطنی سبب تھا اور وہ یہ تھا کہ مسلم جماعت میں قریشِ مکہ کے کئی جانے پہچانے چہرے تھے اور کوئی ہو یا نہ ہو لیکن کم از کم دو حضرات ایک تو خود امیر سریہ حضرت عبداللہ بن جحش[198] اور دوسرے حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ اموی[199] مکہ اور قریش کی جانی بوجھی شخصیتیں تھیں اور کسی بھی مکی کی نظروں سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں۔ یہ بھی قابلِ ذکر بات ہے کہ مکی کارواں پورے کا پورا بنو مخزوم کے اہم اشخاص پر مشتمل تھا - اور ان کے اور بنو امیہ کے درمیان تجارتی، معاشی اور سماجی تعلقات بہت گہرے اور قریبی تھے۔"[200] اس لیے ان دونوں مسلموں کی شناخت اور بھی آسان تھی - بظاہر حضرت عکاشہ کو محلوق دیکھ کر قریشی مطمئن ہو گئے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا اضطراب ختم نہ ہوا تھا - ان کا سامنا اس کارواں سے اچانک ہوا تھا اور فوری طور پر وہ اپنی شناخت سے بچ بھی گئے تھے۔ لیکن اس کا احتمال تھا کہ کسی وقت کوئی قریشی تفتیش حال یا کسی ضرورت سے مسلم جماعت کے قریب آنکلے تو وہ بڑی آسانی سے مسلمان مجاہدین کی شناخت کر کے پورے قافلے کو ہوشیار کر سکتا تھا اور نہ صرف ان کو بلکہ قرب جوار کے قبیلوں کو اور مکہ والوں کو بھی اور مسلمانوں کی شناخت سے نہ صرف یہ کہ قریش کے بارے میں خبروں کی فراہمی کا کام مشکل ہو جاتا بلکہ خود مسلم مجاہدین کی زندگی کے لالے پڑ جاتے اور غالباً یہی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم جماعت کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کاروانِ قریش پر حملہ کر کے ان کے تمام آدمیوں کو مار ڈالنے یا گرفتار کرنے کی کوشش کریں تاکہ ان کی وہاں موجودگی کا راز نہ کھلنے پائے۔ اور درحقیقت انہوں نے ایسا اسی لیے کیا بھی تھا اور اس میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن ایک شخص کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور اس طرح مجاہدین کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔

مآخذ میں مسلمانوں کے کاروانِ نخلہ پر حملہ کرنے کے فیصلے کے ضمن میں دو جملے بہت اہم ہیں - ان کا فیصلہ تھا کہ ان میں

سے جو مل جائے اسے قتل کر دیا جائے۔ یا گرفتار کر لیا جائے اور ان کے سامان پر قبضہ کر لیا جائے۔ یہ دونوں جملے ثابت کرتے ہیں کہ اصلاً حملہ کرنا یا چھاپہ مارنا مقصود نہ تھا بلکہ یہ ایک وقتی فیصلہ تھا جو حالات کے تحت فوراً کیا گیا تھا اور رازداری یا خود حفاظتی کے اسباب و عوامل کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ کارواں کے ایک شخص کے نکل جانے کی وجہ سے مسلم جماعت کا نخلہ میں قیام بے معنی ہو گیا تھا۔ اس لئے مدینہ واپس ہونا فطری اور حقیقی تھا۔ مآخذ کے اس اصرار کی روشنی میں کہ نخلہ کی مہم کا مقصد قریش یا کاروانِ قریش پر نظر رکھنا تھا مسلم مجاہدین کے کاروانِ قریش پر حملہ کرنے کی یہی فطری اور قابلِ قبول توجیہہ کی جا سکتی ہے۔

محققین نے اب تک اس نکتہ سے بحث نہیں کی ہے اور نہ ہی مآخذ سے اس کا بدیہی طور پر پتہ چلتا ہے کہ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش یا کاروانِ قریش پر نظر رکھنے کے لیے ایک مختصر سی جماعت کو مکہ کے اتنے قریب نخلہ کیوں بھیجا تھا؟ ظاہر ہے کہ آپؐ کو ان کے بارے میں کوئی خاص خبر یا پریشان کن اطلاع ملی تھی اس لیے آپ نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ وہ خبر یا اطلاع کیا تھی؟ قیاس یہ کہتا ہے کہ وہ خبر یہ تھی کہ قریش ایک بہت بڑا کارواں شام کو بھیجنا چاہتے ہیں جس کے بارے میں مآخذ کا بیان یہ ہے کہ اس میں قریش کے ہر مرد و عورت نے جس کے پاس ایک مثقال یا اس سے زیادہ رقم تھی حصہ لیا تھا حتیٰ کہ بوڑھی عورت اور کمزور عورتوں نے سوت کات کر اس کارواں میں مال لگایا تھا۔ جس کی مالیت پچاس ہزار کی خطیر رقم کے برابر تھی ظاہر ہے کہ یہ خبر مسلمانانِ مدینہ کے لئے خاصی چونکا دینے والی تھی اس میں حیران کن عنصر تجارتی مفادات نہ تھے بلکہ اس مخصوص کارواں کی نوعیت اور اس کے اسباب و عوامل تھے۔ آخر ایسی کون سی فوری معاشی اور اقتصادی ضرورت پیش آگئی تھی۔ جس کے لیے قریش نے غیر معمولی کارواں ترتیب دیا تھا؟ کسی حد تک یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کارواں کی غیر معمولی نوعیت ہی تھی۔ جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تفتیش حال کے لیے ایک مختصر سا طلیعہ مکہ کے بالکل عقب میں بھیجنے پر مجبور کیا تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض روایات میں قریش کے بجائے قریشی کارواں پر نظر رکھنے کی وجوہات کہی گئی ہیں۔ غالباً کیا یقیناً اس سے ہی غیر معمولی اور عظیم کاروانِ قریش مراد تھا، کاروانِ نخلہ نہیں۔

موخر الذکر تو محض موقعہ و محل کی وجہ سے اور مسلم جماعت کی کارروائی کی وجہ سے اہمیت اختیار کر گیا اور اس طرح سے غلط فہمی اور صورتِ حال کے صحیح تجزیے میں ناکامی کا سبب بن گیا۔ بہر حال اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اس عظیم و غیر معمولی کاروانِ قریش کی ترتیب و تنظیم اور اس کے محرکات و عوامل سے جن کی سن گن آپؐ کو کسی طرح سے مل گئی تھی تو آپؐ کو خدشہ تھا کہ یہ ساری تیاری غالباً مدینہ کی اسلامی ریاست اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی بڑے منصوبے کی خاطر کی جا رہی ہے وہ منصوبہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ تجارتی دولت کو سیاسی و فوجی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور مسلمانوں پر ایک کاری ضرب لگائی جائے۔[۱۷]

واضح رہے کہ یہ قریشی سیاسی و فوجی پالیسی کسی نئے معاشی سبب یا مسلمانوں کی جانب سے اپنی تجارت کو خطرہ میں دیکھ کر نہیں اپنائی گئی تھی جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں اور اپنے آخری مجموعی تجزیے میں تفصیل کے ساتھ دیکھیں گے بلکہ اس قدیم عداوتِ اسلام اور دشمنی رسولؐ کے سبب تھی جو ان کو مکی عہد سے تھی اس کے بعض سیاسی اسباب بھی تھے قریش مکہ دیکھ رہے تھے کہ مدینہ کی اسلامی ریاست روز بروز وسیع تر اور طاقتور ہوتی جا رہی تھی۔ شہر کے ارد گرد کے علاقے میں بسے ہوئے بدوی قبائل اس کے حلیف دوست

بنتے جا رہے تھے۔“ اور اس طرح مدینہ مکہ کے حریف کی حیثیت سے ابھر رہا تھا وہ جانتے تھے کہ اگر اس کو اسی طرح ابھرنے اور پنپنے کا موقعہ دیا گیا تو وہ ایک دن اتنا طاقت ور ہو جائے گا کہ ان کی سیاسی بالا دستی کو ختم کر دے گا اس سیاسی حیثیت کا خاتمہ نہ صرف ان کی سیاسی موت کے مترادف ہوتا بلکہ ان کے مذہبی تخصص اور معاشی طاقت کے لیے بھی آخری کیل ثابت ہوتا چنانچہ انہوں نے مدینہ پر ایک کاری ضرب لگانے کے لئے اپنی تمام دولت ایک کارواں میں جھونک دی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں قریش کے متعدد معتدل افراد مدینہ سے مخاصمت اور جدال مول لینے کے حق میں نہ تھے اور وہ تاریخی فطری عناصر کو ان کی قدرتی نشوو نما کی بلا روک ٹوک اجازت دینے کے حق میں نہ تھے۔ لیکن تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کا یہ معتدل اور نرم مزاج طبقہ آہستہ آہستہ ختم یا کمزور ہو رہا تھا۔ اور اس کی جگہ سیاسی قیادت اور زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں آتی جا رہی تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہی نہ تھے بلکہ وہ تلوار کے زور سے ان کو مٹا دینے کی پالیسی میں یقین رکھتے تھے۔ اس کا ثبوت غزوہ بدر کے موقعہ پر مکہ کے معتدل و صلح جو طبقہ پر اس کے جنگ جو اور جدال پسند طبقہ کی برتری سے ملتا ہے۔ کیونکہ آخر کار یہ مؤخر الذکر طبقہ ہی تھا جو جنگ کرانے اور مستقبل میں اس کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔“

اس طرح یہ بات تقریباً پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ مہم نخلہ کا مقصد قریش کے آئندہ منصوبوں کی ٹوہ لینے کے لیے تھا اور اس کا محرک اس عظیم قریشی کارواں کی ترتیب و تنظیم تھی جو ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں شام جانے والا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی غیر معمولی نوعیت اور زبردست تیاریوں کی خبریں سن کر تشویش ہونی لازمی تھی کیوں کہ آپ کے سامنے مدینہ کے دفاع اور امت مسلمہ کی جانی حفاظت کا زبردست سوال تھا اور دونوں مقاصد کو اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا تھا جبکہ دشمنوں کے ہر منصوبے سے باخبر رہا جائے۔ اسی لیے آپ نے نخلہ کی مہم ترتیب دی تھی۔ واقعات، شواہد اور دلائل کی روشنی میں یہ بلا ریب ثابت ہوتا ہے کہ اس مہم کا محرک و مقصد غارت گری مال کی حرص اور روز افزوں امت کی اقتصادی ضروریات کو پورا کرنا نہ تھا جیسا کہ مغربی مورخین نے دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ اس کا محرک و مقصد سیاسی اور دفاعی تھا اس کی مزید تصدیق سریہ نخلہ میں شامل مجاہدین کی تعداد سے بھی ہوتی ہے محض آٹھ یا بارہ آدمیوں پر مشتمل کوئی دستہ بڑا کارواں اور وہ بالکل دشمن کے گھر میں نہیں لوٹ سکتا تھا اور نہ ہی لوٹ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ پھر یہ کارروائی اصلاً چھ آدمیوں کے دستے نے کی تھی اتفاق سے کاروان نخلہ مختصر تھا لیکن اس کا بھی تو احتمال تھا کہ وہ مسلم دستے سے کافی بڑا ہوتا ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں چھاپا مارنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس سے یہ خیال تقویت حاصل کرتا ہے کہ اگر چھاپہ مار کارروائی مقصود ہوتی تو نسبتاً بڑا فوجی دستہ بھیجا جاتا اور علاقائی یا جغرافیائی اسباب کی بنا پر یہ ضروری تھا کہ فوجی دستہ اتنا بڑا ضرور ہونا چاہیے تھا کہ وہ ہر قسم کی ممکنہ و غیر متوقع صورتِ حال سے پوری طرح نمٹنے کا اہل ہوتا اس تمام طویل بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماخذ کا یہ بیان صحیح ہے کہ مہم نخلہ کا مقصد دشمن کی جاسوسی تھی نہ کہ غارت گری اور لوٹ مار ان کے علاوہ متعدد دوسری دلیلیں اور شواہد ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ نہ صرف یہ آخری ابتدائی مہم بلکہ ابتدائی مہیں اقتصادی محرکات مقاصد نہیں رکھتی تھیں۔

(۱/۹) نویں اور دسویں مہمیں: ہمارے مقبول و معروف ماخذ میں ابتدائی مہموں کی تعداد آٹھ بیان کی گئی

ہے جن میں چار سرایا اور اتنے ہی غزوات شامل کئے جاتے ہیں۔ ان کا ہم مفصل مطالعہ کر چکے ہیں۔ لیکن ابتدائی مگر معروف مورخ یا مصنف نے ان ابتدائی مہموں کی تعداد دس بتائی ہے اور چار کے بجائے چھ غزوات غزوہ بدر سے پہلے ہونے کا ذکر کیا ہے اگرچہ موجودہ مورخین وران کے طرز تاریخ نویسی کا اندازہ یہ ہے کہ مسلمہ ماخذ سے مختلف یا مستزاد روایات کو آسانی سے قبول نہیں کرتے اور اس کو ماننے ں غیر ضروری احتیاط برتتے ہیں تاہم ایک ابتدائی مورخ کی روایت کو بلا کسی منطقی سبب یا معقول شہادت کے نظر انداز کرنا محال ہے ہر حال محمد بن حبیب بغدادی (متوفی ۲۴۵ھ) کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر سے پہلے ماہ شعبان میں دو مہمیں دو ختلف علاقوں میں لے کر گئے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق نویں ابتدائی مہم بروز جمعرات ۲۰ شعبان ۲ھ کو ینبع کے علاقے یں گئی تھی۔ وہاں کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور آپ واپس آ گئے لیکن دسویں ابتدائی مہم کے بارے میں بڑا دلچسپ بیان ہے اور وہ یہ ہ ۱۴ شعبان ۲ھ بروز منگل آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور معوان پہنچے وہاں آپ نے قبیلۂ غفار سے باہمی امداد و اعانت ایک معاہدہ (کتاب مداجتہ) لکھا اور ایسا دوسرا معاہدہ بنو اسلم سے بھی کیا اس غزوہ میں بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی[172] بظاہر یہ بیان مسلمہ ماخذ کے خلاف ہے کیونکہ اوّل تو وہ ان غزوات کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے۔ دوم یہ کہ بعض ماخذ کا اصرار ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمادی الآخرہ تا اوّل رمضان مدینہ میں قیام پذیر رہے اور کہیں باہر تشریف نہیں لے گئے[175] سوم یہ کہ غزوات و سرایا کی تعداد سے جو ان ماخذ میں صراحتاً بیان ہوئی ہے[176] یہ بیان متصادم ہے اور اوپر کی بیان شدہ دلیلوں کی تردید کرتے ہیں۔ مسلمہ ماخذ پر اضافہ یا اضافی معلومات کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ وہ غلط ہیں پھر آپ کے مدینہ میں جہاں تک مدت قیام کا تعلق ہے اس کی توثیق بعض دوسرے ماخذ سے نہیں ہوتی بلکہ کہیں کہیں تو تردید ہوتی ہے[177] اس کے علاوہ ستائیس غزوات اور اڑتیس سرایا کی تعداد بھی بعض ماخذ میں کم یا زیادہ پائی جاتی ہے[178] اس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ در اصل مورخین اور اصحاب سیرت کو جتنی مہموں اور ان کی تفصیلات کا علم ہو سکا اور جہاں تک وہ معلومات ان کے طریق نگارش یا طبیعت کتاب سے لگا سکیں انہوں نے ان کو بیان کیا۔ یہی سبب ہے کہ سیرت نبوی کے بارے میں عموماً اور مہموں کے بارے میں خصوصاً مختلف ماخذ میں معلومات کم و بیش ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ کم از کم دوسری مہم کے بارے میں واقعاتی شہادت یہ ہے کہ بنو غفار اور بنو اسلم سے جو معاہدے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے تھے ان کے متن دستیاب ہیں[179] اور دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ ان معاہدوں کے پس منظر کے بارے میں کہ وہ کب اور کہاں ہوئے کچھ بھی ماخذ میں نہیں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ بغدادی کا بیان صحیح ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ معاہدے انہیں مہموں کے دوران ہوئے ہوں مزید برآں ان معاہدوں کی زبان و طرز بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ معاہدے عہد نبوی کے مدنی دور کے ابتدائی زمانے کے ہیں۔ بہر حال ان شواہد و دلائل کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ بغدادی کا بیان صحیح ہے اور ابتدائی مہموں کی تعداد آٹھ نہیں بلکہ دس تھی اگرچہ بغدادی نے اپنی اختصار پسندی اور تفصیلات سے گریز کی بری عادت[180] کی وجہ سے ان مہموں کے پس منظر، حالات و اسباب وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ تاہم موجودہ تحقیقات اور معیار تحقیق کی بنا پر ان کے اسباب و علل اور عوامل کا پتہ لگانا اب کچھ مشکل نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں مہموں کے حالات و اسباب و عوامل وہی تھے جو دوسری ابتدائی مہموں کے تھے یعنی عرب کے بدوی قبائل سے تعلقات محبت و دوستی اختیار کرنا اور اسلامی ریاست

سے ان کو کسی نہ کسی طرح وابستہ کرنا خوش قسمتی ہے بنو غفار اور بنو اسلم سے غزوۂ سفوان کے ذیل میں معاہدۂ باہمی نصرواعانت کا جو ذکر کیا ہے اس کی مکمل تصدیق ان معاہدوں کے متن سے ہوتی ہے جو دوسرے مآخذ میں مذکور ہیں اور یہ ایک مزید دلیل ہے جو ابتدائی مہموں کے بارے میں وضاحت کرتی ہے کہ ان کے محرکات اقتصادی نہ تھے جیسا کہ ہمارے جدید مؤرخین کا اصرار ہے اس پہ مزید بحث ہم اپنے آخری تجزیے میں کر رہے ہیں، جواب شروع ہوتا ہے ۔

آخری تجزیہ

اب تک ہم نے دس ابتدائی مہموں کے محرکات، مسائل اور مقاصد کا الگ الگ جائزہ لیا ہے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "یہ تمام کوششیں اور کاوشیں کارروائیاں اور مجاہدے، مساعی اور سرگرمیاں در اصل ایک سوچی سمجھی اور منصوبہ بند سیاسی حکمتِ عملی کی مختلف کڑیاں تھیں۔ ان مہموں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانانِ مدینہ۔ مہاجرین اور انصار۔ کے سیاسی و سماجی پس منظر میں دیکھنا چاہیے ہجرت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ایک مذہبی اور سماجی نظام کا ڈھانچہ کھڑا کر رہے تھے۔ جس کی ابتدا مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارے (مواخاۃ) سے ہوئی تھی اور پھر جب مسلمانوں کے ان دو علاقائی طبقوں کو دین کی بنیاد پر متحد کر لیا گیا تو مدینہ میں ایک اسلامی امت وجود میں آئی ۔[181] اس امت کی اساسِ اوّل اسلام تھا۔ اور اس لحاظ سے وہ عرب کے قبائلی پس منظر میں بالکل نیا تجربہ تھا۔ جس میں سماجی نظام یا معاشرت کا انحصار خون کے رشتوں کے بجائے مذہبی اخوت اور یگانگت پر تھا۔ امت مسلمہ کی تشکیل کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مدینہ کی یہودی قبائل اکا دکا عیسائی افراد کا مسئلہ تھا پھر انصار کے دونوں عرب قبیلوں اوس و خزرج کے ان یہودی قبائل سے سیاسی، سماجی اور فوجی نوعیت کے تعلقات تھے جو کافی قدیم تھے ان کے علاوہ مدینہ کے لوگوں کے قرب و جوار کے بدوی قبائل سے دوستی اور حلیفانہ تعلقات تھے۔ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تعلقات کو نہ تو نظر انداز کر سکتے تھے اور نہ ان کو جوں کا توں رہنے دے سکتے تھے۔ امت مسلمہ دنیا سے کٹ کر اور اپنی ارد گرد کی بستیوں اور قبیلوں سے منہ پھیر ایک سماجی خلا میں زندہ نہیں رہ سکتی تھی اور نہ ہی پرانے تعلقات نئے حالات میں اور نئے لوگوں کے لیے مفید ہو سکتے تھے۔ ان سماجی تقاضوں اور ضروریات نے امت مسلمہ کے سربراہ کے لیے ایک عملی اور مفید لائحۂ عمل تیار کرنا ناگزیر بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے پہلے ایک سیاسی و سماجی نظام قائم کیا جس کو عام طور سے سماجی تحفظ کا نظام (SOCIAL SECURITY SYSTEM) کہا جاتا ہے اس کے مطابق امت مسلمہ کے سماجی تعلقات مدینہ کے یہودی قبیلوں سے قائم کئے گئے اور یہ ایک معاہدہ کے ذریعہ جس کو عموماً دستورِ مدینہ کہا جاتا ہے اور جس کو ابن اسحاق نے "کتاب رسول" یا "صحیفۂ رسول" کا نام دیا ہے مدینہ کی پوری آبادی کو سماجی و سیاسی تحفظات و ضمانتوں کی خاطر ایک سیاسی نظام کے تحت مجتمع کر دیا گیا۔ مذہبی اختلافات کے باوجود مسلمان اور یہود اور ان کے حلیف ایک دوسرے کے حلیف و دوست قرار پائے اور ان کے بعض فرائض و ذمہ داریوں کے ساتھ ان کے حقوق واضح کر دیئے گئے ۔[182] اس طرح مدینہ میں ایک نیا سیاسی نظام از خود وجود میں آ گئے اس سیاسی و سماجی نظام کا دائرہ کار مدینہ تک محدود نہ رہ سکا کیونکہ مسلمانوں کو اپنے پڑوسیوں سے سماجی تعلقات فطرتاً رکھنے تھے اور سیاسی تعلقات بھی بعض اسباب کی بنا پہ قائم کرنا ناگزیر تھا۔

قرب و جوار خاص کر مغربی علاقے کے بدوی قبائل سے انصار کے قدیم حلیفانہ و دوستانہ تعلقات نے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی اور وہ اپنے پرانے تعلقات کی بنا پر مہاجرین و امیر مہاجرین کے بھی دوست بن گئے لیکن اب نوعیت دوسری ہو چکی تھی۔ مدینہ میں عملاً مہاجرین و انصار کے دو ممتاز طبقات کی تفریق مٹ چکی تھی اور ایک امت مسلمہ قائم ہو چکی تھی اس امت کا ایک سیاسی نظام قائم ہو چکا تھا جس میں ایک باقاعدہ حکومت کا تصور ابھرنے لگا تھا۔ پڑوس کے قبائل کے تعلقات اب انفرادی قبائل اور چھوٹی بڑی سماجی اکائیوں سے نہیں بلکہ ایک بڑے سماجی و سیاسی نظام اور ایک باقاعدہ منظم حکومت سے استوار ہوئے تھے۔ مدینہ کی شہری ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی قبائل سے دوستانہ و حلیفانہ تعلقات قائم کئے لیکن کب اور کیسے؟ اس پر ہمارے ماٰخذ کا واضح جواب نہیں ملتا البتہ ابتدائی مستند مؤرخین اور جدید مورخین دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تعلقات ہجرت کے فوراً بعد قائم ہو گئے تھے اور معاہدوں کے ذریعہ وجود میں آئے تھے۔ ابتدائی مہمیں جن کو بدقسمتی اور غلط فہمی سے فوجی مہمیں سمجھ لیا گیا ہے۔ دراصل سیاسی سفارتیں یا مشن تھے اور انھیں مہموں کے دوران قرب و جوار کے علاقوں سے تعلقات قائم ہوئے تھے۔

علاقائی یا جغرافیائی سیاست ایک اہم عنصر مکہ کا قریشی اشرافیہ تھا پورے عرب میں اس کو مذہبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی بالادستی حاصل تھی[۱۴۳]۔ اگرچہ بعض اوقات اس کے بعض حریفوں سے نبرد آزما ہونے کے واقعات ملتے ہیں[۱۴۴]۔ تاہم تمام عرب قبائل قریش کی ہمہ جہت بالادستی کے معترف تھے۔ اسلام کی آمد نے اور پھر اس کی بتدریج ترقی و توسیع نے اس بالادستی کو چراغ دکھانا شروع کر دیا تھا اور اسی بنا پر مکی اشرافیہ نے اس کی بھرپور مخالفت کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکی اور بالآخر مسلمانوں کو ایک جائے پناہ یثرب میں مل گئی اور مکی مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر اپنے دینی مدنی بھائیوں کے ساتھ ایک سیاسی و سماجی نظام قائم کر لیا۔ ظاہر ہے کہ مکی اشرافیہ کو یہ نظام کسی طور پر پسند نہیں آسکتا تھا اور وہ اس کے لئے نفرت و عناد کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں رکھتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سیاسی بصیرت نے بخوبی محسوس کر لیا تھا کہ قریش مکہ کی اسلام و رسولؐ دشمنی ایک دن رنگ لا کر رہے گی[۱۴۵]۔ اس لئے عرب دستور قبائل کے مطابق آپ نے ایک سیاسی اتحاد کا منصوبہ بنایا جس کے تحت اس علاقے کے تمام عناصر کو اس کا رکن بنانا مقصود تھا کہ بوقتِ ضرورت قریش کی سیاسی و فوجی طاقت کا کامیاب مقابلہ کیا جا سکے چنانچہ آپ کے سامنے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ قریب کے بدوی قبائل سے حلف و دوستی کے تعلقات از سرِ نو اور نئی بنیادوں پر قائم کئے جائیں۔ یہی کام ان کا ابتدائی مہموں کے دوران کیا گیا تھا۔

خوش قسمتی سے ماٰخذ میں ان ابتدائی مہموں کے سلسلے میں بعض ایسے اشارے، حوالے اور کہیں کہیں واضح تصریحات ایسی موجود ہیں جو ان مہموں کے اس مقصد و محرک کی طرف صاف نشاندہی کرتی ہیں۔ پہلی مہم کے ذیل میں ماٰخذ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایک مغربی قبیلہ۔ جہنیہ کے علاقے میں گئی تھی۔ ان لوگوں سے مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات تھے جیسا کہ جہنی سردار مجدی بن عمرو کے بارے میں ماٰخذ نے صراحت سے کہا ہے اور جس طرح کہ قریشی کارواں اور مسلم جماعت کے درمیان اس کے مصالحانہ رویے سے مضمر طور سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسری مہم جس علاقے میں گئی تھی۔ وہ بنو خزاعہ اور بنو ضمرہ کا تھا۔ ان دونوں بدوی قبیلوں سے مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے اور ان سے معاہدوں کا کیا جانا یا اس کے سلسلے میں گفت و شنید کرنا اسی زمانے

میں ہوتا نظر آتا ہے۔ تیسری مہم سریہ خرار بھی بنو ضمرہ کے علاقے میں گئی تھی۔ اور یعقوبی نے تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کا ان لوگوں سے بھی دوستی کا معاہدہ تھا۔ چوتھی مہم میں ماخذ کا واضح بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس بنو ضمرہ سے ایک معاہدہ ان کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ذریعہ کیا تھا۔ اس سلسلہ میں کیا یہ محض اتفاق تھا یا ایک منصوبہ بند پالیسی کہ مؤخر الذکر تین مہمیں یکے بعد دیگرے بنو ضمرہ کے علاقے میں پہنچی تھیں؛ پہلی دو مہموں کے سیاق میں ماخذ نے مبہم انداز سے صرف دوستی اور معاہدہ کا ذکر کیا ہے جبکہ تیسری مہم میں ایک معاہدۂ صلح طے پا جانے کی بات بصراحت کہی گئی ہے۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ بنو ضمرہ کے علاقے میں جانے والی پہلی دو مہموں میں زمین ہموار کی گئی تھی۔ اور تیسری مہم میں ان سے باقاعدہ معاہدہ عمل میں آیا۔ پانچویں ابتدائی مہم علاقہ بنو جہینہ میں گئی تھی۔ غالباً پہلی ابتدائی مہم اور اس مہم کا مقصد ایک تھا یعنی قبیلہ جہینہ سے تعلقات دوستی استوار کرنا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ قبیلہ جہینہ اور مزینہ اسلامی امت کے اولیں ارکان میں تھے لیکن ان سے مسلمانان مدینہ کے تعلقات قائم ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا لیکن یہ حقیقت تھی اور مسلم حقیقت تھی اس لیے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قبیلے سے انھیں مہموں کے دوران دوستی کے تعلقات قائم ہوتے ہوں گے۔ اسی طرح اس نوع کی چھٹی مہم میں ماخذ کا واضح بیان ہے کہ آپؐ نے ذو العشیرہ کے بنو مدلج اور ان کے پڑوسی بنو ضمرہ جو ان کے حلیف بھی تھے، سے معاہدۂ صلح کیا تھا جہاں تک ساتویں اور آٹھویں مہموں کا تعلق ہے ان کی نوعیت قطعی جداگانہ تھی، ایک تادیبی کارروائی تھی اور ایک غارت گر کے تعاقب میں بھیجی گئی تھی اور دوسری خبر گیری اور اطلاعات کی فراہمی کی مہم تھی۔ اگرچہ نویں مہم کے بارے میں بغدادی نے تصریح نہیں کی ہے کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ تاہم اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ینبوع کے لوگوں سے دوستی اور معاہدہ مقصود ہوگا جس طرح کہ دسویں مہم میں غفار و اسلم سے ہوا تھا۔

ماخذ کے بیانات میں بلاشبہ یہ اتفاقی کلمہ ملتا ہے کہ آپ یا آپ کی بھیجی ہوئی مہم قریش یا قریش کے کارواں یا کاروانوں کے ارادے سے نکلی لیکن ان بیانوں میں استقامت و یکسانیت نہیں ہے۔ کہیں قریش کے ساتھ بعض بدوی قبیلوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اور کہیں آپ کے یا مہم کے محرک و مقصد کا بیان نہیں ہے۔ صرف درمیان کلام میں قریش کا یا قریشی کارواں کا ذکر ملتا ہے۔ اور کہیں قریشی کارواں یا قریش کا ذکر شروع میں تو آ گیا ہے لیکن پھر بعد میں ان کا کوئی حوالہ ہے اور نہ ذکر اس کے علاوہ ماخذ کے بیانات اس ضمن میں ایک دوسرے سے اگر متصادم نہیں ہیں تو مختلف ضرور ہیں پہلی مہم سریہ۔ العیص کے بارے میں ابن اسحاق اور ان کے جامع واقدی اور ان کے شاگرد بلاذری، یعقوبی اور ابن اثیر نے کسی محرک کا ذکر نہیں کیا ہے اور جہاں قریشی کارواں کا ذکر ہے وہاں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مہم جب اپنی منزل مقصود پہ پہنچی تو اس کی نشاندہی کردی گئی تھی کہ قریشی کارواں سے سامنا ہو گیا۔ صرف طبری ایسے مورخ ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ مہم اس لئے ترتیب دی گئی تھی کہ قریشی کاروانوں کے سامنے ہوا جائے (لیعترض لصیرات قریش)، دوسری مہم کے بارے میں کسی مورخ نے بھی دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ قریش یا قریشی کاروان کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ قریشی کارواں سے اس کا سامنا پہلی مہم کی طرح اتفاقاً ہو گیا تھا۔ اس مہم کے سلسلے میں اس کے ایک شریک حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ بیان کہ قریشی کارواں پہ چھاپہ مارنے کی ان کی تجویز سے کسی نے اتفاق نہیں کیا تھا۔ بڑا اہم ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ بنیادی طور پہ اس کا مقصد چھاپہ مارنا ہرگز نہ تھا۔ تیسری مہم کے سلسلے میں ماخذ کو دو طبقوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک طبقہ جس میں ابن اسحاق، ابن ہشام، یعقوبی شامل ہیں کسی قریشی کارواں کا ذکر کرتا ہے۔ نہ قریش کا حوالہ دیتا ہے جبکہ واقدی اور

ان کے دونوں متبعین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو خرار اس لیے بھیجا تھا کہ وہاں سے ایک قریشی کارواں گزرنے والا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب کیوں کر لے لیا جائے کہ اس سے مراد چھاپہ مارنا تھا۔ اس کا مقصد ان کے بارے میں خبریں فراہم کرنا بھی تو ہو سکتا تھا۔ غزوہ ابوا یا ودان کے بارے میں تین نقطہ ہائے نظر ملتے ہیں۔ ابن اسحاق اور ان کے متبعین کا خیال ہے کہ آپ قریش اور بنو ضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ارادے سے نکلے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ارادہ کیا ہے۔ کیا دونوں کے بارے میں ایک ارادہ تھا یا الگ الگ۔ البتہ واقدی اور ان کے دو پیرو کاروں کا بیان ہے کہ قریشی کارواں کا سامنا کرنے کے لئے نکلے تھے تیسرا نقطۂ نظر یعقوبی کا ہے اور وہ مکمل سکوت ہے۔ دوسرے غزوۂ بواط کے بارے میں ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان ہے کہ آپ کا مقصود قریشی تھے جبکہ واقدی اور ان کے متبعین نے مقصود کاروان قریش کو روکنا بتایا ہے۔ یعقوبی پھر خاموش ہیں اس نوع کی آخری مہم کے بارے میں ابن اسحاق کے مکتبِ فکر کا خیال ہے کہ آپ قریش کے ارادے سے اور واقدی کے مکتبِ فکر کے مطابق کاروانِ قریش پر چھاپہ مارنے کے لئے نکلے تھے سریہ نخلہ کے بارے میں کسی بھی مورخ نے اپنا تبصرہ نہیں کیا ہے کہ اس کا محرک کیا تھا۔ ان دونوں کاتبِ فکر کے مطابق قریش یا قریش کے کاروان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا تھا۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ ان مہموں میں سے بواط اور ذوالعشیرہ کے بارے میں واقدی اور ابن سعد نے کھل کر کہا کہ ان کا مقصد مکہ کے کاروانوں کو روکنا تھا۔ لیکن کسی اور سریہ یا غزوہ کے بارے میں ایسا واضح بیان نہیں ہے۔ مآخذ میں اس کے لیے جو افعال استعمال ہوئے ہیں وہ بڑے دلچسپ ہیں اور ان میں کسی کے معنی لوٹنے، چھاپہ مارنے کے نہیں ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ان کے معنی لوٹ مار کے کیونکر لیے گئے ہیں۔[۱۸۶] اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مآخذ کی داخلی شہادتوں سے بھی ان مہموں کا مقصد لوٹ مار، مالِ غنیمت حاصل کرنا یا قریش کو اشتعال دلانا اور ان کی تجارت کے لیے خطرہ پیدا کرنا ثابت نہیں ہوتا۔

اس سے ایک اہم نکتہ ابھرتا ہے اور وہ ہے مختلف منازل کا۔ بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ ان مہموں کا مقصد قریشی کاروانوں پر تاخت تھی تو مہموں کو شاہراہ تجارت یا قریشی کاروانوں کی گذرگاہ کے مختلف منازل پر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ مہمیں مدینہ سے جن مختلف منازل کی جانب بھیجی گئی تھیں ان کی مسافت شہر رسول سے تیس اور سو میل کے درمیان تھی۔ یہ نکتہ حسبِ ذیل نقشے سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

مہم	منزل	مدینہ سے فاصلہ
سریہ حمزہ	العیص / سیف البحر	تقریباً ۳۰ میل
سریہ عبیدہ	رابغ	〃 ۶۰ میل
سریہ سعد	خرار	〃 ۱۰۰ میل
غزوہ ودان	ابواء/ودان	〃 ۸۰ میل
غزوہ بواط	بواط	〃 ۲۰ میل
ذوالعشیرہ	ذوالعشیرہ	〃 ۹۰ میل
ینبع	ینبع	
سفوان	سفوان	

اس نقشہ میں سریہ نخلہ اور پہلے غزوہ سفوان کی مسافت نہیں دکھائی گئی ہے کیونکہ ان کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ لیکن اگر سریہ نخلہ

کو بھی شامل کر دیا جائے جیسا کہ جدید تاریخ دانوں کا اصرار ہے کہ اس کی منزل مدینہ سے چار سو کلومیٹر کے قریب تھی۔[۱۸۷] اور اس سے ہماری دلیل کو اور تقویت ملتی ہے عام تاثر بلکہ یقین یہ ہے کہ مذکورہ بالا پہلی چھ مہمیں اس بین الاقوامی شاہراہ تجارت پر گزرنے والے قریشی کاروانوں کو لوٹنے کے لیے گئی تھیں جو مین سے شام کو براہ مدینہ جاتا تھا۔ کیا یہ سب مختلف منازل مہمات نبوی سچ مچ اسی شاہراہ کارواں پر واقع تھیں؟ جدید محققین کا جواب اثبات میں ہے لیکن یہ جواب ماخذ کے واضح بیانات کے خلاف ہے۔ خوش قسمتی سے بعض مہموں کے سلسلے میں مسلم جماعت کے راستے اور قریشی کاروانوں کی گزرگاہ کے بارے میں بعض ایسے اشارے ملتے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ بعض مواقع پر دونوں کے راستے الگ الگ تھے۔ یا کم از کم مسلم مہم کی منزل قریشی کاروانوں کے راستے سے ہٹ کر تھی۔ دوسری ابتدائی مہم کے سلسلے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اگر قریشی کارواں نے ابن سعد کے بیان کے مطابق اپنا راستہ چھوڑ کر جانوروں کی وادی میں چرانے کے لیے قیام نہ کیا ہوتا تو مسلمانوں سے اس کا سامنا ہوا ہوتا۔ تمام ماخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلم مہم کی منزل ثنیۃ المرۃ کا ایک چشمہ تھا جو قرائن کے مطابق اس عام شاہراہ تجارت سے پرے تھا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے شاہراہ تجارت سے ہٹ کر سفر کیا تھا اور وہ اندرون وادی سفر کرتے رہے تھے خرار کے بارے میں اگرچہ ماخذ کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ کارواں کے راستے پر تھا کہ نہیں لیکن اس مہم کے سیاق و سباق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اندرون وادی تھا اور راستے سے کچھ دور تھا۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ رسول کریم نے اپنے سفر ہجرت کے دوران جو راستہ اختیار کیا تھا۔ اس پر خرار پڑا تھا۔[۱۸۸] جہاں تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے غزوہ کا تعلق ہے تو ابواء یقیناً مکی کارواں کے راستے پر واقع تھا۔ لیکن ودان راستے سے چھ میل اندر کی جانب تھا۔ یہ دلچسپ حقیقت یاد رکھنے کی ہے کہ زیادہ تر ماخذ اس کو غزوۂ ودان ہی کہتے ہیں اور یہ بھی اہم نکتہ ہے کہ کسی نے بھی کسی کارواں کے گزرنے نہ گزرنے، اس کی آمد و رفت کی منازل، تعداد و قیادت وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے جو بالواسطہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ آپ کی منزل قریشی کارواں کے راستے پر نہ تھی۔ اس طرح باقی دونوں غزووں کی منازل بواط اور ذو العشیرہ شاہراہ تجارت سے ہٹ کر واقع ہوئی تھیں۔

اسی ذیل میں ایک اہم تر نکتہ یہ ہے کہ فوجی حکمت عملی کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ اگر چھاپا مارنا ہو تو گزرگاہ یا راستے کے قریب چھپ کر گھات لگانی چاہیے اور بہتر طریقہ ہوتا کہ کسی ایک مقام کو خاص کر منتخب کر لینا چاہیے تھا تاکہ کارواں بچ کر نہ نکلنے پائے اسلامی تاریخ میں اس کی ایک دلچسپ مثال خود عہد نبوی ہی سے ملتی ہے صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابو بصیر اور اس کے ساتھیوں نے العیص میں قیام کر کے قریشی کاروانوں کی زندگی عذاب کر دی تھی اور انہوں نے مختصر سی مدت میں کسی کارواں کو وہاں سے گزرنے نہ دیا تھا۔[۱۸۹] کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بارے میں ایک مغربی مورخ واٹ کی تحقیق ہے کہ ابو بصیر کا العیص میں قیام اور قریشی کاروانوں پر تاخت کرنا آپ کی مرضی یا مضمر اجازت سے تھا۔[۱۹۰] بذات خود وہاں کسی دستے کو مستقل طور سے متعین نہیں کر سکتے تھے؟ یہ نکتہ اس حقیقت کی روشنی میں مزید اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ اسلام کے پہلے سریہ کی منزل العیص ہی تھی اور وہاں ایک کارواں سے اتفاقاً مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہو چکی تھی۔ غالباً یہ نقطۂ سفر تھا جہاں سے کاروانِ قریش کا گزرنا ناگزیر تھا۔ جیسا کہ ابو بصیر کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خاص کر اس ذات کے بارے میں جس نے اپنی تمام جنگوں اور مہموں میں بہترین حکمت عملی کا شاندار مظاہرہ کیا تھا کہ وہ کاروانوں کی تاخت کے مسئلہ پر ایسی فوجی بے تدبیری کا مظاہرہ کرے گی کہ مسلسل اپنی فوجی گھات کے علاقوں اور منزلوں کو بدلتی رہے اور اس طرح کاروانوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا احتمال پیدا کرے۔

ایک اہم حقیقت جو جدید مؤرخین کی نظر سے اَب تک اوجھل رہی ہے وہ ابتدائی مہموں کے دوران مسلم جماعت کی اپنے مقامِ منزل پر قیام کی مدت ہے۔ بغدادی کے مطابق سریہ عبیدہ اور سریہ حمزہ میں بالترتیب تقریباً ایک ماہ پندرہ دن لگے تھے۔ سریہ خرار کے بارے میں مدت قیام کا علم نہیں ہوتا ہے البتہ غزوۂ ابواء یا ودان میں واقدی کے بقول پندرہ دن اور بغدادی کے مطابق قریب ایک ماہ کی مدت لگی تھی۔ غزدہ بواط میں تقریباً سترہ دن لگے تھے اور واقدی کے مطابق یہ مدت ایک ماہ کی تھی۔ غزدۂ ذوالعشیرہ کے بارے میں بغدادی کا حتمی فیصلہ ہے کہ ایک ماہ بائیس دن لگے تھے۔ جبکہ دوسرے ماخذ سے ڈیڑھ دو ماہ کی مدت معلوم ہوتی ہے سریہ نخلہ میں بغدادی کا حتمی فیصلہ ہے کہ ایک ماہ بائیس دن لگے تھے۔ جبکہ دوسرے مأخذ سے ڈیڑھ دو ماہ کی مدت معلوم ہوتی ہے۔ سریہ نخلہ میں بغدادی کے مطابق کل دس بارہ دن لگے تھے۔ جبکہ ینبوع کے غزدہ کے بارے میں وہ تاریخ روانگی کا ذکر تو کرتا ہے مگر تاریخ واپسی کا کوئی حوالہ نہیں دیتا ہے غالباً ہفتہ عشرہ سے زیادہ مدت نہیں لگی ہوگی کیونکہ اسی کے مطابق وسط شعبان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا آخری ابتدائی غزوہ لے کر سفوان گئے تھے۔ بدقسمتی سے اس غزوہ کی مدت کا ذکر نہیں ملتا ہے بہرحال مدینہ سے مسلم مہمات کی مختلف منزلوں کے فاصلے کو مدِنظر رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ تیس اور سَو میل کے درمیان ان تمام منازل کا سفر دو سے چھ سات دن کے اندر کیا جا سکتا تھا اور واپسی ہی میں اتنی مدت لگتی۔ دو چار دن سفر کی تکان دور کرنے کے لیے منزل پر قیام کے لیے درکار ہوتے اس لحاظ سے حضرت حمزہ کو ہفتہ عشرہ اور حضرت عبیدہ کو دس پندرہ دن کافی تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دوسرے غزوہ میں صرف پانچ چھ دن اور باقی میں دس پندرہ دن سے زیادہ درکار نہ تھے۔[۱۹۱] خاص کر غزوہ ذوالعشیرہ میں آپ کا قیام کافی طویل تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنی مدت تک آپؐ کا قیام مبینہ قریشی کارواں کے انتظار میں نہیں تھا۔

واقدی نے بنو جذام کے جس مخبر کی روایت بیان کی ہے وہ اس کے غلط اندازے پر مبنی تھی۔ ورنہ یہ بڑی حیرت کی بات ہوگی کہ آپ قریشی کارواں کے ایک دو دن پہلے گزرنے کے بعد ذوالعشیرہ پہونچے اور پھر ڈیڑھ ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے اس کے انتظار میں اور جب اس کے شام سے لوٹنے کا وقت قریب آیا تو واپس مدینہ آ گئے اور پھر وہاں سے ایک نیا لشکر لے کر اس کارواں کو روکنے کے لئے بدر پہنچے اور بالآخر وہ اسی آمد و رفت کے چکر اور حیص بیص کے نتیجہ میں نکل گیا۔ اگر وہی کارواں قریشی مراد تھا تو بہتر حکمت عملی یہ ہوتی کہ جہاں اتنی مدت قیام کیا تھا۔ تھوڑا اور روک لیتے اور اگر کمک کی ضرورت تھی تو چند ہرکارے یا ایک مختصر دستہ مدینہ بھیج کر طلب فرما لیتے بہرحال مختلف مہموں میں منازل پر قیام کی مدت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطمح نظر کم از کم قریشی کارواں نہ تھے

اسی فوجی حکمتِ عملی سے وابستہ ایک اور پہلو جاسوسی کے نظام کا ہے۔[۱۹۲] جدید مورخین کا اصرار ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی کارروانوں کے شاہراہِ تجارت پر مدینہ کے قریب سے گزرنے کا علم مسلم جاسوسوں کے ذریعہ ہوتا تھا اسی کے ساتھ اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ مسلم جاسوس قریشی کارواتوں کے گزرنے کا صحیح وقت و تاریخ معلوم کرنے میں ناکام رہتے تھے۔ اسی لئے آپ کسی موقع پر تاخت کرنے میں کامیاب نہیں رہے دوسری طرف ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس کے برخلاف مکی جاسوسی نظام بہت طاقتور اور مستعد تھا اور وہ مسلمانوں کے منصوبوں سے قبل از وقت یا بروقت واقف ہو جاتا تھا۔ اس لئے وہ مسلم فوج یا مہم کے چنگل سے اپنے آپ کو بچا لے جاتا تھا۔[۱۹۳] ایک مورخ واٹ اپنی ان دلیلوں کی کاٹ خود نخلہ کی مہم کے سلسلے میں کر دی ہے کہ آپ کو وہاں سے گزرنے والے کارواں کی تاریخ گذر کا اتنا حتمی علم تھا کہ مدینہ کا فوجی دستہ تین چار سو کلو میٹر کا سفر کر کے کارواں کو لوٹنے میں کامیاب رہا۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ اتنی دور تو

مسلم جاسوسوں کی اطلاع صحیح نکلی لیکن اپنے گھر کے پچھواڑے کی صحیح خبر معلوم کرنے میں وہ ناکام رہے اور اس سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے زیر اثر و اقتدار علاقے میں ایک دو بار نہیں پورے چھ سات بار ناکام رہے تھے۔ اس دعوے کو بعض دوسرے حقائق کی روشنی میں دیکھنے سے جدید مؤرخین کی دلیلوں کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ بدر سے پہلے جس عظیم قریشی کارواں کو آپ نے پہلی بار شام سے واپسی پر روکنا چاہا تھا اس کے بارے میں آپ کی معلومات اتنی پکی تھیں کہ آپ نے ان دونوں مسلم جاسوسوں کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا تھا۔ جن کو آپ نے قریشی کارواں کے بارے میں تازہ خبریں معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا اور آپ شاہراہِ تجارت کی طرف نکل کھڑے ہوئے تھے اور عین اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں سے وہ کارواں بس گزرنے والا تھا۔ مگر وہ اپنے زیرک امیرِ کارواں کی دور اندیشی اور فوجی حکمتِ عملی کے سبب بچ نکلا تھا۔[194] بدر اور حدیبیہ کے دوران جب مکہ و مدینہ ایک دوسرے سے باقاعدہ جنگ پر تھے مسلم فوج نے کسی قریشی کارواں کو بچ کر نکلنے نہیں دیا تھا۔ اس مدت میں حضرت زید بن حارثہؓ نے دو قریشی کاروانوں پر نومبر ۶۲۴ء[195] اور ستمبر اکتوبر ۶۲۷ء[196] میں کامیاب چھاپے مارے تھے۔ بس یہی دو کارواں اس دوران گزرے تھے جو مسلمانوں سے بچ کر نہ جا سکے یعنی نہ تو مسلم جاسوسوں نے ناکامی کا منہ دیکھا تھا نہ فوجی غارت گر دستوں اور مہموں نے اور نہ ہی مسلم فوجی حکمت عملی نے منہ کی کھائی تھی۔ اس دوران مسلم فوجی حکمت عملی کی وجہ سے مکی تجارت ختم ہو گئی تھی اور مفروری تاجر بھوکوں مرنے لگے تھے۔ غالباً صلح حدیبیہ پر ان کو مجبور کرنے کا سب سے بڑا سبب بھی اقتصادی صدمہ تھا کیوں کہ اس کے بعد ان کی تجارت کو نئی زندگی ملی تھی اور جب ابو بصیر اور ان کے ستر ساتھیوں نے ان کی تجارت کو پھر تہس نہس کر دیا تو وہ صلح حدیبیہ کی اس شق کو بھی ختم کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ مستدعی ہوئے تھے جو مسلمانان مدینہ و مکہ کو سخت ناگوار تھی اور اس طرح انھوں نے اپنی گرتی ہوئی اقتصادی زندگی کو سنبھالا دینے کی کوشش کی تھی۔

اس بحث سے ایک اہم حقیقت یہ اجاگر ہوتی ہے کہ قریش مکہ کیا مدینہ کے مسلمانوں سے مخاصمت کی پالیسی اپنا کر اقتصادی طور سے زندہ رہ سکتے تھے؟ جواب نفی میں ملتا ہے اس کی کئی دلیلیں اور ثبوت ہیں اول تو کی تجارتِ شام جس پر ان کی اقتصادیات کا دار و مدار تھا کے بارے میں قریش کا شدید احساس بلکہ حساسیت تھی وہ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے۔ کہ ان کی اقتصادیات کی زندگی اور ان کی اپنی مادی خوشحالی کا انحصار شاہراہ تجارت کے ارد گرد بسے ہوئے تمام بدوی قبائل کی دوستی اور تعاون پر ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس پورے علاقے کے تمام عربوں سے حلف اور دوستی کے معاہدے کر رکھے تھے۔[197] یہ عین ممکن ہے کہ ان بدوی قبائل کو قریش سے دوستی کرنے پر ان کی مذہبی، سماجی اور فوجی بالادستی نے بھی مجبور کر دیا ہو لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غالباً ان بدوؤں کو قریشی کاروانوں کے گزرنے سے مادی فوائد حاصل ہوتے ہوں گے بعض جدید مغربی مورخین کو اعتراف ہے کہ تاجر عرب قبیلے بدوی قبائل کو اپنے تجارتی کاروانوں کی بسلامت روی اور بحفاظت گزران کے لیے کچھ معاوضہ دیتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ قریش نے ایسا کوئی محصول دینا کسرِ شان اور اپنے مقام سے فروتر سمجھا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ علاقے کے بدوی قبائل کو خوش رکھنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ اور حتی الامکان ان کی مادی ضروریات کی تسکین کی کوشش کرتے تھے تاکہ ان کی مدد و تعاون حاصل رہے اس سلسلہ میں مآخذ کا بیان کردہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ کس طرح غزوۂ بدر کے موقع پر بدر کے کنویں کے قریب دو باندیاں آپس میں ایک معمولی رقم کے قرض کے معاملے میں دست بگریباں تھیں اور کس طرح قرضدار اپنی قرض خواہ سہیلی کو تسلی دے رہی تھی کہ قریشی کارواں کے آنے پر وہ اس کا قرض چکا دے گی۔[198]

اس کے سوا یہ حقیقت بھی ماخذ سے بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ قریشی تاجران مکہ اپنی شاہراہ تجارت پہ بسے ہوئے بدوی قبائل سے نہ صرف مخالفت و مخاصمت مول لینے سے گریزاں رہتے تھے بلکہ اس کے لئے کوشاں رہتے تھے کہ ان کو کسی طرح سے ناراض نہ ہونے دیں۔ اس سلسلے میں دو مثالیں کافی ہوں گی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اسلام کے ابتدائی مکی عہد میں جب اپنے قبول اسلام کا برملا اعلان حرم مکہ میں کیا تو قریش کی دینی و سیاسی حمیت اس کو برداشت نہ کر سکی اور انہوں نے صحابی موصوف کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، نے اُن کو روکا اور کہا "تم لوگ تاجر ہو اور تمہاری تجارت کا راستہ بنو غفار کے راستے سے گزرتا ہے کیا تم اپنی تجارت کو ختم کرنا چاہتے ہو؟" حضرت عباس کے اس سادہ سے سوال نے بجلی کا کام کیا اور مارنے والے ہاتھ رک گئے اور نہ صرف رُکے رہے بلکہ پھر کبھی ان پر اُٹھ نہ سکے حالانکہ وہ پہلے سے زیادہ اشتعال انگیز اعلان اسلام کیا کرتے تھے۔[199] دوسرے واقعہ کا تعلق ہجرت کے بعد اور غزوۂ بدر سے پہلے زمانے سے ہے۔ واقدی اور بخاری کی روایت ہے کہ اس زمانے میں حضرت سعد بن معاذ اوسی عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ گئے اور وہاں اپنے عزیز و قدیم دوست امیہ بن خلف جمحی کے گھر مقیم ہوئے ایک دن عمرہ کرتے ہوئے ان کا سامنا ابوجہل سے ہو گیا اس نے حضرت سعد کو دیکھتے ہی کہا "تم لوگوں نے صابیوں (مسلمانوں) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اس لئے تم لوگوں کو زیارت کعبہ کی اجازت نہیں دی جائے گی اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو آج ہی بچ کر نہ جا پاتے"۔ حضرت سعد نے جواب دیا تھا "کہ اگر تم ہمیں حج و عمرہ کی ادائیگی سے روکو گے تو ہم تمہاری تجارت کا راستہ کاٹ دیں گے"[200] ظاہر ہے کہ اس جواب نے قریش کے مغرور ترین اور بدترین اسلام دشمن کو بھی ان مشکلات و دقتوں کا احساس دلا دیا تھا۔ جو مدینہ کے مسلمانوں سے مخاصمت و جنگ کی صورت میں ان کی تجارت کو لاحق ہو سکتی تھیں اور جو درحقیقت بدر اور حدیبیہ کے دوران اس کو لاحق بھی رہیں جیسا کہ حضرت زید بن حارثہ کی مہمیں[201] اور حضرت ابوبصیر کی کامیاب تاختیں ثابت کرتی ہیں۔ اس لیے مدینہ سے مکیوں کی دشمنی انھیں کو زیادہ مہنگی پڑتی اور اسی لئے وہ کسی قسم کی مسلح مخاصمت و کھلی جنگ سے پہلوتہی کرتے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مکی مدینہ مخالف یا جنگی پالیسی اختیار کرنے سے گریزاں تھے تو انہوں نے ابوسفیان کے زیر قیادت بدر سے پہلے شام سے واپس ہونے والے قافلے کی اجازت کے لیے فوجی کارروائی کیوں کی تھی؟ اور قریشی کارواں کے بچ جانے پر مدینہ سے چھیڑ کر جنگ کیوں مول لی تھی؟ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے آئے تھے اس کے ثبوت تو متعدد ہیں مگر یہاں دو کافی ہوں گے۔

ماخذ کا بیان ہے کہ جوں ہی مکیوں کو ممکنہ مسلم حملے کی خبر ملی تو ان میں شدید رَدِّ عمل ہوا اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کو کارواں نخلہ کی کہانی دہرانے نہ دیں گے۔[202] اور پھر یہ کہ مقتدر و ذی اثر مکی نے اپنی اقتصادیات کو بچانے کے لیے یا تو خود بھر پور حصہ لیا تھا یا اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجا تھا۔[203]

ماخذ کی کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مکہ سے جنگ کی غرض سے نکلے تھے۔ اولیں مقصد کارواں کی حفاظت تھی۔ لیکن وہ ہر قسم کی تیاریوں کے ساتھ ہر قسم کے حالات کے لئے مستعد ہو کر آئے تھے۔ دوسرے یہ کہ قریشی کارواں کے بچ جانے کے بعد مکی قائد ابوسفیان نے ان کو واپسی کا حکم بھیجا تھا کیونکہ مکی فوج کا مقصد — کارواں کا بہ حفاظت نکال لے جانا۔ حاصل ہو چکا تھا لیکن[204]

جذبات اور خیالات کا اظہار قریشی فوج کے اکثر سربرآوردہ سرداروں نے کیا تھا اور بعض[205] قبیلے /خاندان تو پورے کے پورے اور کچھ افراد اسی سبب سے واپس بھی چلے گئے تھے۔[206] جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب میں مآخذ سے ثبوت ملتا ہے کہ قریش کے کارواں کے بچ نکلنے کے بعد بدر تک اقدام کرنا اور وہاں قیام کرنا جنگ کی خاطر نہ تھا بلکہ قبائل عرب کے لئے عموماً اور مسلمانان مدینہ کے لیے خصوصاً طاقت کا مظاہرہ تھا جیسا کہ ابوجہل کی تقریر و اصرار سے ظاہر ہوتا ہے اور جو واقعتاً صحیح بھی تھا لیکن[207] بدر میں مسلم فوج کی موجودگی نے مسلم دشمن طبقے کو موقعہ سے فائدہ اٹھانے پر اکسایا۔ کیونکہ اس طرح ان کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے مسلم خطرہ کو مٹا دیں گے۔[208] معتدل طبقہ قریش اس موقعہ پر بھی سماجی و قبائلی اسباب کے علاوہ اقتصادی پہلوؤں سے جنگ سے گریزاں تھا۔ لیکن حامیٔ جنگ طبقہ یقینی فتح دیکھ کر پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ اپنی عددی قوت بہتر سامانِ جنگ، جنگ کے طویل تجربے وغیرہ پر ان کو غرور تھا اور یقین تھا کہ فتح ان ہی کی ہوگی۔[209] اگر ان کو ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ شکست کا بھی امکان ہے تو وہ یقیناً جنگ سے ہاتھ روک لیتے۔ لیکن ان کے اندازے غلط نکلے اور انہوں نے اپنی شامی تجارت کو خطرات میں ڈال لیا جو اب تک اس کو درپیش نہ تھے اور اگر تھے تو خطرات کے بادل بکھر چکے تھے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور اہم نکتے پر بحث کی جائے جدید مغربی مورخین کا خیال ہے کہ ابتدائی مسلم مہموں کی قریشی تجارت پر چھاپہ مار کارروائیوں کی وجہ سے قریش مکہ اپنی تجارت کی سلامتی کی طرف سے متفکر و متردد تھے اور دراصل یہ مسلم مہمیں مکہ والوں کے لیے شدید اشتعال انگیز کارروائیاں تھیں کیا مآخذ سے قریشی تجارت کو ان مہمات سے پیچ بہ پیچ خطرات درپیش ہونا ثابت ہوتا ہے اور کیا قریشیوں کو ان خطرات کا واقعہ نخلہ تک بلکہ اس کے بعد قریشی کاروان کے شام سے واپسی تک کا احساس ہوا تھا اور کیا وہ ان مسلم مہموں کو انھیں نظروں سے دیکھتے تھے۔ جن نظروں سے جدید مغربی مورخین اور ہمارے بعض مسلم سیرت نگار دیکھتے ہیں؛ اس سلسلے میں کئی نکات پر غور کرنا ضروری ہے۔

اوّل نکتہ مکیوں کے جاسوسی نظام سے متعلق ہے جدید مورخین کا دعویٰ ہے کہ چھ سات مواقع پر متعدد چالاک مکی جاسوسوں کی چوکس نظر و خبر پر وہ اپنے کاروانوں کو بچا لے جانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ مآخذ میں مکی جاسوسوں اور ان کی کارگزاری کے بارے میں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ اس کے برخلاف عظیم قریشی کارواں کو مکہ سے شام تک جاتے ہوئے ابن سعد اور ان کے استاد کے دعوے کے مطابق مسلم اقدام تاخت کی خبر کیا سن گمن تک نہ ملی تھی۔ بلکہ جب پہلی بار ان کو واقدی کے بقول حدود شام میں واپسی پر ایسی کسی صورتِ حال کے امکان کا علم ہوا تھا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے اور کارواں والوں نے اعتراف کیا تھا ان کو مسلم ارادوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم[210] قریش کے عظیم ترین کارواں کے بارے میں مکی جاسوسوں کی یہ کارگزاری اور مستعدی تھی اس سے باقی کاروانوں کے بارے میں ان کی مستعدی اور کارگزاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدر سے پہلے تک ان کو مسلم تاخت و غارت گری کے ارادوں کا قطعی کوئی علم نہ تھا اور نہ کوئی احساس ہی۔ اگر مکی تجارت کو مسلم مہموں سے کوئی واقعی خطرہ تاجرانِ قریش کو محسوس ہوا تھا تو ان کی بکثرت آمد و رفت پر تھوڑی بہت پابندی لگنی فطری تھی یا کم از کم اسی پہلے پیمان کی آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی جتنی خطرہ کے احساس سے پہلے ہو رہی تھی۔ ابتدائی مہموں کے سلسلے میں مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ مارچ ۶۲۳ء اور جنوری ۶۲۴ء کی دس

ماہ مدت کے دوران قریش نے چھ کارواں بھیجے تھے مگر مدینہ سے جنگ مول لے لینے کے بعد نومبر ۶۲۴ء اور ستمبر، اکتوبر ۶۲۷ء کی تین سال کی مدت میں وہ صرف دو کارواں مغربی و مشرقی شاہراہ تجارت پر بھیج سکے تھے اس تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ نے کس طرح مکی اقتصادیات کو متاثر کیا تھا اور کس طرح ان کے کاروانوں کی تیز رفتار آمد و رفت پہ پابندی لگی تھی۔ ہجرت اور بدر کے درمیان اتنی زیادہ تعداد میں مکی کاروانوں کا شام جانا ملوں بھی مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ مآخذ نے ابتدائی مہموں کے بارے میں اگرچہ تاثر یہی دیا ہے کہ مسلمانوں نے ہر موقعہ پر کسی نہ کسی کارواں کو نشانہ بنایا تھا۔ یا بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ شامی تجارت کی شاہراہ پہ سفر کرنے والے کاروانوں میں سے صرف تین کا واضح انداز میں ذکر ملتا ہے۔ ایک سریہ حمزہ کے دوران دوسرا سریہ عبیدہ کے موقعہ پہ اور تیسرا غزوہ بواط میں ان میں سے بھی پہلے دو کاروانوں کا مسلم مہم والوں سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ باقی کسی کا نہیں اس سے زیادہ حیرت انگیز معاملہ یہ ہے کہ اس پورے زمانے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مڈبھیڑ کسی کارواں سے تینوں مہموں میں نہ ہو سکی غزوۂ مذکورہ بالا میں جس قریشی کارواں کا ذکر ہے وہ بھی آپ کی منزل پہ آمد سے قبل نکل چکا تھا۔ بہرحال ان تین قریشی کاروانوں کے بارے میں مکمل تفصیلات ملتی ہیں کہ وہ کہاں سے آ رہے تھے کہاں جا رہے تھے۔ اس میں کتنے لوگ تھے اور ان کے قائد کون تھے؟ غزوۂ بواط کے کاروان قریش کے بارے میں سامانِ تجارت کا بھی ذکر یا حوالہ ملتا ہے بہرحال یہ تفصیلات اعتماد پیدا کرتی ہیں۔ کہ یہ مکی کارواں حقیقتاً اسی زمانے میں گزرے تھے۔ اگرچہ غزوۂ بواط میں کوئی قریشی کارواں کا معاملہ بھی خاصا مشتبہ ہے۔ باقی تین مواقع سریہ خرار اور غزوات ودان وذو العشیرہ کے بارے میں قریشی کاروانوں کا ذکر بڑے مبہم انداز میں کیا گیا ہے۔ ان میں کسی قسم کی کوئی واضح خبر نہیں ملتی ہے اس سے شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ یہ کارواں دراصل کبھی گزرے ہی نہ تھے۔ ورنہ راوی ان کی کچھ ضروری تفصیلات بیان کرتے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مؤلفین سیرت اور راویانِ صدر اول قریش کی اسلام دشمنی کے پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تحریک کو سمجھتے تھے جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں اور اسی بنا پر انہوں نے ہر مہم کے ساتھ قریش یا قریشی کارواں کا ذکر کر دیا یا اس کی طرف اشارہ کر دیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مؤرخین و مؤلفین کے نزدیک بھی کاروانوں کا معاملہ مشتبہ تھا۔ اسی لیے ان کے یہاں ان کا بعض مواقع پر حوالہ بھی نہیں ملتا ہے خصوصاً محمد بن حبیب بغدادی نے اس کی دس ابتدائی مہموں کے بارے میں کسی قریشی کارواں کا حوالہ تک نہیں دیا ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قریش کی شام سے تجارت اسلام سے پہلے زمانے میں یا عہد نبوی میں خاص اوسط درجہ کی تھی اندازہ قریش کے عظیم ترین کارواں کی مالیت سے لگایا جا سکتا ہے قریش نے جب اپنی تمام اقتصادی دولت اور سامان تجارت اس میں جھونک دیا تھا۔ تو اس کی مالیت پچاس ہزار دینار یا چھ لاکھ درہم ہو سکی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ مالیت اصل سرمایہ کی تھی یا بشمول منافع تھی۔ جو بعض اندازوں بلکہ حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سو فیصد تھا۔[۲۱۱] اصل سرمایہ کی صورت میں شام سے واپسی پر کل مالیت کا تخمینہ ایک لاکھ درہم رہا ہوگا۔ یعنی تقریباً بارہ لاکھ درہم۔ بظاہر یہ رقم خاصی خطیر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس پس منظر میں کہ پورے شہر مکہ کے تاجروں کی کل دولت تھی۔ یا اس کا بیشتر حصہ تھا۔ خاصی حقیر رقم تھی۔ خاص کر چند برسوں کے بعد مسلم تاجروں میں سب سے کمزور اور پست طبقے کے تاجر کا سرمایہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔[۲۱۲]

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ مکی تجارت بہت ہی مختصر پیمانے پر ہو رہی تھی اور اس حقیقت کی روشنی میں مکی کاروانوں کی اتنی تیز رفتاری سے شام جانا خاصا مشتبہ معاملہ معلوم ہوتا ہے۔

اسی سے متعلق ایک مسئلہ عددی طاقت کا ہے۔ جدید مورخین کے اس دعویٰ کی روشنی میں کہ مکی تجارت کو ان مہموں سے خطرہ پیدا ہو چکا تھا اور اس پر مکیوں کو تشویش تھی کہ اس لیے کہ مکی کاروانوں کے ساتھ محافظوں کی تعداد یا افرادی طاقت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے تھی تاکہ مسلم ارادوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوا جا سکے لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے کاروانوں کی عددی طاقت ہر کارواں میں کم ہوتی چلی جاتی ہے ہم دیکھ چکے ہیں کہ پہلے کارواں میں تعداد تین سو بتائی گئی ہے دوسرے میں دو سو اور تیسرے میں صرف ساٹھ جبکہ پانچویں کارواں میں ان کی تعداد سو ہو جاتی ہے۔ مگر سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ عظیم ترین قریشی کارواں میں ابتدائی مورخین کے بقول صرف تیس یا چالیس اور عروہ کے خط بنام عبدالملک کے مطابق زیادہ سے زیادہ ستر تھی۔ موخرالذکر کارواں میں قریشی محافظوں کی قلت تعداد کی وجہ سے بعض مورخین کا خیال ہے کہ پہلے قریشی کاروانوں میں ان کے محافظوں کی تعداد میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے بہرحال مبالغہ ہو یا نہ ہو قریشی کاروانوں کی مادی قوت کی ہر کارواں میں مسلسل کمی ثابت کرتی ہے کہ جنگ بدر تک قریشیوں کو اپنی تجارت کیلئے کم از کم کوئی خطرہ مسلمانان مدینہ سے عموماً اور مسلم ابتدائی مہموں سے خصوصاً محسوس نہیں ہوا تھا وہ اتنے غیر محتاط لوگ نہ تھے۔

کو اپنی تجارت کے لیے کم از کم کوئی خطرہ مسلمانان مدینہ سے عموماً اور مسلم ابتدائی مہموں سے خصوصاً محسوس نہیں ہوا تھا بہرحال یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ قریشیوں نے دیدہ و دانستہ خطرات کو دیکھ کر اپنے کاروانوں کی حفاظت کا بندوبست نہیں کیا تھا وہ اتنے غیر محتاط لوگ نہ تھے۔

اسی طرح خود مسلم مہموں میں افرادی طاقت ثابت کرتی ہے کہ ان مہموں کا مقصد لوٹ مار نہ تھا۔ پہلی مہم میں تیس مسلمانوں کا سامنا تین سو سے ہو چکا تھا فوجی حکمت عملی کے علاوہ محض عقل سلیم کا تقاضہ تھا کہ آئندہ مہم میں مسلم فوجی طاقت زیادہ سے زیادہ کی جاتی اتنی کہ اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں اگر برتر نہ ہوتی تو بہت زیادہ فروتر بھی نہ ہوتی یا کم از کم ان دونوں کا تفاوت کئی گنا تو نہ ہوتا مگر دوسری مہم میں یہ تعداد محض دوگنی ہو سکی اور تیسری مہم میں مسلمان صرف آٹھ یا پندرہ بیس تھے۔ چوتھی مہم میں یہ تعداد بڑھ کر اگرچہ پھر ساٹھ ہو گئی تھی لیکن پھر بھی بہت کم تھی۔ پانچویں مہم میں البتہ یہ تعداد معتدبہ تھی یعنی دو سو لیکن پھر چھٹی مہم میں وہ کم ہو گئی تھی اور ڈیڑھ دو سو کے بیچ تھی اور آٹھویں مہم میں تو محض آٹھ آدمی تھے اور کارروائی صرف چھرنے کی تھی۔ باقی دو مہموں میں مسلم جماعت کی عددی طاقت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم بہرحال یہ گھٹتی بڑھتی تعداد یہ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے تجربات سے کچھ نہ سیکھا تھا۔ لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے بعد کے زمانے میں جب مسلمان اپنے دشمنوں سے برسرپیکار تھے تو ہم مسلمانوں کی تعداد میں ہر آنے والی مہم میں چند در چند اضافہ پاتے ہیں اور ایک موٹے سے اندازہ کے مطابق دو مہموں کے درمیان یہ اضافہ تقریباً تین گنا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمان تین سو سے اوپر تھے[۲۱۳] تو جنگ احد میں ان کی تعداد ساڑھے سات سو تھی بلکہ شروع میں ایک ہزار تھی[۲۱۴]۔ جنگ خندق میں مسلم سپاہ تین ہزار تھی[۲۱۵] اور فتح مکہ کی مہم میں دس ہزار کا لشکر جرار تھا جو بقول ابو سفیان بن حرب پورا لوہے میں غرق تھا[۲۱۶]۔ اور اگرچہ غزوۂ تبوک مکیوں کے خلاف نہ تھا تاہم اس میں مسلم فوج کی تیس ہزار[۲۱۸] تعداد ثابت کرتی ہے کہ اسلامی مملکت نے تصادم اور جنگ کے زمانے میں اپنی فوج کی عددی طاقت کو ہمیشہ بڑھایا ہی تھا اور کبھی گھٹانے کی غلطی نہیں کی تھی اس پس منظر میں ابتدائی مہموں میں مسلم جماعتوں کی گھٹتی بڑھتی تعداد کو دیکھنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ان مہموں میں دشمن سے کسی قسم کی نبرد آزمائی مقصود نہ تھی۔

تعلیقات و حواشی

۱۔ محمد بن اسحاق (متولد ۸۵ھ - مدینہ / متوفی ۱۵۱ھ - بغداد)

۲- محمد بن عمر واقدی (متولد ۱۳۰ھ متوفی ۲۰۷ھ بغداد)

۳- اسلامی تاریخ نویسی کے لئے ملاحظہ کیجئے: اے، گلیوم (A. Guillaume) کا مقدمہ "ترجمہ سیرت رسول اللہ" از ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، لندن ۱۹۵۵ء، xiii تا xli، Historians of the Middle East، مرتبہ برنارڈ لوئس اور پی ایم ہولٹ (Bernard Leuis & P. M. Holt)، لندن ۱۹۶۲ء، خاص کر مضامین منٹگمری واٹ، عبدالعزیز دوری، روزنتھال وغیرہ، مارگولیتھ (D. S. Margolioth) Lectures on Arabic Historians کلکتہ ۱۹۳۰ء، روزنتھال (F. Rosenthal) History of Muslim Historiography، لندن ۱۹۵۱ء، خاص کر شروع کے صفحات ۱-۱۷۱، نثار احمد فاروقی Early Muslim Historiography دہلی ۱۹۷۹ء، جوزف ہوروونس (Joseph Horovits) "The Earliest Biographies of the Prophet and their Biographers"، اسلامک کلچر، حیدرآباد دکن ۱۹۲۷-۱۹۲۸ء اور اس کا اردو ترجمہ سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین، ادارہ ادبیات دلی، ۱۹۷۳ء، خاص کر شروع کے صفحات، اول ص ۵۹-۵۳۵، دوم ص ۵-۲۲ وغیرہ - جواد علی "موارد التاریخ الطبری"، مجلہ مجمع العلمی العراقی، بغداد عراق ۱۹۵۴ء اور اس کا اردو ترجمہ از نثار احمد فاروقی، دہلی ۱۹۸۰ء، جگدیش نرائن سرکار، History of History writing in Medilval India، کلکتہ ۱۹۷۷ء باب دوم، نیز شبلی نعمانی، سیرت النبی، اعظم گڑھ ۱۹۷۰ء، اول ص ۸۵-۱۲ -

۴- عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون (متولد ۷۳۲ھ / ۱۳۳۲ء - تیونس / متوفی ۸۰۸ھ / ۱۴۰۶ء مصر)

۵- ابن خلدون، مقدمہ، انگریزی ترجمہ فرانز روزنتھال (Franz Rosenthal)' جلد اول ص ۴ -

۶- ابن اسحاق، مذکورہ بالا ص ۲۲۱، کا ہجرت مدینہ کے بارے میں ابتدائی بیان یہاں ذکر کرنے کے قابل ہے:

"جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جماعت اور اصحاب جمع ہوگئے جو صرف قریش اور مکہ سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ دوسرے علاقوں کے بھی تھے اور آپؐ کے اصحاب نے ہجرت کرکے ان سے جا ملنا شروع کر دیا تھا اور ان کو علم ہو گیا تھا کہ وہ اپنے نئے گھر میں نہ صرف بس گئے تھے بلکہ وہاں ان کے حامی و ناصر بھی تھے تو ان کو خوف محسوس ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہی ان سے جا ملیں گے کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ آپ نے ان سے جنگ کرنے کا عزم مصمم کر رکھا تھا۔"

آخری جملہ کس طرح ثابت کرتا ہے کہ ابنِ اسحاق یا ان کے راوی کس طرح عداوتِ قریش برائے رسولؐ سے متاثر و مغلوب تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت تک مسلمانوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ نئے وطن میں پہونچ کر قریش کے خلاف محاذِ جنگ کھولیں گے۔ اس وقت اگر کوئی محرک تھا تو وہ قریش کے چنگل سے نکلنا اور کسی مرکزِ اسلام میں امت مسلمہ کی تنظیم کرنا۔ ظاہر ہے کہ ہجرت کے مقاصد و محرکات کی یہ تشریح و تعبیر ابن اسحاق نے حیاتِ نبوی کے اس دور

کے پس منظر میں کی ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے پنج برسرپیکار تھے اور یہی سبب ہے کہ ابن اسحاق نے ابتدائی مہموں کو اسی عداوتِ قریش کے پس منظر میں دیکھا ہے۔ اسی طرح سیرت نگار مذکور نے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد قریش اور جماعت انصار کے درمیان ایک گفتگو کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ قریشیوں کو شبہ تھا کہ اس بیعت کی منجملہ شرائط میں سے ایک یہ تھی کہ وہ قریش کے خلاف جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔ ظاہر ہے کہ قریش تو یہ شبہ کرنے میں حق بجانب ہو سکتے تھے، یا ان کے الزام کو بے بنیاد قرار دیا جا سکتا تھا جیسا کہ جماعتِ اوس و خزرج کے غیر مسلموں نے کیا بھی تھا، لیکن ابنِ اسحاق نے اس سے جو تاثر دیا ہے وہ یہ ہے کہ قریش سے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل کر رکھا تھا۔ یہ تو صحیح ہے کہ اس بیعت یا معاہدے میں جنگ کی شرط شامل تھی لیکن کیا واضح طور سے قریش مراد تھے؟ یہ کہنا تاریخی حقیقت کے خلاف ہوگا۔

۷۔ اس نقطۂ نظر کے لئے ملاحظہ ہو: لیون کیتانی (Leone Caetani Annalide'll Islam)' ملان ۱۹۰۵ء، جلد اول، ص ۳۴۵-۸۰، کارل بروکلمن (Carl Brockelmann)' History of the Islamic People انگریزی ترجمہ از جوئل کارمیخائیل (Joel Carmichael) اور موشے پرلمن (Moshe Perlmann) لندن ۱۹۷۹ء، ص ۲۳-۲۴، فلپ، کے ہٹی (Phillip K. Hitti)' Islam, A way of life لندن ۱۹۷۰ء، ص ۱۵، History of the Arabs لندن ۱۹۷۹ء، ص ۱۱۶-۱۱۷، مونٹگمری واٹ (Montgomery Watt)' Muhammad at Medina لندن ۱۹۶۸ء، ص ۲-۹، فرانسسکو جبریئیلی (FRANCESCO GABRIELI) Muhammad and the conguest of Islam، انگریزی ترجمہ از ورجینا لوئنگ (Virgina Luling) اور روزامنڈ لنل (Rosamand Linell)' لندن ۱۹۶۸ء، ص ۶۸، ڈبلیو، سی ٹیلر (W. C. Taylor)' The History of Mohammadanism لندن ۱۸۳۴ء، ص ۱۰۸-۱۰۹، جی، ای وان گرونی باوم (G. E. Von Grunebowm)، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن (Katherine Watson)، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۳۵-۳۶، اور مونٹگمری واٹ (Muhammad: Prophet and statesman)، لندن ۱۹۶۱ء ص ۱۰۲-۱۰۹، نے یہ اچھوتا خیال پیش کیا ہے کہ ہجرت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً "مدینہ" کے بارے میں منصوبہ بنا لیا تھا۔ مزید یہ کہ "رزیہ" سے "جہاد" تک پہونچنا محض نام کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ فوجی کارروائی کی نوعیت اور ماہیت میں تبدیلی آئی تھی"۔ "رزیہ" محض ایک قبیلہ کی دوسرے قبیلہ پر تاخت کا نام تھا جبکہ جہاد میں مسلمان غیر مسلموں سے بطور جماعت یا امت نبرد آزما ہوتے تھے۔

۸۔ یہ نقطۂ نظر زیادہ وضاحت سے مونٹگمری واٹ نے پیش کیا ہے۔ مختصراً فرانسسکو جبریئیلی کے یہاں بھی پایا جاتا ہے۔

۹۔ فلپ ہٹی نے اپنی تازہ ترین تصنیف "اسلام۔ ایک طریق حیات" میں یہی فرض انجام دیا ہے۔

ص۱۱۔ محمد حسین ہیکل "حیاۃ محمد" انگریزی ترجمہ از اسمٰعیل راجی فاروقی، علی گڑھ طبع، غیر مورخہ ص۲۰۹-۲۰۰ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالمصنفین اعظم گڈھ، طبع چہارم (غیر مورخہ)، اول ص۳۱۱-۳۰۹، فرماتے ہیں کہ: "کیونکہ اس جرم میں کہ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے، قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا، اور اپنے قبائل متحدہ میں یہ آگ بھڑکا دی تھی، اس بنا پر آپ نے دو تدبیریں اختیار کیں، اول یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایۂ غرور تھی بند کر دی تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب و جوار کے جو قبائل ہیں ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے"۔

۱۱۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، دارالمصنفین اعظم گڈھ، اول ص۳۱۲ حوالہ ۲ شاہ محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور ۱۹۲۱ء، دوم، ص۲۴۵-۲۴۳ اور ۶۴-۱۶۳ نیز خاکسار کی کتاب Organisation of Government Under the Prophet ادارہ ادبیات دلی، ۱۹۸۲ء، ص۲۳-۱۵ تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے جس میں پہلی بار یہ نقطۂ نظر مفصل و مدلل پیش کیا گیا ہے۔ مکمل بحث اس مضمون میں پیش کی جا رہی ہے۔

۱۲۔ واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونز (Marsden Jonos) آکسفورڈ ۱۹۶۶ء، ص۲ اور ص۱۳-۹

۱۲ ب۔ کتاب المحبر ص۱۱۱ کے مطابق یہ دونوں غزوات بالترتیب جمعرات ۱۲ شعبان ۲ھ کو ینبوع اور منگل ۱۴ شعبان ۲ھ کو سفوان گئے تھے۔ موخر الذکر میں آپ نے قبیلہ غفار اور قبیلہ اسلم سے ایک معاہدۂ دوستی (کتاب مداجعۃ) کیا تھا۔

۱۳۔ ابن اسحاق، انگریزی مذکورہ بالا، ص۲۸۱۔

۱۴۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی، مرتبہ محمد محی الدین عبدالحمید، قاہرہ غیر مورخہ، دوم ص۲۲۴ اور ص۳۰-۲۲۹۔ نیز ملاحظہ کیجئے: محمد بن حبیب بغدادی (متوفی ۲۴۵ھ/۸۵۹ء) کتاب المحبر، مرتبہ ایلزہ لیختن شٹیتر، حیدر آباد، حیدر آباد دکن ۱۹۴۲ء، ص۱۱۶۔

۱۵۔ محمد بن سعد (متولد ۱۶۸ھ بصرہ / متوفی ۲۳۰ھ۔ بغداد)۔

۱۶۔ احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ/۸۹۲ء۔ بغداد)۔

۱۷۔ واقدی، ص۲ اور ص۱۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۷ء، دوم ص۶-۷۔ بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء اول ص۲۸۷، یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، بیروت ۱۹۶۰ء، دوم ص۶۹۔ طبری، تاریخ الطبری، مرتبہ محمد ابو الفضل ابراہیم، قاہرہ ۱۹۶۱ء، دوم ص۱۵-۴۰۲۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵ء جلد دوم ص۱۱۱۔

۱۸۔ جے، ایم، بی، جونس "The chronology of the Maghazi — A textual Survey," Bulletin of the School of Oriental and African studies، یونیورسٹی آف لندن، جلد ۱۹، حصہ دوم ۱۹۵۷ء، ص۸۰-۲۴۵ خصوصاً ص۲۴۵ اور ص۲۶۰ اس خیال کا اظہار بعض اور مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ لیکن بعض مہموں کے سلسلے میں واقدی کی روایت پر ابن اسحاق کی روایت کو ترجیح دی جانی چاہیے جیسا کہ غزوۂ ذوالعشیرہ سے واضح ہوتا ہے ایک کم معروف مورخ محمد بن حبیب بغدادی (متوفی ۲۴۵ھ) نے ان مہموں کی متعین اگرچہ مختلف تاریخیں دی ہیں، ملاحظہ ہو کتاب المحبر ص۲۵-۱۱۰۔

۱۹۔ واقدی ص۱۲ اور ص۹۔

۲۰۔ واقدی نے مہاجرین میں حضرات ابو عبیدہ بن جراح، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عامر بن ربیعہ، عمرو بن سراقہ، زید بن حارثہ، کنّاز بن حصین اور ان کے فرزند مرثد اور غلام رسول کریم اُنیثہ کے نام گنائے ہیں۔ اور انصار میں حضرات ابی بن کعب، عمارہ بن حزم، عبادہ بن صامت، عبید بن اوس، اوس بن خولی، ابو دجانہ، منذر بن عمرو، رافع بن مالک، عبداللہ بن عمرو بن حرام اور قطبہ بن عامر بن حدیدہ کے۔ یہ کل انیس آدمیوں کے نام ہیں جن میں سے ۹ مہاجر ہیں اور ۱۰ انصار۔ باقی ۱۱ کے نام غیر مذکور ہیں۔ اگرچہ واقدی نے واضح کر دیا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور بدر سے پہلے کسی مہم میں کوئی انصاری شریک نہ تھا اور اسی کو اکثر جدید و قدیم مورخین تسلیم کرتے ہیں، لیکن یہ خیال یا روایت صحیح نہیں ہے۔ نہ صرف قرائن بلکہ مسلّمہ تاریخی حقائق سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ ان ابتدائی مہموں میں مہاجرین کے شانہ بشانہ انصار برابر کے شریک و سہیم تھے البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض بہت ہی مختصر سرایا میں جیسے سریہ نخلہ اور سریہ خرار میں وہ شریک نہ رہے ہوں۔ بعض مستشرقین نے بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابتدائی مہموں میں انصار مہاجرین کے برابر کے شریک و سہیم تھے ملاحظہ ہو: واٹ، محمد مدینہ میں ص ۲-۳ لیکن ابھی تک اس موضوع پر کوئی خاص تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔

۲۱۔ واقدی، ص ۹۔ مجدی بن عمرو جہنی کے لیے ملاحظہ کیجئے: مذکورہ بالا۔ نیز دیکھئے کتاب المحبر، ص ۱۱۶ جس کے مطابق روانگی نصف ربیع الاول کو اور واپسی آخر ماہ میں ہوئی تھی۔

۲۲۔ ابن سعد، دوم ص ۶۔ العیص، ابن اسحاق ص ۲۸۵ کے مطابق، ساحلی علاقے میں ذو المروہ کے خطے میں قریشی شاہراہ تجارت پر واقع تھا جس پر شام کو کارواں جایا کرتے تھے۔

۲۳۔ ابن اسحاق۔ ص ۲۸۱۔

۲۴۔ ابن ہشام، جلد دوم ص ۲۳۰۔

۲۵۔ بلاذری، جلد اول ص ۳۷۱۔

۲۶۔ یعقوبی، جلد دوم ص ۶۹ (احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح یعقوبی۔ متوفی بعد سنہ ۲۹۲ھ۔ بغداد)

۲۷۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، طہران ۱۳۷۷ھ، پنجم ص ۴۸-۴۹۔ (عز الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عبدالکریم جزری (متوفی سنہ ۶۳۰ھ۔ بغداد)

۲۸۔ طبری، تاریخ، دوم ص ۴۰۲ (ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متولد سنہ ۲۲۴ھ / متوفی سنہ ۳۱۰ھ۔ بغداد)

۲۹۔ واقدی کا جملہ ہے: اول لواء عقدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ان قدم المدینة لحمزة بن عبد المطلب، بعثه ثلاثين راكبا شطرين .... فبلغوا سيف البحر يعترض لعير قريش ...... طبری کا جملہ ملاحظہ کیجئے: وزعم الواقدی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقد ...... لحمزة بن عبد المطلب لواء ابيض فی ثلاثين رجلا من المهاجرين يعترض لعيرات القريش ... ... طبری کی روایت میں نہ صرف اضافہ ہے بلکہ اس کے اضافے نے ایک اتفاقی واقعہ کو محرک و مقصد بنا دیا ہے۔

۳۰۔ طبری، تاریخ، جلد دوم ص ۴۰۴، ابن اثیر، اسد الغابہ جلد دوم ص ۴۵-۴۶۔ العیص کے لئے ملاحظہ کیجئے: یاقوت حموی،

معجم البلدان، بیروت ۱۹۵۷ء، جلد چہارم ص۱۴۳ ۔ یاقوت نے ابن اسحاق کے بیان پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا ہے بس اتنا کہا ہے کہ وہ ذی المروہ کے نواح میں ساحل پتی (اسیف البحر) پر واقع تھا جس پر قریش شام کا سفر کیا کرتے تھے۔

۳۱۔ بڑے بدوی قبائل جہینہ ومزینہ وغیرہ سے انصارِ مدینہ کے رشتۂ حلف کے لئے ملاحظہ کیجیے: خاکسار کی مذکورہ بالا کتاب باب دوم بحث بر قبائل جہینہ ومزینہ و دیگر مغربی بدوی قبیلے، محمد مدینہ میں ص۸۶-۸۲۔ اے پی کیسن ڈی پرسیول Essai Sural' Histoire ('A.P. Caussin de Perceval) des Arabs avant l' Islamis me، پیرس ۱۸۴۷ء جلد دوم ص۱۹۱ وغیرہ۔ محمد احمد جاد المولی بک، علی محمد بجاوی اور محمد ابوالفضل ابراہیم، ایام العرب فی الجاھلیۃ، مصر ۱۹۴۲ء: ص۸۴-۶۲۔

۳۲۔ واٹ، محمد مدینہ میں (انگریزی) ص۸۴-۶۲۔

۳۳۔ طبری، جلد دوم ص۴۰۴۔

۳۴۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، جلد دوم ص۵۰-۴۶

۳۵۔ واٹ، محمد مدینہ میں (انگریزی) ص۳-۲۔

۳۶۔ رابغ ایک وادی کا نام تھا جسے حجاج بزواء اور جحفہ غرور سے پرے طے کرتے تھے۔ ابن السکیت کا خیال ہے کہ رابغ جحفہ اور ودان کے درمیان ہے جبکہ واقدی کا بیان ہے کہ ابواء اور جحفہ کے درمیانی واقع شاہراہ پر جحفہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان، سوم ص۱۱۔ قُدَید مکہ کے قریب ایک مقام تھا۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد چہارم ص۳۱۳۔ معجم البلدان، جلد دوم ص۱۱۱ جُحفہ کے لئے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان کے راستے پر اول الذکر سے چار مرحلوں پر وہ ایک بڑا گاؤں تھا۔ شامی ومصری حجاج کے لیے وہ میقات تھا اگر وہ مدینہ سے نہ گذریں، لیکن مدینہ ہو کر آنے والوں کے لیے ذوالحلیفہ میقات تھا۔ ساحل سے جحفہ کا فاصلہ محض تین مراحل کا ہے۔ جبکہ ساحل سمندر پر واقع مقام اقرن سے چھ میل اور مدینہ سے چھ مراحل پر واقع ہے اور غدیر خم سے محض دو میل پر۔ جحفہ مدینہ کی جانب سے مکہ کی پہلی سرحد ہے۔

۳۷۔ واقدی، ص۱۱-۱۰۔

۳۸۔ ابن اسحاق ص۲۸۱۔ ابن ہشام جلد دوم ص۲۵-۲۴۔ نیز ملاحظہ کیجیے: کتاب المحبر، ص۱۱۶ میں مہم کی منزل ثنیۃ المرۃ اور قائد کاروانِ قریش کا نام عکرمہ بن ابی جہل بتایا گیا ہے۔ روانگی کی تاریخ پہلی ربیع الاول اور واپسی آخر ماہ میں بتائی گئی ہے۔

۳۹۔ ابن سعد، جلد دوم ص۷۔

۴۰۔ انساب الاشراف، جلد اوّل ص۳۷۱۔

۴۱۔ یعقوبی، دوم ص۶۹۔

۴۲۔ طبری، دوم، ص۴۰۲۔

۴۳۔ معجم البلدان، جلد اول ص۷۹ ابواء اور ودان مدینہ کے فرع کے نواح میں تھا اور مدینہ سے اس کا فاصلہ تینتیس۳۳ میل تھا۔ اور وہ غزور سے پرے بزواء اور جحفہ کے درمیان واقع تھا۔ موخر الذکر مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع شاہراہ پر ایک گاؤں تھا۔ ساحل سے وہ تین مراحل پر اور مدینہ سے چھ مراحل پر واقع تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے، معجم البلدان جلد دوم ص۸۵ اور ص۱۱۱ جلد سوم ص۱۱

یاقوت نے ثنیۃ المُرّہ کی کوئی تصریح یا وضاحت نہیں کی ہے۔

۴۴۔ خزاعہ سے قریش کے قریبی تعلقات کے لیے ملاحظہ کیجیے: ابن اسحاق ص ۹-۴۸، ص ۵۲، ابن سعد جلد اول ص ۶۸-۶۹، جلد چہارم ص ۲۲۲، محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق فی اخبار قریش، مرتبہ خورشید احمد فارق، حیدرآباد دکن ۱۹۶۴ء ص ۷۵، انساب الاشراف جلد اول ص ۵-۴۹، ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ فرڈیننڈ وسٹنفلڈ (Ferdinand Wiistenfeld) بیروت ۱۹۶۴ء ص ۶۶-۶۴ اور طبری جلد دوم ص ۴۳، نیز خاکسار کی کتاب مذکورہ بالا باب دوم۔ خاندانِ رسولؐ سے معاہدۂ خزاعہ کے لیے عموماً اور قریش سے تعلقات کے لیے خصوصاً ملاحظہ کیجئے: واٹ، محمدؐ مدینہ میں ص ۸۴-۸۲۔

۴۵۔ یاقوت، معجم البلدان، جلد دوم ص ۳۵، نے خرار کے بارے میں کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ وہ حجاز میں جُحفہ کے قریب ایک مقام تھا۔ مدینہ کی وادیوں میں سے ایک تھا اور ایک روایت کے مطابق وہ مدینہ کی وادیوں میں سے ایک چشمہ تھا اور ایک اور روایت کے مطابق وہ خیبر میں ایک مقام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کے کئی مواضع تھے جیسا کہ ابنِ اسحاق کے اضافی فقرے" من ارض الحجاز" سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ خرار ارضِ حجاز میں اس عام شاہراہِ تجارت سے ہٹ کر تھا جس پر مکی کارواں شام کو جایا کرتے تھے۔ ابنِ اسحاق ص ۲۲۶ کے ہی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے قُدید سے پہلے گذرے تھے۔

۴۶۔ واقدی ص ۱۱، نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر ص ۱۱۹، جس کا خیال ہے کہ یہ مہم رجب کے نئے چاند کو دیکھ کر روانہ ہوئی تھی۔

۴۷۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۷

۴۸۔ ابنِ اسحاق، ص ۲۸۶، ابن ہشام، جلد دوم ص ۲۳۸۔

۴۹۔ انساب الاشراف، جلد اول ص ۲۸۷۔

۵۰۔ یعقوبی، جلد دوم ص ۶۹۔

۵۱۔ طبری، تاریخ، جلد دوم ص ۴۰۳۔

۵۲۔ واقدی، ص ۱۲-۱۱۔ نیز دیکھئے کتاب المحبر، ص ۱۱۱، جس کے مطابق صفر کی چند راتوں کے بعد آپ روانہ ہوئے تھے اور بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا تھا۔ اور ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو واپس آئے تھے۔ بغدادی نے کسی کاروانِ قریش کا حوالہ تک نہیں دیا ہے۔

۵۳۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۸

۵۴۔ ابن اسحاق ص ۲۸۱، ابن ہشام، جلد دوم ص ۲۴-۲۲۳

۵۵۔ انساب الاشراف، جلد اول ص ۲۸۷۔

۵۶۔ تاریخ یعقوبی، جلد دوم ص ۶۹۔

۵۷۔ تاریخ طبری، دوم ص ۴۰۳ اور ص ۴۰۷۔

۵۸۔ واقدی، ص ۱۲۔ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۱۱۱، کا خیال ہے کہ بُواط مدینہ سے صرف تین مراحل پر شام کے راستے میں واقع تھا۔ ۳ ربیع الآخر ۲ھ کو روانگی اور اسی سال ۲۰ ربیع الآخر کو واپسی ہوئی تھی۔

۵۹۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۹-۸

۶۰۔ انساب الاشراف جلد اول ص ۲۸۷۔

۶۱ - تاریخ یعقوبی، جلد دوم ص ۶۶ ۔

۶۲ - تاریخ طبری، جلد دوم ص ۴۰۷ ۔

۶۳ - ابن اسحاق، ص ۲۸۵ ، ابن ہشام، جلد دوم ص ۲۳۵ ۔

۶۴ - ابن سعد کے بیان کی تائید یاقوت سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد اول ص ۵۰۳

۶۵ - معجم البلدان جلد دوم ص ۹-۱۵۸ ، کی ایک روایت کے مطابق مکہ کو جانے والے راستہ پر مدینہ کے نواح میں واقع تھا۔

۶۶ - واقدی ص ۱۲ ۔

۶۷ - ابن سعد، جلد دوم ص ۹ ، نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۲۸۶ ، بغدادی، کتاب المحبر، ص ۱۱۱ ، اس کو محض غزوۂ بدر اولیٰ کہتا ہے اور سفوان کا ذکر نہیں کرتا ۔

۶۸ - انساب الاشراف جلد اول ص ۲۸۷ ۔ ۶۹ - تاریخ یعقوبی، جلد دوم ص ۶۶

۷۰ - تاریخ طبری، جلد دوم ص ۴۰۷ ۔

۷۱ - ابن اسحاق، ص ۲۸۶ - ابن ہشام، جلد دوم ص ۲۳۸ ۔ نیز دیکھئے کتاب المحبر، ص ۱۱۱ ، جس کے مطابق دو شنبہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ھ کو غزوہ کی روانگی ہوئی اور اس ماہ کی چند راتیں باقی بچی تھیں کہ واپسی ہوئی ۔

۷۲ - واٹ، محمدؐ مدینہ میں، ص ۴ ۔ تعجب ہے کہ واٹ نے کرز فہری کو پڑوسی علاقے کا ایک لٹیرا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ ان کا تعلق قریش کے خاندان بنی فہر سے تھا۔ گویا کہ جارحیت کا آغاز قریش کی طرف سے ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو اصابہ، سوم ص ۲۰۱ ۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اول ۳۱۲ ، رحمۃ للعالمین، جلد دوم ص ۱۵-۱۱۴ ۔

۷۳ - واقدی، ص ۱۳-۱۲ ۔ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر ص ۱۱۱ ، جس کا بیان ہے کہ یکم جمادی الاولیٰ کو روانگی اور ۲۲ جمادی الآخرہ کو واپسی ہوئی۔ اس میں بنو مدلج اور اس کے ضمری حلیفوں سے معاہدہ ہوا۔ بغدادی نے اس میں بھی کسی کاروانِ قریش کا حوالہ نہیں دیا ہے ۔

۷۴ - ابن سعد، جلد دوم ص ۱۰-۹ ۔

۷۵ - انساب الاشراف، جلد اول ص ۲۸۷ ۔

۷۶ - ابن اسحاق ص ۶-۲۸۵ ۔

۷۷ - ابن ہشام، جلد دوم ص ۳۷-۲۳۴ ۔

۷۸ - تاریخ یعقوبی، دوم ص ۶۶ ۔

۷۹ - تاریخ طبری، جلد دوم ص ۱۰-۴۰۹ ۔

۸۰ - واقدی ص ۲۰-۱۹ اور ص ۲۸ ۔

۸۱ - تاریخ طبری، جلد دوم ص ۴۲۱

۸۲ - واقدی ص ۲۰-۱۹ ، ابن سعد، جلد دوم ص ۱۳-۱۲ ۔

۸۳ - ابن اسحاق ص ۲۸۹ - ابن ہشام، جلد دوم ص ۲۴۴ ۔ موخر الذکر نے اول الذکر کی روایت کو یوں شروع کیا ہے:
"لمّا سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بأبی سفیان مُقبِلاً من الشام ندب المسلمین الیھم..."

۸۴ - واقدی ص ۲۸ ۔

۸۵- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی اور سعید بن زید عدوی کو کاروانِ قریش کی خبر لانے بھیجا تھا۔ واقدی ص۱۹ اور ابن سعد جلد دوم ص۱۱ کے مطابق ۱۲ رمضان ۲ھ بروز ہفتہ بدر کے لئے روانہ ہونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں جاسوسوں کو دس دن پہلے یعنی ۲ رمضان کو بھیجا تھا۔ ان دونوں نے قبیلۂ جہینہ کے ایک سردار کے گھر قیام کیا تھا اور چھپ کر معلومات فراہم کی تھیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ جہنی سردار نے کارواں والوں کو ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ملاحظہ ہو: واقدی ص۲۰-۱۹، ابن سعد، جلد دوم ص۱۲-۱۱، طبری جلد دوم ص۴۷۸، اسد الغابہ جلد دوم ص۳۰۶ اور سوم ص۵۹ ۔ ابن ہشام اور محمد بن حبیب بغدادی کا خیال ہے کہ آپ بدر کے لئے ۸ رمضان کو روانہ ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۴۳۸ اور کتاب المحبر ص۱۱۱۔ اول الذکر کے مطابق دن دوشنبہ تھا اور موخر الذکر کے مطابق بدھ

۸۵- مآخذ نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات فراہم کی ہیں وہ فوجی حکمت عملی کے اعتبار سے بہت اہم ہیں اور ان سے فریقین کی دوراندیشی، منصوبہ بندی اور دقتِ نظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ بدر کے قریب پہونچنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک ساتھی کے ساتھ قریش کی خبر لانے کے لئے روانہ ہوئے اور راہ میں ایک بوڑھے بدو سے دریافت حال کیا۔ اس نے فریقین کی اپنے اپنے مقام سے روانگی کی خبروں کی بنیاد پر ان کے موجودہ جائے قیام کی بالکل صحیح تعیین کی تھی۔ مگر اس سے زیادہ اہم اور دلچسپ آپ کے دو جاسوسوں کا واقعہ ہے جن کو آپ نے بدر جا کر خبر لانے کو کہا تھا۔ یہ دونوں جاسوس حضرات بسبس اور عدی (جو دونوں قبیلہ جہینہ کے تھے) بدر پہونچے اور وہاں دو بدوی باندیوں کی کاروانِ قریش کے بدر پہونچنے کی تاریخ کے بارے میں گفتگو سن کر اس نتیجے پر پہونچے کہ اسی دن یا دوسرے دن کاروانِ قریش وہاں پہونچنے والا ہے۔ ان دونوں نے یہ خبر واپس آکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ اس کے کچھ دیر بعد ابوسفیان بن حرب، کاروان قریش کے سربراہ، اسی جگہ پہونچے اور وہاں کے کنوئیں پر موجود مجدی بن عمرو جہنی سے پوچھا کہ کیا اس نے کوئی غیر معمولی بات دیکھی ہے۔ ابوسفیان اپنے کارواں سے آگے نکل آئے تھے تاکہ مدینہ کے مسلمانوں کے بارے میں سنی ہوئی خبروں کی تصدیق کرسکیں اور مجدی بن عمرو جہنی اس وقت بھی کنوئیں پر موجود تھے جب دونوں مسلمان جاسوسوں نے وہاں سے پانی لیا تھا۔ بہرحال جیسے ہی جہنی سردار نے ابوسفیان کو بتایا کہ صرف دو سوار آئے تھے اور انہوں نے مشک میں پانی بھرا تھا ابوسفیان کے کان کھڑے ہوئے اور فوراً اس جگہ پہونچا جہاں دونوں جاسوس رکے تھے۔ وہاں آکر انہوں نے ان کے اونٹوں کے فضلہ کو چیر کر دیکھا اور اس میں مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں پائیں اور سمجھ گئے کہ دشمن جاسوس تھے۔ وہ فوراً اپنے کارواں کی طرف واپس ہوئے اور اس کا راستہ بدل دیا۔ معمول کی شاہراہ سے ہٹ کر انہوں نے ساحلی پٹی کا رخ کیا اور بدر سے بائیں طرف کترا کر نکل کر برق رفتاری سے نکل گئے۔ ملاحظہ کیجیے: ابن اسحاق ص۲۹۵-۲۹۴، واقدی ص۲۲، ابن سعد، جلد دوم ص۱۲، طبری جلد دوم ص۴۲۳ اور ص۴۲۷، ابن خلدون تاریخ جلد اول ص۴۲۹، اسد الغابہ، جلد اول ص۱۷۸-۹۔

۸۷- ایضاً۔

۸۸- کتاب المحبر، ص۱۱۰، نے روانگی اور واپسی دونوں کی قطعی تاریخیں دی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں تقریباً

ایک ماہ اکیس دن لگے تھے۔ یہ بالواسطہ ابن اسحاق کی تائید کرتی ہے۔

۸۹- ابن اسحاق ص۲۸۹، طبری، تاریخ جلد دوم ص۴۲۱، نیز بحوالہ ابن اسحاق ص۴۲۷۔

۹۰- واقدی ص۲۸۔

۹۱- واٹ، محمدؐ مدینہ میں (انگریزی، ص۴)۔ مستشرق موصوف نے ایک دلچسپ تحقیق کاروانِ قریش کے بارے میں یہ فرمائی ہے کہ غالباً متعدد کاروانوں نے جن میں سے بعض اپنے شمالی سفر کے دوران مسلمانوں کی توجہات کا مرکز بن چکے تھے عظیم تر تحفظ و حفاظت کی خاطر مل کر ایک کارواں بنا لیا تھا۔ (ص۱۱) موصوف نے یہ نتیجہ ایسا لگتا ہے کہ واقدی کی ایک روایت سے اخذ کیا ہے۔ مغازی نگار کا کہنا ہے کہ اس عظیم کاروانِ قریش میں قریش کے متعدد خاندانوں کے کاروان شامل تھے (واقدی ص۲۸) اس کی تصدیق دوسرے ماخذ سے ہوتی ہے جو مختلف خاندان ہائے قریش کی شمولیت اور ان کے سرمایے کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے دو اہم نکتے ابھرتے ہیں: اول یہ کہ قریشِ مکہ کے مختلف خاندان اپنے اپنے کارواں الگ بھیجتے تھے۔ اور یہ طرزِ عمل بنیادی طور پر اقتصادی روایت کی وجہ سے تھا جو ایک تاجرانہ معیشت کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ شام کو جانے والا یہ عظیم قریشی قومی کارواں مخصوص حالات و اسباب کی بنا پر بھیجا گیا تھا اور اس میں متعدد خاندانوں کے کارواں مکہ سے اپنے سفر کے آغاز ہی میں شامل تھے۔ اور انہوں نے شام میں تحفظ کی خاطر یہ اتحاد نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ اتحاد اقتصادی اور اس کے محرکات سیاسی تھے جن کا ذکر کہیں اور آتا ہے۔ اس لیے مستشرق موصوف کا یہ خیال کہ قریشی کاروانوں نے یہ اتحاد شام میں مسلمانوں کے خطرہ کے پیشِ نظر اور ان کے بارے میں اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں کیا تھا گمراہ کن ہے۔

۹۲- نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان مشرقی مقامی راہِ تجارت پر واقع تھا۔ وہ بنو سُلیم کے علاقے کا ایک مذہبی مرکز تھا جہاں واقدی کے بقول عُزّیٰ کی کابت اور مندر تھا اور جس کی تولیت بنو سُلیم کے خاندان بنو شیبان کے ہاتھوں میں تھی۔ نیز ملاحظہ ہو: یاقوت، معجم البلدان جلد پنجم ص۲۷۷-۲۷۸۔

۹۳- بحران فرع کے نواح میں تھا اور فرع کا مدینہ سے فاصلہ آٹھ بُرد تھا یعنی تقریباً اسی میل۔ ملاحظہ ہو: معجم البلدان، جلد اول ص۳۴۱۔

۹۴- ابن اسحاق ص۲۸۶-۲۸۹ اور ص۴۳۸، ابن ہشام، جلد دوم ص۲۳۴-۲۳۷۔ نیز ملاحظہ ہو، کتاب المحبر، ص ۱۱۶-۱۱۷، جس کے مطابق یہ مہم رجب کے آخری عشرہ میں روانہ اور یکم شعبان کو واپس مدینہ ہوئی تھی۔

۹۵- یاقوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر کا باغ (البستان)، وادی نخلہ کے زیریں علاقہ میں تھا اور شہر نخلہ سے اس کا فاصلہ ایک رات کے سفر کا تھا جبکہ نخلہ اور مکہ کے درمیان دو راتوں کی مسافت تھی۔ گویا یہ باغ طائف اور مکہ کے بالکل بیچ میں اور اس لیے کاروانوں کے قیام کا بالکل یقینی مقام تھا۔ معجم البلدان، اول ص۱۴ اور پنجم ص۲۷۷-۲۷۸۔

۹۶- واقدی کے مرتب نے "رُکَیّۃ" کے معنی بئر (کنوئیں) کے دیئے ہیں۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی عام کنواں نہ تھا بلکہ یک مخصوص مقام کا نام تھا جہاں کنواں بھی تھا جیسے بئر ابن ضمیرہ، بئر معونہ، بئر ابن المرتفع اور بئر ابی عنبسہ وغیرہ تھے۔ ملاحظہ ہو صفحات ۱۳، ۲۶، ۱۶۳، ۳۴۰ وغیرہ۔

۹۷۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ امیر سریہ نے خمس محفوظ رکھا تھا اور باقی مالِ غنیمت مجاہدین نخلہ میں تقسیم کر دیا تھا جبکہ اس روایت کے مطابق پورا کاروان معطل رکھا گیا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بعد مجاہدین نے بھی اپنا حصّہ موقوف کر دیا ہو اور کل مالِ غنیمت کی تقسیم بعد میں ہوئی ہو جیسا کہ دوسرے مآخذ سے معلوم ہوتا ہے۔

۹۸۔ عروہ کی اس روایت کی دوسری تمام روایات سے تردید ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مقتول نخلہ کی دیت نہیں ادا کی تھی۔ اس سلسلہ میں مآخذ کی وہ متفقہ روایت بہت دلچسپ ہے جس کے مطابق عتبہ بن ربیعہ نے جو عمرو بن حضرمی کے حلیف تھے صلح جویانِ قریش کے مشورے پر اپنے مقتول حلیف کی دیت ادا کر کے مسلمانوں سے بدر میں تصادم ٹالنا چاہا تھا مگر ابوجہل مخزومی کے بھڑکانے پر مقتول ابن حضرمی کے بھائی نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے اور قصاص کے علاوہ اور کچھ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں جنگِ بدر ہو کر رہی تھی۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق صـ ۹۸-۲۹۷، واقدی صـ ۶۵، ۶۳ -

۹۹۔ واقدی صـ ۱۹-۱۳ ۔ ۱۰۰۔ ابن سعد، جلد دوم صـ ۱۱-۱۰ ۔

۱۰۱۔ انساب الاشراف، جلد اول صـ ۷۲-۳۷۱ ۔ ۱۰۲۔ تاریخ یعقوبی، جلد دوم۔ صـ ۷-۶۹ ۔

۱۰۳۔ تاریخ طبری جلد دوم صـ ۱۵-۴۱۰ ۔ سدی کی روایت کی تائید احادیث و آثار سے ہوتی ہے۔

۱۰۴۔ وادی ظل، مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع شاہراہ پر مدینہ سے ۲۸ میل کی مسافت پر واقع تھی۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان، پنجم صـ ۱۹۴ ۔ گویا مسلم جہم نے دو دن کا سفر روزانہ ۱۴ میل کے حساب سے کیا تھا۔

۱۰۵۔ مذکورہ بالا صـ ۲۳ ۔ ۱۰۶۔ مذکورہ بالا صـ ۹۸ ۔

۱۰۷۔ مذکورہ بالا صـ ۹-۵ ۔ ۱۰۸۔ مذکورہ بالا صـ ۷ ۔

۱۰۹۔ مذکورہ بالا صـ ۷

۱۱۰۔ ابن منظور، لسان العرب، لفظ متعلق۔ لوئس معلوف نے المنجد (موضوع) میں اس کے معنی یوں بیان کئے ہیں: ارتصدہ و ترصّدہ: ترقبہ ایف، اشٹینگاس (F. Steingass) نے A Comprehensive Arabic English Dictionary میں حسب ذیل معانی بیان کئے ہیں: (۱) Observing steadly (۲) expleting (۳) waiting for (۴) expletation (۵) hope

۱۱۱۔ لوئس معلوف اور اشٹینگاس وغیرہ کی لغات ملاحظہ کیجئے۔

۱۱۲۔ مذکورہ بالا صـ ۵ ۔

۱۱۳۔ مذکورہ بالا صـ ۶

۱۱۴۔ واٹ نے یہ نتیجہ طبری میں مذکورہ سدی کی روایت سے نکالا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

۱۱۵۔ واٹ اس نکتہ کی طرف اشارہ کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں واضح نہیں ہے۔ اگر مقصد یہ دکھانا ہے کہ عتبہ بن غزوان مازنی نے اپنے وطن مالوف یا جائے پیدائش میں وقت گذاری کی تھی اور بنو سُلیم سے اپنے دیرینہ تعلقات سے فائدہ اٹھایا تھا تو یہ

حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بنو سلیم کے قریش سے خاص کر بنو عبد شمس (یعنی بنو امیہ) اور بنو ہاشم سے بہت پرانے اور قوی تعلقات تھے۔ یہ تعلقات تجارتی، اقتصادی اور ازدواجی تھے۔ ان کا اعتراف خود واٹ نے (ص۹۵-۹۴) کیا ہے۔ اس ذیل میں یہ حقیقت زیادہ اہم ہے کہ ایک مسلم جہاد سے تعلقات کے معاملہ میں بہر حال قریش کے تعلقات اہم تھے اور یہ پورا علاقہ دراصل مکہ کے دائرۂ اثر و اقتدار میں تھا۔

۱۱۶- واٹ، مذکورہ بالا۔ ص۷-۶۔

۱۱۷- ابن اسحاق ص۲۸۷۔

۱۱۸- دو دن کے سفر کے بعد کا مقام، بئر ابن ضمیرہ یا لیطن ملل جس جگہ نامہ نبوی پڑھا گیا تھا اور بحران کا مقام جہاں یہ دونوں صحابی قافلے سے بچھڑے تھے پانچ چھ دن کی مسافت پر واقع تھے۔ ایک دلچسپ حقیقت اس سلسلے میں یہ ہے کہ تقریباً ایک سال بعد (جمادی الاولیٰ ۳ھ / اکتوبر- نومبر ۶۲۴ء میں) رسول کریمؐ کی سربراہی میں ایک مسلم مہم جو تین سو مجاہدین پر مشتمل تھی اسی علاقے میں آئی تھی۔ مآخذ اور ان کی بنیاد پر جدید مورخین کا دعویٰ ہے کہ یہ فوجی نوعیت کی مہم تھی اور بنو سلیم کے بعض سرکش اور مسلم مخالف خاندانوں کے باغیانہ و مدینہ دشمن ارادوں و عزائم کو کچلنے کے لئے گئی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ابن اسحاق اور طبری کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے میں تقریباً دو ماہ تک اور واقدی اور ان کے متبعین کے مطابق دس دن قیام کیا تھا۔ یہ قیام جنگ جوئی کے لیے نہ تھا جیسا کہ مآخذ نے تصریح کی ہے کہ اس غزوہ میں کوئی جنگ و جدال نہیں واقع ہوا تھا۔ یہ طویل مدت قیام کس مقصد سے تھی یہ ظاہر ہے۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق ص۳۶۲۔ واقدی ص۷-۱۹۶: ابن سعد جلد دوم ص۳۶-۲۵۔ انساب الاشراف، جلد اول ص۳۱۱۔ طبری جلد دوم ص۴۸۷۔

۱۱۹- ابن کثیر، تفسیر، مطبع عیسیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، (غیر مورخہ)، اول ص۲۵۲۔

۱۲۰- طبری، تفسیر، مرتبہ محمود محمد شاکر اور احمد محمد شاکر، قاہرہ، چہارم ص۷-۳۰۶

۱۲۱- ابتدائی مہموں میں سے سریہ رابغ اور سریہ خرار اور سریہ نخلہ میں ان کی شمولیت کا ذکر صراحتاً ملتا ہے اور چار ابتدائی غزوات میں بھی ان کی شمولیت تقریباً یقینی معلوم ہوتی ہے کیونکہ مآخذ کا اصرار ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مشاہد (مہموں) میں شریک رہے تھے۔ بعد کے تمام اہم غزوات میں بدر سے تبوک تک — ان کی شمولیت کا ذکر بوضاحت ملتا ہے۔ مآخذ کے اصرار اور ان واقعاتی شہادتوں کے بعد یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تقریباً تمام اہم غزوات و سرایا میں شامل رہے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، جلد سوم ص۱۴۲-۱۴۰۔ اسد الغابہ، جلد دوم ص۲۱-۱۹۰۔

۱۲۲- ابن سعد، جلد سوم ص۱۴۲، اسد الغابہ جلد دوم ص۲۹۰۔ نیز ملاحظہ کیجیے ابن اسحاق ص۳۷۷، ص۳۸۱ وغیرہ۔

۱۲۳- ابن اسحاق ص۳۸۱، ابن ہشام، جلد سوم ص۳۰۔ واقدی ص۲۱-۲۴۰۔ ابن سعد جلد سوم ص۱۴۲-۱۴۰۔ ان مستند مورخین کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں جن صحابہ کرام نے غزوۂ احد میں بے مثال قربانی و جاں نثاری کا ثبوت دیا تھا ان میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص زہری سر فہرست تھے۔ ابن اسحاق نے محمد بن عمرو کی سند پر روایت میں کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ

کو تیر دے کر کہتے رہتے تھے ارم سعد، فداک ابی وامی —— سعد تیر چلاتے رہو تم پر میرے ماں باپ قربان)۔ (ابن سعد نے بھی ایک روایت غزوۂ احد میں ان کی ماہرانہ تیر اندازی کے بارے میں دی ہے۔ اور ایک ایک روایت سریہ خرار اور غزوۂ بدر میں ان کی شجاعت کے بارے میں دی ہے۔ جبکہ چار روایتیں سریہ عبیدہ میں ان کی اسلام کے لیے پہلی تیر اندازی کی فضیلت میں بیان ہوئی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے حوالہ جات مذکورہ بالا۔

۱۲۴۔ ملاحظہ کیجیے: ابن سعد، جلد سوم، صہ ۴۱-۱۴۱، اسد الغابہ، جلد دوم صہ ۲۹۲ وغیرہ۔ اصابہ، جلد سوم صہ ۸۴، استیعاب جلد دوم صہ ۶۰۷ وغیرہ۔ ابن قتیبہ، المعارف، صہ ۵۷۵ کا بیان ہے کہ حضرت سعد تیر و کمان سازی کی صنعت میں عہد جاہلیت سے امتیاز رکھتے تھے اور یہ فن جنگ کے علاوہ سیر و شکار کے لیے بھی اہم تھا چنانچہ ان کو اس سے بہت دولت ملی تھی۔

۱۲۵۔ غزوۂ احد میں ثابت قدم رہنے والے مسلمانوں کے نام جن میں حضرت سعد سر فہرست ہیں حضرت مقدادؓ کی روایت پر مروی ہیں۔ اسی طرح میدان جنگ میں داد شجاعت دینے کی روایت بہت سے راویوں سے بیان ہوئی ہے جس کے لئے واقدی نے "آ" کا لفظ استعمال کیا ہے واقدی صہ ۴۱-۲۴۰۔ اسی طرح جہاں حضرت سعد کے اسلام میں پہلے تیر چلانے والے واقعہ کے بارے میں کچھ روایتیں خود حضرت سعد سے مروی ہیں وہیں تین روایتیں حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن، عبداللہ اور داؤد بن حصین سے ہیں۔ ملاحظہ ہو: ابن سعد، جلد سوم صہ ۴۱-۱۴۰۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے کہا تھا کہ "تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان"۔ اس حدیث کو حضرت علیؓ اور قیس بن ابی حازم نے بھی بیان کیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ان کی فضیلت میں تمام یا اکثر روایات خود حضرت سعد یا ان کے اہل خاندان سے مروی ہیں صحیح نہیں ہے۔

۱۲۶۔ ابن اسحاق صہ ۳۷۰، ابن ہشام جلد دوم صہ ۲۳۵۔

۱۲۷۔ واٹ، مذکورہ بالا صہ ۶

۱۲۸۔ مذکورہ بالا صہ ۷۔

۱۲۹۔ مذکورہ بالا صہ ۸-۷

۱۳۰۔ مضمون ہذا کا صہ ۲۸۔

۱۳۱۔ ایضاً صہ ۲۹

۱۳۲۔ ایضاً صہ ۳۲۔

۱۳۳۔ ایضاً صہ ۳۳

۱۳۴۔ ایضاً صہ ۳۵۔

۱۳۵۔ تفسیر طبری، جلد چہارم صہ ۴-۳۰۳۔

۱۳۶۔ اس ذیل میں مجاہد کی روایت، مقسم مولیٰ بن عباس کی روایت۔ محمد بن عباس کے واسطے سے ابن عباس کی ایک اور روایت ابو مالک غفاری کی روایت بیان کی جا سکتی ہیں۔ ملاحظہ ہو مذکورہ بالا صہ ۱۲-۳۰۷۔

۱۳۷۔ مثلاً زہری کی سند پر عروہ کی روایت، مجاہد کی روایت وغیرہ، مذکورہ بالا صہ ۳۰۲۔ اور صہ ۳۰۷۔

۱۳۸۔ تفسیر ابن کثیر، اول صہ ۵۵-۲۵۲۔

۱۳۹۔ موسیٰ بن عقبہ کی ثقاہت کے لیے ملاحظہ کیجیے: ابن اسحاق کے انگریزی مترجم کا مقدمہ بر سیرت ابن اسحاق، صہ xxi - xxii، ہشام فاروقی، سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین صہ ۱۰۴-۱۰۳؛ Early Muslim Historiography صہ ۶-۱

۱۴۰۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر، جلد اول صفحہ ۵۵-۲۵۲۔

۱۴۱۔ ابن اسحاق صفحہ ۲۸۶ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر اولیٰ سے اپنی واپسی پر سریہ نخلہ بھیجا تھا۔ اور ایک سطر پہلے مورخ نے بیان کیا ہے کہ بدر اولیٰ سے آپ جمادی الآخرہ میں واپس مدینہ آئے اور باقی جمادی، رجب، شعبان کے مہینے آپ نے مدینہ میں گذارے۔ بدر اولیٰ سے واپسی پر رجب میں مہم کا بھیجا جانا کچھ عجیب سا لگتا ہے جب کہ واپسی کا مہینہ جمادی تھا۔ پھر تفسیر طبری میں جب یہ روایت نقل ہوتی ہے تو اس میں مہینہ جمادی ہی مذکور رہے۔ ان شہادتوں کی بنا پر یہ یقین ہوتا ہے کہ مہم نخلہ کی روانگی کا مہینہ جمادی تھا۔ اور بعد آدی نے قطعیت کے ساتھ جو آخری عشرے کی بات کہی ہے اس میں بھی ماہ کا اشتباہ معلوم ہوتا ہے۔

۱۴۲۔ مذکورہ بالا صفحہ ۹-۸

۱۴۳۔ ایضاً صفحہ ۸۔

۱۴۴۔ مدنی انصاری مسلمانوں کی بت شکنی کے واقعات کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق صفحہ ۲۰۷، صفحہ ۸-۲۲۷۔ وغیرہ۔

۱۴۵۔ اسلام سے پہلے اوس و خزرج کے باہمی نزاع اور جنگ جوئی کے لئے ملاحظہ ہو محمد احمد جاد المولیٰ بک، علی محمد البجاوی اور محمد ابو الفضل ابراہیم کی مرتب کردہ کتاب ایام العرب فی الجاھلیۃ، مصر ۱۹۴۲ء باب ششم (حروب الاوس و الخزرج) صفحہ ۹۴-۶۲۔ مرتبین نے صرف چار بڑی جنگوں کا ذکر کیا ہے اور آخر میں اپنے تبصرہ میں کہا ہے کہ مدینہ کے ان دونوں قبیلوں کے درمیان بہت سی جنگیں (حروب کثیرۃ) برپا ہوتی تھیں جن میں سے ہم نے چند پر اکتفا کی ہے۔

۱۴۶۔ مذکورہ بالا کتاب کا صفحہ ۷۵-۷۳ اور خاص کر صفحہ ۷۶۔ نیز واٹ، مذکورہ بالا صفحہ ۸۵-۸۳ وغیرہ۔

۱۴۷۔ ملاحظہ ہو واٹ، مذکورہ بالا صفحہ ۱۱۱-۱۰۷۔

۱۴۸۔ مال غنیمت کے سلسلے میں حکم خداوندی اور قوانین کے لئے ملاحظہ ہو ابن اسحاق صفحہ ۲۷-۳۲۱ خاص کر صفحہ ۳۲۴۔

۱۴۹۔ فرانسسکو جبرئیلی، مذکورہ بالا، صفحہ ۷۔

۱۵۰۔ واٹ، مذکورہ بالا صفحہ ۱۲ اور صفحہ ۲۵۵۔

۱۵۱۔ تفسیر طبری۔ جلد چہارم صفحہ ۳۱۵-۲۹۹، خاص کر صفحہ ۳۰۷-۳۰۱، تفسیر ابن کثیر، جلد اول صفحہ ۲۵۲، ۵۵، خاص کر صفحہ ۵۳-۲۵۲ طبری کی بیان کردہ تمام روایات میں صرف ابو جعفر کی روایت میں مسلمانوں کو سوال کرنے والا بتایا گیا ہے۔ باقی تمام روایات میں مشرکین مکہ کو۔ اسی طرح ابن کثیر کی بیان کردہ تمام روایات میں یسئلونک سے مراد مشرکین مکہ لیے گئے ہیں۔

۱۵۲۔ مذکورہ بالا۔

۱۵۳۔ تفسیر طبری، جلد چہارم صفحہ ۳۰۱-۳۰۲ میں تین الفاظ قتال، کبیر اور صد کے مختلف معانی پر بحث دیکھئے۔

۱۵۴۔ تفسیر طبری، جلد چہارم صفحہ ۳۰۰ میں حضرت جابر کی سند پر روایت مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر حرام میں اس وقت تک غزو / جہاد نہیں کرتے تھے جب تک کہ آپ پر حملہ نہ کر دیا جائے (یُغزیٰ)

۱۵۵- زہری کا خیال ہے کہ پہلے شہر حرام میں قتال ناجائز تھا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد جائز کر دیا گیا۔ لیکن دوسرے علماء کا خیال ہے کہ اس آیت سے شہر حرام میں قتال کسی کے لئے جائز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قتال کو ایک بڑا معاملہ بتایا ہے اور اس نقطۂ نظر کے حامی علماء میں عطاء شامل ہیں جبکہ ابو جعفر کا خیال زہری سے متفق ہے۔ خود مفسر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت ناسخ ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن (حنین) طائف اور اوطاس کے غزوات لڑے تھے اور ان میں سے بعض کا زمانہ شہر حرام میں تھا۔ اسی طرح بیعت رضوان ماہ ذوالقعدہ میں کی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو طبری، تفسیر جلد چہارم ص ۲۱۳-۱۵

لیکن بنیادی طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ "شہر حرم" میں جنگ و جدال ناجائز ہے اور مقدس مہینوں کی حرمت بدستور قائم ہے اور آیت مذکورہ بالا ان میں قتال کی حرمت کو ختم یا منسوخ نہیں کرتی ہے۔ اپنی طرف سے اقدام کرنا ہر حال میں ناجائز ہے البتہ اس آیت کریمہ نے دفاعی جنگ کرنے کی اجازت دے دی ہے جس طرح کہ ایک اور حکم خداوندی نے "حرم مکہ" میں دفاع کے لئے قتال کی اجازت دی ہے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۱۔

چنانچہ اس سے یہ فرق ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ بالا کے نزول کے بعد جو غزوات و سرایا مقدس مہینوں میں بھیجے وہ اقدامی نہ تھے بلکہ دفاعی تھے جن کا مقصد فتنہ کا سر کچلنا تھا۔

۱۵۶- غزوات و سرایا جو مقدس مہینوں میں سے کسی میں بھیجے گئے تھے حسب ذیل نقشے سے معلوم ہوتے ہیں:۔

نمبر شمار	نام سریہ/غزوہ	مہینہ و سال	قائد
۱	سریہ خرار	ذی قعدہ ۱ھ	حضرت سعد بن ابی وقاص
۲	سریہ نخلہ	رجب ۲ھ	حضرت عبداللہ بن جحش
۳	غزوہ سویق	محرم/صفر ۲ھ	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
۴	غزوہ کُدر	محرم ۳ھ	"
۵	سریہ قطن	محرم ۴ھ	حضرت ابو سلمہ
۶	سریہ سفیان لحیانی	"	حضرت عبداللہ بن انیس
۷	غزوہ بدر الموعد	ذوالقعدہ ۴ھ	رسول کریم ؐ
۸	غزوہ ابو رافع یہودی	ذوالحجہ ۴ھ	حضرت عبداللہ بن انیس
۹	غزوہ ذات الرقاع	محرم ۵ھ	رسول کریم ؐ
۱۰	غزوۂ خندق	ذوالقعدہ ۵ھ	"
۱۱	غزوۂ بنی قریظہ	ذوالقعدہ/ذوالحجہ ۵ھ	"
۱۲	غزوہ قرطاء	محرم ۶ھ	"

نمبر شمار	نام سریہ / غزوہ	مہینہ و سال	قائد
۱۳۔	سریہ وادی القریٰ	رجب ۶ھ	حضرت زید بن حارثہ رضؓ
۱۴۔	غزوۂ حدیبیہ	ذوالقعدہ ۶ھ	رسول کریمؐ
۱۵۔	غزوہ خیبر	محرم ۷ھ	"
۱۶۔	سریۂ نجد	"	حضرت ابان بن سعیدؓ
۱۷۔	عمرۃ القضیہ	ذوالقعدہ ۷ھ	رسول کریمؐ
۱۸۔	سریہ بنی سُلیم	ذوالحجہ ۷ھ	حضرت ابن ابی العوجاء سُلمیؓ
۱۹۔	سریہ خبط / سیف البحر	رجب ۸ھ	حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ
۲۰۔	غزوۂ طائف	شوال۔ ذوالقعدہ ۸ھ	رسول کریمؐ
۲۱۔	سریہ العرج	محرم ۹ھ	حضرت عیینہ بن حصن فزاری
۲۲۔	غزوۂ تبوک	رجب۔ رمضان ۹ھ	رسول کریمؐ
۲۳۔	سریہ دومۃ الجندل	رجب ۹ھ	حضرت خالد بن ولیدؓ
۲۴۔	حج۔ بی بکر	ذوالقعدہ / ذی الحجہ ۹ھ	حضرت ابوبکر صدیقؓ
۲۵۔	حجۃ الوداع	ذوالحجہ ۱۰ھ	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مذکورہ بالا مہموں میں سے تین یقینی طور پر مذہبی مقاصد رکھتی تھیں۔ باقی بائیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فوجی نوعیت کی تھیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر سیاسی تھیں۔

۱۵۷۔ مذکورہ بالا ص ۹–۸ ۔

۱۵۸۔ سورہ توبہ آیت ۳۶ " ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوات والارض منھا اربعۃ حرم ......" مذکورہ بالا آیت کا اردو ترجمہ از شاہ عبدالقادر دہلویؒ۔

۱۵۹۔ تفسیر طبری، مرتبہ محمود محمد شاکر، مصر ۱۹۵۸ء، ص ۱۵ – ۲۴۳، نے چھ احادیث اور اتنے ہی آثار کا ذکر کیا ہے جس کے مطابق مذکورہ بالا چار مہینے ایام جاہلیت سے حرام چلے آرہے تھے اور اسلام میں بھی برقرار رہے۔ حضرت ابن عمر وغیرہ متعدد صحابہ کرام کی سند پر مروی روایات کے مطابق ان مہینوں کی حرمت کا واضح ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے آخری خطبہ میں منیٰ میں کیا تھا۔ اس روایت کی تصدیق کتب سیرو تاریخ سے بخوبی ہوتی ہے ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۶۵۱۔ خاص کر مترجم گلیوم کا حاشیہ ۲ جس میں انہوں نے ایک مستشرق کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ رجب مضر کو مضر اس لیے کہا جاتا تھا کہ مضر تو اس ماہ کو محترم و حرام سمجھتے تھے جبکہ دوسرے عرب اس کی حلت کے قائل تھے۔ مترجم کا خیال ہے کہ برونل (BRONIN LE) کے ایڈیشن میں ص ۹۶۹ پر لفظ کو تحرمہ پڑھا گیا ہے جبکہ وہ اصلاً تحرمہ ہے۔ اگر یہ دلیل مان لی جائے تو واٹ اور دوسرے مستشرق مورخین کے

ماہ رجب میں مسلمانانِ مدینہ کے حملہ پر اعتراض غلط ثابت ہوتا ہے اور اس سے خود ان کی اپنی دلیلوں کی کمزوری نمایاں ہوتی ہے۔

۱۶۰۔ مثلاً سورہ بقرہ آیات ۱۹۰-۱۹۴، سورہ بقرہ آیات ۲۱۷ اور ۲۲۴، سورہ مائدہ آیت ۲ اور ۹۷-۹۸۔ ملاحظہ کیجیے تفسیر طبری، اول ص ۵۶۲-۵۶۹، تفسیر ابن کثیر، جلد اول ص ۲۲۵ وغیرہ۔

۱۶۱۔ یہ خیال ایم پلیسنر (M. Plessner) نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اپنے دو مضامین جو بالترتیب محرم اور رجب مقدس مہینوں کے بارے میں ہیں ظاہر کیا ہے ملاحظہ ہو EI یعنی طبع اول۔ مونٹگمری واٹ نے اس خیال سے اتفاق کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مذکورہ بالا ص ۸۔ نیز اے ڈی ایچ (A. Dh) نے بھی یہی خیال پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق کا بمبئی ایڈیشن ص ۴۴۹ اور ابن اسحاق انگریزی ترجمہ ص ۶۵۱، حاشیہ ۲۔

۱۶۲۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ (سورہ توبہ ۳۷) میں "نسی" کا ذکر ہے تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے تفسیر طبری جلد ۱۰ ص ۲۳۴-۲۴۴۔ طبری نے پہلے نسی کی لغوی تحقیق کی ہے اور اس کی مختلف قرأت بیان کی ہیں پھر آیت قرآنی کے ایک ٹکڑے "کہ وہ اس کو ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام رکھتے ہیں" کے معنی بیان کئے ہیں۔ اہل تاویل و تفسیر کے نزدیک اس کی جو تشریح و تعبیر تھی وہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ محرم کو صفر بنا کر حلال کر لیتے تھے اور اس میں حملے کرتے، مار دھاڑ اور غارت گری کرتے تھے اور پھر دوسرے سال محرم کو حرام قرار دیتے تھے۔ مہینوں کی ترتیب میں وہ ایک برس محرم کو صفر کر دیتے تھے اس طرح حج ماہ ذوالقعدہ میں پڑتا تھا۔ طبری کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر نے ۹ھ میں اپنی امارت میں جو حج کیا تھا وہ ذوالقعدہ میں ہوا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ کے اپنے آخری حج میں اسلامی تقویم کی قدیم ترتیب بحال کر دی تھی اور حج اپنے زمانے یعنی ماہ ذوالحجہ میں انجام دیا گیا تھا اور آپؐ نے فرمایا تھا کہ ان الزمان قد استدار کہیئتہ یوم خلق اللہ السموٰت والارض بلاریب زمانہ۔ وقت۔ اپنی اسی حالت پر لوٹ آیا ہے جس پر وہ اس دن تھا (جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا) طبری نے متعدد احادیث و آثار بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "نسی" عام طور سے ہوازن، غطفان، بنو سلیم اور کنانہ کے بعض خاندانوں میں رائج تھی۔ مآخذ و مصادر اور کتب جدیدہ میں اس موضوع پر بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے:

لیون کیتانی، مذکورہ بالا، جلد اول ص ۳۵۶ وغیرہ، بہل، محمدؐ ص ۳۵ وغیرہ، پلیسنر کا مضمون محرم پر مذکورہ بالا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، طبع اول۔

محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ (انگریزی) ص ۹ حوالہ ۲۔ نیزان کا مضمون، جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، اکتوبر ۱۹۶۸ء، جلد ۱۶ ص ۲۱۳-۲۱۹، واٹ، محمدؐ مدینہ میں، مذکورہ بالا، ص ۲۹۹-۳۰۰۔

۱۶۳۔ لیون کیتانی، پلیسنر، مونٹگمری واٹ اور تمام دوسرے مستشرقین کے مطابق جو مقدس مہینوں کے بارے میں اس خیال کے قائل ہیں کہ مختلف علاقے مختلف مہینوں کی حرمت کے قائل تھے یہ عین ممکن تھا کہ مدینہ کے انصار رجب کی حرمت کے قائل نہ رہے ہوں پھر ان کو تقدیس ماہ حرام کی خلاف ورزی کا مطعون یا مورد الزام کیوں بنایا جا سکتا ہے؟

۱۶۴ - مضمون ہذا کا ص ۳۰ ۔ ۱۶۵ - ایضاً ۔

۱۶۶ - ص ۳۳ مذکورہ بالا ۔ ۱۶۷ - ص ۲۹ اور ص ۳۳ بالا ۔

۱۶۸ - حضرت عبداللہ بن جحش قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے اسدی کہلاتے تھے ۔ وہ مکہ کے دو عظیم خاندانوں بنو ہاشم اور بنو امیہ سے یکساں قریبی تعلقات بیک وقت رکھتے تھے ۔ اول الذکر سے ان کا ننہالی رشتہ تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے فرزند اور آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور بنو امیہ کے حلیف تھے خاص کر ابوسفیان بن حرب اموی سے اُن کے بہت قریبی حلف کے تعلقات تھے ۔ مکہ کے ان دونوں خاندانوں سے یہ تعلقات ان کے والد جحش بن رئاب اسدی نے قائم کئے تھے ۔ حضرت عبداللہ ابتدائی مسلمان تھے اور دار ارقم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام سے قبل اسلام لائے تھے ۔ وہ مہاجرین حبشہ میں شامل تھے اور مکہ والوں کے اسلام کی خبر سن کر لوٹ آئے تھے اور پھر وہاں اپنی ہجرت مدینہ تک مقیم رہے تھے ۔ وہ ابتدائی مہاجرین مدینہ میں بھی شامل تھے ۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۱۱۶ ، ص ۱۴۶ ، ص ۱۶۸ وغیرہ ۔ ابن سعد سوم ، ص ۴۶ ۔

۱۶۹ - حضرت ابو حذیفہؓ مکہ کے ایک عظیم ترین سردار عتبہ بن ربیعہ کے فرزند اور خاندان بنو عبد شمس بن عبد مناف کے ایک بڑے رکن تھے ۔ یہ خاندان بنو امیہ سے بہت قریب تھا اور حقیقتاً اس کو بھی اموی ہی سمجھا جاتا ہے ۔ حضرت ابو حذیفہ اپنی کنیت سے زیادہ معروف ہیں مدینہ ان کا اصل نام ابن ہشام کے مطابق ھشیم تھا ۔ وہ بھی ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں ۔ ابن اسحاق نے ان کو پہلے چالیس مسلمانوں میں شمار کیا ہے ۔ انہوں نے بھی حبشہ کو ہجرت کی تھی اور پھر مکہ والوں کے اسلام لانے کی خبر سن کر واپس آ گئے تھے اور مکہ میں مقیم رہے تا آنکہ اجازت نبوی ملنے کے بعد مدینہ کو ہجرت کی اور پہلے مہاجرین میں شمار ہوئے ملاحظہ کیجئے : ابن اسحاق ص ۱۱۷ ، ص ۱۴۷ ، ص ۱۶۸ وغیرہ ابن سعد جلد سوم ص ۸۴ ۔

۱۷۰ - بنو مخزوم اور بنو امیہ کے درمیان تعلقات کے لئے ملاحظہ ہو واٹ ، محمدؐ مکہ میں ص ۸-۵ ۔

۱۷۱ - قریش کی مدینہ سے مخاصمت و دشمنی کے پس منظر اور اس پر بحث کے لئے ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی ، سیرت النبی ، جلد اول ص ۳۰۹-۳۰۵ ۔

۱۷۲ - ملاحظہ کیجئے حوالہ مذکورہ بالا

۱۷۳ - مکی سماج کے جس معتدل طبقہ نے جنگ بدر کو براہ راست یا بالواسطہ روکنے کی کوشش کی تھی اس میں عتبہ بن ربیعہ اموی اور اس کا بھائی شیبہ ، عمیر بن وہب جمحی ، حکیم بن حزام اسدی وغیرہ شامل تھے جبکہ جنگ بھڑکانے والے بیشتر بنو مخزوم سے تھے خاص کر ابوجہل مخزومی ، اسود بن عبدالاسد مخزومی وغیرہ ، ملاحظہ ہو ...... ابن اسحاق ص ۲۹۹-۲۹۷ ۔ جہاں تک قریش مکہ کے معتدل و نرم رو طبقہ کا تعلق ہے تو اس میں مختلف بطون (خاندانوں / شاخوں) کے لوگ شامل تھے ۔ ان میں ہشام بن عمرو ، زہیر بن ابو امیہ بن مغیرہ ، مطعم بن عدی ، ابو البختری بن ہشام ، زمعہ بن اسود کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ اموی ، شیبہ بن ربیعہ اموی ، ابوسفیان بن حرب اموی ، سعید بن العاص اموی وغیرہ شامل تھے ۔ یہ لوگ اسلام کے مخالف ضرور تھے

لیکن مسلمانوں کی بیخ کنی یا مسلح کشمکش کے قائل نہ تھے جیسا کہ مکہ میں مسلمانوں کے قریشی مقاطعہ کے مسئلہ یا جنگ بدر کے معاملہ پر ان کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح شدید مخاصمت اور جنگ و جدال کا حامی اور اسلام کی یکسر و مکمل بیخ کنی کا قائل طبقہ بھی قریش کے مختلف طبقات کے افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں ابوجہل مخزومی، امیہ بن خلف جمحی اور اس کا بھائی عمرو، نُبَیہ بن حجاج سہمی اور اس کا بھائی مُنَبِّہ، عاص بن وائل سہمی، عقبہ بن ابی معیط اموی، ابولہب ہاشمی اور سفیان بن حارث ہاشمی وغیرہ کافی ممتاز تھے۔ ملاحظہ کیجئے :- ابن اسحاق ص۱۱۹-۲۰، ص۱۳۳-۵، ص۱۴۳-۴۵، ص۱۵۹-۶۷، ص۱۷۰-۳ وغیرہ۔

۱۷۴- کتاب المحبر، ص۱۱۱۔

۱۷۵- مثلاً ابن اسحاق ۔ ص۲۸۶۔

۱۷۶- ابن ہشام، جلد چہارم ص۶۰۸-۱۲، میں ۲۷ غزوات اور ۳۸ سرایا یعنی کل مہموں کی تعداد ۶۵ بتائی گئی ہے۔ واقدی، مذکورہ بالا اول تا آخر نے کل مہموں کی تعداد ۷۴ بیان کی ہے۔ ابن سعد دوم ص۱-۶۶، اور بلاذری، انساب الاشراف جلد اول ص۲۸۷-۴۹۰ نے واقدی کا اتباع مکمل طور سے کیا ہے۔ طبری، دوم ص۴۰۳، نے ابن اسحاق اور واقدی کی پیروی تو کی ہے مگر بعض مہموں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جیسے قتل کعب بن اشرف کے لیے سریہ محمد بن مسلمہ انصاری۔ بعد کے دوسرے سیرت نگاروں نے عام طور سے واقدی یا ابن اسحاق کی متابعت کی ہے۔ جدید مورخین نے اصلاً ان دونوں مآخذ پر انحصار کرکے تمام غزوات و سرایا کی تاریخ وار فہرست تیار کی ہے لیکن انہوں نے اس میں بعض دوسرے مسلمہ مآخذ سے استفادہ کرکے تعداد میں اضافہ کیا ہے۔ لیون کیتانی، مذکورہ بالا، کی تیار کردہ فہرست غزوات و سرایا اب تک مکمل جامع اور صحیح سمجھی جاتی رہی ہے اور اسی پر انحصار کرکے منٹگمری واٹ محمدؐ مدینہ میں، ص۳۳۹-۴۳، اپنی تازہ ترین فہرست تیار کی ہے جو غالباً مکمل ترین کہی جاسکتی ہے۔ لیکن محمد بن حبیب بغدادی کے ذکر کردہ غزوات و سرایا میں سے بعض اور خاص طور سے یہ دو ابتدائی مہمیں اس میں بھی بار نہیں پاسکی ہیں۔ غالباً ان مؤرخین کو اس ماخذ کا علم نہیں تھا۔ بہرحال بغدادی کے مطابق کل مہموں کی تعداد چوراسی تھی جن میں سے ۳۲ غزوات تھے اور ۵۲ سرایا۔ واٹ کے مطابق ان کی تعداد ۸۹ تھی۔ گویا کہ کل تعداد ان دو غزوات کو شمار کرکے ۹۱ ہوگی۔ واٹ اور ان کے پیشرو کیتانی نے بتوں کو توڑنے کی متعدد مہموں کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ اگر ان کی تعداد بھی شمار کرلی جائے تو کل میزان کہیں زیادہ ہوگا۔

۱۷۷- مثلاً ابن اسحاق اور واقدی کے یہاں غزوات و سرایا کی تاریخوں میں کافی زمانی اختلاف ہے اور ظاہر ہے کہ اول الذکر کے معاملے میں اگر اختلاف ہوگا تو آپ کے قیام مدینہ کی مدت از خود مختلف ہوگی۔ ملاحظہ ہو جے ایم بی جونس کا مضمون مذکورہ بالا بر ترتیب و تاریخ غزوات و سرایائے نبوی۔

۱۷۸- حوالہ ص۱۹۶ سابق۔

۱۷۹- ملاحظہ کیجیے مجموعۃ الوثائق السیاسۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، مرتبہ محمد حمید اللہ قاہرہ ۱۹۴۱ء ص۱۴۵ اور ص۱۹۵ وغیرہ۔

۱۸۰- محمد بن حبیب بغدادی کی اب تک معروف و معلوم دونوں کتابوں کتاب المحبر اور کتاب المنمق مرتبہ خورشید احمد فارق، حیدرآباد

دکن ۱۹۴۲ء میں بیانیہ انداز کے بجائے اشاراتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے ۔

۱۸۱۔ تفصیلات ملاحظہ ہوں خاکسار کی انگریزی کتاب مذکورہ بالا کا باب اول خاص کر ص ۲۳-۵ ۔

۱۸۲۔ ایضاً ۔ نیز واٹ ، مذکورہ بالا ، ص ۲۲۱-۲۰۴ ۔ برکات احمد ، محمدؐ اور یہود (Muhammad and the Jews) دہلی ۱۹۷۹ء ، ص ۵۰-۳۷ ، ولہاسن (Arab Kingdom and its Fall, (Wellhasan) ۔ لندن ۱۹۷۳ء ص ۱۴-۱۱

۱۸۳۔ قریش کو یہ بالا دستی کئی وجوہ سے حاصل تھی ۔ بنیادی طور سے ان کا مذہبی تشخص کعبہ کی تولیت و پاسداری کے سبب تھا اور حج کے مذہبی فریضہ حجاج کے لیے سقایہ اور رفادہ کے فرائض انجام دینے کے سبب ان کو پورے عرب میں مذہبی فضیلت حاصل تھی اور حج کے موقعہ پر میلوں ٹھیلوں کی وجہ سے ان کی معیشت کو تجارتی استحکام کی بدولت فوقیت حاصل ہو گئی تھی جس کو انہوں نے پڑوسی ممالک (شام ، یمن ، ایران اور حبشہ) سے تجارتی تعلقات قائم کر کے باعث رشک بنا دیا تھا ۔ مذہبی اور اقتصادی تفوق نے ان کو سماجی مرتبہ بھی بخش دیا تھا ۔ اور اسی کے نتیجہ میں انہوں نے مختلف بدوی قبائل سے بزرگانہ تعلقات قائم کیے تھے ۔ اپنے تجارتی اور قبائلی حریفوں سے کامیابی سے نمٹنے کے لئے انھوں نے ایک عظیم فوجی طاقت بھی جمع کر لی تھی ۔ قریش کی بالادستی کے لئے مزید تفصیلات پر ملاحظہ کیجئے : واٹ ، محمدؐ مکہ میں (Muhammad at Mecca) لندن ۱۹۵۳ء ، ص ۲۲-۱ ۔ نیز شبلی نعمانی ، سیرت النبی ، جلد اول ص ۲۰۷ ۔

۱۸۴۔ ہوازن (قیس عیلان) اور بنو بکر بن عبد مناۃ اور خزاعہ ، قریش مکہ کے روایتی حریف تھے اور ان کے درمیان کئی جنگیں بھی ہوئی تھیں جن میں جنگ فجار کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ ان منازعات کے لیے ملاحظہ ہو : ایام العرب فی الجاہلیہ ص ۳۲۲-۳۲۷ وغیرہ ۔

۱۸۵۔ قریش سے مدینہ والوں کو خطرہ کوئی تصوراتی نہ تھا بلکہ حقیقی تھا ۔ شیوخ قریش مہاجرین مکہ کو کسی قیمت پر اپنے چنگل سے نکلنے نہیں دینا چاہتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے ان کو روکنے کی بھرپور کوشش کی تھی ۔ لیکن جب وہ بچ بچا کر مکہ سے نکل کر مدینہ لینے میں کامیاب ہو گئے تو قریش نے ان کو مدینہ سے نکالنے یا واپس لانے کے جتن کئے بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے کچھ برس قبل مہاجرین حبشہ کو واپس مکہ لانے کی ناکام کوشش کی تھی ۔ محدث ابو داؤد کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد قریش نے مدینہ کے سب سے با اثر سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول خزرجی کو خط لکھا تھا جس میں مسلمانوں کو قتل کرنے یا جلا وطن کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور بصورت عدم تعمیل جنگ و جارحیت کی دھمکی دی گئی تھی ۔ قریش کی اس جارحانہ پالیسی کے سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مسلسل متفکر و متردد رہے یہاں تک کہ امام نسائی کے مطابق آپؐ اور آپؐ کے ساتھی راتیں جاگ جاگ کر گزارتے تھے ۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؐ اکثر گشت لگایا کرتے تھے ۔ مآخذ کے دوسرے متعدد بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش سے مسلمانان مدینہ کو شدید خطرہ لاحق تھا ۔ ملاحظہ کیجئے : سنن ابی داؤد ، باب خبر النضیر ، سنن نسائی ، باب اجلاء النضیر ، بخاری الجامع الصحیح ، باب الجراد (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمائش رسولؐ پر رات بھر پہرہ دیا تھا) ۔ سیوطی ، لباب فی اسباب النزول ، تفسیر سورۂ نور آیت ۵۵ ۔

۱۸۶ ۔ ابتدائی مہموں کے بارے میں اہم مآخذ کے افتتاحی کلمات مضمون ہذا میں ہر مہم کے آغاز سے صاف معلوم ہوتے ہیں ۔

۱۸۷ - ان مقامات کے مدینہ سے فاصلوں کے لیے ملاحظہ کیجیے : خاکسار کی مذکورہ بالا کتاب (انگریزی) صفحہ ۱۶-۱۵

۱۸۸ - ابن اسحاق صفحہ ۲۲۶ - تمام مآخذ کا اتفاق ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفرِ ہجرت میں معمول کا راستہ یعنی شاہراہِ تجارتِ قریش چھوڑ کر ایک دوسرے پیچیدہ راستے سے سفر کیا تھا تاکہ تعاقب اور دشمن کی تاخت سے محفوظ رہ سکیں۔

۱۸۹ - صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے مدینہ آنے والے مسلمانوں یا غیر مسلموں کو واپس کرنا ہوگا جبکہ مدینہ سے مکہ بھاگ جانے والوں پر ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ مکی مسلمانوں کے لیے یہ شرط بڑی تکلیف دہ تھی کہ وہ قریش کے آہنی پنجے اور ظلم و ستم سے کسی طور فرار نہ حاصل کر سکتے تھے لیکن حضرت ابوبصیرؓ نے ان غریب و بے کس مسلمانوں کے لیے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ وہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچے تو ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے کے لیے ازہر بن عبد عوف زہری اور اخنس بن شریق ثقفی نے ایک عامری کو ایک مولیٰ کے ساتھ بھیجا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبصیر عتبہ بن اسید ثقفی کے احتجاج کے باوجود ان کو واپس مکہ بھیج دیا۔ ذوالحلیفہ میں جب ان لوگوں نے قیام کیا تو حضرت ابوبصیر نے اپنے عامری محافظ کی تلوار کی تیزی کی تعریف کی اور بہانے سے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر ایک وار میں عامری کو مار ڈالا۔ مولیٰ بھاگ کر مدینہ پہنچا اور سارا ماجرا کہہ سنایا پیچھے پیچھے حضرت ابوبصیر بھی بارگاہ نبویؐ میں پہنچے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ نے اپنا عہد پورا کر دیا اب آپؐ پر میری واپسی کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ لیکن آپؐ نے صحابی موصوف کو جنگ کا بھڑکانے والا بتایا۔ غالباً ابوبصیر نے سمجھ لیا کہ آپ ان کو واپس کر کے ہی رہیں گے۔ چنانچہ وہ از خود ذوالمروہ کے ساحلی مقام العیص میں آکر بس گئے۔ ان کی مثال کی تقلید کرتے ہوئے مکہ کے مسلم گرفتارانِ بلا ایک ایک کر کے ابوبصیر ثقفی سے العیص میں آکر ملتے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد ستر ہو گئی اور انہوں نے قریشی کاروانوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود قریش مکہ نے معاہدۂ حدیبیہ کی اس شرط کی منسوخی کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور مکی مسلمانوں کو بلاخوف و خطر مدینہ آکر رہنا نصیب ہوا تو قریش کو شاہراہ تجارت پر پھر سے بلا روک ٹوک آنے جانے کا موقع ملا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق صفحہ ۵۰۸-۵۰۷۔

۱۹۰ - واٹ، مذکورہ بالا صفحہ ۶۲-۶۱

۱۹۱ - مختلف مہمات کے دوران مسلم جماعتوں کے اپنے علاقوں میں قیام کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ حوالہ جات سابقہ۔ عام حالات میں ایک دن کے اونٹ کے سفر میں تقریباً پندرہ میل طے کیے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو: محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ (انگریزی) صفحہ ۴۲۔ لیکن سریہ نخلہ میں مسلم جماعت طلیعہ کے سفر اور مدت سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر معمولی حالات میں جبکہ تاخت کرنی ہو یا کسی اور سبب سے جلدی ہو تو اس سے کئی گنا زیادہ سفر کیا جا سکتا ہے۔ وادی نخل مدینہ سے ۲۸ میل کے فاصلہ پر تھی اور مسلم جماعت نے وہ مسافت صرف دو دن میں طے کی تھی۔

۱۹۲ - عہدِ نبویؐ کے جاسوسی نظام کے لیے ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ (انگریزی) صفحہ ۵۸-۵۶۔ فوجی جاسوسی نظام پر تاریخی و اتفاقی بحث کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کی انگریزی کتاب، باب سوم، بحث بر "عیون" اور "طلیعہ"۔

۱۹۳- واٹ، محمدؐ مدینہ میں (انگریزی) ص۱۸

۱۹۴- ملاحظہ ہو مضمون ہذا کا ص۲۶ اور حوالے ۸۶ اور ۸۷ -

۱۹۵- یہ غزوہ قردہ تھا۔ قریش مکہ نے ایک بڑا کارواں شام کے لیے روانہ کیا۔ اس میں زیادہ تر سامانِ تجارت چاندی پر مشتمل تھا۔ ابن اسحاق کے بقول اس کارواں کی کمان اور کسی کے ہاتھ میں نہیں خود ابوسفیان بن حرب کے ہاتھ میں تھی اور اس کا رہنما و رہبر فرات بن حیان عجلی جیسا ماہر شخص تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت زید بن حارثہؓ نے اس پر قردہ نامی چشمہ پر چھاپہ مارا۔ لوگ تو بچ نکلے مگر سارا سامانِ تجارت مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۳۶۴ ابن ہشام دوم ص۵۰۹ - واقدی ص۱۹۶-۱۹۷ - ابن سعد جلد دوم ص۳۶ - طبری جلد دوم ص۴۹۲-۴۹۳ - نیز ملاحظہ ہو: واٹ، محمدؐ مدینہ میں، ص۱۰ - ابن اسحاق وغیرہ کے علاوہ دوسرے ماخذ میں کاروان قریش کی امارت صفوان بن امیہ جمحی کے ہاتھ میں تھی۔ واٹ کا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مکہ میں ابوسفیان کا ایک مخالف فریق ابھر رہا تھا صحیح نہیں ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قریشی کارواں مختلف سرداران قریش کی قیادت میں شام جاتے رہے تھے۔ اور عموماً یہ کارواں قریش کے انفرادی خاندانوں کے ہوتے تھے۔ عام طور سے پورے قبیلہ کا ایک قافلہ نہیں جاتا تھا۔ صرف بدر سے پہلے جانے والا کارواں قومی یا قبائلی سطح کا تھا جس کے خاص اسباب تھے۔

۱۹۶- حضرت زید بن حارثہؓ کا یہ سریہ العیص گیا تھا۔ ایک مکی کارواں ابوالعاص بن ربیعؓ، داماد رسول کریمؐ کی زیر قیادت شام سے مکہ واپس ہو رہا تھا۔ اس میں حضرت ابوالعاصؓ کی اپنی تجارت کے علاوہ بعض دوسرے قریشی تاجروں کی دولت بھی لگی تھی۔ بہرحال العیص میں اس پر حضرت زیدؓ نے چھاپہ مارا اور اس بار کارواں کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کو بھی پکڑ لیا اگرچہ امیر کارواں بچ نکلے تھے۔ لیکن وہ بعد میں خود مدینہ آئے تھے اور اپنی مسلم بیوی حضرت زینبؓ کے یہاں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اس سریہ میں دو اہم نکات توجہ کے طالب ہیں۔ اول یہ کہ یہ چھاپہ العیص میں مارا گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مقام سے قریشی کاروانوں کا گزرنا ناگزیر تھا جیسا کہ کہیں اور کہا جا چکا ہے۔ دوسرے غالباً مکہ والوں نے اپنی گرتی ہوئی تجارت کو آخری سنبھالا دینے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد کا سہارا لیا تھا شاید اس خیال سے کہ مسلمان ایسے کسی قریشی کارواں پر حملہ نہ کریں گے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۳۱۶ - واقدی ص۵۵۳-۵۵۴ - ابن سعد جلد دوم ص۸۷، طبری جلد دوم ص۶۴۱، نیز واٹ محمدؐ مدینہ میں، ص۴۵ - موصوف کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ کو حضرت زینبؓ کی مداخلت پر پناہ اور بعد میں ان کا مالِ تجارت واپس دے کر ایک نئی پالیسی اختیار کی تھی اور جس کا مقصد مکہ والوں کو جیتنا تھا! درحقیقت میں اس کا یہی اثر ہوا تھا۔ اس سریہ کے سلسلے میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ مکہ والوں نے یہ کارواں عراقی شاہراہ سے بھیجا تھا لیکن اس پر بھی وہ شامی شاہراہ پر جانے والے کاروانوں کی طرح مسلمانوں سے بچ نہ سکا۔

۱۹۷- متعدد جدید مورخوں نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً واٹ، محمدؐ مکہ میں ص۲-۳ -

۱۹۸- ابن اسحاق ص۲۹۵ کا بیان ہے کہ گاؤں کی ان دو باندیوں کے درمیان مصالحت اس علاقے کے ایک جہنی شہزاد مجدی

بن عمرو جہنی نے کرائی تھی۔ اور قرض دار سے قرض خواہ کو اس کی رقم واپس دلانے کا وعدہ کیا تھا۔

۱۹۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، اسلام ابی ذر، ابن سعد جلد چہارم ص۲۲۵۔

۲۰۰۔ واقدی ص۳۵۔ بخاری، کتاب المغازی، روایت حضرت سعد بن معاذ۔

۲۰۱۔ غزوہ قردہ کے بارے میں ابن اسحاق کا ایک جملہ مدینہ سے مخاصمت اور اس کی خطرناکی کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ بدر میں جو کچھ ہو چکا تھا اس کی وجہ سے قریش اپنے شامی راستے پر کارواں بھیجنے سے خوفزدہ تھے۔ گویا کہ بدر سے پہلے ان کے کارواں اس راستے پر جو گذرتے تھے وہ اس حقیقت کا اعلان تھے کہ اب تک ان کی تجارت کو کوئی خاص خطرہ نہیں محسوس ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو، مذکورہ بالا ص۳۶۴

۲۰۲۔ ابن اسحاق ص۲۹۱۔

۲۰۳۔ ابن اسحاق ص۲۹۱۔

۲۰۴۔ ابن اسحاق ص۲۹۶ کا بیان ہے کہ ابوسفیان نے قریش کو جو پیغام بھیجا تھا اس کا مفہوم یہ تھا کہ "چوں کہ تم لوگ اپنے کارواں اپنے آدمیوں اور اپنے مال کو بچانے نکلے تھے اور خدا نے اس کو بچا بھی دیا ہے اس لیے اب واپس آجاؤ۔"

۲۰۵۔ ابن اسحاق، ص۲۹۶ وغیرہ۔

۲۰۶۔ اخنس بن شریق ثقفی نے جو بنو زہرہ کے حلیف تھے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا جس کے نتیجہ میں تمام زہری مکہ واپس چلے گئے تھے اور مآخذ کے مطابق ایک زہری نے بھی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اسی طرح بنو عدی بن کعب بھی جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ بنو ہاشم میں حضرت علی کے بڑے بھائی طالب کچھ اور قریشیوں کے ساتھ مکہ لوٹ گئے تھے جب کہ عقیل بن ابی طالب اور عباس بن عبدالمطلب شامل ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۲۹۶، اور ص۳۱۲۔

۲۰۷۔ ابن اسحاق ص۲۹۶ کے مطابق ابوجہل نے کہا تھا۔

"خدا کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے جب تک بدر تک نہ ہو آئیں وہاں ہم تین دن گذاریں گے اونٹ قربان کریں گے، دعوتیں اڑائیں گے اور شرابیں پئیں گے اور باندیاں ہمارے لیے ناچیں گائیں گی اور تمام عرب سن لیں گے کہ ہم یہاں آئے اور جمع ہوئے چنانچہ مستقبل میں وہ ہمارا احترام کریں گے۔"

۲۰۸۔ ابن اسحاق ص۲۹۷-۹۔

۲۰۹۔ ایضاً۔

۲۱۰۔ واقدی ص۲۸۔

۲۱۱۔ واقدی ص۲۷

۲۱۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (متوفی ۳۲ھ)، دولت مند ترین صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی وفات کے

وقت راہ خدا میں پچاس ہزار دینار کی رقم وقف کی تھی جبکہ ان کی کل دولت کا اندازہ مشکل تھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، جلد سوم ص۱۳۶۔
حضرت سعد بن وقاص زہری (متوفی ۵۵ھ) نے اپنی وفات کے وقت دو لاکھ پچاس ہزار درہم ترکہ چھوڑا تھا۔ ایضاً ص۱۴۹۔
حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی کو عراق سے چار پانچ لاکھ سالانہ اور صرف سراۃ سے دس ہزار دینار سالانہ کی آمدنی بشکل غلہ ہوتی تھی،
ابن سعد جلد سوم ص۲۲۱۔ جبکہ ان کا ترکہ بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار پر مشتمل تھا، ایضاً ص۲۲۲۔

۲۱۳۔ ابن اسحاق ص۳۳۶۔
۲۱۴۔ ابن اسحاق ص۳۴۳۔
۲۱۵۔ ابن سعد، جلد دوم ص۶۶
۲۱۶۔ ایضاً ص۱۳۵۔
۲۱۷۔ واقدی ص۸۲۱ اور ص۸۲۳۔
۲۱۸۔ ابن سعد، جلد دوم ص۱۶۶۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ (النحل: ۱۲۵)

آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلائیے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے۔



سرورِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

(بطرز پند و نصائح)

سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰت والتسلیمات

بطرزِ پند و نصائح

تالیف: ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعیؒ سابق پرنسپل شریعت کالج، شام
مترجم: نور الٰہی بی۔اے (آنرز) ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ

عرضِ مترجم

سیرتِ طیبہ سے شغف دیرینہ تھا چنانچہ اس ضمن میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم سے بھی مراسلت رہی۔ لیکن اپنی علمی بے بضاعتی کے پیشِ نظر کبھی گمان بھی نہ گزرا تھا کہ میں اس سلسلے میں کوئی علمی کام کر سکوں گا۔ ربیع الاول میں میں بیمار ہو گیا پھرنا چلنا ترک ہو گیا۔ حسنِ اتفاق سے ایک روز برادرِ عزیز جناب مولانا محمد نصراللہ خاں خازن تیمارداری کے لیے تشریف لائے اور ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعی مرحوم کی عربی کتاب "السیرۃ النبویہ" لے آئے اور فرمائش کی کہ اس کا ترجمہ کر دیا جائے۔ اس وقت میری ذہنی کیفیت دوگونہ تھی۔ اپنی علمی کوتاہی و کم مایگی کو دیکھتا تو ہمت جواب دے جاتی اور کتاب کی ورق گردانی کرتا تو چھوڑنے کو جی نہ چاہتا۔ فرمائش ایسی تھی کہ رد نہ کی جا سکتی تھی کیونکہ معاملہ سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر میں نے ترجمہ کرنے کا وعدہ کر لیا اور کام کا آغاز کر دیا۔ جوں جوں کام کرتا گیا کارگزاری کی رفتار بڑھتی گئی، اور اللہ کا احسان ہے کہ ترجمہ جلد مکمل ہو گیا اور میں صحت یاب بھی ہو گیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے وگرنہ بقولِ حافظ شیرازی: ؎

صلاحِ کار کجا و منِ خراب کجا

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

قرآنی آیات اور چند احادیث کا ترجمہ میں نے "تفہیم القرآن" سے نقل کیا ہے جس کے لیے میں ادارہ ترجمان القرآن کا شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر سباعی مرحوم اپنے مجوزہ خاکہ کے مطابق کتاب کی تکمیل سے قبل ہی داعیِ اجل کو لبیک کہہ کر عالمِ آخرت کو سدھار گئے۔ خیال تھا کہ بقایا چار فصلیں تالیف کر کے بطور ضمیمہ اپنی طرف سے شاملِ کتاب کر دوں لیکن احباب کا اصرار ہے کہ ترجمہ کا مسودہ جلد بھیجا جائے۔ اس لیے جو کچھ لکھا جا چکا ہے پیشِ خدمت ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سیرتِ پاک کے بقایا مضامین پر کام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

گجرات

خاکسار

نورالٰہی ایڈووکیٹ

۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۳ھ

۲۷ر مارچ ۱۹۸۳ء

ترتیبِ مضامین

عرضِ مؤلف

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور انھیں اس خدا کا راستہ دکھائیں جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

اور درود و سلام ہو خاتم الرسل سیدنا محمد مصطفیٰؐ پر جو رسولوں میں سب سے افضل اور داعیانِ الی اللہ میں بزرگ ترین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی سیرتِ مطہرہ کو زندگی کے تمام شعبوں میں ہر مومن کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ آپ کے دین سے جملہ شرائع سابقہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ آپؐ کی رسالت کامل ترین ہے اور تمام امکنہ و ازمنہ میں لوگوں کی حاجات کو پورا کرنے کے لیے کافی و وافی ہے۔ اللہ کا درود و سلام ہو آپؐ پر اور آپ کے اصحاب پر جو حق و صداقت کی راہ پر گامزن رہے اور جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سلیم الفطرت انسانوں کی عظیم قربانیوں اور صدقِ عقیدہ کے باعث انھیں اقوامِ عالم تک اسلام کے ابدی پیغام کو پہنچانے کے شرف سے سرفراز فرمایا۔ انھوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ کر دور دراز کے سفر اختیار کیے اور اس راہ میں اپنے خون کے نذرانے پیش کیے اور اس طرح انھوں نے امانت اسلام کی ادائیگی اور تبلیغِ دین کا حق ادا کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ انھیں بنی نوع انسان پر بے پایاں فضیلت حاصل ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی گردنیں ان کے احسانات کے نیچے دبی ہوئی ہیں اللہ کی خوشنودی کی سند ہے ان کے لیے اور ان خوش بختوں کے لیے جو ان کے بعد ان سے محبت کریں اور دعوت الی اللہ کے علم کو قیامت تک تھامے رکھیں۔

یہ نصائح میں نے شدتِ مرض کے دوران میں بعجلت قلمبند کی ہیں اور قبل ازیں میں نے انھیں شریعت کالج کے سالِ اوّل کے طلبہ کے سامنے بالتفصیل بیان کیا جس سے میری غرض و غایت یہ تھی کہ میں سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان زرّیں واقعات کو اُجاگر کروں جن کا جاننا ہر فردِ مسلم، ہر قانون دان اور فقیہ اور ہر اسلامی تحریک کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ ان میں غور و فکر کریں اور ان کو اپنا نصب العین بنائیں نیز اس ذریعہ سے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا مقام حاصل ہو اور لوگوں کے مابین دعوتِ اسلام کی کامیابی اور ان کے لیے اللہ جل شانہٗ کی مقبولیت اور خوشنودی کی راہیں کھل جائیں اور نعمت بھری جنتوں میں انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ کی معیت کا شرف حاصل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنّات تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا وذٰلک الفوز

العظیم ۔ (النساء ۔ ۱۳)

(ترجمہ : جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے)

میں نے سیرتِ مطہرہ کا بیان درج ذیل طریقے پر کیا ہے :

ا ۔ مقدمہ جو ان دو امور پر مشتمل ہے ۔

(۱) سیرت نبوی کی خصوصیات اور اس کے مطالعہ کا فائدہ ۔

(۲) سیرت نبوی کے مصادر و مآخذ صحیحہ ۔

ب ۔ سیرت النبیؐ کی تفصیل و تفہیم ، اور یہ دس فصلوں پر حاوی ہے ،

فصلِ اول ——— نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ قبلِ بعثت ۔

فصلِ دوم ——— آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد ہجرتِ حبشہ تک کے واقعات ۔

فصلِ سوم ——— ہجرتِ حبشہ تا ہجرتِ مدینہ ۔

فصلِ چہارم ——— ہجرتِ مدینہ اور آنحضرتؐ کا قیامِ مدینہ ۔

فصلِ پنجم ——— آنحضرتؐ کے جنگی معرکے از غزوۂ بدر تا فتح مکہ ۔

فصلِ ششم ——— فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب میں اسلام کی نشر و اشاعت ۔

فصلِ ہفتم ——— فتح مکہ سے لے کر آپؐ کی وفات تک کے واقعات ۔

فصلِ ہشتم ——— مدینہ منورہ میں قانونِ اسلامی کے نفاذ کی خصوصیات ۔

فصلِ نہم ——— آنحضرتؐ کے اخلاقِ حمیدہ اور اس ضمن میں مستشرقین اور مشنریوں کی افترا پردازیاں ۔

فصلِ دہم ——— آنحضرتؐ کی ذات والا صفات اور آپؐ کی رسالت کے اثرات ۔

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو عجلت میں قلمبند کیا گیا ہے ۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان گوشوں کو اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن کے مطالعہ سے شریعت کالج کے طلبہ اور طالبات کو سیرۃ مطہرہ سے عشق و محبت کا لگاؤ پیدا ہو اور وہ اس کے معانی و اسباق سے اپنے اخلاق کی اصلاح کریں اور اپنے آپ میں وہ صفات پیدا کریں جن پر استقامت و مداومت کے ذریعے انھیں لوگوں میں قیادت کا مقام حاصل ہو وہ لوگوں کو ہدایت کی دعوت دیں یہاں تک کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس جاہلیت جدیدہ کے دور میں بھی سراجِ منیر ثابت ہو جس کی ضیا پاشیوں سے تاریکیاں کافور ہوں ، لوگوں کے فکر و نظر میں اسلام کی حرارت پیدا ہو ، وہ اسلام کے جادۂ مستقیم پر گامزن ہوں اور سیرتِ مطہرہ جو اسوۂ حسنہ ہے ہم مسلمانوں کو از سرِ نو عالمِ انسانیت میں امامت و قیادت کا مقام عطا فرمائے اور امت مرحومہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دوبارہ محقق ہو جائے کہ :

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔

(آل عمران : ۱۱۱)

(ترجمہ: اب دنیا میں وُہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

مصطفیٰ السباعی

دمشق ۱۳۸۱ھ

○

مقدمہ

۱۔ سیرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات

سیرت نبوی متعدد فضائل و محاسن کی جامع ہے جن کا مطالعہ روحانی، عقلی اور تاریخی فوائد کا حامل ہے۔ یہ مطالعہ علما، قانون، داعیان الی اللہ اور اجتماعی اصلاح کا اہتمام کرنے والوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے ذریعے لوگوں تک مسائل شریعت کی تبلیغ بدیں طور مقصود ہے کہ وہ اپنے گمبیر مسائل اور پیچیدہ اور مشکل ترین حالات میں سیرۃ مطہرہ سے رہنمائی حاصل کریں اور اسے ملجا و ماویٰ قرار دیتے ہوئے مضبوط پکڑیں تاکہ عامۃ الناس کے دل و دماغ دعوت اسلامی کے کارکنوں کے لیے کھل جائیں اور وہ اصلاح جس کی دعوت مصلحین دیتے ہیں روبکار آئے اور کامیابی سے ہمکنار ہو۔ ہم یہاں سیرتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی واضح ترین خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

اوّلاً یہ کہ یہ سیرت کسی نبیِ مرسل یا کسی عظیم ریفارمر کی صحیح ترین تاریخی سیرت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت صحیح ترین علمی طریقے سے اور مضبوط ترین ثبوت کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے جیسا کہ ہم مآخذِ سیرت کی بحث میں بیان کریں گے۔ سیرتِ مطہرہ کے اہم ترین واقعات و احوال میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ ازمنہ متاخرہ میں جاہلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹے معجزات اور خلافِ سنّت واقعات اختراع کئے جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے انحراف و تجاوز کا نتیجہ اور شانِ نبوت میں افراط و تفریط پر مبنی ہیں لیکن ان کی چھان پھٹک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی جلالتِ شان اور قدسیتِ رسالت اور عظمتِ سیرت کی معرفت ان مآخذ کے ذریعے بہت آسان ہے۔

صحتِ سیرت کی خصوصیت ایسی ہے کہ اس میں شک و شبہ کا گذر نہیں اور یہ صحتِ احوال انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی کی سیرت میں بھی نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کے صحیح واقعات خلط ملط ہیں کیونکہ یہود نے ان میں کتر بیونت اور تحریف کر دی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی حقیقی سیرت کے استخراج کے لیے ہم موجودہ توراۃ پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ مغربی ناقدین میں سے اکثر نے تورات کے بعض پاروں پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے اور کچھ ناقدین کا موقف یہ ہے کہ بعض اسفار توراۃ موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ یا اس سے قریبی زمانہ میں نہیں لکھے گئے بلکہ کافی عرصہ بعد غیر معروف کاتبوں نے انھیں قلمبند کیا اور صرف یہی امر توراۃ میں بیان کردہ موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کو مشکوک قرار دینے کے لیے کافی ہے اس لیے کسی مسلمان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اس میں سے کسی بات کی صحت کو

تسلیم کرے ماسوائے ان واقعات کے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم یا سنتِ نبویہ صحیحہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مسیحی کلیسوں میں موجودہ مروجہ اناجیل سیدنا مسیح علیہ السلام کے صدیوں بعد قلمبند ہوئیں۔ اور اس وقت عیسائیوں کے پاس جو سیکڑوں انجیلیں تھیں ان میں سے بغیر کسی علمی تحقیق کے منتخب کی گئیں اور ان مروجہ انجیلوں کی نسبت اور سند ان کے لکھنے والوں کے ساتھ کسی علمی طریقے سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی بلکہ غیر متصل ہے جس پر اظہارِ اطمینان نہیں کیا جا سکتا، نیز مغربی ناقدین کے نزدیک ان کے اناجیل کے مولفین کے نام بھی مختلف فیہ ہیں اور اس امر میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ کس زمانے میں ہوئے ہیں۔

جب ان رسولوں کی سیرتوں کا یہ حال ہے جن کے مذاہب دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں تو بدھ اور کنفیوشس جیسے بانیانِ مذاہب اور دیگر مفکرین جو ہزارہا سال پہلے گزر چکے ہیں ان کی سیرتوں میں رطب و یابس کے پائے جانے کا زیادہ قوی احتمال ہے۔ ان کے متبعین ان کے بارے میں جو روایات نسلاً بعد نسلٍ نقل کرتے آئے ہیں وہ علمی نقطۂ نظر سے معتبر نہیں کیونکہ ان میں ہر دور میں کاٹ چھانٹ اور تحریف ہوتی رہی ہے اور وہ اساطیر و خرافات کے قبیل سے ہیں جن کی تصدیق ایک غیر متعصب ناقد نہیں کر سکتا۔

اس طرح ہمارے پاس صحیح ترین اور متواتر ثبوت کے اعتبار سے قوی ترین سیرت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک ہی ہے۔

ثانیاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ میں آپ کے والد ماجد سیدنا عبداللہ اور والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کے نکاح سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کے جملہ واقعات پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ کی ولادت، طفولیت، شباب، قبل نبوت کاروبار اور مکہ مکرمہ کے باہر مختلف سفروں کے بارے میں ہمارے پاس کثیر معلومات ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت کے منصب پر مبعوث فرمایا تو اس کے بعد کے جملہ حالات و واقعات بھی ہم سال بہ سال دقیق ترین، واضح ترین اور کامل ترین شکل میں محفوظ پاتے ہیں۔ آپ کی سیرت سورج کی طرح چمک رہی ہے جیسا کہ بعض مغربی ناقدین نے کہا ہے کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت ہی ایک اکلوتی شخصیت ہے جو اپنے ساتھ سورج کی روشنی لیے ہوئے ہے۔ اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی نظیر یا اس کے لگ بھگ مثل انبیاء سابقین میں سے کسی نبی و مرسل کی سیرت میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کی طفولیت، شباب اور قبل نبوت کی معیشت کا ہمیں کچھ علم نہیں اور بعثت کے بعد کی زندگی کے بارے میں بھی ہماری معلومات بہت قلیل ہیں اور آپ کی مکمل شخصیت کا نمونہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسی طرح کہا جاتا ہے اور ہم آپ کی طفولیت کے بارے میں صرف وہی کچھ جانتے ہیں جس کا تذکرہ موجودہ اناجیل میں ہے یعنی یہ کہ آپ یہود کی ہیکل میں داخل ہوئے اور ان کے علماً سے مباحثہ کیا۔ آپ کے لڑکپن کے بارے

میں بھی ایک واقعہ ہے جو مذکور ہے۔ پھر ہم آپ کی نبوت کے بعد کے حالات کے بارے میں ماسوائے آپ کی دعوت و تبلیغ کے کچھ نہیں جانتے آپ کے اسلوبِ معیشت کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں تک دیگر امور کا تعلق ہے آپ کی شخصیت خمول کے پردوں میں پوشیدہ ہے۔

اس کے برعکس ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی زندگی کی جزئیات مثلاً آپ کا کھانا پینا، قیام و قعود، لباس، شکل و ہیئت، بول چال، اہلِ خاندان سے معاملہ، آپ کی عبادت گزاری اور نماز اور اپنے اصحاب کے ساتھ آپ کی معاشرت کی دقیق ترین تفصیلات سیرتِ صحیحہ کے مآخذ میں موجود ہیں بلکہ آپ کی سیرت کے راویوں نے اس حد تک باریک بینی کا مظاہرہ کیا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے سفید بالوں تک کا ذکر بھی کیا ہے۔

ثالثاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک ایسے انسان کی سیرت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب جلیلہ پر سرفراز فرمایا۔ آپ کی سیرت ایک کامل ترین انسان کی سیرت ہے جسے کبھی بھی انسانیت سے علیحدہ کر کے الوہیت کا مقام نہیں دیا گیا لیکن عیسائیوں کے بقول عیسیٰ علیہ السلام اور بدھوں کی روایات کے مطابق بدھ کی طرف اور بت پرستوں کے ہاں ان کے معبودانِ باطلہ کی طرف الوہیت منسوب کی گئی ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں خدا بنا دیا گیا ہے تو ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور دوسروں کی سیرتوں میں جلی فرق معلوم ہوتا ہے اور اسی لیے ان کے متبعین کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں نمایاں اختلاف موجود ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اور بدھ کے متعلق الوہیت کی نسبت نے ان دونوں کو ایسا مقام دے دیا ہے کہ وہ ہر دو انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی کے لیے نمونہ نہیں بن سکتے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اس شخص کے لیے کامل ترین انسانی نمونہ ہے جو یہ چاہتا ہے کہ وہ سعادتمندانہ اور اپنی ذاتی حیثیت سے اپنے خاندان اور قبیلے میں شریفانہ زندگی گزارے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللّٰہ والیوم الاٰخر۔ (الاحزاب ۲۱)

(ترجمہ: درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو)

رابعاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت انسانیت کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے۔ یہ سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منصبِ رسالت پر سرفراز فرمائے جانے سے قبل ایک امین اور راستباز نوجوان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمیں اس خدا کی طرف بلاتی ہے جس نے آپ کی دعوت کی پذیرائی کے لیے بہترین ذرائع و وسائل مہیا فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری طاقت اور جد و جہد ابلاغِ رسالت میں لگا دی۔ آپ کی سیرت کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مملکت کے ایسے سربراہ کی طرح ہیں جو اپنی مملکت کا انتظام و انصرام بہترین

طریقے اور سلیقے سے سرانجام دیتا ہو اور راتوں کو جاگ کر اور اخلاص و صداقت کے ساتھ مملکت کی نگرانی کرتا ہو اور اس کی کامیابی کا ضامن ہو۔ رسول اللہ کی سیرت ہمارے لیے واضح کرتی ہے کہ آپ ایک شفیق و مہربان اور حسنِ سلوک کرنے والے خاوند اور باپ ہیں۔ آپ کی سیرت سے زوجین اور اولاد کے حقوق و واجبات کی واضح نشان دہی ہوتی ہے۔ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مربی اور مرشد ہیں جو اپنے اصحاب کی مثالی تربیت کرتے ہیں اور اپنی روحانیت اور ذات ان کے ارواح و نفوس تک اس طرح منتقل کرتے ہیں کہ وہ ہر چھوٹے بڑے کام میں آپ کے نقشِ قدم پر چل کر مکمل فرمانبرداری بجالاتے ہیں آپ کی سیرت ایک ایسے سچے دوست کی سیرت ہے جو اپنے اصحاب کے واجبات ادا کرتا ہو اور اس ضمن میں جملہ التزامات و آداب بجالاتا ہو جس کی وجہ سے آپ کے اصحاب آپ کے ساتھ اپنی جانوں اور اہل و عیال اور رشتہ داروں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ آپ کی سیرت ایک شجاعت پرور فوجی جرنیل ایک غالب و فاتح قائد ایک کامیاب سیاستدان ایک امانتدار پڑوسی اور ایک سعادت شعار معابد کی سیرت ہے۔ المختصر یہ کہ آپ کی سیرتِ مبارکہ انسانیت کے جملہ گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور آپ کی ذات بابرکات میں ہر اسلامی تحریک، ہر قائد، ہر باپ، ہر خاوند، ہر دوست، ہر مربی، ہر سیاست دان اور ہر سربراہ مملکت وغیرہ کے لیے صالح ترین نمونہ موجود ہے۔

اس قسم کا جامع ترین یا اس سے قریب تر نمونہ انبیاء سابقین، بانیان مذاہب اور متقدمین و متاخرین فلاسفہ کی سیرتوں میں نہیں ملتا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی مثال ایک ایسے زعیم کی سی ہے جس نے اپنی اُمت کو غیر اللہ کی عبادت سے نجات دلائی اور اصلاحِ اُمت کے لیے قواعد و مبادی وضع کیے لیکن آپ کی سیرت میں جنگ کرنے والوں یا مربیوں یا سیاستدانوں یا سربراہان مملکت یا باپوں یا خاوندوں وغیرہ کے لیے نمونہ نہیں ملتا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ایک ایسے عابد و زاہد داعی کی سی ہے جس نے دنیا کو ٹھکرا دیا اور جس کے پاس گھر نہ گھاٹ تھا اور نہ مال و متاع۔ عیسائیوں کے ہاں آپ کی جو سیرت موجود ہے اس میں فوجی جرنیل، رئیس مملکت، باپ، خاوند اور قانون دان وغیرہ کے لیے کوئی نمونہ نہیں ملتا جس طرح کہ سیرتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ میں ملتا ہے۔ اسی طرح بدھ، کنفیوشس، ارسطو، افلاطون اور نپولین وغیرہ عظیم تاریخی شخصیتوں کی سیرتیں بھی نمونہ نہیں بن سکتیں کیونکہ ان میں جامعیت مفقود ہے اور وہ زندگی کے متعدد پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو نمایاں کرتی ہیں جس کی وجہ سے ان مشاہیر کو شہرت نصیب ہوئی اور تاریخ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد انسان ہیں جو تمام اقوامِ عالم اور تمام لوگوں کے لیے ہر حال میں قائد و راہبر بن سکتے ہیں۔

خامساً یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آپ کی رسالت و نبوت کی صداقت کے ایسے دلائل مہیا کرتی ہے جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ درحقیقت یہ ایک کامل ترین انسان کی سیرت ہے جو اپنی دعوتی زندگی میں یکے بعد دیگرے مختلف مراحل سے گزر کر کامیابی سے ہمکنار ہوا اس کامیابی کا حصول خارق عادت یا معجزانہ طور پر نہ تھا بلکہ یہ کامیابی خالص طبیعی طریقے سے حاصل ہوئی۔ آپ نے دعوت پیش کی جس کی پاداش میں آپ کو ایذا دی گئی۔ آپ نے دین کی تبلیغ کی

اور اس طرح آپ کو تحریک کے لیے حامی و ناصر میسر آئے۔ آپ کو جنگ پر مجبور کیا گیا اور آپ نے جنگی معرکے سر کیے۔ آپ فہیم و دانشمند تھے اور قیادت و امامت کی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ آپ کی وفات سے قبل پورے جزیرۃ العرب میں آپ کی دعوت کی پذیرائی بطریقِ ایمان و تسلیم ہو چکی تھی اور اس قبولیتِ دعوت میں کسی قہر و غلبہ یا ظلم و زیادتی کا دخل نہ تھا بلکہ جو شخص بھی عربوں کے عقاید و عادات سے واقف تھا اور اس بات سے بھی آگاہ تھا کہ انہوں نے کس طرح مختلف ہتھکنڈوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا راستہ روکنے کی کوشش کی یہاں تک کہ آپ کے قتل کے منصوبے تیار کیے لیکن وہ اپنے مذموم عزائم میں ناکام رہے اور جس شخص کو بھی معلوم ہوا کہ آپ کے پاس جنگی ساز و سامان اور افرادی قوت آپ کے دشمنوں کے مقابلے میں کم تھی لیکن اس کے باوجود آپ ہر معرکے میں فتحیاب ہوئے اور جس نے بھی دیکھا کہ تھوڑی ہی مدت یعنی ۲۳ سال میں آپ کی تحریکِ رسالت عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوئی وہ یہ یقین کیے بغیر نہ رہ سکا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر ثابت قدمی و قوت اور تاثیر و تائید سے صرف اسی لیے نوازا کہ آپ نبی برحق ہیں اور جو کوئی بھی نبی برحق کے لیے اس بے مثل تاریخی تائیدِ ایزدی کو تسلیم نہیں کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمارے لیے خالص عقلی طریقے سے آپ کی رسالت کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات وقوع پذیر ہوئے ہیں وہ آپ کی دعوت پر عربوں کے ایمان لانے کے لیے بطور اساسِ اول نہیں ہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معاند کافر آپ کے کسی معجزے کی وجہ سے آپ پر ایمان نہیں لائے باوجود اس کے کہ مادی معجزات دیکھنے والوں کے لیے حجت کا کام دیتے ہیں اور یہ بات قطعی ہے کہ اہلِ تسلیم و رضا نے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش نہیں کی اور نہ ہی معجزات کا مطالبہ کیا بلکہ وہ آپ کے دعوائے نبوت کی صداقت کے لیے خالص عقلی دلیلوں کی بنیاد پر آپ کی رسالت پر ایمان لائے اور انہی عقلی دلائل میں سے قرآن کریم بھی ہے جو ایک عقلی معجزہ ہے اور ہر انصاف پسند عقلمند کو مجبور کرتا ہے کہ وہ دعوائے رسالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان لائے۔

سیرتِ محمدیہ کی اس مذکورہ خصوصیت میں اور انبیاء سابقین کی جو سیرتیں ان کے متبعین کے ہاں محفوظ ہیں ان میں اس اعتبار سے مکمل اختلاف موجود ہے۔ یہ سیرتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ ان انبیاء پر لوگ ان کی دعوت کے اصول و مبادی کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر ایمان نہ لائے اور ان کے فرمانبردار نہ بنے بلکہ صرف اسی وقت ایمان لائے جب انہوں نے انبیاء کے ہاتھوں معجزات و خوارق کا مشاہدہ کیا۔ اس کی واضح ترین مثال سیدنا مسیح علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے اپنی رسالت کی صداقت پر یہود کو مطمئن کرنے اور انہیں قائل کرنے کے لیے جن معجزانہ دلائل کا سہارا لیا وہ یہ تھے کہ وہ اللہ جل شانہٗ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے ہیں، بیماروں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور انہیں یہ بتاتے ہیں کہ وہ کیا کھاتے ہیں اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں۔ موجودہ انجیلیں ہمیں بتاتی ہیں کہ صرف انہی معجزات کے سبب لوگ

جوق در جوق ان پر ایمان لائے اور انہیں خدا اور خدا کا بیٹا تسلیم کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ انجیلوں کے مطابق وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا رسول جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے تسلیم نہ کرتے تھے۔ مسیح علیہ السلام کے بعد مسیحیت کی نشر و اشاعت معجزات و خوارق عادات ہی کے ذریعہ ہوئی اور اس کی سب سے بڑی شہادت عہد نامہ جدید کی کتاب "اعمال الرسل" میں موجود ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ موجودہ مسیحیت جس پر اس کے متبعین کا ایمان ہے ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد معجزات و خوارق پر ہے نہ کہ عقلی ترغیب پر۔ اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی یہ خصوصیت بالکل واضح ہے کہ آپ پر کوئی ایک شخص بھی معجزاتِ خارقہ کے ذریعے ایمان نہیں لایا بلکہ جو کوئی بھی دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوا معقول طریقے سے وجدانی طور پر رسالت کی صداقت کا قائل ہو کر ایمان لایا۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزاتِ خارقہ سے بھی مشرف فرمایا ہے لیکن یہ معجزات آپ کو عظمت و کرامت کے طور پر اور آپ کے متکبر دشمنوں کا منہ بند کرنے کے لیے دئے گئے۔ جو شخص بھی قرآن کریم کا تتبع کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے لوگوں کو قائل کرنے کے لیے عقلی محاکمہ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم صناعی کے محسوس مشاہدہ اور اُمّی نبی کی معرفت تامہ پر انحصار کیا ہے اور اس طرح قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے،

وقالوا لولا انزل علیہ اٰیات من ربہ، قل انما الاٰیات عند اللہ، وانما انا نذیر مبین، اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیھم، ان فی ذٰلک لرحمۃ وذکریٰ لقوم یؤمنون۔ (العنکبوت: ۵۰، ۵۱)

(ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ "کیوں نہ اتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے؟" کہو "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف خبردار کرنے والا ہوں کھول کھول کر"۔ اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں)

جب کفارِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدت و تکرار کے ساتھ معجزات کی فرمائش کی جیسا کہ امم سابقہ فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتی آئی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ وہ ان کو قرآن کے الفاظ میں یہ جواب دے دیں؛

سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولا؟

(ترجمہ: پاک ہے میرا پروردگار، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟)

اس ضمن میں سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان غور طلب ہے؛

وقالوا لن نؤمن لك حتی تفجر لنا من الارض ینبوعاً ، او تکون لك جنة من نخیل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجیراً ، او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفاً او تاتی باللہ والملئکة قبیلا ، او یکون لك بیت من زخرف او ترقٰی فی السماء ، ولن نؤمن لرقیك حتی تنزل علینا کتاباً نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولا ؟

(بنی اسرائیل : ۹۰ - ۹۳)

(ترجمہ : اور انھوں نے کہا" ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے ، یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے ، یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے ، جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے ۔ یا خدا کو روبرو ہمارے سامنے لے آئے ، یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے ، یا تو آسمان پر چڑھ جائے ، اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں" اے نبی ! ان سے کہو' پاک ہے میرا پروردگار، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں ؟)

اس طرح قرآن صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیغام لانے والے انسان ہیں اور یہ کہ دعوائے رسالت میں آنحضرتؐ کا انحصار خوارق و معجزات پر نہیں بلکہ آپ صرف لوگوں کے دل و دماغ کو خطاب کرتے ہیں ۔

(فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہٗ للاسلام ۔ الانعام : ۱۲۵)

(ترجمہ : پس یہ حقیقت ہے کہ جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے)

ب ۔ سیرۃ نبویہ کے مآخذ

سیرت نبویہ کے قابلِ اعتماد بڑے بڑے مصادر کا انحصار مندرجہ ذیل چار مآخذ پر ہے :

۱ - قرآن کریم

یہ سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و محاسن کے ضمن میں بنیادی ماخذ ہے ۔ قرآن کریم آپ کی پیدائش، نشو و نما اور تربیت کے بارے میں بیان کرتا ہے :

الم یجدك یتیماً فاوٰی ، ووجدك ضالاً فھدٰی ۔ (الضحٰی : ۶ - ۷)

(ترجمہ: کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمھیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی)

قرآن کریم آپ کے اخلاق عالیہ کریمانہ کو اس طرح پیش کرتا ہے:

وانك لعلی خلق عظیم۔ (القلم: ۴)

(ترجمہ: اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو)

دعوت اسلامی کے سلسلے میں جو تکالیف و مصائب آپ کو برداشت کرنا پڑے قرآن انہیں بھی بیان کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ مشرکین اللہ عزّ وجل کے دین کا راستہ روکنے کے لیے آپ پر سحر اور جنون کے الزامات بھی لگاتے رہے اور دیگر آوازے بھی کستے رہے۔ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور اس کے بعد آپ کے جنگی معرکوں مثلاً بدر، اُحد، احزاب، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے حالات بھی بیان کرتا ہے اور آپ کے بعض معجزات مثلاً معجزۂ اسراء و معراج کا ذکر بھی ملتا ہے۔ المختصر یہ کہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر و بیشتر واقعات کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ چونکہ یہ کتاب کریم رُوئے زمین پر ثقہ ترین کتاب ہے اور ایسے تواتر کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ کسی عاقل و فہیم انسان کو اس کے نصوص اور تاریخی ثبوت کے بارے میں شک و ارتیاب کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے قرآن کریم علی الاطلاق سیرت کے واقعات کے لیے صحیح ترین ماخذ ہے۔

لیکن قرآن کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ قرآن وقائع نبویہ کی تفصیلات بیان نہیں کرتا بلکہ واقعات کا اجمالی ذکر کرتا ہے۔ جب قرآن کسی جنگی معرکے کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے اسباب بیان نہیں کرتا نیز مسلمانوں اور مشرکوں کی افرادی قوت اور جنگی مقتولین اور مشترک قیدیوں کی تعداد بیان نہیں کرتا بلکہ اس معرکے پر تبصرہ کرتا ہے اور جو ہدایات اور پند و نصائح اس سے حاصل ہوتی ہیں صرف ان کا ذکر کرتا ہے نیز انبیاءِ سابقین اور اُممِ ماضیہ کے جو قصص قرآن میں بیان ہوئے ہیں ان میں بھی یہی اسلوب کارفرما ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل حالاتِ زندگی کے استخراج کے لیے ہم نصوصِ قرآنی متعلقہ سیرتِ نبویہ پر اکتفا نہیں کر سکتے۔

۲۔ سنّتِ نبویہ صحیحہ

سنتِ نبویہ صحیحہ کے بارے میں عالمِ اسلامی میں ائمۂ حدیث کی جن کتابوں کو صحت و صداقت و ثقاہت کے اعتبار سے مستند مانا جاتا ہے وہ صحاحِ ستہ ہیں۔ یعنی بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ۔ اور موطا امام مالک اور مسند امام احمد بھی اسی قبیل سے ہیں۔ یہ سب کتابیں بالخصوص بخاری و مسلم صحت و ثقاہت اور تحقیق کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث کی دیگر کتابوں میں صحیح و حسن روایات بھی ہیں اور کچھ کتابوں میں ضعیف روایات بھی شامل ہیں۔

یہ کتابیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ، آپ کے معمولات اور دیگر واقعات و جنگی معرکوں پر حاوی ہیں اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے غور و فکر کے لیے مواد مہیا کرتی ہیں اگرچہ بعض شاذ واقعات کا مواد ناتمام ہی کیوں نہ ہو۔ ان کتابوں سے متعلق یہ امر ہمارے لیے موجبِ اطمینان ہے اور ان پر ہمارے اعتماد کو مضبوط کرتا ہے کہ ان کی روایت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تک متصل سند سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت و ملازمت اختیار کی اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی امداد فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس ان کی تربیت فرمائی اور ایسی جماعت تیار کی جو استقامتِ اخلاق، قوتِ ایمان، صدقِ مقال، معراجِ روحانیت اور کمالِ دانش و بینش کے اعتبار سے تاریخ انسانی میں کامل ترین جماعت تھی۔ اور جو کچھ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سندِ صحیح متصل کے ذریعے روایت کیا ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم اسے بطور تاریخی حقیقت تسلیم کریں اور ہمیں اس میں کسی قسم کا شک و خلجان لاحق نہ ہو۔

فتنہ پرداز مستشرقین اور مغرب آزاد منش مسلمان جنہوں نے اپنے دین کو ہلکا سمجھ رکھا ہے اور علماءِ مغرب کی اندھی تقلید کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں ان کی یہ کوشش ہے کہ ہمارے پاس سنّت کی معتمد کتب جو موجود ہیں انھیں مشکوک قرار دیا جائے اور ذریعے سے شریعت کے انہدام کی راہ ہموار کی جائے اور واقعات سیرت میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور اسی کی توفیق سے معاندین کے باطل تیروں کو ان پر لوٹایا جاتا ہے اور ان کی پُرفریب چالوں کو ان ہی کے حلقوم کی طرف پھیر دیا جاتا ہے میں نے اپنی کتاب "السنة ومكانتها من التشريع الاسلامي" میں علماءِ اسلام کی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے سنّتِ نبویہ کی تحقیق و تفحص میں صرف کیں۔ نیز مستشرقین اور ان کے مقلدین کے جملہ شبہات کا ازالہ کیا ہے اور علمی طریقے سے ان کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دئے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے امیدوار ہوں کہ وہ مجھے اس کا ثواب عطا کرے اور قیامت کے روز میری اس حقیر کوشش کو میرے نامۂ اعمال کے حسنات کے پلڑے میں ڈالے۔ آمین۔

۲۔ عہدِ رسالت کے ہمعصر عرب شعراء کا کلام

یہ حقیقت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی دعوت کے برخلاف اپنے شعراء کی زبانوں سے بھرپور حملے کروائے اس لیے مسلمانوں نے بھی مجبوراً اپنے شعراء مثلاً حسان بن ثابت اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہ سے ان کی تردید کروائی۔ کتبِ ادب اور کتبِ سیرت میں ان اشعار کا بیشتر حصہ موجود ہے جن سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کے بارے میں اور دعوتِ اسلامی کی ابتدا سے لے کر اس کے پروان چڑھنے اور کامیابی سے ہمکنار ہونے تک کے بہ کثرت واقعات و حقائق معلوم کر سکتے ہیں۔

۴۔ کُتبِ سیرت

سیرت نبویہ کے واقعات حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے بعد آنے والوں کو روایت کیے ہیں۔ اور بعض صحابہ نے تو سیرت کے دقائق اور تفصیلات کے تتبع میں خصوصی کام کیا ہے۔ پھر ان اخبار و وقائع کو تابعین نے تبع تابعین تک منتقل کیا اور اپنے ہاں صحیفوں میں مدوّن کیا۔ بعض حضرات تابعین تو ان کی پُوری طرح حفاظت کرنے میں خصوصیت کے حامل ہیں۔ مثلاً ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۳۲ھ - ۱۰۵ھ) اور عروہ بن زبیر بن العوام (۲۳ھ - ۹۳ھ) اور چھوٹے تابعین میں سے عبداللہ بن ابوبکر انصاری (متوفی ۱۳۵ھ) اور محمد بن مسلم بن شہاب (۵۰ھ - ۱۲۴ھ، جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ خلافت میں ان کے حکم سے سنت کو جمع کیا) اور عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (متوفی ۱۲۹ھ)۔

پھر سیرت کی حفاظت کا کام ان کے بعد والوں کے حصے میں آیا جنھوں نے یکسوئی کے ساتھ اس کی تصنیف کا بیڑا اٹھایا۔ سیرت کے اولین مصنفین میں سے مشہور ترین مصنف محمد بن اسحاق بن یسار (متوفی ۱۵۲ھ) ہے جمہور علماء اور محدثین (ماسوائے مالک اور عروہ بن زبیر کے) اس کی توثیق پر متفق ہیں۔ صرف ان دو بڑے عالموں نے محمد بن اسحاق کی کتاب کی عیب چینی کی ہے لیکن علماء محققین نے ان دونوں کی تجریح کو شخصی عداوت پر محمول کیا ہے جو ان دونوں اور ابن اسحاق کے مابین تھی۔ ابن اسحاق نے اپنی کتاب "المغازی" ان احادیث اور روایات سے تالیف کی جو اس نے بذاتِ خود مدینہ منورہ اور مصر میں سنیں۔ اگرچہ یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی اور ہمارے قیمتی علمی ورثے سے مفقود ہو چکی ہے لیکن اس کتاب کے اکثر مضامین سیرت ابن ہشام میں محفوظ اور باقی ہیں جنہیں ابن ہشام نے اپنے شیخ بکائی کے حوالے سے روایت کیا ہے جو ابن اسحاق کے مشہور ترین تلامذہ میں سے تھا۔

سیرت ابن ہشام

وہ ابو محمد عبدالملک بن ایوب حمیری ہے جس کی پیدائش، نشوونما اور تربیت بصرہ میں ہوئی اور وفات بر بنائے اختلاف روایت ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ میں ہوئی۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" ان روایات کی بناء پر تالیف کی جو اس کے شیخ بکائی نے ابنِ اسحاق سے روایت کیں۔ اس کے علاوہ ابن ہشام نے اپنے دیگر شیوخ سے بھی روایات حاصل کیں جن کا مذکور ابنِ اسحاق کی سیرت میں نہیں ہے اور ابن اسحاق کی ان روایات کو ترک کر دیا جو اس کے ذوقِ علمی اور تنقید کی کسوٹی پر پُوری نہ اُتریں اور اس نے اس طرح سیرت نبویہ کے صحیح ترین، دقیق ترین اور کامل ترین مآخذ سے ایک کتاب تالیف کی جسے وہ قبولِ عام نصیب ہُوا کہ دوسرے لوگ بھی اپنی کتابوں کو اسی کی طرف منسوب اور اسی نام سے موسوم کرنے لگے اور اندلس کے دو عالموں سہیلی (۵۰۸ھ - ۵۸۱ھ) اور خشنی (۵۳۵ھ - ۶۰۴ھ) نے سیرت ابن ہشام کی شرح لکھی۔

طبقات ابنِ سعد

وہ محمد بن سعد بن منیع زہری ہے جو ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا اور ۲۳۰ھ میں بمقام بغداد فوت ہوا۔ وہ مغازی اور سیرت کے مشہور مورخ واقدی (۱۳۰ھ - ۲۰۷ھ) کا منشی تھا۔ ابن سعد نے اپنی کتاب "الطبقات" میں سیرۃ رسول علیہ السلام کے ذکر کے بعد صحابہ اور تابعین کا ذکر ان کے طبقات، قبائل اور اماکن کے لحاظ سے کیا ہے اور اس کی کتاب "الطبقات" سیرت کے ابتدائی ثقہ ترین مصادر میں سے ہے اور صحابہ اور تابعین کے ذکر میں محفوظ ترین ماخذ شمار ہوتی ہے۔

تاریخ طبری

وہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (۲۲۴ھ - ۳۱۰ھ) ہے جو ایک امام، فقیہ اور محدث ہے نیز فقہ میں صاحب مذہب بھی ہے لیکن اس کے فقہی مسلک کو زیادہ فروغ حاصل نہیں ہوا۔ اس نے اپنی مبسوط تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں کتاب تالیف کی اور پھر اپنی وفات کے قریب تک دولت ہائے اسلامیہ کی تاریخ لکھتا رہا۔

طبری کو اپنی مرویات کے باب میں ثقہ حجت کا مقام حاصل ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی روایت کردہ اکثر احادیث ضعیف یا باطل ہیں کیونکہ اس نے ان کی اسناد کو اپنے دور کے معروف راویوں تک بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے مثلاً ابی مخنف کی روایات ہیں جو ایک متعصب شیعی تھا لیکن اس کے باوجود طبری نے اس کی مرویات میں سے اکثر اس کی سند اس طرح لی ہیں گویا کہ وہ ان کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بری قرار دے رہا ہو اور پورا بوجھ ابی مخنف پر ڈال رہا ہو۔

تالیفِ سیرت کے اسلوب میں تبدیلی

بعد ازاں سیرت کی تالیف میں انقلاب رونما ہوا اور سیرت کے بعض پہلوؤں کو تالیف کے لیے مختص کر لیا گیا۔ اس ضمن میں یہ کتابیں قابلِ ذکر ہیں:

اصفہانی کی "دلائل النبوۃ"، ترمذی کی "الشمائل المحمدیہ"، ابن قیم جوزی کی "زاد المعاد"، قاضی عیاض کی کتاب "الشفاء" اور قسطلانی کی "المواہب اللدنیہ" جس کی شرح زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ) نے آٹھ جلدوں میں لکھی)

ہر دور کے علماء امت سیرتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ابنائے زمانہ کے ذوق کے مطابق نئے نئے اسلوب سے لکھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ہمارے اس دورِ جدید میں سیرت کی مشہور ترین

مولفات میں سے شیخ محمد خضری رحمہ اللہ کی کتاب "نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلینؐ" ہے جسے بہترین پذیرائی حاصل ہوئی اور یہ کتاب دنیائے اسلام کے اکثر علاقوں میں دینی مدارس کے نصاب میں شامل کر لی گئی ہے۔

فصلِ اوّل

آنحضرتؐ کی حیاتِ طیّبہ قبل بعثت

۱۔ تاریخی واقعات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ قبل بعثت سے متعلق ثابت شدہ خبروں سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

(۱) آنحضرتؐ اہلِ عرب کے گھرانوں میں سے بزرگ ترین گھرانے میں پیدا ہوئے اور آپ کا خاندان قبیلہ قریش کی عالی قدر شاخ یعنی بنی ہاشم تھا۔ قریش دربارِ عرب میں برگزیدہ، پاک نسب اور بلند پایہ قبیلہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا اور مجھے بہترین مخلوق اور سب سے بہتر گروہ (یعنی انسانوں) میں پیدا کیا اور (انسانوں کے) دونوں فریق (یعنی عرب وعجم) کو بہتر بنایا، پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلے (یعنی قریش) میں پیدا کیا۔ پھر تمام گھرانوں کا چناؤ عمل میں آیا اور مجھے بہترین گھرانے (یعنی بنی ہاشم) میں پیدا کیا گیا۔ پس میں اپنی ذات (حسب) کے لحاظ سے بھی تمام لوگوں میں بہتر ہوں اور خاندان (نسب) کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔"[1]

چونکہ آپ کا نسب قریش میں مشہور و معروف تھا اس لیے نسبی بلند پائیگی سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی اعتراض نہیں کیا گیا حالانکہ اس کے علاوہ دیگر امور میں آپ پر متعدد افتراء پردازیاں کی گئیں۔

(۲) آپ کی نشوونما اور تربیت حالتِ یتیمی میں ہوئی۔ آپ کے والد عبداللہ اس وقت فوت ہوئے جب آپ شکمِ مادر میں تقریباً دو ماہ کے تھے۔ آپ چھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ آمنہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صغر سنی ہی میں والدین کی شفقت و محبت سے حرماں نصیبی کا مزہ چکھنا پڑا۔ اس کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالی۔ لیکن جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو دادا بھی فوت ہو گئے۔ پھر آپ کے

---

[1] رواہ الترمذی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ اس طرح آپ کی نشو و نما ہوئی اور آپ کی کلائی مضبوط ہو گئی۔ قرآن کریم نے بھی آپ کی یتیمی کی نشان دہی اس آیت کریمہ میں کی ہے:

الم یجدك یتیماً فاٰوٰی۔ (الضحٰی : ۶)

(ترجمہ: کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن کے ابتدائی چار سال قبیلہ بنی سعد میں صحرائی علاقے میں بسر کیے۔ وہاں آپ خوب تنومند ہو گئے۔ آپ کی نشو و نما ایک تسلیم الجسم، فصیح اللسان اور جری دل و دماغ والے بچے کی طرح ہوئی۔ آپ صغر سنی کے باوجود گھوڑے کی سواری بڑی اچھی طرح کر سکتے تھے۔ صحرا کی پاک وصاف اور پر سکون زندگی اور وہاں کی سورج کی روشنی اور لطافت و نظافت سے بھرپور آب و ہوا کی وجہ سے آپ کی فطری صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوا۔

(۴) صغر سنی ہی سے آپ میں شرافت و نجابت کا جوہر موجود تھا اور آپ کے بشرے سے ذہانت کے آثار چمکتے تھے اور اس وجہ سے جو کوئی بھی آپ کو دیکھتا وہ آپ کو پیار کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ جب آپ کے دادا بزرگوار اپنی مسند پر تشریف فرما ہوتے تو ان کے ادب کی وجہ سے ان کی اولاد (آنحضرتؐ کے اعمام) میں سے کوئی بھی ان کی مسند پر بیٹھنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا لیکن حضورؐ جو اس وقت ایک تنومند لڑکے تھے آپ سیدھے اپنے دادا کی مسند پر آکر بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے لیکن عبد المطلب فرماتے: "میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو، خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔"

(۵) اوائل شباب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی بکریاں کچھ قراریط[1] کی مزدوری پر چرایا کرتے تھے۔ اور یہ بات آپ سے ثابت شدہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

"کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔"

صحابہؓ نے عرض کی:

"یا رسول اللہ! کیا آپ نے بھی چرائی ہیں؟"

تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

"ہاں، میں نے بھی چرائی ہیں۔"

ایک[2] دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔"

---

[1] قراریط۔ قراط یا قیراط کی جمع ہے جو ایک دینار کے بیسویں یا چوبیسویں حصے کو کہتے ہیں۔ (مترجم)

[2] صحیح بخاری، کتاب الاجارہ۔ (مترجم)

آپ کے اصحابؓ نے آپ سے پوچھا: "کیا آپ نے بھی چرائی ہیں؟"
آنحضرتؐ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:
"میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قراریط پر چرایا کرتا تھا۔"
پھر جب آپ کی عمر پچیس برس کی ہوئی تو آپ خدیجہ بنت خویلد کے لیے تجارت کا کاروبار کرتے تھے جس کی مزدوری وہ آپ کو ادا کرتی تھی۔[1]

(۶) عنفوانِ شباب ہی سے آپ دانائی وزیرکی کے رجحان اور اصالت رائے کے لیے معروف تھے اور اس کی واضح دلیل حجرِ اسود نصب کرنے کے واقعہ میں موجود ہے۔ کعبہ کی عمارت کو سیلاب سے نقصان پہنچا اور اس کی دیواریں پھٹ گئیں اس لیے اہل مکہ نے یہ طے کیا کہ بوسیدہ عمارت کو منہدم کرکے کعبہ کی تعمیرِ نو کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا لیکن جب حجرِ اسود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کا موقع آیا تو ان میں اس بارے میں شدید اختلاف رونما ہوا کہ حجرِ اسود نصب کرنے کا شرف کس کو حاصل ہونا چاہیے۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت و شرف اسے حاصل ہو۔ اور اس پر اتنا شدید جھگڑا ہوا کہ آپس میں لڑائی تک کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ بالآخر کافی رد و کد کے بعد وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ سب سے پہلے جو شخص مسجد کے باب بنی شیبہ سے داخل ہو وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے۔ چنانچہ سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا:

"یہ امین ہیں، ہم ان کے فیصلے پر رضامند ہیں۔"

جب آپ کو بتلایا گیا کہ اس قضیہ کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے تو آپ نے یہ مشکل معاملہ ایسے طریقے پر حل کر دیا کہ سب جھگڑا کرنے والے مطمئن ہو گئے۔ آپ نے اپنی چادر بچھا دی اور حجرِ اسود کو پکڑ کر اس پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا کہ ہر قبیلہ ایک ایک طرف سے اس چادر کو پکڑے۔ جب سب نے چادر کو اٹھایا اور پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس کو لگانا تھا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے وہاں لگا دیا اور وہ سب راضی ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی کمال عقلمندی اور حکمت کے باعث عربوں کو خوں ریزی سے بچا لیا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس قدر خونریزی ہوتی۔

(۷) آنحضرتؐ اپنے شباب ہی سے اپنی قوم میں صادق اور امین سمجھے جاتے تھے اور حسنِ معاملہ، ایفائے عہد، سیرت کی پختگی اور ذکرِ خیر کے لیے مشہور تھے۔ اسی وجہ سے خدیجہ کو رغبت ہوئی کہ وہ شہر بصریٰ کی طرف جانے والے تجارتی قافلہ میں اپنے اموال آنحضرتؐ کے سپرد کرے اور اس کے لیے یہ پیشکش کی کہ جتنی مزدوری وہ اپنی قوم کے دوسرے کسی فرد کو دیتی تھی اس سے دگنی مزدوری آپ کو ادا کرے گی۔ جب آپ مکہ واپس آئے اور خدیجہ کے غلام میسرہ نے آنحضرتؐ کی امانت و اخلاص کے بارے میں اپنے مشاہدات بیان کیے اور خدیجہ نے دیکھا کہ اس سفر سے اسے

---

[1] ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (مترجم)

بہت زیادہ نفع حاصل ہوا ہے تو اس نے جتنی مزدوری کی پیشکش آپؐ کو کی تھی اس سے بھی زیادہ کر دی اور اسی چیز نے اسے آمادہ کیا کہ وہ آپ کو شادی کا پیغام دے۔ چنانچہ آپؐ نے اسے قبول کر لیا در انحالیکہ آپؐ کی عمر حضرت خدیجہؓ سے پندرہ سال کم تھی۔ نبوت سے قبل آنحضرتؐ کے حسنِ اخلاق سے متعلق حضرت خدیجہ کا بیان بہترین شہادت ہے۔ جب غارِ حرا میں اچانک آپؐ پر نزولِ وحی کے باعث کپکپی کی حالت طاری ہوگئی آپ گھبراہٹ میں گھر واپس آئے اور جان کے خطرے کا اظہار کیا تو حضرت خدیجہ نے فرمایا :

"ہرگز نہیں، خدا کی قسم، آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رُسوا نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، بے سہارا (کمزور) لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔"

(۸) آپؐ نے دو مرتبہ مکہ سے باہر سفر کیے۔ پہلا سفر اپنے چچا ابو طالب کی معیت میں جبکہ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی اور دُوسرا سفر پچیس سال کی عمر میں کیا جب آپ نے خدیجہ کے ساتھ مال تجارت میں شرکت اختیار کی۔ یہ دونوں سفر شام کے شہر بصریٰ کی طرف تھے۔ ان دونوں سفروں میں آپ تاجروں کی باتیں سنتے تھے اور جن شہروں سے آپ کا گزر ہوتا وہاں کے آثار اور وہاں کے باشندوں کی عادات و اطوار کا مشاہدہ کرتے تھے۔

(۹) بعثت سے کچھ سال قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنہائی پسند بنا دیا تھا۔ آپؐ مکہ کی آبادی کو چھوڑ کر کوہِ حرا[1] کے ایک غار میں چلے جاتے تھے۔ جبلِ حرا مکہ کے قریب ہی شمال مغربی جانب واقع ہے۔ آپ وہاں ہر سال ایک ماہ تک خلوت گزینی اختیار فرماتے تھے۔ آپ ماہِ رمضان میں ایسا کیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ خلوت پسندی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی عظیم قدرت کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لیے تھی۔ آپ کا یہ معمول اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ آپ کے پاس وحی آئی اور آپ پر قرآنِ کریم نازل ہوا۔

ب۔ پند و نصائح

مندرجہ بالا واقعات سے درج ذیل اسباق و نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں :

(۱) جب کوئی داعی الی اللہ یا مصلح اپنی قوم میں شرافت و نجابت کا حامل ہو تو لوگ اس کے پیغام کو بڑے غور سے سُنتے ہیں اور اس کی دعوت میں زیادہ وزن ہوتا ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ اگر داعیان اور مصلحین بلند مرتبہ اور عالی نسب نہ ہوں تو ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور اگر داعی ایسا ہو کہ لوگ اس کی نسبی بزرگی اور خاندانی وجاہت کا انکار

---

[1] کوہِ حرا کو اب جبلِ نور بھی کہتے ہیں۔ وہ غار جس میں آپ خلوت گزینی اختیار فرماتے تھے اس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز تھا۔ (مترجم)

نہ کر سکتے ہوں تو وہ اس کی ذاتی حیثیت کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کی دعوت و پیغام کو غور و خوض سے سننے کے بعد صرف اسی بارے میں افترا پردازی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہِ قسطنطنیہ کی طرف نامۂ مبارک ارسال فرمایا جس میں اسے اور اس کی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو ہرقل نے ابوسفیان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سب سے پہلے آپ کے نسب کے متعلق سوال کیا۔ ابوسفیان جو اس وقت مشرک تھا، نے جواب دیا کہ وہ نسب کے اعتبار سے ہمارے اشراف میں سے ہیں۔ جب ہرقل نے اپنے سوالات ختم کیے اور جوابات سن لیے تو اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابوسفیان سے جو سوالات کیے تھے ان کی وجہ بیان کی۔ ہرقل نے کہا: "میں نے تم سے ان کے خاندان اور نسب کے متعلق سوال کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے شرفا میں سے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جن کو بھی نبی بنایا وہ اپنی قوم کے بزرگ ترین اور نسب کے اعتبار سے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے تاکہ ان کی اطاعت و اقتدا میں کسی کو عار محسوس نہ ہو۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام اعمال کے مقابلے میں شرافتِ نسبی کو کوئی وزن نہیں دیتا لیکن جو شخص شرافتِ نسب اور شرافتِ کردار کا جامع ہو وہ مرتبے کے لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہونے والا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا:

"خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام ان فقھوا۔"

(ترجمہ: تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں ممتاز تھے وہ اگر دین کی سمجھ حاصل کر لیں تو وہ اسلام میں بھی ممتاز ہی رہیں گے)

(۲) جس داعی کے بچپن کا زمانہ حالتِ یتیمی میں گزرا ہو اور اس نے زندگی کی سختیاں جھیلی ہوں وہ انسانیت کی شرافت و اعلیٰ اقدار کے بارے میں حساس ہو جاتا ہے اس کا سینہ یتیموں، محتاجوں اور ستم رسیدہ لوگوں کے لیے محبت و شفقت کے جذبات سے لبریز ہوتا ہے اور وہ ان حرماں نصیب اور پسماندہ طبقوں کے ساتھ زیادہ عدل و انصاف اور احسان و ترحم کا برتاؤ کرتا ہے۔ ہر داعی اس امر کا محتاج ہے کہ وہ انسانیت کی ایسی شریفانہ خصوصیات سے بہرہ مند ہو جن کے ذریعے وہ کمزوروں اور بے کسوں کی تکالیف و مصائب کا ادراک کر سکے اور اگر اسے بذاتِ خود اپنی زندگی میں یتامیٰ، فقرا اور مساکین جیسے حالات سے سابقہ پیش آیا ہو تو یہ تجربہ اس کے لیے بہترین محرک ثابت ہوتا ہے اور وہ ضعیف اور خستہ حال لوگوں کی تکالیف سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے۔

(۳) جو داعی ایسی فضا میں زندگی گزارے جو فطرت سے قریب تر اور تکلفات سے پاک ہو اس کا ذہن زیادہ صاف ہوگا اور وہ روحانی، جسمانی اور عقلی اعتبار سے زیادہ قوی اور حُسنِ گفتار اور غور و فکر کی صلاحیتوں سے مالا مال ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسالتِ اسلام کے مشن کی سرانجام دہی کے لیے عرب کا انتخاب الل ٹپ طریقے سے بلاوجہ نہیں کیا بلکہ اس لیے کیا کہ اہلِ عرب اپنے قرب و جوار کی متمدن قوموں کی بہ نسبت زیادہ سادہ اور صاف دل، سلیم الفکر اور پختہ

اخلاق کے حامل تھے اور اللہ کی دعوت کے سلسلے میں اور چار دانگ عالم میں اس کی رسالت کی نشرواشاعت کے کٹھن کام میں جنگی مہمات وغیرہ کے دوران زیادہ تکلیفیں برداشت کرنے کا دم داعیہ رکھتے تھے۔

(۴) مرکز دعوت لہ، اس کی قیادت کے اہل صرف ذہین و فطین اور نامی گرامی لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ کند ذہن اور نجابتؐ شرافت میں درمیانہ درجے کے لوگ فکری، اصلاحی یا روحانی قیادت کی صلاحیت سے بہرہ یاب نہیں ہوتے، بلکہ وُہ لوگ جو کند ذہن ہوں یا جن کی فکر و رائے اضطراب و بے قاعدگی کا شکار ہو وہ تو زندگی کے متعدد گوشوں میں سے کسی ایک گوشے میں بھی قیادت و سیادت کے مستحق اور اہل قرار نہیں دیئے جا سکتے جب زندگی کے تمام گوشوں کے ہدف اور احوالؐ ظروف باہم مماثل ہیں تو اسی سے مرکز قیادت کے بارے میں قیاس کر لیا جانے۔ اگر مرکز قیادت کسی نااہل کے سپرد ہو تو وہ اسے بہت جلد تنزل کی گہرائیوں تک پہنچا دے گا اور جب اس کی حماقت، بے قاعدگی اور اضطراب فکر کے کارنامے ظاہر ہوں گے تو قوم اس سے کوئی سروکار نہ رکھے گی۔

(۵) داعی کے لیے لازم ہے کہ وُہ اپنی معیشت کے معاملے میں خود کفیل ہو اور اس کا انحصار اپنے ذاتی کاروبار یا ایسی شریفانہ ملازمت پر ہو جس میں اسے دوسروں کا دستِ نگر نہ ہونا پڑے اور ذلت و اہانت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ مخلص اور شریف داعیان بذاتِ خود اس چیز کو ناپسندیدہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے صدقات و عطیات پر گزارہ کریں۔ اگر وہ دُوسروں کے دست نگر ہوں اور سوال کی ذلت میں مبتلا ہوں (خواہ یہ سوال پوشیدہ اور خفی ہی کیوں نہ ہو) تو لوگوں کی نظروں میں ان کی عزت و شرافت جاتی رہے گی۔ جب ہم ایسے آدمی کو دیکھتے ہیں جو دعوت و ارشاد کا مدعی ہو لیکن مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کے اموال لُوٹ رہا ہو تو اس کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود اپنے آپ کو ذلیل و خوار سمجھتا ہے چہ جائیکہ اس کے پڑوسی یا دوسرے لوگ اس کے بارے میں یہ خیال کریں اور جس نے اپنی ذات کے لیے اہانت و رسوائی کو پسند کر لیا ہو وہ دوسروں کو مکارمِ اخلاق کی دعوت دینے، سرکشوں اور مفسدین کا مقابلہ کرنے، شر و فساد سے نبرد آزما ہونے اور اُمتِ مرحومہ میں کرامت و شرافت و استقامت کی روح بیدار کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

(۶) اگر داعی اپنی جوانی میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہو اور حسنِ اخلاق میں پختہ کار ہو اور اس کی دعوت سے قبل کی زندگی لوگوں کی نظروں میں بے داغ ہو تو اس کی دعوت الی اللہ، اصلاح اخلاق اور برائیوں کے خلاف جہاد کی تحریک ضرور کامیابی سے ہمکنار ہو گی۔ ہمارا تجربہ یہ ہے اور ہم نے ایسے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے دعوتِ اصلاح اور بالخصوص اصلاحِ اخلاق کی تحریکیں چلائیں لیکن لوگوں نے ان کے ساتھ تعاون نہ کیا اور اس کی سب سے بڑی وجہ ان داعیان کا گناہوں سے آلودہ ماضی اور غیر مستقیم اخلاق تھا بلکہ یہ معیوب ماضی دعوتِ اصلاح جیسی تحریک کی صداقت کو بھی مشکوک بنا دیتا ہے۔ کیونکہ ایسے داعیان پر یہ تہمت لگائی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اپنی دعوتِ اصلاح کے پردے میں مخصوص اغراض چھپا رکھی ہیں اور ان پر یہ الزام بھی عاید کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے دعوتِ اصلاح کی

تحریک اس وقت شروع کی جبکہ وہ زندگی کی بڑی بڑی لذات وشہوات سے بہرہ اندوز ہو چکے ہیں اور اب وہ اس حالت اور عمر کے اس مرحلے پر پہنچ چکے ہیں جہاں ان کے لیے شہرت وجاہ اور عزت و مال حاصل کرنے کی کوئی امید نہیں رہی۔ اس لیے ایسے لوگوں کی دعوتِ اصلاح میں لوگوں کے لیے کوئی کشش نہیں ہوتی اور اس کی کامیابی مخدوش اور غیر یقینی ہوتی ہے۔

اگر داعی جوان ہو اور استقامت کی صفت سے متصف ہو تو وہ ہمیشہ سرافراز اور شگفتہ جبیں ہوتا ہے اور دشمنانِ تحریک اس کے ماضی قریب یا بعید کی وجہ سے اس کی تشہیر یا اس پر الزام تراشی نہیں کر سکتے اور لوگوں سے اس کا استخفاف نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ صدق و اخلاص کے ساتھ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اس کی حالیہ نیکیوں کے سبب اس کے سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ لیکن جہاں تک دعوتِ اصلاح کا تعلق ہے اس کے لیے ایک ایسا داعی مطلوب ہے جس کی سیرت مستقیم ہو اور وہ اچھی شہرت کا مالک ہو اور صرف اسی صورت میں اس کی دعوت کی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔

(۷) داعی کے سفر کے تجربات، جمہور کے ساتھ اس کی معاشرت، لوگوں کے حالات و واقعات کی پہچان اور ان کی مصائب و مشکلات میں شرکت، یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں دعوت کی کامیابی میں بڑا عمل دخل حاصل ہے۔ وہ لوگ جو صرف اپنی کتابوں اور مقالات کے ذریعے لوگوں سے رابطہ رکھتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم نہیں ہوتے وہ دعوتِ اصلاح میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ لوگ ان کی دعوت پر کان نہیں دھرتے اور لوگوں کے دل و دماغ ان کی دعوت کو قبول نہیں کرتے کیونکہ لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ان کے حالات و مشکلات سے بے خبر ہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دیندار طبقے کی اصلاح کرے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کی مسجدوں، مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہو۔ جو شخص مزدوروں اور کسانوں کی اصلاح کا پروگرام بنائے اس کو چاہیے کہ وہ ان کے دیہات اور کارخانوں میں ان کے ساتھ رہے اور ان کے گھروں میں جا کر ان کی خبر گیری کرے اور اجتماعات میں انہیں خطاب کرے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کے باہمی معاملات کی اصلاح کرے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کے بازاروں، منڈیوں، کارخانوں، مجلسوں اور اجتماعات میں ان کے ساتھ رابطہ رکھے۔ اور جو شخص سیاسی حالات کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے اس کو چاہیے کہ وہ سیاستدانوں سے میل جول رکھے، ان کی تنظیموں کے بارے میں معلومات حاصل کرے، ان کے خطابات میں شمولیت اختیار کرے، ان کے پیروکاروں اور ان کی پارٹیوں اور جتھوں کو تعلیم دے، ان کے طرزِ زندگی، تہذیب وثقافت، تحریکی مقاصد اور نصب العین کا بغور مطالعہ کرے اور معلوم کرے کہ وہ انھیں کس طریقے سے خطاب کرے تاکہ وہ بدکنے نہ پائیں اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اپنی ذاتی اصلاح کس طور پر کرے تاکہ وہ ناراض ہو کر الٹے دور نہ ہو جائیں اور اس کے ساتھ محاذ آرائی پر نہ اتر آئیں۔

اس طرح داعی کے لیے واجب ہے کہ وہ زندگی کے تجربات اور لوگوں کے حالات کی معرفت حاصل کرے

تاکہ وُہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر فی الحقیقت عمل پیرا ہونے کے قابل ہو جائے :

ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة۔ (النحل - ۱۲۵)

(ترجمہ : اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ)

اور یہ قول ماثور کس قدر انوکھا اور جامع ہے :

خاطبوا الناس علیٰ قدر عقولھم ، اترید ون ان یکذب اللہ ورسولہٗ ؟

(ترجمہ : لوگوں کی سمجھ کے مطابق ان سے خطاب کرو ، کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تکذیب کی جائے ؟)

(۸) داعی الی اللہ کے لیے واجب ہے کہ وُہ اپنے مختلف اوقات میں سے کچھ وقت ایسا نکالے جس میں وُہ خلوت گزینی اختیار کرے۔ اس دوران میں وہ اپنی روح کو اللہ جل شانہٗ کے ساتھ متصل کر دے ، اخلاقِ ذمیمہ کی کدورتوں سے اپنے آپ کو پاک وصاف کرے اور اپنے ارد گرد کی مضطرب و بے چین زندگی کے بکھیڑوں سے علیحدگی اختیار کرلے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اس کی نیکی میں کمی واقع ہوگئی ہو یا اپنے نصب العین میں ٹھوکر کھا چکا ہو یا حکمت کے راستے سے ہٹ گیا ہو یا اس سے کسی معاملے میں کسی قسم کی کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو یا وہ لوگوں کے ساتھ جنگ و جدال یا منافست میں اُلجھ گیا ہو تو یہ خلوت کے اوقات اس کو محاسبۂ نفس کی دعوت دیں گے اور اس طرح اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے ذکر سے محبت پیدا ہو گی اور اسے آخرت ، جنت ، دوزخ ، موت اور اس کے گلوگیر پھندے اور آلام یاد آئیں گے اسی لیے نمازِ تہجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرض کی گئی تھی اور دوسروں کے حق میں مستحب قرار دی گئی ہے اس نفل نماز کی ادائیگی کے سب سے زیادہ سزاوار وہ خوش نصیب ہیں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ ، شریعت اور جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ خلوت ، تہجد اور رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے قیام میں ایک خاص لذت جس کا ادراک صرف وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کرامت و شرافت سے نوازا ہو۔ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے :

" تہجد و عبادت میں ہم ایسی لذت حاصل کرتے ہیں کہ اگر اس کا علم بادشاہوں کو ہو جاتا تو وہ اس کے لیے ہمارے ساتھ آمادۂ پیکار ہو جاتے۔"

اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کافی ہے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا :

---

[1] بخاری ، کتاب العلم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : "حدثوا الناس بما یعرفون ، اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ۔

ایک روایت میں خاطبوا کی جگہ تکلموا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

یاایها المزمل ○ قم الیل الا قلیلا ○ نصفهٗ او انقص منه قلیلا ○ او زد علیه ورتل القراٰن ترتیلا ○ انا سنلقی علیك قولاً ثقیلا ○ ان ناشئة الیل هی اشد وطأ و اقوم قیلا ○ (مزمل۔ ۱-۶)

(ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ دراصل رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے)

فصل دوم

آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ بعثت سے ہجرت تک

۱۔ واقعات

اس دوران میں ہمارے لیے مندرجہ ذیل تاریخی واقعات ثابت شدہ ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کی عمر پوری کرلی اور آپ غارِ حرا میں خلوت گزین تھے تو سوموار کے روز یکایک جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا اور اس کے ختم ہونے میں ابھی سترہؐ دن باقی تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متصل سند کے ساتھ آنحضرتؐ پر نزولِ وحی کی کیفیت کے بارے میں حدیث بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ جو خواب بھی آپ دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپ تنہائی پسند ہوگئے اور غارِ حرا میں خلوت گزین ہو کر عبادت کرنے لگے۔ (حضرت عائشہؓ نے تحنث کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی کئی کئی شب و روز تک مسلسل عبادت گزاری

ؐ اولین وحی کب نازل ہوئی اس باب میں اختلاف ہے۔ اہلِ روایت کے بقول تاریخ نزولِ وحی ۷ یا ۱۲ یا ۱۷ یا ۱۸ یا ۱۹ یا ۲۴ رمضان بیان کی جاتی ہے لیکن قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

انّا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر۔

(ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا)

اور اکثر علماء امت کی یہ رائے ہے کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں کوئی ایک طاق رات شب قدر ہے بلکہ ان میں سے زیادہ اہلِ علم ستائیسویں رات کو شب قدر کہتے ہیں۔

کے ہیں) آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جاکر وہاں چند روز گزارتے، پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور وہ مزید چند روز کے لیے سامان مہیا کر دیتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے پاس امرِ حق آگیا اور اس وقت آپ غارِ حرا میں تھے۔ فرشتے نے دور رو آپؐ کے سامنے آکر آپ سے کہا: "پڑھو"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہُوں۔ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھو"۔ میں نے کہا: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ اس نے دوبارہ مجھے بھینچا اور میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھو"۔ میں نے پھر کہا: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ اس نے تیسری مرتبہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ و ربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم یعلم۔ (العلق ۱ - ۵)

(ترجمہ: پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانپتے لرزتے ہوئے وہاں سے واپس آگئے اور خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس پہنچ کر کہا:

"مجھے اُڑھاؤ، مجھے اُڑھاؤ۔"

چنانچہ آپؐ کو اُڑھا دیا گیا۔ جب آپ پر سے خوف زدگی کی کیفیت دُور ہوگئی تو آپ نے فرمایا:

"اے خدیجہ! یہ مجھے کیا ہوگیا ہے۔"

پھر آپ نے سارا قصہ ان کو سنایا اور کہا: "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔"

خدیجہ نے کہا: "ہرگز نہیں، خدا کی قسم، آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رُسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور اصل مصیبت زدگان کی امداد کرتے ہیں۔"

پھر وہ حضورؐ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں جو خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہوگئے تھے۔ عربی اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا: "بھائی جان! ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ سُنیے۔"

ورقہ نے حضورؐ سے کہا: "بھتیجے! تم کو کیا نظر آیا؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہی ناموسِ (عالمِ بالا سے وحی

لانے والا جبریل فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں آپ کے زمانۂ نبوت میں قوی اور جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟"

ورقہ نے کہا، "ہاں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپؐ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا۔" مگر زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ ورقہ کا انتقال ہوگیا۔

ابن ہشام نے ابن اسحاق سے یہ روایت نقل کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں سوئے ہوئے تھے۔ اسی حالتِ خواب میں جبریلؑ نے آکر ایک ریشمی کپڑے میں لکھی ہوئی تحریر آپ کو دکھائی اور کہا: اقرا ... الخ (پڑھو ... الخ)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اس تحریر کو پڑھا۔ فرشتہ چلا گیا اور جب میں نیند سے بیدار ہوا تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ تحریر میرے سینے میں لکھی ہوئی ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: "میں غار سے نکلا اور پہاڑ کے وسطی حصے میں آگیا، وہاں اچانک آسمان کی جانب سے ایک آواز میرے کانوں میں سنائی دی جو یہ تھی: "اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے دیکھنے کے لیے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ جبرائیلؑ ایک انسان کی شکل میں نمودار ہے اس کے دونوں پاؤں اکٹھے آسمان کے افق پر ہیں اور وہ کہہ رہا ہے:

"اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے اس کی طرف دیکھنے کے لیے توقف اختیار کیا اور اپنے مقام سے آگے پیچھے نہ ہوا۔ بعد ازاں آفاقِ آسمانی میں اس کی طرف سے میں اپنا رُخ پھیرتا رہا لیکن جس طرف بھی رُخ کرتا جبریل کو اسی طرف اسی شکل و صورت میں موجود پاتا۔ چنانچہ میں اسی حالت میں کھڑا رہا نہ آگے جاتا نہ پیچھے پلٹتا یہاں تک کہ خدیجہؓ نے میری تلاش میں اپنے آدمی بھیج دئے ...... الخ

(۲) سب سے پہلی ایمان لانے والی اور اسلام میں داخل ہونے والی آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ تھیں، ان کے بعد آپؐ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ ایمان لائے، جن کی عمر اس وقت دس سال کی تھی۔ پھر آپ کے آزاد کردہ حضرت زیدؓ بن حارثہ (مولیٰ) ایمان لائے اور بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے[1] غلاموں میں

---

[1] یہ بات متفق علیہ ہے کہ سب سے پہلی مسلمان خاتون حضرت خدیجہؓ تھیں۔ اس کے بعد اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ میں سے کون سب سے پہلے اسلام لایا۔ بہرحال یہ بالاتفاق تسلیم کیا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد اولیں اسلام لانے والے یہی تین حضرات تھے۔ (بحوالہ سیرت سرورِ عالمؐ، ج ۲، ص ۱۴۲)م

سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت بلالؓ بن ابی رباح حبشی تھے۔ اس طرح حضرت خدیجہؓ علی الاطلاق سب سے پہلی ایمان لانے والی خاتون ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ سوموار کو دن کے آخری حصے میں نماز پڑھی اور یہ آپ کی نماز کا پہلا روز تھا۔ اس وقت صرف دو نمازیں فجر و عصر کی فرض ہوئی تھیں جن میں دو دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔

(۳) بعدازاں ایک مدت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول بند رہا۔ اس مدت کے تعین کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ یہ وقفہ زیادہ سے زیادہ تین سال اور کم از کم چھ مہینے تھا، اور یہ آخری روایت ہی صحیح ہے۔ نزولِ وحی کی بندش کا زمانہ آپ پر بہت شاق گزرا اور آپ پر اس قدر شدید غم کی کیفیت طاری رہی کہ بعض اوقات آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے تھے کیونکہ آپؐ کو یہ شبہ گزرتا ہو گا کہ شرفِ رسالت کے لیے منتخب کیے جانے کے بعد کہیں اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہو۔ پھر اس کے بعد نزولِ وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک روز میں راستے سے گزر رہا تھا کہ یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے میں اسے دیکھ کر سخت دہشت زدہ ہو گیا اور گھر پہنچ کر میں نے کہا: "مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ۔" چنانچہ گھر والوں نے مجھ پر لحاف (یا کمبل) اڑھا دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی: "یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ... تا ... وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ"[۱] پھر لگاتار وحی کا نزول شروع ہو گیا۔

(۴) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری قوت اور حکمت کے ساتھ تین سال تک اسلام کی دعوت پیش کی یہاں تک کہ ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی مسلمان ہو گئی جو صحیح الفکر اور سلیم الفطرت تھے۔[۲]

(۵) جب اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد تقریباً تیس ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا

---

[۱] ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اُٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دُور رہو۔

[۲] ابتدائی تین سال تک آنحضرتؐ خفیہ طور پر تبلیغ کرتے رہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی تحقیق کے مطابق اس سہ سالہ دور میں ۱۲۴ اشخاص نے اسلام قبول کیا جن کے اسمائے گرامی سیرتِ سرورِ عالمؐ جلد دوم کے صفحات ۱۵۵ تا ۱۶۲ پر درج ہیں۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ کی تین صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمِ کلثوم بھی اپنی ماں حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ایمان لائی تھیں۔ اور اگر حضرت ام الفضلؓ زوجہ حضرت عباسؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کو بھی قدیم الاسلام تسلیم کیا جائے تو ان لوگوں کی کل تعداد ۱۲۹ بن جاتی ہے۔

(مترجم)

ہ دعوت کی تبلیغ کھلے بندوں کریں جیساکہ سورہ الحجر کی آیت ۹۴ میں فرمایا گیا:

فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین۔

(ترجمہ: پس اے نبی! جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو)

(۶) جب آپ نے علانیہ دعوتِ عام شروع کی تو کفار کی مخالفت زور پکڑ گئی اور انہوں نے نئے نئے ایمان نے والوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی کا تختۂ مشق بنایا۔ مشرکین کو یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بودے عقاید و مراسم کا قلع قمع کر دیں گے اور ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی ہ دہ چاک کر دیں گے کیونکہ وہ ایک ایسے دین کا پرچار کر رہے ہیں جو صرف ایک خدا کی طرف دعوت دیتا ہے اور ، کی صفت یہ ہے کہ آنکھیں اور نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین ، باخبر ہے۔

(۷) اس دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ارقم بن ابی ارقم جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے ان کے ن کو مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مسلمانوں کو قرآن کریم نازل شدہ آیات سناتے اور دین کے ان احکام و قوانین کی تعلیم دیتے جو وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہتے۔

(۸) اس مرحلے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ پ کوہِ صفا پر کھڑے ہوئے اور قریش کے ایک ایک قبیلے اور خاندان کا نام لے لے کر آپ نے آواز دی اور نہیں اسلام قبول کرنے اور بتوں کی عبادت چھوڑ دینے کی دعوت دی، جنت کی رغبت دلائی اور دوزخ سے ڈرایا۔ س پر آپ کے چچا ابولہب نے آپ کو کہا:

ستیاناس جائے تیرا، کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا!

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو روکنے کے لیے قریش نے پے در پے آپ کے چچا ابو طالب کے پاس فد بھیج کر ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ ان کی حمایت چھوڑ دیں اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کے سپرد کر دیں تاکہ وہ ان سے نمٹ لیں۔ لیکن آپ کے چچا آپ کی حمایت سے دست بردار نہ ہوئے۔ ایسے ہی ب وفد کے چلے جانے کے بعد انہوں نے آنحضرتؐ کو بلایا اور مشورہ دیا کہ دعوت کے کام میں ذرا تخفیف کر دی جائے له قریش کو آپ کا مشن ناگوار نہ ہو۔ چچا ابو طالب کی یہ بات سن کر آنحضرتؐ نے یہ گمان کیا کہ چچا کے لیے اب میری یت کرنا مشکل ہو گیا ہے اور وہ اس سے دست کش ہونے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دینے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ س وقت آنحضرتؐ نے اپنا وہ مشہور جواب ارشاد فرمایا:

خدا کی قسم، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں یہ

کام نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ اسے کامیاب کر دے یا میں اس راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔"

(۱۰) اس کے بعد مشرکین کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعذیب شدت اختیار کر گئی اور انہوں نے مسلمانوں کو دین سے ہٹانے کے لیے بے رحمی، درندہ طبعی اور سفاکی کا بے پناہ مظاہرہ کیا اور ظلم و ستم کے عبرتناک کارنامے سرانجام دیے خاص طور پر بے کس، غریب مسلمانوں اور غلاموں اور کنیزوں کی تو شامت آ گئی۔ مثلاً حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابو جہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور وہ ہلاک ہو گئیں، اور حضرت زنیرہؓ (کنیز) کو ابو جہل نے اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

(۱۱) جب قریش نے دیکھا کہ ایذا رسانی کی شدت بھی مومنین کے پائے استقلال میں لغزش پیدا کرنے اور ان کو اپنے عقیدے سے ہٹانے میں ناکام ہو چکی ہے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی کوشش کی، اور یہ پیشکش کی کہ اگر آپ کو مال و دولت مطلوب ہو تو آپ جتنا مال لینا چاہیں لے لیں اور اگر بادشاہ بننا مقصود ہو تو وہ آپ کو بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

(۱۲) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش کی ایذا رسانی کا سلسلہ طول پکڑتا جا رہا ہے اور ان کی ستم رانی صحابہ کرام کے لیے ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "اچھا ہو کہ تم لوگ یہاں سے نکل حبش چلے جاؤ، وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ وہیں ٹھہرے رہو۔" اس ارشاد کے مطابق سرزمینِ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت ہوئی جس میں ۱۲ مردوں اور ۴ خواتین نے حبش کی راہ لی۔ جب انہیں حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے اور غلبۂ اسلام کی خبر پہنچی تو وہ مکہ میں واپس آ گئے لیکن یہاں زیادہ دیر قیام نہ کیا بلکہ دوبارہ حبش چلے گئے اور ان کے ہمراہ اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ یہ دوسری ہجرتِ حبشہ ہے جس میں مہاجرین کی تعداد ۸۳ مردوں اور ۱۱ خواتین تک پہنچ گئی۔

(۱۳) مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا مقاطعہ باقی سب خاندانوں سے کرا لیا کہ ان کے ساتھ خرید و فروخت، شادی بیاہ اور میل جول کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا اور نہ ہی ان سے کبھی صلح کی جائے گی یہ مقاطعہ دو تین سال تک رہا۔ (اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور رہے) اور آپؐ کو اور آپ کے ہمراہیوں کو سخت تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ بالآخر قریش کے کچھ عقلمند لوگوں کی مساعی سے اس مقاطعہ کا خاتمہ ہوا۔

ب- پند و نصائح

(۱) یہ حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دعوتِ خیر و اصلاح کی توفیق دیتے ہیں تو اس کے

دل میں معاشرے میں پھیلی ہوئی گمراہی اور بگاڑ کے خلاف کراہت و ناپسندیدگی کے جذبات پیدا کر دیتے ہیں۔

(۲) غارِ حرا میں فرشتے کی آمد سے پہلے تک حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات سے خالی الذہن تھے کہ آپ کو شرفِ نبوت سے نوازا جائے گا۔ اس چیز کا طلبگار ہونا تو درکنار آپ کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ کوئی ایسا معاملہ آپ کے ساتھ پیش آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں خلوت گزینی کے لیے جو جذبہ بیدار کیا وہ تو صرف عبادت گزاری کے لیے تھا تاکہ اس طریقے سے آپ کی تطہیر ہو اور روحانی طور پر آپ میں رسالت کا بارِ گراں اٹھانے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اگر آنحضرت شرفِ نبوت سے نوازے جانے کے امیدوار ہوتے تو آپ نزولِ وحی سے کبھی خوف زدہ نہ ہوتے اور نہ ہی غارِ حرا میں پیش آنے والے واقعہ کے بعد حضرت خدیجہؓ کے پاس کانپتے ہوئے آکر استفسار کرتے۔ آپ کو اپنی رسالت کے بارے میں پختہ یقین اس وقت ہوا جب آپؐ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا:

"اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔"

مزید برآں ورقہ بن نوفل نے بھی آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ کے روبرو اس امر کی تصدیق کر دی کہ جو کچھ آپ نے غار میں دیکھا ہے یہ وہی ناموس (عالمِ بالا سے وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا تھا۔

(۳) جب دعوتِ اصلاح اور جمہور کے اعتقادات و افکار میں ہم آہنگی نہ ہو تو داعی کو چاہیے کہ وہ اس وقت تک علانیہ دعوت کا کام نہ کرے جب تک کہ اس دعوت پر ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ایمان نہ لے آئے جو اس کے راستے میں ہر قسم کے مخالف و موافق حالات میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے آمادہ ہو۔ چنانچہ اگر داعی پر کوئی افتاد پڑے اور اسے ایذا رسانی کا ہدف بنایا جائے تو اس کی دعوت پر ایمان لانے والے اس کے پیروکار اشاعت دعوت کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔ صرف اسی صورت میں دعوت کی لگاتار اشاعت کی ضمانت حاصل ہو سکتی ہے۔

(۴) یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ عرب کو یکایک وہ پیغام دیا جو ان کے نظریات و ایمانیات کے خلاف تھا۔ انہوں نے آپ کی دعوت کا انکار شدومد سے کیا اور ان کی تمامتر خواہش و کوشش یہ تھی کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کو ہلاک کر دیا جائے۔ دورِ حاضر کے بعض داعیان قومیت کے زعمِ باطل کا رد اس واقعہ میں موجود ہے۔ ان داعیانِ قومیت کا گمان یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تحریکِ رسالت اس وقت کے اہلِ عرب کی خواہشات اور نصب العین کے مطابق تھی۔ یہ ایک مضحکہ خیز گمان ہے جس کی تردید تاریخی واقعات سے ہوتی ہے۔ اور اس قسم کے داعیان اس طرح کی باتیں دعوائے قومیت کے بارے میں اپنے غلو کی بنا پر کرتے ہیں اور وہ اسلام کو ایک ایسا نظامِ زندگی قرار دیتے ہیں جس کا دھارا اہلِ عرب کی قومیت اور ان کے افکار سے پھوٹا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا برملا انکار ہے اور رسالتِ اسلام کی عظیم توہین ہے۔

(۵) اگر اشرار اور گمراہ لوگ مومنین کو ہر طرح کے جور و ستم کا نشانہ بنائیں اور مومنین اس کے باوجود اپنے عقیدے اور نصب العین پر ثابت قدم رہیں تو یہ ان کے حق میں صدقِ ایمان، اخلاصِ عقیدہ اور ذاتی و روحانی بلندی کی بیّن

دلیل ہے۔ انھیں اپنے لائحۂ عمل میں ضمیر کی راحت اور روحانی و فکری اطمینان حاصل ہوتا ہے اور وہ کفار کی ایذا رسانی اور ظلم و تعدی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے ہیں۔

سچے اور پختہ کار مومنین اور اخلاص پیشہ داعیان کی تمام تر لگن اور دائمی تگ و دو تن پروری کی بجائے اپنی روحانی آسودگی کے لیے ہوتی ہے وہ ہمیشہ اپنے روحانی جذبات کی تسکین میں کوشاں رہتے ہیں اور اپنی جسمانی داعیات و شہوات مثلاً حصولِ راحت و لذت اور شکم سیری کی چنداں فکر نہیں کرتے۔ اسی لیے ان کی دعوتِ اصلاح کو فروغ نصیب ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے جمہور تاریکیوں اور جہالتوں سے نجات حاصل کرتے ہیں۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے مشورۂ تخفیفِ دعوت کا جو جواب دیا اور کفارِ قریش کی طرف سے بادشاہت اور مال و دولت کی پیشکش کو جس طرح رد کر دیا یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ آپ اپنے دعوائے رسالت میں کس قدر سچے ہیں اور لوگوں کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو کس درجہ مرغوب و مطلوب ہے۔ اسی طرح ایک داعی کو چاہیے کہ وُہ اپنی دعوت میں پختہ کار اور مستقیم ہو اور اگر اہلِ باطل اس کو جاہ و منصب کا لالچ دے کر راہِ راست سے ہٹانے کی کوشش کریں تو اسے ایسی پیشکش کو ٹھکرا دینا چاہیے۔ مومنین کو راہِ حق میں جو تکالیف پہنچتی ہیں وہ ان کے ضمیر اور قلب و نظر کے لیے راحت کا سامان مہیا کرتی ہیں اور ان کے نزدیک دُنیا کے مناصب و درجات اور مال و منال سے کہیں زیادہ مرغوب و عزیز اور قیمتی متاع اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت کا حصول ہے۔

(۷) داعی کو چاہیے کہ وہ ہر روز یا ہر ہفتے وقفوں وقفوں سے اپنے رفقا کے اجتماعات منعقد کرتا رہے اور انہیں دعوت کے طریق کار اور اس کے اسالیب و آداب کی تعلیم دیتا رہے تاکہ انہیں ایمان و یقین میں زیادتی حاصل ہو اگر علانیہ اجتماعاتِ عام میں داعی کو اپنی جان اور اپنے رفقا کی ہلاکت کا خطرہ محسوس ہو تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ خفیہ طور پر خصوصی اجتماعات منعقد کرے تاکہ اہلِ باطل ان کے برخلاف کوئی سازش یا منصوبہ تیار کر کے انہیں جور و ستم کا ہدف نہ بنا سکیں اور ان کی ہلاکت کا اقدام نہ کر سکیں۔

(۸) داعی کے لیے واجب ہے کہ وُہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے بھی دعوتِ اصلاح کی تبلیغ کا اہتمام کرے اور اگر وہ اس سے مُنہ موڑ جائیں اور گمراہی اور بگاڑ کی روش پر قایم رہیں تو وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے سامنے معذرت پیش کر سکے۔

(۹) اگر داعی کو محسوس ہو کہ کفار کی فتنہ پردازی کے باعث اس کی جماعت کے لوگوں کی زندگیاں اور اعتقادات خطرے کا شکار ہیں تو اسے چاہیے کہ وُہ ان کے لیے ایسا مامن تلاش کرے جہاں وہ اہلِ باطل کی سرکشی اور ظلم و زیادتی سے امان حاصل کر سکیں۔ اور یہ چیز داعیان کے جذبۂ قربانی کے منافی نہیں ہے۔ اگر داعیان کی افرادی قوت کم ہو تو اہلِ باطل ان کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی تحریک کو کچل سکتے ہیں اس لیے داعیان کو چاہیے کہ وُہ ایسے ناسازگار حالات میں اپنی دعوت اور وجود کو بچا کر کسی دارالامان کی طرف نکل جائیں تاکہ ان کی دعوت کو استمرار اور نشر و اشاعت

کی ضمانت حاصل ہو جائے۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو حبش کی طرف دو مرتبہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلافِ مذاہب کے باوجود دینداروں کے مابین دینی رابطہ بت پرستوں اور ملحدوں کے ساتھ رابطہ کی بہ نسبت زیادہ مضبوط اور قابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ آسمانی ادیان جس طرح اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور یوم آخر پر ایمان لانے کے بارے میں باہم متفق ہیں اسی طرح وہ اجتماعیت کبریٰ کے نصب العین کے ماخذ اور اصولِ صحیحہ کے بارے میں بھی باہم ملتے جلتے ہیں اس لیے ان کے درمیان قرابت کی بنیادیں زیادہ قابلِ اعتماد اور پختہ ہیں۔ اس کے برعکس الحاد، بت پرستی اور شرائع الٰہیہ سے انکار کے ساتھ رنگ و نسل اور زبان و وطن کے اشتراک کی بنیاد غیر پختہ اور ناقابلِ اعتماد ہے۔

(۱۱) اہلِ باطل کا معمول ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ اہلِ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر دعوتِ حق کا مقابلہ کرنے اور اسے کچلنے کے لیے ایک ذریعہ ناکارہ ثابت ہو جاتا ہے تو وہ دیگر ذرائع و وسائل مہیا کر لیتے ہیں اور حق و باطل کی یہ کشمکش مسلسل جاری رہتی ہے جب تک کہ حق پوری طرح کامیابی سے ہمکنار نہ ہو جائے اور باطل پوری طرح نیست و نابود نہ ہو جائے۔

فصلِ سوم

ہجرتِ حبشہ سے ہجرتِ مدینہ تک

۱۔ تاریخی واقعات

اس وقفہ کے دوران میں مندرجہ ذیل واقعات پیش آئے :

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابُو طالب بعثت کے دسویں سال وفات پا گئے۔ وہ اپنی زندگی بھر کفار کے مقابلے میں اپنے بھتیجے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت وحمایت کرتے رہے۔ جب تک وہ زندہ رہے ان کی ہیبت واحترام کی وجہ سے کفارِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے۔ ابو طالب کے انتقال کے بعد قریش کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ آنحضرتؐ کو شدید ایذا رسانی کا نشانہ بنا سکیں۔ اس لیے چچا کی وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتہائی رنج وملال کا باعث ثابت ہوئی۔ جب ابو طالب کی موت کا وقت قریب آیا اور وُہ بسترِ مرگ پہ تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ وہ کلمۂ اسلام کہیں، لیکن انہوں نے اس خوف کی وجہ سے کلمہ کہنے سے انکار کر دیا کہ کہیں ان کی قوم انہیں رُسوا نہ کرے۔

(۲) حضرت خدیجہؓ نے بھی اسی سال وفات پائی۔ دشمنانِ قریش کی طرف سے جو غم وآلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتے تھے حضرت خدیجہؓ کی رفاقت ان کو ہلکا کر دیتی تھی۔ ایسی رفیقۂ حیات کی وفات سے آنحضرتؐ کو شدید صدمہ ہوا۔ چونکہ اس سال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار چچا اور غمگسار بیوی دونوں انتقال کر گئے اس لیے آپ نے اس سال کو عام الحزن (یعنی سالِ غم) کا نام دیا۔

(۳) چچا اور بیوی کی وفات کے بعد جب قریش کی ریشہ دوانی اور ستم رانی شدت اختیار کر گئی تو آپ نے اس خیال سے طائف کا رُخ کیا کہ شاید وہاں آپ کی دعوت کو قبیلہ بنی ثقیف کی طرف سے حُسنِ قبول اور نصرت حاصل ہو۔[1] لیکن نہ صرف

---

[1] اس امر میں اختلاف ہے کہ آپ نے طائف میں کتنا عرصہ قیام فرمایا۔ اختلافِ روایت کی بناء پر آپ وہاں دس دن یا بیس دن ٹھہرے۔ اور ایک روایت میں طائف کے قیام کی مدت ایک مہینہ بتائی گئی ہے۔ (مترجم)

یہ کہ طائف میں آپ کی دعوت کو پذیرائی نصیب نہ ہوئی بلکہ اہلِ طائف نے آپ کے ساتھ غیر شریفانہ سلوک کیا۔ انہوں نے اپنے لڑکے بالوں کو آنحضرتؐ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے آپؐ پر سنگباری کی اور آنحضرتؐ کے دونوں مبارک قدموں سے خون بہنے لگا۔ آپؐ نے طائف کے باغوں میں سے ایک باغ میں پناہ حاصل کی اور اس عجز و انکسار کی حالت میں اپنے اللہ کی طرف رجوع کیا اور گڑگڑا کر یہ رقت انگیز دعا مانگی:

"الٰہی! میں تیرے ہی حضور اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی توہین کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تُو سارے ہی کمزوروں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تُو ہی ہے۔ تُو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے سپرد، جو مجھ سے درشتی کا برتاؤ کرے؟ یا کسی دشمن کے سپرد جو مجھ پر قابو پالینے کی طاقت رکھتا ہے؟ اگر تُو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے ان مصائب کی کچھ پروا نہیں۔ اگر تیری طرف سے مجھے آسودگی نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشائش ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جس سے اندھیروں میں اجالا ہوتا ہے اور دنیا و آخرت کے معاملات درست ہو جاتے ہیں، مجھے اس سے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پہ نازل ہو یا تیری ناراضامندی مجھ پر وارد ہو۔ میں تیری رضا پر راضی ہوں یہاں تک کہ تُو مجھ سے راضی ہو جائے اور بدی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی توفیق مجھے تیری ہی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔"

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے اور بنی ثقیف میں سے کسی نے بھی آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا ماسوائے "عداس" کے جو عتبہ اور شیبہ فرزندانِ ربیعہ کا عیسائی ملازم تھا۔ ایک روز بنی ثقیف کے اوباشوں نے آپ کا گھیراؤ کیا اور آپ کو اس حد تک تنگ کیا کہ آپؐ ایک باغ کے احاطے میں جانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ باغ عتبہ اور شیبہ پسرانِ ربیعہ کا تھا۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ کو اس عاجزی و درماندگی کی حالت میں دیکھا تو انہوں نے غلام کو کہا کہ انگوروں کا ایک خوشہ اس شخص کو دے آؤ۔ جب غلام نے انگور آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیے تو آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر انگور کھانا شروع کیے۔ اس چیز نے عداس کو آپؐ کی طرف مائل کر دیا کیونکہ وہاں تو کوئی بھی یہ کلمہ کہنے والا نہیں تھا۔ اس کے بعد عداس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت ہوئی اور وہ مسلمان ہو گیا۔

(۵) معجزۂ اسراء[1] و معراج[2] وقوع پذیر ہوا۔ یہ واقعہ کب پیش آیا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں اور مؤکد قول یہ ہے کہ یہ ہجرتِ مدینہ سے قبل ۱۲ھ بعد بعثت کا واقعہ ہے۔ جمہور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اسراء و معراج دونوں واقعات ایک ساتھ پیش آئے تھے۔ ایک ہی رات میں آپ کو جسم و روح کے ساتھ بیداری کی حالت

لہ اسراء سے مراد، رات کے وقت آپؐ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جانا ہے۔ (مترجم)

ٹہ معراج سے مراد ہے آپؐ کا مسجدِ اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا۔ (مترجم)

میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی تک لے جایا گیا پھر آپ عالمِ بالا کی انتہائی بلندیوں سے گزرتے ہُوئے بارگاہِ ربّ العزت میں پہنچے اور پھر اسی رات صبح ہونے سے قبل مکّہ مکرمہ اپنے گھر میں واپس بھی تشریف لے آئے۔ آپؐ نے قریش کو اس معجزہ کی روداد سُنائی تو انہوں نے آپ کا استہزا کیا اور مذاق اڑایا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اور دیگر راسخ الایمان مسلمانوں نے آپؐ کی تصدیق کی۔

(۶) اسی شبِ معراج میں ہر عاقل بالغ مسلمان پر پنجوقتہ نماز فرض کی گئی۔

۷۔ **انصار کے اسلام کی ابتدا۔** ۱۱ھ بعد بعثت نئے موسم حج میں آنحضرتؐ اپنے قاعدے اور سالانہ معمول کے مطابق ہر قبیلے کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے اور انہیں بتوں کی عبادت ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اسی اثنا میں پھرتے پھراتے آپ اس عقبہ (گھاٹی) کے قریب پہنچے جو منٰی کے علاقے میں مکّے کے راستے پر واقع ہے جس کے قریب رمی جمار کی جاتی ہے وہاں قبیلہ اوس وخزرج کے ایک گروہ سے آپؐ کی ملاقات ہُوئی۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی وہ اسلام لے آئے ان کی تعداد سات[1] تھی۔ جب وہ مدینہ کی طرف واپس گئے تو انہوں نے اپنی قوم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی اس ملاقات اور دینِ اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا۔ اس طرح وہاں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔

۸۔ **پہلی بیعتِ عقبہ** آئندہ سال یعنی ۱۲ھ بعد بعثت کے زمانہ حج میں انصار کے ۱۲ افراد نے اسی عقبہ کے مقام پر[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات حاصل کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب وہ واپس گئے تو آنحضرتؐ نے ان کے ہمراہ مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ مسلمانوں کو قرآنِ کریم پڑھائیں اور انہیں اسلام کی تعلیم دیں۔ اس طرح مدینہ منوّرہ میں اسلام کی نشرواشاعت وسیع پیمانے پر ہوگئی۔

۹۔ **دوسری[2] بیعتِ عقبہ** تیسرے سال یعنی ۱۳ھ بعد بعثت انصار مدینہ کی ایک جماعت موسم حج میں مکہ مکرمہ آئی اور انہوں نے خفیہ طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بمقام عقبہ ملاقات کی۔ یہ جماعت ستّر[3] مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تائید اور اس بات پر بیعت کی کہ وہ آپ کی ہر اس

---

[1] بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد چھ تھی اور یہ سب کے سب قبیلہ خزرج کے تھے۔ اور کچھ دیگر روایات میں ہے کہ یہ آٹھ آدمی تھے۔ (مترجم)

[2] بعض مورخین نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کا نام پہلی بیعت عقبہ رکھا ہے اور انہوں نے ۱۲ افراد والی بیعت کو دوسری بیعت عقبہ اور ۷۲ آدمیوں والی بیعت کو تیسری بیعت عقبہ کے عنوان سے معنون کیا ہے۔ (مترجم)

[3] ایک روایت کے مطابق اس بیعت میں دو عورتیں اور ۷۳ مرد شامل تھے جن میں سے ۱۱ قبیلہ اوس کے تھے اور ۶۲ قبیلہ خزرج کے۔ (مترجم)

چیز سے حفاظت کریں گے جس سے وُہ خود اپنی عورتوں اور اولاد کی کرتے ہیں۔ پھر نبی صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ۱۲ نقیب منتخب کیے جو اپنے اپنے قبیلے کے ذمہ دار بنائے گئے۔ اس کے بعد وُہ مدینہ واپس چلے گئے۔

ب۔ پند و نصائح

(۱) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ داعی کی حمایت اس کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار کرتا ہے جو اس کی دعوت پر ایمان نہیں لاتا بلکہ صرف قرابت کی عصبیت کے باعث وُہ ایسا کرتا ہے۔ وُہ اشرار کو داعی کے خلاف ظلم و عدوان روا رکھنے سے روکتا ہے اور اس طرح دعوت کو فائدہ پہنچتا ہے جب کہ وُہ ابھی کمزور حالت میں ہو۔ اگر داعی اپنے قبیلے اور خاندان کی برائیوں میں ان کا شریک کار نہ ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وُہ اپنے قبیلے اور خاندان کی عصبیت کا فائدہ اپنی ذات اور دعوت کےلیے حاصل کرے۔

۲۔ ایک نیکوکار بیوی اگر اپنے داعی خاوند کی دعوت پر ایمان رکھتی ہو اور اس کے دُکھ درد میں برابر کی شریک ہو تو وُہ اپنے خاوند کی بیشتر صعوبتیں نرم کر دیتی ہے اور اس کے رنج و غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسے اپنی دعوت کے سلسلے میں استقامت اور ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ایک غمگسار بیوی کا دعوت کی کامیابی و کامرانی میں نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ ایک ایمان دار اور وفاشعار بیوی جو اپنے خاوند کی دعوتِ خیر کی کامیابی، اس کی ثابت قدمی اور دعوت کےلیے پیہم جدوجُہد میں اچھا کردار ادا کرنا چاہے اس کے لیے آنحضرتؐ کے ساتھ سیدہ خدیجہؓ کا حُسنِ سلوک ایک اعلیٰ نظیر اور بہترین نمونۂ عمل ہے۔ اور معرکہ اصلاح کی سرگرمیوں کے دوران میں ایسی رفیقۂ حیات کا فقدان داعی خاوند کے لیے حُزن و یاس کا باعث اور بہت بڑا نقصان ہے۔

(۳) دعوتِ حق کے کسی غیر مومن حامی رشتہ دار کی وفات پر غمزدہ ہونا ایک مخلص داعی کے لیے قدرتی امر ہے۔ اسی طرح ایک مومن و مخلص رفیقۂ حیات جو دعوت کے لیے ہر طرح کی قربانیاں کرتی ہو اور ہر قسم کے حالات میں دعوت کی نُصرت و تائید پر کمربستہ رہتی ہو۔ ایسے مثالی کردار کی حامل بیوی کی موت کا صدمہ بھی قدرتی ہے اور داعی کے اخلاص و وفاکیشی کا مظہر ہے۔ جب ابو طالب فوت ہُوئے تو اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور آپ کی مغفرت فرمائے۔ میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا کرنے سے منع نہ کر دے۔"

دُوسرے مسلمان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں اپنے مشرک مردہ رشتہ داروں کے لیے مغفرت کی دُعا کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ حکم نازل ہُوا:

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربٰی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم۔ (التوبہ۔ ۱۱۳)

(ترجمہ: نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دُعا کریں، چاہے وُہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وُہ جہنم کے مستحق ہیں)

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے لیے مغفرت کی دُعا ترک کر دی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے اپنے مشرک مردہ رشتہ داروں کے لیے دُعا مانگنے سے اجتناب کی روش اختیار کر لی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی بھر حضرت خدیجہؓ کی فضیلت و شرافت کا ذکر کرتے رہے ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہے۔ ان کی سہیلیوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتے رہے اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ان کی اس قدر تعریف فرماتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت خدیجہؓ پر رشک آتا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی پر مجھے اتنا رشک نہیں آتا تھا جس قدر رشک کہ مجھے حضرت خدیجہؓ پر آتا تھا حالانکہ میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر بکثرت فرمایا کرتے تھے۔ آپ جب کبھی کوئی بکری ذبح کرتے اور اس کے ٹکڑے کرتے تو انہیں حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ہاں بھجواتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے یہ کہنے کی جسارت کی (کہ آپؐ تو خدیجہؓ کی اس طرح تعریف کرتے ہیں) گویا ان کے سوا دنیا میں کوئی اور عورت ہی نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! وہ ایسی اور ایسی تھی اور اس کے بطن سے میرے ہاں اولاد بھی ہوئی۔"

(۴) جب اہلِ مکہ نے آنحضرتؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور آپؐ نے طائف کا رُخ کیا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کی پیہم تبلیغ کے لیے عزمِ صمیم کے حامل تھے اور اس سلسلے میں کبھی ناامیدی کا شکار نہ ہوئے۔ اگر ایک مقام پر آپؐ کی دعوت کے آگے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں تو آپ اس کے لیے نئے نئے میدانوں کی تلاش و جستجو کے لیے نکلتے رہے۔ طائف کے بنی ثقیف نے اپنے لڑکے بالوں اور بیوقوفوں کو ورغلا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شر پسندی کی طبعی خاصیت اور اس کے طور طریقے ہر جگہ یکساں ہوتے ہیں یعنی یہ کہ بیوقوفوں کو داعیانِ خیر و صلاح کی ایذا رسانی کے لیے اکسانا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے خُون بہنا، ایک داعی حق کے ظلم و ستم برداشت کرنے کی بہت بڑی مثال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے ایک باغ میں جو دعا فرمائی وہ ایک ابدی دعا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص اور مصائب کے علی الرغم دعوت کے مسلسل جاری رکھنے کا عزم صمیم نمایاں نظر آتا ہے۔ دعا کا یہ فقرہ کہ "اگر تُو مجھ پر ناراض نہیں ہے تو مجھے کچھ پروا نہیں" ظاہر کرتا ہے کہ یہ دُعا صرف خدائے واحد و یکتا کی رضا جوئی کے لیے تھی نہ کہ بڑے لوگوں، سرداروں یا عامۃ الناس کی بھیڑ کی خوشنودی کے لیے۔ اس میں ایک داعی کے لیے یہ سبق بھی ہے کہ اگر ایذا رسانی

شدید ہو تو اسے صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کرنی چاہیے اور اسی سے امداد و اعانت طلب کرنی چاہیے۔ نیز اس سے داعی کو یہ نصیحت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضامندی سے ڈرنا چاہیے اور اس کے ماسوا کسی دوسری چیز کے خوف کو خاطر میں نہ لانا چاہیے۔

(۵) معجزۂ اسرأ و معراج میں بے شمار اسرار و رموز پنہاں ہیں یہاں تک کہ مندرجہ ذیل تین نکات بھی اس میں مضمر ہیں :

ا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ مکرمہ عالمِ اسلامی کے اتحاد اور اس کی سرگرمیوں کا محور و مرکز بن چکا ہے تو معجزۂ اسرأ و معراج میں مسجد اقصیٰ اور فلسطین کے قضیہ کا عالمِ اسلامی کے مسائل و معاملات کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فلسطین کا دفاع عین اسلام کا دفاع ہے۔ اس لیے روئے زمین پر بسنے والے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ اگر فلسطین کے دفاع اور اس کو آزاد کرانے میں کوئی کسر اٹھا رکھی گئی تو یہ اسلام کے حق میں ہماری کوتاہی شمار ہوگی اور یہ ایک جُرم ہے جس پر ہر مومن سے مواخذہ کیا جائے گا۔

ب۔ اس میں یہ راز بھی پوشیدہ ہے کہ ایک مسلمان کا مقام بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا کی سفلی لذات و شہوات سے پرہیز کرے اور اس اعلیٰ نظیر کے پیشِ نظر بلندی درجات اور بلند و بالا نصب العین کے حصول کے لیے اپنی تمام تر سعی و جہد ہمیشہ صرف کرتا رہے تاکہ دیگر بنی نوع انسان کی بہ نسبت اسے منفرد و عالی مقام حاصل ہو۔

ج۔ اس واقعہ معراج میں یہ اشارہ بھی مخفی ہے کہ انسان کے لیے ارضی جاذبیت کے بندھن سے باہر نکل کر فضاؤں کی تلاش و جستجو ممکن ہے اور فضائی پرواز کے بعد دوبارہ زمین پر سلامتی کے ساتھ واپس آجانا بھی ممکن ہے۔ اس پورے عالم کی تاریخ میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے واقعۂ اسرأ و معراج میں عالمِ بالا کی سیر کی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ واقعہ ان کے حق میں معجزہ کے طور پر پیش آیا تو دوسرے لوگوں کے لیے علمی و فکری طریقے سے فضاؤں کی جستجو ممکن ہے۔[۱]

---

[۱] مولف رحمہ اللہ نے صرف مادی ذرائع و وسائل سے فضائی سیر کا ذکر کیا ہے۔ اس نکتہ کی طرف علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں متعدد اشارات کیے ہیں۔ مثلاً : ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے ——— کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

(بالِ جبریل)

(باقی برصفحہ آئندہ)

(۶) شبِ اسراء و معراج کو پنجوقتہ نماز فرض ہوئی۔ سفرِ معراج میں فرضیتِ نماز کی حکمت کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کہتے ہیں کہ تمہارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عالمِ بالا کی طرف معراج جسم و روح کے ساتھ معجزہ کے طور پر پیش آئی اور تمہارے لیے ہر روز پانچ مرتبہ اللہ کے دربار کی حاضری مقرر کر دی گئی جس میں تمہاری ارواح اور دل و دماغ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ روحانی معراج اس وقت متحقق ہوگی جب تم اپنی خواہشات و شہوات کی پیروی سے رُوگردانی کرو گے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور وحدانیت کی شہادت ادا کرو گے۔ تمہیں زمین کی سیادت قہر و غلبہ اور لوگوں کو اپنا غلام بنا کر حاصل نہیں ہوگی بلکہ خیر و صلاح، بلند کرداری، پاکیزگی اور بزرگی میں سبقت لے جانے اور نماز کے ذریعے تمہیں امامتِ ارضی کے منصب پر سرفراز کیا جائے گا۔

(۷) زمانۂ حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف قبائل کے پڑاؤ پر جانے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایک داعی کو صرف اس بات پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ اس کی دعوت اپنے اجتماعات اور دفاتر تک محدود ہو کر رہ جائے بلکہ اس کے لیے واجب ہے کہ وہ ہر ایسے مقام کا دورہ کرے جہاں لوگ جمع ہوں یا لوگوں کے اجتماع کا امکان ہو، نیز اس کو چاہیے کہ اگر لوگ اس کی دعوت سے اعراض کی روش اختیار کریں تو وہ اس سے مایوس نہ ہو جائے۔ بعض اوقات دعوتِ حق و خیر کی نشر و اشاعت میں اور شر پسندوں اور ان کے حامیوں کے برخلاف انتہائی غلبہ حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید عجیب کرشمے دکھلاتی ہے۔ انصارِ مدینہ کے وُہ پہلے سات مومنین جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا ان کی مساعی سے مدینہ میں اسلام کا چرچا ہونے لگا اور دعوت کا ایسا غلغلہ بلند ہوا کہ اس کے ذریعے مکہ مکرمہ کے مظلوم مسلمانوں کے لیے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی راہ ہموار ہوئی جہاں وہ سب اکٹھے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ دارالامان بن گیا جہاں آپ کی ریاست قایم ہُوئی، آپ کی دعوت کی نشر و اشاعت ہوئی۔ آپ کے اصحاب اس قابل ہوئے کہ وہ جنگوں اور

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں ۔۔۔ کہہ رہی ہے یہ مسلماں سے معراج کی رات

(بانگِ درا)

ناوک ہے مسلماں! ہدف اس کا ہے ثریا ۔۔۔ ہے سرِ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج

(ضربِ کلیم)

ورنہ جس مقامِ بلند تک آنحضرتؐ کو معراج ہُوئی وہاں تک کسی دیگر مخلوق کی پرواز نہیں ہو سکتی۔ اس سفر میں جبریل علیہ السلام جو آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے وہ بھی ساتوں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ (جو عالمِ خلق اور بارگاہِ خداوندی کے درمیان حدِ فاصل ہے) پر ٹھہر جاتے ہیں اور آنحضرتؐ تنہا آگے جاتے ہیں اور پیشگاہِ رب العزت میں ہمکلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ واقعۂ اسرأ و معراج کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوت السموٰت والارض یعنی اس کائنات کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا، اور ایسا عظیم تجربہ کسی دیگر نبی و رسول کو بھی نہیں کرایا گیا۔ (مترجم)

معرکوں میں مشرکین کا مقابلہ کریں جن میں اہلِ ایمان کو غلبہ و فتح اور مشرکین کو ابدی ہزیمت و شکست نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اوس و خزرج کے انصار سے راضی ہوا۔ انہیں اہلِ اسلام اور جملہ عالم پر ایسی فضیلت حاصل ہے جس کی بھلائی لامحدود ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اخوان مہاجرین سے بھی راضی ہُوا جو ان سے قبل دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے اور جنہوں نے اسلام کے راستے میں اپنے قیمتی مال و متاع اور گھر بار کی عظیم قربانیاں پیش کیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنتِ رضوان میں ان سب کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین

فصلِ چہارم

ہجرت سے لے کر مدینہ منورہ میں ٹھکانا حاصل کرنے تک

۱۔ تاریخی واقعات

(۱) جب قریش کو یہ معلوم ہوا کہ اہلِ یثرب کے ایک گروہ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو انہوں نے مکہ مکرمہ میں مومنین پر ظلم و تشدد میں زیادتی شروع کر دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی جانب ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ انھوں نے اکا دکا مخفی طور پر ہجرت اختیار کی ماسوائے حضرت عمرؓ کے جنہوں نے اپنی ہجرت کے بارے میں کھل کر اعلان کیا اور مشرکین قریش کو چیلنج کیا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اولاد سے محروم ہو جائے وہ کل صبح اس وادی کے درمیان مجھ سے مقابلہ کرے۔ لیکن کسی مشرک کو باہر نکل کر ان کا راستہ روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔

(۲) جب قریش کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمان مہاجرین مدینہ منورہ میں عزت و حفاظت سے زندگی گزار رہے ہیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ تیار کرنے کے لیے دار الندوہ میں ایک اجلاس طلب کیا اور باتفاق رائے یہ طے کیا گیا کہ تمام قبیلوں میں سے ایک ایک مضبوط نوجوان منتخب کیا جائے اور وہ سب یکبارگی حملہ کر کے آنحضرتؐ کو قتل کر دیں۔ اس طرح آپؐ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبد مناف اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور مجبوراً خون بہا پر راضی ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ تمام نوجوان جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے پر مامور کیا گیا تھا وہ ہجرت کی رات آنحضرتؐ کے دروازے پر اکٹھے ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آنحضرتؐ باہر نکلیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔

(۳) اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہ سوئے اور حضرت علیؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ وہ ان کی جگہ ان کے بستر پر سو جائیں۔ نیز حضرت علیؓ کو یہ حکم دیا کہ کفارِ قریش کی جو امانتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں وہ صبح کے وقت کفار کو واپس کر دی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے اپنے گھر سے نکل گئے اور قتل کے لیے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ آپؐ حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے پہلے سے دو اونٹنیاں ایک اپنے لیے اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کر رکھی تھیں ان دونوں نے نکلنے کا ارادہ کیا حضرت ابو بکرؓ نے بنی الدیل کے ایک شخص عبد اللہ بن اریقط کو جو اس وقت مشرک تھا اجرت پر بطور بدرقہ مقرر کیا کہ وہ ان

دونوں کو مدینہ جانے والی عام گزرگاہ سے ہٹ کر کسی غیر معروف راستے سے مدینہ لے جائیں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترپن سال کی عمر میں حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں بتاریخ یکم ربیع الاول بروز جمعرات نکل کھڑے ہوئے۔ آپؐ کی ہجرت کی خبر ماسوائے حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی اولاد کے کسی دوسرے کو نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی دونوں بیٹیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے ان کے لیے زادِ راہ تیار کیا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنا نطاق (کمر بند یا وُہ کپڑا جو اس زمانہ میں عورتیں کمر پر لپیٹتی تھیں) کھول کر اسے پھاڑا اور اس کے ایک ٹکڑے سے توشہ دان کا منہ باندھا۔ اسی بنا پر حضرت اسماءؓ کو ذات النطاقین (دو نطاقوں والی) کہا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بدرقہ کی معیت میں یمن کے راستہ کا رُخ کیا اور غارِ ثور تک پہنچ گئے اور وہ دونوں وہاں تین رات تک چھپے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ رات ان کے پاس گزارتے تھے۔ سحر کے وقت وہاں سے چل کر علی الصبح منہ اندھیرے مکہ میں پہنچ جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا انہوں نے رات مکہ ہی میں بسر کی ہو۔ اس وقت ان کا عنفوانِ شباب تھا اور وُہ ایک ہوشیار اور فہیم نوجوان تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے خلاف جو منصوبہ بھی قریش رات کو تیار کرتے تھے یہ صبح کو اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے شام کے وقت اس کی اطلاع غار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قتل سے بچ کر نکل گئے تو قریش کے لیے قیامت برپا ہو گئی وہ آپؐ کی تلاش میں مکہ کے معروف راستے سے نکلے لیکن بے سُود۔ پھر یمن کے راستے کی طرف متوجہ ہُوئے اور غارِ ثور کے دہانے پر آکر ٹھہر گئے ایک نے کہا:

"شاید آنحضرتؐ اور ان کے ساتھی اس غار میں ہوں۔"

دوسروں نے کہا:

"کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اس غار کے دہانے پر مکڑی نے اپنا جالا تنا ہُوا ہے اور اس میں پرندوں نے انڈے دے رکھے ہیں۔ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس غار میں مدّتِ مدید سے کوئی شخص داخل نہیں ہُوا۔"

اس وقت ابوبکرؓ غار کے دہانے پر کھڑے ہونے والوں کے پاؤں دیکھ رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے خوف سے کانپتے ہُوئے آپؐ سے کہہ رہے تھے:

"خدا کی قسم، یا رسولؐ اللہ! اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے قدموں کے نیچے کی طرف سے دیکھے تو ہمیں دیکھ لے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں یہ کہہ کر تسلی دے رہے تھے کہ "اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔"

(۶) قریش نے لوگوں کو لالچ دینے کے لیے مختلف قبائل میں اعلانِ عام کر دیا کہ جو شخص آنحضورؐ اور ان کے ساتھی کے بارے میں مخبری کرے یا ان کو پکڑ کر لائے یا قتل کر دے تو اسے خطیر رقم بطور انعام دی جائے گی۔ اس پیشکش کے پیشِ نظر سراقہ بن جعشم نے اپنے آپ کو تیار کیا اور وہ تنِ تنہا آنحضرتؐ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تاکہ آپ پر قابو پا کر انعام حاصل کرے۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی کی تلاش و جستجو دوسرے مرحلے میں داخل ہو گئی اور آپؐ اپنے بدرقہ کی معیت میں غارِ ثور سے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بحرِ احمر کا ساحلی راستہ اختیار کیا اور کافی راستہ بلا روک ٹوک طے کر گئے۔ اس کے بعد سراقہ آپ سے جا ملا۔ اس نے آنحضرتؐ کے قریب جانے کی کوشش کی تو اس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور گھوڑے میں چلنے کی سکت نہ رہی۔ سراقہ نے تین مرتبہ کوشش کی کہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چلے لیکن بے سود۔ اس وقت سراقہ کو یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ امام اور رسول کریم ہیں۔ سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ وہ آپؐ کی امداد کرے گا۔ آنحضرتؐ نے اسے خوشخبری دی کہ اسے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ مکہ کی جانب لوٹ آیا اس نے آنحضرتؐ کے بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہ دی اور آنحضرتؐ کسی مزاحمت کے بغیر اپنا سفر طے کر گئے۔

(۸) مدینہ منورہ میں آپؐ کے اصحاب بڑی بےچینی سے آپؐ کا انتظار کر رہے تھے اور وہ ہر روز صبح کے وقت نکل کر مدینہ کی اونچی جگہوں پر آکر بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت تک واپس نہ جاتے تھے جب تک کہ دوپہر کے وقت دھوپ کی گرمی ناقابلِ برداشت نہ ہو جاتی۔ یہ انتظار طول پکڑ گیا یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ پہنچ گئے۔ جب مدینہ والوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو انہیں بےانتہا خوشی نصیب ہوئی اور لڑکیوں نے دفوں پر یہ گیت گانا شروع کیا:

طلع البدر علینا ـــ من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ـــ مادعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا ـــ جئت بالامر المطاع

(ترجمہ: وداع کی پہاڑیوں کی جانب سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا، جب تک کوئی اللہ سے دعا مانگنے والا دعا مانگے ہم پر شکرگزاری واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث کئے گئے! تو ایسے احکام لے کر آیا جو واجب الاطاعت ہیں)

(۹) جب آپؐ "قبا" پہنچے جو مدینہ کے راستے میں جانبِ جنوب دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے تو وہاں آپؐ نے چار روز تک قیام فرمایا اور دَورِ اسلام کی سب سے پہلی مسجد (مسجد قبا) کی بنیاد رکھی۔ جمعہ کی صبح کو وہاں سے چل دئے۔ بنی سالم بن عوف کے محلے میں نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ نے وہاں بھی ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اسلام میں پہلا جمعہ قایم کیا اور خطبۂ جمعہ دیا۔ پھر آپؐ نے مدینہ کا رُخ کیا۔ جب آپؐ وہاں پہنچے تو سب سے پہلے

جو کام آنحضرتؐ نے سرانجام دیا وہ یہ تھا کہ جہاں آپؐ کی اُونٹنی جا کر رُکی اُس جگہ کو مسجد کی تعمیر کے لیے انتخاب کیا۔ یہ جگہ انصار کے دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی آں حضرتؐ نے انہیں قیمت کی پیشکش کی لیکن انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم اسے ہبہ کرتے ہیں۔" آپؐ نے بطور ہبہ قبول کرنے سے انکار فرمایا اور اسے سونے کے دس دینار کے عوض خریدا۔ یہ قیمت حضرت ابوبکرؓ کے مال سے ادا کی گئی۔ پھر آپؐ نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ وہ سب مل کر اس کی تعمیر کریں۔ وہ اس کام میں بلا توقف مشغول ہو گئے۔ آپؐ بھی دوسروں کے ہمراہ مٹی کی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ یہاں تک کہ تعمیر مکمل ہو گئی مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور چھت کا چھپر کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں کا تھا۔

(۱۰) مسجد نبوی کی تعمیر سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے مہاجرین و انصار کے مابین رشتۂ اخوت قائم فرما دیا۔ ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے جاتا اور جملہ مال و متاع کے بارے میں کہتا کہ یہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔

۱۱۔ **یہودِ مدینہ کے ساتھ معاہدہ** پھر آنحضرتؐ نے مسلمانوں (مہاجرین و انصار) اور یہودِ مدینہ کے مابین معاہدہ کی ایک دستاویز تحریر کروائی، جس میں ان کے دین اور اموال کو تحفظ فراہم کیا گیا تاکہ کوئی کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے۔ سیرت ابنِ ہشام میں اس دستاویز کا مفصل ذکر موجود ہے۔ اس میں وہ مبادیات درج ہیں جن پر اسلام کی سب سے پہلی مملکت قائم ہوئی اور انسانیت، عدلِ اجتماعی، دینی رواداری اور مصلحتِ عامہ کے اصول درج ہیں۔ ہر طالب علم کو چاہیے کہ وہ اس دستاویز کا مطالعہ کرے، اسے سمجھے اور اس کے مبادیات کو ازبر کرے۔

یہ ابدی تاریخی دستاویز مندرجہ ذیل مبادیات پر مشتمل ہے:

۱۔ امتِ مسلمہ کی وحدت بلا تفریق۔

۲۔ ابنائے امت کے مابین حقوق و شرافت میں مساوات۔

۳۔ ماسوائے ظلم و زیادتی اور گناہ کے کاموں کے دیگر امور میں ابنائے امت کا آپس میں تعاون۔

۴۔ دشمنوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں امت کا اشتراک۔

۵۔ ہیئت اجتماعیہ کی بہترین تنظیم جو راستی اور استقامت پر مبنی ہو۔

۶۔ مملکت اور اس کے نظام کے برخلاف خروج کرنے والوں کو بے نقاب کرنا اور ان کی امداد سے باز رہنا۔

۷۔ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ مصالحت و تعاون سے رہنا چاہیں ان کی حمایت کرنا اور ان کے حقوق پر دست درازی نہ کرنا۔

۸۔ غیر مسلموں کے لیے ان کا دین اور اموال ہیں۔ انہیں دین اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے اموال زبردستی حاصل کیے جائیں گے۔

۔ مملکت کے اخراجات برداشت کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے غیر مسلم حلیف بھی حصہ دار ہوں گے۔

۱۔ غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہوگا کہ وہ مملکت کے برخلاف ہر قسم کی سرکشی و بغاوت کو کچلنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کریں۔

۱۔ غیر مسلموں پر یہ بھی واجب ہوگا کہ جب تک مملکت کو حالتِ جنگ درپیش ہو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کے مصارف اٹھائیں۔

۱۔ اگر غیر مسلموں کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے تو مملکت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اسی طرح ان کی امداد کرے جس طرح ہر مظلوم مسلمان کی امداد کی جاتی ہے۔

۱۔ مملکت کے دشمنوں اور ان کے مددگاروں کی حمایت نہ کرنا مسلمانوں اور ان کے غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہے۔

۱۱۔ جب اُمت کی بھلائی صلح میں ہو تو مسلمانوں اور غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہے کہ وہ سب کے سب صلح قبول کریں۔

۱۵۔ کسی شخص سے کسی دُوسرے کے گناہ کا مواخذہ نہیں ہوگا، اور کسی شخص سے صرف اس کی ذات یا خاندان کے بارے میں تاوان لیا جائے گا۔

۱۶۔ حدودِ مملکت کے اندر اور باہر نقل و حرکت کی آزادی مملکت کی حمایت کے ساتھ مشروط ہوگی۔

۱۷۔ کسی گناہگار اور ظالم کی حمایت نہیں کی جائے گی۔

۱۸۔ ہیئت اجتماعیہ کی بنیاد نیکی اور تقویٰ پر قایم ہوگی نہ کہ گناہ اور زیادتی پر۔

۱۔ ان مبادیات کا تحفظ یہ دو طاقتیں کریں گی:

ا۔ قوتِ معنویہ۔ یہ عبارت ہے اس سے کہ ہیئتِ اجتماعیہ کا اللہ پر غیر متزلزل ایمان ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر نیکوکار اور وفاشعار کا محافظ و نگہبان ہے۔

ب۔ قوتِ مادیہ۔ یہ مملکت کی سربراہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مرکوز ہے۔

ب۔ پند و نصائح

(۱) جب کسی مومن کو اپنے زورِ بازو پر اعتماد ہوتا ہے تو اس کی عملی جدوجہد پوشیدہ نہیں ہوتی بلکہ وہ علانیہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا ہے اور جب تک اسے تحریکی دشمنوں کے غلبے کا خطرہ نہ ہو وہ ان کی مخالفت کی پروا نہیں کرتا، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ہجرت کے موقعہ پر کیا تھا۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جب داعی قوی موقف اختیار کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن خوفزدہ ہوجاتے ہیں اور ان کے دلوں پر رعب طاری ہوجاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمرؓ کے چیلنج کے جواب میں دشمن حضرت عمرؓ کے قتل کا منصوبہ تیار کرنا چاہتے تو وُہ ایسا کرسکتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے

جرأت مندانہ موقف سے ان میں سے ہر ایک کے دل پر رُعب طاری ہوگیا اور وُہ ڈر گیا کہ اگر اس نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو وُہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور اس کی ماں اس سے محروم ہو جائے گی کیونکہ شر پسندوں کو اپنی متاعِ حیات بہت عزیز ہوتی ہے اور وہ اسے خطرے میں ڈالنے سے گریز کرتے ہیں۔

(۲) جب اہلِ باطل دعوتِ حق و اصلاح کی پیش قدمی روکنے سے مایوس ہو جاتے ہیں اور مومنین ان کی دستبرد سے نجات حاصل کر کے کسی دارالامان میں چلے جاتے ہیں تو اس وقت دشمن طاقتیں اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آتی ہیں اور مخلص داعی کے قتل کے درپے ہو جاتی ہیں۔ انھیں یہ گمان لاحق ہوتا ہے کہ اگر داعیِ تحریک کو قتل کر دیا جائے گا تو اس کی تحریک آپ سے آپ مُردہ ہو جائے گی اور اس طرح وہ اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔ ہر دَور میں شر پسند دشمنانِ اصلاح کی سوچ کا یہی انداز رہا ہے اور ہم نے اپنے زمانے میں بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

(۳) تحریکِ اصلاح کا ایک اخلاص پیشہ مجاہد اپنے قائد پر اپنی زندگی قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے کیونکہ قائد کی سلامتی تحریک کی سلامتی کی ضامن ہوتی ہے اور قائد کی ہلاکت تحریک کی رسوائی و توہین کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ کی ہجرت کی رات آپؐ کے بستر پر رات گزاری۔ ان کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بچانے کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے کے مترادف ہے۔ اس وقت یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت علی انتقامی کارروائی کے طور پر قریش کے نوجوانوں کی تلواروں کا نشانہ بن جاتے کیونکہ حضرت علیؓ نے ہی آنحضرتؐ کے دشمنوں کے حملہ سے بچ جانے کی راہ ہموار کی تھی لیکن حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالنے کی مطلق پروا نہ کی اور آپؓ کا مقصود صرف یہ تھا کہ قائدِ تحریک حضرت نبی الامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات صحیح و سالم بچ جائے۔

(۴) مشرکین اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ آرا تھے اور آنحضرتؐ کے قتل کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی امانتیں آنحضرت کے پاس ودیعت رکھتے تھے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دشمنانِ اصلاح کو داعی کی راست روی، امانت اور پاکدامنی کا پورا پورا یقین ہوتا ہے اور ان کے دل گواہی دیتے ہیں کہ وہ ان کی بہ نسبت اعلیٰ سیرت اور پاکیزہ کردار کا حامل ہے۔ لیکن ان کی گمراہی، جھگڑالوپن اور عادات و عقایدِ باطلہ پر ان کی ہٹ دھرمی انھیں اکساتی ہے کہ وُہ داعی کے خلاف محاذ آرائی پر آمادہ ہوں اس سے ہر قسم کا مکر و فریب روا رکھیں اور اگر ہو سکے تو اس کے قتل کا منصوبہ تیار کریں۔

(۵) کسی قائدِ تحریک یا رئیس مملکت یا دعوتِ اصلاح کے لیڈر کا اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے قتل کے درپے دشمنوں کے نرغے سے بچ نکلنے کی کوشش کرنا یا کسی ایسے دارالہجرت کی تلاش کرنا جہاں اس کی تحریک قوت و زور حاصل کر سکے اور کامیابی سے ہمکنار ہو سکے تو اس کی کوشش کو بُزدلی یا موت سے فرار یا جانی و روحانی قربانی سے گریز پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ کے کردار سے ثابت ہوتا ہے کہ نوجوان کسی تحریک کو پروان چڑھانے میں بڑے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ وُہ ہر دعوتِ اصلاح کے ستون ہوتے ہیں اور بڑی سرگرمی سے قربانی اور فداکاری کے لیے تیار ہو جاتے ہیں

اس طرح تحریک نصرت وغلبہ کی جانب تیز رفتاری سے پیش قدمی کرتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دورِ اسلام میں مومنین سابقین سب کے
ب جوان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بوقت بعثت چالیس سال تھی۔ حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ سے تین سال
وٹے تھے۔ حضرت عمرؓ ان دونوں سے کم عمر تھے۔ حضرت علیؓ سب سے خوردسال تھے۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ
ہ وسلم سے عمر میں کم تھے۔ اسی طرح حضرات عبداللہؓ بن مسعود، عبدالرحمانؓ بن عوف، ارقمؓ بن ابی ارقم، سعیدؓ بن زید، بلالؓ بن
ح، عمارؓ بن یاسر وغیرہ سب کے سب جوان سال تھے۔ انہوں نے اپنے کندھوں پر تحریک کا بوجھ اٹھایا اور اس راستے
، قربانیاں پیش کیں اور عذاب و آلام اور موت تک کے مزے چکھے۔ ان کی وجہ سے اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ اور ان کی
ان کے بھائیوں کی جدوجہد سے خلافتِ راشدہ کے قیام کی راہ ہموار ہوئی اور اسلامی فتوحات پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔
ن ہی کی کرم فرمائی ہے کہ دینِ اسلام ہم تک پہنچا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہالت و جاہلیت، گمراہی و بت پرستی
کفر و فسق سے نجات بخشی۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے دوران میں حضرات عائشہؓ و اسماءؓ کے کردار سے ثابت ہوتا ہے کہ
تین تک دعوتِ اصلاح کی تبلیغ کس قدر ضروری ہے۔ خواتین طبعاً نرم مزاج، دعوت کو جلد قبول کرنے والی، نیک نفس اور
دل ہوتی ہیں۔ جب ایک عورت ایک دفعہ ایمان لے آتی ہے تو پھر اس دعوت کی نشرواشاعت کے سلسلے میں مصائب
م کی پروا نہیں کرتی، وہ اپنے خاوند، بھائیوں اور بیٹوں کو اس دعوت کی طرف راغب کرتی ہے۔ عہدِ رسالت میں فروغِ
سلام کے لیے خواتین کی جدوجہد سے تاریخ کے ابواب روشن و تابناک ہیں۔ ہمیں اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اگر دورِ حاضر
اسلامی اصلاحی تحریک میں خواتین کو شامل نہ کیا گیا اور نوجوان بچیوں کی نشوونما ایمان و اخلاق اور عفت و طہارت کے اصول
مطابق نہ کی گئی تو یہ بہت بڑی کوتاہی ہوگی اور اس کے نتیجے میں اجتماعی زندگی میں تحریک اپنا بھرپور کردار ادا نہ کر سکے گی۔
رِ جدید میں ہماری اجتماعی زندگی کی اصلاح کے لیے مردوں کی بہ نسبت نوجوان لڑکیاں حلقۂ خواتین میں بہترین طریقے سے
اسلام کی نشرواشاعت کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہیں۔ وہ خانگی ذمہ داریوں سے کسی حد تک فارغ البال ہوتی ہیں۔
ردسال صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعینؒ کی تربیت تمام تر خواتینِ اسلام کی مرہونِ منت ہے جنہوں نے اپنی اولاد کو
سلامی اخلاق و آداب سے آراستہ اور محبتِ اسلام اور محبتِ رسولؐ کی لازوال دولت سے مالا مال کیا۔ تاریخِ اسلام
صحابہؓ و تابعینؒ کی جماعت عالی ہمتی، استقامتِ سیرت اور دین و دنیا کی بھلائی کے نقطۂ نظر سے بہترین جماعت ہے۔
دورِ حاضر میں ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اس حقیقت کا ادراک حاصل کریں اور کوشش کریں کہ حلقۂ خواتین میں
ری نوخیز لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں اسلامی اصلاحی تحریک کا بیڑا اٹھائیں۔ ان کی تعداد نصفِ امت سے
دہ ہے۔ اس کا عملی تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ایسی قابلِ اعتماد درسگاہوں میں تعلیم دلوائیں جہاں
سلام کی تدریس بطریقِ احسن ہوتی ہو۔ مثلاً ہماری یونیورسٹی کا شریعت کالج۔ جوں جوں نوخیز پود علمِ دین، فقہ، شریعت

٭ مؤلف نے شریعت کالج شام کو معیاری درسگاہ قرار دیا ہے۔ ہمارے ہاں سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہ کی نگرانی میں
جامعۃ الاسلامیہ لبنات الاسلام گجرات میں بچیوں کی دینی تعلیم کا خاطرخواہ انتظام ہے۔ (مترجم)

تاریخِ اسلام کی معلومات ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آنحضرتؐ اور امہات المومنینؓ کے اخلاق سے آراستہ ہوجائے گی ہم اس قابل ہوتے جائیں گے کہ اسلامی اصلاحی تحریک کو پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھا سکیں اور اپنی اجتماعی زندگی میں احکام اسلام اور شریعت کو نافذ کرسکیں۔ ان شاء اللہ یہ مرحلہ قریب ہے۔

(۸) غارِ ثور کے پاس پہنچ کر بھی مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرتؐ کے ساتھی کو نہ دیکھ سکے روایات کی رُو سے وہاں مکڑی نے اپنا جالا تنا تھا اور غار کے دہانے پر پرندوں نے انڈے دے رکھے تھے۔ اس قسم کی خارق عادت عنایات سے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں، داعیوں اور احباب کو نوازتا رہتا ہے اور اس قبیل کے واقعات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف دلوں کا میلان ہوتا ہے۔ خاکم بدہن اگر مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے اور آپ کے قتل اور آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے منصوبے میں کامیاب ہوجاتے تو یہ صورتِ حال اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے حق میں رحمت کے تقاضے کے منافی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا والوں کے حق میں رحمت کے طور پر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اخلاص پیشہ بندگان کی امداد شدائد و آلام کے مواقع پر کیا کرتا ہے۔ انہیں ہر قسم کے گزند سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کی گھات میں بیٹھے ہوئے شرپسندوں اور غداروں کی آنکھوں سے اکثر اوقات انھیں اوجھل کر دیتا ہے غارِ ثور میں مشرکین کے گھیراؤ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی کی نجات کے واقعہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان اقوال کی تصدیق ہوتی ہے:

انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشھاد۔ (غافر/المومن - ۵۱)

(ترجمہ: یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے)

ان اللّٰہ یدافع عن الذین اٰمنوا۔ (الحج - ۳۸)

(ترجمہ: یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں)

(۹) جب حضرت ابوبکرؓ غار میں تھے تو انہیں خوف لاحق ہُوا کہ کہیں مشرکین ان دونوں کو دیکھ نہ لیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحریک کا ایک سچا مجاہد جو اپنے امانت دار قائد کے ہمراہ ہو اور اسے اپنے قائد کی زندگی خطرے میں گھری ہوئی معلوم ہو تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ابوبکرؓ کو اس وقت اپنی موت کی مطلق پروا نہ تھی۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ اس سفرِ ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اختیار نہ کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر مشرکین نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گرفتار کرلیا تو ایسی صورت میں ان کی کم از کم سزا قتل ہی ہوگی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کو تو اس بات کا خوف دامنگیر تھا کہ اگر خدانخواستہ مشرکین آنحضرتؐ کو گرفتار کرلیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اسلام کا مستقبل خطرے میں تھا۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اس خوف و خطر کے عالم میں تسلی دینے کے لیے یہ جواب دیا:

" اے ابوبکرؓ ! تیرا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔"

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان ، اس کی امداد پر پختہ اطمینان اور کٹھن گھڑیوں میں اللہ پر کس قدر توکل تھا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرتؐ دعوائے نبوت میں سچے تھے۔ جب آپؐ انتہائی خطرناک حالات سے دوچار تھے اس وقت بھی آپؐ کو اس بات کا کامل اطمینان نصیب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اور رحمت کے طور پر مبعوث فرمایا ہے اس لیے وہ ایسے سنگین مواقع پر آپؐ کو ہرگز بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ اس قسم کا قلبی اطمینان کسی ایسے مدعیِ نبوت کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو صفتِ رسالت کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی کٹھن مراحل میں سچے داعیانِ اصلاح اور خودساختہ مدعیانِ اصلاح کے کردار کا فرق واضح ہوتا ہے۔ سچے داعیان کے دل ہمیشہ اللہ کی رضا جوئی اور اس کی امداد پر اعتماد کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں اور جھوٹے مدعیان خوف کے مواقع پر بزدلی کا شکار ہو جاتے اور آلام و شدائد میں استقامت کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور پھر اللہ کے مقابلے میں تم کسی کو ان لوگوں کا حامی و مددگار نہ پاؤ گے۔

(۱۱) سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا لیکن آپؐ تک پہنچنے سے عاجز آگیا۔ یہ آنحضرتؐ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ ہوا تو اس کے گھوڑے کی ٹانگیں ریت میں دھنس گئیں۔ وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کا رُخ مکہ کی طرف کیا تو گھوڑے کا ہانپنا ختم ہو گیا اور وہ تازہ دم ہو گیا۔ لیکن جب دوبارہ اس نے گھوڑے کا رُخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موڑا تو گھوڑا پھر عاجز ہو کر زمین میں دھنس گیا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایسا معجزہ کسی نبی مرسل ہی کے لیے وقوع پذیر ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اعانت و نصرت کی تائید حاصل ہو۔ سراقہ نے بھی یہی سمجھا اور اس نے عاجز آکر آنحضرتؐ کو امان کے لیے پکارا، نیز اس نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی حفاظت سے نوازتا ہے جس پر غلبہ پانے سے انسانی قویٰ عاجز ہیں۔ سراقہ اپنی اس مہم کی ناکامی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ حاصل کرنے کی کامیابی پر راضی ہو گیا۔

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پہنانے کا جو وعدہ فرمایا وہ بھی ایک معجزہ ہے۔ جو شخص اپنی قوم سے بھاگ کر جا رہا ہو وہ فتحِ ایران اور کسریٰ کے خزانے حاصل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اِلّا یہ کہ وہ نبی مرسل ہو۔ سراقہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ جب حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایران کے اموالِ غنیمت میں کسریٰ کے کنگن دیکھے تو انہوں نے حضرت سراقہؓ کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کو پورا کیا۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ کو دونوں کنگن صحابہ کرامؓ کے بھرے اجتماع میں پہنائے اور فرمایا،

" تعریف اس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے کسریٰ سے اس کے کنگن چھین لیے اور ایک بدو سراقہ بن جعشم کو پہنا دیے۔"

اس طرح ہجرت کے دوران یکے بعد دیگرے متعدد معجزات کا ظہور ہوا تاکہ مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو اور

اہلِ کتاب جو تردد اور انکار و جحود کا شکار تھے انہیں یقین آجائے کہ آنحضرت رب العالمین کے رسول ہیں۔

(۱۳) انصار و مہاجرین جو یثرب میں تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور صحیح و سالم پہنچ جانے پر بہت خوش ہوئے۔ عورتیں اور بچے شاداں و فرحاں گھروں سے باہر نکل آئے اور مردوں نے آنحضرتؐ کے استقبال کے لیے اپنا کام کاج چھوڑ دیا۔ اس وقت یہودِ مدینہ کے کردار سے بھی مترشح ہوتا تھا کہ وہ بظاہر اہلِ یثرب کی خوشی میں شریک ہیں لیکن بباطن وہ اس نئی قیادت کے برخلاف رقابت اور حسد کے جذبات کی وجہ سے غمزدہ تھے۔ مومنین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے جو خوشی نصیب ہوئی اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ آپؐ ہی نے انہیں اپنے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف خدائے عزیز و حمید کے راستے کی ہدایت فرمائی۔ یہود کا موقف بھی معلوم اور واضح ہے۔ وہ اجتماعی معاشرہ جس کی سیادت ان کے ہاتھ میں تھی اس کے ساتھ ان کا رویہ خوش آمد اور منافقت کا تھا اور وہ بظاہر لوگوں کی خوشی میں شامل تھے۔ لیکن جن کی وجہ سے وہ قبائل کی سیادت کے منصب سے معزول ہو رہے تھے ان کے برخلاف وہ غیظ و غضب کی آگ میں جل رہے تھے۔ اب وہ قرض کی آڑ میں لوگوں کے اموال پر ڈاکہ ڈالنے سے محروم ہو رہے تھے اور خیر خواہی اور مشاورت کے نام پر عربوں کے قبائل کو آپس میں جنگ و جدال میں اُلجھا کر ان کے خون سے ہولی نہیں کھیل سکتے تھے۔ یہود ہر اس شخص کے دشمن تھے جو لوگوں کو ان کے استحصال اور چالبازیوں کے چنگل سے نجات دلائے لیکن وہ اپنی اس دشمنی کو عیاری و مکاری سے چھپائے ہوئے تھے اور اگر ہو سکے تو دھوکہ دہی سے قتل کے منصوبے بھی کرتے تھے یہ ان کا طرزِ عمل تھا اور ان کی قومی سرشت کے عین مطابق تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو قرارگاہ بنایا تو اسی قسم کا سلوک یہود نے آنحضرتؐ کے ساتھ روا رکھا باوجودیکہ آنحضرتؐ نے یہود کے ساتھ باہمی تعاون اور سلامتی کے ساتھ رہنے کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ لیکن یہود تو ایسی قوم ہے جو ہمیشہ سے جنگوں کی آگ بھڑکاتی رہی ہے:

كلما اوقدوا ناراً للحرب اطفاها الله۔ (المائدہ۔ ۶۴)

(ترجمہ: جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے)

(۱۴) ہجرتِ مدینہ کے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس مقام پر بھی ٹھہرے وہاں سب سے پہلا کام جو آپؐ نے سرانجام دیا وہ مسجد کی تعمیر تھا جس میں مومنین عبادت کے لیے جمع ہوں۔ آپؐ نے قبا کے مقام پر چار یوم قیام فرمایا تو وہاں ایک مسجد قائم کر دی۔ جب آپؐ نے قبا سے مدینہ کی طرف کوچ کیا تو راستے میں بطن وادی (وادی رانوناء) میں بنی سالم بن عوف کی بستی میں جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تو آپؐ نے وہاں بھی ایک مسجد کی بنا ڈالی۔

جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلا کام جو آپؐ نے کیا وہ مسجد کی تعمیر کا تھا۔

اس سے ہمیں یہ راہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ اسلام میں مسجد انتہائی اہمیت کی حامل ہے اسلام کی جملہ عبادات، تہذیبِ نفس، تزکیۂ اخلاق اور مسلمانوں کے باہمی تعاون کے رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیے ہیں۔ نمازِ باجماعت اور جمعہ و عیدین کے اجتماعات میں اتحادِ امت، فکر و نظر کی ہم آہنگی، وحدتِ نصب العین اور نیکی و پرہیزگاری میں تعاون کا

مظاہرہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ مسجد مسلمانوں کی زندگی میں عظیم الشان اجتماعی و روحانی شعار ہے۔ مسجد مسلمانوں کی صفوں میں وحدت پیدا کرتی ہے، ان کے نفوس کی تہذیب کرتی ہے، ان کے دل و دماغ کو تازگی عطا کرتی ہے، ان کی مشکلات کو دُور کرتی ہے۔ اور مسجد ہی کے ذریعے مسلمانوں کی قوت و شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

اسلام میں مسجد کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق مسجد ہی سے اسلامی لشکر زمین کو فتح کرنے کے لیے نکلے، وہیں سے لوگوں کی ہدایت کے لیے نور کی شعاعیں پھوٹیں۔ مسجد میں ہی اسلامی شریعت کے بیج پھلے پھولے اور پروان چڑھے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، خالدؓ، سعدؓ، ابوعبیدہؓ وغیرہ جو تاریخ اسلام کی عظیم شخصیتیں ہیں وہ مدرسہ محمدیہؐ کے شاگرد تھے جو مسجد نبوی میں قائم تھا۔

اسلام میں مسجد کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہاں ہر ہفتے خطیب کی زبان سے کلمۂ حق بلند ہوتا اور فضا میں گونجتا ہے۔ خطباتِ جمعہ میں منکرات سے روکا جاتا ہے اور معروفات کا حکم دیا جاتا ہے، بھلائی کی دعوت دی جاتی ہے، خوابِ غفلت سے جگایا جاتا ہے، اتحادِ ملت کا پیغام دیا جاتا ہے، ظالم کے خلاف احتجاج کیا جاتا ہے اور سرکش کو ڈرایا جاتا ہے۔ ہم نے اپنے عہدِ طفولیت میں مشاہدہ کیا ہے کہ مسجدیں فرانسیسی استعمار کے خلاف وطنی تحریکوں کا مرکز تھیں۔ استعمار اور صہیونیت کے خلاف جہاد کرنے والے قائدین مسجدوں میں پناہ لیتے تھے۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسجدیں اس عظیم فریضے کی ادائیگی سے خالی ہیں۔ اس صورتِ حال کے لیے بعض تنخواہ دار خطیب اور جاہل و غفلت شعار نوکر پیشہ قصور وار ہیں۔ جس دن مساجد کے محرابوں میں امامت اور منبروں پر خطابت کے فرائض داعیانِ حق، علماءِ شریعت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخلصین اور جمہور مسلمانوں کے خیر خواہ سرانجام دیں گے، تو ہمارے معاشرے میں مسجد کو اجتماعی مسائل کے ضمن میں دوبارہ صدارت کا مقام حاصل ہو جائے گا اور مسجد از سرِ نو تربیتِ رجال کا کام شروع کر دے گی، عظیم شخصیتیں پیدا کرے گی۔ فتنہ و فساد کی اصلاح کا عمل شروع ہوگا، منکرات ختم ہوں گے اور معاشرہ کی تعمیر اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کی خوشنودی کی بنیاد پر ہوگی۔

ہمیں امید ہے کہ جب ہمارے نوجوانوں میں سے اللہ پر ایمان لانے والے، دینی تہذیب و ثقافت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو اپنانے والے مسجد کے منبر و محراب کے وارث بنیں گے تو ان شاء اللہ یہ پاکیزہ دَور ضرور آئے گا۔

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ انسانی و اخلاقی بنیادوں پر اسلام کے عدل اجتماعی کے مظاہر میں سے قوی ترین مظہر ہے۔ مہاجرین نے اللہ کے راستے میں اپنے اموال اور اراضی کو خیرباد کہا اور وہ مدینہ منورہ اس حالت میں آئے کہ ان کے پاس دنیا کے مال میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ انصار غنی تھے وہ باغات و اموال اور صنعتوں کے مالک تھے۔ بھائی نے بھائی کا بوجھ اٹھایا۔ اسے اپنی زندگی کے رنج و راحت میں برابر کا شریک کیا۔ اگر اس کے گھر میں دونوں کے ٹھہرنے کی گنجائش تھی تو اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ بصورتِ دیگر اس کے لیے دُوسرا سامان مہیا کیا اور اپنے پورے مال و متاع کا نصف بانٹ کر اسے

دے دیا۔ دنیا میں عدل اجتماعی کی ایسی کون سی مثال ہے جو اس کے مقابلے میں پیش کی جا سکے۔
درحقیقت جو لوگ اسلام میں عدلِ اجتماعی کا انکار کرتے ہیں وہ کور چشم ہیں اور نہیں چاہتے کہ نورِ اسلام لوگوں کو بصارت و بصیرت عطا کرے یا وہ دقیانوسی ہیں جو جمود کا شکار ہیں اور ہر جدید مستقل اصطلاح کو ناپسند کرتے ہیں اگرچہ اس اصطلاح کا مدلول اسلام میں موجود ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام میں عدل اجتماعی کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے جبکہ اسلام میں یہ مواخات موجود ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے جس کا عقد صاحبِ شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ نے بذاتِ خود باندھا اور بہ نفسِ نفیس اسے نافذ فرمایا اور اس کی بنیاد پر اسلام میں پہلا معاشرہ اور پہلی مملکت قائم فرمائی؟

(۱۶) وہ مکمل دستاویز جس کے ذریعے آنحضرتؐ نے مہاجرین و انصار کو بھائی قرار دے کر ان کے اور غیر مسلموں کے مابین تعاون کا معاہدہ کیا وہ اس امر کی دلیل ہے کہ مملکتِ اسلامیہ کی بنیاد عدلِ اجتماعی پر قایم کی گئی۔ مسلمانوں اور غیر مسلم معاہدین کے درمیان تعلقات کی بنیاد سلامتی پر رکھی گئی جب تک ہر دو فریق سلامتی و مصالحت اختیار کریں۔ بلاشبہ حق و عدالت کا قیام، نیکی و تقویٰ میں تعاون، لوگوں کی خیر خواہی اور شر پسندوں کو معاشرہ کے خلاف ایذا رسانی سے روکنا اسلامی مملکت کے نمایاں ترین شعار ہیں جن کی بنیاد پر مملکتِ اسلامیہ قائم ہوتی ہے اور جس زمانے میں بھی وہ قائم ہو ان ہی بہترین اور عادلانہ اصول و مبادی کی حامل ہوتی ہے۔ اور دورِ حاضر کی اعلیٰ اصولوں پر قائم مملکتوں سے مطابقت رکھتی ہے جس کے سائے میں مختلف قومیں امن و سلامتی سے زندگی گزارتی ہیں۔ مملکت کے مفہوم کے بارے میں فکرِ انسانی میں اختلاف کے باوجود دورِ جدید میں یہ کوشش جاری ہے کہ ہمارے اسلامی معاشرے میں ایسی مملکتیں قایم ہوں جو اسلام کے اصول و مبادی پر مبنی ہوں کیونکہ مسلمانوں کے لیے اسلام ہی ایک ایسی جامع بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ایک مکمل، سعادت مند اور ترقی یافتہ معاشرہ قایم ہو سکے۔

بہرحال ہماری مصلحت اسی میں ہے کہ ہم اپنی مملکت کو اسلام کی اساس پر قایم کریں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمیں ہلاکت و بربادی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلم، ایذا رسانی سے محفوظ ہوتے ہیں، ان کے عقاید سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا اور ان کے حقوق پوری طرح ادا کیے جاتے ہیں اس لیے بلادِ اسلامیہ میں اسلامی احکام کی ترویج اور شرائع اسلام کے نفاذ سے غیر مسلموں کو کسی قسم کا خوف لاحق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شرائع اسلام تو بالجملہ عدل و انصاف، قوت و مواخاۃ اور اجتماعی کفالت مبنی بر محبت و تعاون کا سرچشمہ ہیں۔ ہم استعماری طاقتوں کے چنگل سے صرف اسی صورت میں نجات حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم سب مل کر اللہ کی رسی (اسلام) کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اس لیے سب مسلمانوں کو اپنی تمام تر کوشش اس کے لیے وقف کر دینی چاہیے:

ولو ان اھل القریٰ اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السمآء والارض۔ (الاعراف - ۹۶)

(ترجمہ: اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے)

وانّ ھٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ (الانعام-۱۵۳)
(ترجمہ: اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے)

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ٥ ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیٔ قدرا ٥ (الطلاق-۳-۲)
(جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے)

ومن یتق اللہ یجعل لہٗ من امرہ یسراً۔ (الطلاق-۴)
(ترجمہ: جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے)

ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیاٰتہ ویعظم لہ اجرًا۔ (الطلاق-۵)
(جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا)

فصل پنجم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی معرکے

و۔ تاریخی واقعات

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو قیام گاہ بنایا تو آنحضرتؐ اور قریش اور ان کے حامی عرب قبائل کے درمیان جنگی معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ مسلمان مورخین نے ہر اس معرکے کو جس میں آنحضرتؐ بہ نفس نفیس شریک ہوئے غزوہ کا نام دیا ہے اور فریقین کے درمیان ہر ایسی محاذ آرائی جس میں آنحضرتؐ بذاتِ خود شامل نہ ہوئے اسے سریہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ غزوات کی تعداد ۲۷ تک پہنچتی ہے اور سرایا کی تعداد ۳۸ ہے۔ ہم اس مختصر رسالہ میں مشہور ترین غزوات کے ذکر پر اکتفا کریں گے جو تعداد میں گیارہ ہیں :

۱۔ غزوۂ بدرِ کبریٰ

۱۷ ارمضان سنہ ۲ھ کو یہ جنگ ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس سے تعرض کرنے کی ترغیب دلائی[1] اور آپ کا اس سے لڑنے کا کوئی ارادہ

---

[1] عام مورخین نے یہی لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہؓ کو تجارتی قافلہ سے تعرض کے لیے فرمایا۔ کچھ لوگ تیار ہو گئے اور بعضوں نے اس مہم میں شمولیت اختیار نہ کی۔ بعد ازاں چند منزل سفر کر کے جب معلوم ہوا کہ قریشِ مکہ کا ایک لشکر قافلے کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے تو آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے مشاورت کر کے یہ طے فرمایا کہ قریش کے لشکر سے فیصلہ کن جنگ کی جائے۔ مولف مرحوم نے بھی عام اربابِ سیر کے تتبع میں قریش کے تجارتی قافلے سے تعرض کا لکھ دیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات اس موقف کی تائید نہیں کرتیں ،

كما اخرجك ربك من بيتك	(ترجمہ: (اس مالِ غنیمت کے معاملہ میں بھی
بالحق ؕ و ان فريقاً من	ویسی ہی صورت پیش آ رہی ہے جیسی اس وقت

(باقی بر صفحۂ آیندہ)

نہ تھا۔ قافلہ بلا روک ٹوک نکل گیا۔ لیکن سردارِ قافلہ ابو سفیان نے پہلے سے اصحاب رسولؐ کے تعرض کے خوف سے قریش مکہ کی طرف ایک آدمی بھیج رکھا تھا تاکہ وہ قافلہ کی حمایت کے لیے کمک لے آئے۔ قریش کے تقریباً ایک ہزار جنگجو نکل آئے جن میں ۶۰۰ زرہ پوش پیادہ تھے اور ۱۰۰ زرہ پوش سواروں کا رسالہ تھا۔ اس لشکر کے ساتھ ۷۰۰ اُونٹ بھی تھے اور ان کے ہمراہ دف بجانے اور گانے والی عورتیں بھی تھیں جو مسلمانوں کی ہجو کے اشعار گاتی تھیں۔

دوسری جانب مسلمانوں کی افرادی قوت ۳۱۳ یا ۳۱۴ تھی جن میں اکثریت انصار کی تھی۔ ان کے پاس ۲ یا ۳ گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے جن پر صحابہ کرام باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ جنگ کا فیصلہ کرنے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب بالخصوص انصار سے مشاورت کی۔ مہاجرین نے معرکہ آرائی کے حق میں رائے دی اور بڑی اچھی تقریریں کی۔ اس کے بعد انصار نے سمجھا کہ آنحضرتؐ کا روئے سخن ان کی طرف ہے۔ اس پر سیدالانصار حضرت سعد بن معاذؓ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

المؤمنین لکارھون ۝ یجادلونك فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون ۝ واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ ویقطع دابر الکافرین ۝

پیش آئی تھی جبکہ) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا وہ اس معاملہ کے حق میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے درانحالیکہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔ یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمھیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمھیں ملے۔ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ (الانفال۔ ۵ ۔ ۷)

اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو گھر (یعنی مدینہ منورہ) سے لشکرِ قریش کا مقابلہ کرنے کے لیے نکالا۔ چونکہ جنگ درپیش تھی اس لیے موت کا خطرہ تھا۔ اگر صرف قافلے کو لوٹنا مقصود ہوتا تو قافلہ والوں کی قلتِ تعداد کے پیشِ نظر لڑائی کا خدشہ نہ تھا اور موت کی طرف ہانکے جانے کا کوئی سوال نہ تھا۔ نیز آیت نمبر ۷ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب مشاورت ہوئی تھی تو اس وقت تجارتی قافلہ اور لشکرِ قریش دونوں زیرِ بحث تھے اور مدینہ منورہ میں ہی جنگ کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ (مترجم)

سب کی طرف سے کہا: "یا رسولؐ اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، اور آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وُہ حق ہے۔ ہم آپ سے سمع و طاعت کا عہد و پیمان باندھ چکے ہیں۔ یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے جو کچھ ارادہ فرمایا ہے اسے عملی جامہ پہنائیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اگر آپ ہمیں اس سمندر پر لے چلیں اور اس میں اتر جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں اُتریں گے اور ہم سے ایک فرد بھی پیچھے نہ ہٹے گا۔ ہمیں یہ گوارا ہے کہ آپ ہمیں لے کر کل ہی دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم لڑائی میں ثابت قدمی دکھائیں گے اور مقابلہ میں سچی وفاشعاری کا ثبوت دیں گے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ اللہ کی برکت کے پیشِ نظر آپ ہمیں جہاں چاہیں لے چلیں۔ ایک دوسرے انصاری نے بھی اسی قسم کی تائیدی تقریر کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ان جذبات سے خوش ہو گئے اور آپؐ نے فرمایا:

"اللہ کی برکت کے بھروسے پر نکلو اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدۂ بشارت سے خوش ہو جاؤ کہ دو گروہوں ——— قافلۂ تجارت (عیر) یا لشکرِ قریش (نفیر) میں سے ایک تمھیں مل جائے گا اور تم اس پر غالب آؤ گے۔"

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کُوچ کیا یہاں تک کہ آپ بدر کے مقام پر قریب ترین پانی کی جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ حباب بن منذر نے عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! کیا یہ ایسی منزل ہے جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ٹھہرنے کا حکم دیا ہے کہ آپ اس سے آگے پیچھے نہ جائیں یا جنگی افادیت کے نقطۂ نظر سے اس جگہ کا انتخاب آپ نے اپنی رائے سے کیا ہے۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ میری اپنی رائے کے مطابق فوجی تدبیر ہے۔ اس پر حباب بن منذر نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ اس سے بہتر ایک دوسری جگہ ہے جہاں سے مسلمان مشرکین کو بدر کے پانی سے روک سکیں گے۔

آنحضرتؐ نے حباب بن منذر کی یہ تجویز منظور فرمائی اور وہاں سے اٹھ کر اس جگہ چلے گئے جس کی نشان دہی حباب بن منذر نے کی تھی اور وہاں قیام فرمایا۔

پھر سعد بن معاذ نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے آنحضرتؐ کے لیے ایک اونچا چبوترہ (عریش) بنا دیا جائے جہاں سے پُورا میدانِ جنگ آپ کی نظروں میں ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی تو یہ پسندیدہ ہے ورنہ سواریوں پر بیٹھ کر واپس مدینہ جا سکتے ہیں اور سعد نے یہ بھی عرض کی:

"یا رسولؐ اللہ! کچھ لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں جو ہماری بہ نسبت آپ سے کم محبت کرنے والے نہیں ہیں۔ اگر انہیں یہ گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ درپیش ہے تو وہ آپ سے پیچھے نہ رہ جاتے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے لیے دُعا فرمائی اور حکم دیا کہ آپ کے لیے چبوترہ بنا دیا جائے۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی صف بندی کی اور انھیں قتال پر اُبھارا اور شہادت کا شوق

دلایا اور فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آج جو شخص صابر اور ثواب کا امیدوار ہوگا اور پیٹھ نہ پھیرے گا بلکہ آگے بڑھ کر کفار کا مقابلہ کرتا ہوا قتل ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔"

آنحضرتؐ اپنے چبوترے پر لوٹ آئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ بھی تھے اور حضرت سعد بن معاذ بے جگری سے آپ کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی:

"اے اللہ! تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے وہ پورا فرما۔ اے اللہ! اگر آج ان مومن مجاہدین کا گروہ ہلاک ہوگیا تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ کی جائے گی۔"

آنحضرتؐ دیر تک اللہ کے حضور سربسجود رہے بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے خدمتِ اقدس میں عرض کی:

"حضورؐ! اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔"

پھر گھمسان کا رن پڑا اور مسلمان فتحیاب ہوئے۔ مشرکین کے ستر آدمی قتل ہوئے جن میں ان کا سردار ابوجہل اور دیگر رؤسائے قریش بھی شامل تھے[1]۔ ستر مشرکین قید کیے گئے۔ پھر آپؐ نے سب مقتولین کو دفن کرنے کا حکم دیا[2] اور مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے وہاں آپؐ نے قیدیوں کے بارے میں صحابہؓ سے مشاورت کی۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ انھیں قتل کر دیا جائے اور حضرت ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو قبول فرمایا اور مشرکین نے مال ادا کر کے اپنے قیدیوں کو رہائی دلوائی۔[3]

قرآن کریم کی متعدد آیات معرکۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا:

ولقد نصركم الله ببدر و انتم	جنگِ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس
اذلة فاتقوا الله لعلكم تشكرون	وقت تم بہت کمزور تھے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ
اذ تقول للمؤمنين الن يكفيكم	کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکرگزار
ان يمدكم ربكم بثلاثة الاف	بنوگے۔ یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے
من الملئكة منزلين بلى	"کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار

---

[1] ابن ہشام کے مطابق اس جنگ میں ۱۴ اصحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا جن میں ۶ مہاجرین اور ۸ انصار تھے۔ (مترجم)

[2] مشرکین کی لاشوں کو آنحضرتؐ نے ایک کنویں میں ڈلوا دیا۔ (مترجم)

[3] جو قیدی مفلس تھے اور فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے انھیں یونہی چھوڑ دیا گیا اور جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے قیدیوں سے لکھنا سیکھا تھا۔ (مترجم)

ان تصبروا و تتقوا و یاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین وما جعله الله الا بشرٰی لکم ولتطمئن قلوبکم بہٖ وما النصر الا من عند الله العزیز الحکیم ٥ لیقطع طرفاً من الذین کفروا او یکبتھم فینقلبوا خآئبین ٥

(آل عمران - ۱۲۳ - ۱۲۷)

فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟ بے شک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتا دی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ۔ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے (اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔

قیدیوں سے فدیہ قبول کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بطور عتاب فرمایا:

ما کان لنبی ان یکون لہ اسرٰی حتی یثخن فی الارض و تریدون عرض الدنیا ﷺ والله یرید الاٰخرة ط والله عزیز حکیم ٥ لولا کتٰب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔

(الانفال - ۶۷ - ۶۸)

کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے، اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

۲۔ غزوۂ اُحد

وسط شوال ۳ھ میں بروز ہفتہ اُحد کی جنگ ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش نے جنگِ بدر کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور وہ تیاریاں کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں جنگ کرنے کا

سازوسامان مہیا کر لیا۔ وہ احابیش کے ماسوا تین ہزار جنگی جوان لے کر نکلے۔ ان میں سات سو زرہ پوش اور دو سو سواروں کا رسالہ تھا۔ ان کے ہمراہ سترہ عورتیں تھیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی ان میں شامل تھی جس کا باپ جنگِ بدر میں قتل ہو گیا تھا۔ مشرکین مکہ سے چل کر مدینہ کے بالمقابل احد کے نزدیک بطنِ وادی میں پہنچ گئے۔ اُحُد ایک اونچا پہاڑ ہے جو مدینہ کے شمال میں دو میل کی مسافت پر واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابہ کرامؓ کی یہ رائے تھی کہ مسلمان ان کے مقابلے کے لیے باہر نہ نکلیں بلکہ شہر ہی میں محصور رہ کر مشرکین کے حملہ کی مدافعت کریں۔ لیکن بعض نوجوان صحابہؓ اور کچھ مہاجرین و انصار بالخصوص وہ حضرات جو معرکۂ بدر میں شمولیت اختیار نہ کر سکنے کی وجہ سے شرفِ قتال سے تاحال محروم تھے انہوں نے اصرار کیا کہ باہر نکل کر اور کفار کے پڑاؤ میں جا کر ان سے جنگ کی جائے۔ بالآخر ان کے اصرار کے تحت آنحضرتؐ نے باہر نکلنے ہی کا فیصلہ فرما لیا۔

آنحضرتؐ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنی زرہ پہنی، پشت پر ڈھال لٹکائی، دستِ مبارک میں نیزہ سنبھالا اور تلوار گلے میں حائل کر کے باہر مسلمانوں کے پاس تشریف لے آئے۔ اب ان لوگوں نے ندامت محسوس کی جنہوں نے آنحضرتؐ کو اپنی ذاتی رائے کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور کیا تھا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم اپنی تجویز واپس لیتے ہیں آپؐ جس طرح چاہیں عمل کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کبھی کسی نبی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ ہتھیار پہنے اور اتار دے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔"

پھر آں حضرتؐ نکل پڑے اور آپ کے ہمراہ ایک ہزار آدمی تھے جن میں سے صرف ایک سو کے پاس زرہیں تھیں اور دو گھوڑے بھی ساتھ تھے۔

جب مسلمان نکلنے کے لیے اکٹھے ہوئے تو آنحضرتؐ نے دیکھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کے ہمراہ یہود کی ایک جماعت بھی مسلمانوں میں شامل ہونا چاہتی ہے۔ آپؐ نے پوچھا:

"کیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟"

جواب نفی میں دیا گیا۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"انھیں واپس چلے جانے کا حکم دے دو کیونکہ ہم مشرکوں کے مقابلے میں مشرکوں سے امداد نہیں لیتے۔"

راستے میں عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد سات سو کے قریب رہ گئی۔ آپ انھیں لے کر آگے بڑھے اور جبلِ اُحد کے دامن میں پہنچ گئے۔ آپ نے اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ پشت پر پہاڑ تھا اور سامنے لشکرِ قریش۔ آپ نے ہر فوجی دستے کا ایک ایک سردار مقرر فرمایا[1]۔ عبداللہ بن جبیر کی کمان میں

---

[1] حضرت زبیرؓ بن العوام رسالے کے سردار مقرر کیے گئے۔ حضرت حمزہؓ کو فوج کے اس دستہ کی قیادت سپرد کی گئی جو زرہ پوش نہ تھا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو علمبردار بنایا گیا۔ (مترجم)

پچاس تیر اندازوں کو ایک درے پر بٹھا دیا تاکہ وہ اس جانب سے مسلمانوں پر مشرکین کو حملہ کرنے سے باز رکھیں اور تاکیداً فرمایا :

"تم ہماری حفاظت اس طرح کرو کہ مشرکین پیچھے سے ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں اور تیر اندازی کے ذریعے انہیں ہمارے نزدیک نہ آنے دو ۔ اگر تم ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر ڈٹے رہے تو ہمیں ضرور غلبہ نصیب ہو گا کیونکہ گھوڑے تیروں کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے ۔ اے اللہ ! میں آپ کو ان پر گواہ بناتا ہوں "

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے انھیں فرمایا :

"اگر تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ کرلے جا رہے ہیں تب بھی تم اپنے اس مقام کو نہ چھوڑنا جب تک کہ میں تمہیں اس کا حکم نہ دوں ۔"

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلے مسلمانوں کی امداد فرمائی ۔ متعدد دشمن قتل ہو گئے اور قریش پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے ۔ مسلمان لشکرِ مشرکین کی غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے ۔ ان کے پیچھے متعین تیر اندازوں نے جب یہ سماں دیکھا تو کہا :

"ہمیں اب کیا کرنا چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی امداد فرمائی ہے !"

پھر انہوں نے سوچا کہ انہیں وہ درہ چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ بھی غنیمت میں اپنا حصہ حاصل کریں ۔ ان کے سردار عبداللہ بن جبیر نے انہیں آنحضرتؐ کا حکم یاد دلایا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ لڑائی تو اختتام پذیر ہو چکی ہے اس لیے اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ۔ عبداللہ اور دیگر دس آدمیوں نے اپنی جگہ چھوڑنے سے انکار کر دیا ۔ خالد بن ولید جو مشرکین کے میمنہ کا قائد تھا اس نے دیکھا کہ تیر اندازوں نے مسلمانوں کی پشت پناہی چھوڑ دی ہے تو اس نے اچانک پیچھے سے ان پر دوبارہ حملہ کر دیا ۔ مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر طرف سے تلواروں کی زد میں تھے ۔ ان کے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور مشہور کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں ۔ بعض لوگ اس غیر متوقع صورت حال سے سراسیمہ ہو کر مدینہ کی طرف بھاگ نکلے ۔ اب مشرکین کے لیے ممکن ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ سکیں ۔ انہوں نے آنحضرتؐ پر پتھر پھینکے آپؐ بیہوش ہو کر گر پڑے آپ کے چہرے پر ضربیں آئیں ، گھٹنے پر خراش آئے ، نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا ، سر مبارک پر پہنا ہوا خود ٹوٹ گیا ، منہ پر ڈالی ہوئی زرہ (مغفر) کی دو کڑیاں آپ کے رخساروں پر چبھ کر رہ گئیں ۔ مشرکین نے آپؐ کو قتل کرنے کے لیے آپؐ پر ہلہ بول دیا ۔ آنحضرتؐ ان کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور آپؐ کے ہمراہ مومنین کی ایک چھوٹی جماعت بھی مقابلہ کرتی رہی ۔ ان میں حضرت ابو دجانہؓ تھے جو آنحضرتؐ کے سامنے ڈھال بن کر مشرکین کے تیروں سے آپ کی حفاظت کرتے رہے اور تیروں کے وار اپنی پیٹھ پر روکتے رہے ۔ ان میں سعدؓ بن ابی وقاص بھی تھے جنہوں نے اس روز تقریباً ایک ہزار تیر چلائے ۔ انہی جانباز صحابہ کرامؓ میں ایک صحابیہ حضرت نسیبہؓ ام عمارہ انصاریہ بھی تھیں جنہوں نے زخمیوں کو پانی پلانا چھوڑ دیا اور تلوار سے قتال اور تیر اندازی شروع کر دی اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا یہاں تک کہ ان کی گردن میں گہرا زخم آیا جس میں غار پڑ گیا۔ ان کے ساتھ ان کا خاوند اور دو بیٹے بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا:

بارك الله عليكم اهل البيت۔

(اے گھر والو! اللہ تعالیٰ تمہیں برکتوں سے نوازے)

نسیبہؓ نے عرض کی:

"ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ ہمیں جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو جائے۔"

آنحضرتؐ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! انہیں جنت میں میری رفاقت عطا فرما۔"

نسیبہؓ نے اس کے بعد کہا:

"دنیا کی جو تکلیفیں ہمیں پہنچی ہیں مجھے ان کی ذرہ برابر پروا نہیں۔"

آں حضرتؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

"جنگِ اُحد میں میں نے اپنے دائیں بائیں جدھر نظر دوڑائی میں نے دیکھا کہ نسیبہؓ میرے بچاؤ کے لیے لڑ رہی ہے۔"

اس جنگ میں اس صحابیہؓ نے تیر اور تلوار کے بارہ زخم کھائے۔

اس شدت کے موقع پر ابی بن خلف نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے لیے آپ پر دھاوا بول دیا اور قسم کھائی کہ وہ اس سے باز نہیں آئے گا۔ آنحضرتؐ نے اس پر ایک حربہ سے وار کیا جو اس کے حلقوم میں لگا اور اس کی ہلاکت کا سبب بنا۔ یہ ایک ہی مقتول ہے جو تمام جنگی معرکوں میں آنحضرتؐ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبید اللہ کے شانوں پر چڑھ ادھر ادھر نظر دوڑائی اور دیکھا کہ مشرکین کی ایک جماعت پہاڑ پر چڑھی ہوئی ہے آپؐ نے کچھ مسلمانوں کو انہیں نیچے اتارنے کے لیے بھیجا اور فرمایا:

"وہ ہم پر غالب نہیں آ سکتے۔ اے اللہ! ہمارے پاس اپنا کوئی زور نہیں اور ہمیں صرف تیری قوت پر بھروسا ہے۔"

معرکہ اختتام پذیر ہوا تو ابوسفیان نے اپنی اور مشرکین کی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے جنگِ بدر کی شکست کے حوالے سے کہا:

"آج جنگِ بدر کا بدلہ لے لیا گیا ہے۔"

اس معرکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ بھی شہید ہو گئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے ان کے ناک کان کاٹ لیے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجا اور دل نکال کر چبا گئی لیکن کڑواہٹ محسوس کی اور اگل دینا پڑا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے قریش پر فتح کا

قع نصیب فرمایا تو میں ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کر دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد مثلہ کرنے سے منع فرما دیا۔
ں معرکے میں تقریباً ستر مسلمان اور تیس مشرکین قتل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دلجوئی اور اس شکست کے اسباب سے سبق حاصل کرنے کے لیے غزوۂ اُحد کے
رسے میں متعدد آیات نازل فرمائیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين ○ ان يمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثله ط وتلك الايام نداولها بين الناس ج وليعلم الله الذين امنوا ويتخذ منكم شهداء ط والله لا يحب الظلمين ○ وليمحص الله الذين امنوا ويمحق الكفرين ○ ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم ويعلم الصبرين ○

(آل عمران ۱۳۹ - ۱۴۲)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں۔ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں، اور وہ اس آزمائش کے ذریعہ سے سچے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔

پھر چند آیات کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد صدقكم الله وعده اذ تحسونهم باذنه ج حتى اذا فشلتم وتنازعتم في الامر وعصيتم من بعد ما اركم ما تحبون ط منكم من

اللہ نے (تائید و نصرت) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ ابتداء میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم

یریید الدنیا و منکم من یرید الاٰخرۃ ج ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ج ولقد عفا عنکم ط و اللہ ذوفضل علی المؤمنین ہ اذ تصعدون ولا تلوٗن علیٰ احد والرسول یدعوکم فی اخرٰکم فاثابکم غمًّا بغم لکیلا تحزنوا علیٰ ما فاتکم ولا ما اصابکم ط و اللہ خبیرٌ بما تعملون ہ

(آل عمران ۱۵۲ - ۱۵۳)

اختلاف کیا، اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظرِ عنایت رکھتا ہے۔ یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دئے تاکہ آیندہ کے لیے تمہیں سبق ملے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

۴۔ غزوہ بنی نضیر[1]

بنی نضیر یہودی تھے اور نواحِ مدینہ میں آباد تھے۔ قبیلہ خزرج کے ساتھ ان کے حلیفانہ تعلقات تھے اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان سلامتی اور تعاون کا معاہدہ ہو چکا تھا جس کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے لیکن شرارت و غداری یہود کی سرشت میں داخل ہے اور انہوں نے نقضِ عہد کی ٹھان لی۔ آنحضرتؐ اور آپ کے بعض اصحابؓ بنی نضیر کی بستی میں کسی کام کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔ آپ ان کے ایک مکان کی دیوار کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے درپردہ یہ سازش تیار کی کہ مکان کی چھت سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپ کو قتل کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کو

---

[1] یہ غزوہ ربیع الاوّل ۴ھ میں واقع ہوا۔ (مترجم)

اس کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ آپ فوراً وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے گویا کہ آپ کو کوئی حاجت درپیش ہے اور مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ آپ کے اصحاب بھی آپ سے آملے۔

واپس آکر آپؐ نے محمد بن مسلمہ کو یہ پیغام دے کر بنی نضیر کے پاس بھیجا کہ میرے اس شہر سے نکل جاؤ تم جانتے ہو کہ تم نے میرے ساتھ کیا غداری کرنی چاہی تھی تم یہاں میرے ساتھ رہنے کے اہل نہیں ہو۔ آپ نے خروج کے لیے انہیں دس یوم کی مہلت دی۔ بنی نضیر نے اس دھمکی کے پیش نظر نکل جانے کی تیاری کر لی لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے انہیں نکلنے سے روک دیا اور کہلا بھیجا کہ وہ اپنی جماعت کے دو ہزار آدمیوں سے ان کی مدد کرے گا۔ اس وعدۂ امداد کے بھروسے پر بنی نضیر ڈٹ گئے، انہوں نے نکلنے سے انکار کر دیا، وہ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم اپنی جگہ نہیں چھوڑیں گے آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیں۔

آں حضرتؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ ان کی سرکوبی کے لیے نکل پڑے۔ عَلم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ جب یہود نے مسلمانوں کو دیکھا تو ان پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ رئیس المنافقین نے حسب وعدہ یہود کی امداد کے لیے کوئی کمک نہ بھیجی۔ آنحضرتؐ نے یہود کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہود ڈٹے رہے۔ پھر آں حضرتؐ نے ان کے قلعہ کے اردگرد کھجور کے جو درخت تھے وہ کٹوا دیئے۔ اس وقت یہود نے کہا کہ وہ مدینۃ النبیؐ سے نکل جائیں گے چنانچہ ان کے لیے یہ شرط طے گئی کہ وہ اپنے ساتھ اسلحہ لے کر نہیں جا سکتے لیکن دیگر مال و اسباب جس قدر بھی وہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں لے جائیں ان کی جانوں کو کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچایا جائے گا اور انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ جب وہ نکلے تو اپنا تمام اثاثہ جو وہ ساتھ لے جا سکتے تھے لے گئے اور جاتے ہوئے اپنے مکانوں کو منہدم کر گئے تاکہ مسلمان ان سے استفادہ نہ کر سکیں۔ ان میں سے کچھ افراد خیبر کے مقام پر جو مدینہ سے تقریباً ایک سو میل کی مسافت پر واقع ہے آباد ہو گئے اور بعض لوگ شام کی جنوبی سرحد پر "جرش" کے نواح میں مقیم ہو گئے۔ ان میں سے صرف دو آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔

اس غزوہ کے بارے میں سورۃ الحشر نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هو الذی اخرج الذین کفروا من	وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو پہلے
اهل الکتاب من دیارهم لاول	ہی حملے میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔
الحشر ما ظننتم ان یخرجوا و	تمہیں ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے
ظنوا انهم مانعتهم حصونهم من	اور وہ بھی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ان کی گڑھیاں
الله فاتٰهم الله من حیث لم یحتسبوا	انہیں اللہ سے بچا لیں گی مگر اللہ ایسے رُخ
وقذف فی قلوبهم الرعب یخربون	سے ان پر آیا جدھر ان کا خیال بھی نہ گیا تھا۔
بیوتهم بایدیهم وایدی	اس نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا۔

المومنین ق فاعتبروا یا اولی الابصار ٥ ولولا ان کتب اللہ علیھم الجلاء لعذبھم فی الدنیا ط ولھم فی الآخرۃ عذاب النار ٥

(الحشر ۲-۳)

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی برباد کروا رہے تھے۔ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو! اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا اور آخرت میں تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ہی۔

۴۔ غزوۂ احزاب

اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ کفر و اسلام کا یہ تصادم شوال ۵ھ میں ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب بنی نضیر کی جلاوطنی مکمل طور پر ہو گئی تو ان کے کچھ سردار مکہ پہنچ گئے اور قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بر خلاف جنگ کی دعوت اور ترغیب دی۔ قریش نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ اس کے بعد رؤسا ئے یہود قبیلہ غطفان کی طرف گئے۔ چنانچہ بنو فزارہ، بنو مرہ اور اشجع نے بھی قتال میں شرکت پر آمادگی کا اظہار کیا۔ ان سب قبائل عرب نے پوری تیاری کر کے مدینہ کا رُخ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ نے مشورہ دیا کہ مدینہ کے اردگرد خندق کھود دی جائے۔ آنحضرتؐ نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور بذاتِ خود بھی اس کی کھدائی میں حصہ لیا۔ جب قریش اور دیگر ہمراہی قبائل مدینہ پہنچے تو خندق کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ ڈر گئے کیونکہ عرب خندق وغیرہ کے طور طریقوں سے ناواقف تھے۔

دشمن کی تعداد دس ہزار اور مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ حیی بن اخطب (حضرت صفیہؓ ام المومنین کا باپ) ان یہودی سرداروں میں سے ایک تھا جنہوں نے قریش اور دیگر قبائل کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی تھی وہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ سلامتی کے معاہدے کو توڑ دیا جائے۔ کعب نے شروع میں انکار کیا لیکن حیی مسلسل اسے مسلمانوں سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ اسے بھی اپنا ہمنوا بنا لیا اور بالآخر بنی قریظہ بھی دیگر حملہ آور قبائل کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اب مسلمان سخت نازک ترین صورتِ حال سے دوچار ہو گئے۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے پھلوں کے ⅓ حصہ پر بنی قریظہ سے صلح کی بات چیت کرنا چاہی لیکن انصار نے دینی حمیت کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یہ خیانت کار ہیں جنہیں عہد و پیمان کا کوئی پاس نہیں اس لیے خراج کے طور پر ایک حبہ بھی انھیں نہیں

دینا چاہیے ۔

خندق کی چوڑائی ایک جگہ سے کم تھی۔ مشرکین کے کچھ سواروں نے وہاں سے خندق کو عبور کر کے اچانک حملہ کر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور قتل کر دیا۔

پھر نعیم بن مسعود بن عامر (جو قبیلہ غطفان کی شاخ اشجع کا رئیس تھا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطلاع دی کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں لیکن میری قوم کو میرے قبول اسلام کی تاحال خبر نہیں اور بنی قریظہ سے میرے دوستانہ روابط ہیں وہ مجھ پر اعتماد اور بھروسا کرتے ہیں آپ مجھ سے جو خدمت لینا چاہیں میں انجام دوں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہماری جماعت میں ایک ہی آدمی ہو، ہم سے علیحدگی اختیار کر کے اگر کوئی تدبیر کر سکو تو کرو کیونکہ جنگ میں دھوکہ دینا جائز ہے۔ نعیم اپنی ہوشیاری و ذہانت کو کام میں لائے یہاں تک کہ انہوں نے قریش و حلفائے قریش اور بنی قریظہ میں پھوٹ ڈال دی اور ایک فریق کو دوسرے فریق کے بارے میں شک و بدگمانی میں مبتلا کر دیا۔

سردی کا موسم تھا، محاصرہ طول پکڑ چکا تھا، دشمن کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ ایک رات جس میں شدید سردی تھی اچانک اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سخت آندھی آئی جس نے دشمن کی دیگوں کو الٹ دیا اور خیموں کو اکھاڑ دیا۔ قبائل میں افراتفری مچ گئی۔ وہ مرعوب ہو گئے اور اسی رات بے نیلِ مرام کوچ کر گئے۔ جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ وہاں ایک دشمن بھی موجود نہ تھا۔

اس غزوہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ اِذْ جَاۗءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَـنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (الاحزاب ۹-۱۱)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے جب وہ اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کے موقف کی وضاحت فرمائی کہ انہوں نے کن حیلوں بہانوں سے جنگ سے دست برداری اور علیحدگی اختیار کر لی اور پھر مومنین صادقین کی توصیف اس طرح فرمائی :

ولما رءا المؤمنون الاحزاب لا قالوا هٰذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم الا ايمانا وتسليما ۝ من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه ج فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر صلے وما بدلوا تبديلا ۝ ليجزى الله الصادقين بصدقهم ويعذب المنافقين ان شآء او يتوب عليهم ط ان الله كان غفورا رحيما ۝ ج ورد الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيرا ط وكفى الله المؤمنين القتال ط وكان الله قويا عزيزا ۝

(الاحزاب ۲۲-۲۵)

اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ "یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی"۔ اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا۔ پھر وہ کوئی فائدہ حاصل کئے بغیر اپنے دل کی جلن لیے یُونہی پلٹ گئے اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہو گیا، اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

۵۔ غزوۂ بنی قریظہ

یہ غزوہ ۵ھ میں غزوۂ احزاب کے فوراً بعد پیش آیا۔ بنی قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔ جنگِ احزاب کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ یہود بنی قریظہ نے انتہائی سفلہ پن اور غداری کا ارتکاب کیا ہے اور مسلمانوں کے برخلاف قریش و حلفائے قریش کا ساتھ دیا ہے۔ نیز

یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ معرکۂ احزاب کی شدت کے وقت انہوں نے عہد توڑ دیا اور ان کی کوشش یہ تھی کہ جملہ مسلمانوں کو شرِ عظیم میں مبتلا کریں۔ اگر معرکۂ احزاب کا انجام اس طرح نہ ہوتا جس طرح کہ ہوا تو بنی قریظہ کی شرانگیزی ضرور رنگ لاتی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ ان خیانت کاروں اور غداروں کی سرکوبی کی جائے۔ مدینہ منورہ جو آپ کی تحریک جہاد کا مرکز تھا اسے ان کے ناپاک وجود سے یکسر پاک کر دیا جائے تاکہ انہیں دوبارہ موقعہ نہ مل سکے کہ وہ اپنی سفلہ اور غدارانہ سرشت کے تحت اسی قسم کی حرکتوں سے مسلمان ہمسایوں کے لیے ابتلاؤ ہلاکت کا سامان مہیا کریں۔

امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ خندق سے واپس تشریف لائے تو آپؐ نے اسلحہ اتارا اور غسل فرمایا۔ آپؐ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے جن کا سر غبار آلود تھا اور کہا:

"آپؐ نے اپنا اسلحہ اتار دیا ہے، اللہ کی قسم میں نے ابھی نہیں اتارا۔"

آپؐ نے پوچھا:

"کون سی مہم درپیش ہے؟"

جبریلؑ نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان سے اسی وقت نمٹ لینا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس حکم کے تحت آں حضرتؐ نے نکلنے کی تیاری کر لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت منادی کرا دی کہ کوئی شخص عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک بنی قریظہ کی بستی میں نہ پہنچ جائے۔ آپ خود بھی تشریف لے گئے۔ حضرت علیؓ نے علم اٹھایا۔ تین ہزار مسلمان جمع ہو گئے۔ چھتیس سوار بھی تھے۔ جب حضرت علیؓ بنی قریظہ کے قلعہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے سنا کہ یہودی آنحضرتؐ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو گالیاں دے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے یہود کی بدکلامی کی خبر آنحضرتؐ کو دی اور عرض کی کہ آپ ان خبیثوں کے قریب نہ جائیں آنحضرتؐ یہود کی اخلاقی گراوٹ اور ان کی منافقت اور چاپلوسی سے باخبر تھے۔ آپؐ نے جواباً فرمایا کہ جب وہ مجھے دیکھیں گے تو ایسی باتیں نہیں کریں گے۔ چنانچہ جب یہود نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو انہوں نے نرم گفتاری اختیار کی جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا مسلمانوں نے پچیس روز تک ان کا محاصرہ کیا یہود تنگ آ گئے۔ بالآخر انہوں نے اپنے آپ کو آنحضرتؐ کے حوالے کر دیا۔ آپؐ نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم مقرر فرمایا۔ بنی قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ سعد نے فیصلہ صادر کیا کہ بنی قریظہ کے جنگجو جوان موت کے گھاٹ اتار دیے جائیں اور ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے۔ ان کے اموال و اسباب بطور غنیمت تقسیم کیے جائیں۔ آنحضرتؐ نے سعدؓ کا یہ فیصلہ نافذ فرمایا۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تحریک کے خلاف مدینہ اور اس کے نواح میں یہود کی سازشوں، ہتھکنڈوں اور ریشہ دوانیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

اس غزوہ کے بارے میں قرآن کریم میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہود کی غداری و بدعہدی اور جنگ احزاب میں ان کی طرف سے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کا بیان ہے:

واذ قالت طآئفة منهم یا اهل یثرب لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منهم النبی یقولون ان بیوتنا عورة ط وما هی بعورة ج ان یریدون الا فرارا ۝ ولو دخلت علیهم من اقطارها ثم سئلوا الفتنة لاتوها وما تلبثوا بها الا یسیرا ۝ ولقد کانوا عاهدوا الله من قبل لا یولون الادبار ط وکان عهد الله مسئولا ۝ قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذا لا تمتعون الا قلیلا۔

(الاحزاب ۱۳-۱۶)

جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ "اے یثرب کے لوگو! تمہارے لیے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو" جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبیؐ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ "ہمارے گھر خطرے میں ہیں" حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے، دراصل وہ (محاذِ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔ اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اُس وقت انہیں فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو یہ اس میں جا پڑتے۔ اور مشکل ہی سے انہیں شریکِ فتنہ ہونے میں کوئی تامل ہوتا۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی باز پرس تو ہونی ہی تھی اے نبی! ان سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا۔ اس کے بعد زندگی کے مزے لوٹنے کا تھوڑا ہی موقع مل سکے گا۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے:

وانزل الذین ظاهروهم من اهل الکتاب من صیاصیهم وقذف فی قلوبهم الرعب فریقا تقتلون وتاسرون فریقا ج واورثکم ارضهم ودیارهم واموالهم وارضا لم تطؤها ط وکان الله علی کل شیء قدیرا ۝

(الاحزاب ۲۶-۲۷)

پھر اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا، اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں اس نے ایسا رعب ڈال دیا کہ آج ان میں ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہ کیا تھا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۶۔ غزوۂ حدیبیہ

یہ واقعہ ذی قعدہ ۶ھ میں پیش آیا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہؓ کے ہمراہ بلا خوف وخطر اور پورے امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے، اپنے سر منڈوائے اور بال ترشوائے۔ اس اشارۂ الٰہی کے تحت آنحضرتؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ عمرہ ادا کرنے کے لیے سفر کی تیاری کریں۔ اس سفر زیارت میں قریش کے ساتھ جنگ وقتال کا آپ کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ گزشتہ ۶ سال سے بند تھا اس لیے مہاجرین وانصار شوقِ زیارت میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ دیہاتی لوگ جو جانا چاہتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بیت اللہ کی تعظیم وتکریم کے لیے قربانی کے اونٹ اور چوپائے بھی ساتھ لے لیے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر عمرے کا احرام باندھا تاکہ عوام الناس اور خصوصاً قریش کو معلوم ہو جائے کہ آنحضرتؐ کا قتال کا ارادہ نہیں۔ ان زائرینِ حرم کی تعداد تقریباً پندرہ سو تھی۔ سب کے سب غیر مسلح تھے۔ صرف ایک ایک تلوار نیام میں بند ساتھ رکھ لی گئی جو اس زمانے میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی اور عرب کے معروف قاعدے کے مطابق ہر مسافر کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت تھی۔

آنحضرتؐ اس مبارک سفر پر چل پڑے یہاں تک کہ قافلہ مقام عُسفان تک پہنچ گیا۔ وہاں ایک شخص نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ قریش کے لوگوں کو آپؐ کے آنے کی خبر ہو چکی ہے اور وہ چیتے کی کھالوں کا لباس پہن کر آپ کا راستہ روکنے کے لیے نکل پڑے ہیں۔ انہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ آپ کو مکہ میں کبھی داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا:

"قریش کا طرزِ عمل افسوسناک ہے۔ میں تو ان سے لڑنا نہیں چاہتا۔ ان کا کیا بگڑتا ہے اگر وہ مجھے دوسرے عرب قبائل میں تبلیغ کر لینے دیں۔ انہوں نے عمداً مجھے مصائب سے دوچار کر رکھا ہے۔ اگر اللہ نے مجھے ان پر غلبہ عطا فرمایا تو یہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے ورنہ اگر انھیں طاقت ہوئی تو مزید قتال کریں گے۔ قریش کا کیا خیال ہے؟ اللہ کی قسم کہ اس نے جس حق کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے میں اس کے لیے پیہم کوشش کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں بے یار ومددگار رہ جاؤں۔"

جب آپؐ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ کے قریب جدہ کے راستے پر واقع ہے تو بنی خزاعہ کے کچھ آدمی آپ کے پاس آئے اور آپ کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔ آپ نے انہیں بتلایا کہ میں صرف زیارتِ بیت اللہ اور عمرے کے لیے آیا ہوں۔ انھوں نے واپس جا کر قریش کو کہا:

"تم محمدؐ کے معاملے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہو وہ کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف بیت اللہ کی زیارت ان کے پیشِ نظر ہے۔"

قریش نے جواباً کہا:

"اللہ کی قسم، وُہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پورے عرب میں ہم ذلیل ہو جائیں گے اور لوگ ہمارے بارے میں چہ میگوئیاں کریں گے۔"

پھر قریش نے مسعود ثقفی کو اس صورتِ حال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کے لیے بھیجا۔ اس نے آنحضرتؐ سے بات چیت کی اور بعض صحابہؓ سے بھی تبادلہ خیالات کیا۔ واپس جا کر اس گفت و شنید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی عقیدت و محبت کا جو نظارہ دیکھا اس کے متعلق قریش کو خبر دی اور بتلایا کہ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ صلح کے خواہشمند ہیں لیکن قریش نہ مانے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو اہلِ مکہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ انھیں آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے آنے کی غرض و غایت سے آگاہ کریں۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا اور مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ وہ قتل کر دئے گئے ہیں۔ اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لیے اب ہم قتال کئے بغیر نہ جائیں گے۔ آپؐ نے صحابہؓ کو بلایا کہ وُہ جہاد اور اللہ کے راستے میں شہادت کی بیعت کریں۔ تمام صحابہؓ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر جاں نثاری کی بیعت کی اور آپ نے فرمایا کہ صلح ہو گی یا شہادت ہو گی۔

جب قریش کو اس بیعت کے متعلق معلوم ہُوا تو وہ ڈر گئے اور انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ صلح پر آمادگی ظاہر کی کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آ کر صرف تین دن قیام کر سکتے ہیں اور اپنے ساتھ مسافر کا اسلحہ یعنی تیر اور نیام میں بند تلوار لا سکتے ہیں۔ صلح کی تکمیل کے لیے قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا اور بالآخر قریش کی مرضی کے مطابق صلحنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس میں مزید یہ شرطیں رکھی گئیں کہ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی اور یہ کہ محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے لیکن قریش کا جو آدمی محمدؐ کے پاس چلا جائے گا اسے آپ واپس کر دیں گے۔ یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھیں اور ذلت آمیز معلوم ہوتی تھیں اس لیے مسلمانوں میں اضطراب کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ بعض صحابہؓ نے جن میں حضرت عمرؓ پیش پیش تھے آنحضرتؐ سے ان شرائط کے بارے میں بحث و تکرار بھی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اللہ کا بندہ ہُوں، اللہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ عمرہ کا احرام کھول دیا جائے لیکن زیارت بیت اللہ سے محرومی اور نامساوی شرائطِ صلح کی بنا پر صحابہ کرام رنج و غم سے اس قدر مغلوب تھے کہ انہوں نے تعمیل نہ کی۔ حضور علیہ السلام نے بذاتِ خود پہل کر کے عمرے کا احرام ختم کر دیا۔ پھر سب مسلمانوں نے آپ کے عمل کی پیروی کی۔ یہ شرائطِ صلح جو اس وقت مسلمانوں پر گراں گزریں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عقلمندی، بالغ نظری اور وحی کی ہدایت کے تحت

منظور فرمایا تھا ان کی افادیت بعد میں ظاہر ہوئی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ حدیبیہ کو فتح مبین کا نام دیا ہے۔ فرمایا گیا:

انا فتحنا لك فتحاً مبيناً ۙ ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطاً مستقيماً ۙ وينصرك الله نصراً عزيزاً ۝ (الفتح ۱-۳)	اے نبیؐ! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اور تم کو زبردست نصرت بخشے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے جو بیعت لی اس کے بارے میں فرمایا گیا:

ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم فمن نكث فانما ينكث على نفسه ومن اوفى بما عاهد عليه الله فسيؤتيه اجراً عظيماً ۝ (الفتح ۱۰)	اے نبیؐ! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا، اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

وہ صحابہ کرامؓ جو بیعتِ رضوان میں شامل ہوئے انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کی سند عطا کی اور فرمایا:

لقد رضى الله عن المومنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما فى قلوبهم فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحاً قريباً ۝ (الفتح ۱۸)	اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا، اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا ذکر کیا گیا جس کی وجہ سے غزوہ حدیبیہ پیش آیا۔ ارشاد ہوا:

لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق ۚ لتدخلن المسجد الحرام ان شآء الله امنين محلقين رءوسكم ومقصرين لا تخافون ۖ فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلك فتحاً	فی الواقع اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ اِن شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا

قریباً ٥ (الفتح ۲۷) | وہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے اس لیے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی۔

یہ اشارہ فتح مکہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے جو صلح حدیبیہ کے ثمرات میں سے ہے ان شاء اللہ ہم اس کا ذکر پند و نصائح کے تحت کریں گے پھر اس دین مبین کے غلبہ و کامرانی کی نوید ان الفاظ میں سنائی گئی:

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ و کفٰی باللہ شھیدا ٥ (الفتح ۲۸)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

صدق اللہ العظیم۔

۷۔ غزوۂ خیبر

یہ غزوہ اواخر محرم ۷ھ میں پیش آیا۔ خیبر مدینہ منورہ کے شمال میں شام کی طرف ایک وسیع نخلستانی علاقہ ہے جہاں یہود سکونت پذیر تھے۔

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ صلح حدیبیہ کی تکمیل سے قریش کی جانب سے مسلمانوں کو امن میسر آگیا تھا، نیز مدینہ منورہ کی آبادی یہودیوں سے پاک ہو چکی تھی اور مدینہ کے مضافات میں یہودی آبادیوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ البتہ خیبر میں یہودیوں کے مضبوط قلعے قائم تھے جن میں تقریباً دس ہزار سپاہ تھی۔ ان کے پاس کثیر مقدار میں اسلحہ اور ساز و سامان تھا یہود مکاری و فریب کاری اور بیہودگی کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے ان کی اس پیہم شرانگیزی کا قلع قمع کیا جانا ضروری تھا تاکہ یہود مسلمانوں کے مرکز مدینہ منورہ کے لیے آئے دن اضطراب و بے چینی کا سبب نہ بن سکیں۔

آنحضرت ؐ نے اواخر محرم میں خیبر کی طرف لشکر کشی کا فیصلہ فرمایا۔ آپ ؐ سترہ سو مجاہدین لے کر روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں دو سو اسپ سواروں کا رسالہ بھی تھا۔ آنحضرت ؐ نے اس غزوہ میں اپنی ہم رکابی کے لیے ان صحابہ کو نکالا جو غزوہ حدیبیہ میں شامل تھے۔ جب آپ کو خیبر کی عمارتیں نظر آئیں تو صحابہؓ کو فرمایا کہ یہاں ٹھہر جاؤ۔ پھر آپ ؐ نے اللہ سے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! تو آسمانوں اور ان کے زیر سایہ ہر چیز کا مالک ہے، زمینوں اور ان پر بسنے والوں کا مالک ہے۔ شیطانوں اور جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں ان کا مالک ہے، ہواؤں اور جن چیزوں کو وہ اڑاتی اور بکھیرتی ہیں ان کا مالک ہے۔ اے اللہ! ہم تجھ سے اس قریہ کی قریہ والوں کی، اور

یہاں کی ہر چیز کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔"

جب آپ خیبر پہنچے تو قلعہ نطاۃ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ اس میں یہود نے اپنے فوجی سپاہی جمع کیے ہوئے تھے آنحضرتؐ نے حباب بن منذر کو اس قلعہ کے محاصرہ کا حکم دیا کیونکہ وہ اہلِ نطاۃ کے حالات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ یہودی فوجی ماہر تیر انداز تھے۔ وہ اونچی جگہ پر تھے جہاں سے وہ مسلمانوں کی صفوں پر بڑی سرعت کے ساتھ تیر برسا سکتے تھے۔ ان پر غلبہ پانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور وہ رات کے اندھیرے میں کھجور کے گھنے درختوں کی اوٹ میں چھپ کر بھی مسلمانوں پر حملے کر سکتے تھے۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے ایک دستے کی ہمراہی میں ایک دوسرے قلعے کا محاصرہ کیا۔

معرکہ آرائی شروع ہوئی اور مسلمان یکے بعد دیگرے قلعے فتح کرنے لگے۔ صرف دو قلعے رہ گئے یہودیوں کی تمام جانی و مالی و جنگی قوت اب ان کے اندر مجتمع ہو گئی۔ بالآخر بے بس ہو کر یہود نے آنحضرتؐ سے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی پیشکش کی:

(ا) ان کے جنگی جوانوں کی جان بخشی کی جائے۔

(ب) ان کی اولاد اور اہل و عیال کو چھوڑ دیا جائے۔

(ج) انھیں ایک ایک جوڑا کپڑے لے کر خیبر سے نکل جانے کی اجازت دی جائے۔

آنحضرتؐ نے ان شرائط پر ان سے صلح کر لی اور فرمایا کہ اگر انہوں نے کوئی چیز چھپائی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ بری الذمہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ قلعوں سے باہر نکل آئے۔ مسلمانوں کو ان قلعوں سے بھاری مقدار میں اسلحہ ہاتھ آیا۔ اور توراۃ کے متعدد صحیفے دستیاب ہوئے۔ بعد میں یہود نے ان کی واپسی کی درخواست کی اور آنحضرتؐ نے واپس کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔ اس معرکہ میں ۹۳ یہودی کام آئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔

۸۔ غزوۂ موتہ

یہ غزوہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں پیش آیا۔ شام کے بالائی حصے میں موتہ ایک قصبہ ہے جس کا موجودہ نام "کرک" ہے اور بحرِ مردار کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر ازدیؓ کو دعوتِ اسلام کا ایک خط دے کر بصریٰ کے رئیس حارث بن ابی شمر غسانی[۲] کے پاس بھیجا۔ جو

---

[۱] خیبر چھوڑنے سے قبل یہود نے دوبارہ آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی کہ خیبر کی اراضی اور باغات کی کاشت ان کے سپرد کر دی جائے اور ان کو یہیں رہنے کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ نے یہ درخواست قبول کر لی اور طے ہوا کہ یہود پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج مسلمانوں کو دیا کریں گے۔ (مترجم)

[۲] حارث بن ابی شمر کے پاس آنحضرتؐ کا نامہ مبارک شجاع بن وہب اسدیؓ لے کر گئے تھے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)



میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت

ہرقل کا نائب السلطنت تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد نبیؐ نے متعدد شاہانِ عالم اور امراءِ عرب کی طرف دعوتی خطوط ارسال کیے تھے اور امیرِ بصریٰ کی جانب یہ نامہ مبارک بھی تبلیغی سلسلے میں تھا۔ حارثؓ جب موتہ پہنچے تو عیسائی عربوں کے ایک عیسائی امیر نے جو براہِ راست قیصرِ روم کے ماتحت تھا آنحضرتؐ کے ایلچی حارثؓ سے دریافت کیا کہ تم محمدؐ کے ایلچی معلوم ہوتے ہو، کہاں جا رہے ہو؟ اس نے ایلچی کو گرفتار کر لیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو آپ سخت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ عیسائیوں کی طرف سے یہ ایک سنگین نوعیت کا اقدام تھا۔ اس سے قبل آپ کے کسی سفیر کو کبھی کسی نے قتل نہیں کیا تھا۔

آنحضرتؐ نے قصاص لینے کی غرض سے مسلمانوں کا ایک لشکر تیار کیا جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ زیدؓ بن حارثہ کو سالارِ لشکر مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابوطالب کو امیر بنانا اور اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو عبداللہؓ بن رواحہ کو لشکر کی امارت سپرد کرنا۔ نیز سالارِ لشکر حضرت زیدؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ اظہارِ ہمدردی کے لیے حارث بن عمیرؓ کے مقتل پر جائیں، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں ورنہ اللہ کی امداد طلب کر کے ان سے قتال کیا جائے۔ قتال کے متعلق آنحضرتؐ نے ان الفاظ میں انہیں حکم دیا:

"میں تمہیں اللہ کے ڈر اور اپنے ساتھیوں سے بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔ کافروں کے ساتھ اللہ کے نام سے اور اللہ کے راستے میں قتال کرنا، دھوکہ نہ دینا، چوری نہ کرنا، بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور گوشہ نشین راہبوں کو قتل نہ کرنا، نخلستانوں اور دوسرے درختوں کو نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔"

اللہ کی برکت کے بھروسے پر یہ لشکر روانہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے بذاتِ خود لشکر کو مدینہ سے رخصت فرمایا۔ مجاہدین چلتے گئے یہاں تک کہ مُعان پہنچ گئے۔ وہاں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ ہرقل شاہِ روم عظیم لشکر لے کر بلقاء کے علاقہ میں مآب کے مقام پر ٹھہرا ہوا ہے اس کے علاوہ نصرانی عربوں نے بھی تقریباً ایک لاکھ فوج تیار کر رکھی ہے۔ رومی لشکر کا پڑاؤ مسلمانوں اور نصرانی عربوں کے قریب ہی تھا۔ مسلمانوں نے آپس میں مشاورت کی۔ اس صورتِ حال کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تاریخ الکامل لابن الاثیر میں ہے: "و اما الحارث بن ابی شمر الغسانی فاتاہ کتاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع شجاع بن وھب"۔ اور سیرۃ النبی لابن ہشام میں ہے: "و بعث شجاع بن وھب الاسدی الی الحارث بن ابی شمر الغسانی ملك تخوم الشام"۔ اس سے ظاہر ہے کہ حارث بن ابی شمر کی طرف حارث بن عمیر ازدیؓ کو بھیجا ہی نہیں گیا اور آنحضرتؐ کے اس قاصد و سفیر کو جس عیسائی رئیس نے قتل کیا تھا اس کا نام شرحبیل بن عمرو غسانی ہے۔ اس ضمن میں "نور الیقین" مطبوعہ سبحانی اکادمی لاہور کے صفحات ۱۹۶، ۱۹۷ ملاحظہ فرمائے جائیں۔ (مترجم)

پیش نظر ان کی رائے یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمک طلب کی جائے یا دربارِ رسالت سے مزید احکام حاصل کیے جائیں۔ عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا :

"اللہ کی قسم، جس کام کے لیے تم نکلے تھے اب تم اس سے جی چرا رہے ہو، تمہارا مطمحِ نظر تو شہادت ہونا چاہیے۔ ہم لوگوں سے اپنی تعداد اور کثرت اور قوت کے بھروسے پر نہیں لڑتے بلکہ ہم اس دین حق کے بل بوتے پر لڑتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اعزاز و اکرام سے نوازا ہے۔ اگر قتال ہوگی تو دو بھلائیوں میں سے ایک ہمیں ضرور میسر آئے گی — فتح یا شہادت "

جنگ کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد لوگ اس رائے سے متفق ہو گئے اور جنگ کا آغاز ہوا۔ زیدؓ نے قتال کیا یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بعد ازاں حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا۔ وہ اپنے گھوڑے پر لڑتے رہے۔ جب اُترنے پر مجبور ہوئے تو پیدل لڑتے رہے۔ آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو علم سینے پر سنبھالے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم تلواروں اور نیزوں کے تھے۔ پھر عبداللہؓ بن رواحہ کو علمبرداری سونپی گئی وہ بھی قتال کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ پھر اتفاق رائے سے لشکر کی امارت حضرت خالدؓ بن ولید کے سپرد کی گئی۔ کفر و اسلام کا یہ پہلا معرکہ تھا جس میں وہ اسلام کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی جنگی حکمتِ عملی سے کئی گنا طاقت کے مقابلے میں اسلامی فوج کو ہلاکت سے بچا لیا پھر مدینہ واپس چلے آئے۔

مسلمانوں نے جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے باہر رومیوں کے برخلاف یہ پہلی جنگ لڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود اس میں شرکت نہیں فرمائی لیکن اسے غزوہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس جنگ میں دوسرے سرایا کی بہ نسبت مسلمان مجاہدین کی تعداد زیادہ تھی جو لگ بھگ تین ہزار تھی۔

اس جنگ میں حضرت خالدؓ بن ولید نے بے جگری اور شجاعت کا جو مظاہرہ کیا اس کی بنا پر دربارِ رسالت سے انھیں "سیف اللہ" کا خطاب عطا ہوا۔

۹ - غزوہ فتح

مکہ مکرمہ رمضان ۸ھ میں فتح ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ صلح حدیبیہ کی رو سے قبائل عرب میں سے ہر ایک قبیلہ کو اجازت تھی کہ اگر وہ چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بن کر یا قریش کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ محالفت کا وعدہ کر لیا اور بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے۔ ۸ھ میں بنو بکر نے خزاعہ پر چڑھائی کر دی۔ تقریباً بیس آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قریش نے اپنے مال اور اسلحہ سے بنو بکر کی امداد کی[1] اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آنحضرتؐ سخت برہم ہوئے۔

---

[1] عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو بھیس بدل کر بنو بکر کی طرف سے بنو خزاعہ کے برخلاف عملاً جنگ میں شرکت اختیار کی۔ (مترجم)

آپ نے قریش کے برخلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی لیکن آپ نے اس معاملے کو صیغۂ راز میں رکھا تاکہ قریش بھی مزاحمت کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔ جنگ کی صورت میں مکہ مکرمہ کی حرمت کی پامالی اور حرم میں کشت و خون کا احتمال تھا اس لیے آپ اچانک حملہ کر کے قریش کی سرکوبی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدریؓ نے پوشیدہ طور پر مکہ جانے والی ایک عورت کے ہاتھ رؤسائے قریش کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے کی اطلاع دی کہ آنحضرتؐ ان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کے بارے میں مطلع فرما دیا۔ آپؐ نے فوراً اپنے چند صحابہ کو اس نامہ بر عورت کے تعاقب میں بھیج دیا تاکہ وہ اس عورت سے وہ خط حاصل کر لیں۔ صحابہؓ خط حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کو طلب کیا اور فرمایا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ حاطب نے جواب دیا: "اللہ کی قسم، اللہ اور اس کے رسولؐ پر میرا پختہ ایمان ہے، میں کافر و مرتد نہیں ہوا۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ میں قریش کے قبیلے کا فرد نہیں ہوں میرے اہل و عیال قریش کے درمیان آباد ہیں اور ان کے رحم و کرم پر ہیں یہ خط اس لیے انہیں ارسال کیا تھا کہ وہ اس احسان کے بدلہ میں میرے اقربا سے تعرض نہ کریں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! یہ منافق ہو گیا ہے، مجھے اجازت ہو تو میں اس کی گردن اڑا دوں۔"

آپؐ نے عمرؓ سے فرمایا: "یہ بدری ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے اور اس نے یہ فرمایا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے یا (یہ فرمایا) کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ چونکہ سفر جہد و مشقت کا تھا اور قتال درپیش تھا اس لیے راستے میں آپ نے روزے چھوڑ دئے اور آپ کے ہمراہ دوسروں نے بھی روزے نہ رکھے مدینہ سے نکلتے وقت مسلمان فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔ راستے میں کچھ دیگر قبائل بھی آکر آپ سے مل گئے۔ مرالظہران کے مقام پر آنحضرتؐ کے چوکیداروں نے ابوسفیان اور دوسرے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا ابوسفیان مسلمان ہو گیا۔ قبل حضرت عباسؓ اسلام قبول کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آ رہے تھے کہ راستے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہو گئی حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ "ابوسفیان فخر و مباہات کو بہت پسند کرتا ہے آپ اس کے لیے کوئی ایسی خصوصیت تجویز فرمائیں جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امن ہے۔"

پھر اسلامی لشکر مکہ پہنچ گیا۔ آنحضرتؐ کے منادی نے اعلان کیا:

"جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو کر اپنا دروازہ بند کر لے گا اس کے لیے امن ہے، جو مسجد حرام میں چلا جائے گا اس کے لیے بھی امن ہے اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کے لیے بھی امن ہے۔"

مکہ میں پندرہ اشخاص ایسے تھے جن کے جرائم اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف بہت گھناؤنے تھے

اور قابلِ تعزیر تھے اس لیے انہیں امن کے اس اعلانِ عام سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ لیکن عاجزی کے مارے اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ آپ کی پیشانی مبارک کجاوے کو چھو رہی تھی اور اس فتح اکبر پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے آنحضرتؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور ارد گرد جو تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے ان کا صفایا کر دیا پھر خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے دو رکعت نماز ادا کی پھر کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ قریش کا ہجوم منتظر تھا کہ آپ ان کی قسمت کے بارے میں کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ آپ نے ان سے اس وقت مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے قریش! تم کو کچھ معلوم ہے کہ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟"

انہوں نے کہا:

"ہمیں آپ سے بھلائی کی توقع ہے کیونکہ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں آج تمہارے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو مجھ سے پہلے میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی:

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔

(آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے)

جاؤ، تم آزاد ہو۔"

پھر لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے آپ کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ آنحضرتؐ کوہِ صفا پر تشریف فرما ہوئے اور آپؐ نے لوگوں سے حسبِ استطاعت سمع و طاعت کی بیعت لی۔ پہلے مردوں سے بیعت لی گئی اور پھر خواتین سے۔ آنحضرتؐ نے خواتین میں سے کسی سے مصافحہ نہیں کیا۔ بیعت کرنے والی مستورات میں ہند زوجہ ابوسفیان بھی تھی جس کا خون آپ نے مباح قرار دے رکھا تھا۔ لیکن جب اس نے آنحضرتؐ کی بیعت کر لی تو اسے معاف کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ بامِ کعبہ پر چڑھ کر ظہر کی اذان دیں۔ اس سے قریش کی جاہلیت کی رگ پھر پھڑک اٹھی۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ایک عظیم مصلحت اور حکمتِ بالغہ کے تحت عمداً دیا تھا تاکہ قریش کی جاہلیت کا غرور ہمیشہ کے لیے کافور ہو جائے۔

۱۰۔ غزوہ حنین

فتح مکہ کے کچھ دنوں کے بعد یہ غزوہ ۱۰ شوال ۸ھ کو پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی امداد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے سرداروں نے یہ گمان کیا کہ مکہ کو سر کرنے کے بعد آنحضرتؐ ان کی طرف متوجہ ہوں گے اس لیے انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ آنحضرت سے جارحانہ جنگ کی

پہل کر دیں۔ انہوں نے مالک بن عوف کو اپنا سالار مقرر کیا۔ اس وقت اس کی عمر تیس سال تھی۔ اس نے حکم دیا کہ وہ جنگ آزمائی کے وقت اپنے اموال و مواشی اور اہل و عیال کو بھی ساتھ رکھیں تاکہ قتال میں ثابت قدمی کا مظاہرہ ہو۔ اس ہونے والی جنگ میں ان کی سپاہ بیس سے تیس ہزار تک تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے مقابلے میں قتال کے لیے نکلنے کا اعلان فرما دیا۔ مکہ میں جو کوئی بھی تھا وہ لڑائی کے لیے نکل آیا۔ یعنی آنحضرتؐ کے وہ صحابہؓ جو آپؐ کے ساتھ غزوۂ فتح میں شریک ہوئے تھے اور ان کے علاوہ مکہ مکرمہ کے وہ لوگ جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا وہ بھی شامل ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ جب آپؐ وادی حنین میں پہنچے تو صبح کے دھندلکے میں قبیلہ ہوازن اور ان کے حلفاء سے آپؐ کا آمنا سامنا ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے اور شکست کھا گئے۔ اب مسلمان غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ مشرکین نے موقع شناسی کر کے ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اس اچانک حملہ سے مسلمان فوج سراسیمہ ہو گئی۔ اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ وہ تتر بتر ہونے لگی اور اس نے پسپائی اختیار کی۔ خصوصاً وہ لوگ جو نئے نئے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے بھاگ نکلے۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر ثابت قدمی و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ آپؐ اپنے خچر پر سوار یہ رجز پڑھتے رہے:

انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

(ترجمہ: میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں)

مسلمانوں میں یہ خبر مشہور کر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دئے گئے ہیں۔ اکثر مسلمانوں نے مایوسی کے عالم میں اپنا اسلحہ پھینک دیا۔ لیکن مہاجرین و انصار کا ایک دستہ آنحضرتؐ کے گرد ثابت قدمی سے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ حضرت عباسؓ بلند آواز تھے انہوں نے مسلمانوں کو زور سے پکارا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ یہ آواز کانوں میں پڑتے ہی تمام فوج لوٹ آئی اور دوبارہ غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ مسلمانوں نے مشرکین کا تعاقب کر کے ان کو قتل کیا اور انھیں قیدی بنا لیا۔ جنگ کے نتیجے میں کثیر غنیمت ہاتھ آئی۔ آنحضرتؐ نے اسے نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں میں تالیفِ قلوب کے لیے تقسیم کیا۔ اس میں سے انصار کو کچھ نہ دیا گیا کیونکہ وہ تو آزمودہ اور قابلِ اعتماد تھے اور اپنے ایمان و اسلام کا ثبوت بہم پہنچا چکے تھے۔

اس معرکے کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ	اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے
و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم	ابھی غزوۂ حنین کے روز (اس کی دستگیری
فلم تغن عنکم شیئا و	کی شان دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت
ضاقت علیکم الارض بما رحبت	تعداد کا غرہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور

ثم ولیتم مدبرین ۵ ثم انزل اللہ سکینتہٗ علیٰ رسولہٖ وعلی المؤمنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا ط و ذٰلک جزآء الکافرین ۵

(التوبہ ۲۵-۲۶)

زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔

مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان یہ آخری قابلِ ذکر معرکہ تھا جس کے بعد اہل عرب نے بتوں کو توڑ دیا اور وہ دینِ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۱۱۔ غزوۂ تبوک

اسے غزوۂ عسرت بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوہ ماہ رجب ۹ھ میں پیش آیا۔ تبوک سرزمینِ حجاز کی وادی قریٰ اور شام کے درمیان ایک موضع کا نام ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ رومیوں نے ایک لشکر جرار شام میں اکٹھا کیا جس میں عرب عیسائی قبائل لخم، جذام، عاملہ اور غسان بھی شامل ہو گئے۔ قیصر روم ہرقل کا ارادہ نہ تھا کہ وہ اس فوج سے مدینہ منورہ پر حملہ کرے اور جزیرہ نمائے عرب کی اس نئی اُبھرتی ہوئی مملکت کو تاخت و تاراج کر دے جس کے غلبہ و فتوحات کی خبریں آئے دن سُننے میں آتی تھیں اور قیصر اس روز افزوں ترقی سے کبیدہ خاطر اور خوف زدہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومی لشکر کے مقابلے پر نکلنے کی ترغیب دلائی۔ گرمی زوروں پر تھی اور عسرت کا عالم تھا۔ سچے مومن بطیبِ خاطر تیار ہو گئے۔ ان صادق الایمان لوگوں میں سے صرف تین پیچھے رہ گئے اور لشکر میں شامل نہ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیش عسرت کے لیے ساز و سامان مہیا کرنے کا حکم دیا۔ وہ کثیر مال لے آئے۔ ابوبکرؓ نے اپنا سارے کا سارا مال لا کر ڈھیر کر دیا جس کی مالیت چالیس ہزار درہم تھی۔ حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے آئے۔ حضرت عثمانؓ نے مالِ کثیر خدمتِ نبوی میں پیش کر دیا اور ایک تہائی لشکر کی ضروریات کے لیے سامانِ جنگ مہیا کیا۔ آنحضرتؐ نے ان کے لیے دعا کی اور فرمایا:

"آج کے بعد عثمانؓ جو کچھ بھی کرے اس کے لیے ضرر رساں نہیں ہوگا۔"

کچھ تنگ دست صحابہؓ بھی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے پاس سواریاں نہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر میں تمہیں سوار کر کے لے جا سکوں۔"

وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے کیونکہ ان کے پاس زادِ راہ نہیں تھا۔ اسی سے زیادہ منافقین

بھی پیچھے رہ گئے۔ متعدد بدویوں نے بھی غلط اور جھوٹے عذرات پیش کیے۔ آنحضرتؐ نے ان سب کے عذرات قبول کر لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔ آپؐ کی ہمراہی میں تیس ہزار مردانِ جنگ تھے جن میں سے دس ہزار کے پاس گھوڑے بھی تھے۔ یہ عظیم ترین لشکر تھا جو اس وقت عربوں نے دیکھا ۔ آپؐ منزلوں پر منزلیں طے کرتے گئے اور بہیم سفر کر کے تبوک پہنچ گئے۔ وہاں آپؐ نے بیس دن تک قیام فرمایا۔ رومی دشمنوں کو مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی اور ان کے عزائم پر اوس پڑ گئی۔

یہ آخری غزوہ تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم ط انہ بھم رءوف رحیم ۵ وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ ط ثم تاب علیھم لیتوبوا ط ان اللہ ھو التواب الرحیم ۵

(التوبہ ۱۱۷ - ۱۱۸)

اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرینؓ انصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبیؐ کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبیؐ کا ساتھ ہی دیا تو) اللہ نے معاف کر دیا۔ بیشک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے اور ان تینوں کو بھی معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے، تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

اس کے علاوہ منافقین اور بدوی معذرت خواہوں کے موقف کے بارے میں کثیر آیات نازل ہوئیں۔ جنھیں معذرت قبول کرنے پر عتاب کا ذکر بھی ہے۔ یہ آیتیں سورہ توبہ میں ہیں۔

ب - پند و نصائح

سب سے پہلے ہم اسلام میں قتال کی فرضیت، اس کے اسباب اور عام قواعد و ضوابط سے بحث کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز شہادتِ حق اور وعظ و نصیحت سے کیا۔ اللہ کی کتاب جو آپؐ پر نازل ہوتی تھی آپؐ اسے لوگوں کو سناتے تھے اور اس میں اپنے دل و دماغ کی پوری توانائیاں صرف کرتے تھے تاکہ لوگ بت پرستی و خرافات اور جہالت و گمراہی کے برے انجام سے واقف ہو جائیں، ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ حق کو پہچان لیں لیکن آپؐ کی قوم نے پہلے مرحلے پر تحریک کا مقابلہ اس طرح کیا کہ آپ کی ہدایت قبول نہ کی، دوسروں کو بھی ہدایت قبول کرنے سے روکا اور آپؐ کا تمسخر اڑایا۔ دوسرے مرحلے میں آپؐ پر بہتان باندھے گئے اور آپؐ کو ایذا دی گئی۔ جب یہ حربے تحریک کا راستہ روکنے میں ناکام ثابت ہوئے تو بالآخر آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعوت کے لیے مدینہ منورہ کی سرزمین میں امن و اطمینان کا ایک ٹھکانا مہیا فرما دیا۔ لیکن اس نئی قرارگاہ میں بھی دو طاقتیں آپؐ کی تحریک کی گھات میں رہیں اور آئے دن آپؐ کا گھیراؤ کرتی رہیں۔ ایک طاقت قریش کی تھی جن کی مخالفت نے آنحضرتؐ اور آپؐ کے اصحاب کو ہجرت پر مجبور کیا انھیں اپنے لیے ایک دارالامان میسر آ گیا تحریک کو قدرے تقویت حاصل ہوئی اور قریش کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ دوسری طاقت یہود مدینہ تھے جنہوں نے مدینہ میں آنحضرتؐ کی آبادکاری کے بعد آپؐ کے ساتھ سلامتی کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن کینہ پروری، مکر و فریب اور شرپسندی یہود کی سرشت میں ہے اور جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو مستقر بنایا وہاں مہاجرین و انصار کی قیادت سنبھالی تو یہود کے حسد اور غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی کیونکہ اس نئی قیادت نے انہیں نیچا دکھا دیا اور مدینہ منورہ پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا۔

قیامِ مکہ کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی نازل شدہ آیات میں آپ کو معاندین کی باتوں پر صبر کی تلقین فرمائی گئی۔

واصبر علیٰ مایقولون واھجرھم ھجراً جمیلا۔ (المزمل ۱۰)

(اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ)

آنحضرتؐ کو مشرکین کی ایذا رسانی پر جوں جوں صبر کی تلقین کی جاتی مشرکین آپؐ کے خلاف ظلم و زیادتی اور مکر و فریب کی کارروائیوں میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔ اس وقت تک مسلمان اپنی قلتِ تعداد اور کمزوری کے باعث اس ایذا رسانی کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

جب آنحضرتؐ کو قیامِ مدینہ کے دوران میں قرار نصیب ہوا اور مسلمانوں کو شوکت اور کفار کے مقابلے کی طاقت میسر آئی تو انہیں قریش کی قوت و عداوت اور یہود کی کینہ توزی و بیہودگی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ قریش و یہود کو ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ یہ ابھرتی ہوئی طاقت ان پر قابو پا جائے گی۔ اسلام ایک حقیقت پسند دین ہے اور واقعات سے

چشم پوشی نہیں کرتا۔ وہ کفار و معاندین کے مقابلے میں توہم پرستی کا قائل نہیں اس کی جولانگاہ محض فکری بھول بھلیاں نہیں ہیں بلکہ وہ عمل کا دین ہے اس لیے اس پر لازم تھا کہ وہ قوت بہم پہنچائے ظلم و زیادتی کی بیخ کنی کے لیے استعداد مہیا کرے اور باطل کی قوت و شوکت کو ملیامیٹ کر دے تاکہ اس دینی و اصلاحی دعوت کو بلا روک ٹوک ترقی کرنے کا کھلا میدان میسر آ جائے، لوگوں کی فہم و فراست کو اپیل کی جائے، ان کے نفوس کا تزکیہ کیا جائے، بگاڑ کی اصلاح کی جائے، بھلائی کے سنگ میل نصب کیے جائیں جن سے لوگ جادہ منزل کا پتا چلائیں اور روشنی کے مینار تعمیر کیے جائیں جن سے ہدایت و خیر و صلاح کے طالب تاریکیوں میں صراطِ مستقیم کی رہنمائی حاصل کریں۔

اس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے ۲ھ میں مومنوں پر قتال فرض کیا، جس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں :

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا ط و ان الله علیٰ نصرهم لقدیرۃ الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله ط ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبیع وصلوات ومسٰجد یذکر فیها اسم الله کثیراً ط ولینصرن الله من ینصرہ ط ان الله لقوی عزیزہ الذین ان مکنّٰهم فی الارض اقاموا الصلٰوۃ واٰتوا الزکٰوۃ وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر ط ولله عاقبۃ الامور ہ

(الحج ۳۹-۴۱)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: "ہمارا رب اللہ ہے۔" اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ اولین آیات ہیں جو قتال کے بارے میں نازل ہوئیں اور جن کے ذریعے مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی گئی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم یہاں توقف کر کے ذرا ان پر غور کریں کہ قتال کی اس اجازت میں کیا حکمت اور

افادیت ہے اور اس کا دائرہ کار کیا ہے۔

۱۔ اس آیہ مبارکہ کی ابتدا میں فرمایا گیا ہے کہ مومنوں کو قتال کی اجازت دی گئی ہے یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے بارے میں فرمایا:

الذین یقاتلون۔ یعنی وہ مومن جن کے ساتھ جنگ کی جا رہی ہے۔

لغت کا یہ معروف قاعدہ ہے کہ اگر جو حکم کسی مشتق لفظ کے ذریعے دیا جائے تو اس حکم کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جس مصدر سے یہ مشتق اخذ کیا گیا ہو اس پر غور کیا جائے۔ یقاتلون کا مصدر مقاتلہ ہے یعنی یہ مومن جن کو قتال کی اجازت دی گئی ان سے جنگ کی جا رہی تھی اور وہ ظلم و تعذیب کا شکار تھے اس طرح ان پر جنگ مسلط ہو چکی تھی چنانچہ اس بات کی صراحت موجود ہے کہ انھیں جنگ کی اجازت دینے کی علت پہلے سے موجود تھی یعنی ان پر ظلم و تشدد ہو رہا تھا اور اسے روکنے کے لیے یہ اجازت دی گئی۔ یہ علاج بالمثل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم۔ (البقرہ ۱۹۴) لہٰذا جو کوئی تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو۔

وجزآء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ (الشوریٰ ۴۰) بُرائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔

۲۔ یہ مضمون نفسِ آیت میں بالتصریح بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ظلم و عدوان کے ذریعے جنگ کا تختۂ مشق بنایا گیا تھا نہ کسی حق کی بنا پر۔ بانھم ظلموا میں یہ صراحت موجود ہے کہ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران میں مومن نہ ظالم تھے نہ بے راہ رو، بلکہ وہ تو اپنے عقیدے کا دفاع ہی کرتے رہے اور اپنی قوم کو اوہام و خرافات اور غیر اخلاقی حرکتوں سے بچنے کی دعوت دیتے رہے۔

۳۔ دوسری آیت میں تاریخی حقائق بیان ہوئے ہیں کہ ان پر ظلم کی نوعیت کیا تھی۔ وہ مومن جن کو قتال کی اجازت دی گئی انھیں ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لیے اس کو اس کے وطن سے نکال دینے اور اس کی جنم بھومی سے ہجرت پر مجبور کر دینے سے زیادہ بڑا ظلم اور کوئی نہیں۔

۴۔ نفسِ آیت میں یہ بیان بھی موجود ہے کہ کس وجہ سے ان مومنوں کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ مسلمان بت پرستی اور باطل خداؤں کی عبادت کے مخالف تھے۔ واحد و یکتا خدا کی عبادت کرتے تھے۔ یہی ان کا جُرم تھا۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے ان پر ظلم روا رکھا گیا۔ قریش انھیں اس عقیدہ کو ماننے کی آزادی دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

۵۔ مومنوں کو اعتقاد کی آزادی حاصل نہ تھی اس آزادی کو بحال کرنے کے لیے جنگ فرض کی گئی۔ اور اس دنیا کی زندگی میں یہ گراں ترین قیمت ہے جو شرفِ انسانی کے پیشِ نظر حریت عقیدہ کے تحفظ کے لیے مقرر کی گئی۔

۶۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ یہ جنگ جسے مسلمانوں کے لیے فرض کیا گیا ہے صرف مسلمانوں ہی کی دینی آزادی کے تحفظ کے لیے مفید نہیں بلکہ اس کے فوائد تمام سماوی ادیان کے ماننے والوں کو پہنچتے ہیں خواہ

وہ یہودی ہوں یا نصرانی ۔ مسلمان اس وقت بُت پرستوں سے لڑتے تھے جن کا کوئی دین نہ تھا ۔ جب مسلمانوں کو قوت و شوکت حاصل ہوگئی تو وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنی مساجد کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کا بھی تحفظ کریں ۔ بت پرستوں اور ملحدوں کو بالادستی حاصل نہیں ہونی چاہئے ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ الٰہی ادیان سے جنگ آزمائی پر اتر آئیں اور ان کی عبادت گاہوں کو بند کردیں ۔ اس آیہ مبارکہ میں اس کی وضاحت موجود ہے :

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً۔

صوامع ، صومعہ کی جمع ہے ۔ اور صومعہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں تارک الدنیا فقیر رہتے ہوں ۔ بیع بیعہ کی جمع ہے اس سے مراد عیسائیوں کے گرجے ہیں ۔ صلوات یہود کی عبادت گاہوں کو کہتے ہیں ۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی جنگ سماوی ادیان کو ملیا میٹ کرنے اور ان کی عبادت گاہوں کو گرانے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ جنگ کی غرض و غایت یہ ہے کہ ان ادیان کو ملحدوں اور بت پرستوں کی دست درازیوں سے بچایا جائے اور عبادت خانوں کو گرانے اور بند کر دینے سے محفوظ رکھا جائے ۔

۷ ۔ تیسری آیت میں ان نتائج کی تصریح کی گئی ہے جو اس شرعی جنگ میں مومنین کے غلبہ سے مترتب ہوتے ہیں ۔ ان کا ماحصل قوموں کا استعمار ، بھلائیوں کو مٹانا ، مال و دولت لوٹنا اور شریفانہ قدروں کو پامال کرنا نہیں بلکہ اسلامی جنگ سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور معاشرے کے فائدے کے لیے ہیں :

(ا) نظام عبادت کی اقامت سے پوری دنیا میں روحانی اقدار کی نشر و اشاعت (اقاموا الصلوٰۃ)

(ب) زکوٰۃ کے ذریعے سے قوموں کے درمیان عدلِ اجتماعی کی ترویج (و اتوا الزکوٰۃ)

(ج) معاشرے کی بھلائی ، شرافت اور ترقی کے لیے تعاون (و امروا بالمعروف)

(د) شرپسندی ، جرائم اور بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے تعاون (و نھوا عن المنکر)

کفر و اسلام کی جنگ میں مسلمانوں کے غلبہ سے مذکورہ نتائج مترتب ہوتے ہیں اور مملکت اسلامیہ کی اقامت ، روحانی ترقی ، معاشرے کی کفالت ، بھلائیوں کی ترویج اور شر کو روکنے کی ضامن ہوتی ہے ۔ بنی نوع انسان کی کون سی ایسی ضرورت ہے جو ان اغراض و مقاصد کے حصول سے بہتر و برتر ہو حتیٰ کہ کے لیے اسلام میں قتال کو فرض کیا گیا ہے ، زمانۂ ماضی و حال میں کون سی ایسی جنگ ہے جو پوری انسانیت کو اس قدر عمومی فائدہ پہنچائے اور سوسائٹی کی تعمیر ان بنیادوں پر کرے جس سے انسانیت ترقی کی منازل طے کرے ۔ اس کی مثال جاہلیت اولیٰ کی ملحدانہ ، اباحیت پسندانہ لامتناہی خوں ریزیوں اور جنگوں میں نہیں ملتی اور موجودہ مغربی مادہ پرستانہ معاشرہ

بھی ایسی پاکیزہ نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ ہیں قتال کی اجازت کے اسلامی اغراض ومقاصد۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوگیا کہ اسلامی جنگ محض فی سبیل اللہ ہوتی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ ایسا جہاد ہے جو انسانیت کی بہبود، سلامتی وترقی اور عدل اجتماعی کے قیام کے لیے ہو۔ اس کے حصول کا راستہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور اللہ کی طرف لے جانے والا راستہ گناہ و سرکشی میں تعاون کا راستہ نہیں بلکہ صرف بھلائی، باہمی محبت اور نیکی و تقویٰ میں تعاون کا راستہ ہی ہوسکتا ہے۔

اسلامی قتال کی فرضیت کے اغراض ومقاصد اور اس کی اجازت کے بارے میں تاریخی اسباب کا مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی ابتدائی اسلامی جنگوں کے بارے میں پند و نصائح بیان کریں گے۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ ہر معرکے سے متعلق علیحدہ علیحدہ اسباق قلمبند کیے جائیں لیکن وقت ناکافی ہے اور اس کام کے لیے بیسیوں صفحات درکار ہیں اس لیے میں نے ان پند و نصائح کو مجبوراً یکجا جمع کر دیا ہے اور ہر معرکہ کے بارے میں ایک سے زیادہ نصیحت درج کی ہے۔ اگر فراغت نصیب ہوئی اور بیماری کا افاقہ ہوا تو ان شاء اللہ آئندہ سال ہر معرکے سے متعلق علیحدہ علیحدہ اسباق تحریر کروں گا۔

(۱) سب سے پہلا معرکہ بدر میں واقع ہوا۔ قریش کا ایک قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے تعرض کے لیے نکلے تھے لیکن قافلہ کسی مزاحمت کے بغیر نکل گیا۔ مشرکین قریش نے قتال کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا اور اس لیے بدر کا وہ معرکہ پیش آیا جس کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ قریش کے قافلے سے تعرض کرنے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ اقدام مال لوٹنے اور ڈاکہ زنی کی غرض سے تھا جیسا کہ بہتان تراش مستشرقین کا دعویٰ ہے بلکہ صورت واقعہ اس سے مختلف تھی۔ اس اقدام کے اسباب میں سے ایک سبب قریش سے قصاص لینا بھی تھا کیونکہ انہوں نے مہاجر مومنوں کے اموال ہتھیا لیے تھے۔ اور مومنین کو اس قدر ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا کہ وہ اپنے اموال ومتاع، گھر بار اور جائداد چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے جس کسی مسلمان کے بارے میں بھی قریش کو معلوم ہوا کہ وہ ہجرت کر گیا ہے قریش اس کا مکان بیچ دیتے تھے اور اس کے مال پر قبضہ کر لیتے تھے۔ آج کے بین الاقوامی قانون میں معاملہ بالمثل کا قانون مسلمانوں کے تعرض کو مباح قرار دیتا ہے یہ اسی طرح کے حالات تھے جیسا کہ اس دور میں فلسطینی مہاجرین اور اسرائیل کا طرز عمل ہے۔ اس سلسلۂ واقعات میں قابل لحاظ ایک اہم بات یہ ہے کہ جنگ بدر سے قبل قریش کے قافلوں پر مسلمانوں کی طرف سے سات عدد تاختیں ہوئی ہیں ان مہمات میں سب کے سب مہاجرین صحابہؓ ہی نکلے ہیں اور کسی ایک انصاری کو بھی ان میں شمولیت کی غرض سے نہیں بھیجا گیا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ اگر مہاجرین قریش کے قافلے سے تعرض کریں اور اس پر قابو بھی پالیں تو تمام الٰہی اور وضعی قوانین کے مطابق مہاجرین اپنے ایک قانونی حق کی بنا پر ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ جن سات تاختوں کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ سریہ حمزہؓ (رمضان سنہ ۱ھ) یہ دستہ ہجرت کے سات ماہ بعد ارسال کیا گیا۔

ب۔ سریہ عبداللہؓ بن حارث (شوال ۱ھ) یہ مہم ہجرت کے آٹھ ماہ بعد بھیجی گئی۔
ج۔ سریہ سعدؓ بن ابی وقاص (ذی قعدہ ۱ھ) یہ تاخت ہجرت کے ۹ ماہ بعد کی گئی۔
د۔ غزوۂ ودان (صفر ۲ھ) یہ غزوہ ایک سال بعد پیش آیا۔
ھ۔ غزوۂ بواط (ربیع الاول ۲ھ)
د۔ غزوہ بدر اولیٰ (ربیع الاول ۲ھ) } یہ دونوں غزوات ہجرت کے ایک سال بعد پیش آئے۔
ز۔ غزوۃ العشیرہ (جمادی الاخری ۲ھ) یہ غزوہ سولہ ماہ بعد پیش آیا۔

ان جملہ سرایا و غزوات میں صرف مہاجرین کو بھیجا گیا اور کسی ایک انصاری کو بھی ان میں شامل نہیں کیا گیا۔ ان حقائق سے ہمارے مذکورہ موقف کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) جنگوں میں فتح کا انحصار کثرتِ تعداد اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں ہوتا بلکہ لشکر کی قوتِ معنوی یا قوتِ اخلاقی (MORALE) پر ہوتا ہے۔ ان جنگوں میں اسلامی لشکر کا اخلاقی کردار یہ تھا کہ وہ ایک پاکیزہ عقیدے اور روشن ایمان کے حامل تھے۔ انہیں شہادت سے فرحت حاصل ہوتی تھی۔ وہ اللہ سے ثواب اور جنت کے طلبگار رہتے اور انھیں گمراہی، تفرقہ بازی اور شرانگیزی سے نجات حاصل کرنے کی بھی خوشی تھی۔ اس کے برعکس قریش کا لشکر فسادِ عقیدہ اور بداخلاقی میں ڈوبا ہوا تھا، اجتماعی روابط کو قطع کرنے والا اور شہوات کی پیروی میں منہمک تھا اور اپنے جاہلی رسم و رواج، اپنے آباؤ اجداد اور باطل خداؤں کی اندھی تقلید کے تعصب کا شکار تھا۔

دونوں لشکروں نے جنگ سے پہلے جو عملی نمونے پیش کیے وہ قابلِ دید تھے۔ مشرکین معرکۂ بدر سے قبل تین دن تک شراب کے نشے میں مخمور رہے۔ گانے والی عورتوں کے گانے سنتے رہے۔ ان کے لیے دفیں اور ساز بجتے رہے اور آگ جلائی گئی تاکہ لوگ ان کی اس ہنگامہ آرائی کو دیکھ کر ڈر جائیں اور ان کا گمان یہ تھا کہ اس طرح کے مظاہرے فتح و کامرانی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ دوسری جانب جنگ سے قبل مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب تھے۔ اس سے امداد کے طلبگار اور شہادت کے امیدوار تھے۔ انہیں جنت کی خوشبو آ رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاجزی کے ساتھ اپنے اللہ سے یہ دُعا مانگ رہے تھے کہ وُہ اپنے مومن بندوں کی امداد فرمائے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا سے ڈرنے والے اور عاجزی کرنے والے مومنین فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے اور لہو و لعب میں بدکرداروں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

جنگوں میں مسلمانوں اور مشرکین کی افرادی قوت کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر معرکے میں مشرکین کی سپاہ مسلمانوں کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ تھی اس کے باوجود فتح ہمیشہ مسلمانوں کو حاصل ہُوئی۔ حتیٰ کہ اُحد اور حنین کے دُو معرکوں میں بھی ابتدائی طور پر مسلمان ہی فتحیاب ہوئے۔ اگر ان دونوں معرکوں میں مسلمانوں سے غلطی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی سرزد نہ ہوتی تو انھیں کبھی بھی شکست نہ ہوتی۔

(۳) جنگ کے موقعہ پر لشکر کی اولوالعزمی، مستعدی اور حوصلہ مندی کے مظاہرے سے سالارِ لشکر کا اعتماد بحال ہوتا ہے اور وہ اپنی جنگی حکمتِ عملی کو پوری طرح نافذ کر کے دشمن کے مقابلے میں فتح و کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بدر کے موقعہ پر رونما ہوا۔

(۴) سالارِ لشکر کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے لشکر کو قتال پر مجبور نہ کرے اور لڑائی سے جی چرانے والی اور کمزور سپاہ کو لڑائی کی آگ میں، نہ جھونکے جب تک کہ فوج کی رضامندی اور ارادے کی پختگی کا اسے پورا پورا یقین نہ ہو جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر سے قبل صحابہؓ سے مشاورت کے دوران میں کیا تھا۔

(۵) سالارِ لشکر کی زندگی کی حفاظت کی تدابیر اختیار کرنے پر جنگ اور دعوت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ سالار کو چاہیے کہ وہ ایسی تدابیر کو قبول کرے کیونکہ سالار کی زندگی سے تحریک کو فروغ نصیب ہوتا ہے اور اگر قائد کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے تو یہ معرکے کی ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔

معرکۂ بدر میں آنحضرتؐ کے لیے چبوترہ تعمیر کرنے کی تجویز پر آپؐ راضی ہو گئے تھے اور دیگر معرکوں اُحد اور حنین میں ہم نے دیکھا کہ سچے مومن مرد اور مومن عورتیں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حصار بنا کر لڑتے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دشمنوں کے تیروں کے بالمقابل رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شجاعت اور اللہ کی تائید کے باوجود صحابہ کرامؓ کے اس ایثار و قربانی کا انکار نہیں فرمایا بلکہ ان حفاظت کرنے والوں کی تحسین فرمائی۔ حضرت نسیبہؓ ام عمارہ کی تو خصوصی تعریف فرمائی اور ان کے حق میں دُعا فرمائی کہ اسے اور اس کے خاوند اور اس کی اولاد کو جنت میں میری (آنحضرتؐ کی) رفاقت نصیب ہو۔

(۶) کفر و اسلام کے معرکوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پاس سے خصوصی لشکر بھیج کر اپنے سچے مومن بندوں کی پشت پناہی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر میں فرشتے نازل فرمائے اور جنگِ احزاب میں آندھی بھیج دی۔ جب تک مومن اللہ کے راستے میں لڑتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وکان حقّاً علینا نصر المومنین۔ (الروم ۴۷)

(اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں)

نیز فرمایا:

ان اللہ یدافع عن الذین اٰمنوا۔ (الحج ۳۸)

(یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں)

(۷) ایک صداقت شعار داعی کی سرشت میں داخل ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے کوشش کرتا رہے۔ چنانچہ اس امید پر وہ انہیں ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں راہِ راست پر چلنے کا جذبہ پیدا کر دے۔ جنگِ بدر کے قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حکمت

کار فرمائی معلوم ہوتی ہے۔ آپ اللہ سے اس بات کے امیدوار تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے گا اور ان کے بعد ان کی ذریت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے۔ قرآن کریم میں ایک دیگر اسلامی مصلحت کے پیشِ نظر اس اقدام پر عتاب بھی وارد ہوا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو خوب کچل دینا چاہیے اور فتنہ و گمراہی کے سرچشموں کو بند کر دینا چاہیے۔ اگر جنگِ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تو قریش میں اسلام کے مقابلے کی طاقت ختم ہو جاتی کیونکہ ان کے سرخیل اور مومنوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانے والے تو موت کی آغوش میں جا چکے ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیدیوں سے فدیہ قبول کرنے کے رجحان میں ایک اور حکمت بھی معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ قیدیوں میں شامل تھے، اور حضرت عباسؓ کے بارے میں معلوم ہے کہ انہوں نے اعلانِ اسلام سے قبل متعدد مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد فرمائی تھی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر وہ خفیہ طور پر آنحضرتؐ کے ساتھ تھے اور قریش کی جملہ معاندانہ کارروائیوں کے بارے میں آنحضرتؐ کو خبریں بہم پہنچاتے تھے۔ اس سے میرا رجحان یہ ہے کہ حضرت عباسؓ درپردہ مسلمان تھے اور حضرت عباسؓ کی ان پوشیدہ خدمات کی موجودگی میں انہیں کیونکر قتل کر سکتے تھے، ایسی صورت میں آنحضرتؐ کا انہیں قتل کرنا قتل مسلم کی حرمت کے قانون کی خلاف ورزی تھی اور اگر انہیں قتل سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا درانحالیکہ وہ مشرک تھے تو اسلامی قانون ایسے رشتہ دار اور غیر رشتہ دار کے درمیان جو اللہ اور رسول کے خلاف محاربت کریں کوئی تفریق و امتیاز روا نہیں رکھتا۔ اس صورت میں مشرکین اور منافقین کو پراپیگنڈہ کا موقعہ میسر آجاتا اور وہ آنحضرتؐ کی عدالت اور بے نفسی کے خلاف طوفان برپا کر کے آپؐ پر صحابہؓ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے اور یہ چیز تحریکی مصلحت کے منافی ہوتی۔

(۸) ایک پختہ کار صاحبِ بصیرت قائد کے حکم کی خلاف ورزی معرکہ کی ناکامی پر منتج ہوتی ہے۔ جیسا کہ جنگِ احد میں وقوع پذیر ہوا۔ اگر وہ تیر اندازوں کا دستہ جو آنحضرتؐ نے لشکر کی پشت پناہی کے لیے درے پر متعین فرمایا تھا آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق اپنی جگہ پر قایم رہتا تو مشرکین کو یہ جسارت نہ ہوتی کہ وہ پیچھے سے دوبارہ حملہ کر دیتے اور اپنی شکست کو فتح سے بدلنے کی کارروائی عمل میں لاتے۔ اسی طرح دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے موقعہ کو ضائع کر دینے کا نتیجہ بھی ناکامی کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ اگر مومن اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے:

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم ○
(النور ۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

(۹) غنیمتوں وغیرہ کے مادی لالچ سے کمزوری اور بزدلی پیدا ہوجاتی ہے اور شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے
ما کہ جنگِ اُحد میں واقع ہوا جبکہ تیر اندازوں نے غنیمت حاصل کرنے کے لالچ میں اپنی چوکی چھوڑ دی اور جیسا کہ
ِ حنین میں پیش آیا جبکہ ابتداء میں مسلمان فتحیاب ہو گئے اور ان میں سے بعض نے غنیمت کا لالچ کیا اور دشمن کا
ب چھوڑ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دشمن نے پلٹ کر مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دیا اور مسلمان شکست کھا گئے۔ اور اگر
ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اور آپؐ کے ارد گرد دیگر صداقت شعار مومنین ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کرتے تو یہ
ست فتح مبین میں تبدیل نہ ہو سکتی تھی۔ اگر داعیانِ تحریک پر دنیا کی غنیمت، مال و دولت اور جائداد و اراضی حاصل کرنے کا
لچ سوار ہو جائے تو اس سے تحریک بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں سے تحریک کے مثبت اثرات محو
جاتے ہیں بلکہ لوگ داعیان کی صداقت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح کے بہتان باندھنے
روع کر دیتے ہیں کہ اس تحریک کی غرض و غایت اللہ عزّ و جل کی رضا جوئی نہیں بلکہ دین و اصلاح کے نام پر دنیا کا
اکٹھا کرنا مقصود ہے اور جب لوگوں کے ذہنوں میں اس قسم کے خدشات جنم لیتے ہیں تو اللہ کے دین میں رکاوٹ
باتی ہے اور وُہ لوگ جو فی الحقیقت صداقت و اخلاص کے ساتھ تحریکِ اصلاح چلاتے ہیں ان کے بارے میں بھی
گمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور تحریک کا کام رُک جاتا ہے۔

(۱۰) جنگِ اُحد میں جب مسلمان منتشر ہونے لگے اور حضرت نسیبہؓ اُم عمارہ اور ان کا خاوند اور اولاد ثابت قدمی
ے ساتھ آنحضرتؐ کے ارد گرد ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کرتے رہے تو یہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ایک مسلمان عورت
عوتِ اسلام کے ضمن میں بہت بڑی خدمات سرانجام دے سکتی ہے۔ دورِ حاضر میں بھی ہمیں اس کی ضرورت ہے
ہ مسلمان مستورات نئے سرے سے دعوت الی اللہ کا بوجھ اُٹھائیں اور نوجوان لڑکیاں، شادی شدہ اور
صاحبِ اولاد خواتین کے حلقوں میں اللہ کی دعوت کو پھیلائیں اور اپنی نئی نسل کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے
سول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کریں۔ انہیں اسلام اور تعلیماتِ اسلام کا گرویدہ بنائیں اور سوسائٹی کی خیر و
صلاح کے لیے کام کرنے پر آمادہ کریں۔

اگر دعوت کا میدان مسلمان داعی مستورات کے لیے خالی رہے گا یا اس کارِ خیر میں خواتین کی کافی تعداد
بھر پور حصہ نہیں لے گی تو دعوت کا کام کمزور رہے گا اور تحریکِ اصلاح لنگڑاتی رہے گی اور یہ صورتِ حال اس وقت تک برقرار رہے گی
ب تک کہ اُمتِ مسلمہ کا نصف حصہ یعنی خواتین دعوتِ خیر سے روشناس نہ ہوں گی ان کے دلوں میں نیکی کی محبت اور دین پر
ل پیرا ہونے کا جذبہ پیدا نہ ہوگا اور وہ دین کے مضبوط حلقے کو جلد از جلد نہ تھام لیں گی۔

(۱۱) داعیان کو اللہ کے راستے میں مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہیں جسمانی ایذا دی جاتی ہے۔ ان کی آزادی پر قید و بند
کے ذریعے قدغن بھی لگائی جاتی ہے۔ انھیں سزائے موت بھی سنائی جاتی ہے اور کبھی دھوکہ سے انہیں قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔
یسی صورتوں میں داعیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے جنہیں جنگِ اُحد میں زخم آئے تھے اور یہ واقعہ

واعیان کے لیے صبر کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

الم ٥ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ٥ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکٰذبین ٥ (العنکبوت ۱-۳)

(ترجمہ: الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون)

(۱۲) جنگِ اُحد میں مشرکین نے مسلمان شہداء خصوصاً حضرت حمزہؓ کا مثلہ کیا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ دشمنانِ اسلام میں انسانیت کا شائبہ تک نہیں اور وہ ضمیر سے خالی ہیں مقتول کے مثلہ کرنے سے مقتول کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی جس طرح ایک ذبح شدہ بکری کی کھال اتارنے سے بکری کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ کفار کے سینوں میں مسلمانوں کے خلاف جو سیاہ کینہ بھرا ہوا ہے اس قسم کے وحشیانہ اعمال کی صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہے اور اس طرح کی غیر انسانی حرکات دیکھ کر ہر زندہ صاحب وجدان اور انسانی ضمیر رنج محسوس کرتا ہے۔

مشرکین نے جنگِ اُحد میں مسلمان شہداء کے ساتھ یہ سلوک کیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ فلسطینی معرکوں میں اسی قسم کا سلوک یہود نے ہمارے شہداء کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے۔ یہ دونوں فریق ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ان کے دلوں میں یکساں کجی پائی جاتی ہے جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان سے محروم ہیں اور اسی لیے وہ ان مومنوں کے خلاف کینہ توزی میں ملوث ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور یوم آخر پر صحیح و سچے ایمان کی دولت سے مالا مال اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔

(۱۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں معرکہ کے لیے جس جگہ کا انتخاب فرمایا تھا اسے آپ نے حباب بن منذر کی تجویز پر تبدیل فرمایا اور اسی طرح جنگِ خیبر میں ان کا مشورہ قبول فرمایا۔ اس سے دورِ حاضر کے ڈکٹیٹروں کا غرور خاک میں مل جاتا ہے جو قوموں پر ان کی مرضی اور ارادہ کے بغیر مسلط ہو چکے ہیں۔ یہ ڈکٹیٹر اپنے بارے میں اس زعمِ باطل کا شکار ہیں کہ وہ عقلی فضیلت اور دور رس فکر کے حامل ہیں اور اس وجہ سے وہ قوموں کے ارادہ اور ان کے عقلاء، حکماء اور مفکرین کے مشوروں کو پرکاہ کے برابر وقعت اور اہمیت نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کامل ترین صفات سے نوازا اور اپنی خاتمی اور اکمل رسالت کا بوجھ اٹھانے کا اہل قرار دیا اس کے باوجود آنحضرتؐ اپنے ان صحابہؓ کی رائے کو قبول فرماتے تھے جو فنونِ حرب اور میدانِ جنگ کے بارے میں باخبر تھے اور آنحضرتؐ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ میرا ہی منصب ہے کہ میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں اور کسی چیز سے روکوں اور تمہیں دخل در معقولات کا کوئی حق نہیں ہے۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معاملات میں صحابہؓ کے مشوروں کو قبول فرمایا جن میں آپ پر وحی نازل نہ ہوتی تھی تو وہ ڈکٹیٹر جنہیں عوام الناس پر علم و عقل اور تجربہ میں کسی قسم کی فوقیت و برتری حاصل نہیں ہے بلکہ

وہ حکومت کے وسائل پر جابرانہ قبضہ کرکے برسرِ اقتدار آگئے ہیں انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اجتماعی معاملات میں اپنی من مانی چلائیں۔ اور وہ آمر جو اپنی رعایا کی بہ نسبت ثقافت، علم اور تجربہ میں فروتر ہیں ان پر تو یہ واجب ہے کہ وہ اصحاب الرائے سے مشاورت کریں۔ ناصحین اور تجربہ کار ماہرین کی نصائح و آرا کو قبول کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔

ماضی و حال کے تاریخی واقعات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آمروں کا غرور انھیں اور ان کی قوم کو لے ڈوبا ہے انہوں نے امت کو تنزل کے ایسے عمیق گڑھے میں دھکیل دیا ہے کہ جہاں سے نکلنے میں بیسیوں سال یا صدیاں درکار ہیں۔ جنگِ بدر اور جنگِ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبابؓ کا مشورہ قبول فرمایا۔ آپ کے اس طرزِ عمل میں ہر مخلص فرمانروا، دانا قائد اور صداقت شعار داعی کے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔

اسلام میں حکومت کا واضح ترین اصول "شورائیت" ہے (وامرھم شوریٰ بینھم۔ (الشوریٰ ۳۸) ترجمہ: اور وہ اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں) اور ایک حکمران جسے تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی اس کی نمایاں ترین صفت یہ ہے کہ وہ جبر و استبداد سے پرہیز کرے۔ مشاورت کے اصول پر عمل پیرا ہو اور ہر معاملے میں ماہرین کی رائے سے استفادہ کرے۔

وشاورھم فی الامر۔ (آل عمران ۱۵۹)

(ترجمہ: اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو)

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (النحل ۴۳ - الانبیاء ۷)

(ترجمہ: اہلِ ذکر سے پُوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے)

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر معرکے میں پیش قدمی کا مظاہرہ فرمایا اور ہر آڑے وقت میں آپؐ صحابہؓ کرام کے ساتھ رہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ قیادت کے منصب کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو شجاعت اور ثابت قدمی کی صفات کا حامل ہو۔ بزدل، کمزور اور کم ظرف لوگ قوموں کی سربراہی، لشکروں کی سالاری، اصلاحی تحریکوں اور دعوتِ خیر کی قیادت کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں۔ کردار و عمل کے ذریعے قائد اور داعی کی شجاعت اس کے لشکروں اور حامیوں کے دلوں میں مردانگی و بہادری کے ایسے جذبات ابھارتی ہے اور اس سے وہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں کہ جنگ پر ابھارنے والی ہزار عوامی تقریروں سے بھی ایسے نتائج برآمد نہیں ہوتے لشکروں اور تحریک کے حامیوں کا یہ معمول ہے کہ وہ اپنے سالار اور سربراہ کی قوت سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ اگر جنگ کے موقعہ پر سالار بزدلی دکھائے اور آڑے وقت میں کمزوری کا مظاہرہ کرے تو اس کا جھنڈا کبھی اونچا نہیں رہ سکتا۔

(۱۵) لشکروں اور تحریک کے حامیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے پختہ کار اور صاحبِ بصیرت قائد کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ قائد سب سے بڑی ذمہ داری کے منصب پر فائز ہوتا ہے اور اس کی جواب دہی بھی زیادہ ہے۔ جب کسی معاملہ پر تبادلۂ آراء ہو جائے، معاملے کے تمام پہلو سامنے آجائیں اور اس کے بعد کسی کام کا عزم کر لیا جائے

تو لشکروں پر واجب ہے کہ وہ اپنے قائد پر اعتماد کریں اور اس کے حکم کی تعمیل کریں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ کو ایک پیچیدہ معاملہ درپیش تھا آنحضرتؐ نے شرائطِ صلح کو تسلیم کرلیا۔ یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ شرائط تحریک کی مصلحت میں ہیں۔ یہ صلح فی الحقیقت مسلمانوں کی سیاسی فتح تھی اور صلح کے بعد دو سال کے اندر اندر مومنوں کی تعداد میں پہلے کی بہ نسبت کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ لیکن بعض صحابہؓ کو یہ شرائط ناگوار تھیں اور وہ فورِ اضطراب کی حالت میں اپنے محبوب قائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کما حقہٗ، ادب ملحوظ نہ رکھ سکے۔ اسی طرح کی صورتِ حال کا سامنا خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی کرنا پڑا۔ ان کے عہدِ خلافت میں ارتداد کے واقعات رونما ہوئے۔ جملہ صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ مرتدین کے ساتھ قتال نہ کیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی انفرادی رائے قتال کے حق میں تھی اور جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے کے مطابق عمل پیرا ہونے کا تہیہ کرلیا تو سب صحابہؓ نے آپؓ کی اطاعت کی اور سب کے سب بخوشی قتال کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور یہ امر واضح ہوگیا کہ مرتدین کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے سے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کو استحکام اور ثبات نصیب ہوا اور مومنین اس قابل ہوگئے کہ وہ اسلام کی رُشد و ہدایت کا پھریرا لے کر چار دانگِ عالم میں نکلیں اور فتحیاب ہوں۔

(۱۶) جنگِ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہؓ[1] بن مسعود کو فرمایا کہ اگر وہ کفار کے مختلف گروہوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوئی تدبیر کر سکتے ہیں تو کریں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمنوں سے جنگ کے دوران میں اسی طرح کی کارروائی جائز ہے جبکہ ایسا کرنے سے فتح کی امید ہے۔ کیونکہ غداری اور خیانت کے علاوہ ہر ایسا طریقہ جنگ میں جائز ہے جس کے ذریعے خُونریزی سے بچ کر فتح حاصل کی جا سکے۔ یہ سیاسی اور عسکری حکمتِ عملی کے قبیل سے ہے اور یہ اسلامی اخلاق کے مبادیات کے منافی نہیں ہے کیونکہ جنگوں میں خُون خرابہ نہ کرنے میں انسانیت کی مصلحت ہے۔

شر انگیزی، کفر اور فتنہ کو مغلوب کرنے میں انسانی و اخلاقی مصلحت ہے لیکن جنگوں میں شر برپا ہوتا ہے اور جب جنگ کی ضرورت لاحق ہو جائے تو جنگ ناگزیر بھی ہو جاتی ہے۔ اگر ہو سکے تو محاذ آرائی سے بچنا چاہیے۔ اس لئے جنگوں میں کوئی ایسی چال چلنا جس کے ذریعے جنگ میں خُونریزی کے بغیر فتحیاب ہونا ممکن ہو انسانی اخلاق کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قتال کو صرف دین اسلام، اُمتِ مسلمہ اور دارالاسلام کی حمایت کے نقطۂ نظر سے فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ دشمنوں کے ساتھ ایسی چال چلنا جس سے وہ شکست کھا جائیں اور ان باطل پرستوں کے مقابلے میں اہلِ حق کو فوری فتح نصیب ہو جائے ایک اسلامی حکمت عملی ہے۔ اس لیے غزوۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اثر نعیم بن مسعود کے بارے میں وارد ہے۔

الحرب خدعۃ۔ (جنگ میں چالبازی جائز ہے)

اور یہ اصول جملہ شرائع و قوانین میں مسلم ہے۔

---

[1] ان صحابی کا نام نعیم بن مسعودؓ ہے نہ کہ عروہ بن مسعودؓ۔ (مترجم)

(۱۷) خندق کھودنے کے بارے میں آنحضرتؐ نے سلمانؓ فارسی کا مشورہ قبول فرمایا۔ اس سے قبل اہل عرب خندق کے ترقی یافتہ اصولِ جنگ سے ناواقف تھے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دینِ اسلام دوسری قوموں کے ان تجربوں سے استفادہ کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا جو اُمت اور سوسائٹی کے لیے مفید اور نافع ہوں۔ بلاشبہ خندق کی کھدائی نے مدینہ منورہ سے قبائل کی شرانگیزی کو روکنے میں بہت فائدہ پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورے کو قبول کرنے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسری اقوام کی اچھی چیزوں کو اپنانے کی عظیم استعداد تھی آنحضرتؐ نے ایک سے زاید مرتبہ ایسا کیا ہے۔ جب آنحضرتؐ نے بادشاہوں، امراء اور رؤسا کی طرف دعوتی خطوط ارسال کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ بادشاہوں کے ہاں معمول ہے کہ وہ کسی ایسے مکتوب کو قبول نہیں کرتے جس پر ارسال کرنے والے کے نام کی مہر ثبت نہ ہو۔ آنحضرتؐ نے فوراً حکم دیا کہ آپؐ کے لیے ایک مہر تیار کی جائے جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا جائے۔ یہ مہر آنحضرتؐ اپنے خطوط پر ثبت فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے مختلف اطراف سے آنحضرتؐ کے پاس اعلانِ اسلام کے لیے وفود آنے لگے تو آنحضرتؐ سے عرض کی گئی کہ بادشاہوں اور امراء کا یہ معمول ہے کہ وہ اعلیٰ قسم کا خوب صورت لباس پہن کر وفود کا استقبال کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ آپ کے لیے نئے کپڑوں کا ایک جوڑا خریدا جائے۔ ایک روایت کے مطابق اس کی قیمت چار سو درہم تھی۔ اور ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کی قیمت چار سو باربردار چوپائے تھی۔ آنحضرتؐ یہ لباس زیب تن کرکے وفود کا استقبال فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری اور ابد الآباد تک باقی رہنے والا دین دے کر بھیجا گیا اور یہ آنحضرتؐ کا طرزِ عمل تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ کے متبعین کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر زمان و مکان میں دُوسری اقوام کی بہترین چیزوں کو اخذ کریں جو ان کے لیے مفید ہوں اور ان کی شریعت کے احکام اور قواعدِ عامہ سے متعارض نہ ہوں۔ ایسا نہ کرنا جمود ہے جو اسلام کے منافی ہے اور اس کے ابدی دستور یعنی قرآن کریم میں درج ہے۔

فبشر عباد ۙ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔ (الزمر ۱۷-۱۸)

(پس (اے نبیؐ!) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سُنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں)

یہ جمود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناگوار ہے جنہوں نے بذاتِ خود دُوسری قوموں کی اچھی چیزوں کو حاصل کیا۔ آپؐ کا فرمان ہے :

"حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے وُہ اسے جہاں بھی پاتا ہے حاصل کرتا ہے"۔

لیکن جب مسلمان غفلت کا شکار ہو گئے۔ خصوصاً یورپ کی ترقی کے بعد مسلمانوں نے اپنے دورِ انحطاط میں دوسروں کی اصلاح کی مخالفت کی دراں حالیکہ انہیں اس کی ضرورت تھی اور وُہ قعرِ تنزل میں گرتے گئے۔ اس طرح دیگر اقوامِ عالم ترقی کی منازل طے کر گئیں اور مسلمان پسماندگی کا شکار ہو گئے (و للہ عاقبۃ الامور۔ الحج ۔ ۴۱) اور تمام معاملات کا

انجامِ کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۰) غزوۂ موتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کو جو احکام دیئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی جنگ انسانیت کے لیے رحمت کی حامل ہے۔ اسلامی قتال میں غیر مقاتلین کو قتل نہیں کیا جاتا اور نہ راستے میں موجود کسی چیز کی تخریب کی جاتی ہے صرف اشد ضرورت کے تحت راستے کی رکاوٹوں کو ہٹایا جا سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ اور ان کے بعد مختلف ادوار میں مسلمانوں نے ان احکام پر عمل کیا۔ مسلمانوں کی جنگیں تاریخ کی ایسی جنگیں ہیں جن میں رحمت و رافت جھلکتی ہے۔ مسلمان جنگ کے دوران مشفقانہ اور نرم اخلاق کا مظاہرہ کرنے والے اور غیر مسلم مصالحین کی بہ نسبت بھی زیادہ رحیم تھے۔ اس ضمن میں مسلمانوں کا تاریخی ریکارڈ روشن ہے جبکہ غیر مسلموں کی ماضی و حال کی جنگوں کے ابواب تاریک ہیں۔ ہم میں سے کون اس امر سے ناواقف ہے کہ عیسائیوں نے بیت المقدس کی فتح کے دوران صلیبی جنگوں میں وحشت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کے برعکس جب صلاح الدین ایوبی نے فرنگیوں کو وہاں سے نکالا تو ان کے ساتھ انسانیت اور مہربانی کا سلوک کیا گیا۔

ہم میں سے کس کو یاد نہیں کہ صلیبی امرأ اور ان کے لشکروں نے جب مسلمانوں کی راجدھانیوں طرابلس اور المعرہ وغیرہ پر غلبہ حاصل کیا تو انہوں نے وحشیانہ سلوک روا رکھا لیکن جب مسلمانوں کے امرأ اور لشکروں نے ان علاقوں کو مکار غاصبوں کے چنگل سے نجات دلائی تو ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا۔

آج ہم یورپی منافقت کے دور میں زندگی گزار رہے ہیں جبکہ وہ تہذیب و ثقافت، انسانیت کی بھلائی اور اقوامِ عالم کی محبت کے دعویدار ہیں حالانکہ وہ شہروں کو برباد کرتے ہیں اور نہتے اور بے گناہ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کا قتلِ عام کرتے ہیں۔ جب اسرائیل نے ارضِ فلسطین کو ہتھیا لیا تو ہم نے وہاں عسرت کے دن کاٹے۔ دیر یاسین، قبیہ، حیفا، یافا، عکا اور صفد وغیرہ شہروں اور دیہات میں یہود کے وحشیانہ حملوں کے سیاہ کارناموں سے پوری دنیا واقف ہے۔ اس کے باوجود وہ انسانیت کا مدعی ہے لیکن کردار برعکس ہے۔ ہم مسلمانوں کی کارروائیاں انسانیت کی بھلائی کے لیے ہیں لیکن ہم اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔ ہم ایسی قوم ہیں جن کے سینوں میں حق و صداقت ہے اور صلح و جنگ میں حق و صداقت کا اصول بہترین اخلاقی اصول ہے اور ہم اس حق کو ضمیر کی خوشی اور اطمینان کے ساتھ نافذ کرتے ہیں جبکہ غیر مسلم اقوام ان اصولوں سے عاری ہیں لیکن منافقت اور پوشیدہ حیلوں کے ذریعے اخلاقی اصولوں کا ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہیں۔ ہم ایسی قوم ہیں جو قوی اور رحیم خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور ہماری طاقت سے صرف شفقت و رحمت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور کفار ایسی قوم ہیں جن کا طرزِ عمل منافقت پر مبنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قوت اور گرفت کا انکار کرتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریف محبت و رحمت کی صفات سے کرتے ہیں حالانکہ دیگر اقوام کے ساتھ کفار کے تعلقات اور مسلمانوں اور بعض دوسرے کفار کے ساتھ کفار کی جنگوں میں اس محبت و رحمت کا نام و نشان نہیں ملتا۔ ہم وہ قوم ہیں کہ ہماری جنگیں صرف انسانیت

کی بھلائی کے لیے ہیں اور ہم انسانیت کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں لیکن کفار کے حربی معرکوں کا مقصد جنگ وجدال، لوٹ مار، کشور کشائی اور استعمار ہے اور وہ انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

آج ہم کفار کے ساتھ اپنی جنگوں میں صرف اپنی سرزمین، حق اور شرافت کا دفاع کر رہے ہیں اور ہمارا مقابلہ اس قوم سے ہے جو رحمت، شرافت اور انسانیت جیسے الفاظ کے مفہوم سے ناواقف ہے لیکن ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم ان کے ساتھ اپنے معرکوں میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی شریعت کے اصولوں کی پوری پوری پیروی کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے اور اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔

(۱۹) جب لشکر میں ایسے لوگ ہوں جو شجاعت، ایمان اور اخلاص میں برابر نہ ہوں بلکہ اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہو جائیں جو کنارہ کشی اختیار کرنے والے، نوکر پیشہ، تنخواہ دار اور بزدل ہوں تو دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کا امکان ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوۂ حنین میں پیش آیا۔ یہ اصول تحریکوں پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ تحریکوں میں تالیاں بجانے والوں کی کثرت پر انحصار نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہی کارکن قابلِ اعتماد ہوتے ہیں جو پختہ ایمان کے حامل اور تحریک کے راستے میں قربانیاں پیش کرنے والے ہوں۔

(۲۰) جنگوں اور معرکوں کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی سیرت سے ہم ایک اور سبق حاصل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں آنحضرتؐ کا یہود کے ساتھ طرزِ عمل اور آنحضرتؐ اور آپؐ کی تحریک کے بارے میں یہود کا ردِ عمل قابلِ ملاحظہ ہے۔ قیامِ مدینہ کے اوائل ہی میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ یہود کے ساتھ آپؐ کی مصالحت ہو جائے اور ان کے دین اور اموال سے تعرض نہ کیا جائے۔ یہود کے ساتھ معاہدے کی ایک دستاویز بھی تحریر کی گئی۔ لیکن یہود ایک غدّار قوم ہے۔ انہوں نے بلا تاخیر آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا اور اس کے نتیجہ میں غزوۂ بنی نضیر پیش آیا۔ جنگِ احزاب میں آڑے وقت یہ انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی جس کے باعث غزوۂ بنی قریظہ پیش آیا۔ پھر انہوں نے اپنی پوری قوت کو مجتمع کیا۔ سلحہ تیار کیا اور خفیہ سازش کر کے دھوکے اور کمینہ پن سے مدینہ اور وہاں کے مومنین پر حملہ کی تیاری کی جس کے سبب غزوۂ خیبر پیش آیا۔

یہود ایسی قوم ہیں جن کے ساتھ حُسنِ سلوک کارآمد ثابت نہیں ہوتا۔ انھیں وعدوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کوئی لحاظ نہیں۔ جب بھی کوئی مشکل مرحلہ آیا انہوں نے دھوکا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ان کی سرکوبی کی اسی کے مستحق تھے۔ آنحضرتؐ پر یہ واجب نہیں تھا کہ وہ ان کی پیہم سازشوں، خیانتوں اور معاہدے کی خلاف ورزیوں کو ب‍رداشت کرتے رہتے اور ایسی فضا میں زندگی گزارتے کہ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب مسلسل بے چینی، خطرات، فتنہ پردازی سازشوں کے چکر میں پھنسے رہتے۔ آنحضرتؐ نے یہود کے ساتھ ہوشمندی اور چابک دستی سے کارروائی کر کے اپنی مملکت کی حدود کو مستحکم کیا اور جزیرہ نمائے عرب اور بعد ازاں اطرافِ عالم میں اپنی دعوت کی نشر و اشاعت کی راہ رکی۔ آنحضرتؐ کے یہود کے ساتھ اس محتاط طرزِ عمل کی عیب چینی صرف ایک یہودی یا تعصب زدہ یا یہود نواز

استعماری ہی کرسکتا ہے۔ اس کے بعد بھی تاریخ میں یہود کا کردار سازشوں، ہتھکنڈوں، فساد انگیزی اور خیانت کاری سے عبارت ہے اور ہمارے اس دورِ جدید میں بھی ان کا طرزِ عمل اسی نوعیت کا ہے۔ جنگِ فلسطین اور اسرائیلی ریاست کے قیام سے قبل ہم میں ایسے لوگ موجود تھے جو اپنی شیریں گفتاری سے ہمیں دھوکہ دیتے تھے اور یہود کے ساتھ دعوت دیتے تھے۔ ہم میں بڑی طاقتوں کے ایسے حاشیہ بردار بھی تھے جو یہود کے ساتھ تعاون پر مجبور رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسئلہ فلسطین کا حل فکری و عملی انتشار کی وجہ سے کھٹائی میں پڑ گیا۔ اس کے بعد بھی ہم غفلت و بے عملی کا شکار رہے اور اب ہمارے لیے یہود کی شرانگیزی سے نجات کا کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہوشمندی اور چابکدستی کا طرزِ عمل اختیار کریں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مقابلہ کیا تھا تاکہ اپنے علاقے ان سے حاصل کرسکیں اور آنے والے نئے دور میں اسلام اور سلامتی کا پیغام جملہ اقوامِ عالم تک پہنچا سکیں۔

ہمارے پاس یہ امانت ہے جسے ہم صدق و ایمان کے ساتھ اپنی نئی نسل کے سپرد کررہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ کامیابی و فلاح کا ایسا طرزِ عمل اختیار کرے گی جو فکری و عملی انتشار کا شکار پچھلی نسل نہیں کرسکی۔

(۲۱) غزوۂ موتہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پہلی جنگ تھی۔ اگر امیر بصریٰ کی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کو غسانی عرب قتل نہ کرتے تو یہ تصادم پیش نہ آتا۔ ایلچی کا قتل جملہ شرائع کی رُو سے ایک ظالمانہ اور گھناؤنی کارروائی ہے اور اچھی ہمسائیگی کے اصولوں کے منافی ہے۔ اس سے رومی گورنروں اور کارپردازوں کی شرپسندی کی نشان دہی ہوتی ہے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے لشکرِ موتہ ارسال فرمایا تاکہ رومی سردار اور گورنر مسلمانوں کی نئی مملکت اور اس کی دفاعی قوت سے خوف زدہ ہو جائیں اور مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کا سوچ نہ سکیں۔ جب مسلمان موتہ پہنچے تو انہوں نے رومیوں اور ان کے ماتحت عرب نصرانیوں کا ایک لشکرِ جرار دیکھا مورخین کے نزدیک جس کی تعداد دو لاکھ تھی۔ ہرقل شاہ روم کا بھائی اس لشکر اور موجودہ عمان کے قریب مآب کے مقام پر خیمہ زن سپاہ کا سالار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توقع تھی کہ اہلِ روم عرب کی سرزمین میں قائم مسلمانوں کی جدید مملکت پر حملہ آور ہونے کا پختہ عزم کیے ہوئے ہیں اور اس کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جزیرہ نمائے عرب کی حدود کے اندر ایک مستقل عرب سلطنت کے قیام سے وہ گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے اور انہیں یہ خدشہ لاحق ہو چکا تھا کہ وہ عرب علاقے جو حجاز سے ملحق عرب کی سرحدوں پر واقع ہیں اور جنھیں شاہِ روم نے غلام بنا رکھا ہے وہ بھی اس کے استعمار سے آزاد ہو جائیں گے۔ اس طرح مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان محاذ آرائی کا آغاز ہوا۔

(۲۲) غزوۂ تبوک یا غزوۂ عسرت میں ایسی واضح نشانیاں موجود ہیں کہ ایمان صادق کس طرح مومنوں کو قتال کے لیے عزم صمیم عطا کرتا ہے اور وہ کس خندہ پیشانی اور خوشدلی سے اپنا مال پیش کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا جوئی اور اس کے راستے میں دور دراز سفر کی تکالیف، مصائب اور شدید گرمی کا عذاب برداشت کرنے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں لیکن سچے مومن بلا عذرِ معقول اس غزوہ سے پیچھے رہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقاطعہ کا حکم دیا اور

و رمسلین کے علاوہ ان کی بیویوں اور ان کے بڑوں نے بھی ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دیا، جس سے مجبور ہو کر ایک اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور دُوسروں نے اپنے گھروں میں گوشہ نشینی اختیار کر لی یہاں تک کہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس واقعہ سے مسلمانوں نے یہ بلیغ سبق حاصل کیا کہ بلا عذر فرض کی ادائیگی سے پیچھے ں رہنا چاہیے خواہ آرام کو چھوڑ کر مصیبت اختیار کرنا پڑے اور گھنے سائے کو ترک کر کے گرمی اور سختی برداشت کرنا پڑے۔

(۲۳) فتح مکہ میں اس قدر پند و نصائح ہیں کہ ان کی تشریح کے لیے یہ قلیل صفحات ناکافی ہیں آنحضرتؐ ایک ایسے عی ہیں جن کے دل میں اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی نفرت یا کینہ نہیں۔ کفارِ مکہ نے مسلسل اکیس سال تک آنحضرتؐ کی ریک کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور محاذ آرائی کا ہر ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے آنحضرتؐ، آپؐ کے اصحاب اور ت کی تحریک کو ختم کیا جا سکے۔ لیکن جب آنحضرتؐ نے پوری طرح اُن پر قابو پا لیا اور مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو انھیں معاف کر دیا ان کی آزادی بحال کر دی۔ تاریخ انسانی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اس طرح کی کارروائی ایک رسول کریم ر سکتا ہے جس کی تحریک کا مقصود کشور کشائی اور غلبہ حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو اس غرض کے لیے تا ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت و رہنمائی مہیا کرے اور ان کے ضمیر اور دل و دماغ پر فتح حاصل کرے۔ اسی لیے آنحضرتؐ مکہ میں عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوئے اور آپ نے عظیم فاتحین کی طرح کسی قسم کے راق یا کرّوفر کا مظاہرہ نہ کیا۔

(۲۴) آنحضرتؐ نے اہلِ مکہ کے ساتھ انتہائی حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا۔ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے، اللہ تعالیٰ کو علوم تھا کہ اہلِ عرب اللہ کے پیغام کو دنیا والوں تک پہنچائیں گے اور اہلِ مکہ عربوں کے سردار تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مکہ کو باقی رکھا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں اور اپنے جسم و جان کی پوری توانائیاں خرچ کر کے ہدایت و پیغام دیگر اقوامِ عالم تک پہنچائیں اور ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔

(۲۵) سب سے آخر میں پند و نصائح کے ذیل میں ہم جس سبق اور دورس نصیحت کا ذکر کریں گے، وہ یہ ہے کہ اللہ عوت مختصر سے عرصے میں عظیم ترین کامیابی سے ہمکنار ہوئی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ اس بات کی سب سے بڑی ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اسلام اللہ کی دعوت ہے۔ اس تحریک کے داعیوں، اس پر ن لانے والوں اور اس کے جھنڈے کو تھامنے والوں کو اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرنے کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دعوت ہ شفقت اور حق اور نور سے عبارت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا حامی ہے۔ اللہ حق ہے اور رحمان و رحیم ہے جس کی رحمت کو گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ کسی میں طاقت نہیں کہ وُہ اللہ کے نور کو بجھا سکے۔ اور یہ ہرگز پسند نہیں کہ حق باطل سے مغلوب ہو جائے، اور نہ ہی اللہ کو یہ گوارا ہے کہ رذالت، سنگدلی اور بگاڑ مہربانی و ت اور صلاحیت پر غلبہ حاصل کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مسلمانوں کو جنگِ اُحد اور جنگِ حنین میں زخم آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت و تحریک کا

راستہ انتہائی کٹھن اور دشوار گزار ہے۔ اس ضمن میں ابتلاؤ آزمائش اور مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

ولینصرن اللہ من ینصرہٗ ط ان اللہ لقوی عزیز۔ (الحج۔ ۴۰)
(اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے)

فصل ششم

فتح مکہ کے بعد سے رسولؐ کی وفات تک کے اہم واقعات

۱ - غزوۂ حُنین

جب اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مکہ مکرمہ پر فتح نصیب فرمائی اور قریش کی مخالفت جو آغازِ دعوت سے مسلسل اکیس سال تک جاری رہی ختم ہوگئی تو قبیلہ ہوازن نے رسولؐ کے ساتھ جنگ کی تیاری کرلی اور معرکہ حنین پیش آیا جس کی تفصیلات سیرت ابن ہشام میں موجود ہیں۔

اس معرکہ کے بارے میں ہم مندرجہ اسباق کا ذکر کریں گے:

(۱) مالک بن عوف ہوازن و ثقیف کی قیادت کا خواہشمند تھا۔ وہ ایک مغرور اور متکبر نوجوان تھا۔ اس نے دُرید بن صمہ ایک پختہ کار اور جہاں دیدہ بوڑھے کی نصیحت پر کان نہ دھرا کیونکہ وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھا کہ وہ درید کی بہ نسبت زیادہ صائب الرائے ہے وہ اپنے بارے میں اپنی قوم سے یہ تعریفی کلمات سُننا چاہتا تھا کہ مالک جوان اور صاحبِ قوت اور سوار ہے۔ اگر وہ درید کی نصیحت پر عمل کرتا تو اس کی قوم عظیم نقصان سے بچ جاتی اور ان کی عورتیں گرفتار نہ ہوتیں۔ لیکن غرور اور قیادت کا تکبر قوموں کو ہلاکت سے دوچار کرتا ہے اور بالآخر خسارے کا موجب بنتا ہے مالک کا غرور اس کے آڑے آیا کہ وہ اسلام کی قوت و بالادستی کو تسلیم کرلے جس کے آگے قریش نے طویل مزاحمت اور شدید محاذ آرائی کے بعد ہتھیار ڈال دئے تھے۔ اس نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ وہ اپنی افرادی قوت اور مالی وسائل کے بل بوتے پر اسلام کی نئی اُبھرنے والی قوت پر غالب آئے گا اور اسلام کے مشن، نصب العین اور تنظیم کو پاش پاش کردے گا۔ پھر اس کے غرور نے ہی اسے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی قوم کی عورتیں اور اموال ساتھ لے کر جنگ آزمائی کرے تاکہ اس کی فوج بے جگری سے لڑے اور اس حیلہ کے ذریعے وہ شکست سے بچ جائے۔ بوڑھے درید نے اسے نصیحت کی تھی کہ شکست خوردہ فوج اپنی ہر چیز سے محروم ہوجاتی ہے لیکن اس نے اس نصیحت کو کوئی وقعت نہ دی اور وہ اس حقیقت سے بھی غافل ہوگیا کہ مسلمان جن کے ساتھ اس کا مقابلہ ہے وہ ایسی قوم ہیں جو فتح کے لیے اپنے مالی وسائل، افرادی قوت اور جنگی سازوسامان پر انحصار نہیں کرتے بلکہ انھیں اس خدائے عزیز و جبار کی طاقت پر بھروسا ہوتا ہے جس نے مسلمانوں کے لیے

فتح اور جنت کا وعدہ کر رکھا ہے مسلمان اپنی عورتوں اور اموال کی حفاظت کی خاطر میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر نہیں بھاگتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کے طلب گار ہوتے ہیں اور میدانِ جہاد میں منہ موڑنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب اور سخت انتقام کی جو وعید سنائی ہے اس سے ڈرتے ہیں :

ومن یولهم یومئذ دبرہٗ الا متحرفاً لقتال او متحیزاً الی فئة فقد بآء بغضبٍ من اللہ وماوٰنہ جہنم ط و بئس المصیر ○ (الانفال - ۱۶)

جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری، الا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے ۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا ، اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے ۔

مالک بن عوف، اس کا قبیلہ ہوازن اور ان کے حلیف شکست کھا گئے اور اس کے غرور و تکبر کی نحوست کا وبال اس اکیلے پر نہ پڑا بلکہ اس کی پوری قوم کو لے ڈوبا کیونکہ انھوں نے اس غرور میں اس کی اطاعت کی تھی۔ جب مالک نے ڈرامائی انداز میں ان کو یہ دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ تلوار سے اپنا پیٹ چاک کر لے گا۔ تو وہ اس کی اطاعت پر فوراً آمادہ ہو گئے اگر وہ اپنے تجربہ کار بوڑھے (درید) کا اتباع کرتے اور اپنے نوجوان سردار مالک کی متکبرانہ کارروائی کا ساتھ نہ دیتے تو اس مصیبت سے بچ جاتے جس کا وبال ان سب پر پڑا۔ وہ اپنے مغرور سردار کی ناراضگی سے ڈر گئے تھے۔ اگر وہ سوچتے کہ اس کی ناراضگی کا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ وہ اپنے مغرور سردار سے محروم ہو جاتے، اور یہ کوئی خاص نقصان نہ تھا۔ ایک مغرور اور انانیت زدہ قائد جو دوسرے جہاندیدہ لوگوں کی بہ نسبت جنگی حالات و واقعات اور جنگوں کے نتائج سے باخبر نہ ہو اور صرف سپہ سالاری کا طالب ہو اگر وہ ضائع بھی ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ایسے شخص کی زندگی کسی طرح بھی ایک قبیلے اور ایک پوری امت کی زندگی کے متوازی قرار نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مغرور سرداروں اور قائدوں کی خواہشات کی اجتماعی غلامی کے بُرے نتائج و عواقب سے ہمیں متنبہ فرمایا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصے میں بیان کیا گیا :

فاستخف قومہ فاطاعوہ ط انھم کانوا قوماً فٰسقین ○ فلما اٰسفونا انتقمنا منھم فاغرقنٰھم اجمعین ○ فجعلنٰھم سلفاً ومثلاً للاٰخرین ○ (الزخرف ۵۴ - ۵۶)

اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ ۔ آخر کار جب انہوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو اکٹھا غرق کر دیا اور بعد والوں کے لیے پیش رو اور نمونۂ عبرت بنا کر رکھ دیا۔

(۲) صفوان بن امیہ جو اس وقت مشرک تھا اس سے آنحضرت ؐ نے ایک سو زرہیں اور ان کا متعلقہ اسلحہ مستعار لیا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ قتال کے لیے پوری تیاری کرنا واجب ہے۔ نیز اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کافروں سے اسلحہ خریدنا یا مستعار لینا نہ صرف جائز ہے بلکہ ایسا اسلحہ جو مسلمانوں کے لیے ایذا رسانی یا ضرر کا موجب بن سکتا ہو وہ کافروں سے ضرور لے لینا چاہیے تاکہ کوئی دُوسری کافر طاقت اسے حاصل کر کے مسلمانوں پر لشکر کشی نہ کر سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے بعد صفوان سے یہ اسلحہ حاصل کیا اس وقت وہ کمزوری و رسوائی کی حالت میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی شرائط عاید کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا:

"اے محمدؐ! کیا آپ اسلحہ غصب کرنا چاہتے ہیں؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"نہیں بلکہ ہم عاریتہً لینا چاہتے ہیں اور ضمانت دیتے ہیں کہ ہم اسے واپس کر دیں گے۔"

مسلمانوں کی اپنے شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ شریفانہ سلوک کی یہ بہترین مثال ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوان کا اسلحہ غصب کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے اور صفوان کچھ بھی نہ کر سکتا تھا لیکن فتح حاصل کرنے کے بعد مغلوبین کے ساتھ حُسنِ معاملہ کی ایسی مثال ایک نبی ہی پیش کر سکتا ہے کہ جنگ کے بعد دشمنوں کے مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ان کا اسلحہ انہیں کے پاس رہے۔ ہمارے علم میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کے قبل یا آپ کے بعد کسی فاتح نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے اس قول کی تائید ہمارا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ جب بھی کوئی لشکر فتحیاب ہوتا ہے تو وہ مفتوحین کے اموال پر قبضہ کر لیتا ہے اور اُن کی خرافت اور حقوق کو پامال کرتا ہے۔ واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل (الاحزاب - ۴) مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معرکے میں قتال کے لیے نکلے تو اس وقت آنحضرتؐ کے ہمراہ بارہ ہزار سپاہ تھی۔ دس ہزار مجاہدین تو وہ تھے جو مدینہ منورہ سے آئے تھے اور فتح مکّہ میں شریک ہوئے، ان میں مہاجرین، انصار اور مدینہ کے قُرب و جوار یا راستے میں آباد قبائل شامل تھے اور دو ہزار وُہ تھے جنہوں نے فتح مکّہ کے بعد اسلام قبول کیا چونکہ یہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لیے ان میں سے اکثر ایسے تھے جو ابھی اسلام کی ہدایات و تعلیمات سے پوری طرح آگاہ نہ تھے اور کچھ لوگ صرف اس لیے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے کہ وُہ اسلام کے مقابلے اور اس پر غلبہ پانے کی طاقت سے محروم ہو چکے تھے۔ اس لشکر میں صداقت شعار مومنین بھی تھے جنہوں نے اپنے جسم و جان کو دین کی سربلندی کے لیے اللہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور ایسے بھی تھے جو ابھی دین کے معاملے میں کمزور تھے اور ایسے منافق بھی تھے جو سیاسی قوت سے محروم تھے اور خوف کی وجہ سے مسلمان ہو گئے تھے ان کے سینے اسلام کے خلاف کینہ سے معمور تھے اور وُہ اسلام کے غلبہ کی وجہ سے رنج و الم کا شکار تھے۔ معنوی قوت کے لحاظ سے پورا لشکر یکساں نہ تھا۔

ایمان کا اپنا ہدف اور نصب العین ہے جس کے حصول کے لیے وہ کفر سے جنگ کرتا ہے لیکن کچھ فتح کی وجہ سے غنیمت اور کمائی کے متلاشی ہوتے ہیں اس لیے ابتدائی مرحلے پر شکست سے دوچار ہونا تعجب خیز نہ تھا۔ جب آنحضرتؐ نے اپنے ہمراہ کثرت دیکھی تو فرمایا کہ آج ہم غالب نہیں آسکیں گے۔ یعنی اس قسم کا کثیر التعداد لشکر صرف ایسے معنوی امور کے باعث فتح حاصل کرسکتا ہے جن کا تعلق افراد کی جان، ایمان، روحانی قوت، اخلاص اور قربانی سے ہو۔ آنحضرتؐ نے ہمارے لیے ایک اعلیٰ اصول وضع فرمادیا ہے اور وہ یہ ہے کہ فتح کا انحصار فوج کی کثرتِ تعداد اور اسلحہ کی بہتات پر نہیں ہوتا بلکہ فتح ایک معنوی چیز کی مرہونِ منت ہوتی ہے جو لڑنے والوں کی اخلاقی قوت سے عبارت ہے اور انھیں قربانی اور فداکاری پر اُبھارتی ہے۔ ایک دوسرے موقعہ پر قرآن کریم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

کم من فئۃٍ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ ط و اللہ مع الصابرین ۔ (البقرہ۔ ۲۴۹)	بار ہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

اس معرکے کے اختتام پر جو آیات نازل ہوئیں وہ صراحت کے ساتھ اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں :

و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئًا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ○ ثم انزل اللہ سکینتہٗ علیٰ رسولہٖ وعلی المؤمنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا ط و ذٰلک جزآء الکافرین ○ (التوبہ ۲۵۔ ۲۶)	ابھی غزوہ حنین کے روز (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمھیں اپنی کثرتِ تعداد کا غرہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کا جو حق کا انکار کریں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے حنین کی جانب تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں ایک بہت بڑا سرسبز درخت تھا جسے متبرک سمجھا جاتا تھا۔ قریش ہر سال اس استھان پر آتے تھے اس درخت کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکا دیتے تھے، قربانیاں کرتے تھے اور ایک روز وہاں اعتکاف کرتے تھے۔ اس کا نام انہوں نے "ذات انواط" رکھا ہوا تھا۔ یعنی ایسا درخت جس کے ساتھ چیزیں لٹکائی جائیں۔ اسی سفر کے دوران راستے میں ایک بہت بڑا بیری کا ہرا بھرا درخت تھا اُسے دیکھ کر بعض نئے مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی :

"یارسولؐ اللہ! ہمارے لیے بھی ایک 'ذات انواط' مقرر فرمادیا جائے جس طرح کہ قریش کا ایک متبرک

درخت ذات انواط ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:

"اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے تم نے ویسی ہی فرمائش مجھ سے کی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا، تم بڑی نادانی کی بات کرتے ہو (اجعل لنا الٰھاً کما لھم اٰلھۃ قال انکم قوم تجھلون۔ الاعراف، ۱۳۸)"۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے مزید فرمایا:

"بہ عبادت کے طریقے میں تم بھی سابقہ قوموں کے طریقوں کی پیروی کرو گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اُمتِ مسلمہ بھی پہلی امتوں کی تقلید اختیار کرے گی اسی لیے آنحضرتؐ نے ہمیں تقلید کے بُرے انجام سے ڈرایا ہے اور امتِ مسلمہ کی یہ حالت اس وقت ہوگی جب اُمت پر جہالت غالب آ جائے گی۔ جو قومیں خیر و شر کے اسباب اور نفع نقصان کے طریقوں سے واقف ہوتی ہیں۔ خیر کو مضبوطی سے تھامتی ہیں اور بگاڑ سے اعراض کرتی ہیں نیز ضرر رساں طور طریقوں سے روگردانی کرتی ہیں خواہ دوسری قوموں نے وہ طریقے اختیار کر رکھے ہوں تو ایسی ہوشمند قومیں کامیاب ہیں لیکن اگر وہ نتائج سے بے پروا ہو کر تقلید کا راستہ اختیار کریں تو یہ اپنے حق میں ظلم کرنے کے مترادف ہے اور یہی وہ جہالت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ (انکم قوم تجھلون)

جس قوم کو اپنے آپ پر اعتماد اور اپنی شخصیت کا پاس ہو اور جو بھلائی اور حق اس کے پاس ہے وہ اس پر مطمئن ہو اور دُوسری قوموں کی ایسی چیزوں کی تقلید سے انکار کر دے جو ضرر رساں اور اس کے اصولوں کے منافی ہوں تو وہ قوم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی قوم کا لائحہ عمل دُوسروں کی تقلید ہی ہو تو قوم کی شخصیت کمزور اور اس کی فکر مضطرب ہوتی ہے نیز وُہ خواہشات کی پرستار اور ضعف و بُزدلی کا شکار ہوتی ہے۔ یہی وہ جاہلیت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی کتاب و شریعت کے ذریعے ہمیں نجات دی۔ اصلاحی تحریکوں کی نظر میں علم کا مفہوم خواندگی اور جہالت کا مفہوم ناخواندگی نہیں ہے بلکہ علم بداہت و فقاہت اور جہالت ضلالت و ناواقفیت سے عبارت ہے۔

سمجھدار قوم وُہ ہوتی ہے جو اپنے نفع و نقصان کو پہچانے خواہ وہ ناخواندہ ہی کیوں نہ ہو اور جو قوم بھلائی کا راستہ اور منہاج اختیار نہیں کرتی وہ جاہل ہے خواہ وہ متعدد علوم اور مختلف ثقافتوں کی حامل ہی کیوں نہ ہو۔

جب کوئی قوم دوسروں قوموں کی گرویدہ ہوتی ہے اور ان کی تقلید اختیار کرتی ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ ابنائے قوم اور ان کی خواہشات پر جاہلیت مسلط ہو چکی ہے۔ تاریخ سے پوچھو کہ کیا یونان و روما کی تہذیبیں جاہلیت کے غلبہ ہی کے باعث غارت نہیں ہوئیں؟

تقلید کرنے والے علم کے باوجود جاہل اور کبرسنی کے باوجود نابالغ ہوتے ہیں اور اس وقت تک جاہل و

نابالغ رہتے ہیں جب تک وہ غیر قوموں کی ذہنی غلامی سے آزادی حاصل نہیں کر لیتے۔

(۵) جنگِ حنین میں ابتدائی مرحلے پر مسلمانوں کو شکست ہوئی اور افراتفری میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچھڑ گئے۔ اس وقت شیبہ بن عثمان نے گمان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کا بدلہ لے جو جنگِ اُحد میں مارا گیا تھا۔ شیبہ کا بیان ہے کہ جب میں قتل کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو دفعتہً کوئی چیز آڑے آگئی اور اس نے میرے دل کو ڈھانپ لیا۔ میری طاقت سلب ہوگئی اور مجھے معلوم ہو گیا کہ میں آنحضرتؐ پر قابو نہیں پا سکتا۔

آنحضرتؐ کی سیرت کے باب میں اس قسم کے متعدد واقعات ـــ مکہ مکرمہ میں ابوجہل وغیرہ کے ساتھ اور مدینہ منورہ میں بھی ـــ پیش آئے۔ ان سب واقعات سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی ذات کا احاطہ ہیبت کے پرتو سے کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپؐ کے قتل کا ارادہ کرنے والوں پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ یہ آپؐ کے دعوائے رسالت کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی سازشوں سے اپنے نبی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا تھا اور اللہ کا مقصود یہ تھا کہ وہ آپؐ کو اس دنیا میں باقی رکھے تا آنکہ تبلیغی حجت پوری ہو جائے۔ امانتِ رسالت لوگوں تک پہنچ جائے، جزیرہ نمائے عرب سے جاہلیت کا قلع قمع ہو جائے اور مومنین کی ایسی جماعت تیار ہو جائے جو دنیا والوں کو اسلامی تعلیم و تہذیب سے آراستہ کرے اور انھیں جاہلیت سے نجات دلائے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو مشرکین آغازِ دعوت ہی میں آپؐ پر قابو پا جاتے۔ ایسی صورت میں دین مکمل نہ ہوتا، اللہ کی نعمت تمام نہ ہوتی اور ہم تک رسالت، ہدایت اور رحمت کا نور نہ پہنچتا اور تاریخ کا دھارا اس سمت نہ مڑتا جس سے اسلام کی نشر و اشاعت کے ذریعے انسانیت نے گمراہی اور شقاوت سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اور قوموں پر جابرانہ حکومتوں اور خود مختار پادشاہوں اور سرداروں کی استبدادی کارروائیاں ختم ہوئیں جن کی سلطنتوں کی بنیاد بغاوت، ظلم، انسانی شرافت کی پامالی اور تشدد پر قائم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت فرمائی اور اس کی بدولت دینِ اسلام پایۂ تکمیل کو پہنچا اور آنحضرتؐ امانتِ رسالت کی ادائیگی سے پوری طرح اور بلا کم و کاست عہدہ برآ ہوئے۔

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا بہت فضل تھا (وکان فضل اللہ علیک عظیماً۔ النساء۔ ۱۱۳) اور اللہ کا فضل تم پر بہت ہے اور عالمِ بشریت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل بھی بہت ہے (وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ـ الانبیاء ـ ۱۰۷) اور ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

یقیناً دشمنوں کی خفیہ چالوں اور سازشوں سے داعیانِ حق کی نجات اللہ تعالیٰ کے اس فضلِ عظیم کا تسلسل ہے جس کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت سے ہوئی تھی۔

داعیانِ حق پر واجب ہے کہ وہ خوف و خطر سے حفاظت کے نقطۂ نظر سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملجا تلاش کریں اس کی طاقت وقدرت کی حمایت طلب کرتے رہیں اور اس بات پر یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور ان کا مددگار اور حافظ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے ارادہ فرمائے کہ اسے دشمنانِ ہدایت کے مکر و فریب سے نجات دلائے تو اللہ تعالیٰ اسے فوراً ہی نجات دلاتا ہے خواہ دشمنوں کی طاقت شدید ہو اور انہوں نے مکر و فریب اور ارتکابِ جرم کا عظیم منصوبہ تیار کر رکھا ہو۔ جان لو کہ حمایت و نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے حاصل ہو سکتی ہے اور اللہ جس کی امداد نہ کرے کوئی دوسرا اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ کا فیصلہ اور حکم ہی نافذ العمل ہے۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم۔ (آل عمران ۱۶۰)

اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں۔

کبھی کبھی ظالم انسان مکر و فریب کے عظیم منصوبے تیار کرتے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں خدائے عادل کی امداد بہت بڑی اور بے انتہا ہوتی ہے۔ ایک داعی کبھی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتا اور ایک مصلح کبھی عدمِ استقلال کا شکار نہیں ہوتا اور ایک مومن باللہ جسے اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پر کامل بھروسا ہوتا ہے وہ شہادتِ حق کے فریضہ کی ادائیگی سے باز نہیں آتا۔

وکان حقا علینا نصر المؤمنین۔ (الروم ۴۷)

اور ہم پر یہ حق تھا کہ مومنوں کی مدد کریں۔

ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولئک فی الاذلین o کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی ط ان اللہ قوی عزیز o (المجادلہ ۲۰-۲۱)

یقیناً ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ فی الواقع اللہ زبردست اور زور آور ہے۔

اگر اللہ کے دشمن بعض ائمۂ ہدایت اور داعیانِ اصلاح پر قابو پانے، انہیں قتل کرنے یا ان کی ایذا رسانی میں کامیاب ہو جائیں تو یہ چیز داعیان کے حق میں اللہ کے فضل کے منافی نہیں ہے کیونکہ موت تو برحق ہے اور وہ ہر ابنِ آدم کا نصیب ہے۔ جس کی موت ظالموں کے ہاتھوں مقدر ہو وہ مرنے والے کے حق میں اللہ کی طرف سے کرامت اور فضل ہے۔ اللہ کے راستے میں جو موت آئے شہادت ہے۔ دعوتِ حق کے سلسلے میں جو ایذا پہنچے وہ شرف و بزرگی سے عبارت ہے اور اصلاح کے سبب سے اگر ابتلاء و آزمائش سے گزرنا پڑے تو اس سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے: ؎

اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

ذلک بانہم لا یصیبہم ظما و لا نصب و لا مخمصۃ فی سبیل

اس لیے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف

ﷲ ولا یطئون موطئا یغیظ الکفار و لا ینالون من عدو نیلا الا کتب لھم بہ عمل صالح ط ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۵ (التوبہ ۱۲۰)

وہ جھیلیں، اور منکرینِ حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں اور کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) کوئی انتقام وہ لیں گے اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک عملِ صالح نہ لکھا جائے۔ یقیناً اللہ کے ہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا۔

(۶) جنگ کی ابتدا میں دشمنوں نے کمین گاہوں سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کی صفوں میں افراتفری پھیل گئی، وہ تتر بتر ہونے لگے اور اس انتشار کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جُدا ہو گئے اور صحابہؓ کی ایک قلیل تعداد آنحضرتؐ کے ساتھ ثابت قدم رہ گئی۔ آنحضرتؐ نے پکارنا شروع کیا :

" اے لوگو ! میری طرف آؤ، میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں۔"

آنحضرتؐ کی آواز لوگوں نے نہ سُنی۔ حضرت عباسؓ بلند آواز تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ وہ منادی کریں :

" اے گروہِ انصار ! اے گندم گوں رنگ والو ! "

لوگوں نے جواب دیا : " ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں۔"

چونکہ لشکر کا شیرازہ بکھر چکا تھا اس لیے جو مجاہد اپنی سواری کو موڑنا چاہتا تھا وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا، وُہ اپنی زرہ لیتا اور اسے اپنی سواری کے گلے میں ڈال دیتا، اپنی تلوار اور ڈھال لیتا اور اپنی سواری کی اوٹ سے حملہ آور ہو کر اپنا راستہ بناتا اور اس آواز کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا۔ اس طرح آنحضرتؐ کے پاس ایک سو صحابہ کرامؓ اکٹھے ہو گئے۔ وہ آگے بڑھے۔ اُنھوں نے قتال کیا اور اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

اس ضمن میں متعدد پند و نصائح حاصل ہوتی ہیں۔ داعیانِ حق اور لشکروں کو چاہیے کہ وُہ انھیں یاد رکھیں۔ بعض اوقات لڑنے والوں کی کمزوری اور حق کے لیے ان کا عدمِ اخلاص اور قتال کے لیے پُورے جنگی ساز و سامان سے مسلح نہ ہونا جنگ میں شکست کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح مہمات میں قائدِ تحریک کی ثابت قدمی و جرأت اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی امداد پر بھروسا شکست کو فتح میں بدل دیتا ہے۔ نیز کمزور اور شکست و تردد میں مبتلا ساتھیوں کے حوصلے بڑھانا اور حق کے لشکروں میں سچے مجاہدین کی ثابت قدمی اور ان کا اپنے مخلص اور جری قائد کے ارد گرد جم کر لڑنا بھی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ابتدائی شکست کے بعد جو صحابہؓ آنحضرتؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور جو صحابہ بعد ازاں آنحضرتؐ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اکٹھے ہو گئے اور جن کی تعداد ایک سو سے زائد نہ تھی جب انھوں نے لڑنا شروع کیا تو میدانِ جنگ کا نقشہ بدلنا شروع ہو گیا۔ اللہ کی امداد اپنے مومن بندوں کے لیے آئی۔ دشمنوں نے پسپائی اختیار کی ان کے دلوں اور ان کی صفوں میں کمزوری راہ پا گئی۔ دُوسری طرف قائدِ تحریک علیہ السلام نے لشکر کو یاد دلایا کہ وہ حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ سچے مومنوں کا ساتھ دیتا ہے تو ان کی اخلاقی قوت میں اضافہ ہو گیا اور

فدا کاری اور قربانی کے لیے وہ زیادہ مستعد ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"انا رسول اللہ۔"

اور ابنِ ہشام کے علاوہ ایک دُوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے دعوئے رسالت میں سچے تھے اور آپؐ کو اپنے رب کی امداد پر کامل بھروسا تھا۔ قائد کو چاہیے کہ وُہ ہمیشہ شدائد و آلام کے مواقع پر خود اعتمادی کا مظاہرہ کرے۔ اپنے رب کو اپنا ملجا سمجھے اور اللہ کی امداد و عنایت پر اسے پورا پورا یقین ہو۔ اگر قائد اپنے ہدف، نصب العین اور تحریک کے بارے میں پوری طرح یکسو ہوگا تو اسے اپنے مقصد میں کامیابی اور لوگوں کی طرف سے مقبولیت اور پذیرائی نصیب ہوگی اور اس میں شدائد و آلام برضا و رغبت برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے گی۔

(۷) جنگ میں ام سلیمؓ بنت ملحان کی کارکردگی صدرِ اسلام میں مسلمان خواتین کے باعثِ افتخار جنگی کارناموں میں سے ہے۔ وہ جنگ میں اپنے خاوند ابو طلحہؓ کے ساتھ تھی۔ وہ اُمید سے تھی اور اس نے اپنا پیٹ ایک دھاری دار کپڑے کے ساتھ مضبوطی سے باندھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ابو طلحہؓ کا اونٹ بھی تھا، وہ ڈرتی تھی کہ اُونٹ کہیں اس سے چھوٹ نہ جائے۔ اس لیے اُونٹ کی مہار کے ساتھ اونٹ کی ناک میں ڈالے ہوئے چھلے میں بھی اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسے دیکھا تو پُوچھا:

"تم ام سلیم ہو؟"

اس خاتون نے جواب دیا:

"جی ہاں، یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں انہیں قتل کر رہی ہُوں جو آپ سے شکست خوردہ میں جس طرح حضورؐ ان لوگوں سے قتال کر رہے ہیں جو آپؐ کے مدِمقابل ہیں کیونکہ وہ اسی سلوک کے مستحق ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ام سلیم! اللہ کافی ہے۔"

اس خاتون کے پاس ایک خنجر بھی تھا، اس کے خاوند ابو طلحہؓ نے خنجر کے بارے میں اس سے سوال کیا۔ ام سلیم نے کہا:

"میں نے یہ خنجر اس لیے لیا ہوا ہے کہ اگر مشرکین میں سے کوئی میرے قریب پھٹکا تو میں خنجر کے ساتھ اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔"

ابو طلحہؓ اس جواب سے خوش ہوگیا۔ آنحضرتؐ اس خاتون کی باتوں کو غور سے سُنتے رہے۔

صدرِ اسلام میں مسلمان خواتین اس طرح کے کارنامے سرانجام دیتی تھیں اور ایک مسلمان خاتون کا کردار ایسا ہی ہونا چاہیے۔

مسلمان خاتون جرآت مندی کے ساتھ دفاعی جنگوں میں شامل ہوتی تھی۔ اگر ضرورت پیش آئے یا دشمن اس کے قریب آ جائیں تو وہ بذاتِ خود دشمنوں کے شر کو دفع کرتی تھی تاکہ گرفتار کر کے قیدی نہ بنالی جائے۔ اسلام کی ابتداء ہی سے مسلمان خواتین کی فداکاری، قربانی، آزمائش اور شجاعت کے کارناموں سے تاریخ اسلام کے صفحات روشن ہیں اسی لیے متعصب مستشرقین اور دیگر مغربی راہنما اسلام پر یہ الزام تراشی کرتے ہیں کہ اسلام عورت کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے اور اسے معاشرے میں وہ مقام عطا نہیں کرتا جو اس کی فطری ساخت کے مطابق ہو بلکہ وہ اس حد تک افتراء پردازی کرتے ہیں کہ اسلام ایک عورت کو جنت میں داخل ہونے اور چلنے پھرنے کی اجازت نہیں دیتا خواہ وہ کتنی ہی نیکوکار، عبادت گزار اور تقویٰ شعار کیوں نہ ہو۔

اس بہتان طرازی کی تردید میں قرآن کریم اور سنتِ صریحہ کی نصوص سے قطع نظر تاریخ اسلام میں مسلمان خواتین نے اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے راستے میں قربانی و فداکاری کی جو اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں ان کی نظیر دیگر ادیان پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ معرکہ حنین میں ام سلیمؓ کا کردار اس قسم کی سینکڑوں مثالوں میں سے ایک ہے۔ ہمارے لیے ضروری نہیں کہ ہم اس ضمن میں متعصب دشمنانِ اسلام کی الزام تراشی کا رد کریں بلکہ ہم پر لازم ہے کہ ہم ام سلیمؓ کے کردار سے سبق حاصل کریں اور مسلمان خاتون کو دعوت دیں کہ وہ نئے سرے سے اپنے فطری ماحول کے اندر رہ کر خدمتِ اسلام کا فریضہ انجام دے اور آنے والی نسلوں کی تربیت اسلام کی ہدایت و رہنمائی کے مطابق کرے۔

دورِ حاضر کی مسلمان خواتین دو حصوں میں بٹی ہوئی ہیں، ایک طبقہ نیکو شعار اور راہِ راست پر گامزن خواتین کا ہے لیکن یہ صرف اقامتِ صلوٰۃ اور قرأتِ قرآن کی نیکی اور محرمات سے اجتناب پر اکتفا کرتی ہیں۔ دوسرا طبقہ منحرف خواتین کا ہے۔ انہوں نے جوشیلی مغربی تہذیب کی تقلید میں اسلامی آداب کی بجائے مغربی آداب اور ایک مسلمان عرب خاتون کے اخلاق کی بجائے مغربی اخلاق کو اپنا لیا ہے اور اپنے آپ کو اور اپنے خاندان اور قوم کو مصیبت و شقاوت میں مبتلا کر دیا ہے۔ بعض مغرب زدہ لوگوں نے اس بات کا بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ مسلمان عرب خواتین ان اخلاقی قدروں اور خصوصیات سے بیگانہ اور عاری ہو جائیں جن کی بدولت تاریخ اسلام میں عظمت و شرافت اور ناموری کے نقطۂ نظر سے عظیم سپوت پیدا ہوئے۔ دورِ حاضر بلاشبہ اسلام اور اس کی تاریخ اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی سیرت سے مرعوب ہے۔ مسلمان خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں، بچوں کی دیکھ بھال اور شرافت، عفت، حشمت اور حیا کی کریمانہ خصلتوں کے ساتھ نئے سرے سے اسلام اور اسلامی معاشرے کی خدمت کا فریضہ انجام دیں۔ کیا ہماری مسلمان متدین نوجوان خواتین حضرات خدیجہؓ، عائشہؓ، اسماءؓ، خنساء اور ام سلیمؓ وغیرہا کی تاریخ دہرائیں گی؟ کیا یہ مشاہیر مومن عورتیں جن کی سیرتیں آسمان کے ستاروں کی مانند چمک رہی ہیں ان کی تقلید دورِ حاضر میں کی جائے گی؟ کیا حضرات خدیجہؓ، عائشہؓ، اسماءؓ اور ام سلیمؓ کے نقوشِ قدم پر چلنے والی بیسیوں مسلم خواتین دورِ حاضر میں پیدا ہوں گی؟ تاریخ اپنے آپ کو دہرایا کرتی ہے اور یقیناً ایسا ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہمارا نصب العین صحیح ہو اور ہمارا ایمان پختہ، روشن اور نصب العین کی طرف رہنمائی کرنے والا ہو۔ مزید برآں یہ بھی ضروری ہے کہ دورِ جدید کی مسلم خواتین بھلائی، حق، فضیلت اور

دشمنوں کے استہزاء کے علی الرغم گمراہ کرنے والوں کی گمراہی سے بچ کر اپنے نصب العین کے حصول کے لیے تاریخی کارنامے سرانجام دیں۔

(ہ) اس معرکے میں حضرت خالد بن ولید نے ایک خاتون کو قتل کردیا تھا۔ لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ آنحضرتؐ کا گزر وہاں سے ہوا تو آپؐ نے دریافت فرمایا: "کیا معاملہ ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ ایک عورت کو خالد بن ولید نے قتل کردیا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک صحابی کو فرمایا کہ خالد کو میرا یہ حکم پہنچا دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی لڑکے یا خاتون یا تنخواہ دار ملازم کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

کمزور طبقے یا ایسے لوگ جو قتال میں شامل نہ ہوں مثلاً رہبان، خواتین، شیوخ اور اطفال یا ایسے لوگ جنہیں بالجبر جنگ میں شامل کیا گیا ہو جیسے کسان اور مزدور، ان کو قتل نہ کرنا۔ دنیا کی جنگی تاریخ میں اسلام کا ایک منفرد حکم ہے اس قسم کا رحمت و شفقت اور شرفِ انسانیت کا مرقع مخصوص قانون دورِ اسلام کے قبل یا بعد میں آج تک مدون نہیں کیا گیا۔ جملہ اقوامِ عالم میں یہ امر مسلّم اور متفق علیہ ہے کہ جنگ میں ہر قسم کے دشمنوں کو بلا استثناء قتل کرنا مباح ہے۔ دورِ حاضر میں انسانی حقوق کا بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ ظلم و زیادتی کردہ کنے اور کمزور قوموں کو سہارا دینے کے لیے بین الاقوامی ہیئت حاکمہ قائم ہے لیکن انسانی ضمیر ہنوز اس بلندی اور شرافت تک نہیں پہنچ سکا کہ جنگوں میں کمزور اور معذور طبقوں کے قتل کو ممنوع قرار دے۔ سابقہ دونوں عالمی عظیم جنگوں میں ہم نے دیکھا ہے کہ شہروں کے شہر مکینوں سمیت تباہ و برباد کر دئے گئے اور وہاں کے ہر جاندار کے قتل کو مباح قرار دے دیا گیا۔ قومی تحریکوں کے برخلاف استعماری جنگوں میں بھی ہم نے یہی کچھ مشاہدہ کیا ہے حالانکہ قومی تحریکیں زندگی اور شرافت کے حقوق کا مطالبہ کرتی ہیں۔

انقلابی تحریکوں کو کچلنے کے لیے استعماری طاقتیں شہروں اور دیہات کی تخریب اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کے قتلِ عام کو مباح سمجھتی ہیں۔ فرانسیسیوں نے متعدد دفعہ الجزائر میں اس قسم کے مظالم روا رکھے۔ انگریزوں نے اپنی اکثر نوآبادیات میں اسی طرح کی وحشت اور درندگی کا مظاہرہ کیا اور اسی طرح کی حرکتیں پرتگیز اپنی افریقی نوآبادیات میں کر رہے ہیں۔

قدیم و جدید اقوامِ عالم میں سے کسی قوم نے بھی جنگ میں بالجبر شامل کردہ مزدوروں اور کسانوں کے قتل کو ممنوع قرار نہیں دیا لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل بالصراحت ان طبقوں کے قتل سے منع فرمایا ہے اور اسے صرف قانونی طور پر منع کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ واقعاتی اور حقیقی سطح پر اسے عملی جامہ پہنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ شریعت تھے اور اللہ کی طرف سے لوگوں تک شریعت کے پہنچانے والے تھے۔ آنحضرتؐ نے ایک عورت کے قتل کیے جانے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا اور اپنے سالاروں کی طرف حکم بھجوایا کہ وہ عورتوں، بچوں اور مزدوروں سے تعرض نہ کریں۔ اپنے آخری ایام میں آنحضرتؐ نے رومیوں کے برخلاف قتال کے لیے جو لشکر حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں ارسال فرمایا اسے دیگر احکام کے ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جنگ نہ کرنے والے اور جنگ میں امداد

نہ دینے والے راہبوں کو قتل نہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کیا تو یہی حکم دیا، نیز حضرت ابوبکرؓ نے جب دیگر لشکر اللہ کے راستے میں یعنی حق، بھلائی، ہدایت اور عدالت کے راستے میں نکالے تو ان کو بھی یہی تلقین کی۔ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید نے بھی فتوحاتِ عراق میں اس کے مطابق عمل کیا۔ اور ایسے کسانوں سے تعرض نہ کیا جو اپنے کھیتوں کی کاشت میں مصروفِ عمل تھے۔ اسلامی لشکروں نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں اسی شریفانہ انسانی اصول پر عمل کیا جبکہ دنیا کے دیگر لشکر اس اصول سے ناواقف محض ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے جب عیسائیوں سے بیت المقدس واپس لے لیا اور فتح حاصل کر لی تو اسی قسم کا سلوک عیسائیوں سے کیا گیا۔ اس نے بوڑھوں، پادریوں، عورتوں اور بچوں بلکہ شدید جنگ کرنے والوں تک کو امان دے دی اور انہیں اسلامی لشکر کی حراست میں ان کے ساتھیوں تک پہنچا دیا اور ان سے کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی، حالانکہ جب عیسائیوں نے بیت المقدس کو فتح کیا تھا تو اس وقت انہوں نے انتہائی غداری، کمینگی، وحشت اور دنائت کا مظاہرہ کیا تھا۔ عیسائیوں نے بیت المقدس میں پناہ گزین مسلمانوں کی جان و مال کی امان کا اعلان کیا۔ لیکن جب مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ پر سفید جھنڈا لہرا دیا تو امان کے اس عہد میں مسلمانوں سے غداری کی گئی۔ عیسائیوں نے بیت المقدس میں داخل ہو کر مسجدِ اقصیٰ میں اقامت گزین تمام مسلمانوں کو بلا امتیاز تہ تیغ کر دیا۔ قتل کیے جانے والے عالموں، زاہدوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد ستر ہزار تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ ایک عیسائی اہلِ قلم نے اس فتح مبین سے یہ بشارت بھی دی کہ الباباتک فتوحات ہوں گی اور فخریہ انداز میں لکھا کہ سڑکوں پر مسلمانوں کا اتنا خون بہایا گیا کہ عیسائیوں کے گھوڑے ٹانگوں تک خون میں ڈوب گئے۔

ہمارے لشکروں، سپہ سالاروں اور فتوحات کے بارے میں لوبون نے کہا تھا کہ عربوں سے زیادہ رحم دل اور عدل گستر فاتحین سے تاریخ ناآشنا ہے۔ ہم یہ قول فخر و مباہات کے طور پر نقل نہیں کرتے بلکہ ہم دنیا کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم بیسویں صدی کے اہلِ مغرب کی بہ نسبت انسانیت کے ساتھ زیادہ نیکی اور رحمت و شفقت کا سلوک کرنے والے ہیں۔ اہلِ مغرب انسانی تہذیب کے صرف بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، یوم اطفال اور یوم امہات منعقد کرتے ہیں اور اپنی تہذیب و تمدن کا ڈھنڈورا پیٹ کر ہمیں دھوکا دیتے ہیں بلکہ ہم میں سے ان سادہ لوح اور کم فہم لوگوں کو فریب دیتے ہیں جنہیں اُمتِ مسلمہ اور اپنی قومی تاریخ پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری موجودہ نسل اغیار کی ان دسیسہ کاریوں سے آگاہ ہو اور اسے اپنے دین اور شریفانہ انسانی تہذیب کے ورثے پر پورا اعتماد حاصل ہو اور وہ اہلِ مغرب کے حضور اس طرح نہ جھکیں جس طرح ایک ذلیل گداگر ایک طاقتور غنی کے آگے جھکتا ہے اور ہمیں مغربی افکار و نظریات کے دسترخوان پر رطب و یابس اور مفید و غیر مفید کا امتیاز کیے بغیر اس طرح نہ گرنا چاہیے جس طرح پروانے آگ پر گرتے ہیں اور جل جاتے ہیں۔

یہ حقیقت علمی طور پر ثابت شدہ ہے کہ اسلام جملہ ادیان سے بہتر اور انسانی فطرت کے قریب ترین دین ہے اور جملہ نظامہائے زندگی کی بہ نسبت لوگوں کی اصلاح کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ اور یہ امر تاریخ سے ثابت ہے

کہ اسلام کی جنگیں نوعِ انسانی کے ساتھ رحمت و شفقت کے جذبات کے تحت لڑی گئی ہیں وہ کم از کم نقصان اور زیادہ سے زیادہ بھلائی کی ضامن ہیں اور ان کا مقصود انتہائی شریفانہ ہے اور ہر آنے والا دن اس امر کی نئی دلیل مہیا کرتا ہے کہ اسلام اللہ کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور سچے مسلمان اللہ کے بندوں میں سے چیدہ چیدہ اور انسانیت کے سرتاج ہیں۔

(۹) آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے ہوازن کے شکست خوردگان کا تعاقب طائف کے علاقے میں ثقیف کے مقام تک کیا اور چند دن تک ثقیف کا محاصرہ کیا لیکن فتح نہ ہوئی۔ آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔ راستے میں جنگِ حنین کی غنیمت تقسیم کی گئی جس میں چھ ہزار بچے اور عورتیں اور لاتعداد اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں۔ اس میں سے زیادہ حصہ آنحضرتؐ نے رؤسائے عرب کو ان کی تالیفِ قلوب کے لیے عطا کیا۔ بہت سا مال قریش کو بھی دیا اور انصار کو اس میں سے کچھ بھی نہ دیا۔ بعض انصار نے غنیمت سے محرومی کے بارے میں چہ میگوئیاں کیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے مل گئے ہیں یعنی آنحضرتؐ نے فتح مکہ اور قریش کے قبولِ اسلام کے بعد ہمیں نظر انداز کر دیا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے انصار کا اجتماع بلایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے گروہِ انصار! تمہاری طرف سے ایک بات مجھے پہنچی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دلوں میں میرے بارے میں گمان وارد ہوا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے ذریعے سے ہدایت دی۔ تم نادار تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔"

سب نے اثبات میں جواب دیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ احسان اور مہربانی کرنے والے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اے گروہِ انصار! کیا تم مجھے اپنے احسانات نہیں جتا سکتے۔"

انصار نے جواب دیا:

"یا رسولؐ اللہ! ہم تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے، ہم تو اللہ تعالیٰ اور آپؐ کے زیرِ بارِ احسان ہیں۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اگر تم چاہو تو یہ کہنے میں حق بجانب ہو کہ ہم آپؐ کے پاس اس وقت آئے جب آپ کی تکذیب کی جاتی تھی اور ہم نے آپ کی تصدیق کی آپؐ امداد سے محروم تھے ہم نے آپؐ کی تائید کی۔ آپؐ کو اپنے گھر سے نکالا گیا اور ہم نے آپؐ کو ٹھکانا مہیا کیا۔ آپؐ نادار تھے ہم نے اپنے مال سے آپؐ کی امداد کی۔ اے گروہِ انصار! میں نے دنیا کا مال ان جدید الاسلام لوگوں کو تالیفِ قلوب کے لیے دیا اور تمہیں محروم رکھا ہے کیونکہ تم تو قدیم الاسلام تھے۔ اے گروہِ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ

لوگ بکریاں اور اُونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اگر تحریک اسلامی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا مرحلہ مقرر نہ کیا جاتا تو میں انصار میں سے ہوتا، اور اگر دو پہاڑوں کے درمیان لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرا راستہ اختیار کریں تو میں انصار کے راستے پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار کو اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اپنی بے پایاں رحمت سے نواز۔"

اس پر انصار بے اختیار رو پڑے، یہاں تک کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور انہوں نے کہا: "ہمارے حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں اور ہم اس تقسیم پر راضی ہیں۔"

یہاں مندرجہ ذیل مسائل حل طلب ہیں،

اوّل ۔ غنیمتوں کا معاملہ اسلام کے جنگی نظام کا حصہ ہے لیکن دشمنانِ اسلام نے اسے طعنہ زنی کا مورد ٹھہرایا ہے وہ اسے اسلام میں اعلانِ جنگ کے اسباب میں سے ایک مادی سبب سمجھتے ہیں اور اسلامی لشکروں کو قربانی اور فداکاری پر اکسانے کے لیے ایک موثر ذریعہ قرار دیتے ہیں اور اسی لیے وہ جنگ کے بعد غنیمت پر ٹوٹ پڑتے ہیں جیسا کہ اس معرکے میں پیش آیا۔ بلاشبہ ہر انصاف پسند شخص اس دعوے کی تردید کرے گا۔ دراصل اسلام میں جنگ کے اسباب معنوی ہیں جن کا مقصود حق کی نشر و اشاعت اور ظلم و زیادتی کو روکنا ہے اور اس مضمون کی صراحت قرآن و حدیث کی کثیر التعداد قطعی نصوص سے ثابت ہے۔ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ انسان مادی غنیمت کے حصول کی خاطر اپنی جان کی قربانی پیش کرے اور اپنے خاندان کا مستقبل ضائع کر دے۔

صدر اسلام میں مسلمان محاربین نے بہادری و شجاعت کے جو خارقِ عادت کارنامے سرانجام دیئے مادی غنیمت کے لالچ کی خاطر ان کی بجا آوری ناممکن تھی۔ آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ میں عربوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے دوران جو حیران کن نتائج برآمد ہوئے اور اسی طرح ایران و روما اور مابعد کی جنگوں میں جو واقعات رونما ہوئے وہ مادی غنیمت کے طمع کے تحت ناممکن الوقوع تھے۔ مزید برآں دشمنانِ اسلام کو بھی مادی طمع کچھ کم نہ تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کی شکست کی صورت میں مسلمان گرفتار ہو کر اور ان کے اموالِ غنیمت کے طور پر دشمنوں کے حصے میں آتے اور صرف مسلمان ہی فتح کی صورت میں دشمنوں کے مال تقسیم نہ کر سکتے تھے بلکہ اس میں تو دونوں متحارب لشکر یکساں تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مادی طمع دشمن کی طرف سے خارقِ عادت شجاعت کے کارناموں اور حیران کن تابناک نتائج کا موجب نہ ہوا۔ اسلامی جنگوں میں پیش آنے والے واقعات اس امر کی قطعی نفی کرتے ہیں کہ ایک مسلمان مجاہد کو جہاد پر اکسانے والا سب سے بڑا محرک مادی طمع ہے۔ بدر، اُحد، موتہ وغیرہ کی جنگوں سے ظاہر ہے کہ مسلمان مجاہدین صرف شرفِ شہادت اور جنّت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لیے معرکوں میں پیش قدمی کرتے رہے ہیں۔ ایک صحابی نے آنحضرتؐ سے شہدا کے بارے میں جنت کی بشارت سُنی وہ کھجوریں کھا رہا تھا اس نے یہ کہتے ہوئے کھجوریں پھینک دیں کہ یہ کھجوریں میرے جنت کے داخلے

میں تاخیر کا موجب ہیں اور یہ تاخیر میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ معرکے میں کود پڑا اور قتال میں مصروف رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ ایک دوسرا صحابی بے جگری کے ساتھ دشمنوں سے قتال کر رہا تھا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے :

"خدا کی قسم، میں اُحد کے پہاڑ کے قریب جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، کیوں نہ ہو جنت تو مجھے نظر آ رہی ہے۔" یہ واقعات معرکۂ اُحد میں پیش آئے۔

ایرانی جنگوں میں رستم نے یہ عرضداشت پیش کی کہ اگر مسلمان لڑائی سے باز آ جائیں تو وہ مسلمانوں کو اپنے اموال اور پارچات دینے کو تیار ہے۔ اس پر اسلامی وفد کے سالار نے رستم کو یہ جواب دیا :

"خدا کی قسم، ہم غنیمت سمیٹنے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم تمھیں بندوں کی غلامی سے نجات دلا کر خدائے واحد و قہار کا بندہ بنانے کے لیے آئے ہیں۔ اگر تم اسلام قبول کر لو تو ہم واپس چلے جائیں گے اور تمھاری سرزمین اور تمھاری مملکت تمھاری تحویل میں رہے گی۔ ہم ان کے بارے میں تم سے کوئی تنازع نہ کریں گے۔" کیا یہ کسی ایسی جماعت کا جواب ہو سکتا ہے جو غنیمت حاصل کرنے اور کشور کشائی کے لیے نکلی ہو۔

اگر کفار کے اس باطل دعویٰ کے ثبوت میں معرکۂ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے واقعہ کو پیش کیا جائے جہاں اکثر صحابہؓ کو غنیمت دی گئی اور انصار کو محروم رکھا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غنیمت جدید الاسلام لوگوں میں تالیفِ قلوب کے لیے تقسیم کی گئی جن کے دلوں میں اسلام کی ہدایت قدیم الاسلام صحابہؓ کی طرح پوری طرح جاگزیں نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے بزرگ ترین صحابہؓ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابنِ عوف، طلحہ، زبیر جو السابقون الاوّلون میں سے تھے ان کو کچھ بھی نہ دیا گیا۔

جہاں تک انصار کے معاملے کا تعلق ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض مجاہدین جن کی جنگی کارکردگی دوسروں کے مقابلے میں کمتر نوعیت کی تھی لیکن اس کے برعکس غنیمت کی تقسیم میں انہیں ترجیح دی گئی تو اس پر کسی انصاری نے اگر انگشت نمائی کی تو اس طرح کی صورتِ حال میں ایسا واقعہ پیش آ جانا فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے خطاب کے دوران میں فرمایا کہ "کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔" تو انصار رو پڑے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصود رضائے الٰہی، ثواب، جنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تھا۔

ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، آپؐ کے قرب اور پڑوس کو اموالِ غنیمت اور رزق پر ترجیح دی، ان کے بارے میں یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ اموال اور روزی کمانے کے لیے لڑتے تھے۔

کفار کا یہ اعتراض بھی فضول اور لایعنی ہے کہ اسلام نے غنیمت مجاہدین کے لیے کیوں مشروع کی ہے اور اسے مملکت کا مال کیوں قرار نہیں دیا جیسا کہ ہمارے اس دور میں مروج ہے۔ یہ اعتراض اس دور کے جنگی دستور اور رسم و رواج سے ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ اس زمانے میں صرف اسلامی لشکر میں غنیمت کا ۴/۵ حصہ تقسیم نہیں ہوتا تھا، بلکہ رومی اور ایرانی حاکم بھی اپنی فوجوں میں اسی طرح غنیمت تقسیم کرتے تھے۔ اگر دورِ حاضر کا اجتہاد یہ فیصلہ کر دے کہ اسلامی لشکر کی غنیمت ساری کی ساری مملکت کے خزانہ میں جانی چاہیے تو یہ مسئلہ اسلام کے فقہی مزاج اور اسلامی

اصولوں کے منافی نہیں ہوگا۔

دوم، جو لوگ جدید الاسلام تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت میں سے بہت زیادہ مال عطا کیا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کے فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے تھے۔ آنحضرتؐ اپنی قوم کے مزاج شناس تھے اور حالات کو درست کرنے میں انتہائی بالغ نظری سے کام لیتے تھے۔ ان لوگوں نے آنحضرتؐ کی دعوتِ اسلام کو نہ صرف یہ کہ قبول نہ کیا بلکہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ فتح مکہ تک برسرپیکار رہے۔ جنگِ حنین میں پہلے مرحلے پر مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو اس ناکامی پر ان میں سے بعض نے ملامت محسوس کی۔ اس لیے اسلام پر ان کی تالیفِ قلوب ضروری تھی اور انہیں یہ جتلانا مقصود تھا کہ اسلام قبول کرنے سے انہیں مادی فائدہ بھی حاصل ہوا ہے جس کے لیے وہ دورِ جاہلیت میں جنگ آزمائی کرتے رہتے تھے حالانکہ فی الحقیقت سردارانِ قوم تو صرف اپنی سیادت کی بحالی اور اپنے مادی مصالح کی پاسداری کے لیے جنگ کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ میں اسلام نے ان کی شان و شوکت کے بُت کو توڑ دیا تھا اور فتح حنین ان کی شکست و ہزیمت کے بعد ہوئی تھی اس لیے یہ ممکن تھا کہ اس فتح کے برخلاف ان کے دلوں میں کینہ و نفرت کے جذبات ہوں۔ اسلام ہدایت و اصلاح کا دین ہے وہ اپنا اقتدار قہر و غلبہ کے ذریعے قائم رکھنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کرتا ہے اور انھیں اپنی ہدایت کی خوشخبری سناتا ہے اور اپنے اصولوں سے عشق و محبت کا درس دیتا ہے حالانکہ دیگر نظام جن کے قیام و بقاء کا انحصار صرف قوت پر ہے وہ جبر و اکراہ کے ذریعے اپنی سلطنت قائم رکھتے ہیں اور لوگوں کو قلب و ضمیر کی آزادی نہیں دیتے۔ لیکن اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر بعض لوگوں کے دلوں کی اصلاح اور ان کی عداوت کو دفع کرنے کے لیے داد و دہش مفید ہو تو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں اس قدر عطیات سے نوازا جائے کہ وہ راضی ہو جائیں جیسا کہ آنحضرتؐ نے حنین کے موقعہ پر کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس کی دعوتِ اسلام جسے بالآخر جزیرہ نمائے عرب میں غلبہ نصیب ہوا اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی نشر و اشاعت مشرق و مغرب تک کی جائے اور یہ بھی لابدی تھا کہ جملہ اہلِ عرب اس تحریک کا بیڑا اٹھانے کی تیاری کریں اور اس کے راستے میں فداکاری پر آمادہ ہوں جب حنین کی غنیمت کے عطیات سے عرب رؤسا کے دلوں کی اصلاح ہوگئی، ان کے قلب و نظر اس دعوت کے انوار سے روشن ہو گئے اور وہ اس تحریک کا بوجھ اٹھانے پر راغب ہو گئے تو حنین کی غنیمت کا یہ ماحصل کس قدر قیمتی تھا۔ جب آنحضرت نے عرب رؤسا کے دلوں کو فتح کر لیا تو ان کے دلوں سے اسلام اور اس کی دعوت کے برخلاف ہر قسم کا کینہ و نفرت زائل ہوگئی۔ نیز جب اسلامی لشکر دنیا کو اسلام کے اصولوں کی بشارت دینے اور لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے کے لیے آمادہ ہوا تو پورے کا پورا جزیرہ نمائے عرب اس عظیم تاریخی کارروائی کے لیے مستعد تھا اور وہ عرب رؤسا، جو اوائل میں مولفۃ القلوب تھے بالآخر انہوں نے اپنی رضا و رغبت سے دنیا کو کفر و شرک سے نجات دلانے کے لیے معرکہ آرائی کی اور تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے انتہائی شدید اور مشکل ترین جنگیں لڑ کر فتوحات حاصل کیں اور جزیرہ نمائے عرب کے باہر اسلام کے جھنڈے گاڑ دئے اور اسلامی مملکت کی توسیع اور اس کے لشکروں کی آناً فاناً بالادستی قائم کرنے میں بہترین کردار ادا کیا۔

ان مجاہدین کے لیے یہ امر کسی طرح بھی ضرر رساں نہیں ہے کہ انہیں اسلام پر استقامت عطا کرنے کے لیے اوائل میں ان کی تالیف قلوب کی گئی یا فتح مکہ کے بعد یہ اسلام میں داخل ہوئے کیونکہ بہت سے متاخرین سابقین سے مل جاتے ہیں اور ایک کمزور آدمی طاقتور کی فضیلت حاصل کر لیتا ہے اور ایک ایسے کو خالص کر لیتا ہے جسے اس نے ابتداء میں مخلصانہ شروع نہیں کیا تھا۔ حسن رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ہم نے علم غیر اللہ کے لیے حاصل کیا لیکن بالآخر اس میں للّٰہیت آ گئی۔"

ایک اور بزرگ کا قول ہے:

"ہم نے علم بلا نیت حاصل کیا پھر اس کی تحصیل میں ہماری نیت بھی شامل ہو گئی۔"

متاخرین کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے:

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ ط واللہ بما تعملون خبیر ٥ (الحدید — ١٠)

تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ اللہ تعالےٰ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔

سوم، انصار کی غنیمت سے محرومی پر ان کو راضی کرنے کے لیے آنحضرتؐ نے ان کا اجتماع طلب کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ انتہائی خوش اخلاق اور بہترین سیاسی بصیرت کے حامل تھے۔ جس وقت آنحضرتؐ کو یہ خبر پہنچی کہ کسی انصاری نے غنیمت کے بارے میں چہ میگوئی کی ہے، آنحضرتؐ نے اسی وقت ان کو راضی کرنے کے لیے اجتماع بلا لیا اور ان سے نہایت حکیمانہ خطاب فرمایا باوجودیکہ آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ انصار آنحضرتؐ سے محبت کرتے ہیں اور آپؐ کے فرمانبردار ہیں، انہوں نے اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال کی قربانیاں پیش کی ہیں اور آنحضرتؐ کو ان کے بارے میں کوئی خدشہ نہ تھا کہ ان کے ایمان میں کوئی نقص واقع ہوا ہے یا انھوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ناخوشنودی کا کام کیا ہے۔ لیکن آنحضرتؐ نے ضروری سمجھا کہ ان میں سے بعض کے ذہنوں میں غنیمت کے بارے میں جو خلش پیدا ہوئی ہے اس کا ازالہ کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک بہترین سنت ہے۔ مسلمان قائدین اور زعماء کو اپنے انصار اور محبین کے معاملے میں اس سنت کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ دشمن ہمیشہ اس گھات میں رہتے ہیں کہ کوئی ایسی بات یا حادثہ پیش آئے جس سے محبین کا اپنے رہنماؤں کے ساتھ رابطہ کمزور ہو جائے اور شیطان بڑی سازشیں کرنے والا اور تیز مکار ہے۔ جب انصار کا اپنے قائد پر اعتماد ہو جاتا ہے تو شیطان قائد کو ورغلاتا ہے اور وہ اپنے انصار کو راضی رکھنے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

وہ بلیغ اور موثر اسلوب خطاب قابلِ ملاحظہ ہے جو آنحضرتؐ نے انصار کو راضی کرنے اور غنیمت کی حکیمانہ تقسیم پر مطمئن کرنے کے لیے اختیار فرمایا۔ آنحضرتؐ نے انہیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما کر انہیں گمراہی، انتشار اور باہمی عداوت سے نجات دلائی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے دعوتِ اسلامی کو قبول کرنے میں انصار کی فضیلت کا ذکر فرمایا اور اس امر کا اعتراف کیا کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی امداد اور تصدیق میں پیش قدمی کی جبکہ آپؐ کی قوم نے آنحضرتؐ کے ساتھ تکذیب اور محاذ آرائی کی روش اختیار کر رکھی تھی۔ اس طرح ان کے دنیا کے مال سے محرومی کے احساس کو زائل کیا اور ان کے لیے سعادت و ہدایت قبول کرنے کی راہ ہموار کی۔ آپ نے ان کے لیے دو باتوں کی تاکید فرمائی:

(ا) یہ کہ آنحضرتؐ نے اپنی قوم کو انصار پر فوقیت نہیں دی اور نہ ہی انصار کو فراموش کر دیا ہے جیسا کہ ان میں سے بعض کا احساس تھا۔

(ب) یہ کہ جب آنحضرتؐ نے غنیمت میں سے انصار کو کچھ نہیں دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ کو انصار کی دینی قوت، ایمانی عظمت اور محبتِ خدا و رسول پر پورا پورا اعتماد تھا۔ خدا کی قسم ایسے سچے اور مخلص ایمان دار جو جزا اور شکریہ کے طالب نہ ہوں اور جن کی ایمانی فضیلت اور دعوت کے قبول کرنے میں مسابقت مسلّم ہو انھیں راضی کرنے کے لیے اس اسلوبِ خطاب سے زیادہ بلیغ اسلوب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آنحضرتؐ پر درود و سلام ہو، اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے بارے میں کتنی سچی بات فرمائی ہے:

و انّك لعلیٰ خلقٍ عظیم۔	اور بیشک تم اخلاق کے بہترین مرتبے پر ہو۔
(ن - ۵)	

چہارم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سن کر انصار نے جو موقف اختیار کیا اس میں صداقتِ ایمانی، رقتِ قلوب اور ہدایت و تقویٰ کے بارے میں اللہ کی مہربانی کی یاد کی بہترین تعجب انگیز مثال موجود ہے۔ انہوں نے نصرت و تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد فی سبیل اللہ کے قیام کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی قرار دیا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو وہ ہدایت حاصل نہ کر سکتے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی میسر نہ آتی تو ان کے دل و دماغ نورِ اسلام سے روشن نہ ہوتے اور اگر اسلام نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے انتشار کو اتحاد میں تبدیل نہ کرتا اور ان کے خون جو مباح تھے محفوظ نہ ہوتے اور انہیں یہود کے غلبہ اور پڑوسیوں کی سرکشی سے نجات حاصل نہ ہوتی اور وہ اسلام کی عزت و شوکت سے سرفراز نہ ہوتے پھر انہوں نے دنیا کے جملہ مال و متاع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ترجیح دینے کا اعلان کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے لیے اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے رحمت کی دعا کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور دعائے مستجاب کی خوشی میں ان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ کیا صداقتِ ایمانی کی اس سے بڑی کوئی اور دلیل ہو سکتی ہے اور اس محبت کی بہ نسبت کوئی اور محبت اعلیٰ و ارفع ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ انصار سے راضی ہوا اور اس نے انہیں راضی کیا اور ان کے تذکرے کو کائنات میں دوام عطا کیا۔

اے اللہ! اپنے رسولِ حبیب وعظیم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن لوگوں پر تُو نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، اور صدیقین اور شہداء اور مقربین، ان کی معیت میں ہمیں انصار کے ساتھ نعمت بھری جنتوں میں ملا (وحسن اولٰئک رفیقا) اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

ہر داعی اور طالب علم کو چاہیے کہ وُہ انصار کا یہ موقف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا ماجرا یاد رکھے کیونکہ اس سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ محبت واشتیاق کی آگ بھڑکتی ہے۔

ب ۔ بُت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ابوالانبیاء ہیں انہوں نے اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ یہاں تک کہ ان کی قوم نے ان کو آگ میں جلا دینے کا منصوبہ تیار کیا جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور انہوں نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو وہاں آباد کیا۔ جب اسماعیل علیہ السلام عنفوانِ شباب کو پہنچے تو ان دونوں باپ بیٹا نے مل کر کعبہ تعمیر کیا تاکہ لوگ وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کا حج کریں۔ اسماعیل علیہ السلام کے ہاں کثیر اولاد پیدا ہوئی جو عرب مستعربہ کہلاتے ہیں اور مورخین بھی ان کو یہی نام دیتے ہیں۔

وہ مورتیوں اور بُتوں کی عبادت سے ناآشنا تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کی عبادت اس طرح شروع ہوئی کہ جب کوئی شخص مکہ مکرمہ سے نقل مکانی کر کے حرم سے دُور چلا جاتا تو وہ حرم کی تعظیم اور مکہ کی محبت کے پیشِ نظر حرم کا ایک پتھر بھی اپنے ساتھ لے جاتا اور یہ لوگ جہاں کہیں قیام کرتے وہاں اس پتھر کو رکھ کر اس کے گرد اسی طرح طواف کرتے جس طرح کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔

ان کا یہ عمل حرم کی محبت وشوق کے تحت کعبۃ اللہ کی برکت حاصل کرنے کے لیے تھا۔ یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ ایک شخص جس کا نام عمرو بن لحی تھا اس نے عربوں میں بُت پرستی کو رواج دیا۔ روایات کے مطابق یہ واقعہ بعثتِ نبوی سے تقریباً پانچ سو سال قبل کا ہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کر دیا۔ کعبہ کی ولایت کے ضمن میں یہ شخص جرہم کو مکہ اور اس کے نواح سے نکال کر بیت اللہ کا محافظ بن بیٹھا۔ بعد ازاں یہ شخص ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا، اسے مشورہ دیا گیا کہ شام کے علاقہ بلقاء میں گرم پانی کا ایک چشمہ ہے (جسے آجکل "الحمہ" کہا جاتا ہے) اگر تم وہاں چلے جاؤ تو صحت یاب ہو جاؤ گے۔ وُہ وہاں گیا، اس نے گرم پانی میں غسل کیا اور تندرست ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے بُتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اس نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہیں۔ انھوں نے جواب دیا:

"ان کے ذریعہ ہم بارش طلب کرتے ہیں اور دشمن کے خلاف امداد حاصل کرتے ہیں۔"

اس نے ان سے عرض کی کہ کچھ بُت اسے بھی دے دئے جائیں۔ انھوں نے اسے دے دئے اور وہ بت لے کر مکہ مکرمہ آگیا۔ انھیں کعبہ کے گرد نصب کر دیا۔ اس کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں بُتوں کی پرستش کا عام رواج ہو گیا یہاں تک کہ مکہ میں ہر اہلِ خانہ نے اپنے گھر میں ایک بُت رکھ لیا جس کی وہ اپنے گھر میں پُوجا کرتے تھے۔ جب کوئی شخص سفر کا

ارادہ کرتا تو سب سے آخری کام جو وہ گھر میں کرتا وُہ یہ تھا کہ بُت پر ہاتھ پھیر کر وہ سفر کے لیے باہر نکلتا اور جب سفر سے واپس آتا اور گھر میں داخل ہوتا تو سب سے پہلے بت کو مسح کرتا۔

پھر اہلِ عرب بُت پرستی کے انتہائی شیفتہ و گرویدہ ہو گئے۔ چنانچہ کسی نے ایک مندر بنا لیا اور کسی نے ایک بت تراش لیا اور جسے نہ بُت بنانے کی استطاعت تھی اور نہ مندر تعمیر کرنے کی، تو وہ حرم کے سامنے یا کسی اور پسندیدہ چیز کے سامنے ایک پتھر رکھ کر اُس کا طواف اس طرح کرتا جس طرح کہ بیت اللہ کا طواف کیا کرتا تھا۔ جب کوئی شخص سفر اختیار کرتا اور کسی جگہ پڑاؤ کرتا تو چار پتھروں کو لیتا ان میں سے حسین ترین پتھر کو رب بنا لیتا اور باقی تین پتھروں سے اپنی ہنڈیا کے لیے چولھا بنا لیتا۔ جب وہاں سے کُوچ کرتا تو اپنے اُس رب کو وہیں چھوڑ دیتا۔ جب دوسری منزل پر پڑاؤ کرتا تو وہاں بھی یہی کارروائی کرتا۔

عربوں کے تین بڑے بُت تھے جن کی وُہ تعظیم کرتے تھے۔ ان کا حج کرتے تھے اور ان بُتوں کے پاس جانور ذبح کیا کرتے تھے ان کا قدیم ترین بُت "مناۃ" تھا۔ یہ بت ساحلِ سمندر پر مدینہ اور مکّہ کے درمیان قدید میں مشلل کی جانب نصب کیا ہُوا تھا، تمام اہلِ عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اوس اور خزرج کے قبیلے سب سے بڑھ کر اس کی تعظیم بجا لاتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ میں فتح مکّہ کے لیے نکلے تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اس کی طرف بھیجا، انھوں نے اسے منہدم کر دیا اور اس استھان کی تمام جائداد اور دولت پر قبضہ کر لیا اور اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس سامان میں دو تلواریں بھی تھیں جنھیں حارث بن ابی شمر غسانی شاہِ غسان نے نذرانہ کے طور پر یہاں پیش کیا تھا اور یہ حارث وہی ہے جس نے شجاع بن وہب اسدیؓ کو قتل کر دیا تھا جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دعوتی مکتوب دے کر اس کی طرف ارسال کیا تھا۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ کے کسی دوسرے سفیر کو قتل نہیں کیا گیا۔[1]

---

[1] غزوۂ موتہ کے ذیل میں مولف مرحوم نے تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ کے سفیر حارث بن عمیر ازدیؓ کو قتل کیا گیا تھا اور یہاں مولف مرحوم نے لکھا ہے کہ شجاع بن وہب اسدیؓ کو قتل کیا گیا اور ان کے علاوہ آنحضرتؐ کا کوئی دیگر ایلچی قتل نہیں ہُوا شاید یہ تسامح ازدی اور اسدی کی وجہ سے ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حارث بن عمیر ازدیؓ کو شرحبیل بن عمر غسانی نے قتل کیا تھا اور شجاع بن وہب اسدیؓ آنحضرتؐ کا نامہ مبارک لے کر حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس گئے تھے اگرچہ اس نے نامہ مبارک دیکھ کر خفگی کا اظہار کیا لیکن سفیر کو قتل نہیں کیا بلکہ اعزاز کے ساتھ واپس کیا۔ (بحوالہ نور الیقین) تاریخ الکامل لابن الاثیر میں ہے:

"فلما قرأہ قال انا سائر الیہ فلما بلغ قولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال باد ملکہ۔"

یعنی جب اس نے آنحضرتؐ کا نامہ مبارک پڑھا تو کہا میں خود مدینہ پر چڑھائی کریں گے اور جب آنحضرتؐ کو اس کی یہ بات پہنچی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اُس کا ملک تباہ ہوا۔ (مترجم)

دوسرا بڑا بت " لات " تھا۔ اس کا استھان طائف میں تھا۔ یہ ایک مربع شکل کی چٹان تھی۔ قریش اور تمام اہلِ عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی پر ثقیف کا ایک وفد آیا انہوں نے آنحضرتؐ سے مطالبہ کیا کہ آپؐ تین سال تک اس بت کو مسمار نہ کریں لیکن آنحضرتؐ نے ان کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کردیا۔ وہ ایک ایک سال میعاد گھٹاتے گئے لیکن آنحضرتؐ انکار کرتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے ایک مہینہ کی مہلت طلب کی لیکن آنحضرتؐ نے ان کی اس درخواست کو نامنظور کردیا۔

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ انہوں نے مہلت کی یہ درخواست اپنی خواتین، اولاد اور بیوقوفوں کی فرمائش پر کی تھی۔ وفد کا خیال تھا کہ لات کے مسمار کرنے سے ان کی قوم ڈر جائے گی اس لیے وہ یہ چاہتے تھے کہ قوم کے مسلمان ہونے تک لات کے انہدام کو موخر کر دیا جائے۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس فرمائش کو قبول نہ فرمایا۔ آپؐ نے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا اور ان دونوں نے اسے مسمار کردیا۔ جب مغیرہ نے اپنے تیشہ سے اسے توڑنا شروع کیا تو ثقیف کی عورتیں حسرت سے روتی ہوئی باہر نکل آئیں، ان کی زبان پر یہ شعر تھے: ؎

لتبکین دفاع اسلمها الرضاع
لم یحسنوا المصاع

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہائے افسوس اس دیوی کے حال پر جو دشمنوں سے ہماری مدافعت کیا کرتی تھی اور ہم سے مصیبتیں ہٹاتی تھی۔ کمینے لوگوں نے اسے مسمار کیے جانے کے لیے چھوڑ دیا ہے اور اس کی مدافعت نہیں کی اور اس کے راستے میں تلواریں نہیں چلائیں۔

تیسری دیوی " عزیٰ " تھی۔ اس کا استھان مکہ سے عراق جاتے ہوئے مسافر کے دائیں جانب تھا۔ قریش خاص طور پر اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ جب قرآن کریم میں " عزیٰ " اور دوسرے بتوں کی نفرت کے بارے میں نازل ہوا تو یہ بات قریش پر بڑی گراں گزری۔

ابواُحیحہ سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف مرض الموت میں مبتلا ہوا تو ابولہب اس کی عیادت کے لیے اُس کے ہاں آیا، اس نے دیکھا کہ سعید بن عاص رو رہا ہے۔ ابُولہب نے کہا:

" اے احیحہ! کیا تم موت کے خوف سے روتے ہو؟ حالانکہ موت سے تو کسی کو مفر نہیں ہے۔"

اس نے جواب دیا:

" نہیں، مجھے یہ اندیشہ لاحق ہے کہ میرے بعد عُزّیٰ کی پُوجا نہیں کی جائے گی۔"

ابولہب نے کہا:

" خدا کی قسم، تیری زندگی میں اس کی عبادت تیری وجہ سے نہیں کی جاتی تھی اور تیرے بعد بھی تیری موت کی وجہ سے اس کی پرستش ترک نہیں کی جائے گی۔"

ابو احیحہ نے کہا:

"مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ میرا جانشین بھی ہے۔"

اور وہ "عزّیٰ" کی پرستش کے بارے میں ابو لہب کے مضبوط موقف سے خوش ہو گیا۔

فتح مکّہ کے سال آنحضرتؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ "عزّیٰ" کو مسمار کر دیا جائے۔ جب خالدؓ وہاں پہنچا تو استھان کے محافظ دبیہ بن حرمی شیبانی پکار اُٹھا:

اعزاء شدی شدۃ لا تکذبی — علی خالد القی الخمار وشمری

فانك الا تقتلی الیوم خالداً — تبوئی بذل عاجل وتنصری

(اے عزّیٰ! خالد پر بھرپور حملہ کرو اور پسپائی اختیار نہ کرو۔ اوڑھنی اتار دو اور اپنا دامن چن لو۔ اگر آج تم نے خالد کو موت کے گھاٹ نہ اتارا تو تو عنقریب ذلت کی مستحق ہو جائے گی اور نصرانی بن جائے گی)

خالدؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:

یا عز کفرانك لا غفرانك

انی رایت اللہ قد اهانك

(اے عزّیٰ! میں تیری خدائی کا انکار کرتا ہوں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے)

لوگوں کا گمان ہے کہ عزّیٰ ایک شیطان عورت تھی جس نے اپنے بال بکھیرے ہوئے تھے اور اپنا ہاتھ اپنے کندھے پر رکھا ہوا تھا وہ ایک درخت کے بیچ میں تھی جسے خالدؓ نے کاٹ ڈالا تھا وہ اس شکل میں خالدؓ کے سامنے آگئی۔ خالدؓ نے تلوار ماری اور اس کا سر چیر دیا اور دیکھا تو وہ راکھ بنی ہوئی تھی۔ جب حضرت خالدؓ نے یہ مہم سر کرنے کے بعد آں حضرتؐ کو اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا:

"یہ عزّیٰ تھی آج کے بعد اس کی پُوجا نہیں کی جائے گی اور آیندہ عربوں میں کوئی عزّیٰ نہیں ہو گی۔"

دورِ جاہلیت میں یہ عربوں کے مشہور ترین بُت تھے ان کا ذکر قرآنِ کریم میں اس طرح کیا گیا ہے:

افرأیتم اللات والعزّٰی ۝ ومناۃ الثالثۃ الاخرٰی ۝ (النجم۔ ۱۹-۲۰)

اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات' اور اس عزّیٰ اور تیسری ایک دیوی مناۃ کی حقیقت پر کچھ بھی غور کیا؟

جب آں حضرتؐ فتح مکّہ کے دن بیت الحرام میں داخل ہوئے تو وہاں آپؐ نے فرشتوں وغیرہ کی

مُورتیاں دیکھیں، آپؐ نے وہاں ابراہیم علیہ السلام کی شبیہ بھی دیکھی جن کے ہاتھ میں قرعہ کے تیر تھے جن سے قسمت معلوم کی جاتی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ انھیں تباہ کرے، انھوں نے ہمارے بزرگ کو اس صورت میں پیش کیا ہے کہ پانسوں کے ذریعے قسمت معلوم کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام اور پانسوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔

ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین ٥ (آل عمران - ۶۷)

ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا۔ اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب تصویروں کے بارے میں حکم دیا اور وہ غارت کر دی گئیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا، فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور اسی حالت میں آپؐ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ بیت اللہ کے اردگرد متعدد بت سیسہ پلا کر نصب کیے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کے دستِ مبارک میں کمان یا چھڑی تھی آپؐ اس کی نوک سے بتوں کو گراتے جاتے تھے اور اس وقت یہ پڑھ رہے تھے:

جاء الحق و زھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا ٥ (بنی اسرائیل - ۸۱)

حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

جس بُت کے منہ پر آپ ٹھوکر لگاتے وہ الٹا گر پڑتا اور جس کی پشت کی جانب اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ یہاں تک کہ سارے بت گر پڑے۔

فتح مکہ کو ابھی چند ماہ گزرے تھے کہ بت شکنی کی تحریک پُورے عرب میں پھیل گئی اور بتوں کے پجاریوں نے ان سے اعلانِ بیزاری کر دیا۔ یہ صورتِ حال ہو گئی کہ کل جو شخص بتوں کی پرستش کرتا تھا وہ آج اپنی کم فہمی پر خجلت محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک پتھر کو پُوجتا تھا جو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی حادثاتِ زمانہ کے مقابلے میں کوئی کام دے سکتا ہے۔

عرب میں ان بُتوں اور جھُوٹے خداؤں کی بہت شہرت تھی۔ اب ان کی پرستش کی تشنیع بھی بڑے پیمانے پر ہوئی اس لیے اسلام کے پیغام، دینِ فطرت کی دعوت اور اللہ خالقِ کائنات و رب العالمین کی عبادت کا چرچا بھی پھیلنے لگا۔ اور قریش کی سرکردگی میں پورے جزیرۂ عرب نے اس دعوت کا مقابلہ کیا اور تعجب انگیز نتائج برآمد ہُوئے۔

اجعل الالھۃ الٰھاً واحدا ان ھذا لشیئ عجاب ۔ (ص - ۵)

کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

تحریکِ اسلامی سے پورے عرب میں ہیجان و اضطراب برپا ہو گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں بھی کی گئیں لیکن اکیس سال کی مسلسل کشمکش کے بعد بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی نصیب ہُوئی۔

مکہ مکرمہ جو بت پرستی کا گڑھ تھا مفتوح ہو گیا۔ جھوٹے خداؤں کو پاش پاش کر دیا گیا۔ شرک کے لشکروں کو شکست ہوئی اور ان کے سرداروں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ان واقعات کی موجودگی میں عقل یہ باور کرنے پر مجبور رہے کہ اس تحریک کو اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی حاصل تھی جو لشکروں کی تجہیز اور معرکوں کا اہتمام کر رہا تھا۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ (الانفال - ۱۷)

اور تو نے نہیں پھینکا جب تو نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

بت پرستی عربوں کا ایک فکری اور نظریاتی المیہ ہے جو پانچسو سال یا اس سے زاید عرصہ کو محیط ہے۔ آنحضرتؐ نے اس کا قلع قمع کیا اور عربوں کے عقل و شعور کو بت پرستی کی لعنت اور اس کے خرافات سے آزاد کرایا اور عربوں کی شرافت کو اہانت و ذلت سے نجات دلائی۔ اس طرح عربوں کے لیے ابدی نجات کے دروازے کھول دئے جن میں داخل ہونے کے بعد وہ نکلنے کا نہیں سوچیں گے۔ آنحضرتؐ کا یہ فرمان سچا ہے کہ:

"اس کے بعد عربوں کے لیے کوئی عزیٰ نہیں ہوگی اور آج کے بعد اس کی پرستش نہیں کی جائے گی۔"

جزیرۂ عرب نے بت پرستی کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا اور عربوں کی عقل سن رشد کو پہنچ گئی اور پھر دوبارہ طفولیت کی طرف رجوع پر راضی نہ ہوئی۔ طفولیت سے مراد بت پرستی کی طفولیت ہے جو بت پرست کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی پیشانی کو گونگے اور بہرے بے جان پتھروں کے سامنے رگڑے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جنگیں بھی لڑی گئیں۔ ہر طرح کے فتنے رونما ہوئے۔ نبوت کے جھوٹے دعوے کیے گئے۔ قرآن کریم کا مقابلہ کیا گیا لیکن ہم نے یہ نہیں سنا کہ کسی ایک عرب نے بھی بت پرستی اور بتوں کی طرف لوٹ جانے کا سوچا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص جو سن رشد کو پہنچ چکا ہو وہ طفولیت کی طرف نہیں لوٹتا۔ بت شکنی کے عمل کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رسالت کے ذریعے ہوئی۔ دنیا کے اختتام تک ہر عربی پر آنحضرتؐ کا یہ احسان ہے کہ آنحضرتؐ نے بتوں کی پرستش سے آزادی و نجات دلائی اور مزید برآں آپؐ کا یہ احسان بھی ہے کہ عربوں کے ذریعے دنیا کی دوسری قوموں تک ہدایت پہنچی خواہ کوئی قوم اس کا اتباع کرے یا نہ کرے۔

اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا:

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتب والحکمة ق وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۵ (الجمعہ - ۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

ج۔ غزوہ تبوک

اس غزوہ میں مندرجہ ذیل اہم پند و نصائح ہیں جو اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ رومیوں نے شام میں لشکرِ گراں جمع کیا اور ہرقل شاہِ روم نے اپنے فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہیں بھی ادا کر دیں۔ اس لشکر کے ساتھ لخم، جذام، غسان اور عاملہ کے عرب قبائل بھی شامل ہو گئے۔ انہوں نے اپنا مقدمۃ الجیش بلقاء کی طرف بھیج دیا جو شام اور وادی القریٰ کے درمیان اضلاع دمشق کا ایک شہر ہے۔ جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے تبوک کی طرف لشکرکشی کے لیے لوگوں کو توجہ دلائی نیز سامانِ جنگ مہیا کرنے اور سفر کی تیاری کے لیے اعلانِ عام کر دیا اور اغنیا سے مالی اعانت اور انفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ کیا۔

اس سے اسلام میں جنگ کی ہیئت و نوعیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلامی معرکہ آرائی ظلم و زیادتی کرنے یا فساد پھیلانے اور دھوکہ دینے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ دینِ اسلام اور بلادِ اسلامیہ کے دفاع اور ظالموں کو ایذا رسانی اور فساد سے روکنے کے لیے ہوتی ہے۔ اسلام میں جنگ کی قانونی حیثیت اور اس کے نصب العین اور طریقِ کار کے بارے میں ہم سالِ اول کے اسباق میں ذکر کر چکے ہیں اور رومیوں کی تیاری اور فوجوں کے اجتماع کے بعد آنحضرتؐ کے تبوک کی طرف فوج کشی سے ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے مقابلے میں بعض عرب قبائل کے رومی فوجوں کے ساتھ شامل ہو جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات سے ناواقف تھے اور اسلام کے اس پیغام سے ناآشنا تھے جو نوعِ انسانی کے لیے بالعموم اور عربوں کے لیے بالخصوص آزادی کا چارٹر ہے۔ اگر انہیں اسلام کی واقفیت ہوتی تو وہ اپنے ہم قوم عرب مسلمانوں کے برخلاف رومیوں کی امداد و اعانت کرنے سے گریز کرتے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم اس وقت دیا جبکہ بے سروسامانی اور عسرت کا عالم تھا اور پھلوں کے پکنے کا موسم قریب تھا۔ سچے مومنوں نے آنحضرتؐ کی دعوت پر فی الفور لبیک کہا اور سفر کی مشقت و بے آرامی کی پروا نہ کی۔ لیکن منافقین مختلف حیلے بہانے کر کے اپنے گھروں میں پیچھے رہ گئے۔ اس طرح سختی کے مواقع پر مخلص اہلِ ایمان منافقین سے ممیز ہو جاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ مصیبت کے ایام میں جھوٹے مدعیان کی قلعی کھل جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الٓمٓ ۝ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ۝ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا و لیعلمن الکاذبین ۝ (العنکبوت ۱-۳)	الف، لام، میم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے سے چھوڑ دئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

تحریکوں کی کامیابی و کامرانی اور قوموں کی قوت کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ اپنی صفوں کو منافقین اور دھوکہ دینے والوں سے پاک رکھیں۔ مصیبت کے وقت میں صرف وہی شخص ثابت قدم رہتا ہے جو صاحبِ عزیمت نیک نیت اور با اصول ہو۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کمزوروں اور دھوکہ بازوں نے امت کی اصلاحی تحریکوں کا راستہ روک دیا اور وہ ان کی کامیابی میں حائل ہو گئے یا کچھ عرصہ کے لیے کامیابی میں تاخیر کا باعث بن گئے۔ غزوۂ تبوک کے جیش عسرت میں اس قسم کے لوگ شامل نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کا معاملہ عیاں ہو گیا تھا اور ان کا ضعفِ ایمان کھل کر سامنے آ گیا تھا اور ان کے عزائم کی کمزوری بے نقاب ہو گئی تھی۔ ایسا لشکر جو قوی الایمان، عہد کا پاسدار اور یکسو ہو اور جس کی صفوں میں اتحاد ہو وہ اُمت کے لیے مفید ترین ہے خواہ اس کی تعداد قلیل ہی کیوں نہ ہو اور وہ یقیناً ایسے کثیر التعداد لشکر پر کامیابی حاصل کرے گا جو فکر و نظر اور قوت و ثبات کی ہم آہنگی اور یکسوئی سے محروم ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

کم من فئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃً کثیرۃً	بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے
باذن اللہ واللہ مع الصابرین ۝	اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے
(البقرہ۔ ۲۴۹)	اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

(۳) مالدار صحابہ کرامؓ مثلاً حضرات ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ نے اپنا مال اللہ کے راستے میں فوری طور پر پیش کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنوں کے دلوں میں نیکی کے کاموں میں مسابقت اور نفسانی خواہشات و داعیات کا مقابلہ کرنے کا جذبہ ایمان کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور دشمنوں پر فتح کی ضمانت اور اس ضمن میں ضروری لوازمات کے حصول کے لیے ہر اُمت اور ہر تحریک اس کی محتاج ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو اس وقت اس کی شدید ضرورت ہے کیونکہ اس کی تعداد زیادہ ہے، بوجھ بھاری ہیں، معرکہ کٹھن ہے اور دشمن طاقتور اور چالباز ہے اس کے مقابلے میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مالی و جانی اور خواہشات و شہوات کی قربانیاں پیش کریں اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے تکالیف برداشت کریں۔ امید ہے کہ جنگی معرکوں میں مجاہدین کی ثابت قدمی کے مطابق اللہ تعالیٰ ثواب عطا کرے گا۔

مصلحین اور تحریکوں کے قائدین کے کرنے کا بہترین کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں دین کا بیج بو کر اس کی آبیاری اور نگہداشت کرتے رہیں۔ دین کا مقابلہ کرنا یا بے راہروی کی دعوت دینا یا دین کا استخفاف کرنا ایک ایسا قومی و دینی جُرم ہے جو بدترین نتائج اور خطرناک اثرات کا موجب ہے۔ اس بارے میں ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی راہنمائی موجود ہے اور زمانہ ماضی کی تاریخ اور دورِ حاضر کا تجربہ بھی اس پر شاہد ہے۔ اس بدیہی حقیقت کا انکار ایک ایسا مغالطہ ہے جس میں وہی لوگ پھنسے ہوئے ہیں جن کے دل خلوص سے خالی ہیں اور دماغ بھلائی قبول کرنے اور طبیعتیں اعلیٰ و شریف اقدار کی طرف مائل و آمادہ نہیں ہیں۔

(۴) کچھ مخلص مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض کے لیے حاضر ہوئے کہ انہیں جہاد میں شامل کیا جائے لیکن آنحضرتؐ نے انہیں اس لیے واپس کر دیا کہ ان کے لیے سواریوں کا انتظام نہ تھا۔ اور وہ اس

حال میں واپس آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد سے محرومی پر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔
اس قصہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ ایمان کے معجزانہ اثرات کی یہ بہترین مثال ہے۔ انسانی طبیعت بالعموم خطرات سے نجات اور جنگوں سے بچاؤ پر خوش ہوتی ہے۔ لیکن یہ سچے مسلمان اس کے برعکس جہاد میں عدم شرکت پر رو رہے تھے۔ کیونکہ ان کے دل یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ اللہ کے راستے میں شہادت اور ثواب سے محروم ہو رہے ہیں

ایمان کے علاوہ ایسی کون سی چیز ہے جو لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے جذبات پیدا کرتی ہے اور جب امت میں اس قسم کے مخلص لوگ نہ رہیں تو امت کے حق میں اس سے بڑا نقصان اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۵) تین سچے ایمان دار صحابہؓ جنہوں نے راحت کو تکلیف پر، چھاؤں کو دھوپ پر اور اقامت کو سفر پر ترجیح دی ان کے قصہ میں بہت عظیم اجتماعی سبق ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان کی خاموش شمع جلد ہی روشن ہوگئی اور ان کے دلوں میں یہ احساس بیدار ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں سے پیچھے رہ کر ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس کی انہیں سخت اذیت ناک سزا دی گئی۔ سوسائٹی نے ان کا مکمل مقاطعہ کیا۔ تمام لوگوں نے یہاں تک کہ ان کی بیویوں نے بھی ان سے کلام کرنے اور ان کی بات سننے سے انکار کر دیا بالآخر انہوں نے سچی توبہ کی اور ان کی ندامت، رنج و الم اور حسرت انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ جب انھیں قبولیتِ توبہ کی خوشخبری سنائی گئی تو ان کو بے انتہا خوشی نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور بخشش کی نعمت پر شکرگزاری کے جذبہ کے تحت بعض نے اپنا مال اور کپڑے راہِ خدا میں دے دیئے۔

اس قسم کے نظائر ایک سچے مومن کو فرائض کی ادائیگی پر اُبھارتے ہیں اور اسے اس بات سے روکتے ہیں کہ وہ اپنے لیے راحت و آرام پسند کرے جبکہ دوسرے رفقاءِ اللہ کے راستے میں تکالیف و مصائب برداشت کر رہے ہوں یہ ایمان کا خاصہ ہے، اور تمہارا یہ شعوری احساس ہر وقت بیدار رہنا چاہیے کہ تمہاری حیثیت جماعت کے ایک فرد کی ہے اور تم کل کا ایک جزو ہو۔ اگر جماعت پر مصیبت آئے تو تمہیں وہ مصیبت ضرور پہنچے گی اور جماعت کو فائدہ پہنچے تو تمہیں بھی اس کا فائدہ پہنچے گا۔ جب امت شقاوت و مشقت کا شکار ہو تو انسان کی انفرادی خوشحالی بے معنی ہے اور اگر دوسرے لوگ مصائب و شدائد میں مبتلا ہوں تو فرد واحد کی راحت بے مزہ ہے۔ فریضہ کی ادائیگی سے جی چرانا ایمانی کمزوری اور دینی خلل ہے اور ایک ایسا گناہ ہے جس سے توبہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اس قصہ سے ہمیں یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ عقیدہ، رشتہ داری سے بالاتر ہے اور شرعی نظام کا نفاذ اپنی خواہشات اور قرابت کی محبت پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناپسندیدگی کے سامنے قرابتداری کسی کام نہیں آتی۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ	رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو
ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم	ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہوجائیں

عذابٌ الیم ۔ (النور ۔ ۶۳) یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

د ۔ حجۃ الوداع

حجۃ الوداع ایک ہی حج ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد ادا کیا۔ جب لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امسال حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں تو وہ جزیرۂ عرب کے مختلف اطراف سے انبوہ در انبوہ آنا شروع ہو گئے یہاں تک بعض مورخین کے نزدیک ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تک پہنچ گئی۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ یہ تعداد اندازاً ہے اور یہ کیونکر ممکن تھا کہ ان کی گنتی کے شمار کو اسی قدر تعداد تک محدود کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جو ہر طالب علم کو یاد کرنا چاہیے کیونکہ اس میں اسلام کے تمام اصول و مبادی بیان کیے گئے ہیں۔ اور یہ آنحضرت کا آخری خطبہ ہے، اس میں فرمایا گیا ہے:

"اے لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو، شاید اس سال کے بعد میں تم سے پھر کبھی اس مقام پر نہ مل سکوں" (یہ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے)

"اے لوگو! تمہارے خون اور تمہارے اموال قیامت تک باہمدگر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تم آج کے دن اور اس مہینہ کی حرمت کی پاسداری کرتے ہو۔ تم عنقریب اپنے رب کے روبرو حاضر ہو گے وہ تمہارے اعمال کی تم سے بازپرس کرے گا۔ میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔ جس کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اسے چاہیے کہ وہ اس کے مالک کو ادا کر دے۔ تمام سودی رقوم کالعدم قرار دی جاتی ہیں۔ تم صرف راس المال کے حقدار ہو۔ تم نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود حرام ہے اس لیے عباس بن عبدالمطلب کا سود بھی ملیا میٹ کیا جاتا ہے۔ دورِ جاہلیت کے تمام خون کالعدم ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے قبیلے بنی ہاشم میں سے ابن ربیعہ بن حارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور جسے ہذیل نے قتل کر دیا تھا ختم کرتا ہوں۔

اما بعد اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ شیطان اس بات سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا کی جائے گی لیکن عبادت کے ماسوا دیگر امور میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اس پر راضی ہے۔ اس لیے دین کے معاملے میں محتاط رویہ اختیار کرو اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنے کی کوشش کرو۔

اے لوگو! نسی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد بھی پوری ہو جائے اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی ہو جائے

اور اللہ کا حلال کیا ہوا حرام قرار دیا جا سکے ۔ حج کا موسم گردش کرتا ہوا ٹھیک اس تاریخ پر آ گیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اللہ کے نوشتے میں بارہ ہی ہے اور ان میں چار مہینے حرام ہیں ۔ تین پے در پے ہیں یعنی ذی القعدہ ، ذی الحج اور محرم اور ایک مہینہ علیحدہ ہے یعنی رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان واقع ہے ۔

اما بعد ، اے لوگو ! تمہاری خواتین پر تمہارا حق ہے اور تم پر ان کا حق ہے ۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو اور کسی صریح بد چلنی کا ارتکاب نہ کریں اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم خوابگاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو ۔ اگر وہ اس سے باز آ جائیں تو وہ معروف طریقے کے مطابق کھانے اور لباس کی حقدار ہیں ۔ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو ، یقیناً وہ تمہارے ماتحت ہیں وہ اپنے لیے بطورِ خود کچھ نہیں کر سکتیں ۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو اپنی ازدواجی رفاقت میں لیا ہے اور خدا کے قانون کے تحت تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال کیا ہے ۔

اے لوگو ! میری بات کو سمجھو ، میں نے پیغام پہنچا دیا ہے ۔ میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ۔ وہ نمایاں چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنت ہے ۔

اے لوگو ! میری بات سنو اور سمجھو ۔ خوب جان لو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ کسی شخص کے لیے دوسرے شخص کی وہی چیز حلال ہے جسے وہ بہ طیبِ خاطر اسے عطا کرے ۔ تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرو ۔ اے اللہ ! میں نے تیرے احکام پہنچا دئیے ہیں ۔"

حجۃ الوداع میں سب سے پہلی چیز جو جاذبِ نظر ہے وہ جمہور کا وہ جمِ غفیر ہے جو جزیرہ عرب کے مختلف اطراف سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ سب کے سب آنحضرتؐ پر ایمان لانے والے ، آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور آپؐ کے فرمانبردار تھے ۔ تیئیس سال قبل یہی لوگ بت پرستی اور شرک کے دلدادہ تھے آپؐ کے پیغام کے اصول و مبادی کا انکار کرتے تھے ۔ آپ کی دعوتِ توحید کو مضحکہ خیز قرار دیتے تھے اور آنحضرتؐ ان کے مشرک آباؤ و اجداد کے مسلک کی تردید اور ان کی توہم پرستی کو نادانی پر محمول کرتے تھے لیکن یہ لوگ آنحضرتؐ کے موقف کو بُرا جانتے تھے بلکہ ان میں سے اکثر نے آنحضرتؐ کے ساتھ عداوت کی روش اختیار کی آپ کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی خفیہ سازشیں کیں ۔ آنحضرتؐ کے خلاف لشکر کشی کی اور تلواروں اور نیزوں سے آپ کا مقابلہ کیا ۔ یہ ایک عجیب انقلاب ہے جو مختصر سی مدت

میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ جملہ اہلِ عرب نے بت پرستی وجاہلیت سے رجوع کیا وہ تنزل اور تفرقہ سے نجات حاصل کر کے موحد بن گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم حاصل کیا۔ وہ متحد ہو گئے اور وحدتِ فکر وعمل کے علمبردار بن گئے۔ قبل ازیں آنحضرتؐ ان ہی لوگوں کی عداوت کا شکار تھے اور یہ انتہائی کینہ توز اور مخاصمت میں شدید تھے لیکن آنحضرتؐ نے ان کے دلوں کو جیت لیا اور ان کے محبوب بن گئے۔ ایک انسان خواہ کتنا ہی عبقری، ذہین اور شخصی قوت کا مالک ہو لیکن اس کے لیے اتنی بڑی کامیابی کا حصول صدیوں میں بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس عظیم انقلاب کی مثال ازمنہ سابقہ و متاخرہ میں نہیں ملتی۔ یہ کامیابی آسمانی تائید، اللہ کی امداد اور آپ کی رسالت کی سچائی کی رہینِ منت ہے اور یہ اس کامل و ہمہ گیر دین کا اعجاز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی نعمت کو تمام کیا اور اپنی رسالت کو لوگوں کے لیے ختم کیا اور یہ ارادہ فرمایا کہ اس قوم کو بدبختی سے نجات دلائے جو زندگی کی بھول بھلیوں میں پھنس کر گمراہ رہی تھی اور خواہشات وتعصبات کے چکر میں ذلت ورسوائی سے دوچار تھی۔ اور یہ بھی ارادہ فرمایا کہ اسے ہدایت کا راستہ دکھلائے اور اس کی آنکھیں کھولے تاکہ وہ نبوت کے سورج کی شعاعیں دیکھ سکے نیز قدرت کو یہ بھی منظور تھا کہ اسے اقوامِ عالم کی قیادت کے منصب پر فائز کرے، اس کے ذریعے تاریخ کے دھارے کو بدلے اور انسانیت کو ذلت سے نجات دلائے اور اس قوم کو حکمت و کتاب کا وارث بنائے جو عقل ودانش رکھنے والوں کے لیے ہدایت ونصیحت ہے۔

ایک لاکھ چودہ ہزار افراد، جو آنحضرتؐ کی تکذیب کرنے والے تھے وہ آپؐ کی تصدیق کرنے والے بن گئے۔ وہ آپؐ سے برسرپیکار تھے پھر آپؐ کے فرمانبردار بن گئے۔ قبل ازیں وہ آپؐ سے بغض رکھتے تھے پھر آپ کے محب بن گئے۔ وہ آپؐ سے سرکشی اختیار کیے ہوئے تھے لیکن اطاعت گزار بن گئے۔ یہ انقلاب تیئس سال میں رونما ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقت پر مبنی ایک کھلا کرشمہ ہے۔ اللہ بہت بلند وبرتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور آنحضرتؐ کی ذات ملحدوں کی افتراء پردازیوں سے مبرا ہے اور پاک ہے تیرا رب، عزت کا مالک، ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں، اور سلام ہے مرسلین پر، اور ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔

حجۃ الوداع میں دوسری چیز جس کی طرف توجہ مبذول کیے بغیر چارہ نہیں آنحضرتؐ کا وہ جاندار اور محکم خطاب عام ہے جس کے مخاطب جملہ انسان ہیں اس میں آنحضرتؐ اور اپنی قیادت کی کامیابی کے بعد ان تمام اصول ومبادی کا اعلان فرمایا جن کا بیان آپؐ نے اپنی دعوت کے ابتدائی دَور میں کیا تھا جبکہ آپؐ اکیلے اور مظلوم تھے اور جب آپؐ کی جماعت قلیل اور ضعیف تھی۔ یہ ثابت شدہ اور غیر متبدل اصول ہیں جن پر قلت وکثرت، جنگ وسلامتی، شکست وفتح، دنیا کی پذیرائی و روگردانی اور دشمنوں کی قوت وکمزوری کا کوئی اثر نہیں پڑتا، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا پرست لیڈروں کے عقاید واصول بدلتے رہتے ہیں۔ کمزوری کی حالت میں ان کے اصول اور ہوتے ہیں اور قوت حاصل کرنے کے بعد وہ ان اصولوں سے انحراف کر لیتے ہیں۔ ان کے ظاہر وباطن میں اختلاف ہوتا ہے، وہ ایسے نعرے لگاتے ہیں جن پر ان کا اعتقاد نہیں ہوتا۔ کمزوری کی حالت میں وہ درویشوں کا لباس پہن لیتے ہیں اور قوت کی حالت میں بھیڑیوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ

اس وجہ سے ہے کہ وہ مصلحت کے پیغامبر ہیں۔ان کے برعکس انبیا، علیہم السلام اللہ کے پیغامبر ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو مردار پر منڈلاتا ہے اور جو نور کے سمندروں میں تیرتا ہے ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ جو اپنی نفسانیت کے لیے کام کرتے ہیں اور جو انسانیت کی بھلائی چاہتے ہیں ان دونوں گروہوں میں بڑا فرق ہے، شیطان کے ساتھی اور رحمان کے دوست کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

الله ولی الذین اٰمنوا یخرجهم من الظلمات الی النور ط والذین کفروا اولیآؤهم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمات ط اولٰئك اصحاب النار ج هم فیها خٰلدون ٥

(البقرہ - ۲۵۷)

جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔ اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انھیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

۵- جیشِ اُسامہؓ

دعوتِ اسلامی کی نشر و اشاعت اور حمایت کے لیے نیز نئی اسلامی مملکت پر سرکشوں کی غارت گری کو روکنے اور گھات میں بیٹھے ہوئے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے آنحضرتؐ نے سب سے آخری کام جو انجام دیا وہ تھا کہ اسامہؓ بن زید کی قیادت میں ایک لشکر تیار کر کے شام کی طرف روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ رومیوں کا وہ لشکر جو ارضِ فلسطین میں بلقاء اور داروم کے مقام پر ٹھہرا ہوا ہے اسے کچل دیا جائے۔ اس لشکر میں جملہ مہاجرین و انصار شامل ہونے اور نواحِ مدینہ میں جو مسلمان آباد تھے ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ جب لشکر مدینہ سے باہر نکل کر کوچ کی تیاری کرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کا آغاز ہوا اس لیے لشکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفایابی کے انتظار میں اور آنحضرتؐ سے معلومات اور ہدایات حاصل کرنے کے خیال سے توقف کیا۔ لیکن آنحضرتؐ کچھ روز کے بعد اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کی سپرد کردہ امانت کا حق ادا کر دیا، رسالت کی پوری طرح تبلیغ کر دی اور ایک ایسی فوج تیار ہو گئی جو تاریخ انسانی میں اس وسیع الاثر امانت کا بار اٹھانے کے قابل ہو۔ نیز صالحین کے ایسے لشکر مہیا ہو گئے جو معرکہ آرائی کر سکیں اور ایسی قیادت فراہم ہو گئی جو اسلامی جنگوں کی قیادت کی اہل ہو اور ایسے عظیم اور صالح افراد تیار ہو گئے جو اسلامی مملکت کا نظام چلا سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا صلی اللہ وسلم علیٰ رسولہ۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور پوری انسانیت کی طرف سے آنحضرتؐ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ اگر آنحضرتؐ تشریف نہ لاتے اور آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ وفاشعار اور امانتدار متبعین نہ ہوتے

تو ہم آج کھلی گمراہی میں مبتلا ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شرف عطا فرمایا جو آپ سے قبل کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی دعوت کے ثمرات دیکھ لیے۔ آپؐ کی تحریکی سرگرمیوں نے پورے جزیرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اسے ہمیشہ کے لیے بُت پرستی سے پاک کر دیا۔ جن لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑا وہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر خوش تھے کہ انھیں گمراہی سے نجات عطا کی گئی۔ یہی وُہ لوگ تھے جو قبل ازیں بتوں کے پجاری تھے ان کے سامنے اپنی پیشانیاں زمین پر رگڑتے تھے اور اُن کا قرب حاصل کرتے تھے۔ پھر ان ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا اور وہ نورِ ہدایت کو لے کر زمین پر پھیل گئے اور اسے پُوری مستعدی کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا۔ یہ ایک ہی نسل ہے جو ایک زمانہ میں بتوں کی پُوجا کیا کرتی تھی اور انہیں خدائی کا مرتبہ دیتی تھی۔ عہدِ جاہلیت میں یہ ژولیدہ فکری کا شکار رہتی اور توہم پرستی کے رسم و رواج کے تحت زندگی گزارتی تھی۔ پھر عہدِ اسلام میں اسی نسل نے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور تاریخ عرب میں عربوں کی پہلی مملکت قایم کی جو رسالت کی حامل ایک نظریاتی مملکت تھی اور اردگرد کی بڑی بڑی قوموں کی نجات دہندہ اور معلّم بن گئی، دوسری قوموں کو اس نے عزّت کا راستہ دکھایا کیونکہ اس کے پاس ہدایت، روشنی اور مشفقانہ بھلائی تھی اور دُوسری قومیں جہالت اور ظلمت کے قعرِ مذلت میں گری ہوئی تھیں حالانکہ قبلِ اسلام اہلِ عرب دوسری قوموں کو کبیر و عظیم گردانتے تھے اور سیاسی، فکری اور اجتماعی نقطۂ نظر سے اپنے آپ کو ان سے کمتر سمجھتے تھے۔ زمانہ ماضی و حال کی تاریخ میں یہ ایک منفرد انقلاب ہے اور جیشِ اسامہؓ اس انقلاب کا عنوان اور آں حضرتؐ کی سعید و مبارک رسالت کے ثمرات میں سے ہے۔

اسامہؓ بن زید کو آنحضرتؐ نے سالارِ لشکر مقرر فرمایا وہ اس وقت بیس سالہ نوجوان تھے اور ان کے جھنڈے کے نیچے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ وغیرہ جیسے بزرگ مہاجرین و انصار تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو قدیم الاسلام تھے اور اسلام کی خاطر آزمائشوں سے گزرے تھے اور عمر اور مرتبے کے لحاظ سے اسامہؓ سے برتر تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان مرتبے، عمر اور فضیلت کے فرق کو مٹانے کے لیے آنحضرتؐ کی یہ بہترین سنت ہے نیز اس سے یہ رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے کہ عمر اور مرتبے کو نظر انداز کرتے ہوئے قابل اور باصلاحیت کارکن کو آگے لانا چاہیے۔ بزرگ مہاجرین و انصار جو تاریخ کی مسلمہ عظیم شخصیتیں ہیں اور جن کی مثل و نظیر ناپید ہے۔ وہ نوجوان اسامہؓ کی امارت پر راضی ہو گئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جلیل القدر حضرات انتہائی پاکیزہ نفوس اور مہذب اخلاق کے حامل تھے اور ان کا یہ تزکیہ آنحضرتؐ کی ہدایت، تربیت اور ارشاد کا مرہونِ منت ہے۔

حضرت اسامہؓ کو حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ جیسے اکابر پر امیر مقرر کرنا ایک عظیم واقعہ ہے، جس کی مثال اممِ سابقہ میں سے کسی امت میں بھی نہیں ملتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں عبقری اور قابل نوجوانوں کے لیے میدان کھلے ہیں اور بشرطِ صلاحیت ان کو امور کی قیادت سپرد کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک

بہت بڑا سبق ہے۔ اگر بعد کے ادوار میں مسلمان اس کو یاد رکھتے تو تاریخ اسلام شدائد و آلام سے پاک ہوتی اور اس اہم سبق کو بھلا دینے کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان سلطنتوں کی تاریخ فتنوں اور المیوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ارکانِ سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کی طاقت کو کمزور کر دیا۔

آنحضرتؐ کو وحیِ آسمانی کی تائید حاصل تھی، آپ کو ایسی حکمت، راستی، دُور اندیشی اور عظیم سیاسی بصیرت عطا کی گئی تھی کہ آپؐ سے قبل کسی نبی پر ایسی نوازش نہیں کی گئی اور تاریخ میں آپؐ جیسی عظیم شخصیت نہ آپؐ سے پہلے اور نہ آپؐ کے بعد پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسامہؓ نوجوان سے راضی ہوا اور یہ امر بھی اسامہؓ کو مبارک ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اہلیتِ قیادت، صدقِ عزیمت اور حُسنِ اسلام پر پورا اعتماد تھا اللہ تعالیٰ اسامہؓ سے راضی ہوا اور انہیں ہمارے ایمان دار اور باعمل نوجوانوں کے لیے پیشوا بنایا۔

د۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کی اجل قریب ہے۔ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں لوگوں سے کلماتِ تودیع فرمائے تھے۔ یہ خبرِ وحشت اثر سن کر صحابہ کرامؓ کے دل مضطرب و بے قرار اور خوف زدہ تھے کہ آنحضرتؐ کا آخری وقت قریب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہُوا وقت جب آجاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز دوشنبہ بوقت چاشت اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ جب آنحضرتؐ کی وفات کی خبر پھیلی تو جملہ صحابہؓ اس اندوہناک سانحہ سے اضطراب و بے قراری کا شکار ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں زلزلہ آگیا اور کہرام مچ گیا۔ اکثر قدیم الاسلام اکابر صحابہؓ پر حیرانی و وارفتگی کا عالم تھا۔ ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کسی نے چپ سادھ لی۔ کوئی سراسیمہ و ششدر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ حضرت عمرؓ پر مدہوشی طاری تھی انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور وُہ لوگوں کو یہ کہنے سے منع کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا گمان یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے غیوبت اختیار کر لی ہے اور آپ دوبارہ واپس تشریف لائیں گے۔ صرف حضرت ابوبکرؓ ہی کو اپنے جذبات پر قابو تھا۔ وہ آنحضرتؐ کے حجرہ میں داخل ہوئے، آنحضرتؐ اپنے بستر پر تھے، آپؐ کا چہرۂ مبارک کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو بوسہ دیا اور کہا :

"میرے ماں باپ آپ پر قربان، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں کس قدر پاکیزہ ہیں۔ یہی ایک موت تھی جو آپؐ کا مقدر تھی۔ اس کے بعد آپؐ پر موت وارد نہیں کی جائے گی۔ یا رسول اللہ! اپنے پروردگار کے ہاں ہمارا ذکر فرمانا۔"

پھر حضرت ابوبکرؓ حجرہ سے باہر نکل کر لوگوں کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد یہ خطاب فرمایا :

"اے لوگو! جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو

رحلت فرما گئے ہیں اور جو اللہ کا عبادت گزار تھا تو یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اور اس کے لیے موت نہیں۔"
پھر حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی :

وما محمد الا رسول ج قد خلت من قبله الرسل ط افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ط و من ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضر اللّٰه شیئًا ط و سیجزی اللّٰه الشاکرین ٥ (آل عمران - ۱۴۴)	محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے ؛ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا

جب حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہؓ کو صدمہ کی دہشت سے افاقہ ہو گیا۔ اس سے قبل انہوں نے گویا یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا :

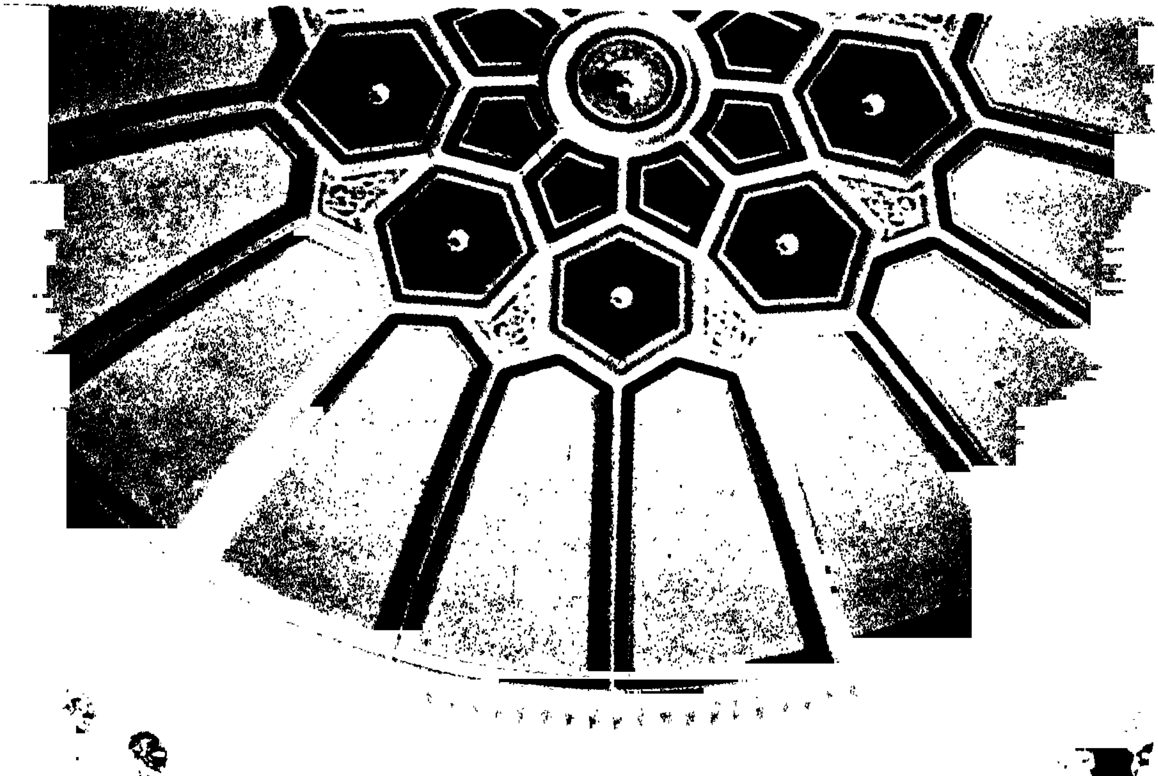
" اللہ کی قسم، میری یہ کیفیت تھی کہ جب میں نے یہ آیت حضرت ابو بکرؓ سے سنی تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی میرے پاؤں مجھے سہار نہ سکے اور میں دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور مجھے اس وقت معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔"

یہاں ہمارے لیے مندرجہ ذیل دو بلیغ سبق ہیں :

(۱) آنحضرتؐ کی وفات سے صحابہ کرامؓ پر دہشت طاری تھی اور انہیں یہ گمان ہوا کہ آنحضرتؐ پر موت وارد نہیں ہو سکتی حالانکہ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ صحابہؓ کی یہ کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تھی جو ان کے جسم و جان میں رچی بسی ہوئی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ احباب کے فقدان کا صدمہ بقدر محبت ہوتا ہے۔ ہمارے مشاہدہ میں ایسے واقعات بھی آئے ہیں کہ کسی کا عزیز، لختِ جگر یا والد فوت ہو گیا تو کئی روز تک اس کی یہ حالت رہی کہ اسے اس عزیز کی موت کا یقین ہی نہ آیا اور دنیا میں کون سی ایسی محبت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی محبت سے بڑھ کر ہو، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو ہدایت نصیب کی۔ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی مہیا کی گئی۔ ان کی زندگیوں میں انقلاب رونما ہوا۔ انھیں بصیرت و بصارت عطا ہوئی اور انھیں قیادت و عظمت کے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا گیا۔ آنحضرتؐ اپنی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرامؓ کے مربی، قاضی اور مرشد تھے جن کے پاس وہ مصائب و شدائد میں پناہ حاصل کرتے تھے اور حادثات میں آپؐ سے رہنمائی لیتے تھے اور آپؐ ہی کے ذریعے ان تک اللہ تعالیٰ کے پیغامات، اقوال اور تعلیمات پہنچتی تھیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے باعث یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس صدمہ سے بڑا اور دور رس نتائج کا حامل اور کون سا صدمہ ہو سکتا ہے ؛

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے اس سانحہ کے وقت جس پامردی کا ثبوت دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ میں تکالیف و مصائب سے عہدہ برآ ہونے کی بے پناہ روحانی وجسمانی طاقت تھی اور اس صفت میں دوسرا کوئی صحابی ان کا ہم پایہ نہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار قرار پائے۔ نیز حضرت ابوبکرؓ نے جزیرۂ عرب میں فتنۂ ارتداد کی سرکوبی جس طرح کی اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہی منصب خلافت کیلیے اہل ترین تھے۔

اشاریہ



اشاریہ نقوش

رسولؐ نمبر

جلد اوّل تا چہارم

شمارہ نمبر ۱۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ — جنوری ۱۹۸۳

مرتبہ

سیّد جمیل احمد رضوی

تعارُف

آئندہ صفحات میں نقوش رسولؐ نمبر، جلد اوّل تا چہارم، شمارہ ۱۳۰ (دسمبر ۱۹۸۲ء–جنوری ۱۹۸۳ء) کا اشاریہ مرتب کیا گیا ہے، اس میں پانچ قسم کے اشاریے شامل ہیں۔

پہلا اشاریہ مقالہ نگاران اور مقالات کے اہم نکات پر مشتمل ہے، اس میں پہلے مقالہ نگار کا نام ہے، اس کے بعد مقالے کا عنوان درج کیا ہے۔ بعد میں قوسین میں جلد نمبر کو ظاہر کیا گیا ہے، اور اس کے ساتھ ہی ان صفحات کی نشاندہی کر دی ہے جن پر وہ مقالہ موجود ہے۔ اس تفصیل کے بعد مقالے کے اہم نکات مع صفحات درج کر دیے ہیں۔ ان نکات کو مقالہ نگار کے الفاظ ہی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر کسی مقالے میں ذیلی سُرخیاں موجود نہیں ہیں، تو پھر مقالے سے اہم نکات کو اخذ کر کے درج کر دیا ہے۔ اس طرح پورے مقالے کے اہم نکات کو ایک نظر میں دیکھا جا سکتا ہے، گویا اس کی حیثیت توضیحی اشاریے کی ہے۔

دوسرا اشاریہ مقالات کا ہے، اس میں پہلے مقالے کا عنوان ہے۔ اس کے بعد مقالہ نگار کا نام ہے۔ بعد میں قوسین میں جلد نمبر کو لکھا گیا ہے، اس کے بعد ان صفحات کو درج کر دیا ہے جن پر وہ مقالہ مشتمل ہے۔

تیسرا اشاریہ موضوعات کا ہے، اس میں موضوعی سرخیوں کے تحت ان مقالات کو درج کیا گیا ہے جو اس موضوع سے متعلق ہیں، اگر کوئی مقالہ ایک سے زیادہ موضوعات سے بحث کرتا ہے، تو اس کو ایک سے زیادہ موضوعی سُرخیاں (SUBJECT HEADINGS) دی گئی ہیں۔ موضوعات کے ذیل میں مقالات کی ترتیب مقالہ نگار کے نام کے اعتبار سے الفبائی ہے، پہلے مقالہ نگار کا نام، اس کے بعد مقالے کا عنوان اور اس کے بعد قوسین میں جلد نمبر ہے۔ بعد میں ان صفحات کو درج کر دیا ہے، جن پر وہ مقالہ مشتمل ہے۔

چوتھا اشاریہ مقامات سے متعلق ہے۔ اس میں پہلے مقام کا نام، پھر قوسین میں جلد نمبر اور اس کے بعد اس صفحے کا نمبر درج کیا ہے جس پر وہ نام موجود ہے۔ اگر ایک صفحے میں کسی مقام کا نام کئی بار آیا ہے، تو اس کو صرف ایک بار ہی درج کیا ہے۔

آخری اشاریہ کتب کے بارے میں ہے۔ اس میں پہلے کتاب کا عنوان، پھر مصنف کا نام درج کیا ہے۔ اس کے بعد قوسین میں جلد نمبر کو ظاہر کیا گیا ہے۔ بعد میں اس صفحے کا نمبر درج کیا ہے جس پر کتاب کا ذکر آیا ہے۔ اگر کسی صفحے پر ایک سے زیادہ بار اس کتاب کا حوالہ آیا ہے، تو زیرِ نظر شاریہ میں صرف ایک مرتبہ اس کا اندراج کیا ہے، یہ اشاریہ ان مآخذ و مصادر کی نشان دہی کرتا ہے جن سے مقالہ نگاروں نے استفادہ کیا ہے۔

آخر میں ان سب کا ممنون ہوں جنھوں نے اشاریہ سازی میں کسی قسم کی مدد کی بالخصوص اپنے پُرانے رفیقِ کار جناب محمد حنیف کا سپاس گزار ہوں جنھوں نے ایک مرحلے پر اشاریے کے کارڈوں کو ترتیب دینے میں دستِ تعاون بڑھایا۔ خداوندِ عالم ان سب کو جزائے خیر دے۔

مقالہ نگاران

(اور مقالات کے اہم نکات)

ا

(۳)، ۶۲۳ — ۶۲۸
اسلام سے پہلے عرب قوم کی سیاسی حالت ۶۲۳، آپؐ کی سیاست کا ایک اہم پہلو ۶۲۴، اصولوں کے لیے جان و مال کی قربانی ۶۲۵، پاکیزہ سیاست ۶۲۵، اجتماعی اور سیاسی زندگی کی اخلاقیات ۶۲۵، امن و عدل کی حکومت ۶۲۶، اسلامی انقلاب میں ناموس کی حفاظت ۶۲۶، دنیوی کر و فر کی بجائے خلافت الٰہی کا جلال ۶۲۷، اسلامی انقلاب کو آگے بڑھانے کے لیے ایک جماعت کی ترتیب ۶۲۷

اصلاحی، امین احسن و محمود حسن شیخ الہند: حقیقتِ توحید اور حقیقتِ وحی (۲)، ۲۶۷ — ۳۲۷
قرآن کے اولین مخاطب ۲۶۸، قرآن کا طرزِ استدلال، ۲۶۸، قرآنی استدلال کی اساس ۲۷۰، توحید کے عمومی دلائل ۲۷۳، کائنات کا حسن و جمال ۲۷۳، کائنات کے مختلف اجزا کا باہمی توافق ۲۷۶، ضد سے ضد کا وجود ۲۸۰، متضادات سے مختلفات کا وجود ۲۸۱، مظاہر کائنات کی تسخیر ۲۸۲، کائنات کی محکم تدبیر ۲۸۳، ہر نظمِ اجتماعی کے لیے لازم ہے کہ حاکمیت غیر منقسم ہو ۲۸۴، حق و باطل کی آویزش اور حق کا غلبہ ۲۸۵ اشارات ۲۸۷، توحید کے دلائل انفس میں ۲۹۰: عہدِ فطرت ۲۹۰، علم و یقین کی فطری طلب ۲۹۵، فطرتِ انسانی کا علو ۲۹۷، انسان کا ضعف و افتقار ۳۰۰، توحید کے خصوصی دلائل - دلائل بلحاظ مسلمات مخاطب ۳۰۲، شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے ۳۰۴، لوازم سے استدلال ۳۰۶، دلیل عدل ۳۱۵، اہل کتاب اور منافقین ۳۱۶، پچھلی فصلوں کا خلاصہ ۳۱۸، توحید کے اثرات ۳۲۰، توحید کی اہمیت دین میں ۳۲۴

اصلاحی، شرف الدین: عہدِ جدید کے مسائل اور آنحضرتؐ کا پیغام (۳)، ۷۰۳ — ۷۱۱
عصرِ حاضر کے مسائل ۷۰۳، عہدِ جدید کے خاص خاص مسائل ۷۰۸، انسان، انسان کی بقا و سلامتی کا مسئلہ ۷۰۸، رنگ، زبان اور وطن کے امتیازات کا مسئلہ ۷۰۹، سیاسی کش مکش ۷۰۹، کردار کی پستی اور اخلاقی گراوٹ ۷۱۰، معاشی مسائل ۷۱۰، سرمایہ داری ۷۱۰، اسلام کے اقتصادی نظام کے نفاذ کا اثر ۷۱۱

اصلاحی، محمد اجمل: ابنِ ہشام اور سیرتِ ابنِ ہشام (۱)، ۴۵۲ — ۴۹۷
ابن ہشام ۴۵۳، حالاتِ زندگی ۴۵۸، شیوخ و اساتذہ ۴۵۹، علمی مرتبہ ۴۶۲، تلامذہ ۴۶۳، تصنیفات ۴۶۴، وفات ۴۶۵، سیرتِ ابنِ ہشام: مؤلف سیرت ۴۶۶، راوی سیرت ۴۶۷، ابنِ ہشام کا کارنامہ ۴۶۸، تلخیص و تدوینِ جدید ۴۶۹، تہذیبِ متن ۴۷۱، حواشی اور تعلیقات ۴۷۳، شعری مواد کی تحقیق و تنقید ۴۷۴، ابنِ ہشام کے مآخذ ۴۷۸، اسناد میں ابنِ ہشام کا منہج ۴۷۹، معروف مآخذ ۴۸۰، مجہول مآخذ ۴۸۳، مقبولیت اور اشاعت ۴۸۴، شرحیں ۴۸۵، تلخیصات ۴۸۶، منظومات ۴۸۷، تراجم ۴۸۸، ایڈیشن ۴۸۸، حواشی اور حوالہ جات ۴۸۹

اصلاحی، محمد اجمل (مترجم)، پہلے سیرت نگار — حضرت عروہ بن الزبیر از خلیل ابراہیم (۱)، ۳۹۷ — ۴۰۹

اصلاحی، محمد اجمل (مترجم)، المدائنی دونے اختصار المغازی

چ

ح

حمیداللہ، محمد: سرورِ کائنات کی حکومت (۳) ۶۰۷—۶۲۲
آنحضرتؐ کا ماحول ۶۰۷، ظہورِ قدسی ۶۰۸، سرورِ کائناتؐ کا مقصدِ رسالت ۶۰۸، حکمرانی کی تربیت ۶۰۸، حکومتیں کس طرح قائم ہوتی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ۶۰۹، ابتدائے کار ۶۱۰، اجنبی استعمار پر حملہ ۶۱۳، حقوقِ شہریت کا منشورِ اعظم ۶۱۳، حکومت کے ارادے ۶۱۳، فرائض و مقاصدِ حکومت کی انجام دہی ۶۱۵، تبلیغ و تعلیم ۶۱۸، سول سروس ۶۱۹ فوج ۶۱۹، دارالانشا ۶۱۹، صیغۂ داخلہ ۶۱۹، حوالے ۶۱۹۔

حمیداللہ، محمد: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ از نذیر حق (۲) ۵۱۳—۶۸۲
یہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کے سولہ ابواب ہیں۔ اہم نکات کی نشاندہی کے لیے ان ابواب کے عنوان ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:
۱۔ تعارف ۵۱۵؛ ۲۔ نیا دین کیوں؟ ۵۲۴
۳۔ پیغام اور اس کے متعلقات ۵۴۴؛ ۴۔ تبلیغ اسلام اور اس کے نتائج ۵۵۱؛ ۵۔ یثرب۔ مدینۃ النبیؐ ۵۶۴؛ ۶۔ مکہ سے تعلقات ۵۷۹؛ ۷۔ عرب قبائل سے تعلقات ۵۹۶؛ ۸۔ یہود سے تعلقات ۶۰۲، ۹۔ خارجہ تعلقات ۶۰۵؛ ۱۰۔ اسلامی معاشرہ کی تنظیم ۶۱۶؛ ۱۱۔ رسولؐ اسلام کی تعلیمات ۶۳۳؛ ۱۲۔ رسولؐ کی عائلی زندگی ۶۴۳؛ ۱۳۔ دورِ نبویؐ کا معاشرہ ۶۶۲؛ ۱۴۔ رسول اللہ کے کام پر ایک نظر ۶۷۰؛ ۱۵۔ رسولِ خدا کا وصال ۶۷۴؛ ۱۶۔ تدفین اور جانشینی ۶۷۸

حیدر زمان صدیقی: عہدِ نبوت کے عمرانی اور تمدنی مسائل (۳) ۷۳۴—۷۴۸
زمانہ قبل نبوت کے اجتماعی مفاسد ۷۳۵، بے روح اور فلط کارانہ مذہب پرستی ۷۳۵، نظامِ تمدن کی ہیبت ناکیاں ۷۴۱، زہرناک قومی تعصب اور بے قید سیاست ۷۴۲، نتائج بحث ذکر ۷۴۷

خ

خالد کمال مبارک پوری: برناڈشا اور عرب (۴) ۵۵۰—۵۵۴
برناڈشا اور الف لیلیٰ ۵۵۰، برناڈشا اور محمدؐ ۵۵۱، برناڈشا اور تعددِ ازواج ۵۵۲، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بُت پرستی ۵۵۳۔

خالد مسعود: سیاستِ نبویؐ کا ایک اہم پہلو (۳) ۵۷۳—۵۷۵
تبوک جانے کا اعلان ۵۷۴، مسجد ضرار کا گرانا ۵۷۴، لات کے توڑنے کا مسئلہ ۵۷۴، نبیؐ کی سیاست ۵۷۵

خدیجۃ النساء ایم سراج: رسولؐ اللہ اور طبقہ نسواں (۳) ۵۰۷—۵۱۷ معاشرے میں عورت کا درجہ ۵۰۷، اجر کے سلسلے میں مرد و عورت میں مساوات ۵۰۸، فرائض کے عائد ہونے میں عورتوں کے لیے بعض رعایتیں ۵۰۹، ماں ہونے کے ناطے سے عورت کا بلند مقام ۵۰۹، نکاح سنت رسول مقبولؐ ہے ۵۰۹، حقوقِ اولاد ۵۱۰، حقوقِ نسواں ۵۱۱، وراثت میں عورت کا حصہ ۵۱۲، طلاق و خلع ۵۱۴، رسولؐ اللہ نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ۵۱۶۔

خلیل ابراہیم: پہلے سیرت نگار حضرت عروہ بن زبیر۔ ترجمہ محمد اجمل اصلاحی (۱) ۳۹۷—۴۰۹، حالاتِ زندگی ۳۹۷، بنو امیہ سے عروہ کے روابط ۳۹۹، عروہ کے راوی ۴۰۰، عروہ کے تاریخی آثار ۴۰۰، عروہ کا طرزِ تحریر ۴۰۳، حواشی اور حوالہ جات ۴۰۵۔

۱۶۱، فارابی (م ۳۳۹ھ/ ۹۵۰ء) ۱۶۲، ابن سینا (م
۴۲۸ھ/ ۱۰۳۶ء) ۱۶۳، اخوان الصفا ۱۶۳، مسکویہ
(م ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء) ۱۶۴، صوفیانہ اخلاق ۱۶۶

عنایت اللہ شیخ: رسولِ اکرمؐ کے سیرت نگار (۱) ۷۰۹ — ۷۱۹
سیرت کے مطالعہ کی ضرورت ۷۰۹، سیرت نگاری کی
ابتداء ۷۱۰، سیرت نبویؐ کے قدیم مصادر ۷۱۰، امام زہری
۷۱۱، موسیٰ بن عقبہ ۷۱۱، سیرت ابن ہشام ۷۱۲، متقدمین
کی مؤلفات: کتاب المغازی مؤلفہ الواقدی ۷۱۴، کتاب
الطبقات الکبیر لابن سعد ۷۱۵، انساب الاشراف مؤلفہ
علامہ بلاذری ۷۱۵، تاریخ الرسل والملوک مؤلفہ امام طبری
۷۱۶، متاخرین کی تالیفات: کتاب الشفاء بتعریف حقوق
المصطفیٰ ۷۱۶، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل
والسیر ۷۱۷، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ۷۱۷، المواہب
اللدنیہ بالمنح المحمدیہ تالیف القسطلانی ۷۱۷، الخمیس فی
احوال انفس نفیس ۷۱۸، انسان العیون فی سیرۃ الامین
المامون ۷۱۸

غ

غلام جیلانی برق دیکھیے برق، غلام جیلانی

غلام السیدین، خواجہ: انسانِ کامل (۳) ۲۲۸ — ۲۴۶
آنحضرتؐ کے ابتدائی حالات ۲۲۹، صادق اور امین کا
خطاب ۲۳۱، غار حرا میں پہلی وحی ۲۳۱، اعلان نبوت کے وقت عرب کے
حالات ۲۳۲، اخلاق نبوی ۲۳۶، آداب جنگ کی
تعلیم ۲۳۹، اعجاز بلاغت کی چند مثالیں ۲۴۱، اسلام
کی تعلیم ۲۴۲

غلام مصطفیٰ خاں: اردو احادیث کے محاورے
(۴) ۵۹۰ — ۶۲۲ اس میں حضورؐ کی ایسی احادیث
نقل کی گئی ہیں جو اردو میں محاورات یا ضرب الامثال
کی طرح بولی جاتی ہیں، اردو شعراء کے اشعار بھی درج کئے
گئے ہیں۔

غلام مصطفیٰ خاں: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات
(۳) ۴۳۵ — ۴۴۱

غلام مصطفیٰ خاں: ہمہ قرآن در شانِ محمدؐ (۱) ۸۹ — ۲۰۲
"آپ کی حیات طیبہ کا ایک ایک واقعہ قرآن کی ترجمانی کرتا
ہے اور اس کے احکام کی صحیح عملی تصویر پیش کرتا ہے"
(ص۔ ۸۹) سو اس مقالے میں سورۃ الفاتحہ سے لے کر
سورۃ الناس تک اس موضوع کو واضح کیا گیا ہے۔

ف

فاروقی، محمد طاہر: غزوات نبویؐ (۴) ۳۱۶ — ۳۲۱
جہاد کا حکم ۳۱۶ قریش کا یہود کو اکسانا ۳۱۷، غزوہ بدر
۳۱۸، غزوہ احد ۳۱۸، غزوہ خندق ۳۱۹، قریش، یہود
اور منافقین — تین بڑے گروہ ۳۱۹، فتح مکہ ۳۱۹، غزوۂ
تبوک ۳۱۹، نتائج جنگ ۳۲۰

فاروقی، نثار احمد: انسانیت کا منشور آزادی
(۴) ۴۳۷ — ۴۴۶، اس میں خطبہ حجۃ الوداع کو زیر بحث
لایا گیا ہے اس فصیح و بلیغ خطبے کے اقتباسات اردو ترجمے
کی صورت میں دیئے گئے ہیں۔ آخر میں دس اصول بیان
کئے گئے ہیں جو اس خطبے سے ماخوذ ہیں

فاروقی، نثار احمد: الرسالات النبویہ، یعنی رسولؐ اکرم فخر عالم و
آدم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتخب مکتوبات و فرامین
کا اردو متن، مع ترجمہ و مختصر حواشی (۲) ۲۰۵ — ۲۶۶
مقالہ نگار نے اس مقالے میں آنحضرتؐ کے مکتوبات اور
دستاویزات کا انتخاب دیا ہے۔ اردو ترجمہ بھی متن کے ساتھ

ن

مقالات

ا

موضوعات

اخلاقیات

ادبِ نبوی

اسلام — سیاست و حکومت

تبلیغ و دعوت

تجارت

تصاویر

تصوف

تقویم

تعلیمِ نسواں

تعلیمات

تعددِ ازواج

توحید

ج

جبلِ رحمت (تصویر)

جغرافیہ

س

سحر

سیاسیات

سیرتِ نبویؐ

سیرتِ نبوی اور عصرِ حاضر

سجاد میرٹھی، زین العابدین: پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام
(۳)، ۴۶۰ — ۴۷۰

عبدالقدوس ہاشمی: سیرت طیبہ کا مطالعہ (۴)، ۲۸۲ — ۲۸۵

عبداللہ، سید: سیرت نبوی کا پیغام عصر حاضر کے نام (۳)، ۶۶۶ — ۳۷۴

محمد طیب، قاری: سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول
(۱)، ۴۸ — ۵۱

ندوی، سید ابوالحسن علی: پندرھویں صدی ہجری، ماضی و حال کے آئینہ میں (۱)، ۹ — ۳۷

ندوی، سید ابوالحسن علی: نبوت کا عطیہ (۳)، ۳۷۵ — ۳۸۴

سیرت نبویؐ اور غیر مسلم دانشور

ہٹی، اے۔ جی: محمدؐ اور عیسیٰؑ (۴)، ۵۴۸ — ۵۴۹

بشیر الدین پنڈت: ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (۴)، ۵۵۵ — ۵۵۹

خالد کمال مبارک پوری: برنارڈ شا اور عرب (۴)، ۵۵۰ — ۵۵۴

صارم، عبدالصمد: قرآن، اسلام اور رسولؐ (غیر مسلموں کی نظر میں)
(۴)، ۴۴۷ — ۴۷۹

ظفر نظامی نوشہروی: سرور کائناتؐ (غیر مسلم مفکرین کی نظر میں)، (۴)، ۴۸۰ — ۵۰۰

علی شبیر: آنحضرتؐ کی نسبت بعض عیسائیوں کی رائے
(۴)، ۵۲۹ — ۵۳۸

کارلائل، ٹامس: سید الانبیاء (۴)، ۵۳۹ — ۵۴۷

سیرت نبویؐ اور قرآن

اسرار احمد، ڈاکٹر: نبی کریمؐ کا مقصد بعثت (قرآن حکیم کی روشنی میں)، (۱)، ۳۱۲ — ۳۵۰

سلیم، قاری محمد عبداللہ: پیغمبر انسانیت خدا کی نظر میں
(۱)، ۲۰۰ — ۲۱۲

عبدالماجد دریا بادی: سیرت رسولؐ قرآن کی روشنی میں
(۱)، ۲۳۲ — ۳۰۲

غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر: ہمہ قرآن در شان محمد (۱)، ۸۹ — ۲۰۲

مودودی، سید ابوالاعلیٰ: نبوت محمدیؐ پر قرآن میں استدلال (چند نکات) (۱)، ۲۰۳ — ۲۱۱

ندوی، محمد حنیف: قرآن حکیم اور اطاعت رسول (۱)، ۳۰۳ — ۳۱۱

سیرت نبویؐ ۔ آداب

محمد زاہد: دربار رسالت کا پیغمبرانہ طمطراق (۴)، ۶۲۳ — ۶۲۶

سیرت نبویؐ ۔ توقیت

علوی اسحاق النبی: سیرت النبیؐ (توقیت کی روشنی میں)
(۲)، ۵۲ — ۲۰۴

سیرت نگاران رسولؐ

احسان عباس، ڈاکٹر و اسد، ناصر الدین، ڈاکٹر: ابن حزم الاندلسی اور جوامع السیرۃ ۔ ترجمہ و اضافہ از اجمل اصلاحی
(۱)، ۵۹۵ — ۶۱۴

اصلاحی، محمد اجمل: ابن ہشام اور سیرت ابن ہشام
(۱)، ۴۵۲ — ۴۹۷

برق، غلام جیلانی: ابن الجوزی اور سوانح رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۱)، ۷۰۱ — ۷۰۸

خلیل ابراہیم: پہلے سیرت نگار ۔ حضرت عروہ بن الزبیر ۔ ترجمہ از محمد اجمل اصلاحی (۱)، ۳۹۷ — ۴۰۹

شرف قادری، محمد عبدالحکیم: علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی
(۱)، ۶۹۱ — ۷۰۰

شرف قادری، محمد عبدالحکیم: قاضی عیاض (۱)، ۶۲۷ — ۶۴۵

شوقی ضیف: الدرر فی اختصار المغازی والسیر ۔ ترجمہ از محمد اجمل اصلاحی (۱)، ۶۱۵ — ۶۳۶

نثار احمد فاروقی : الرسالات النبویہ یعنی رسول اکرم فخر عالم و آدم محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منتخب مکتوبات وفرامین کا اردو متن مع ترجمہ ومختصر حواشی (۲)، ۲۰۵-۲۶۶

مکہ — تاریخ

محمد اسلم ملک : مکہ کی قدیم تاریخ (۲)، ۴۰۲-۴۲۱

مکی تقویم

علوی، اسحاق النبی : سیرت نبویؐ (توقیت کی روشنی میں)

(۲)، ۵۲-۲۰۴

منبر رسولؐ (تصویر)

منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم (تصویر) (۲)، ۳۶۰ کے بعد

موسیٰ بن عقبہ

ہوروونس، جوزف : سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین

ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱)، ۷۲۱-۸۱۶

میثاق مدینہ

حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ از نذیر حق

(۲)، ۶۱۳-۶۸۲

میلاد النبیؐ

اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد : محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴)، ۶۴۹-۶۵۰

ظفر علی خاں : میر حجاز (۴)، ۶۵۱ — ۶۵۲

ن

نبوت و رسالت

اسرار احمد، ڈاکٹر : نبی کریمؐ کا مقصد بعثت (قرآن کریم کی روشنی میں)

(۱)، ۳۱۲-۳۵۰

تمنا عمادی : کتاب اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ

(۱)، ۳۵۱-۳۶۸

عبدالماجد دریا بادی : سیرت رسولؐ قرآن کی روشنی میں

(۱)، ۲۳۲ — ۳۰۲

ندوی، محمد حنیف : قرآن سے منظر نبوت کی تشریح (۱)، ۲۲۱-۲۳۱

ندوی، محمد حنیف : قرآن حکیم اور اطاعت رسول (۱)، ۳۰۳ — ۳۱۱

نبہانی، یوسف بن اسماعیل (۱۲۶۵-۱۳۵۰ھ)

شرف قادری، محمد عبدالحکیم : علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی

(۱)، ۶۹۱-۷۰۰

نفاق

عبدالماجد دریا بادی : سیرت رسولؐ قرآن کی روشنی میں

(۱)، ۲۳۲-۳۰۲

نعت

شمیم احمد، سید : ادب نبویؐ (۴)، ۷۴ — ۸۲

و

الواقدی، محمد بن عمر (م ۲۰۷ھ)

ہوروونس، جوزف : سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین

ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱)، ۷۲۱ — ۸۱۶

وحی

محمود حسن : وحی (۲)، ۶۸۳-۷۳۴

ندوی، محمد حنیف : قرآن حکیم اور اطاعت رسولؐ (۱)، ۳۰۳ — ۳۱۱

ندوی، محمد حنیف : قرآن حکیم سے منظر نبوت کی تشریح

(۱)، ۲۲۱-۲۳۱

وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ)

ہوروونس، جوزف : سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین

ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱)، ۷۲۱ — ۸۱۶

ھ

ہندوستان

حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ نذیر حق

(۲)، ۵۱۳-۶۸۲

ہجرت

فراق، ناصر نذیر: تصویرِ ہجرت (۴) ۷۲۴ - ۷۲۹

مرتضےٰ احسن فاضل سید: آنحضرتؐ کی پہلی سیاسی فتح (ہجرتِ حبشہ)

(۲) ۵۷۶ - ۵۹۶

مقبول احمد نظامی سیوہاروی: ہجرتِ رسولؐ (۴) ۶۲۷-۶۳۳

ہیئت

علوی، اسحاق النبی: سیرتِ نبویؐ (توقیت کی روشنی میں)

(۲) ۵۲ - ۲۰۴

ی

یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح

(م ۲۹۲ھ)

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: تاریخ یعقوبی - سیرتِ نبویؐ کا ایک اہم قدیم ماخذ (۱) ۵۶۳ - ۵۹۴

یہودیت

حمید اللہ، محمد: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - ترجمہ نذیر حق

(۲) ۵۱۳-۶۸۲

مقامات

پ

ت

خ

د

ڈ

ذ

ش

عدن (۳)، ۶۸، ۷۱، ۷۲، ۷۴، ۷۶
عدنان (۲)، ۴۰۸
عراق (۱)، ۱۴، ۱۹، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۳۸۷، ۳۹۸، ۴۱۵
۴۵۱، ۴۹۸، ۵۰۸، ۵۱۵، ۵۵۷، ۵۶۱، ۶۲۰
۷۲۴، ۷۵۷—۷۵۸، ۷۶۱، ۷۶۹، ۷۷۱، ۸۱۰
(۲)، ۶۳، ۷۸، ۱۰۷، ۱۶۵، ۳۶۵، ۴۰۶، ۴۱۸
۵۲۳، ۵۷۶، ۵۸۹، ۶۰۹، ۶۱۹ (۳)،
۵۲، ۵۸، ۶۱، ۷۰، ۷۴—۷۵، ۷۹، ۱۲۲،
۱۵۷، ۱۸۹، ۳۳۷، ۵۵۱، ۵۵۵—۵۵۶، ۵۶۰،
۵۶۲، ۵۸۱، ۶۴۹، ۷۴۵، ۷۴۶ (۴) ۶۵—۶۶،
۶۸، ۷۱، ۱۲۸، ۱۴۸، ۱۶۰، ۲۵۷، ۳۴۵، ۴۵۶، ۵۸۲،
۶۹۱، ۷۱۳
عراق قدیم (بابل)، (۳) ۱۷۳
عرب (۱) ۲۵، ۳۲۵، ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۹، ۴۱۲، ۴۴۴
۴۶۹، ۵۱۸، ۵۴۵، ۵۶۹، ۵۷۴، ۵۸۱، ۵۸۳،
۶۰۲، ۶۳۰، ۶۵۲—۶۵۳، ۶۵۵، ۶۶۳، ۶۹۱،
۷۰۴، ۷۲۵، ۷۴۲، ۷۵۲، ۷۶۲—۷۶۳، ۷۶۵،
۷۶۸، (۲) ۵۲—۵۳، ۶۱، ۷۰، ۷۶—۷۹، ۸۴،
۸۸—۹۰، ۹۵، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴—۱۰۵، ۱۰۸،
۱۸۱، ۱۹۴—۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۸۸، ۳۰۲، ۳۰۵—
۳۰۷، ۳۱۱—۳۱۲، ۳۱۵، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۶۵—
۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۴، ۳۸۶—۳۸۷، ۳۹۸،
۴۰۳، ۴۱۰، ۴۲۱، ۴۲۵، ۴۳۶، ۴۵۸، ۴۶۰،
۴۶۴، ۴۶۹، ۴۸۰، ۴۹۲—۴۹۵، ۴۹۷—۴۹۸،
۵۰۰—۵۰۱، ۵۰۳، ۵۰۶، ۵۰۹، ۵۱۵، ۵۲۰
—۵۲۱، ۵۲۳، ۵۲۵—۵۲۶، ۵۵۲، ۵۵۸،

۵۶۴، ۵۶۶، ۵۶۹—۵۸۴، ۵۸۹، ۵۹۷، ۶۰۶،
۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۲—۶۱۵، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۵،
۶۵۲، ۶۵۴، ۶۶۲—۶۶۶، ۶۶۸، ۶۸۰، ۶۸۷—
۶۸۸، ۶۹۲ (۳)، ۷، ۱۱، ۱۴—۴۶، ۴۸، ۵۵، ۵۷، ۶۲، ۶۶،
۷۷، ۷۹—۸۰، ۸۲، ۸۸، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۷۶—
۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۲—۱۸۴، ۱۸۹، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۹،
۲۱۳، ۲۲۴—۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۲—۲۳۴، ۲۳۹،
۲۴۱—۲۴۲، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۷۱، ۲۷۴، ۲۸۲—۳۰۳،
۳۰۷، ۳۲۱، ۳۳۲—۳۳۴، ۳۵۲—۳۵۴، ۳۶۵،
۳۶۷، ۴۰۶، ۴۰۹، ۴۱۷، ۴۲۰، ۴۶۱، ۴۶۶، ۴۸۱،
۴۹۴، ۵۲۵—۵۲۹، ۵۳۳، ۵۴۲، ۵۴۵—
۵۴۶، ۵۴۹—۵۵۱، ۵۵۵، ۵۵۶—۵۵۸،
۵۶۰، ۵۶۲—۵۶۶، ۵۷۰—۵۷۲، ۵۷۷—
۵۷۸، ۵۸۱، ۵۸۷—۵۸۸، ۵۹۵، ۶۰۷—۶۰۹،
۶۱۱—۶۱۳، ۶۲۰، ۶۲۳، ۶۲۶—۶۲۸، ۶۳۴—
۶۳۷، ۶۴۳—۶۴۸، ۶۵۰، ۶۵۴، ۶۶۲، ۶۶۷،
۶۸۵، ۷۲۳، ۷۲۷، ۷۲۹—۷۳۰، ۷۳۹، ۷۴۵،
۷۴۶—۷۴۷ (۴) ۷، ۹، ۱۱، ۱۶، ۲۲، ۲۷، ۶۰،
۶۳، ۶۶، ۸۲، ۸۹—۹۰، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۱۵، ۱۱۷،
۱۲۳، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰،
۱۶۳، ۱۶۶، ۱۷۷، ۱۸۴، ۱۹۵، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۸،
۲۵۷، ۲۹۵، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۸، ۳۳۹، ۳۴۵، ۳۵۵،
۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۳، ۴۰۶، ۴۱۴، ۴۱۶—۴۱۷،
۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۸، ۴۳۷، ۴۵۵—
۴۵۷، ۴۷۷—۴۷۸، ۴۸۳، ۴۸۰—۴۸۴، ۴۹۱، ۴۹۳،
۴۹۵، ۴۹۶، ۵۱۸، ۵۲۰، ۵۲۳، ۵۲۸، ۵۳۵،

ق

ن

کتب

ا

اخبار مکہ : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹، ۷۷۸

اخبار النبی : ابن سعد، م ۲۳۰ھ (۱)، ۴۲۸، ۵۰۲

اختلاف الائمہ : محمد زکریا (۱)، ۵۵

اخوان الصفاء : عمر فروخ (۳)، ۱۴۵، ۱۴۶

الادب الجاہلی : طٰہٰ حسین (۳)، ۴۴، ۵۲

ادب العرب (۴)، ۴۷۰ — ۴۷۱

الادب العربی المعاصر فی مصر : شوقی ضیف (۱)، ۶۱۵

الادب الکبیر : ابن المقفع (۱)، ۶۳۳

ادب المفرد : امام بخاری (۲)، ۴۵۱، ۴۵۴، ۴۵۷

الادب و مذاہبہ فی الشعر العربی : شوقی ضیف (۱)، ۶۱۵

الاربعین، اربعین من احادیث سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (۱)، ۶۹۵

اردو انسائیکلو پیڈیا (۱)، ۴۹۳، ۴۹۵، ۴۹۷، (۴)، ۳۷۷

اردو دائرہ معارف اسلامیہ پاکستان (۱)، ۶۱۲

ارشاد الاریب : یاقوت (۱)، ۵۱۰، (۴)، ۱۱۱

ارشاد الباری الی شرح البخاری : قسطلانی (۱)، ۵۴

ارشاد الحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاری التی ہلکت دین المسیح : نبہانی (۱)، ۶۹۴

ارشاد الساری : شرح بخاری، القسطلانی (۱)، ۱۷، (۴)، ۶۴۵

ارض القرآن : سلیمان ندوی (۱)، ۹۲، (۲)، ۴۰۳ — ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۲۰ — ۴۲۵، ۴۲۷، ۴۳۰ — ۴۳۱، ۴۳۴، ۴۶۰

ارشاد الفحول : شوکانی (۲)، ۳۳۹

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء : شاہ ولی اللہ دہلوی (۱)، ۳۲۲، (۳)، ۶۹۱

الازمنہ والامکنہ : مرزوقی (۲)، ۱۰۱، ۱۰۲، (۴)، ۱۱۷

ازہار الریاض فی اخبار قاضی عیاض : ابو العباس المقری (۱)، ۶۱۷

ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم : واقدی (۱)، ۷۷۸

الاساطیر العربیۃ قبل الاسلام (۲)، ۴۵

الاسالیب البدیعۃ فی فضل الصحابۃ واقناع الشیعۃ : نبہانی (۱)، ۶۹۵

اسپرٹ آف اسلام : سید امیر علی (۱)، ۸۰

الاستغاثۃ الکبریٰ باسماء اللہ الحسنیٰ : نبہانی (۱)، ۶۹۵

الاستذکار فی شرح مذاہب علماء الامصار مما رسمہ الامام مالک فی الموطا من الرای والآثار : ابن عبد البر (۱)، ۶۱۷

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب : ابن عبد البر، م ۴۶۳ھ (۱)، ۳۷۲، ۵۱۴، ۵۸۹، ۶۲۰ — ۶۲۱، ۶۲۲ — ۶۲۳، ۶۳۰، ۶۳۳ — ۶۳۵، ۶۸۵، (۳)، ۵۵۷، (۴)، ۱۲۰، ۳۷۸ — ۳۷۹، ۳۸۲ — ۳۸۸، ۳۹۱ — ۴۰۳، ۴۰۵ — ۴۰۸، ۴۱۰ — ۴۱۷، ۴۳۲

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ : ابن الاثیر، م ۶۳۰ھ (۱)، ۵۸ — ۵۹، ۴۱۵، ۵۱۴، ۵۸۹، ۶۸۵، ۷۶۴، (۳)، ۶۸۱

اسرائیلیات : ابو عبداللہ وہب بن منبہ (۱)، ۴۱۶

اسلام : منٹگمری واٹ (۲)، ۴۳۱ — ۴۳۲، ۴۳۸، ۴۵۱، ۴۶۴۔

اسلام : لولدیکہ (۱)، ۴۴۸

اسلام اینڈ دی ڈوائن کامیڈی پیلیواسس (۱)، ۴۴۸

اسلام کا قانون جنگ و امن : (انگریزی) مجید خدوری (۳)، ۵۶۱

اسلام کا قانون خارجہ (جرمن) ہیفننگ (۳)، ۵۶۱

ش

ص

ض

ق

۲۵۸-۲۵۹، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۵-۲۸۰،
۲۸۳-۲۸۴، ۲۸۶-۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹۶،
۲۹۸، ۳۰۲-۳۰۳، ۳۰۹-۳۱۱، ۳۱۵،
۳۱۸، ۳۲۱-۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۶-۳۲۸
۳۳۱، ۳۴۲-۳۴۵، ۳۴۷-۳۴۸، ۳۵۱،
۳۵۴، ۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۸-۳۶۹، ۳۷۱-
۳۷۴، ۳۷۶-۳۸۰، ۳۸۶-۳۸۹، ۳۹۱،
۳۹۴-۳۹۵، ۴۱۷، ۴۲۰-۴۲۱، ۴۸۸، ۴
۴۴۹، ۴۷۰، ۵۰۶، ۵۱۵-۵۱۶-۵۱۹
۵۲۱-۵۲۳-۵۲۴، ۵۴۶، ۵۴۹،
۵۵۲، ۵۵۳-۵۵۵، ۵۵۷-۵۵۸،
۵۶۰-۵۶۱، ۵۸۰-۵۸۱، ۵۸۹، ۶۱۶، ۶۲۴،
۶۵۷، ۶۶۹، ۶۹۰-۶۹۱، ۶۹۶، ۶۹۸، ۷۱۰-
۷۱۱، ۷۱۸، ۷۲۰، ۷۳۱-۷۳۲، ۷۳۸، ۷۵۱
۷۶۲-۷۶۳ (۲) ۱۹-۲۰، ۲۴، ۳۲، ۳۷،
۴۲، ۶۰، ۶۲، ۷۳، ۸۱، ۸۳، ۸۴-۸۷، ۸۸
۹۰، ۱۱۰، ۱۳۱، ۱۹۵-۱۹۶، ۱۹۹، ۲۱۷، ۲۴۲،
۲۳۹، ۲۶۹-۲۷۱، ۲۷۳-۲۷۷، ۲۷۹،
۲۸۲-۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۸-۲۸۹، ۳۰۱-۳۰۲
۳۰۴-۳۰۶، ۳۰۸، ۲۱۲، ۳۱۴-۳۱۸، ۳۲۳
۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۳۵-۳۳۷، ۳۴۵
۳۵۱-۳۵۲، ۳۵۴-۳۵۵، ۳۵۷-۳۶۴،
۳۷۴، ۳۷۸، ۳۹۰، ۴۰۳-۴۰۶، ۴۱۴، ۴۱۶
۴۱۹-۴۲۰، ۴۲۵، ۴۲۷-۴۲۸، ۴۴۵
۴۴۶، ۴۵۱، ۴۵۷، ۴۶۱، ۴۶۵، ۴۶۶،
۴۷۳، ۴۷۷-۴۷۸، ۴۸۶، ۴۸۸-۴۹۱
۵۱۰، ۵۱۵-۵۱۶، ۵۲۰، ۵۲۹، ۵۳۱-
۵۳۳، ۵۳۷، ۵۳۹-۵۴۱، ۵۴۸-۵۵۰

۵۵۳، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۹-۵۶۳، ۵۶۵
۵۶۶، ۵۶۹-۵۷۰، ۵۷۹، ۵۸۱، ۵۸۷-
۵۸۸، ۵۹۱، ۵۹۳، ۵۹۵، ۶۰۳، ۶۰۸-
۶۰۹، ۶۱۱، ۶۱۴، ۶۲۲-۶۲۸، ۶۳۰-
۶۳۱، ۶۳۴-۶۳۵، ۶۳۷-۶۳۹،
۶۴۱، ۶۴۳-۶۴۴، ۶۴۶-۶۴۷، ۶۵۱،
۶۵۵، ۶۵۸، ۶۶۴، ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۰،
۶۷۸، ۶۸۳، ۶۸۵، ۶۸۸-۶۹۱، ۶۹۳،
۷۰۳، ۷۲۲، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۵۱-۷۵۲، ۷۵۷
(۳) ۴۶، ۵۰-۵۱، ۵۳، ۵۵، ۵۹، ۶۲، ۶۶،
۸۹، ۹۱، ۹۵، ۹۸، ۱۲۹-۱۳۵، ۱۴۷، ۱۵۱
۱۵۵، ۱۵۸، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۹۰-۱۹۴،
۱۹۸، ۲۰۰، ۲۱۴-۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۷-
۲۵۰، ۲۵۶، ۲۶۰، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۳،
۲۷۷، ۲۸۱-۲۸۲، ۲۸۵، ۲۸۹-۲۹۰، ۲۹۲
۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۲-۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۰
۳۱۲، ۳۱۶، ۳۱۹-۳۲۳، ۳۲۶، ۳۲۸-
۳۳۹، ۳۴۲، ۳۴۵، ۳۵۵، ۳۵۷-۳۶۴،
۳۶۸، ۳۷۰-۳۷۳، ۳۸۶، ۳۹۱، ۳۹۲،
۳۹۶-۳۹۷، ۴۰۲-۴۰۴، ۴۰۹، ۴۱۲،
۴۱۵-۴۱۶، ۴۲۱، ۴۳۵-۴۳۶، ۴۴۱
۴۴۲، ۴۵۲، ۴۵۵-۴۵۹، ۴۶۳، ۴۶۶-
۴۶۷، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۷۷، ۴۸۱، ۴۸۵-۴۸۶
۴۸۹-۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۴، ۵۰۰-۵۰۱، ۵۰۴،
۵۰۹، ۵۱۱-۵۱۵، ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۳۳، ۵۳۵،
۵۵۹، ۵۶۵، ۵۷۴-۵۷۷، ۵۹۰، ۵۹۳-
۵۹۵، ۵۹۸-۵۹۹، ۶۰۱، ۶۰۳-۶۰۵، ۶۱۲
۶۱۳، ۶۱۵، ۶۲۲، ۶۳۲، ۶۳۶، ۶۳۹، ۶۵۲،

ل

موقف العلم والعقل والعالم من رب العالمین :
ڈاکٹر مصطفےٰ صبری (۱)، ۶۱
مولد الحسن والحسین : واقدی (۱)، ۷۷، ۸۱۵
مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ابن الزملکانی، م ۷۲۷ھ
(۱)، ۶۷۷
مولد النبی صلعم : ابن الجوزی (۱)، ۷۰۱
مولود طپش : مصنف (۴)، ۸۰
مہابھارت (۱)، ۳۳۳ (۴)، ۳۲۰
مہاجرین : معین الدین ندوی (۳)، ۷۲۷
المیرۃ فی حل مشکل السیرۃ : یوسف بن عبدالہادی صالحی، م ۹۰۹ھ
(۱)، ۴۸۶
میزان الاعتدال فی نقد اسماء الرجال : شمس الدین ذہبی، م
۷۴۸ھ (۱)، ۶۰، ۶۶، ۳۹۰، ۳۹۳، ۴۹۸،
۵۱۰، ۶۶۹، ۶۸۶، ۷۸۵
میزان التحقیق : آرنلڈ (۴)، ۷۴۴
میزان العمل : الغزالی (۳)، ۱۴۹
میلاد اکبر : (۴)، ۸۰
میلاد نامہ : خواجہ حسن نظامی (۴)، ۷۸

ن

النبی الخاتم : مناظر احسن گیلانی (۱)، ۶۹
نتائج الافہام : احمد زکی آفندی (۲)، ۱۲۱
نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرۃ : سید ابوالحسن علی ندوی (۱)، ۳۴
نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر (۳)، ۷۱
نداء الصیاح فی شرح الشفاء للقاضی عیاض : محمد بن عبدالسلام
البنانی (۱)، ۶۴۴
النجوم الزاہرۃ : ابن تغری بردی (۱)، ۴۹۵، ۵۱۴

نجوم المہتدین فی معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم والرد علی اعداء
اخوان الشیاطین : نبہانی (۱)، ۶۹۴
نخبۃ الفکر : ابن حجر (۱)، ۶۷
نزہۃ الالباء : (۱)، ۴۹۳، ۵۰۵، ۵۱۰
نزہت المجالس فی الاخبار النساء السیوطی (۴)، ۱۱۱
نزہۃ المشتاق : ادریسی (۴)، ۱۴۹
نسیم الریاض فی شرح شفاء للقاضی عیاض : احمد شہاب الدین
خفاجی (۱)، ۶۴، ۶۴۴، ۶۴۴—۶۴۵ (۴)
۲۰۹
نشاۃ علم التاریخ عند العرب : عبدالعزیز الدوری (۱)، ۳۹۷
۳۹۸، ۴۰۲، ۴۰۴، —۴۰۷، ۴۰۹
نصب الرایۃ الاحادیث الہدایۃ : زیلعی
(۳)، ۶۳۸
النظم البدیع فی مولد الشفیع صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم : نبہانی
(۱)، ۶۹۴
نظم البرہان علی صحۃ جزم الاذان : قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹
نظام الحکومۃ النبویۃ : کتانی (۴)، ۱۲۰
نفح الطیب : مقری (۱)، ۶۱۱، ۶۱۴ (۴)، ۱۱۱—۱۱۲
نقائص جریر و فرزدق : ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ، م ۲۰۹ھ
(۱)، ۴۶۱
النقائص و تحقیق : بیون (۱)، ۷۹۵
نقط العروس فی تواریخ الخلفاء : ابن حزم
(۱)، ۶۰۰ — ۶۰۱، ۶۱۴
نکت الہمیان : الصفدی (۱)، ۵۵، ۶۱۴ (۳)، ۷۴۶—۷۴۷
النوادر : القالی (۴)، ۱۱۱
نوادرات : اسلم جیراجپوری (۳)، ۴۷۷

اشاریۂ نقوش

رسول نمبر

جلد پنجم تا دہم

شمارہ ۱۳۰ (دسمبر ۱۹۸۳ء تا جنوری ۱۹۸۴ء)

مقالہ نگاران

(اور مقالات کے اہم نکات)

ا

ت

ج

ح



جبلِ نور

کا سلام رد کر دینا ۴۳۶، آپؐ کا یہ کہنا کہ تم کیسے ہو کیسے صبح کی؟ اور کچھ ایسی ہی باتیں ۴۳۷، رسول اللہؐ جس شخص کو سلام کا جواب نہ دیتے اور جسے اشارے سے جواب دیتے ۴۳۸، مصافحہ کرنا ۴۳۹، رسول اللہ فرمایا کرتے پورا اسلام تو ہاتھ ملانا ہی ہے ۴۳۹، اُٹھ کر استقبال اور معانقہ کرنا ۴۴۰، رسول اللہؐ کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ چومنا ۴۴۰، رسول اللہؐ کے کھانے کی خصوصیات ۴۴۱،
آپؐ کی یہ خصوصیت کہ آپ کے لیے دنیوی زندگی کی چمک دمک کی طرف توجہ کرنا ممنوع تھا ۴۴۲، کہ آپؐ کے لئے کن انکھیوں سے دیکھنا اور اشارہ کرنا ممنوع تھا ۴۴۵، بعض وہ باتیں جو اُمت کے بعض افراد کے لیے مخصوص ہیں ۴۴۵، رسول اکرمؐ کے لیے کچھ اوقات کی خصوصیت ۴۴۷، صدقات میں خصوصیات ۴۴۸، جہاد اور مالِ غنیمت میں آپ کی فضیلت ۴۵۰، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز، شرائط نماز ۴۵۲، خاص مقامات کی خصوصیت اور فضیلت ۴۵۶، حرم کے مخصوص فضائل کا بیان ۴۵۷، کعبہ کا فضل و شرف ۴۵۷، مقام عرفات کی فضیلت ۴۵۸، منیٰ اور مسجد خیف کے فضائل ۴۵۹، مدینہ منورہ کے فضائل ۴۵۹، مسجد قبا کی خصوصیت کا ذکر ۴۵۹، کوہ احد کی فضیلت کا ذکر ۴۶۰، یمن کی برکت کی خصوصیت کا ذکر ۴۶۰، شام کی فضیلت اور برکت کا ذکر اور بیت المقدس ۴۶۰، بیت المقدس اور دیگر شہروں کی فضیلت ۴۶۱، مساجد کے مجموعی فضائل ۴۶۱، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصایا ۴۶۲، حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے لئے ۴۶۶، وفات کے وقت وصیت ۴۷۴، مواعظ اور وصایا ۴۷۵، ایک اور وعظ جس میں دجال کا ذکر ہے ۴۸۴، عورتوں کے لئے ایک وعظ اور اُن سے صدقات کی وصولی ۴۸۵، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کبریٰ ۴۸۶، مہر نبوت اور آپؐ پر بادلوں کے سایہ کرنے کا ذکر ۴۸۶، آپؐ کے چہرۂ اقدس کی نورانیت کا ذکر ۴۸۷، اللہ تعالیٰ کے ہاں آپؐ کی عزت اور کتاب اللہ میں آپؐ کی قدر و منزلت کی خصوصیت کا بیان ۴۸۷، آپؐ کے مختلف اعضاء شریفہ کی خصوصیت ۴۹۳، آپؐ کی نیند کی خصوصیت کا ذکر ۴۹۳، رسول اللہؐ کی تمام انبیاء پر فضیلت ۴۹۴، اُمتِ محمدیہ کی تمام امتوں پر فضیلت ۴۹۵، حضورؐ کی حاضر جوابی ۴۹۸، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعبیر خواب ۴۹۹، خواب کی تعبیر ۴۹۹

ر

رفیع الدین ہاشمی محمد (مرتب): خطبات رسولؐ
(۸) ۱۱ — ۱۱۲، ابتدائیہ ۲، خطبہ کے لغوی معنی ۱۲، آپؐ کی خطابت کا انداز ۱۳، آپ کی فصاحت و بلاغت ۱۴، کوہ صفا کا خطبہ ۱۶، صفات باری تعالیٰ ۱۸، اسلام کیا ہے ۱۹، صراطِ مستقیم ۲۰، کلام الٰہی ۲۲، نماز ۲۳، اللہ کا ذکر اور نمازِ جمعہ ۲۴، تاکید جمعہ ۲۵، برکاتِ جمعہ ۲۶، انفاق فی سبیل اللہ ۳۰، اسلام اور رہبانیت ۳۱، خطبۂ بدر ۳۲، الجماعت ۳۴، ضابطۂ حیات ۳۵، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۳۶، سنت اور بدعت ۳۷، تصورِ دیانت ۳۸، دیانت اور طمع ۳۹، خیانت سے اجتناب ۴۰، دنیا کا فتنہ ۴۱، دنیا اور نیکی ۴۲، اللہ سے عافیت طلب کرو ۴۳، قرابت داروں کے لئے صدقہ ۴۴، ایک مبارک خواب ۴۵، دوزخ سے بچو ۴۸، نیکی اور بدی کے راستے ۴۸، جہاد کی فضیلت ۴۹، جہاد ۵۰، کبائر سے اجتناب ۵۱، خطبۂ تبوک ۵۲، بہتر اور بدتر انسان ۵۴، سورج اور چاند گہن ۵۵، خطبۂ نکاح ۵۷، ضابطۂ حیات ۵۹، اسلام اور جاہلیت ۶۱، پانچ برائیاں ۶۳، فتح مکہ کے موقع پر ۶۴، جنگ کے اصول ۶۷، تین اہم باتیں ۶۹، آخری دور کے

س

وقاص قرشی الزہری ۱۴۴، سعد بن خولی رضؓ ۱۴۴، سعید
بن زید بن عمرو بن نفیل قرشی العدوی رضؓ ۱۴۵، سلیط بن
عمرو القرشی العامری ۱۴۵، سوید بن مخشی الطائی ۱۴۵،
سویبط بن سعد القرشی العبدری ۱۴۵، سہیل بن بیضاء
القرشی الفہری ۱۴۵، شجاع بن ابی وہب الاسدی
۱۴۶، شقران حبشی ۱۴۶، شماس بن عثمان بن شرید القرشی
المخزومی ۱۴۶، صفوان بن بیضاء القرشی الفہری ۱۴۷،
صہیب بن سنان الرومی رضؓ، طفیل بن حارث القرشی
المطلبی رضؓ ۱۴۷، طلحہ بن عبیداللہ القرشی التیمی رضؓ ۱۴۸،
طلیب بن عمیر بن وہب القرشی العبدری رضؓ ۱۴۸، عاقل
بن بکیر رضؓ ۱۴۹، عامر بن حارث الفہری ۱۴۹، عامر بن
ربیعہ العنزی العدوی رضؓ ۱۴۹، عامر بن عبداللہ بن جراح
القرشی رضؓ ۱۴۹، عامر بن فہیرہ ازدی رضؓ ۱۵۰، عبداللہ بن جحش
بن رباب الاسدی ۱۵۰، عبدالرحمن بن سہل الانصاری ۱۵۰،
عبداللہ بن سراقہ القرشی العدوی رضؓ ۱۵۰، عبداللہ بن سعید القرشی
الاموی ۱۵۱، عبداللہ بن سہیل بن عمرو القرشی العامری ۱۵۱،
عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال القرشی المخزومی رضؓ ۱۵۱، عبداللہ
بن مخرمہ رضؓ ۱۵۲، عبداللہ بن مسعود الہذلی رضؓ ۱۵۲، عبداللہ
بن مظعون قرشی الجمحی رضؓ ۱۵۳، عبیدہ بن حارث بن مطلب
بن عبد مناف قرشی المطلبی رضؓ ۱۵۳، عبدالرحمن بن عوف القرشی
الزہری رضؓ ۱۵۴، عبد یالیل بن ناشب اللیثی رضؓ ۱۵۵، عمرو بن الحارث
بن زہیر القرشی الفہری رضؓ ۱۵۵، عمرو بن سراقہ القرشی العدوی رضؓ ۱۵۶،
عمرو بن ابی عمرو بن ابی شداد القرشی الفہری ۱۵۶، عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ القرشی
الفہری ۱۵۶، عثمان بن مظعون القرشی الجمحی رضؓ ۱۵۶، عمار بن یاسر رضؓ
۱۵۷، عمیر بن ابی وقاص القرشی الزہری رضؓ ۱۵۸، عمیر بن عوف مولیٰ
سہیل بن عمر العامری ۱۵۸، عتبہ بن وہب ۱۵۸، عوف بن اثاثہ
قرشی المطلبی ۱۵۸، عیاض بن زہیر بن ابی شداد القرشی الفہری ۱۵۸،
قدامہ بن مظعون القرشی الجمحی رضؓ [illegible] السلمی رضؓ [illegible]

کناز بن حصین ابو مرثد الغنوی رضؓ ۱۶۰، مالک بن امیہ بن عمرو السلمی رضؓ
۱۶۰، مالک بن ابو خولی الجعفی رضؓ ۱۶۰، مالک بن عمرو السلمی رضؓ ۱۶۰،
مالک بن نمیلہ بن السباق ۱۶۰، محرز بن نضلہ الاسدی ۱۶۰، مدلاج
بن عمرو السلمی رضؓ ۱۶۱، مرثد بن ابو مرثد الغنوی رضؓ ۱۶۱، مسعود بن
الربیع القاری ۱۶۲، سیدنا مصعب بن عمیر القرشی العبدری رضؓ ۱۶۲،
معتب بن حمراء الخزاعی السلولی رضؓ ۱۶۳، معمر بن ابی سرح بن ابی
ربیعہ القرشی رضؓ ۱۶۳، مہجع بن صالح المہاجر ۱۶۳، واقد بن عبداللہ
تمیمی الیربوعی ۱۶۳، وہب بن محصن الاسدی ۱۶۴، وہب بن
ابی سرح القرشی الفہری رضؓ ۱۶۴، وہب بن سعد بن ابی سرح
القرشی ۱۶۴، ہلال بن ابی خولی رضؓ ۱۶۴، یزید بن رقیش رضؓ ۱۶۴، ابو
حذیفہ بن عتبہ رضؓ ۱۶۴، ابو سبرہ قرشی العامری رضؓ ۱۶۵، ابو کبشہ مولیٰ
رسول اللہ صلعم ۱۶۵، ابو واقد اللیثی رضؓ ۱۶۵،

انصار ۱۶۵، ابی ثابت الانصاری رضؓ ۱۶۵، ابی بن کعب ۱۶۵،
اسعد بن یزید بن فاکہ رضؓ ۱۶۶، اسیرہ بن عمرو الانصاری النجاری رضؓ
۱۶۶، انس بن مالک بن نضر رضؓ ۱۶۷، انس بن معاذ بن انس
بن قیس ۱۶۷، انیس بن قتادہ ۱۶۷، انسہ مولیٰ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ۱۶۷، اوس بن ثابت الانصاری ۱۶۷، اوس بن
خولی بن عبداللہ ۱۶۸، اوس بن صامت الانصاری ۱۶۸،
ایاس بن ورقہ الانصاری الخزرجی رضؓ ۱۶۸، بشیر بن سعد بن ثعلبہ رضؓ
۱۶۸، ثابت بن اقرم ۱۶۹، ثابت بن جذع (ثعلبہ) رضؓ ۱۶۹،
ثابت بن خالد بن نعمان بن خنساء الانصاری رضؓ ۱۶۹، ثابت بن
عامر بن زید الانصاری ۱۶۹، ثابت بن عبید الانصاری ۱۶۹،
ثابت بن عمرو بن زید بن عدی رضؓ بن سواد بن مالک بن النجار
الانصاری ۱۶۹، ثابت بن ہزال بن عمرو الانصاری رضؓ ۱۷۰،
ثعلبہ بن حاطب بن عمرو ۱۷۰، ثعلبہ بن عمرو بن عامر ۱۷۰،
ثعلبہ بن غنمہ بن عدی ۱۷۰، جابر بن عبداللہ بن رباب ۱۷۰،
جابر بن عتیک الانصاری المعاوی الاوسی رضؓ ۱۷۰، حارثہ بن سراقہ
[illegible] رافع رضؓ [illegible]

ربیع بن ایاس ۱۷۲، رفاعہ بن حارث بن رفاعہ رضؓ ۱۷۲،
رفاعہ بن رافع رضؓ ۱۷۲، ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر الانصاری رضؓ
۱۷۲، رفاعہ بن عمرو بن زید الخزرجی ۱۷۲، رفاعہ بن عمرو الجہنی ۱۷۲، زید بن اسلم بن ثعلبہ
بن عدی العجلانی رضؓ ۱۷۳، زید بن وثنہ الانصاری البیاضی رضؓ
۱۷۳، زید بن سہل الانصاری ۱۷۳، زید بن عاصم المازنی
الانصاری ۱۷۳، زید بن المزین الانصاری البیاضی ۱۷۳،
زید بن ودلیعہ الانصاری رضؓ ۱۷۴، زیاد بن لبید بن ثعلبہ انصاری
البیاضی ۱۷۴، سالم بن عمیر الانصاری رضؓ ۱۷۴، سبیع بن قیس
بن عیشہ الانصاری الخزرجی ۱۷۴، سراقہ بن عمرو بن عطیہ الانصاری
۱۷۴، سفیان بن بشر بن حارث الانصاری الخزرجی ۱۷۴،
سراقہ بن کعب الانصاری رضؓ سعد بن خولی الانصاری
رضی اللہ عنہ سعد بن خثیمہ الانصـــاری
الاوسی رضؓ ۱۷۵، سعد بن ربیع الانصاری الخزرجی ۱۷۵، سعد
بن زید زرقی الانصاری ۱۷۵، سعد بن سہل الانصاری
۱۷۵، سعد بن عبید الانصاری الاوسی رضؓ ۱۷۵، سعد مولیٰ عتبہ
بن غزوان رضؓ ۱۷۶، سعد بن عثمان بن خلدہ الانصاری الزرقی
۱۷۶، سعد بن معاذ الانصاری سید الاوس رضؓ ۱۷۶، سعید بن سہیل
الانصاری الاشہلی رضؓ ۱۷۷، سفیان بن بشیر ۱۷۷، سلمہ بن
اسلم الانصاری الحارثی رضؓ ۱۷۷، سلمہ بن ثابت بن وقش الانصاری
الاشہلی ۱۷۷، سلمہ بن حاطب انصاری ۱۷۷، سلمہ بن سلامت
بن وقش ۱۷۷، سلیط بن قیس الانصاری ۱۷۷، سلیم بن حارث
الانصاری رضؓ ۱۷۸، سلیم بن قیس بن فہد الانصاری رضؓ ۱۷۸، سلیم
بن عمرو الانصاری السلمی رضؓ ۱۷۸، سلیم بن ملحان الانصاری ۱۷۸،
سماک بن خرشتہ الانصاری رضؓ ۱۷۸، سماک بن سعد الانصاری رضؓ ۱۷۸،
سنان بن ابی سنان رضؓ ۱۷۹، سنان بن صیفی رضؓ ۱۷۹، سہل بن حنیف
الانصاری الاوسی رضؓ ۱۷۹، سہل بن عتیک الانصاری ۱۷۹، سہل
بن قیس الانصاری السلمی رضؓ ۱۷۹، سہیل بن عمرو بن ابی عمرو الانصاری
۱۸۰، سہیل بن رافع الانصاری رضؓ ۱۸۰، سواد بن غزیہ الانصاری

السلمی رضؓ ۱۸۰، ضحاک بن حارثہ الانصاری السلمی رضؓ ۱۸۰، ضحاک بن عبد
عمرو الانصاری ۱۸۰، حمــــزہ بن عمرو الانصاری
۱۸۰، طفیل بن مالک الانصاری السلمی رضؓ ۱۸۰، عاصم
بن بکیر الانصاری ۱۸۱، عاصم بن ثابت الانصاری الاوسی رضؓ ۱۸۱،
عاصم بن قیس بن ثابت رضؓ ۱۸۱، عامر بن امیہ رضؓ ۱۸۱، عامر بن ثابت
انصاری رضؓ ۱۸۱، عامر بن سلمہ بن عامر البلوی رضؓ ۱۸۲، عامر بن عبد
عمرو الانصاری رضؓ ۱۸۲، عامر بن مخلد بن الحارث الانصاری ۱۸۲،
عائذ بن ماعص انصاری رضؓ ۱۸۲، عبداللہ بن ثعلبہ البلوی الانصاری
۱۸۲، عبداللہ بن جبیر بن النعمان انصاری رضؓ ۱۸۲، عبداللہ بن الجد رضؓ
۱۸۲، عبداللہ بن الحمیر الاشجعی رضؓ ۱۸۲، عبداللہ بن ربیع بن قیس انصاری
الخزرجی ۱۸۲، عبداللہ بن رواحہ الانصاری الخزرجی رضؓ ۱۸۲، عبداللہ
بن زید بن ثعلبہ بن عبداللہ الانصاری الحارثی رضؓ ۱۸۴، عبداللہ بن
سعد بن خیثمہ الانصاری الاوسی رضؓ ۱۸۴، عبداللہ بن سلمۃ العجلانی
البلوی الانصاری رضؓ ۱۸۴، عبداللہ بن سہل الانصاری رضؓ ۱۸۴،
عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک البلوی الانصاری رضؓ ۱۸۵، عبداللہ
بن عامر البلوی الانصاری رضؓ ۱۸۵، عبداللہ بن عبد مناف الانصاری رضؓ
۱۸۵، عبداللہ بن عبس الانصاری رضؓ ۱۸۵، عبداللہ بن عبس
الانصاری رضؓ ۱۸۵، عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول الانصاری
الخزرجی رضؓ ۱۸۵، عبداللہ بن عرفطہ الانصاری ۱۸۶، عبداللہ
بن عمرو بن حرام انصاری رضؓ ۱۸۶، عبداللہ بن عمیر بن عدی
انصاری الخزرجی ۱۸۶، عبداللہ بن قیس الانصاری رضؓ ۱۸۷،
عبداللہ بن کعب انصاری المازنی رضؓ ۱۸۷، عبداللہ بن نعمان
بن بلذمہ الانصاری رضؓ ۱۸۷، عبدالرحمٰن بن جبر الانصاری رضؓ ۱۸۷،
عبدالرحمٰن بن عبداللہ البلوی انصاری ۱۸۷، عبدالرحمٰن بن
کعب المازنی الانصاری رضؓ ۱۸۷، عبداللہ بن عتیک الانصاری
الساعدی رضؓ ۱۸۸، عباد بن بشر بن وقش الانصاری الاشہلی رضؓ ۱۸۸،
عباد بن الخشخاش بن عمرو انصاری ۱۸۸، عباد بن عبید بن
التیہان رضؓ ۱۸۹، عباد بن قیس رضؓ ۱۸۹، عباد بن قیس الانصاری رضؓ

۱۸۹، عبادہ بن الصامت الانصاری السالمیؓ ۱۸۹، عبادہ
بن قیس الانصاریؓ ۱۸۹، عبید بن ابو عبید الانصاریؓ ۱۸۹،
عبید بن اوس الانصاری الخضریؓ ۱۸۹، عبید بن تیہان
الانصاریؓ ۱۹۰، عبید بن زید الانصاری الزرقیؓ ۱۹۰، عبس بن عامر
الانصاریؓ ۱۹۰، عتبہ بن ربیعہ البہرانی الانصاری ۱۹۰، عتبہ
بن عبداللہ بن صخر بن خنسار الانصاریؓ ۱۹۰، عتبہ بن غزوان
بن جابر المازنیؓ عتبان بن مالک الانصاری السلمیؓ ۱۹۰،
عدی بن الزغباء الجہنی الانصاری ۱۹۰، عصمت الانصاریؓ
۱۹۱، عصمت بن الحصین الانصاریؓ ۱۹۱، عصیمۃ الاسدیؓ
۱۹۱، عصیمۃ الاشجعیؓ ۱۹۱، عطیہ بن نویرہؓ ۱۹۱، عقبہ بن
عامر الانصاری الخزرجی السلمیؓ ۱۹۱، عقبہ بن ربیعہ الانصاریؓ
۱۹۱، عقبہ بن عثمان بن خلدہؓ بن مخلد بن عامر بن رزیق الانصاریؓ
۱۹۱، عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ابو مسعود الانصاریؓ ۱۹۲، عقبہ
بن وہب بن کلدۃ الغطفانیؓ ۱۹۲، علیفہ بن عدی بن عمرو
الانصاری البیاضیؓ ۱۹۲، عمرو بن ایاس بن زید الیمنی الانصاریؓ
۱۹۲، عمرو بن ثعلبہ بن وہب الانصاری ۱۹۲، عمرو بن الجموح الانصاری
السلمیؓ ۱۹۰، عمرو بن عثمہ بن عدی الانصاری الخزرجیؓ ۱۹۳
عمرو بن عوف الانصاریؓ ۱۹۳، عمرو بن غزیہ بن عمرو الانصاری
المازنیؓ ۱۹۳، عمرو بن قیس بن زید الانصاری النجاری ۱۹۳،
عمرو بن معاذ بن النعمان الانصاری الاشہلیؓ ۱۹۳، عمارہ بن حزم
الانصاری الخزرجیؓ ۱۹۳، عمرو بن معبد ۱۹۳، عمیر بن عامر بن مالک
الانصاری المازنی ۱۹۴، عمیر بن حارث بن ثعلبہ الانصاری ۱۹۴،
عمیر بن حرام بن عمرو بن الجموح الانصاری السلمیؓ ۱۹۴، عمیر بن
معبد بن ازعر الانصاریؓ ۱۹۴، عمیر الانصاریؓ ۱۹۴، عمار بن
زیاد بن سکن الانصاریؓ ۱۹۴، عنترہ السلمی ثم ذکوانیؓ ۱۹۵، عوف
بن عفراء الانصاریؓ ۱۹۵، عویم بن ساعدہ بن عائشؓ ۱۹۵،
عویم بن اشقر بن عوف الانصاری ۱۹۵، غنامؓ ۱۹۵، فروہ

بن عمرو الانصاریؓ ۱۹۵، فاکہہ بن بشیر الانصاری الزرقیؓ
قتادہ بن نعمان بن زید الانصاری المظفری ۱۹۵، قطبہ بن عامر
بن حدیدۃ الانصاری الخزرجیؓ ۱۹۶، قیس بن السکن الانصاری
الخزرجیؓ ۱۹۶، قیس بن عمرو بن سہل الانصاری المدنیؓ ۱۹۶،
قیس بن محصن بن خالد بن مخلد الانصاری الزرقیؓ ۱۹۶، قیس
بن مخلد الانصاری المازنیؓ ۱۹۶، قیس بن ابی صعصعہ الانصاری
المازنیؓ ۱۹۷، کعب بن جماز الانصاریؓ ۱۹۷، کعب بن
زید الانصاریؓ ۱۹۷، کعب بن عمرو بن عباد الانصاری السلمیؓ
۱۹۷، مالک بن تیہان ۱۹۷، مالک بن دخشم الانصاریؓ ۱۹۷،
مالک بن رافع بن مالک الانصاری ۱۹۸، مالک بن ربیعہ الانصاری
الساعدیؓ ۱۹۸، مالک بن قدامہ الانصاری الاوسیؓ ۱۹۸،
مالک بن مسعود بن البلدان الانصاری الساعدیؓ ۱۹۸، مالک
بن نمیلہ مزنی الانصاریؓ ۱۹۸، مبشر بن عبدالمنذر الانصاریؓ ۱۹۸،
المجذر بن زیاد البلوی الانصاری ۱۹۸، محرز بن عامر بن مالک
الانصاریؓ ۱۹۹، محمد بن مسلمہ الانصاری الحارثی ۱۹۹، مرارہ بن
ربیعہ العمری الانصاریؓ ۱۹۹، مسعود بن اوس بن زید الانصاریؓ
۱۹۹، مسعود بن خلدہ بن عامر بن زریق الانصاری الزرقیؓ
۱۹۹، مسعود بن ربیع القاریؓ ۲۰۰، مسعود بن سعدؓ ۲۰۰، مسعود بن
عبد سود الانصاری ۲۰۰، امام العلماء معاذ بن جبل الانصاری
الخزرجیؓ ۲۰۰، معاذ بن عفراء الانصاری ۲۰۱، معاذ بن عمرو بن
الجموح الانصاری السلمیؓ ۲۰۲، معاذ بن ماعص الانصاری الزرقی
۲۰۲، معبد بن عبادہ الانصاری السالمیؓ ۲۰۲، معد بن قیس
بن صخر الانصاریؓ ۲۰۲، معبد بن وہب العبدی بن عبدالقیسؓ ۲۰۲،
معتب بن بشیر بن ملیل الانصاریؓ ۲۰۲، معتب بن عبید بن ایاس البلوی الانصاریؓ
۲۰۲، معقل بن منذر بن سرح الانصاری ۲۰۲، معمر بن حارث
القرشی الجمحی ۲۰۳، معن بن عدی بن جد بن عجلان بن ضبیعۃ
البلوی الانصاریؓ ۲۰۳، معن بن یزید بن اخنس بن خباب

۳۸، مولانا بحر العلوم ۳۸، ملا کیندہ ۳۹، ملا سید ۳۹، مولانا عبدالرزاق
۴۰، مولانا عبدالعلیم ۴۱، مولانا محمد نعیم صاحب ۴۱، مولانا عبدالحیٔ
۴۱، مولانا عبدالباری صاحب مرحوم ۴۲

سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں علم حدیث کی تاریخ (۶)
۴۲ — ۴۸ قاضی ابوسعید الکریم سمعانی (م ۵۶۲ھ) ۴۴،
رجاندھی ۴۵، منصوری ۴۵، دیبل ۴۶، لاہور ۴۷، ہندی ۴۸

سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں کتب حدیث کی نایابی (۶) ۴۹ — ۵۲
عہد محمد تغلق المتوفیٰ ۷۵۲ھ میں مشارق الانوار کا وجود ۴۹،
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی خدمات ۴۹، سلاطین تیموریہ کے
کتب خانے ۵۰، بنگال میں کتب حدیث کی صورتحال ۵۰،
ہندوستان میں شمائل ترمذی کا نسخہ ۵۰، عرب سے ہندوستان
میں کتب احادیث کی آمد ۵۱

ش

شاکر علیمی: اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات (۱۰)
۶۴ — ۹۲ نعتیہ شاعری کی ابتداء ۶۴، حضرت حسان بن
ثابتؓ اور کعب بن زہیرؓ کے چند اشعار ۶۵، فارسی شاعری
پر قرآن و حدیث کے اثرات ۶۸، اردو کی نعتیہ شاعری پر
قرآن و حدیث کے اثرات ۷۰، غلام امام شہید کی نعت گوئی
۷۱، محمد قلی قطب شاہ معانی ۷۲، مولانا نصرتی ۷۳، عاصی
۷۳، ولی دکھنی ۷۴، مفتی غلام سرور لاہوری ۷۶، مومن خاں
مومن ۷۷، نظیر اکبرآبادی ۷۸، محسن کاکوروی ۸۰، امیر مینائی
۸۲، مولانا حالی ۸۴، امجد حیدرآبادی ۸۶، مولانا احمد رضا خاں
۸۸، مولانا ظفر علی خاں ۹۰

الشامان، محمد سوئیلم: سیرت کی چھیالیس مطبوعہ اور قلمی کتابیں ترجمہ
از انجم اصلاحی (۹) ۸۴ — ۱۰۸ ۱ کتاب المغازی مؤلفہ واقدی ۸۴،
فتوح الشام کے ترجمے ۸۵، سیرت ابن ہشام کا ترکی ترجمہ ۸۶،
مختصر سیرۃ رسولؐ مؤلفہ ابوالحسین احمد فارس بن زکریا قزوینی
(م ۳۹۵ھ) ۸۶، وسیلۃ المتعبدین فی سیرۃ سید المرسلین مؤلفہ عمر
بن محمد بن خضر اردبیلی (م ۵۷۰ھ) ۸۷، سیرۃ النبی مؤلفہ ابوالبرکات
سعد اللہ بن الحسین بن ابی تمام التکریتی ۸۷، کتاب اللوامع
المنیرۃ فی جوامع السیرۃ مؤلفہ عمر بن عیسیٰ بن درباس الہمدانی
المازانی (م ۶۰۲ھ) ۸۸، کتاب نخبۃ السیرۃ فی اختصار السیرۃ
مؤلفہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن حسن بن الفرات (م بعد
۶۸۳ھ) ۸۸، الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ مؤلفہ
علاء الدین علی بن ابی الحزم القرشی المعروف بابن النفیس (م
۶۸۷ھ) ۸۹، السیرۃ النبویۃ مؤلفہ ابوالحسن احمد بن عبداللہ
البکری البصری الواعظ (م بعد ۶۹۴ھ) ۸۹، مختصر السیرۃ
النبویۃ مؤلفہ احمد بن عبداللہ محمد محب الدین طبری (م ۶۹۴ھ)
۹۰، الذروۃ العلیا فی سیرۃ المصطفیٰ
مؤلفہ ظہیر الدین علی بن محمد کازرونی (م ۶۹۷ھ)
۹۰، کتاب الشجرۃ فی ذکر نسب (فی سیرۃ) النبیؐ و اصحابہ العشرۃ
مؤلفہ عز الدین عبدالعزیز بن احمد بن سعید الدیری الدیرینی
(م ۶۹۷ھ) ۹۱، مختصر سیرۃ ابن ہشام مؤلفہ احمد بن ابراہیم
بن عبدالرحمٰن واسطی (م ۷۱۱ھ) ۹۱، المورد العذب الہنی فی
شرح السیرۃ للحافظ عبدالغنی مؤلفہ عبدالکریم بن عبدالنور بن
منیر حلبی (م ۷۳۵ھ) ۹۲، الجوہر الثمین من منتخب سیر الامین
مؤلفہ شہاب الدین احمد بن بیلیک المحسنی (م ۷۵۳ھ) ۹۲،
المنتقیٰ فی مولد المصطفیٰ مؤلفہ سعد الدین محمد بن مسعود گازرونی
(م ۷۵۸ھ) ۹۲، مختصر سیرۃ النبی / یا المختصر الصغیر فی سیرۃ
البشیر النذیر مؤلفہ ابوعمر عز الدین عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم
بن جماعہ کنانی (م ۷۶۷ھ) ۹۲، الفصول فی اختصار سیرۃ
الرسول مؤلفہ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (م ۷۷۴ھ)
۹۳، منتخب اللبیب فی سیرۃ الحبیب مؤلفہ شمس الدین
محمد بن احمد بن محمد بن احمد باعونی (م ۷۷۶ھ) ۹۳، المنتقیٰ

من سیرۃ المصطفیٰ مؤلفہ بدرالدین بن الحسن بن عمر بن حبیب حلبی (م ۷۷۹ھ) ۹۴، فتح القریب فی سیرۃ الحبیب مؤلفہ فتح الدین محمد بن ابراھیم بن محمد الشہید النابلسی (م ۷۹۳ھ) ۹۴، الدرر السنیۃ فی السیرۃ الزکیۃ مؤلفہ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن عراقی (م ۸۰۶ھ) ۹۴، شرح نظم السیرۃ النبویۃ / یا شرح الدرر فی ھجرۃ سید البشر / یا الدرر الصفویۃ فی الہجرۃ النبویۃ مؤلفہ شہاب الدین احمد بن عماد الدین اقفہسی (م ۸۰۸ھ) ۹۵ المنظومۃ الحلبیۃ فی سیرۃ، مؤلفہ ابوالولید محمد بن محمد بن محمود بن الشحنۃ زین الدین حلبی (م ۸۱۵) ۹۵ نور النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس مؤلفہ برہان الدین ابراہیم بن محمد بن خلیل حلبی سبط ابن العجمی (م ۸۴۱ھ) ۹۵، جوامع الاخبار النبویۃ ولوامع الانوار المصطفویۃ مؤلفہ محمد بن ابراہیم (م ۸۴۳ھ) ۹۵، الاخبار المرویۃ فی سیرۃ خیر البریۃ، مصنف نامعلوم ۹۶، طیب الانفاس بمختصر سیرۃ ابن سید الناس مؤلفہ محمد بن عبداللطیف بن احمد اقصری محلی (م ۸۷۲ھ) ۹۷، مختصر سیرۃ الرسول وثلاثۃ من الخلفاء والراشدین مؤلفہ برہان الدین ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط بقاعی (م ۸۸۵ھ) ۹۸، بہجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل فی تلخیص السیر والمعجزات والشمائل مؤلفہ ابوزکریا عماد الدین یحیٰی بن ابی بکر عامری (م ۸۹۳ھ) ۹۸، غایۃ المسئول فی سیرۃ الرسول مؤلفہ عبدالباسط بن خلیل بن شاہین الملاطی بن الوزیر (م ۹۲۰ھ) ۹۸، الالمام بالمروض و سیرۃ ابن ہشام الملقب بجلاء الافکار لسیرۃ المختار مؤلفہ ابوالفتح محمد بن ابراہیم بن محمد بن مقبل م (۹۲۷ھ) ۹۸ الفتوحات السبحانیہ فی شرح نظم الدرر السنیہ للعراقی، مؤلفہ عبدالرؤف مناوی (م ۱۰۳۱ھ) ۹۹، خلاصۃ الاخبار فی احوال النبی المختار مؤلفہ عزیز محمود الاسکداری المعروف بہدائی (م ۱۰۲۸ھ) ۹۹، السیرۃ الحلبیہ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون مؤلفہ ابوالفرج علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن نورالدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ) ۱۰۰، الدرۃ المنیفۃ فی سیرۃ النبویۃ الشریفۃ ۱۰۱، السیرۃ النبویۃ مؤلفہ محمد بن بسطام بن رستم بن قنبر الحسینی الخوشانی (م ۱۰۹۶ھ) ۱۰۲، اتحاف البریۃ بتحقیق السیرۃ الحلبیہ مؤلفہ تاج الدین موفق قالبسی شافعی، (م بعد ۱۱۵۵ھ) ۱۰۲، الاخبار المرضیۃ فی سیرۃ خیر البریۃ مؤلفہ احمد بن احمد حاتمی فیومی ۱۰۳، اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ وفضائل اہل بیت الطاہرینؓ مؤلفہ ابوالوفا محمد بن علی الصبان (م ۱۲۰۶ھ) ۱۰۳، تحفۃ الطریقۃ فی بیان السیرۃ الشریفۃ مؤلفہ علاء الدین ابوالحسن علی بن سینی (؟) ۱۰۳، کشف الحجاب فی سیرۃ النبی المجتبیٰ والاصحاب مؤلفہ احمد بن سلیمان بن عثمان خالدی نقش بندی اردادی (م تقریباً ۱۲۷۵) ۱۰۴، تحفۃ العالم فی اخبار سید ولد آدم مؤلفہ عبدالقادر بن مصطفیٰ بن سعید: الحسنی (؟) ۱۰۴، سیرت پر ایک منظوم کتاب (؟) ۱۰۵، سیرت پر ایک کتاب (؟) ۱۰۵، حواشی وتعلیقات ۱۰۵

شاہ ولی اللہ دہلوی دیکھئے ولی اللہ دہلوی، شاہ

شبلی نعمانی: عہد فاروقیؓ میں تمدنی ترقی (۹) ۶۶۴ — ۶۹۵

ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع ۶۶۸، حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے ۶۶۸، نوشیروانی عہد کے صوبے ۶۶۹، صوبوں کے افسر ۶۶۹، حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی ۶۷۰، عامل ۶۷۱، عمالان فاروقی کی فہرست ۶۷۱، صیغۂ محاصل ۶۷۲، خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا ۶۷۲، حضرت عمرؓ کا استدلال ۶۷۳، عراق کا بندوبست ۶۷۳، افسران بندوبست ۶۷۴، عراق کا کل رقبہ ۶۷۴، عراق کا خراج ۶۷۴، زمیندار اور تعلقدار ۶۷۴، پیداوار اور آمدنی میں ترقی ۶۷۵، ہر سال مالگذاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا ۶۷۵، خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا ۶۷۵، مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مالگذاری ۶۷۵، رومیوں کا اضافہ، حضرت عمرؓ نے قدیم زمانے کی اصلاح کی ۶۷۶، مصر میں وصول مالگذاری کا طریقہ ۶۷۶، مصر کا کل خراج ۶۷۷، مصر کا خراج بنو امیہ

ض

ظ

ع

مناظر احسن گیلانی، سید: تدوین حدیث (۶) ۵۲ – ۱۹۱
موضوع بحث کی تشریح ۵۳، حدیث کی حقیقت ۵۴، عام تاریخ اور فن حدیث ۵۴، حدیث کی درسی تعریف ۵۶، عام تاریخی ذخیروں سے حدیث کے امتیازات ۵۷، تدوین حدیث کے قدرتی عوامل ۶۴، حدیث کے ابتدائی راویوں کی تعداد ۷۰، کثرت تعداد کا روایتوں کی وثاقت پر اثر ۷۱، صحابہ کرام حدیث کے زندہ نسخے تھے ۸۱، حدیث کا بہت بڑا حصہ متواتر ہے ۸۳، قرآن کی طرح حدیث کے بھی حفظ کا اہتمام تھا ۸۴، تقریباً سارے محدثین بے مزد خدمت حدیث میں مشغول رہے ۸۶، احتیاط کا حال ۸۹، محدثین کے زہد و تقوی کی چند مثالیں ۹۴، حفظ اور کتابت ۱۰۱، کتابت حدیث کی روایات و دلائل ۱۰۸، حکم تحریر حدیث اور عصمت نبویؐ ۱۱۳، حجیت حدیث کے چند قرآنی دلائل ۱۱۷، تاریخ تدوین حدیث ۱۱۸، آنحضرتؐ کے دور میں تدوین حدیث ۱۱۸، آنحضرتؐ سے روایت کرنے والوں کی تعداد ۱۲۴، عہد صدیقی اور تدوین حدیث ۱۲۵، حضرت ابوبکرؓ نے پانسو حدیثیں قلمبند کیں ۱۲۵، تحقیق حدیث کے لئے اصول شہادت کی بنیاد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رکھی ۱۲۷، تدوین حدیث کی تاریخ میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک اور اہم خدمت ۱۳۲، حدیث سے متعلق عہد صدیقی کا ایک اہم وثیقہ اور اس پر مبسوط گفتگو ۱۴۵، عہد فاروقی اور تدوین حدیث ۱۶۲، حضرت عمرؓ کی روایات کی تعداد ۱۶۳، تدوین حدیث کا خیال، لیکن پھر بربنائے مصلحت تامل ۱۶۶، عہد مرتضوی اور تدوین حدیث ۱۸۱

منصور، فیض اللہ: رسولؐ اللہ کے فیصلے (۷) ۴۸۲ – ۵۹۹
باب الدیات والقصاص ۴۸۲، حضور سید الکونینؐ کے فیصلے ۴۸۲، حدود ۴۹۶، (ا) زنا سے متعلق فیصلے ۴۹۶، قذف لعان اور ظہار ۵۰۷، جناب سید الکونین کے فیصلے ۵۰۸، (ا) قذف ۵۰۸، (ب) لعان ۵۱۰، (ج) ظہار ۵۱۶، باب الحدود (جاری): شراب پینے، بنانے سے متعلق فیصلے/چوری (سرقہ) ۵۱۸، شراب کے لئے حدود ۵۱۸، باب السرقہ (چوری) ۵۲۲، باب الجہاد ۵۲۷، جناب سید الکونینؐ اور یہود مدینہ ۵۲۸، بنو قینقاع ۵۲۹، بنونضیر ۵۳۰، غزوۂ خندق (ا) بنی غطفان (ب) بنو قریظہ ۵۳۲، غزوۂ خیبر ۵۳۷، فتح مکہ ۵۳۹، جاسوس کی سزا کا فیصلہ ۵۴۲، سفراء ۵۴۲، اہل کتاب اور جزیہ ۵۴۳، ابواب النکاح والطلاق ۵۴۴، باب النکاح ۵۴۴، نکاح شغار ۵۵۲، باب الطلاق ۵۵۵، ایلاء ۵۵۸، ابواب الفرائض والاحکام و متفرقات و میراث ۵۶۱، ارشاد باری تعالیٰ ۵۶۱، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۵۶۲، متفرقات ۵۷۳، لقطہ (گری پڑی چیز) ۵۷۹، احکام ۵۸۰، مزارعت ۵۸۳، باب البیوع ۵۸۶، بیع نامہ ۵۸۶، کتابیات ۵۹۹

منصور، فیض اللہ: مکالمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۷) ۷ – ۱۳۳
عالمی ادب میں مکالمات ۷، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات کی خوبیاں ۸، آپؐ کے کلام کی خوبیاں ۹، آپؐ کے مکالمات کی حفاظت ۱۰، رسولؐ خدا کا انداز گفتگو ۱۱، مکالمات نبویؐ کی تاثیر ۱۵، حقیقت وحی ۱۷، بعثت نبویؐ ۱۷، تخلیق اول ۱۹، اپنے خاندان کے لوگوں کو دعوت ۲۰، قبائل قریش کو دعوت ۲۰، عمرو بن عبسہ ۲۱، قریش کا ردعمل، ترغیب و تحریص کے ہتھکنڈے اور ناکامی ۲۴، مکالمۂ ابوجہل ۲۷، ضماد کا اسلام ۲۸، عبداللہ بن سلام کا اسلام ۲۹، سفر طائف ۳۰، ہجرت مدینہ ۳۲، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان مکالمات ۳۳، غزوہ بدر الکبریٰ ۳۴، اسیران بدر ۳۹، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ۴۰،

مکالمات بسلسلہ صلح حدیبیہ (فتح مبین) ۴۶، ابوبصیر صاحب
حبس (بسلسلہ حدیبیہ) ۴۷، مکالمات بسلسلہ غزوہ فتح
(فتح مکہ) ۴۹، حاطب بن ابی بلتعہ ۴۹، ابوسفیان
(سے مکالمہ) ۵۱، عثمان بن طلحہ ۵۳، عکرمہ کا معاملہ ۵۶،
غزوۂ حنین و طائف ۵۷، وفد بنی ہوازن ۶۰، بی بی شیما،
۶۲، عام الوفود ۶۳، ضمام بن ثعلبہ ۶۳، وفد عبدالقیس ۶۵،
عدی بن حاتم طائی ۶۷، ثمامہ بن اثال ۶۹، ابورزین عقیلی ۷۱،
ابن المنتفق ۷۲، معاویہ بن حیدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی بات چیت ۷۲، سوید ازدی کا وفد ۷۳، وفد کندہ ۷۵،
وفد اشعریین ۷۵، وفد بنو حارث ۷۶، وفد بنو ثقیف ۷۶،
مکالمہ جبرئیل علیہ السلام ۷۹، فتنوں کا ظہور اور ان سے بچنے
کی تدابیر ۸۱، قصاص ۸۲، بیعت آخر ۸۳، صحف بنی اسرائیل
۸۳، اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبت ۸۳، ایک فیصلہ
۸۴، بغیر عمل کے علم بے معنی چیز ہے ۸۵، آسان احتساب
۸۶، بیعت عمرو بن العاص ۸۶، پند و نصائح ۸۶، کبیرہ گناہ ۸۷،
اسلام و ایمان ۸۸، حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے ایک گفتگو
۸۹، قابل تعجب ایمان ۹۰، ایمان کی حقیقت ۹۱، شرم و حیا
۹۱، پند و نصائح ۹۱، رسالت مآبؐ مقام تشریع میں ۹۲،
گناہِ عظیم ۹۲، اللہ کا حق ۹۳، قیامت کی علامات ۹۴،
افضل عمل ۹۴، جہاد فی سبیل اللہ ۹۵، بہترین اسلام ۹۵،
مسلم اور مومن ۹۵، مقامات انبیاءؑ کی نشاندہی ۹۶، اعمالِ
حسنہ ۹۷، حقیقت صدقہ ۹۷، پسندیدہ صفات ۹۸، اعمالِ
جنت ۹۸، محبوب و مردود بندے ۹۹، ایک وصیت
(حضرت ابوذر غفاری رضؓ) ۱۰۰، ایک جامع مکالمہ ۱۰۱، اسوۂ حسنہ
۱۰۲، ایک خاص واقعہ ۱۰۲، خیرات ۱۰۳، حکومت کے طلبگار
۱۰۳، قیامت میں رفیق ۱۰۴، طوالت نماز ۱۰۴، حضرت علی
حیدر اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مکالمہ ۱۰۴،
یہود سے گفتگو ۱۰۵، تعلیمات ۱۰۶، صدقات، محنت کی کمائی
۱۰۶، انفاق اور توکل ۱۰۷، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر اور
نہ کرنے کا خسارہ ۱۰۷، بہتر صدقہ ۱۰۸، مکالمہ ۱۰۸، اہلِ قرابت
اور صدقہ ۱۰۸، مرنے والوں کی طرف سے صدقہ ۱۰۹، رمضان
کا چاند (شہادت) ۱۰۹، روزے کا کفارہ ۱۱۰، نفلی روزے
۱۱۰، یوم عاشورہ کا روزہ ۱۱۲، حضرت عائشہ صدیقہ اور سرورِ
کائنات کے درمیان گفتگو ۱۱۳، احرام ۱۱۳، یوم النحر کی گفتگو
۱۱۳، قربانی ۱۱۴، حرم پاک کی حرمت ۱۱۵، طہارت سے غفلت
۱۱۵، حضرت ابوایوب انصاری رضؓ، حضرت جابر رضؓ اور حضرت
انس رضؓ بیان فرماتے ہیں ۱۱۶، وضو — ایک مکالمہ ۱۱۷، ایک اعرابی
(کے ساتھ مکالمہ) ۱۱۷، حضرت بلال رضؓ اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ
علیہ وسلم کے درمیان مکالمہ ۱۱۸، حضور سرورِ عالمؐ کا غسل جنابت
۱۱۹، نماز ۱۱۹، عورتوں کی نماز کا حکم ۱۲۰، نماز باجماعت ۱۲۰،
صحیح نماز ۱۲۱، نماز میں مناسب قرآت ۱۲۲، درود شریف:
کعب بن عجرہ رضؓ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ کے درمیان مکالمہ
۱۲۲، جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود، اور انبیاءؑ کے جسموں
کی حفاظت ۱۲۳، عیدین ۱۲۳، عید قربان ۱۲۳، میت پر گریہ زاری
۱۲۴، رحمت و شفقت ۱۲۴، تعزیت کا ایک خط ۱۲۵،
حضورؐ پر ایمان لانا۔ نجات کے لیے ضروری ہے ۱۲۵،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ۱۲۶، لا الٰہ الا اللہ ۱۲۶،
وساوس ۱۲۷، عذاب قبر — ایک تعلیمی مکالمہ ۱۲۸، حیات
بعد الموت ۱۲۹، رویائے باری تعالیٰ عز اسمہ ۱۲۹، زہد اور ترک
دنیا ۱۳۰، دنیاوی لذات کی حقیقت ۱۳۱، ایک اور موقع پر ۱۳۲،
جامع نصیحت ۱۳۳، کتابیات ۱۳۳ -

ن

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (اردو) (۱۰) ۳۸۹ — ۷۵۵
جن شعراء کا کلام اس میں شامل ہے ان کے نام یہ ہیں:
امیر مینائی لکھنوی (م ۱۹۰۰ء) ۳۸۹، اسماعیل میرٹھی
(م ۱۹۱۷ء) ۳۹۰، عبدالباری آسی (الدنی) لکھنوی
(م ۱۹۳۹ء) ۳۹۱، سید م شاہ وارثی (م ۱۹۴۴ء)
۳۹۲، حسرت موہانی (م ۱۹۵۱ء) ۳۹۳ بہزاد لکھنوی
(م ۱۹۵۵ء) ۳۹۴، اقبال سہیل (م ۱۹۵۵ء) ۳۹۵،
مولانا مناظر احسن گیلانی (م ۱۹۵۶ء) ۳۹۶، مولانا حامد
حسن قادری (م ۱۹۶۴ء) ۳۹۹، مولانا احمد رضا خان
بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء) ۴۰۱، یحییٰ اعظمی (م ۱۹۷۲ء)
۴۱۱، یوسف ظفر (م ۱۹۷۲ء) ۴۱۲، آغا شورش
کاشمیری (م ۱۹۷۵ء) ۴۱۳، نصر اللہ خاں عزیز
(م ۱۹۷۶ء) ۴۱۴، ماہر القادری (م ۱۹۷۸ء) ۴۱۵، حفیظ
جالندھری (م ۱۹۸۲ء) ۴۱۹، مرزا محمد رفیع سودا (م ۱۷۸۰ء)
۴۲۱، حکیم مومن خاں مومن دہلوی (م ۱۸۵۱ء) ۴۲۴، میر تجلی
دہلوی (م ۱۷۹۸ء) ۴۳۰، راسخ عظیم آبادی (م ۱۸۳۳ء) ۴۳۱،
ناسخ لکھنوی (م ۱۸۳۸ء) ۴۳۲، کرامت علی شہیدی (م ۱۸۴۰ء)
۴۳۳، بہادر شاہ ظفر (م ۱۸۶۲ء) ۴۳۴، خواجہ الطاف حسین
حالی (م ۱۹۱۴ء) ۴۳۵، امیر مینائی (م ۱۳۱۸ھ) ۴۳۸، مولانا
احمد رضا خاں بریلوی (۱۹۲۱ء) ۴۴۲، محمد ہادی عزیز لکھنوی
(م ۱۹۳۶ء) ۴۴۸، مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۸۸۰ء) ۴۵۰،
مولانا نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۹۴۸ء) ۴۵۳، محسن کاکوروی
(م ۱۹۰۵ء) ۴۵۵، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد (م ۱۹۴۰ء)
۴۶۴، اقبال سہیل (م ۱۹۵۵ء) ۴۶۶، جوش ملیح آبادی
(م ۱۹۸۲ء) ۴۷۰، حافظ مظہر الدین (م ۱۹۸۰ء) ۴۷۲،
ملا وجہی (۱۶۳۴ء) ۴۷۷، ملا نصرتی (م ۱۶۷۴ء) ۴۷۹،
محمد رفیق فصاحی (م در اندازاً ۱۷۰۸ء) ۴۸۱، امام دکنی (م اندازاً ۱۶۲۸ء)
۴۸۲، مختار (م ۱۷۵۹ء) ۴۸۳، سید شاہ سراج الدین سراج (م ۱۷۶۴ء)
۴۸۴، مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی (م ۱۸۳۱ء) ۴۸۵، سعادت
یار خاں رنگین (م ۱۸۳۵ء) ۴۸۶، صبا لکھنوی (م ۱۸۵۵ء)
۴۸۷، عبدالغفور نساخ عظیم آبادی (م ۱۸۸۸ء) ۴۸۸، شمس
العلماء ڈپٹی نذیر احمد (م ۱۹۱۲ء) ۴۸۹، شوق قدوائی (م ۱۹۲۵ء)
۴۹۱، سلیم احمد (م ۱۹۸۳ء) ۴۹۲، نظیر اکبر آبادی (م ۱۸۳۰ء)
۴۹۳، مولانا حالی (م ۱۹۱۴ء) ۴۹۵، شاد عظیم آبادی (م ۱۹۲۷ء)
۴۹۷، اکبر الہ آبادی (م ۱۹۲۱ء) ۴۹۹، میر انیس (م ۱۸۷۴ء)
۵۰۰، سراج لکھنوی (م ۱۹۶۸ء) ۵۰۲، جگر مراد آبادی (م ۱۹۶۰ء)
۵۰۳، نیاز فتحپوری (م ۱۹۶۶ء) ۵۰۴، جوش ملیح آبادی
(م ۱۹۸۲ء) ۵۰۷، احسان دانش (م ۱۹۸۲ء) ۵۰۹، سید
آلِ رضا (م ۱۹۷۸ء) ۵۱۱، مولانا الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴ء)
۵۱۳، مولانا شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) ۵۱۶، وحید الدین سلیم
(م ۱۹۲۸ء) ۵۱۸، علامہ اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) ۵۱۹، خوشی محمد
ناظر (م ۱۹۴۰ء) ۵۲۴، آغا حشر کاشمیری (م ۱۹۳۵ء) ۵۲۶،
مولانا عبدالباری معنی اجمیری ۵۳۰، علامہ تاجور نجیب آبادی
(م ۱۹۵۱ء) ۵۳۵، حکیم احمد شجاع ساحر (م ۱۹۶۹ء) ۵۳۷،
مجید امجد ۵۳۹، حفیظ جالندھری (م ۱۹۸۲ء) ۵۴۰، آفتاب
صحرا (نظم نعتیہ) از قاضی نذر الاسلام، ترجمہ از یونس احمر ۵۴۱،
ظہور نظر ۵۴۵، اطہر نفیس ۵۴۷، مومن خاں مومن دہلوی
(م ۱۸۵۱ء) ۵۴۸، علی اوسط رشک لکھنوی (م ۱۸۶۷ء)
۵۵۰، منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی سرگباشی (م ۱۹۱۰ء)
۵۵۱، عبدالمجید سالک (م ۱۹۵۹ء) ۵۵۲، بیان یزدانی
(م ۱۹۰۰ء) ۵۵۳، عظیم قریشی ۵۵۵، حکیم احمد شجاع ساحر
(م ۱۹۶۹ء) ۵۵۸، ناصر کاظمی (م ۱۹۷۲ء) ۵۵۹، آغا شورش

کاشمیری (م ۱۹۷۵ء) ۵۶۱، رباعیات وقطعات : خواجہ
میر درد ۵۶۳، محسن کاکوروی ۵۶۴، امیر مینائی ۵۶۴،
حسن بریلوی ۵۶۴، مولانا رضا بریلوی ۵۶۴، مرزا سلامت علی
دبیر لکھنوی ۵۶۴، مولانا حالی ۵۶۵، بیان میرٹھی ۵۶۵،
قمر جلالوی ۵۶۵، فراق گورکھپوری ۵۶۶، تلوک چند محروم
۵۶۶، بجشش عظیم آبادی (م ۱۷۷۲ء) ۵۶۷، نوازش
علی شیدا (م ۱۷۷۲ء) ۵۶۸، مولانا محمد باقر آگاہ
(م ۱۸۰۵ء) ۵۶۹، میر ضیاء الدین عبرت (م اندازاً
۱۸۱۶ء) ۵۷۰، آفتاب الدولہ قلق لکھنوی (م ۱۸۱۶ء)
۵۷۱، مولانا کفایت علی کافی (م ۱۸۵۸ء) ۵۷۲، غلام امام
شہید (م ۱۸۷۹ء) ۵۷۳، غلام امام شہید (م ۱۸۷۶ء)
۵۷۴، میرزا دبیر لکھنوی (م ۱۸۷۵ء) ۵۷۵، عبدالقادر
دنا (م ۱۸۸۵ء) ۵۷۷، واجد علی شاہ اختر (م ۱۸۸۷ء)
۵۷۸، مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی (م ۱۹۱۴ء) ۵۸۰،
سید محمد فخر الدین حسین سخن دہلوی ۵۸۲، محسن کاکوروی
(م ۱۳۲۳ھ) ۵۸۴، صفی لکھنوی (م ۱۹۵۰ء)
۵۹۴، میر محبوب علی لائق (م اندازاً ۱۹۸۱ء) ۵۹۵،
مولانا حسن رضا خان بریلوی (م ۱۹۰۸ء) ۵۹۶، آغا
حشر کاشمیری (م ۱۹۳۵ء) ۵۹۹، نفیس خلیلی ۶۰۱،
عبدالعزیز فطرت (م ۱۹۶۷ء) ۶۰۲، تاج الدین تاج عرفانی
۶۰۵، اُسید حیدر آبادی (م ۱۹۶۱ء) ۶۰۹، م حسن لطیفی
۶۱۱، وزیر الحسن عابدی (م ۱۹۷۹ء) ۶۱۶، ڈاکٹر
صفدر حسین صفدر (م ۱۹۸۰ء) ۶۱۹، عبداللہ خاور ۶۲۱،
راجہ محمد عبداللہ نیاز ۶۲۳، محمد علی قطب شاہ (م ۱۶۱۱ء)
۶۲۵، انعام اللہ خاں یقین (م ۱۷۵۶ء) ۶۲۶،
سراج اورنگ آبادی (م ۱۷۶۴ء) ۶۲۷، شاہ حاتم
(م ۱۷۹۲ء) ۶۲۸، قائم چاند پوری (م ۱۷۹۳ء) ۶۲۹،
میر مہدی بیدار (م ۱۷۹۴ء) ۶۳۰، شیخ قلندر بخش
جرأت (م ۱۸۱۰ء) ۶۳۱، معروف دہلوی (م ۱۸۲۶ء)
۶۳۲، مومن خان مومن دہلوی (م ۱۸۵۱ء) ۶۳۳، شاہ نصیر
دہلوی، سید علی (م ۱۸۵۱ء) ۶۳۴، ذوق دہلوی (م ۱۸۵۴ء)
۶۳۵، امانت لکھنوی (م ۱۸۵۸ء) ۶۳۶، ناظم رامپوری (م ۱۸۶۵ء)
۶۳۷، نسیم دہلوی (م ۱۸۶۵ء) ۶۳۸، شیفتہ دہلوی
(م ۱۸۶۹ء) ۶۳۹، مولوی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی
(م ۱۸۷۳ء) ۶۴۰، قربان علی بیگ سالک (م ۱۸۸۰ء)
۶۴۱، مولا بخش قلق (م ۱۸۸۰ء) ۶۴۲، اسیر لکھنوی
(م ۱۸۸۲ء) ۶۴۳، احمد حسین رسوا (م اندازاً ۱۸۸۲ء) ۶۴۴،
صابر دہلوی (م ۱۸۸۲ء) ۶۴۵، لطف بریلوی (م ۱۸۸۲ء)
۶۴۶، محمد اقبال خان حسین عاشق دہلوی (م دور ۱۸۸۳ء)
مولانا عصمت اللہ انسخ (م ۱۸۸۶ء) ۶۴۸، محمد شجاع الدین
(م دور ۱۸۸۶ء) ۶۴۹، حافظ حضور احمد خان آثم (دور
۱۸۸۶ء) ۶۵۰، فیض الحسن فیض سہارنپوری (م ۱۸۸۷ء)
۶۵۱، نواب کلب علی خاں نواب (م ۱۸۸۷ء) ۶۵۲، سرور
لاہوری (م ۱۸۹۰ء) ۶۵۳، مولانا امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی
(م ۱۸۹۲ء) ۶۵۴، سید محمد سلطان عاقل حیدر آبادی (م ۱۸۹۲ء)
۶۵۵، مولوی محمد حسین تمنا مراد آبادی (م ۱۸۹۷ء) ۶۵۶،
میر اعظم علی خاں شائق حیدر آبادی (م ۱۸۹۷ء) ۶۵۷، منشی
حسن عطا شوق (م ۱۹۰۰ء) ۶۵۸، امیر مینائی لکھنوی
(م ۱۹۰۰ء) ۶۵۹، زکی دہلوی (م ۱۹۰۳ء) ۶۶۰، مجروح
(م ۱۹۰۰ء) ۶۵۹، زکی دہلوی (م ۱۹۰۳ء)
۶۶۰، مجروح دہلوی (م ۱۹۰۳ء) ۶۶۱،
داغ دہلوی (م ۱۹۰۵ء) ۶۶۳، عالمگیر خان کیف
(م ۱۹۰۶ء) ۶۶۴، محمد آغا داؤد صحرا ابوالعلائی (م ۱۹۰۶ء)

۶۶۵، محسن بریلوی (م ۱۹۰۸ء) ۶۶۶، مولانا حسن
رضا خاں حسن بریلوی (م ۱۹۰۸ء) ۶۶۷، نسیم بھرت پوری
(م ۱۹۰۹ء) ۶۶۸، جلال لکھنوی (م ۱۹۰۹ء) ۶۶۹،
تسلیم لکھنوی (م ۱۹۱۱ء) ۶۷۰، مولوی محمد عمر جنجلا (م ۱۹۱۱ء)
۶۷۱، وفا رامپوری (م ۱۹۱۵ء) ۶۷۲، پیارے لال رونق
(م اندازاً ۱۹۱۵ء) ۶۷۳، آسی غازی پوری (م ۱۹۱۶ء)
۶۷۴، محمد مظفر الدین معلّی (م ۱۹۱۷ء) ۶۷۵، رعب انصاری
(م ۱۹۱۸ء) ۶۷۶، منشی شمس الدین امیر حمزہ (م ۱۹۱۹ء)
۶۷۷، مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء) ۶۷۸،
مولانا احمد خاں بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء) ۶۷۹، ممتاز جہاں
گنگوہی (م ۱۹۲۷ء) ۶۸۰، عزیز صفی پوری (م ۱۹۲۷ء)
۶۸۱، مولانا محمد علی جوہر (م ۱۹۳۰ء) ۶۸۲، فصاحت لکھنوی
(م ۱۹۳۰ء) ۶۸۳، قاضی محمد شوکت شوکت مراد آبادی
(م ۱۹۳۰ء) ۶۸۴، نیر زند طغرائی (م ۱۹۳۱ء) ۶۸۵،
چودھری دلورام کوثری (م ۱۹۳۱ء) ۶۸۶، بے نظیر شاہ
(م ۱۹۳۲ء) ۶۸۸، نظم طباطبائی (م ۱۹۳۳ء) ۶۸۹،
محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت (م اندازاً ۱۹۳۴ء) ۶۹۰،
ریاض خیر آبادی (م ۱۹۳۴ء) ۶۹۱، محمد ضمیر الحق قیس
آروی (م ۱۹۳۵ء) ۶۹۲، میرزا عزیز لکھنوی (م ۱۹۳۵ء)
۶۹۳، اصغر گونڈوی (م ۱۹۳۶ء) ۶۹۴، آغا شاعر
قزلباش (م ۱۹۴۰ء) ۶۹۵، سرکشن پرشاد شاد (م ۱۹۴۰ء)
۶۹۶، احسن مارہروی (م ۱۹۴۰ء) ۶۹۷، بیدم شاہ وارثی
(م ۱۹۴۴ء) ۶۹۸، مجذوب سہارنپوری (م ۱۹۴۴ء)
۶۹۹، مولانا سید حسن مرتضیٰ اشفق عماد پوری (م ۱۹۴۴ء)
۷۰۰، نواب بہادر یار جنگ خلق (م ۱۹۴۴ء) ۷۰۱،
سائل دہلوی (م ۱۹۴۵ء) ۷۰۲، جلیل مانک پوری
(م ۱۹۴۶ء) ۷۰۳، جلیل مانک پوری (م ۱۹۴۶ء)
۷۰۴، نظامی بدایونی (م ۱۹۴۷ء) ۷۰۵، اختر شیرانی
(م ۱۹۴۸ء) ۷۰۶، عزیز یار جنگ (م ۱۹۴۸ء) ۷۰۷، صفی
لکھنوی (م ۱۹۵۰ء) ۷۰۸، سیماب اکبر آبادی (م ۱۹۵۱ء)
۷۰۹، آرزو لکھنوی (م ۱۹۵۱ء) ۷۱۰، صوفی محمد اکبر خان اکبر
میرٹھی (م ۱۹۵۳ء) ۷۱۱، پنڈت کیفی وتاتریہ (م ۱۹۵۵ء)
۷۱۲، بے خود دہلوی (م ۱۹۵۵ء) ۷۱۳، وحشت کلکتوی (م ۱۹۵۶ء)
۷۱۴، مولانا ظفر علی خاں (م ۱۹۵۶ء) ۷۱۵، سردار عبدالرب
نشتر (م ۱۹۵۸ء) ۷۱۶، سید علی اختر حیدر آبادی (م ۱۹۵۸ء)
۷۱۷، ہری چند اختر (م ۱۹۵۸ء) ۷۱۸، محی الدین احمد ابوالکلام
آزاد (م ۱۹۵۸ء) ۷۱۹، دل شاہجہانپوری (م ۱۹۵۹ء)
۷۲۰، مولانا غلام محمد ترنم (م ۱۹۵۹ء) ۷۲۱، نوح ناروی
(م ۱۹۶۲ء) ۷۲۲، ہادی مچھلی شہری (م ۱۹۶۳ء) ۷۲۳،
شوکت تھانوی (م ۱۹۶۳ء) ۷۲۴، حاجی اصطفا خاں اصطفا
لکھنوی (م ۱۹۶۳ء) ۷۲۵، آنی جائسی (م ۱۹۶۳ء)
۷۲۶، اثر صہبائی (م ۱۹۶۳ء) ۷۲۷، زائر حرم
حمید صدیقی لکھنوی (م ۱۹۶۵ء) ۷۲۸، یحییٰ تنہا (م ۱۹۶۶ء)
۷۲۹، میر عثمان علی خان نظام دکن (م ۱۹۶۷ء) ۷۳۰،
عبدالعزیز فطرت (م ۱۹۶۷ء) ۷۳۱، میرزا جعفر علی اثر
لکھنوی (م ۱۹۶۷ء) ۷۳۲، استاد سید محمد حسین قمر جلالوی
(م ۱۹۶۸ء) ۷۳۳، شکیل بدایونی (م ۱۹۷۰ء) ۷۳۴،
اختر علی تلہری (م ۱۹۷۱ء) ۷۳۵، افقر موہانی (م ۱۹۷۱ء)
۷۳۶، روش صدیقی (م ۱۹۷۱ء) ۷۳۷، علامہ محی الدین تمنا
عمادی (م ۱۹۷۲ء) ۷۳۸، سراج الدین ظفر (م ۱۹۷۲ء)
۷۳۹، ابر احسنی گنوری (م ۱۹۷۳ء) ۷۴۰، حفیظ ہوشیارپوری
(م ۱۹۷۳ء) ۷۴۱، بہزاد لکھنوی (م ۱۹۷۴ء) ۷۴۲،
یوسف جمال انصاری (م ۱۹۷۵ء) ۷۴۳، محوی صدیقی

لکھنوی (م ۱۹۷۵ء) ۷۴۳، نجم آفندی (م ۱۹۷۵ء) ۷۴۵،
شفیق کوٹی (م ۱۹۷۶ء) ۷۴۶، ماہر القادری (م ۱۹۷۸ء)
۷۴۷، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (م ۱۹۷۸ء) ۷۴۸، پروفیسر
محمد طاہر فاروقی (م ۱۹۷۸ء) ۷۴۹، عرش ملسیانی (م ۱۹۷۹ء)
۷۵۰، جمیل مظہری (م ۱۹۸۰ء) ۷۵۱، حافظ مظہر الدین (م ۱۹۸۰ء)
۷۵۲، فضل احمد کریم فضلی (م ۱۹۸۱ء) ۷۵۳، نیرّ واسطی
(م ۱۹۸۲ء) ۷۵۴، احسان دانش (م ۱۹۸۲ء) ۷۵۵

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (فارسی) (۱۰) ۲۹۴ — ۳۸۸

جن شعراء کا کلام اس انتخاب میں شامل ہے ان کے نام یہ ہیں
فخر الدین گرگانی (م ۴۴۶ھ/۱۰۵۴ء) ۲۹۴، حکیم ابو المجد
مجدود بن آدم سنائی (م ۵۳۵ھ/۱۱۴۰ء) ۲۹۶، انوری
(م ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء) ۲۹۹، استاد جمال الدین اصفہانی (م ۵۸۸ھ/
۱۱۹۲ء) ۳۰۰، حکیم خاقانی شروانی (م ۵۹۵ھ/۱۱۹۹ء)،
نظامی گنجوی (م ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء) ۳۰۶، فرید الدین عطار نیشاپوری
(۶۲۷ھ/۱۲۳۰ء) ۳۰۸، قطب الدین بختیار کاکی ۶۳۲ھ/
۱۲۳۵ء) ۳۱۰، اوحدی کرمانی (۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء) ۳۱۲،
خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل (۶۳۵ھ/۱۲۳۸ء) ۳۱۴،
مولانا جلال الدین محمد رومی (۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) ۳۱۷، شیخ فخر الدین
ابراہیم عراقی (۶۸۸ھ/۱۲۸۹ء) ۳۱۹، شیخ سعدی شیرازی (۶۹۰ھ/
۱۲۹۱ء) ۳۲۱، مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری (۶۹۰ھ/
۱۲۹۱ء) ۳۲۴، خواجہ ہمام تبریزی (۷۱۳ھ/۱۳۱۳ء) ۳۲۵،
امیر خسرو دہلوی (۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) ۳۲۶، خواجو کرمانی (م ۱۳۴۹ء)
۳۲۹، ضیاء نخشبی بدایونی (م ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) ۳۳۱، عماد
فقیہہ کرمانی (م ۷۷۳ھ/۱۳۷۲ء) ۳۳۲، خواجہ جمال الدین
سلمان ساوجی (م ۷۷۸ھ/۱۳۷۶ء) ۳۳۳، ابن عماد شیرازی
(۸۰۰ھ/۱۳۹۸ء) ۳۳۶، مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی
(م ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) ۳۳۷، مولانا معین الدین معینی (م دسویں
صدی ہجری/سولہویں صدی عیسوی) ۳۴۰، فغانی شیرازی
(م ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء) ۳۴۲، جمالی دہلوی (۹۴۲ھ/
۱۵۳۵ء) ۳۴۳، مولانا وحشی بافقی (۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء)
۳۴۵، مولانا کمال الدین محتشم کاشانی (م ۹۹۶ھ/۱۵۸۸ء)
۳۴۶، محمد جمال الدین عرفی شیرازی (م ۹۹۹ھ/۱۵۹۱ء) ۳۴۸،
حکیم ابو الفیض فیضی (م ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۶ء) ۳۵۱، خواجہ
باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) ۳۵۳، محمد حسین نظیری
(م ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) ۳۵۴، مکتبی شیرازی (م ۱۶۳۳ء)،
میرزا جلال اسیر (م ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء) ۳۵۸، حاجی جان
محمد قدسی (م ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء) سعد اللہ مسیحائے پانی پتی
(م گیارھویں صدی ہجری/سترھویں صدی عیسوی) ۳۶۱، محمد اکرم غنیمت
کنجاہی (م ۱۱۱۰ھ/۱۶۹۸ء) ۳۶۲، میرزا داراب بیگ جویا
تبریزی (م ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء) ۳۶۴، میرزا عبد القادر بیدل
(م ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۱ء) ۳۶۵، میر سید علی مشتاق اصفہانی ۱۱۷۱ھ/
۱۷۵۸ء) ۳۶۷، شیخ محمد علی حزین (م ۱۱۸۰ھ/۱۷۶۶ء) ۳۶۹،
حکیم قاآنی (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) ۳۷۱، اسد اللہ خان غالب
دہلوی (م ۱۸۶۹ء) ۳۷۴، نواب مصطفیٰ خان حسرتی شیفتہ
(م ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء) محمد حسن شہری (۱۲۹۸ھ/
۱۸۸۱ء) ۳۷۹، نواب ضیاء الدین احمد خان نیرّ رخشاں (رئیس لوہارو)
(۱۸۸۳ء) ۳۸۰، خواجہ مستان شاہ کابلی (م ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء)
۳۸۱، علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) ۳۸۳، غلام قادر گرامی
جالندھری (م ۱۹۲۷ء) ۳۸۴، علامہ اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء)
۳۸۵، سید منظور احمد مہجور مکان شریفی (م ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء)
۳۸۶، جگر مرادآبادی (م ۱۹۶۰ء) ۳۸۷

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (عربی) (۱۰) ۱۹۳ — ۲۹۳

روضۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف کی جالیوں پر کندہ نعتیہ اشعار ۱۹۰، ہمزیۃ البوصیری (م ۶۹۶ھ) ۱۹۳، ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۹ء) ۱۹۵، شیخ عبدالرحیم البرعی (م ۱۴۰۰ء) ۱۹۷، ابن نباتہ مصری (م ۷۶۸ھ) ۲۰۲، شہاب الدین محمود الحلبی ۲۰۴، شیخ جمال الدین الصرصری (م ۱۲۵۸ء) ۲۰۲، عبدالرحمان بن خلدون (م ۱۴۰۶ء) ۲۱۲، علامہ ابن حجر (م ۱۴۴۸ء) ۲۱۵، شیخ عبداللہ شبراوی (م ۱۷۵۸ء) ۲۱۹، شیخ حسین دجانی (م ۱۸۵۲ء) ۲۲۲، شیخ عبدالغنی نابلسی (م ۱۷۳۰ء) ۲۲۳، شیخ احمد تھانیسری (م ۱۴۱۷ء) ۲۲۵، حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب (م ۶۲۰ء)، حضرت عثمان غنی رض (الشہید ۶۵۶ء)، حضرت عمر فاروق رض (الشہید ۶۴۴ء) ۲۳۰، حضرت ابوبکر صدیق رض (م ۶۳۴ء) حضرت حمزہ رض بن عبدالمطلب بن ہاشم (الشہید ۶۲۵ء) ۲۳۲، حضرت فاطمۃ الزہرا (م ۶۳۲) ۲۳۳، ام المومنین حضرت عائشہ رض صدیقہ (م ۶۷۷ء) ۲۳۴، ابن العربی ابوبکر محی الدین (الشیخ الاکبر) (م ۱۲۴۰ء) ۲۳۵، حضرت کعب بن زہیر (م ۶۶۲) ۲۳۶، اعشیٰ ۲۳۷، محمد جاراللہ السمہودی (قصیدۂ ذوقافیتین) ۲۳۹، حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (۶۴۱ء) ۲۴۱، حضرت عباس رض بن مرداس ۲۴۳، حضرت عبداللہ بن رواحہ رض (م ۶۲۹ء) ۲۴۴، ابوالعتاہیہ (م ۸۲۶ء) ۲۴۶، حضرت عبداللہ بن زبعری رض ۲۴۹، حضرت کعب بن مالک رض ۲۵۱، حضرت حسان رض بن ثابت انصاری (م ۶۴۰ء) مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی ابن شاہ ولی اللہ (م ۱۸۲۴ء) ۲۵۸، علامہ آزاد بلگرامی (م ۱۷۸۶ء) ۲۵۹، احمد شوقی (م ۱۹۳۲ء) ۲۶۳، ابوعلی محمد بن المستنیر بن احمد قطرب (م ۸۲۱ء) ۲۶۹، شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۷۶۲ء) ۲۷۴، حضرت عمر رض (جن) ۲۷۹، حضرت عباس رض بن عبدالمطلب (م ۶۵۳ء) ۲۸۲، حضرت علی المرتضیٰ (الشہید ۶۶۱ء) ۲۸۴، مولانا محمد فضل حق خیرآبادی (م ۱۸۶۱ء) ۲۸۶، ابومحمد طاہر سیف الدین (م ۱۹۶۵ء) ۲۸۸، مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی ابن شاہ ولی اللہ (م ۱۸۱۸ء) ۲۹۰، امام زین العابدین، علی السجاد بن الحسین (م ۷۱۲ء)، امام اعظم ابوحنیفہ کوفی، نعمان بن ثابت رض ۲۹۲۔

نامعلوم۔ حضرت علیؑ اور رسولؐ خدا (۹) ۷۱۳—۷۲۲

اس میں ان احادیث کو جمع کیا ہے، جو آپؐ کے فضائل و مناقب کے بارے میں ہیں۔ یہاں پر چند کے متعلق مختصراً اشارہ کیا جاتا ہے، آپؐ نے حضرت علی سے فرمایا: "تم میرے بھائی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہو" ۷۱۷، آپؐ نے غدیر خم کے مقام پر فرمایا: جس شخص کا میں مولا ہوں، علیؑ اس کا مولا ہے"۔ ۷۱۹، "علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے حاکم ہیں"۔ ۷۲۱، خیبر کے دن سرورِ کائنات نے فرمایا:

"میں ایسے مرد کو علم دوں گا، جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور جسے خدا اور رسولؐ دوست رکھتے ہیں" ۷۲۲۔

نثار احمد، ڈاکٹر: شعب ابی طالب (۹) ۲۶۰—۲۶۸

شعب ابی طالب کا مقاطعہ کیوں کیا گیا؟ اس کے شرائط ۲۶۱، ترکِ موالات کا معاملہ صرف بنو ہاشم کے ساتھ ہی کیوں مخصوص رکھا ۲۶۲، شعب ابی طالب کا محلِ وقوع ۲۶۳، پابندیوں کی تفصیل ۲۶۴، معاشرتی اور معاشی انقطاع ۲۶۶، مقاطعہ کیسے ختم ہوا ۲۶۷۔

نثار احمد، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء (۵) ۱۱—۲۴

افتتاحیہ ۱۲، باب اول: بعثت نبویؐ کے وقت دنیا کا سیاسی نظام ۱۷، فارس ۲۲، ہندوستان ۲۶، چین ۲۹، دوسرے

عبادات ۳۱۱، وضو ۳۱۱، حج ۳۱۲، دعا ۳۱۲،
اعمال میں میانہ روی ۳۱۷، سنت نبویؐ کی توضیح اور عبادت
کے غلط تصور کی اصلاح ۳۱۷، سنت کے معنیٰ تقشف کے نہیں
۳۱۸، صائم الدھر ہونا کوئی روزہ نہیں ۳۱۸، تھوڑے عمل میں
مداومت ۳۱۹، اسلام میں تقشف نہیں ۳۱۹، پتے کی بات ۳۱۹،
ہر شے میں اعتدال ۳۱۹، استنجا ۳۲۰، غسل ۳۲۱، ذکر ۳۲۱،
کتاب طہارت و پاکیزگی ۳۲۲، کھڑے پانی کے اندر پیشاب کرنا
۳۲۲، کتے کا جھوٹا برتن ۳۲۲، تین جگہوں پر رفع حاجت ۳۲۲،
رفع حاجت کے بعد ذکر الٰہی ۳۲۳، سیدھے اور الٹے ہاتھ میں
تقسیم کار ۳۲۴، نماز ۳۲۴، زکٰوۃ ۳۲۶، وضو اور اس کے
متعلقات ۳۲۷، گندگی بھی گناہ ۳۲۷، وضو اور مسواک ۳۲۸،
سو کر اٹھنے کے بعد مسواک ۳۲۸، مسواک کی فضیلت ۳۲۸،
سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ دھونا ۳۲۸، وضو میں پانی کا اسراف
۳۲۹، وضو کے بعد اعضاء کا پونچھنا ۳۲۹، مسح ۳۲۹، دونوں
نیکوکاریں ۳۲۹، جماعت ۳۳۰، صلوٰۃ ۳۳۱، کتاب الصلوٰۃ
۳۳۲، نماز سے گناہ دھلنے کی تمثیل ۳۳۲، دو وقت کی نماز بھی
دوزخ سے بچا لیتی ہے ۳۳۳، نماز میں پابندی وقت ۳۳۳،
نماز وقت پر ادا ہونی چاہیئے ۳۳۳، تین قسم کی تاخیر سے بچو ۳۳۴،
مسجد ۳۳۴، مقام ستر کا پردہ کرنا ۳۳۵، نماز کے مقام ۳۳۵،
نماز میں مصالح کا لحاظ ۳۳۶، ایک رکعت سے چار رکعات
تک ۳۳۶، اوقات نماز میں موسمی لحاظ رکھنا چاہیئے ۳۳۶،
اول طعام بعدہ کلام ۳۳۶، سحر خیزی اور قرب الٰہی ۳۳۷،
امام اور مؤذن کا مقام ۳۳۷، جمعہ ۳۳۸، نماز میں بات نہیں
کرنی چاہیئے ۳۳۹، مسجد ۳۳۹، حلال کمائی سے تعمیر مسجد کا
انعام ۳۳۹، مسجدوں کو صاف اور معطر رکھو ۳۴۰، عورت
کے لئے سب سے بہتر مقام نماز ۳۴۰، بدبودار چیز کھا کر مسجد
میں نہ آؤ ۳۴۰، استقبال قبلہ ۳۴۱، سمت قبلہ کی وسعت ۳۴۱، کشتی میں
نماز کس طرح ادا کی جائے ۳۴۱، تحیۃ مسجد ۳۴۱، ایک کپڑے میں
نماز ۳۴۱، عید اور بقر عید ۳۴۲، امام کے اوصاف ۳۴۳، مریض
کی نماز ۳۴۴، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی نمازیں ۳۴۵، نماز کے
اندر عبد و معبود کے حصے ۳۴۵، نماز میں جائز و ممنوع افعال ۳۴۶،
نماز میں سترہ ۳۴۶، اونگھتے ہوئے نماز ادا کرنا ۳۴۶،
اجتماعیت کی اہمیت ۳۴۶، غسل و کفن ۳۴۷، صفوں کی ترتیب
۳۴۷، جماعت کے بعض احکام ۳۴۸، دوسری جگہوں میں جا کر امامت
کا شوق نہ کرو ۳۴۸، کس قسم کے لوگوں کی نماز قبول نہیں ۳۴۸،
مقتدی اکتا نہ جائیں (اقتدا کے بعد امامت) ۳۴۹، مقتدیوں کی
رعایت ضروری ہے ۳۴۹، عورت کی رعایت سے نماز میں اختصار
۳۴۹، تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے ۳۵۰، ہر عمل میں حضوریٔ
قلب ضروری ہے، رسولؐ اللہ کو لقمہ دینا ۳۵۰، جنازہ ۳۵۱، جمعہ
کی نماز ۳۵۲، نماز جمعہ ۳۵۴، قربانی چھوٹی سی چھوٹی چیز کی بھی
ہو سکتی ہے ۳۵۴، جمعہ کو حاضر ہونے کا طریقہ ۳۵۴، جمعہ میں کسی
کو "چپ رہو" کہنا بھی بولنا ہے ۳۵۵، نہایت لطیف تشبیہہ
(مجمع کو چیرنے والوں کے لیے) ۳۵۵، دوران خطبہ میں نماز یا
گفتگو نہ ہونی چاہیے ۳۵۵، نماز سفر ۳۵۵، تین فرسخ پر قصر نماز
۳۵۵، مسافرت میں نوافل نہ ادا کیے جائیں ۳۵۶، شہید ۳۵۶،
قبروں کی زیارت ۳۵۷، نماز میں کمی کرنا ۳۵۷، رات کی نماز ۳۵۸،
نماز خوف ۳۵۸، صلوٰۃ الخوف کا ایک طریقہ ۳۵۸، صلوٰۃ الخوف
کا دوسرا طریقہ ۳۵۹، نماز عید ۳۵۹، عورتوں میں خطبۂ عید
۳۵۹، اگر جمعہ کے دن عید ہو تو جمعہ ضروری نہیں ۳۶۰، ہتھیار بند
ہو کر عید کے لیے نکلنا ۳۶۰، نماز کسوف ۳۶۰، چھ رکعتوں میں
صرف چار سجدے ۳۶۰، کتاب الزکاۃ ۳۶۱، روزہ ۳۶۲،
نماز استسقاء ۳۶۵، توسل ۳۶۵، حاجت و استخارہ ۳۶۶،
صدقے کا وسیع مفہوم ۳۶۶، تین عمل کے خوشگوار مفہوم ۳۶۶،

سب سے بہتر دعا کس چیز کی ہوتی ہے ۴۴۰، دعا کی قبولیت کے کئی انداز ہیں ۴۴۰، دعا مومن کا ہتھیار ہے ۴۴۰، دعا کے اوقات اور کیفیات وغیرہ ۴۴۱، رحمت کی پکار ۴۴۱، اوقاتِ قبولیت ۴۴۱، سجدے میں دعا ۴۴۱، آسائش میں دعا کی برکات ۴۴۱، زور دار التجا اللہ پر دباؤ ڈالنا نہیں ۴۴۲، جامع دعا سے دلچسپی ۴۴۲، عدمِ قبول کا گلہ ۴۴۲، کلماتِ بددعا سے اجتناب کرو ۴۴۲، جو مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو ۴۴۲، ترکِ دعا کی عادت قابلِ ترک ہے ۴۴۳، قبولِ دعا کا انتظار بھی بہترین عبادت ہے ۴۴۳، اُمّت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ ۴۴۳، زیادتی کرنے والے کے لیے بددعا ۴۴۴، اولاد کی دعا کیا اثر رکھتی ہے ۴۴۴، تھک نہ دعا ۴۴۴، اسمائے حسنہ ۴۴۴، اسمائے الٰہیہ ۴۴۴

معاملات ۴۴۷، جاہلیت کے اقسام

نکاح ۴۴۷، تجرد کی زندگی کوئی تقویٰ نہیں ۴۴۸، کتاب البیوع ۴۴۹، حلال روزی ۴۴۹، ایمان، اسلام، اعتصام (مضبوط پکڑنا)، اقتصاد (میانہ روی)، امانت، امرِ معروف (نیک کام کا حکم)، امید، اجل وغیرہ ۴۴۹، کتاب النکاح ۴۵۰، نکاح محافظِ نگاہ و عصمت ہے، مجرد کے لیے رزق محافظ ہے ۴۵۰، نکاح کا مقصد نسلِ انسانی کی بقا بھی ہے ۴۵۰، زنِ صالحہ کی قدر و قیمت ۴۵۰، اچھا تاجر ۴۵۱، سود کا بیان ۴۵۱، بیع، راستی، امانت، سہولت، بزان، حرام چیز کا بیچنا، دھوکا وغیرہ ۴۵۲، رہن اور بیع سلم ۴۵۶، شاہد و اذن ۴۵۶، بغیر گواہوں کے عورت کو خود نکاح کرنا ۴۵۶، بالغہ کا اذن ضروری ہے ۴۵۷، نکاح بلا رضا کو عورت توڑ سکتی ہے، خواہ باپ ہی کیوں نہ کرے ۴۵۷، درخت کا حصار ۴۵۷، قرضدار کو مہلت دینا ۴۵۸

مہر ۴۵۹، صرف اسلام کا مہر ہونا، اُمّ سلیم کی جرأتِ ایمانی ۴۵۹، ام المومنین اُمّ سلمہؓ کا مہر صرف دس درہم تھا ۴۵۹، تین آسانیوں کا شمار عورت کی برکات میں ہے ۴۶۰، مہر ہضم کرنے والوں کا شمار زانیوں میں ہوگا ۴۶۰، تنفیہ اور مستغرق ۴۶۰، زمین پر ناجائز قبضہ ۴۶۰، ولیمہ ۴۶۱، بدترین طعام ولیمہ ۴۶۱، دعوتِ ولیمہ میں شرکت نہ کرنے والا ۴۶۱، حد (سزا) ۴۶۱، حلالہ ۴۶۱، دَین یعنی قرض کی ادائیگی ۴۶۲، کتاب الطلاق ۴۶۲، مسئلہ طلاق میں وقتی حالات کی رعایت ۴۶۳، دماغ قابو سے باہر ہو جائے تو طلاق بے اثر ہے ۴۶۴، سخت غصے کی حالت میں طلاق بے اثر ہے ۴۶۴، عورت کسی کے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کی جا سکتی ۴۶۴، اللہ کی نگاہ میں طلاق سب سے زیادہ قابلِ نفرت مباح ہے ۴۶۵، طلاق ایک ہی سبب سے ہو سکتی ہے ۴۶۵، بلا وجہ عورت کا خود مطالبہ طلاق کرنا ۴۶۵، تین باتوں میں سنجیدگی اور مزاح کا اثر یکساں ہے ۴۶۵، صرف ناپسندیدگی کی وجہ سے عورت مطالبہ خلع کر سکتی ہے ۴۶۵، الولد للفراش ۴۶۶، خلع کی عدت میں صرف ایک حیض کی مثال ۴۶۶، مطلقہ کے فرزند کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ۴۶۷، طلاق ۴۶۷، خرید و فروخت کسبِ معاش ۴۶۸، علم کے باوجود مالِ مسروقہ خریدنا چوری کرنے کے برابر ہے ۴۶۸، غذائے حرام سے پرورش پائے ہوئے جسم کا انجام ۴۶۸، مشتبہات سے بچنا ہی تقاضائے احتیاط ہے، دل کا مقام ۴۶۹، نیکی اور بدی کا فتویٰ اپنے دل سے لو ۴۶۹، جسے اللہ نے واضح کیا اور جس سے سکوت اختیار فرمایا ۴۷۰، سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی ۴۷۰، حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی ۴۷۰، اولاد بھی والدین کی کمائی ہے ۴۷۱، حکومتِ اسلامیہ کے عمال کے لیے معیارِ زندگی ۴۷۱، خلیفہ کا حق بیت المال میں ۴۷۱، جاگیروں سے زکوٰۃ ۴۷۲

پانی اور درخت مفادِ عامہ کے لیے ہیں ۴۷۲، سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی ۴۷۲، اجرت فوراً ادا کرنے کا حکم ۴۷۲، دستکاری کی فضیلت ۴۷۳، سیدنا زکریاؑ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ سونا چاندی اصل دولت نہیں ۴۷۳، باغبانی باعث برکت ہے ۴۷۳، بلڈنگیں بنانا کوئی نیکی نہیں ۴۷۳، ضرورت سے زیادہ مکان بنانا جائز نہیں ۴۷۴، امانت دار تاجر کی فضیلت ۴۷۴، تاجر اگر نیکوکار نہ ہو؟ ۴۷۴، تاجرانہ مبالغوں کی تلافی ۴۷۴، تجارت میں جھوٹی قسم ۴۷۴، فراخدل خریدار و فروشندہ ۴۷۵، ناپ تول میں بے احتیاطی کا نتیجہ ۴۷۵، تاجر کے لیے اسلامی اصول تجارت کا علم ضروری ہے ۴۷۵، وراثت ۴۷۵، جائز و ناجائز بیع ۴۷۶، حرام اشیا کی تجارت ۴۷۶، پھل تیار ہونے سے پہلے بیع کا معاملہ ۴۷۶، اس سے کیوں روکا گیا ۴۷۷، بعد کے جھگڑوں سے بچنے کے لیے ۴۷۷، چند اقسامِ بیع کی ممانعت ۴۷۷، حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نیا حکم ۴۷۸، پانی کی بیع کی ممانعت ۴۷۸، پانی نمک اور ایندھن کو روک رکھنا ۴۷۸، اشکالِ تجارت ۴۷۹، سکوں کی بلاضرورت تبدیلی ۴۷۹، چند ناجائز اقسامِ بیع ۴۷۹، مال کا نقص ضرور بیان کر دیا جائے ۴۷۹، دھوکے کے لیے اچھے بُرے مال کا اختلاط ۴۸۰، بعض ناجائز اقسامِ بیع (ڈاک بڑھانا) ۴۸۰، دھوکے کے لیے ڈاک کی بولی زیادہ دینا ۴۸۰، بعض دیگر اقسام ۴۸۱، خرید و فروخت میں قیمتیں لگانے میں اعتدال ۴۸۱، کمائی ۴۸۲، ربوٰا (سود) اور اس کی قسمیں ۴۸۳، آیت الربوٰا ۴۸۳، بچہ، شکم، شیر پستان، غلامِ آبق، حصۂ غنیمت کی بیع ۴۸۳، منڈی میں مال بیچنے سے پہلے سودا کر لینا ۴۸۳، ایک بیع میں دو رنگ کی بات ۴۸۴، حیوان اور بچے کی جداگانہ بیع ۴۸۴، اولاد کی مشابہت اور نسب کا دعوےٰ ۴۸۴، ناپ تول اور حیوانات میں ربوٰا ۴۸۵، لعنت سود کی ہمہ گیری ۴۸۵، دو مختلف جنسوں کا مبادلہ بھی دست بدست ہونا چاہیے ۴۸۵، سود لینے والا اور دینے والا دونوں یکساں ہیں ۴۸۶، ربوٰا قرض ادھار کی صورت میں ہوتا ہے ۴۸۶، کوالٹی مختلف ہو تو تفاضل ربوٰا نہیں بشرطیکہ نقداً نقد ہو ۴۸۶، دینار کی بجائے ہم قیمت درہم لینے میں یا اس کے برعکس میں مضائقہ نہیں ۴۸۶، ربوٰا کی بدترین قسم ۴۸۷، نکاح ۴۸۹، بعض احکام بیع ۴۹۰، لین دین کرنے والوں میں اگر اختلاف ہو ۴۹۰، دو خریداروں میں سے زیادہ حق کس کا ہے ۴۹۰، اگر خریدار کے مال پر آفت آ جائے ۴۹۰، منت کا بیان ۴۹۰، شفعہ ۴۹۱، حقِ شفعہ شاملات میں ہوتا ہے، شریک کا اذن بلکہ استفسار بھی ضروری ہے ۴۹۱، پڑوسی کا حق ۴۹۲، بیع میں دونوں فریق کا فائدہ مدنظر ہو، پھل تیار ہونے سے پہلے درخت کی بیع ۴۹۲، احادیث مشترک ۴۹۲، ذخیرہ اندوزی ۴۹۳، احتکار (ذخیرہ اندوزی) ۴۹۳، احتکار کرنے والے کی نفسی کیفیت ۴۹۳، جرمِ احتکار کی کوئی تلافی نہیں ۴۹۳، احتکار اور بھاؤ کی تیزی ۴۹۴، لعنت احتکار کی ہمہ گیری ۴۹۴، حکومت کی طرف سے بھاؤ کا تعین ۴۹۴، جب بھاؤ کی کمی سے دوسروں پر اثر ہو ۴۹۴، قرض اور اس کے آداب ۴۹۵، ادائے قرض کا سامان نہ کرنے کا گناہ ۴۹۵، بدنیت قرضدار کا حشر ۴۹۵، نیک نیت قرضدار پر فضل ۴۹۵، قرض دینے والوں کے ساتھ اللہ ہے (عبداللہ بن جعفر کی ایک ادا) ۴۹۶، ادائے قرض میں ٹال مٹول ۴۹۶، تین قابلِ نفرت اشخاص ۴۹۶، تقاضے میں نرمی و شرافت کرنے والے کی عاقبت ۴۹۶، تنگ دست

کا جامع تعزیت نامہ ۵۷۴، زیارت قبور کا مقصد آخرت کی یاد ہے ۵۷۴، کتاب الزکوٰۃ ۵۷۵، منع زکوٰۃ ہلاکتِ مال کا سبب بن جاتا ہے ۵۷۵، عامل صدقہ کو ہدایات ۵۷۵، محصل صدقہ کے لئے ضروری تنبیہ ۵۷۵، دیانت دار محصل کی فضیلت ۵۷۶، ادائے زکوٰۃ میں خوش دلی کی دعا کرنا ۵۷۶، زکوٰۃ کس کو دینا جائز نہیں ۵۷۷، غنی اور ہٹے کٹے کے لئے بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں ۵۷۷، صدقے کے استعمال میں حضرت عمرؓ کی احتیاط ۵۷۷، صدقات یا کارِ خیر ۵۷۷، مالِ طیب کی زکوٰۃ کا فضل ۵۷۷، کپڑا پہنانے کا اجر ۵۷۸، چند نیکیوں کی برکات ۵۷۸، سخی اور بخیل کا فرق ۵۷۸، چند مستحقین زکوٰۃ ۵۷۹، بال بچوں پر خرچ کرنا سب سے بہتر خرچ ہے ۵۷۹، اپنے آپ کو کھلانا بھی صدقہ ہے ۵۷۹، صدقے کے اول مستحق قرابت مند ہیں ۵۷۹، صدقے کا وسیع مفہوم ۵۸۰، کلمہ خیر بھی صدقہ ہے ۵۸۰، مسکین کی جو مدد ہو سکے کرو ۵۸۰، بہترین صدقہ اور اس کا اول حق دار ۵۸۰، اہم معاملات کے لئے ابھی اذان و نماز ہوتی تھی ۵۸۱، متعلقات صدقہ ۵۸۲، صدقے کے کئی قابلِ لحاظ پہلو ۵۸۲، یدِ علیا اور یدِ سفلی کی شرح ۵۸۲، ایسا صدقہ نہیں چاہئیے جو خود کو مفلس کر دے ۵۸۲، دینا ہے تو بے حساب دو ۵۸۲، نیکی کا ثواب کافر کو بھی ملتا ہے ۵۸۴، بچ رہنے کا صحیح مطلب ۵۸۴، ہر کارِ خیر صدقہ ہے اور باعثِ اجر ۵۸۴، سات اہلِ فضل ۵۸۴، سوال اور قناعت ۵۸۶، پیشہ ور بھکاری کا انجام ۵۸۶، سوال سے لکڑی کا بوجھ ڈھو (اٹھا) لینا بہتر ہے ۵۸۶، سوال سے فقر کا دروازہ کھلتا ہے ۵۸۶، سوال کس کے لئے جائز ہے (ایک قابلِ اقتدا اسوہ) ۵۸۷، سوال بس خدا ہی سے ہونا چاہئیے ۵۸۸، کامیاب آدمی کون ہے ۵۸۸، انسان کا دنیا میں اصلی حق کیا ہے ۵۸۸، سب سے زیادہ قابلِ رشک کون ہے ۵۸۸، غنا کا تعلق دل سے ہے نہ کہ مال سے ۵۸۹، اصلی مسکین کی صحیح تعریف ۵۸۹، نعمتِ الٰہی کی تحقیر سے بچنے کا علاج ۵۸۹، بلا سوال اگر کچھ مل جائے تو اُسے قبول کر لینا چاہئیے ۵۹۰، شیطان خون کے ساتھ دوڑتا ہے ۵۹۰، کتاب الحج ۵۹۱، ادائے قرض ادائے حج پر مقدم ہے ۵۹۱، روانگی جہاد میں عجلت نہ کرنے کا نتیجہ ۵۹۱، جانوروں پر رحم کی تعلیم ۵۹۲، شطرنج ۵۹۲، حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت حضرت عمرؓ کا ایک ضروری انتباہ ۵۹۲، مفادِ عامہ کے لیے کسی کو حج سے روکنا ۵۹۳، اطاعتِ امیر کی نادر مثال ۵۹۳، ذخیرہ اندوزی حرم میں خصوصاً حرام ہے ۵۹۳، قسم ۵۹۳، جھوٹی قسم کا عنداللہ انجام ۵۹۳، شاہد و اِذن ۵۹۴، خدا کی نگاہ میں سب بندے یکساں ہیں فضیلت صرف تقویٰ سے ہے ۵۹۴، ولیمہ ۵۹۴ بدترین طعام ولیمہ، دعوتِ ولیمہ میں شرکت نہ کرنے والا ۵۹۴، غیرتِ الٰہی کا تقاضا ہے تحریم فواحش ۵۹۵، اگر پرائی عورت پر دفعۃً نظر پڑ جائے ۵۹۵، دوسری بار نظر ڈالنا ۵۹۵، زنانے مرد اور مردانی عورت ۵۹۵، پردے میں کمال احتیاط ۵۹۶، کتاب الطلاق ۵۹۶، غلط انتساب کی ممانعت ۵۹۶، خرید و فروخت و کسبِ معاش ۵۹۶، درخت لگانا بھی کارِ خیر ہے ۵۹۶، رزقِ الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا ۵۹۷، روزی موت سے بھی زیادہ رساں ہے ۵۹۷، خادموں اور ماتحتوں سے سلوک ۵۹۷، خادموں سے درگزر ۵۹۷، خادموں کی دلداری اور مساویانہ سلوک ۵۹۸، آدابِ طعام ۵۹۸، اسلامی لیڈر کے معیارِ زندگی کا واجب الاتباع نمونہ ۵۹۸، دوسروں کی خاطر اپنے عیش میں کمی کرو ۵۹۸، جنتی ہونے کے لیے ۵۹۹، لباس و زینت ۵۹۹، چند اچھی اور بری باتیں ۵۹۹، ریشم کی جائز مقدار ۶۰۰، ریشم کی اجازت ضرورتاً ۶۰۰، اعمال کی تشکیل اور زینت ۶۰۱، سادگی لباس تواضعاً بہتر ہونا ۶۰۱،

کرنے والے ۶۵۱، غلط اور صحیح تکلف ۶۵۱، اُلفت و
اُنس باہمی مومن کی صفت ہے ۶۵۲، گناہ کا ثابت ہونا
۶۵۲، توبہ و مغفرت ۶۵۲، بے پایاں مغفرتِ الٰہی ۶۵۲،
عجیب وصیت اور اس کا صلہ ۶۵۳، کتاب الفتن ۶۵۳،
ماحول کا اثر اعمال پر ۶۵۳، قاتل و مقتول دونوں جہنم میں
۶۵۴، متکبر کا حشر ۶۵۴، مفلس کون ہے؟ ۶۵۴، بدی
کی روک تھام نہ کرنے کا نتیجہ ۶۵۵، آخری نجات یافتہ شخص
۶۵۵، راہ خدا میں تھوڑا وقت اور بہشت کی تھوڑی جگہ کا
مرتبہ ۶۵۵، سخی اور بخیل ۶۵۶،
نظامات ۶۵۷، بیمار کی مزاج پرسی ۶۵۷، صحیح معاشی
نظام کا اثر کیا ہونا چاہیئے ۶۵۷، کتاب النکاح ۶۵۸،
عورت کا اصل وصف کیا ہے؟ ۶۵۸، تزوج نصف ایمان
ہے ۶۵۸، تین باتوں میں اعانت کرنا اللہ پر حق ہوتا ہے
۶۵۸، نکاح سے پہلے عورت کو چھپ کر دیکھنا روا ہے
۶۵۹، نکاح خفیہ نہ ہونا چاہیئے، مسجد میں نکاح، دف اور
کھیل ۶۵۹، رخصتی کے وقت دف بجانا اور گانا بہتر ہے
۶۶۰، نکاح سنت رسولؐ ہے ۶۶۰، فرائض زوجین
۶۶۰، اپنے شوہر سے کسی عورت کا ذکر کرنے میں احتیاط
چاہیئے ۶۶۰، زوجین کو باحیا رہنا چاہیئے ۶۶۰، اولاد کی
پرورش عورت کا جہاد ہے ۶۶۱، زوجین ایک دوسرے کے
لیے ۶۶۱، عورت کے لئے شوہر کا مقام ۶۶۱، رضائے شوہر
کا صلہ جنت ہے ۶۶۱، بہترین بیوی کے خصائل ۶۶۱، تقویٰ
اللہ کے بعد سب سے بڑی نعمت الٰہی ۶۶۲، اختلافِ زوجین
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب فیصلہ ۶۶۲، ایک جفاکش
اور خدمت گزار عورت (اسماء بنت ابی بکرؓ) ۶۶۲، عورت
کے چند فرائض اور ان کی تکمیل کا صلہ ۶۶۴، حاجم عورتوں کی

مزاجی کیفیت کی تمثیل اور حسن سلوک کی تاکید ۶۶۴، عورتوں کے
حقوق مردوں پر ۶۶۵، مردوں کے لئے سب سے بڑی آزمائش
عورتیں ہیں ۶۶۵، اہل ایمان کے لئے ایک غیرت آموز سبق
۶۶۵، اجازتِ شوہر کے بغیر عورت سے ملنا ۶۶۶، خرید و فروخت
و کسب معاش ۶۶۶، رفاہِ عام کے لئے مکان اور باغ تیار کرنا
بڑا کار خیر ہے ۶۶۶، آدابِ طعام ۶۶۶، اکٹھا کھانے اور بسم اللہ
کی برکات ۶۶۷، شیطان نے اپنا کھایا ہوا اگل دیا ۶۶۷، کھانا
بھی ذریعۂ مغفرت ہو سکتا ہے ۶۶۷، اجتماع کی برکت ۶۶۸،
کم خوری ۶۶۸، صحیح مقدارِ طعام کیا ہے ۶۶۸، دعوت میں آخر
کب تک بیٹھنا چاہیئے ۶۶۸، لباس و زینت ۶۶۹، پردے
کی حدود ۶۶۹، پیشہ پر رہنا کوئی بزرگی نہیں ۶۶۹، سونے کا دانت
۶۷۰، بال اور داڑھی کو سلجھا کر رکھو ۶۷۰، خلافت و امارت ۶۷۰،
تفریق پیدا کرنے والے کی سزا قتل ۶۷۰، حکومت اسلامیہ کا نظام
۶۷۱، راعی اور رعایا کی قسمیں ۶۷۱، عادل کا انعام ۶۷۲، خائن راعی
کا انجام ۶۷۲، اللہ کے قرب و بُعد کا تعلق امام کے عدل و جور
سے ۶۷۲، عہدوں کا نہ ملنا بڑی رحمت ہے ۶۷۲، عہدوں کی
طلب چھوڑ دو ۶۷۳، عہدوں کی حرص ۶۷۳، عہدوں کا مطالبہ
۶۷۳، امارت و زنارت کا باہمی تعلق ۶۷۳، خوشامد اور ظلم سے
امراء کی اعانت نہ کرو ۶۷۴، مشقت میں ڈالنے والا حاکم ۶۷۴،
اولی الامر سے قصاص ظلم لیا جائے گا ۶۷۴، امارت کی سخت
ذمے داری ۶۷۵، امت مسلمہ کے قیام کی غرض و غایت ۶۷۵،
کسی بے کس کی حاجت روائی امراء سے کرا دینا ۶۷۵، اولی الامر
کی اصلی ذمے داری ۶۷۵، اولی الامر کی خیر خواہی اور اس کا طریقہ ۶۷۶،
اولی الامر کے سامنے جا کر ۶۷۶، امیر کا بیت المال میں کتنا حق ہے
۶۷۶، حضرت ابوبکرؓ کا عجیب اسوہ ۶۷۷، اطاعتِ امام اور
جماعت سے وابستگی ۶۷۷، اطاعت امیر کی حد ۶۷۷، امیر

مقالات

موضوعات

ا

آخرت

ائمۂ مساجد

(حضرت) ابوبکر صدیقؓ

(حضرت) ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ

احتساب

اخلاقیات

ارتقاء دیکھیے نظریۂ ارتقاء

اردو نعت

اردو نعت — انتخاب

عربی شاعری

عربی نعت

عربی نعت — انتخاب

(حضرت) عثمانؓ بن عفان

عقائد

علم

(حضرت) علیؓ ابن ابی طالب

(حضرت) عمر فاروقؓ

(حضرت) عمرو بن العاص

علامات قیامت

علوم

عیسوی تقویم

غ

غزوات

غزوۂ بدر

ف

فارسی نعت

فارسی نعت — انتخاب

(حضرت) فاطمہؓ

فضائلِ نبویؐ

فوجی تنظیم

ق

قبائلِ عرب

قبر

میدانِ عرفات (تصویر)

میراث

ن

نبوت و رسالت

النبی الامی

نظریۂ ارتقاء

نعت

نعت گو شعراء

نعت گو شعراء (اردو)

ہجری تقویم

ہیئت

مقامات

ا

ب

پ

ت

خ

د

ڈ

ذ

ر

ز

س

ص

ظ

ع

غ

ف

ک

گ

مدلجہ تعمن (۹) ۲۰۱
مدین (۵) ۳۲ (۸) ۲۱۳، ۲۴۶، ۲۵۶
مدینا دیکھئے مدینہ
مدینہ (۵) ۱۴-۱۵، ۲۵-۲۶، ۳۵، ۳۸، ۷۰-۷۲، ۷۴-۸۴،
۸۶-۹۱، ۹۶-۱۰۳، ۱۰۵-۱۱۳، ۱۱۵-۱۳۵، ۱۴۰-
۱۴۱، ۱۴۴-۱۴۶، ۱۴۸-۱۵۰، ۱۵۳-۱۵۵، ۱۶۱،
۱۶۳-۱۶۵، ۱۶۷-۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴-۱۷۵،
۱۷۷، ۱۸۲-۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۶،
۲۰۸-۲۰۹، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۵-۲۲۷، ۲۴۸،
۲۵۳-۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۳-۲۶۶، ۲۷۰-۲۷۳،
۲۷۵، ۲۷۷، ۲۸۱-۲۸۴، ۲۸۶-۲۹۴، ۲۹۷-
۲۹۸، ۳۰۱-۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۲۱-۳۲۳،
۳۲۶، ۳۴۲-۳۴۳، ۳۴۵-۳۵۳، ۳۵۶-۳۵۸،
۳۶۰-۳۷۸، ۳۸۱-۳۸۵، ۳۸۸-۳۸۹، ۳۹۲-
۳۹۵، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۷-۴۰۸، ۴۱۲-۴۱۳،
۴۱۶-۴۲۰، ۴۲۲-۴۲۷، ۴۳۰، ۴۳۳-۴۳۵،
۴۳۷-۴۳۸، ۴۴۲، ۴۴۴-۴۴۶، ۴۴۸، ۴۵۰،
۴۵۱-۴۵۶، ۴۵۸، ۴۶۱-۴۶۲، ۴۷۰، ۴۷۲،
۴۷۴، ۴۷۹، ۴۸۳-۴۸۶، ۴۸۹-۴۹۱، ۴۹۳،
۴۹۵-۴۹۶، ۴۹۹-۵۰۲، ۵۰۴-۵۰۵، ۵۰۷،
۵۱۵-۵۱۶، ۵۱۸-۵۱۹، ۵۲۲-۵۲۳، ۵۲۸،
۵۴۳، ۵۴۵، ۵۵۷، ۵۶۴، ۵۶۷-۵۶۸، ۵۷۱،
۵۷۲-۵۷۳، ۵۷۵، ۵۷۸-۵۷۹، ۵۸۶،
۵۹۰، ۵۹۷، ۶۰۸، ۶۱۲-۶۱۴، ۶۲۴-۶۲۵،
۶۲۸، ۶۳۱، ۶۳۳، ۶۳۸-۶۳۹، ۶۴۱-۶۴۵،
۶۴۷-۶۴۸، ۶۵۰، ۶۵۴-۶۵۵، ۶۶۲،
۶۶۴-۶۶۵، ۶۷۶-۶۸۰، ۶۸۴، ۶۸۶، ۶۸۸،
۶۹۰-۶۹۱، ۶۹۳-۶۹۴، ۷۰۰، ۷۰۹، ۷۱۱-۷۱۴،
۷۱۶-۷۱۹، ۷۲۱، ۷۲۳ (۶) ۸، ۱۲، ۱۵، ۱۷-۱۸،
۲۲-۲۳، ۲۸، ۳۰-۳۱، ۳۷، ۴۰-۴۱، ۴۳، ۵۱،
۶۶-۶۷، ۶۹، ۷۲-۷۳، ۷۶، ۷۹، ۱۱۲، ۱۲۴،
۱۳۰، ۱۴۶، ۱۵۷، ۱۸۵-۱۸۶، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۱۴،
۲۲۷، ۲۳۰، ۲۴۲-۲۴۳، ۲۶۲، ۲۹۹، ۳۴۲،
۳۸۷، ۳۹۰، ۴۳۵، ۴۵۷، ۵۳۹، ۵۵۰، ۶۳۲، ۶۸۹،
۷۱۴، ۷۵۴، ۷۷۵ (۷) ۱۲، ۲۳، ۲۹، ۳۲، ۳۷، ۳۹،
۴۷-۴۹، ۵۳-۵۴، ۶۸، ۷۵، ۷۷، ۹۶، ۱۰۲، ۱۱۰،
۱۳۴-۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۲-۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۱-۱۵۳، ۱۵۶،
۱۵۸، ۱۶۴، ۱۷۳-۱۷۴، ۱۷۶-۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۴،
۱۸۷، ۱۹۱-۱۹۴، ۱۹۹-۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۹-
۲۱۰، ۲۲۴-۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۱-۲۳۸، ۲۴۶، ۲۴۹،
۲۵۱-۲۶۱، ۲۶۳-۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۸-۲۶۹،
۳۰۲-۳۰۳، ۳۰۵-۳۰۷، ۳۰۹-۳۱۰، ۳۱۷،
۳۲۱، ۳۲۶، ۳۲۹، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۴، ۳۴۶-
۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۶۱، ۳۷۲-۳۷۳، ۳۷۶-
۳۷۷، ۳۸۱، ۳۸۴-۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۱، ۴۰۰، ۴۰۳،
۴۰۸، ۴۱۳، ۴۱۷-۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۸، ۴۳۲-۴۳۳،
۴۴۷-۴۴۸، ۴۵۲-۴۵۴، ۴۶۷، ۴۷۵-۴۷۶،
۴۸۳، ۴۹۲، ۵۰۲، ۵۰۶، ۵۰۸، ۵۲۷، ۵۲۸-۵۳۰،
۶۰۱، ۶۰۹، ۶۱۸، ۶۲۱-۶۲۵، ۶۲۸، ۶۳۱، ۶۳۷،
۶۴۳-۶۴۴، ۶۴۹، ۶۶۹، ۶۹۰، ۶۹۲، ۶۹۹،
۷۱۰، ۷۲۶-۷۲۷، ۷۲۹-۷۳۰، ۷۴۲، ۷۵۱،
(۸) ۹، ۱۳، ۲۲، ۴۴، ۵۹، ۸۱، ۸۸، ۱۱۳-۱۱۶،

۲۹۳–۲۹۷، ۳۰۲–۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۲۲–
۳۲۳، ۳۴۴–۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۹–۳۵۱، ۳۵۶،
۳۵۸، ۳۶۰–۳۶۱، ۳۶۳، ۳۶۴–۳۶۶، ۳۶۸–۳۷۵،
۳۷۷–۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۵–۳۸۹، ۳۹۱–
۳۹۶، ۳۹۸–۴۰۱، ۴۰۳–۴۱۶، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۲–
۴۲۴، ۴۳۶–۴۴۲، ۴۴۴–۴۴۶، ۴۴۸، ۴۴۹–۴۵۱،
۴۵۴–۴۵۵، ۴۵۷–۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۲، ۴۷۴–
۴۷۵، ۴۷۷–۴۷۸، ۴۸۲، ۴۸۵، ۴۸۷–۴۸۹،
۴۹۱–۴۹۳، ۴۹۷، ۴۹۹، ۵۰۱، ۵۰۷، ۵۱۱،
۵۱۲–۵۱۳، ۵۱۵–۵۱۶، ۵۱۸–۵۲۳، ۵۳۱،
۵۳۳، ۵۳۹، ۵۴۳، ۵۴۷–۵۴۹، ۵۵۱–۵۵۲،
۵۵۴، ۵۵۷، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۵، ۵۶۹–۵۷۰،
۵۷۵، ۵۷۷، ۵۸۰، ۵۸۵، ۵۸۷–۵۸۸، ۵۹۰،
۵۹۴، ۵۹۹، ۶۰۵، ۶۱۰–۶۱۱، ۶۱۸–۶۲۰، ۶،
۶۳۳، ۶۳۷، ۶۳۹، ۶۴۱–۶۴۲، ۶۶۱، ۶۶۵،
۶۶۸، ۶۷۰–۶۷۱، ۶۷۳–۶۷۴، ۶۷۸، ۶۸۲،
۶۸۹–۶۹۱، ۶۹۳–۶۹۵، ۷۰۰، ۷۰۵، ۷۱۱–
۷۱۳، ۷۱۸، ۷۲۱–۷۲۳ (۶) ۱۲–۱۳، ۱۵، ۱۷–۲۰،
۲۹، ۳۷–۳۸، ۴۰، ۴۵–۴۷، ۹۴–۹۵، ۱۱۴،
۱۷۹–۱۸۰، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۳۲، ۲۴۲، ۲۵۵، ۲۳۸،
۳۵۷، ۳۶۸، ۴۳۲، ۴۹۷، ۶۱۵، ۷۱۸، ۷۴۷–
۷۴۸، ۷۵۱، ۷۵۵ (۷) ۱۴، ۲۱، ۲۳–۲۴، ۲۸،
۳۲، ۳۷–۳۹، ۴۱–۴۴، ۴۷–۵۲، ۵۴، ۵۶–
۵۷، ۷۰، ۸۲–۸۳، ۹۶، ۱۱۴–۱۱۵، ۱۳۲، ۱۳۷–
۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۵۰–۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۲،
۱۶۵، ۱۶۸–۱۶۹، ۱۷۲–۱۷۴، ۱۸۳، ۱۸۵،

۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۱–۱۹۲، ۱۹۴–۱۹۵، ۱۹۸–۱۹۹، ۲۰۲،
۲۲۳–۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۶–۲۳۸،
۲۴۶–۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۲–۲۵۵، ۲۵۹–۲۶۰،
۲۷۳–۲۷۴، ۲۷۸–۲۷۹، ۲۸۵، ۲۹۷–۲۹۹،
۳۰۱–۳۰۳، ۳۰۷–۳۰۸، ۳۱۱–۳۱۲، ۳۲۱، ۳۴۲،
۳۴۷، ۳۴۹–۳۵۰، ۳۸۱–۳۸۲، ۳۸۸، ۴۱۲،
۴۱۷–۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۴، ۴۳۳، ۴۴۷–۴۴۸،
۴۵۰، ۴۵۲، ۵۴۹، ۶۰۱، ۶۱۷، ۶۱۹–۶۲۲،
۶۲۴، ۶۲۸، ۶۴۹–۶۵۰، ۶۵۳، ۶۶۰، ۷۰۳،
۷۱۱، ۷۱۳، ۷۲۰، ۷۲۷، ۷۳۹ (۸) ۱۰، ۱۴، ۶۳،
۷۳، ۸۰–۸۱، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۸–۱۲۹،
۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۶–۱۵۸،
۱۴۱–۱۴۲، ۱۴۴–۱۴۵، ۱۷۲، ۱۸۱–۱۸۳، ۱۹۰،
۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۱۴–۲۱۹، ۲۲۱،
۲۲۴–۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۸–۲۳۹،
۲۴۳، ۲۴۸–۲۵۲، ۲۵۴–۲۵۷، ۲۵۹–۲۶۱،
۲۶۳، ۲۶۶–۲۶۸، ۲۷۰–۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۶–
۲۷۸، ۲۸۰–۲۸۱، ۲۸۳–۲۸۵، ۲۸۷، ۲۹۰–۲۹۲،
۲۹۴–۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۱–۳۰۳، ۳۰۶–۳۰۷،
۳۰۹، ۳۱۱–۳۱۲، ۳۱۵، ۳۲۲، ۳۲۴–۳۲۵،
۳۲۷، ۳۲۸–۳۲۹، ۳۳۳، ۳۳۶، ۳۹۶–۳۹۸،
۴۰۱، ۴۰۴، ۴۳۳، ۴۶۲، ۴۶۸، ۴۸۶، ۴۹۸–
۴۹۹، ۵۱۷، ۵۳۱، ۵۳۵، ۵۷۹، ۵۸۵، ۵۸۸–۵۹۵،
۵۹۷–۵۹۹، ۶۰۳–۶۰۶، ۶۱۶–۶۱۷، ۶۱۹–
۶۲۰، ۶۲۲–۶۲۴، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۴–۶۳۵،
۶۳۸–۶۳۹، ۶۷۰، ۷۲۰ (۹) ۱۷، ۲۰، ۲۷، ۲۹، ۳۱،

ن

و

کتب

پ

ت

ث

ج

چ

د

ذ

۵۴۲ - ۵۴۶، ۵۴۹ - ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۶،
۵۶۷ - ۵۶۸، ۵۷۲، ۵۷۶، ۵۸۰، ۵۸۲ -
۵۸۳، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۹۱، ۵۹۳ - ۵۹۸، ۶۰۰ -
۶۰۴، ۶۱۰، ۶۱۲ - ۶۱۶، ۶۱۸ - ۶۲۱، ۶۲۳ -
۶۲۵، ۶۲۷، ۶۲۹ - ۶۳۸، ۶۴۰ - ۶۴۱، ۶۵۰
۶۵۱، ۶۵۴، ۶۵۶، ۶۵۹ - ۶۶۰، ۶۶۳، ۶۶۵
۶۶۷، ۶۶۹، ۶۷۲ - ۶۷۵، ۶۷۸، ۶۸۰، ۶۸۲ -
۶۹۸، ۷۰۰، ۷۰۲، ۷۰۴، ۷۰۶ - ۷۱۱ - ۷۱۳
۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۹ - ۷۲۰، ۷۲۴، ۷۳۵، ۷۴۷،
۷۵۲، ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۸، ۷۶۷، ۷۶۹ -
۷۷۰، ۷۷۲ - ۷۷۵، ۷۷۷، ۷۹۶ (۷) ۳۶،
۸۹، ۱۰۸، ۱۱۸ - ۱۱۹، ۱۵۹، ۱۹۱، ۲۰۸ - ۲۰۹، ۲۱۲،
۵۰۱ - ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۵ - ۵۰۷، ۵۱۰، ۵۱۹،
۵۲۰ - ۵۲۱، ۵۲۶، ۵۴۲، ۵۴۵، ۵۴۷ - ۵۴۸
۵۶۲، ۵۷۶، ۵۸۰، ۵۸۲، ۵۸۵، ۵۸۷،
۵۹۲، ۵۹۹، ۷۰۹ (۸) ۳۴، ۶۴ - ۶۶، ۱۰۳
۲۷۵، ۳۰۹، ۴۱۲، ۵۴۷، ۵۷۱ - ۵۷۳ (۹)
۱۷، ۲۴، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۲۱، ۲۳۴ - ۲۳۵، ۵۱۱ -
۵۱۲، ۵۱۵، ۵۲۰ (۱۰) ۸۸

سنن : بیہقی (۹) ۲۰۴، ۲۱۱، ۳۲۵، ۳۳۵، ۳۷۷،
۳۹۵، ۳۹۹، ۴۰۵، ۴۹۹، ۴۵۲، ۴۶۱
(۷) ۱۳۱، ۱۴۴ - ۱۴۵، ۱۵۹، ۱۶۵ - ۱۶۷
(۸) ۱۰۳، ۵۶۷، ۵۶۹

سنن : ترمذی دیکھیے جامع ترمذی

سنن : دارمی (۵) ۳۲۳، ۳۳۶ (۹) ۷۷ - ۷۹، ۱۸۵،
۱۹۹، ۲۰۴، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۰

۵۲۰، ۵۵۷ - ۵۵۸، ۶۴۳، ۶۴۶ (۷) ۸۱، ۹۵
(۹) ۱۸، ۲۵، ۱۱۳ (۱۰) ۱۱، ۱۳، ۱۸، ۹۹

سنن : دارقطنی (۹) ۲۰۴، ۲۴۲، ۲۶۲ - ۲۶۳، ۴۵
۴۵۲ (۷) ۱۳۱، ۱۲۶ (۸) ۵۷۴

سنن : نسائی (۷) ۲۷، ۳۰، ۴۰، ۱۲۸، ۱۴۷، ۲۳۴ -
۲۳۵، ۲۵۶ ب، ۲۶۳، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۸۰
۳۰۳، ۳۱۴، ۳۱۷ - ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۸ -
۳۳۰، ۳۳۲ - ۳۳۳، ۳۳۶، ۳۳۹، ۳۵۰، ۳۵۲
۳۵۶، ۳۵۹، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۷۸ - ۳۷۹، ۳۸۱،
۳۸۳ - ۳۸۴، ۳۸۷، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۰۲ - ۴۰۳
۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۸، ۴۱۰ - ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۱۵ -
۴۱۸، ۴۲۰ - ۴۲۱، - ۴۲۲،
۴۳۲، ۴۳۶، ۴۴۱ - ۴۴۲، ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۳ -
۴۵۴، ۴۵۷ - ۴۵۹، ۴۶۲ - ۴۶۴، ۴۷۶،
۴۷۸، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵، ۴۸۸ - ۴۹۲، ۴۹۵، ۴۹۴
۴۹۷، ۵۰۵، ۵۱۰، ۵۱۲، ۵۱۵، ۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۲
۲۲، ۵۲۶، ۵۲۸ - ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۳۷ - ۵۴۰
۵۴۲، ۵۴۵، ۵۴۸، ۵۵۱ - ۵۵۳، ۵۶۷ - ۵۶۸
۵۷۰، ۵۷۷، ۵۸۰، ۵۸۲ - ۵۸۳، ۵۸۶، ۵۹۰
۵۹۴، ۶۰۰ - ۶۰۲، ۶۰۴، ۶۱۹، ۶۲۳، ۶۲۵،
۶۲۷ - ۶۲۸، ۶۳۲ - ۶۳۳، ۶۳۶، ۶۴۰
۶۵۲، ۶۵۴، ۶۵۸ - ۶۵۹، ۶۶۲، ۶۶۹ -
۶۷۲ - ۶۷۴، ۶۷۸ - ۶۸۰، ۶۸۶، ۶۹۵،
۶۹۸، ۷۰۲ - ۷۰۳، ۷۰۸، ۷۱۰، ۷۱۵، ۷۲۰
۷۲۲، ۷۲۴ - ۷۲۶، ۷۲۸ - ۷۳۰، ۷۳۹ -
۷۵۰، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۱، ۷۶۷، ۷۶۸ - ۷۶۹

م ۲۶۱ھ (۵) ۲۵۲، ۳۰۰، ۳۲۱، ۳۲۳،
۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۶، ۴۰۸، ۴۴۶، ۴۷۹،
۴۸۷، ۷۲۳(۶) ۲۰، ۲۷، ۳۱، ۴۰، ۴۹،
۵۱-۵۲، ۶۲، ۱۰۵، ۱۴۳، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۰۴،
۲۰۶-۲۰۷، ۲۱۱، ۲۲۹، ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۵۵-
۲۵۶، ۲۵۶ب، ۲۶۳، ۲۶۷-۲۶۸، ۲۷۱-
۲۷۲، ۲۷۵-۲۷۷، ۲۷۹-۲۸۳، ۲۸۵،
۲۹۱-۲۹۲، ۲۹۷-۳۰۱، ۳۰۶-۳۰۷،
۳۱۰-۳۱۱، ۳۱۵، ۳۱۸-۳۱۹، ۳۲۱-۳۲۶،
۳۲۸-۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۸-۳۴۱، ۳۴۶-
۳۵۸، ۳۶۰-۳۶۱، ۳۶۵-۳۶۶، ۳۶۸-
۳۷۵، ۳۷۸-۳۷۹، ۳۸۱-۳۸۲، ۳۸۴،
۳۸۷-۳۹۳، ۳۹۵-۳۹۷، ۴۰۰، ۴۰۱-۴۰۷،
۴۰۹-۴۱۱، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۱۶-۴۱۸، ۴۲۰-
۴۲۱، ۴۲۵، ۴۲۸-۴۲۹، ۴۳۳، ۴۳۷،
۴۴۱-۴۴۲، ۴۵۰-۴۵۱، ۴۵۲-۴۵۴، ۴۵۵،
۴۵۶-۴۶۱، ۴۶۳-۴۶۴، ۴۷۰، ۴۷۳،
۴۷۵-۴۷۸، ۴۸۰-۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵-
۴۸۶، ۴۸۸-۴۹۲، ۴۹۶، ۵۰۰، ۵۰۸، ۵۱۰،
۵۱۲، ۵۱۴، ۵۱۹-۵۲۳، ۵۲۵، ۵۲۸، ۵۳۰،
۵۳۵، ۵۳۸، ۵۴۵، ۵۴۸-۵۵۳، ۵۵۶-
۵۵۸، ۵۶۰-۵۶۱، ۵۶۳-۵۶۵، ۵۶۷-
۵۷۰، ۵۷۵-۵۷۶، ۵۷۸-۵۸۰، ۵۸۲،
۵۸۵-۵۸۶، ۵۸۸-۵۹۱، ۵۹۴، ۵۹۸،
۶۰۰-۶۰۲، ۶۰۷، ۶۱۱-۶۱۳، ۶۱۵،
۶۱۹-۶۲۱، ۶۲۳، ۶۲۶-۶۳۴، ۶۳۸-
۶۴۳، ۶۵۰، ۶۵۳-۶۵۵، ۶۵۷-۶۵۹،
۶۶۲-۶۶۵، ۱، ۶۶۰، ۶۷۱-۶۷۴، ۶۷۸-
۶۸۰، ۶۸۶، ۶۸۹-۶۹۰، ۶۹۵-۶۹۸،
۷۰۰-۷۰۳، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۸-۷۱۱، ۷۱۳-
۷۱۵، ۷۲۰-۷۲۱، ۷۲۴-۷۳۰، ۷۳۲-۷۳۳،
۷۳۵، ۷۳۸-۷۳۹، ۷۴۴، ۷۴۶، ۷۴۹-
۷۵۰، ۷۵۲-۷۶۰، ۷۶۲-۷۶۴، ۷۶۸-
۷۷۱، ۷۷۴-۷۷۸، ۷۸۲-۷۸۳، ۷۸۵،
۷۸۸، ۷۹۰، ۷۹۲-۷۹۳، ۷۹۶(۷) ۲۴، ۲۹،
۳۵، ۴۱، ۴۸، ۵۷، ۶۲، ۶۵، ۶۷، ۸۱، ۸۳،
۸۵-۸۶، ۹۲، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷-۱۰۹، ۱۱۲،
۱۱۴-۱۲۲، ۱۲۴-۱۳۳، ۱۴۷، ۱۶۰، ۱۸۲، ۱۸۵-
۱۸۶، ۱۸۸، ۲۸۳، ۲۸۶، ۲۹۴، ۲۹۸، ۳۰۶، ۵۰۴-۵۰۵
۵۱۳، ۵۱۵-۵۱۶، ۵۲۱-۵۴۷، ۵۵۱-۵۵۲، ۵۵۵-
۵۵۷، ۵۵۹-۵۶۳، ۵۶۶-۵۶۷، ۵۶۹، ۵۷۵
۵۷۶، ۵۷۸-۵۸۰، ۵۸۷-۵۸۸، ۵۹۰،
۵۹۳، ۵۹۷-۵۹۹، ۶۹۳(۸) ۱۸، ۳۸،
۴۰، ۴۹، ۵۹، ۶۴، ۷۰، ۹۲، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۳۰،
۱۴۸، ۱۶۶، ۳۶۳، ۳۸۰، ۴۲۱، ۴۵۲، ۵۴۰،
۵۴۴-۵۴۸، ۵۶۷، ۵۶۹-۵۷۰، ۶۰۳،
۶۶۱(۹) ۱۷-۲۰، ۲۲، ۲۴، ۹۵-۹۶،
۱۱۷، ۱۱۹، ۱۸۷، ۱۹۷، ۱۹۹، ۳۶۵-۳۶۶،
۴۱۳، ۴۲۲، ۵۰۹، ۵۱۲، ۵۱۵-۵۱۶، ۵۱۸-
۵۱۹، ۵۲۰، ۶۱۳، ۶۲۲(۱۰) ۷۸، ۹۰

صحیفہ سعد بن عبادہ (۶) ۱۹۹

صحیفہ وہب بن منبہ (۶) ۲۳۰، ۲۳۱،

غ

ف

ن

و

انگریزی کتب

O

P

R

S

W

اشاریہ نقوش

رسول نمبر

جلد یازدہم تا دوازدہم

شمارہ نمبر ۱۳۰ ۔ جنوری ۱۹۸۵ء

مقالہ نگاران

(اور مقالات کے اہم نکات)

ا

ابن اسحٰق، سیرۃ ابن اسحٰق مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث و المغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔

ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۷-۳۵۴

تقدیم از محمد الفاسی ۸

باب ۱: سلسلۂ نسب (از حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا حضرت آدم علیہ السلام) ۱۰، جناب عبدالمطلب بن ہاشم کا زمزم کو کھودنا ۱۱، زمزم کا محل وقوع ۱۳، حضرت اسمٰعیلؑ اور سیدہ ہاجرہ کی مکہ میں آبادی ۱۴، جناب عبدالمطلب کے اشعار ۱۵، بنو ضبغاء ۱۷، ابو تقاضب اور اس کے بھائیوں کا واقعہ ۱۸۔

باب ۲: (جناب) عبدالمطلب کی نذر ۲۰، قرعۂ فال جناب عبداللہ کے نام ۲۱، جناب عبد المطلب کے اشعار اور قرعہ فال اونٹوں پر نکلنا ۲۲-۳۲،

باب ۳: (جناب) عبداللہ بن مطلب کی شادی ۳۳، ام قتال بنت نوفل بن اسد کے اشعار ۳۴، رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت اور جناب عبد المطلب کے اشعار ۳۸-۴۱،

باب ۴: رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت ۴۲، حلیمہ بنت حارث کی زبان سے معجزات نبویؐ کا بیان ۴۲، دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ ۴۵،

باب ۵: قبیلہ حمیر کے بادشاہ تبّع اوسط کی حکایت ۴۷، تبع کی لشکر کشی ۴۸، اس کے اشعار ۴۸۔

باب ۶: تبع کی قتل گاہ ۵۲، رئیس ہمدان (ذورعین) کے اشعار ۵۲، عبد کلال کے اشعار ۵۲، ابرہہ کا روزبہ کو قتل کرانا ۵۵،

باب ۷: اصحاب الفیل کا واقعہ ۵۶، جناب عبدالمطلب کے اشعار ۵۷، ابرہہ اور جناب عبدالمطلب کی ملاقات ۵۷، مکہ پر چڑھائی کا قصد ۵۸، نفیل کے اشعار ۵۹، جناب عبدالمطلب کی بد دعا ۵۹، لشکر ابرہہ کی تباہی ۶۰، رسولؐ اللہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ۶۱،

باب ۸: آنحضرتؐ کے جد امجد کی وفات ۶۳، امیمہ کے اشعار ۶۳، صفیہ کے اشعار ۶۴، ام حکیم البیضاء کے اشعار ۶۴، برہ کے اشعار ۶۵، اروی بنت عبدالمطلب کے اشعار ۶۵، جناب عبدالمطلب کے اشعار ۶۶،

باب ۹: حصہ دوم، بحیرا راہب کا قصہ ۶۸، (جناب) ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر ۶۸، بحیرا راہب اور جناب ابوطالب کا مکالمہ ۶۹، اس واقعہ کے بارے میں جناب ابوطالب کے اشعار ۷۰، آنحضرتؐ کے اخلاقی فضائل ۷۳،

باب ۱۰: خدیجہؓ بنت خویلد کا واقعہ ۷۶، آں حضرتؐ

ح

اہلِ مکہ کے جاسوسی نظام پر بحث ۳۲۹، تعلیقات و حواشی ۳۳۱

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: نبوی غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت (۱۱) ۳۹۷ - ۴۴۰

غزوات و سرایا کے متعلق مستشرقین کی رائے ۳۹۸، ان کی نظر میں یہود مدینہ کے قبائل کی معاشی بہتر حالت اور مسلمانوں کا ان کو تہس نہس کرنا ۳۹۹، مؤرخین اسلام بھی ان کی رائے سے متفق نظر آتے ہیں ۴۰۰، واقدی کے نزدیک غزوات و سرایا کی تعداد ۴۰۰، سریۂ نخلہ میں حاصل شدہ مالِ غنیمت کا تجزیہ ۴۰۱، غزوۂ بدر اور مالِ غنیمت ۴۰۲، اس مال کی تقسیم ۴۰۳، اسیران بدر کا زرِ فدیہ ۴۰۴، بنو قینقاع کے خلاف فوجی کارروائی ۴۰۵، ایک جدید ہندوستانی مؤرخ کی رائے ۴۰۷، غزوہ سویق ۴۰۸، ۳ ہجری میں مسلمان جانبازوں کی سات مہمیں ۴۰۸، غزوہ الکدر ۴۰۸، سریۂ زید بن حارثہ ۴۰۹، غزوۂ احد ۴۰۹، سریۂ قطن ۴۰۹، بنو نضیر کے خلاف غزوۂ نبوی ۴۱۰، غزوۂ دومۃ الجندل ۴۱۲، بنو مصطلق پر حملہ ۴۱۲، غزوۂ احزاب یا خندق ۴۱۳، غزوہ بنو قریظہ ۴۱۴، سریۂ قرطاء ۴۱۵، سریۂ ذوالقصہ ۴۱۵، سریۂ العیص ۷ھ میں غزوات و سرایا ۴۱۶، غزوہ عمرۃ القضاء ۴۱۶، غزوہ خیبر ۴۱۶، خیبر کے منقولہ اموال غنیمت ۴۱۸، خیبر کی فے اراضی ۴۱۹، خیبر کے بعد تین یہودی بستیوں پر سیاسی بالادستی ۴۲۰، ۸ھ کی مہمیں ۴۲۱، علاقہ الکدید کا سریہ ۴۲۱، سریہ موتہ ۴۲۲، سریہ ذات السلاسل ۴۲۲، فتح مکہ ۴۲۲، غزوۂ حنین ۴۲۳، غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت ۴۲۳، ۹ھ کی مہمیں ۴۲۴، ہجرت کے دسویں برس سریہ حضرت علی بن ابی طالب یمن کی جانب ۴۲۵، کل اموالِ غنیمت کا عملی تجزیہ ۴۲۵، اس تجزیہ کی روشنی میں معیشت مدینہ پر تبصرہ ۴۲۸، مدینہ کی آبادی ۴۲۹، مذہبی و سیاسی مہمات پر مصارف ۴۳۰، کل مسلمان مجاہدین کی تعداد ۴۳۱، حربی مصارف اور خسارے ۴۳۲، کرز بن جابر فہری کا مدینہ کے قریب ایک چراگاہ پر حملہ ۴۳۲، العریض پر ابو سفیان بن حرب اموی کا حملہ ۴۳۲، مسلم معیشت کے بنیادی عناصر و معالم ۴۳۴، مالِ غنیمت کے متعلق اسلام کا نظریہ ۴۳۵، اموالِ غنیمت میں ملنے والے دینار و درہم سے سرمایہ کاری ۴۳۶، تاجرانِ عرب کا مہموں میں تجارت کا سامان ساتھ لے جانا تاکہ اگر فرصت ملی تو کاروبار کریں گے ۴۳۷، اموالِ غنیمت کی اقتصادی اہمیت کی نوعیت ۴۳۸، تعلیقات و حواشی ۴۴۰ -

ن

نثار احمد، ڈاکٹر: مستشرقین اور مطالعۂ سیرت (۱۱) ۴۸۱ - ۵۶۵

تعارف ۴۸۲، آغاز کار ۴۸۴، مستشرقین پر کتابیں ۴۸۴، سرسید احمد خاں نے اُردو میں آغاز کیا ۴۸۵، ابتدائی جائزہ ۴۸۷، شبلی کی تنقید ۴۸۸، مستشرقین کے متعلق مضامین ۴۹۰، نوعیت مسئلہ ۴۹۱، تحریک استشراق ۴۹۳، استشراق اور مستشرق کی اصطلاحیں ۴۹۳، تحریک استشراق کا آغاز ۴۹۶، اس کا آغاز سولہویں صدی عیسوی میں ہوا ۵۰۲، اس کا آغاز خالص مسیحی مشنری اور کلیسا کی پس منظر میں ہوا ۵۰۲، تحریک کا ارتقاء ۵۰۲، مستشرقین اور ان کی کتابیں ۵۰۳، تحریک استشراق کا عروج ۵۰۹، مشاہیر مستشرقین کا تعارف ۵۱۳، عہد جدید ۵۱۷، مطالعہ سیرت کے حوالے سے اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت ۵۱۸، عہد جدید میں نئے رجحانات اور نئی تحریکیں ۵۲۰،

نورالٰہی (مترجم)؛ سرورِ انسانیت علیہ الصلوات والتسلیمات، بطرز پند و نصائح از شیخ مصطفیٰ سباعی (۱۲) ۵ ۳۵-۴۹۲ -

نورالٰہی (مترجم)؛ سیرۃ ابنِ اسحٰق مسماۃ بکتاب المتبدا والمبعث والمغازی۔ تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ (۱۱) ۷-۳۵۴

مقالات

موضوعات

تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۱۶۶ - ۱۷۵

شعرائے رسولؐ

مظہر صدیقی، محمد یٰسین، ضمائم [متعلقہ "عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت": بقایا جلد پنجم (۱۲)، ۳۵

شہادت دیکھیے قانون شہادت

شہدائے بدر

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی۔
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۳۲۴ - ۳۲۵

ص

(حضرت) صفیہؓ بنت حیی

ابن اسحاق: سیرت مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۲۸۰ - ۲۸۱

ع

عالم عرب (قبل از اسلام)

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔
ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱) ۵۶۷

عاملین صدقات

مظہر صدیقی، محمد یٰسین، ضمائم [متعلقہ "عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت": بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۴۲

(حضرت) عائشہؓ بنت ابی بکرؓ

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۲۷۴ - ۲۷۵

(جناب) عبد اللہ بن عبد المطلب

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۲۰ - ۴۰

(حضرت) عبد اللہ بن مسعودؓ

ابن اسحٰق، سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۱۹۷ - ۱۹۸

(جناب) عبد المطلب

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۱۰ - ۴۱، ۵۶، ۶۷

(حضرت) عتابؓ بن اسید

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ
ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱)، ۱۷ - ۱۸

(حضرت) عثمانؓ بن عفان

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۲۴۲ - ۲۴۳

عدل

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ
ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱)، ۵۶۷ - ۷۶۳

عدیؓ بن حاتم

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۳۰۳ - ۳۰۵

مصطفےٰ، سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند و نصائح۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۲)، ۳۸۲-۳۹۰

ورقہ بن نوفل

ابنِ اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی، تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱۱)، ۱۲۳-۱۲۵، ۱۳۲-۱۳۳

وضو

ابنِ اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی، تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱۱)، ۱۲۸-۱۲۹

ولاۃِ نبوتؐ (گورنر)

مظہر صدیقی، محمد یسین: مناصب متعلقہ عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت۔ بقایا جلد پنجم تا (۱۲)، ۳۷-۳۸

ہ

ہجرت

مصطفےٰ سباعی، الشیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرزِ پند و نصائح، ترجمہ از نور الٰہی

(۱۲)، ۳۹۱-۳۹۸

ہجرتِ حبشہ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی۔

(۱۱)، ۱۸۳-۱۹۰، ۲۲۶-۲۴۵

ہجرت مدینہ

مصطفےٰ سباعی، الشیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرزِ پند و نصائح، ترجمہ از نور الٰہی۔

(۱۲)، ۳۹۹-۴۱۱

مقامات

پ

ت

ی

کتب

ا

ث

ق

ف

ک

انگریزی کتب

A

An Account of the Rise and Progress of Mohammatanism: Henry Stubbe (11)483,504,551
Ancient Records of Assyria and Babylonia (11) 580
Die Angebliche Sira des Ibn Ishaq M. Hartman (11) 395
Allahe-ilaue Prafeta Parma : Magnami (11) 559
Anacdotes of Hazrat Mohammad: R. W. Karimi (11) 557
Ancient Account of Polmyra and Zenibia with Travels and Adventures in Bashan and the Desert : William Wright (11) 584
Annali dell's Islam : Leone Caetani (11) 444, 557
The Apology of al-kindi : al-Kindi (11) 557
Apology for Mohammad and the Quran : John Davenport (11) 555
An Apology for the Life and Character of the Celebrated Prophet of Arabia Called Mohammad or the Illustrious: Higgins (11) 560
Arab Kingdom and its Fall · Wellhausen (12)350
The Arabian Prophet, a Life of Mohammad from Chinese and Arabic Sources : Lew Che Fi (11) 558
Das Arabische Reich Und Sein Sturx : J. Wellheusen (11) 278, 396
Arabs in History: J. Schacht (11) 526
Archaeological Studies, Published by the Museum of Archaeology of the American University of Beirut (11) 583

B

Die Bedeutung der Beduine in der Geschichte Araber: Warner Caskel (11) 278

The Begger or the Soldier Gautame or Mahomet : Henry Buckle (11) 553
The Bible Dictionary (11) 583
Bibliotheca Historica (11) 580
Das Bilal Muhammeds in Wandel der Zeiten : Hoas Hoas (11) 560
Budha, Muhammad, Jesus : O. E. Briem (11) 553

C

The Cambridge Ancient History (11) 583
Classical Islam : G. E. Grunebaum (11) 441, 442
A Comprehensive Arabic English Dictionary : F. Steingass (12) 341
Commentary of Ibn Hisham's Biography of Muhammad (11) 395
Die Commentaren des Ibn Ishaq Und Ibne Scholien : P. Bioenle (11) 395
Comte dp. L. Islam. Impressions et etudes., Henridelse Castries (11) 557
Confutacion del Alovany Secta Muhammetana: Oksegon (11) 551
Contra Lospartalista San Paswal Pedio (11) 554

K

L

M

Vie de Mahomet : R. Lerougue (11) 558
Mehomet, at son Denure : Gold (11) 558
Mahomet, Founder of Islam: G. M. Draycott (11) 555
Mahmomet at les Arabs: Theodore Bachelat (11) 552
Vie de Mahomet d apres la tradition Lameiresse (11) 558
Mahomet dauson lemps : Raymond Ducasse (11) 555
Mahomet et ler Origines de L Islamism : Ernest Renan (11) 556
Mahomet in les grand Bommes de orient : A. M. Lamartine (11) 558
Mahomet ne imposter : Magnami (11) 559
Mahomet: La Science chezes Arabs : Alexis Fevrot (11) 557
Mahometanism Unveiled : Charles Forster (11) 557
Mahomometiv its Rerunque Gestarm Synopsis : Loius Maracci (11) 559
Maishaya Muhammad : Dale Codetrey (11) 555
The Making of Humanity: Robert Briffault (11) 524
Memories of the Life of Mahomet: H. H. Millman (11) 559
Maometton : Burno Ducati (11) 555
Maometto egli Ebrei : Guid Corinalde (11) 557
Maometto eil paradise : Pina Messara (11) 559
Maometto Profeta L' Arabia : Leone Caetani (11) 557
The Messenger: R. V. C. Bodley (11) 441, 543
The Messenger — the life of Mohammed : R. V. C. Bodley (11) 553
Militant Islam : G. H. Jansen (11) 483
Vie de Mohammot J. Gugnier (11) 508
Mohamet Prophete des Arabs : Harri Holma (11) 560
Mohammed . Hoevell (11) 560
Mohammad : R. F. Dibble (11) 555
Mohammed : A. Genery (11) 554
Mohammad (A Benglai Account of the Life of Muhammad) : Rene Vieillard (11) 560
Mohammad, His Biography and the Beginning of the Religion of Islam: Simon Bernfeld (11) 552
Mohammad the Man and His Faith (Tr.) : Tor-And-rae (11) 556
Mohammad a Pegebbi Zsidosag Megitelescben : Dezro Fried (11) 557
Mohammad and Mohammadanism Issac Adamns (11) 551
Mohammad and the Rise of Islam: D. S. Margoliouth (11) 559
Mohammad and Mohammedanism S. W. Koelle (11) 557
Mohammad de prophet sein leban and scine lechre : Gustar Weil : (11) 559
Mohammad der prophet : P. Kroppen (11) 557
Mohamad Des Leban Nachden Quellen : Grimm Hubert (11) 558
Mohammad elete estana : Peter er Hatala (11) 560
Mohammad Messenger d, Allah : Rene Vieillard (11) 560
Mohammad Prophet and Statesman : W. Montgomery Watt (11) 549
Mohammad the Man and His Faith : Tor Andre (11) 440
Mohammad und die Seninen : H. Reckender (11) 555
Mohammad und de Seinen : H. C. Beckendarf